حضور ﷺ کے ۱۸۰ عزیز واقارب کے حالات پر ایک منفرد کتاب

رسول اللہ ﷺ کے رشتہ دار

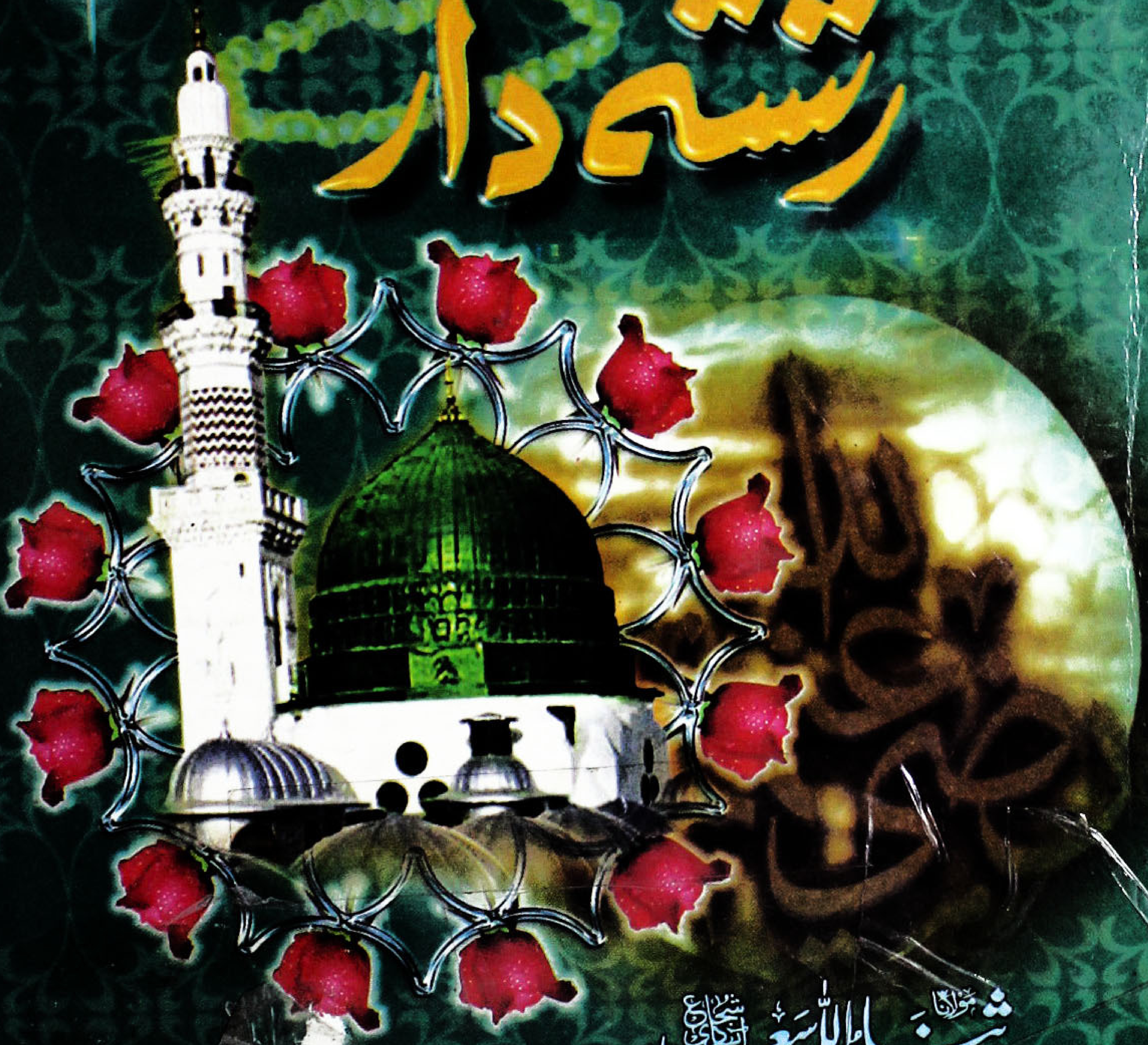

مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی

عمر پبلی کیشنز
یوسف مارکیٹ
غزنی سٹریٹ
اردو بازار لاہور

05-07-2007

Marfat.com

اردو زبان میں اپنے موضوع پر مفصل اور منفرد کتاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار

حضور علیہ السلام کے آبا و اجداد، والدین مکرمین، چچے، پھوپیاں اور ان کی اولاد، آپ علیہ السلام کے سسرالی رشتے دار، نیز ازواج مطہرات، اولاد اطہار، دامادوں، نواسوں اور نواسیوں کے ایمان افروز حالات و واقعات اور خدمات کا حسین و دلنشین مرقع

☆☆☆☆☆☆

ترتیب و تحقیق:

مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی

☆☆☆☆☆☆☆

عمر پبلی کیشنز

یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ 38- اردو بازار لاہور۔ فون:7356963

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

U/0123/07-07-S/R

نام کتاب	:	رسول اللہ ﷺ کے رشتہ دار
ترتیب و تحقیق	:	مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی
باہتمام	:	حافظ محمد احمد چوہدری
اشاعت	:	جولائی 2007ء
پرنٹرز	:	چوہدری پریس
ناشر	:	عمر علی کیشنز یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ 38-اردو بازار لاہور فون:7356963
قیمت	:	

Rs 500.00

ضروری گذارش: ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے دینی کتب میں عمداً غلطی کا تصور نہیں کر سکتے۔ تاہم انسان، انسان ہے، سہواً اگر کوئی غلطی ہو گئی ہو تو ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں تصحیح ہو سکے۔ (ادارہ)

Marfat.com

٥٨-١٢-٢٠١٠

بسم الله الرحمن الرحيم

Marfat.com

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاہِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاہِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاہِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاہِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

Marfat.com

فہرست

حرفِ آغاز	1

باب اوّل:۔ رسولِ اکرم ﷺ کے آباؤ اجداد			3
چند وضاحتیں، چند حقیقتیں، چند گزارشات	4	جنابِ عدنان	7
جنابِ معد	8	جنابِ نزار	9
جنابِ مضر	10	جنابِ الیاس	13
جنابِ مدرکہ	13	جنابِ خزیمہ	14
جنابِ کنانہ	14	جنابِ نضر	14
جنابِ مالک	15	جنابِ فہر بن مالک	16
جنابِ غالب	17	جنابِ لؤی	17
جنابِ کعب	17	جنابِ مُرّہ	19
جنابِ کلاب	19	جنابِ قُصیّ	19
جنابِ عبدِ مناف	23	جنابِ ہاشم	23
حضرت عبدالمطلب بن ہاشم	26		

باب دوم:۔ رسولِ اکرم ﷺ کے چچا، چچیاں، پھوپھیاں اور ان کی اولاد			39
حارث بن عبدالمطلب	40	غزہ بنتِ قیس	43
ربیعہ بن الحارث	43	عبداللہ بن الحارث ؓ	45
عبیدہ بن حارث ؓ	45	نوفل بن الحارث	46
ابوسفیان بن حارث ؓ	49	اروی بنت الحارث	54
زبیر بن عبدالمطلب	55	عاتکہ بنت وہب	59
حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ	59	طاہر بن زبیر بن عبدالمطلب ہاشمی	60
ضباعہ بنت الزبیر بن عبدالمطلب	60	اُم الحکم	72
صفیہ	72	اُم الزبیر	72

Marfat.com

حضرت خواجہ ابوطالب	73	حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا	95
طالب بن ابی طالب	96	چچازاد بھائی حضرت جعفرؓ	97
حضرت اُمِ ہانی رضی اللہ عنہا	105	اُم طالب	107
جمانۃ	107	حضرت عقیلؓ بن ابی طالب	108
ابولھب بن عبدالمطلب	119	اُمِ جمیل بنت حرب	142
حضرت عتبہؓ بن ابی لہب	150	عتیبہ بن ابولہب	152
معتبؓ بن ابی لہب	154	درّۃ	154
عزّۃ	155	خالدۃ	155
حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب	156	حضرت لبابہ بنتِ حارث رضی اللہ عنہا	165
حضرت فضل بن عباسؓ	168	مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ	169
حضرت عبیداللہ بن عباسؓ	184	حضرت قثم بن عباس	187
اُمّ حبیب	188	سید الشہداء **حضرت حمزہ**ؓ	189
حضرت خولہؓ بنتِ قیس	196	چچازاد بہن حضرت عمارہؓ بنت حمزہ	198
حضرت اُمّ الفضل بنتِ حمزہؓ	200	حجل، مقوم، قثم، غیداق، ضرار	201
حضور ﷺ کے چچا مقوم کی بیٹیاں	203	(۱) ھند	203
(۲) اروی	203	(۳) اُم عمرو	203
رسولِ اکرم ﷺ کے بھتیجے	204	جعفر بن ابی سفیانؓ	204
حارث بن نوفل	205	حضرت مغیرہ بن نوفل ہاشمیؓ	206
عبدالمطلب بن ربیعہ	207	حضور ﷺ کی پھوپھیاں اور ان کی اولاد	210
اُم حکیم البیضاء	210	ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد	210
حضرت اروی بنتِ کریز	212	حضرت سعدی بنتِ کریز	213
برّۃ	214	اُمیمہ	215
حضرت اروی رضی اللہ عنہا	216	طلیب بن عمیر	218
عاتکہؓ بنت عبدالمطلب	220	حضرت عبداللہ بن ابی امیہؓ	228
حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا	230	حواریٔ رسول زبیر بن العوامؓ	238
باب سوم:۔ رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین اور ننھیالی خاندان			253
رسول اللہ ﷺ کے والد ماجد حضرت عبداللہؓ	254	والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	263
رحمۃ للعالمین ﷺ کا ننھیال	276	حضرت سعد بن ابی وقاصؓ	278

Marfat.com

عمیر بن ابی وقاص ؓ	281

باب چہارم: سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ولادت باسعادت سے انتقالِ پُرملال تک			283
ثویبہ (رضائی والدہ)	297	رضائی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	299
حرث ابن عبد العزیٰ (رضائی والد)	306	حضرت شیماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت حارث	309
رسولِ اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات	314	ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	314
ام المؤمنین سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	326	حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	335
حضرت اُم المومنین سیدہ حفصہ	355	زینب بنت خزیمہ الہلالیہ سلام اللہ علیہا	361
ام المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا	364	سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا	382
سیدہ جویریہ بنت الحارث الخزاعیہ ؓ	389	سیدہ ام حبیبہ ؓ بنت ابی سفیان الأمویہ	396
حضرت اُم المومنین سیدہ صفیہ	406	ام المومنین سیدہ میمونہ بنت الحارث سلام اللہ علیہا	411
سیدہ ماریہ مصریہ رضی اللہ عنہا	421	**رسول اکرم ﷺ کی باندیاں**	432
حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا	432	حضرت جمیلہ رضی اللہ عنہا	433
حضرت جیبہ رضی اللہ عنہا	433	**حضور ﷺ کے بیٹے اور بیٹیاں**	434
حضرت قاسم رضی اللہ عنہ	434	حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ	435
حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ:	437	**رسول اکرم ﷺ کی صاحبزادیاں**	440
سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنتِ محمد ﷺ	440	حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا	462
حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا	470	حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا	475

باب پنجم: رسولِ اکرم ﷺ کے سسرالی خاندان			483
(۱) خویلد بن اسد	484	فاطمہ بنت زائدہ	485
حضرت ہالہ ؓ بنتِ خویلد	486	**(۲) زمعہ بن قیس**	487
حضرت بریرہ ؓ بنتِ زمعہ	488	**(۳) حضرت ابوبکر صدیق ؓ**	489
حضرت ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا	506	حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت ابوبکر صدیق	510
حضرت عبد اللہ بن ابی بکر ؓ	525	حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر الصدیق	527
محمد بن ابی بکر	532	حضرت اُمّ کلثوم بنت ابی بکر رحمہا اللہ	533
(٤) حضرت عمر فاروق ؓ	540	حضرت زینب ؓ بنتِ مظعون	550
حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ	551	حضرت عبد الرحمٰن الاکبر بن عمر فاروق ؓ	563

Marfat.com

حضرت عبیداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ	564	عبدالرحمٰن الاوسط	565
حضرت عبدالرحمٰن الاصغر	566	حضرت زید الاکبر	566
حضرت عاصم رضی اللہ عنہ	566	عیاض بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ	568
رقیہ	568	فاطمہ	568
صفیہ	568	زینب	568
(۵) خزیمہ بن حارث	569	**(۶) ابی اُمیہ سہیل بن المغیرہ**	569
(۷) جحش بن ریاب	570	حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ	571
حضرت ابواحمد بن جحش اسدی رضی اللہ عنہ	577	حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا	582
حضرتِ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	584	حضرت اُم حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا	592
حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ	593	**(۸) حارث بن ابی ضرار** رضی اللہ عنہ	602
عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ	603	حضرت عمرہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا	605
(۹) حضرت ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ	606	سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ	622
حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ	651	حنظلہ بن ابوسفیان	662
عمرو بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ	662	زینب بنت ابی سفیان	663
حضرت عزہ بنتِ ابی سفیان رضی اللہ عنہا	670	**(۱۰) حُیَیّ ابن اخطب**	672
(۱۱) حارث بن حزن	679	ہند بنت عوف (ساس)	679
حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا	680	حضرت لبابۃ الصغریٰ	683
(۱۲) حضرت سیرینؓ	686	حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ	687

باب ششم:۔ رسولِ اکرم ﷺ کے داماد، نواسے اور نواسیاں 612

حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ	713	حضرت اُمامہؓ بنت ابوالعاص رضی اللہ عنہ	718
حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ	720	حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ	742
حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ	758	سیدنا حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ	766
خاتونِ کربلا حضرت زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا	797	حضرت اُم کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا	806

Marfat.com

حرفِ آغاز

اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام تر مخلوق میں جس ہستی کو عزت وعظمت، قدر ومنزلت، شان وشوکت اور مقام ومرتبت کی اعلیٰ ترین بلندیوں سے نوازا ہے، اور جس پر انسان وحیوان، جن وملک، فرش وفلک، دریا وسمندر، جبال ودواب، عرش وکرسی، لوح وقلم، کعبہ، فرشتے، جنت اور اس کے حور وغلمان حتیٰ کہ تمام تر مخلوقات ناز کرتی ہیں۔ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودہ صفات ہے، اور اس ذاتِ مقدس سے ہمارا اور دنیا بھر کے سلیم الطبع انسانوں کا جو رشتہ وتعلق ہے اس کے حقیقی اظہار اور بیان کیلئے نہ تو الفاظ ساتھ دیتے ہیں اور نہ ہی تخیل اس کا صحیح ادراک کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور کے وابستگانِ دامنِ مصطفیٰ ﷺ کو ہر اس چیز، یا ہر اُس شخصیت کے بارے میں جاننے کا شوق رہا ہے جس کو آپ ﷺ کی ذات اقدس سے کسی بھی قسم کا کچھ تعلق رہا یا نسبت حاصل ہوئی۔ شمائلِ نبوی ﷺ کے موضوع پر ذخیرۂ احادیث وروایات اور اس کی توضیح وتشریح میں لکھا گیا، بیش بہا لٹریچر اس کا واضح ثبوت ہے۔ دنیا میں گذشتہ چودہ صدیوں کے دوران ہزار ہا اصحابِ قلم نے سیرت وصورتِ نبوی ﷺ کے ایک ایک گوشے اور ایک ایک مقدس شوشے پر ہزاروں صفحات لکھے اور آج بھی لکھتے چلے جا رہے ہیں لیکن ہنوز سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاتر کی تکمیل نہیں ہوئی۔ یعنی کوئی صاحبِ ہوش وخرد یہ نہیں کہہ سکتا کہ سیرتِ نبوی ﷺ پر جس قدر تحریری کام ہونا چاہئے تھا وہ ہو چکا، لہٰذا اب اس موضوع پر مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے کہ جو صاحب بھی سیرتِ نبوی ﷺ کو اپنے مطالعہ کا موضوع قرار دیتے ہیں کچھ عرصے بعد پکار اٹھتے ہیں کہ سیرت کے فلاں فلاں گوشے تشنۂ تحریر ہیں، اصحابِ قلم کو ان پر خامہ فرسائی کرنی چاہئے، اور یہ یقیناً رسولِ عرب وعجم حضرت خاتم النبیین، سید المرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور معجزہ ہے جس سے ورفعنا لک ذکرک کی تفسیر کو سمجھنا قدرے آسان ہو جاتا ہے۔

''رسولِ اکرم ﷺ کے رشتہ داروں'' کے موضوع پر تحقیق وترتیب کے کام کو براہِ راست سیرتِ نبوی ﷺ سے متصل اور ملحق قرار دیا جائے یا نہ؟ اس بارے میں باوزن رائے تو انہی حضرات کی ہو سکتی ہے جنہوں نے مطالعۂ سیرت کو حرزِ جان بنایا ہو اور اس پر اپنی عمرِ عزیز کے قیمتی ایام وشہور ہدیہ کئے ہوں۔ تاہم راقم کو اس قدر یقین ضرور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

Marfat.com

دیوانگانِ عشق کے نزدیک بندہ کی یہ محنت رائیگاں نہیں جائے گی، اور اس سے انہیں اپنے آقا، سید الکائنات، سیدِ انس و جان، حضرت رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد، آپ کے اعزہ و اقربا، ازواجِ مطہرات، بناتِ طیبات، دامادوں، سسرالی خاندانوں اور آپ ﷺ کے نواسے نواسیوں کے بارے میں بھرپور معلومات اور ان کی مقدس و پاکیزہ زندگیوں کے نقوش و آثار کا ایک بیش بہا ذخیرہ ملے گا، اور یقیناً یہ معلومات عملی زندگی میں ایسے مثبت اور خوشگوار فیصلوں کا باعث بنیں گی۔ جن کی تفصیل و توضیح بتانے سے نہیں بتانے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کتاب میں آپ ﷺ کے بیس آباؤ اجداد سے لے کر آپ ﷺ کے نواسے اور نواسیوں تک کم و بیش (۱۸۰) نفوس کا تذکرہ شامل ہے۔ جن میں سے بعض تذکرے نہایت مفصل بھی ہیں جبکہ بعض صرف چند سطور پر مشتمل ہیں۔ اور بعض مقامات پر واقعات کا ہلکا پھلکا تکرار بھی موجود ہے۔ جو یقیناً قندِ مکرّر کا مزہ دے گا، جبکہ تکنیکی اعتبار سے بھی ان واقعات کا مختلف انداز میں اعادہ و تکرار ضروری تھا۔

نیز آپ ﷺ کے وہ رشتہ دار جو نہ صرف دولتِ ایمان سے محروم رہے بلکہ وہ بھی کہ جنہوں نے آپ ﷺ کو ایذاء رسانی اور مصائب و آلام کا ہدف بنائے رکھا۔ موضوع کے اعتبار سے چونکہ ان کا تذکرہ بھی ضروری تھا، لہٰذا انہیں بھی شاملِ کتاب کیا گیا ہے۔ اللہ احکم الحاکمین کی عدالت سے ان بدنصیبوں کے بارے میں جو فیصلہ صادر ہو چکا وہ یقیناً باعثِ عبرت ہے، اور یہاں ان کا تذکرہ بھی ان شاء اللہ باعثِ عبرت ہوگا۔

راقم الحروف کی حیثیت اس کتاب کے مرتب کی ہے۔ کتاب میں شامل اکثر مضامین نامور اہلِ قلم کے لکھے ہوئے ہیں، جو باحوالہ شامل کیے گئے ہیں۔ چند ایک مضامین ناچیز راقم الحروف کے بھی تحریر کردہ ہیں جن میں واقعات اور ضروریات کا حوالہ اپنی جگہ پر موجود ہے۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ بحمد اللہ العزیز یہ اپنے موضوع پر جامع، مدلل اور دلچسپ کتاب ہے۔

گرامی قدر قارئین کی خدمت میں التماس ہے کہ ناچیز راقم، دیگر اصحابِ قلم محققین و مصنفین کے علاوہ میرے رفقاءِ فکر و معاونینِ کار بالخصوص برادرِ عزیز حافظ سیف اللہ خالد، نیز اسلام آباد کے مفتی محمد اسامہ مغفور، حضرت مفتی محمد بلال اور کتاب کے ناشر جناب حافظ محمد احمد چودھری نیز ان کے والدین کے حق میں صحت و عافیت اور سلامتیٔ ایمان و عزت و آبرو کی دعا فرمائیں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

ابو محمد ثناء اللہ سعد شجاع آبادی عفی عنہ

۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ یکم جون ۲۰۰۷ء

Marfat.com

باب اوّل

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے
آباؤ اجداد

چند وضاحتیں، چند حقیقتیں، چند گزارشات

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آباؤ اجداد

چند وضاحتیں، چند حقیقتیں، چند گزارشات

رسولِ اکرم، رحمتِ عالم، خیرِ مجسم، شافعِ محشر، ساقیٔ کوثر، حضرت سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات اور جنس کے اعتبار سے ''بشر'' ہی تھے۔ آپ کا تعلق نہ تو نوری فرشتوں سے تھا اور نہ ہی آپ ﷺ کسی اور غیر مرئی مخلوق کے کسی قبیلے کے فرد تھے۔ اس لحاظ سے انسانیت کا دامن اِس شرف سے مالا مال ہے کہ ربّ ذوالجلال نے تمام تر مخلوقات میں سے افضل و برتر مخلوق کو قبیلۂ انسانیت ہی سے وجود بخشا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیر البشر، افضل البشر، سید البشر کا مقام عطا فرمایا، اسی لئے شیخ سعدی شیرازیؒ کا یہ قطعہ عینِ حقیقت اور زبان زدِ عام و خاص ہے:

یا صاحب الجمالِ ویا سیّد البشر — من وّجھک المنیر لقد نوّر القمر
لا یمکن الثّناء کما کان حقّهٗ — بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اللہ نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مقام و مرتبت عطا فرمایا، اس کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ تاریخ انسانی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہی اس لحاظ سے اول و آخر ہے کہ خالقِ کائنات نے آپ کے لئے علاقے کا، کنبے، قبیلے اور خاندان کا باقاعدہ انتخاب فرمایا، اس سلسلہ میں احادیث مبارکہ کی گواہی ملاحظہ ہو!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

ان اللّٰہ اصطفٰی کنانة من ولد اسمٰعیل واصطفٰی قریش من کنانة واصطفٰی من قریش بنی هاشم واصطفانی من بنی هاشم

(صحیح مسلم روایت واثله بن اسقع)

اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے کنانہ کو، کنانہ سے قریش کو،

Marfat.com

قریش سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم سے مجھ کو منتخب کیا ہے۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے بہترین مخلوق اور فریقین (عرب و عجم) میں سے بہتر فریق میں پیدا کیا۔ پھر قبائل کا انتخاب کیا تو مجھے بہترین قبیلے میں پیدا کیا، اس کے بعد خاندانوں کا انتخاب کیا تو مجھے بہترین خاندان میں بھیجا، اس لئے میں بلحاظِ نفس اور بلحاظ خاندان سب انسانوں سے بہتر ہوں۔''

(رواه الترمذی وقال هٰذا حدیث حسن)

طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو چنا تو ان میں سے بنو آدم کو پسند فرمایا۔ پھر بنو آدم سے عرب کو اور عرب سے مجھے پسند فرمایا، پس میں ہمیشہ سے پسندیدہ در پسندیدہ لوگوں سے پیدا ہوا ہوں، خبردار جس نے عربوں سے محبت کی، اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی، اور جس نے ان سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔''

باقی جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلۂ نسب کی بات ہے، اگرچہ علماء انساب میں سے بعض نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرۂ مبارک حضرت عبداللہ سے حضرت آدم علیہ السلام تک بیان کیا ہے اور کچھ نے حضرت عبداللہ سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام تک شجرہ بیان کیا ہے، لیکن متداول اور متوازن قول یہی ہے کہ حضرت عبداللہ سے عدنان تک آپ ﷺ کا شجرۂ نسب بلا شک وشبہ درست ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ علم انساب کے ماہر تھے۔ آپ بھی اس پر متفق ہیں کہ حضرت عبداللہ سے عدنان تک شجرہ مبارک بالکل درست ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی جب اپنا شجرہ بیان فرماتے تو عدنان پر ختم کر دیتے۔ اس سے تجاوز نہ فرماتے تھے۔ شجرہ بیان کرنے والے تمام علماء اس بات پر بھی متفق ہیں کہ عدنان حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تھے یعنی اس امر میں کسی قسم کا شک نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم کا شجرۂ طیبہ حضرت اسماعیل ذبیح اللہ تک جا پہنچتا ہے۔

تاہم چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنا شجرۂ مبارک جناب عدنان سے آگے بیان نہ کرتے لہٰذا علماء کی اکثریت نے بھی بوجہ ادب اس سے آگے کا شجرہ بیان نہیں کیا، تاہم کچھ معروف علماء نے تحقیق کے نقطۂ نظر سے اس سے آگے کا نسب بھی حضرت آدم علیہ السلام تک بیان کیا ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ کا شجرۂ نسب آدم علیہ السلام تک

ابن سعدؒ اور علامہ طبری سمیت زیادہ مؤرخین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جس شجرۂ نسب پر متفق ہیں وہ یہ ہے۔

(۱) حضرت محمد ﷺ بن (۲) حضرت عبداللہ بن (۳) عبدالمطلب بن (۴) ہاشم بن (۵) عبد مناف بن (۶) قصی بن (۷) کلاب بن (۸) مرہ بن (۹) کعب بن (۱۰) لوی بن (۱۱) غالب بن (۱۲) فہر بن (۱۳) مالک بن (۱۴) النضر بن (۱۵) کنانہ بن (۱۶) خزیمہ بن (۱۷) مدرکہ بن (۱۸) الیاس بن (۱۹) مضر بن (۲۰) نزار بن (۲۱) معد بن (۲۲) عدنان [1] بن (۲۳) ادو بن (۲۴) ہمیسع یا سلمان بن (۲۵) ہمتیع یا ہمیدع بن (۲۶) سلامان یا منجر نیست بن (۲۷) نبت بن (۲۸) عوض یا ثعلبہ بن (۲۹) بورایا بور بن (۳۰) شبوخا یا سعد رجب بن (۳۱) لحاما یا قموال بن (۳۲) کسعانا یا محلم ذوالعین بن (۳۳) حرابا یا عوام بن (۳۴) بلدان یا محمل بن (۳۵) بدلانہ یا بدلاف یا رائمہ بن (۳۶) طہبا یا طاہب یا رائمہ بن (۳۷) جہمی یا حاجم یا حلہ بن (۳۸) محشی یا تاحش یا شحدود بن (۳۹) معجانی یا ماحی یا ظریب بن (۴۰) عقارایا عافی عقر ابوالجن بن (۴۱) عاقاری یا عاقرا ابراہیم بن (۴۲) سداعی یا اسماعیل ذوالمطانح بن (۴۳) ابداعی یا عبید زن الطعان بن (۴۴) ہمادی یا ہمدان اسماعیل دولاعوج بن (۴۵) بشمانی یا شین بن (۴۶) بشرابی یا یثرم بن (۴۷) بحزانی یا بحزن بن (۴۸) یلحانی یا یلحن یا عبود بن (۴۹) رعوابی یا رعوی بن (۵۰) عاقاری یا عاقر بن (۵۱) سامان یا زائد بن (۵۲) عاصار یا عاصر یا نیدوان صاحب مجالس بن (۵۳) قناذی یا قناد بن (۵۴) ثامار یا بہی

[1] اسماعیل علیہ السلام سے آدم علیہ السلام تک کا سلسلۂ نسب موجودہ تورات میں بھی موجود ہے۔

Marfat.com

دوس العتق بن (۵۵) مقعد یا مقاصری بن (۵۶) زارح یا قمیر بن (۵۷) سمی یا سمایا محبشر بن (۵۸) مرزا یا مرہر بن (۵۹) صیقان یا سمر بن (۶۰) جشم یا عرام یانبیت بن (۶۱) قیذر یا قیدار بن (۶۲) اسماعیل ؑ بن (۶۳) ابراہیم بن (۶۴) تارخ یا آزر بن (۶۵) ناحور بن (۶۶) ماروح بن (۶۷) ارغو بن (۶۸) بالغ سریانی بن (۶۹) عابر یا عبر یا ہود علیہ السلام بن (۷۰) شالخ بن (۷۱) ارفخشد بن (۷۲) سام بن (۷۳) نوح بن (۷۴) لمک بن (۷۵) متوشالخ بن (۷۶) اخنوع یا ادریس بن (۷۷) یردیا یارد بن (۷۸) مہلائیل بن (۷۹) قنیان بن (۸۰) انوش بن (۸۱) شیث ہتبہ اللہ (۸۲) بن آدم علیہ السلام

(طبقات ابن سعد، تاریخ طبری)

گزشتہ سطور میں یہ بات وضاحت کے ساتھ عرض کی جا چکی ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا شجرۂ نسب حضرت عدنان تک ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

عدنان چونکہ حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کے فرزند اور سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے پوتے ہیں، اور ان دونوں جلیل القدر پیغمبرانِ خدا کے حالات و واقعات سیرت و تاریخ کی کتب میں عام مل جاتے ہیں اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ اِن صفحات میں حضرت عدنان سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اجداد کا تذکرہ شروع کیا جائے۔ امید ہے قارئین ہمارے اس فیصلے کو نظرِ استحسان سے دیکھیں گے۔

جنابِ عدنان

علامہ ابنِ جریر طبریؒ روایت کرتے ہیں کہ عدنان اپنے زمانے میں اہلِ عرب کے مسلمہ سردار تھے۔ ان کے والد کا نام اددیاد ہے، ان کے دو اور بھائی تھے جو باپ کی طرف سے سگے تھے۔ ایک کا نام نبط اور دوسرے کا نام عمرو تھا۔ کتب سیرت سے نبط اور عمرو کے بارے میں مزید کچھ معلوم نہیں ہوتا۔

علامہ ابنِ خلدون لکھتے ہیں کہ جب بلادِ عرب کے جنوب میں واقع پہاڑی سلسلے میں حضور نامی پہاڑ کے قریب رہنے والے لوگوں نے اپنے نبی شعیب علیہ السلام کو شہید کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے دو انبیاء ارمیا اور ابرخیا کو وحی فرمائی کہ وہ بادشاہ بخت نصر کو حکم

Marfat.com

دیں کہ وہ عرب پر چڑھائی کرے۔ اور شعیبؑ کے قاتلوں اور بغاوت کرنے والوں کو سزا دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء سے کہا کہ وہ بخت نصر کو یقین دلائیں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے ساتھ ہوگی اور وہ اس مہم میں کامیاب ہوں گے نیز بخت نصر کو یہ حکم بھی دیں کہ وہ عرب کے سردار عدنان کے بیٹے معد کو اپنے ہمراہ لے آئے۔ معد کی عمر اس وقت بارہ برس کی بیان کی جاتی ہے۔ بخت نصر کو حکم دیا گیا کہ وہ معد کی حفاظت اور تربیت کا پورا پورا اہتمام کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایک عظیم شان والے نبی کو پیدا کرنا چاہتا ہے۔ بخت نصر نے عرب پر یلغار کی تو عرب کے سارے جنگجو عدنان کی قیادت پر متفق ہو کر جمع ہو گئے۔ بخت نصر اور عدنان کے درمیان ذات العرق کے مقام پر میدان لگا جس میں اللہ تعالیٰ کے اعلان کے مطابق اہلِ عرب جن میں حضرت شعیبؑ کے قاتلین بھی شامل تھے، کو شکست ہوئی اور بخت نصر بے شمار مالِ غنیمت اور قیدی مرد و زن لے کر واپس گیا۔ اس نے ان قیدیوں کو عراق میں دریائے فرات کے کنارے ابناء کے شہر میں آباد کیا حکمِ خدا کے مطابق دونوں نبی عدنان کے بارہ سالہ فرزند معد کو اپنے ساتھ لے آئے اور حران میں اپنے ساتھ ٹھہرایا۔ دونوں نے معد کو آسمانی کتب کی تعلیم دی اور ان کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی۔ عدنان کی قیادت میں عرب متحد تھے۔ ان کی وفات کے بعد سب منتشر اور پریشان ہو گئے۔ جس سے عرب ویران ہو گیا۔ دوسری طرف بخت نصر بھی دنیا سے رخصت ہو گیا۔ عدنان کے فرزند معد دونوں انبیاء کے ساتھ مکہ مکرمہ لوٹے۔ سب نے مل کر فریضہ حج ادا کیا۔ معد نے پہلے اپنا گھر بنایا۔ عدنان پہلے شخص ہیں جنہوں نے بیت اللہ شریف کو غلاف پہنایا۔ علماء عدنان سے مشتق بتاتے ہیں۔ علامہ احمد بن زینی دحلان اس کے معنی قائم اور باقی رہنا بتاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جن و انس کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے فرشتے مقرر کر دیے تھے۔

(سیرتِ حلبیہ و دیگر کتب سیرت)

جنابِ معد

جنابِ معد جنابِ عدنان کے صاحبزادے تھے، آپ بہت چوڑے چکلے،

خوبصورت اور مضبوط جسم والے تھے۔ آپ کی عمر ابھی بارہ برس تھی کہ بخت نصر نے عرب قبائل پر حملہ کر دیا۔ اللہ کے حکم سے دو انبیاء نے معد کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ بخت نصر نے معد کو قتل کرنا چاہا تو دونوں انبیاء نے اسے روک دیا اور اسے بتایا کہ ان کی نسل سے ایک جلیل القدر نبی پیدا ہونے والا ہے۔

بخت نصر کی موت کے بعد معد ان انبیاء کے ساتھ مکہ واپس آئے اور اپنے بھائیوں کو یمن سے بلا کر مکہ میں آباد کیا۔ بخت نصر کے حملے اور انبیاء کی معد کی حفاظت والی روایت علامہ زینی دحلان اور علامہ ابنِ خلدون نے بھی بیان کی ہے۔ علاوہ ماوردی کے مطابق اولادِ اسماعیل علیہ السلام کے شرف و بزرگی کی بنیاد رکھنے والا پہلا شخص عدنان کا فرزند معد تھا۔ معد نے تہامہ پر قبضہ کر لیا جس کے باعث ان کی حکومت قائم ہوگی۔ ان کے ہر حکم کی تہامہ کے عرب قبائل تعمیل کرتے۔ معد جنگ وجدال کے لئے ہر وقت تیار رہتے، انہیں لڑائی کا بے حد شوق تھا جس کے باعث لڑنے کے ہنر کی باریکیوں سے آگاہ تھے۔ فارغ وقت میں معد پہلوانی جیسی ورزشیں اور لڑائی کی مشق کیا کرتے لڑائی میں مہارت کے باعث آپ کو ابوالحرب بھی کہا جاتا ہے۔

جنابِ نزار

تہامہ کے سردار معد کے ہاں جب ''نزار'' نامی فرزند پیدا ہوا تو انہوں نے خوشی میں بہت سے اونٹ ذبح کر کے تمام اہلِ تہامہ کی دعوت کا اہتمام کیا جائے۔ دعوت میں امیر غریب اپنے بیگانے سب مدعو تھے۔ آپ نومولود کو بار بار دیکھتے اور ہر بار اور زیادہ دیکھنے کی خواہش ہوتی۔ سب بچے کی خوبصورتی پر رشک کر رہے تھے۔ کسی نے پوچھا اے سردار بچے کی پیدائش کون سی ایسی بڑی بات ہے کہ آپ ہر چیز صدقہ کرنے کو تیار بیٹھے ہیں۔ معد نے کہا کہ اس نعمتِ خداوندی کا شکر ادا کرنے کے لئے میں نے جو کچھ خرچ کیا ہے، وہ بہت حقیر چیز ہے۔ میں نے جتنا کثیر صدقہ کیا ہے، یہ سب اس بچے کی پیدائش کی برکتوں کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ آپ نے کہا اِنَّ هٰذَا كُلَّهُ نَزْرٌ لِحَقِّ هٰذَا الْمَوْلُوْدِ اس وجہ سے ان کا نام نزار مشہور ہوگیا۔ نزار اپنے زمانے میں تمام لوگوں سے زیادہ وجیہ اور حسین تھے۔ اس پر مستزاد یہ

Marfat.com

کہ عقل وفہم میں بھی کوئی ان جیسا نہ تھا۔نزار کی شخصیت بہت باوقار تھی۔اس پر مزید یہ کہ حسن و فہم نے ان کو مزید جاذبِ نظر بنا دیا تھا لہٰذا یہ جب کسی سردار کے پاس جاتے تو بڑے بڑے سرداران کے رعب کے باعث بڑا احترام کرتے اور ان سے بہت محبت سے پیش آتے۔

جنابِ مضر

نزار کے فرزند مضر بھی اپنے باپ کی طرح نہایت خوبصورت تھے اور اپنے حسن و جمال کی وجہ سے دلوں کو اپنا شیدائی بنا لیتے تھے جو شخص بھی ان کو دیکھتا، ان کا دیوانہ ہو جاتا کیونکہ ان کے چہرے پر بھی نورِ مصطفوی کے جلوے ضوفشاں ہوا کرتے تھے۔مضر نہایت عقلمند اور دانا تھے۔آپ کے کئی اقوال اس دور کے عربی ادب میں محفوظ ہیں۔آپ کہا کرتے تھے کہ:

اپنے نفسوں کو مشکل باتوں کا عادی بناؤ اور ہوا و ہوس سے ان کا رخ پھیرے رکھو۔

بہترین بھلائی وہ ہے جو فوری کی جائے۔

صلاح اور فساد میں اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا کسی دودھ دینے والے جانور کو دوبارہ دوہنے کے درمیان ہوتا ہے۔

علامہ ابنِ کثیر فرماتے ہیں کہ حُدی خوانی کا آغاز آپ نے ہی کیا، آپ کی آواز اتنی سریلی تھی کہ جب آپ کچھ گا رہے ہوتے تو دور چراگاہوں میں چرنے والے اونٹ بھی ان کے پاس جمع ہو جاتے۔یہ چار بھائی مضر، ربیعہ، ایاد اور انمار تھے۔ان کے بارے میں ایک بڑی دلچسپ حکایت بیان کی جاتی ہے کہ جب ان کے باپ نزار فوت ہونے لگے تو انہوں نے وصیت کی کہ یہ سرخ رنگ کا قبہ اور اس سے متعلقہ چیزیں ایاد کی ہیں۔ندوہ مجلس اور اس سے متعلقہ چیزیں انمار کی ہیں، اسی طرح چاروں میں مرنے سے قبل ہی ترکہ بانٹ دیا پھر وصیت کی کہ اگر کسی بات پر تم بھائیوں میں کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو فیصلے کے لیے تم نجران کے افعی جرہمی کے پاس چلے جانا، اتفاق سے تقسیمِ جائیداد کے معاملہ میں اختلاف پیدا ہو گیا۔چاروں بھائی تصفیے کے لئے نجران روانہ ہوئے۔دورانِ سفر میں مضر نے گھاس دیکھی جس کو کسی اونٹ نے چرا تھا، وہ کہنے لگا جس اونٹ نے اس گھاس کو چرا ہے، وہ کانا ہے۔ربیعہ نے کہا کہ وہ لنگڑا ہے۔تیسرے بھائی ایاد نے کہا کہ وہ دم بریدہ ہے، چوتھے

بھائی انمار نے کہا کہ وہ بھاگا ہوا ہے۔ ابھی وہ تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ انہیں ایک شخص ملا اس نے کجاوہ سر پر اُٹھا رکھا تھا، اس نے ان چاروں سے پوچھا کہ انہوں نے کہیں اونٹ تو نہیں دیکھا۔ مضر نے کہا کہ وہ کانا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ ربیعہ نے پوچھا کیا تمہارا اونٹ لنگڑا ہے اس نے کہا ہاں، ایاد نے پوچھا کیا ہو دُم کٹا ہے۔ اس نے کہا ہاں، اب انمار بولا، کیا وہ بھاگا ہوا ہے۔ اس نے کہا کہ ہاں: خدارا مجھے بتایئے کہ میرا اونٹ کہاں ہے، چاروں بھائیوں نے کہا کہ ہم نے تو اسے نہیں دیکھا۔ بدو نے کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ چاروں اس کی نشانیاں ٹھیک ٹھیک بتا رہے ہیں لیکن اونٹ کو دیکھا بھی نہیں، جھگڑا بڑھا تو وہ بھی فیصلے کے لئے افعیٰ کے پاس پہنچ گیا۔ بدو نے کہا کہ ان لوگوں نے میرا اونٹ دیکھا لیکن اس کے بارے میں بتا نہیں رہے۔ افعیٰ نے ان سے پوچھا کہ آپ نے بغیر دیکھے ساری نشانیاں کیسے بیان کر دیں۔ مضر نے کہا کہ میں نے جب اس گھاس کو دیکھا جس کو اس نے چرا ہے تو وہ ایک طرف سے چری ہوئی تھی، دوسری طرف سے جوں کی توں لہلہا رہی تھی۔ میں نے سمجھ لیا کہ وہ کانا ہے جو دیکھا ہے، اسے چر لیا جو نہ دیکھا چھوڑ دیا۔ ربیعہ نے کہا کہ اس کے ایک پاؤں کے نشان بالکل واضح اور دوسرے پاؤں کے نشان ادھورے تھے۔ میں نے سمجھا کہ یہ لنگڑا ہے۔ ایاد نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ اس کی مینگنیاں صحیح سالم ہیں تو یوں میں نے سمجھ لیا کہ اس کی دُم کٹی ہوئی ہے ورنہ اس کی مینگنیاں ٹوٹی ہوئی ہوتیں۔ انمار نے کہا میں نے دیکھا کہ اس نے گنجان گھاس چرنے کے لئے منہ ڈالا ہے لیکن اسے ادھورا چھوڑ کر آگے نکل گیا ہے۔ اس سے میں سمجھ گیا کہ وہ بھاگا ہوا ہے۔ اس لئے اطمینان سے گھاس نہیں چر رہا۔ یہ سن کر جرہمی نے اس اونٹ کے مالک سے کہا کہ جاؤ ان لوگوں کے پاس تمہارا اونٹ نہیں۔ پھر اس نے پوچھا آپ لوگ کون ہیں اور کیوں آئے ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ ہم نزار بن معد کے بیٹے ہیں اور آپ سے اس طرح کا فیصلہ کرانے آئے ہیں۔ اس نے کہا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ اتنی فہم و فراست کے مالک فیصلہ کرانے میرے پاس آئے ہیں۔ اس نے چاروں بھائیوں کی دعوت کی۔ آخر میں شراب پیش کی، کھانے سے فارغ ہو کر مضر نے کہا کہ ایسی بہترین شراب عمر بھر نہیں پی۔ کاش اس کے انگور کی بیل قبر پر نہ اگی ہوتی۔ ربیع نے کہا کہ ایسا لذیذ گوشت آج تک نہیں کھایا، کاش اس بکری کی پرورش کتیا

کے دودھ سے نہ کی گئی ہوتی۔ ایاد نے کہا کہ میں نے آج تک ایسا آدمی نہیں دیکھا، کاش اس کی نسبت غیر باپ کی طرف نہ کی گئی ہوتی۔ انمار نے کہا کہ میں نے آج تک ایسی گفتگو نہیں سنی جو ہمارے مقصد کے لئے مفید ہو۔ جرہمی نے ان کی باتیں سنیں تو حیرت سے بت بن گیا۔ وہ اپنی ماں کے پاس گیا اور اپنے باپ کے بارے میں دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ میں ایک سردار کی منکوحہ تھی۔ وہ لاولد تھا، میں نے مناسب نہ سمجھا کہ وہ لاولد مر جائے چنانچہ میں نے ایک شخص سے بدفعلی کی جس سے تو پیدا ہوا جرہمی نے اپنے باورچی سے شراب کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتایا کہ میں نے تمہارے باپ کی قبر پر انگور کی ایک بیل لگائی تھی۔ یہ شراب ان انگوروں سے کشید کی گئی۔ اب اس نے اپنے چرواہے سے گوشت کے بارے میں دریافت کیا، اس نے بتایا کہ بکری نے بچہ جنا اور مر گئی۔ میں نے اس بچے کی پرورش کتیا کے دودھ سے کی جرہمی چاروں بھائیوں کی ذہانت سے مبہوت ہو گیا۔

اس نے چاروں بھائیوں سے پوچھا کہ اے دانشمندان عرب تمہیں ان تمام باتوں کی اصلیت کیسے معلوم ہوئی۔ اس پر چاروں نے کہا کہ ہم نے جوں جوں شراب پی افسردگی واداسی کی کیفیت ہم پر ہوئی جبکہ شراب کی یہ خوبی ہے کہ اسے پی کر نشاط وخوش دلی کے احساسات جاگتے ہیں۔ ہم نے اندازہ کیا کہ شراب کے لئے انگور کس افسردہ جگہ سے حاصل کئے گئے۔ نباتات پر بھی ماحول کا اثر ہوتا ہے لہٰذا شراب کے بارے میں اس طرح اندازہ کیا کہ یہ قبر پر اُگے انگوروں سے کشیدہ ہے۔ اس کے بعد وہ بولے جو بھیڑ بکری اپنی ماں کے دودھ پر پلی ہو تو اس کا گوشت نیچے اور چربی اوپر ہوتی ہے جبکہ کتیا کے دودھ سے پلنے والے جانور کی چربی نیچے اور گوشت اوپر ہوتا ہے۔

تیسرے قیاس کے بارے میں کہا کہ ہم عرب ہیں تو بھی عرب کہلاتا ہے۔ ہم نے آپ کے آداب میزبانی سے اندازہ لگایا کہ آپ غیر عرب ہیں۔ ہمارے ہاں میزبان کھانا ساتھ کھاتے ہیں جبکہ آپ کھانا سجا کر باہر نکل گئے جس سے معلوم ہوا کہ آپ کی رگوں میں غیر عرب خون ہے جبکہ آپ ایک عرب کے فرزند کہلاتے ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا کہ آپ ولدالحرام ہیں۔ جرہمی یہ گفتگو سن کر ساکت رہ گیا اور ان کے درمیان فیصلہ کر کے نہایت تکریم سے رخصت کیا۔ علامہ زینی دحلان سیرت کی کتاب میں یہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ ربیعہ

Marfat.com

اور مضر کو برا مت کہو کیونکہ وہ دونوں مومن تھے۔ دوسری روایت ہے کہ مضر کو برا بھلا نہ کہو کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین پر تھا۔ مضر کی قبر روحاء کے علاقے میں بیان کی جاتی ہے۔

جنابِ الیاس

جناب مضر کے فرزند جنابِ الیاس بھی نہایت ذی وجاہت بزرگ تھے۔ عرب کے لوگ انہیں سید العشیرہ کے لقب سے پکارتے تھے۔ سب سے پہلے بیت اللہ شریف میں قربانی کا جانور لے کر جانے والے الیاس ہی ہیں۔ علامہ زینی دحلان ہی یہ حدیث بھی بیان کرتے ہیں کہ ''الیاس کو برا بھلا مت کہو، وہ مومن تھے۔ اہلِ عرب میں ان کی مثال ایسی تھی جیسے لقمان حکیم اپنی قوم میں۔'' علماءِ انساب سے منقول ہے کہ جب الیاس جوان ہوئے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں، ان پر انہیں سخت تنبیہ کی اور تلقین کی کہ اپنے جلیل القدر باپ کی سنت اور طریقوں کی پابندی کریں۔ اُن کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور قوم نے پھر سے سیدھے راستے کو اختیار کر لیا جو ان کے صالح بزرگوں نے اپنے لئے پسند کیا تھا۔ وہ قبائلِ عرب کے سردار ہونے کے ناتے جملہ امور کا فیصلہ کرتے ان کے اقوال میں سے چند ملاحظہ کریں۔

جو خیر کو بوتا ہے، وہ خوشی کی فصل کاٹتا ہے۔

جو برائی کو بوتا ہے وہ ندامت کی فصل کاٹتا ہے۔ (ملخص از سیرتِ حلبیہ)

جنابِ مدرکہ

مدرکہ کا اصل نام عمرو تھا۔ علامہ ابن جریر طبری کے مطابق ان کی والدہ خندف کے لقب سے مشہور تھیں۔ ان کا نام لیلیٰ بنت حلوان تھا۔ لیلیٰ بنت حلوان کا تعلق یمن کے ایک قبیلے سے تھا۔ اپنی خوبیوں اور صفات کے باعث انہیں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا حتیٰ کہ ان کی اولاد کو باپ کے بجائے ان کی ماں کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔ ایک روز عمرو اور ان کا بھائی عامر جنگل میں اونٹ چرا رہے تھے کہ انہیں شکار مل گیا۔ دونوں بھائی اسے پکانے میں مصروف ہو گئے۔ اچانک ایک خرگوش چھلانگیں لگاتا ہوا وہاں سے گزرا۔ اس سے ڈر کر اونٹ بدکے اور

Marfat.com

بھاگ کھڑے ہوئے۔ عمرو نے عامر سے پوچھا۔ اونٹوں کے پیچھے جاؤ گے یا شکار پکاؤ گے۔ اس نے شکار پکانے کی ہامی بھری۔ عمرو دوڑے اور تمام اونٹوں کو ہانک لائے، شام کو باپ کو واقعہ سنایا تو انہوں نے عمرو سے کہا تم مدرکہ اور عامر سے کہا کہ تم طانجہ ہو۔ (تاریخ طبری)

جنابِ خزیمہ

مدرکہ کے فرزند جنابِ خزیمہ ہیں۔ ان کی والدہ کا نام سلمٰی بنتِ اسلم تھا۔ ان کے ایک بھائی کا نام ہذیل تھا۔ ماں کی طرف سے بھی ان کا ایک بھائی تھا۔ اس کا نام تغلب بن حلوان تھا۔ خزیمہ کے چار بیٹے پیدا ہوئے۔ خزیمہ کے ان بیٹوں بارے تاریخ طبری میں لکھا ہے کہ لوگوں پر ان کے انعامات و احسانات بے شمار ہیں۔ ان کے فضائل و مکارم کے بارے میں کسی نے خوب کہا ہے کہ فضائل و مکارم جتنے تھے وہ تو سب کے سب تیزی سے خزیمہ کی ذات میں جمع ہو گئے تھے اور ان میں کوئی مکر باقی نہ رہا۔ اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ خزیمہ کی وفات ملت ابراہیمی پر ہوئی۔

جنابِ کنانہ

جنابِ خزیمہ کے فرزند جنابِ کنانہ ہیں۔ ان کی والدہ کا نام عوانہ بنتِ سعد بن قیس بن عیلان تھا جبکہ بعض ان کی والدہ کا نام ہند بنتِ عمرو بن قیس بتاتے ہیں۔ امام محمد بن یوسف کنانہ کا مطلب ترکش بیان کرتے ہیں۔ ان کی کنیت ابوالنضر تھی۔ ایک روز کنانہ حطیم میں سو رہے تھے کہ انہوں نے خواب دیکھا کہ انہیں کہا گیا کہ ان چار چیزوں میں سے ایک چن لو۔ گھوڑے، اونٹ، تعمیرات اور دائمی عزت، آپ نے عرض کیا کہ اے میرے رب مجھے یہ ساری نعمتیں عطا کر۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور قریش کو یہ ساری نعمتیں عطا فرما دیں۔ (تاریخ طبری)

جنابِ نضر

جنابِ نضر کا اصل نام قیس تھا۔ جو نہایت حسین جوان تھے۔ چہرے کی دمک اور

Marfat.com

ن کے باعث قیس نضر کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ ان کی والدہ کا نام برّہ بنت مر بن اد بن طانجہ تھا۔ ابوعثمان الجاحظ ایک آزاد منش محقق تھے، وہ لکھتے ہیں:

''کِنانہ کے والد خزیمہ کا جب انتقال ہوا تو زمانہ جاہلیت کے رواج کے مطابق انہوں نے اپنے باپ کی بیوہ کو اپنی زوجیت میں لے لیا لیکن وہ جلد ہی فوت ہو گئیں۔ ان کے شِکم سے کوئی بیٹا پیدا ہوا نہ کوئی بیٹی پیدا ہوئی۔ اس کے بعد کِنانہ نے اپنی پہلی بیوی کے بھائی کی بیٹی کے ساتھ نکاح کیا۔ جس کا نام برّہ بنت مر بن اد بن طانجہ ہے۔ ان کے شکم سے کِنانہ کے فرزند النضر پیدا ہوئے۔''

''بہت سے لوگوں نے جب یہ سنا کہ کِنانہ نے اپنے سالے کی بیٹی کو اپنی زوجیت میں لیا ہے تو وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ کِنانہ نے اپنے باپ کی بیوہ کو زوجیت میں لے لیا اور اس کے شکم سے نضر پیدا ہوئے۔''

اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ دونوں بیویوں کے نام بھی ایک تھے اور ان کا باہمی رشتہ بھی قریبی تھا لیکن ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ ہم اس غلط فہمی میں مبتلا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب پاک پر ناپسندیدہ اور مبغوض نکاح کا داغ لگائیں حالانکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ابتداء سے آخر تک اسلامی نکاح کے مطابق ایک پشت سے دوسری پشت میں منتقل ہوتا رہا۔

جنابِ مالک

جنابِ نضر کے فرزندوں میں سے جنابِ مالک ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں۔ ان کی والدہ کا نام عاتکہ ہے بعض مؤرخین نے عکرشہ کو ان کی والدہ بتایا ہے جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ کوئی دوسری خاتون ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ عاتکہ ان کا نام اور عکرشہ لقب تھا اور یہی مالک کی والدہ تھیں۔ نضر لوگوں کی ضروریات کے بارے میں ان سے دریافت کیا کرتے اور ان کی حاجت پوری کرتے، اس لئے انہیں قریش کہا گیا جو ''قریش'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی تفتیش کرنا ہے۔ اپنے نامور والد کی طرح نضر کی اولاد

Marfat.com

بھی موسمِ حج میں حجاج کے پاس جاتی اور لوگوں کی خیریت دریافت کرتی۔ لوگوں کو کچھ ضرورت ہوتی تو اسے پورا کرتے۔

بعض کی رائے یہ ہے کہ نضر کا نام قریش تھا۔ اس لئے ان کی اولاد قریش کہلائی بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ بے شک نضر اور اس کی اولاد میں غریب پروری اور مسافر نوازی کی صفات تھیں بایں ہمہ انہیں بنو نضر ہی کہا جاتا تھا۔ یہ قبیلہ قریش کے لقب سے اس وقت مشہور ہوا۔ جب قصی نے اطرافِ عرب میں سے اپنے قبیلے کے منتشر افراد کو مکہ میں جمع کیا۔ اس وقت لوگوں نے کہا کہ نضر کی اولاد جمع ہوگئی ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن کے فرزند ابی سلمہ سے منقول ہے کہ جب قصی حرم میں اترا اور زمامِ اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لی اور پسندیدہ کام کیے تو اس وقت اسے قریش کہا گیا اور وہی پہلے شخص ہیں جنہیں قریشی کے لقب سے پکارا گیا۔ (تاریخ طبری)

جنابِ فہر بن مالک

جنابِ مالک کے فرزند فہر ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے دسویں دادا ہیں۔ فہر کی والدہ کا نام جندلہ بنت عامر بن حارث بن مضاض الجرہمی تھا۔ یہ قریش کو جمع کرنے والے کے نام سے مشہور تھے۔ اپنے دور میں فہر اہل مکہ اور نواح کے قبیلوں کے سردار تھے۔ حسان بن عبدالکلال الحمیر ی نے یمنی قبائل کے بہت بڑے لشکر کے ساتھ مکہ پر چڑھائی کی تاکہ وہ پتھر جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام نے کعبہ شریف تعمیر کیا تھا۔ انہیں اکھیڑ کر لے جائیں اور ان پتھروں سے اپنے ہاں کعبہ تعمیر کریں اور لوگوں کو حکم دیں کہ وہ حج کرنے کے لئے مکہ کے بجائے یمن آئیں۔ ان کے بنائے ہوئے کعبہ کے گرد طواف کریں اور دیگر مناسک حج ادا کریں۔

جب قریش اور دیگر قبائل نے یہ حالات دیکھے تو حسان کے ساتھ جنگ کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے قریش اور دیگر عرب قبائل کے لشکر کے سپہ سالار فہر تھے۔ گھمسان کی جنگ ہوئی۔ جنگ میں حسان الحمیر ی کو شکست ہوئی۔ اسے جنگی قیدی بنالیا گیا۔ فہر کے بیٹے حارث نے اسے قید کیا تھا۔ عربوں کا بھی کافی جانی نقصان ہوا۔ فہر کے پوتے قیس بن غالب بن فہر اس جنگ میں کام آئے، حسان تین برس تک مکہ میں بطور جنگی قیدی رہا آخر

اس نے فدیہ ادا کر کے رہائی پائی۔ وہ اپنے وطن لوٹ رہا تھا کہ راستے ہی میں مر گیا۔
(طبری، البدایہ والنہایہ)

جنابِ غالب

غالب ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں نویں دادا ہیں۔ ان کی کنیت ابو تیم تھی، ان کے دو بیٹے تھے، ایک کا نام لوی اور دوسرے کا نام تیم تھا۔ بنی تیم کے جدِ اعلیٰ یہی تیم تھے جو غالب کے بیٹے تھے۔

جنابِ لُوَیّ

جنابِ لُوی ہمارے حضورؐ کے نسب میں آٹھویں دادا ہیں۔ لُوی کی والدہ کا نام عاتکہ بنت یخلد بن نضر بن کنانہ تھا۔ قریش میں عاتکہ نام کی خواتین جن کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب پاک میں آتا ہے ان میں سے یہ پہلی عاتکہ ہیں۔ لُوی کے دو سگے بھائی تھے۔ تیم کی ٹھوڑی میں نقص کی وجہ سے انہیں تیم الادرم کہا جاتا تھا۔ دوسرے بھائی کا نام قیس تھا۔ ان کی کوئی اولاد باقی نہیں، ان کے خاندان کے آخری فرد نے خالد بن عبداللہ القبشری کے زمانے میں وفات پائی۔ ان کی میراث کا حق دار کوئی فرد زندہ نہ رہا۔ لُوی کو اللہ تعالیٰ نے علم و حکمت کی صفات سے متصف فرمایا۔ بچپن میں ہی آپ کی زبان سے ایسے جملے نکلتے جو ضرب المثل بن جایا کرتے۔

جنابِ کعب

جنابِ کعب ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں ساتویں دادا ہیں۔ ان کی شخصیت بڑی ممتاز تھی، وہ ہر جمعہ کو اپنے قبیلہ قریش کو جمع کرتے اور انہیں خطاب فرماتے۔ ان کے خطابات ان کے سچے مومن ہونے کی تصدیق کرتے ہیں۔ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم دیتے۔ انہیں نبی پاک کی بعثت کی بشارت دیتے اور یہ بتاتے کہ آخری نبی ان

کی اولاد سے ہوں گے۔ اپنی قوم کو تاکید کرتے کہ اگر انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد نصیب ہوتو فوراً ایمان لائیں۔کعب ایسے شعر پڑھتے جن سے اس محبت ووارفتگی کا اظہار ہوتا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے دل میں موجزن تھی۔

سبل الہدیٰ والرشاد میں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے حوالے سے کعب کا خطبہ ان الفاظ میں مروی ہے:

"رات کی تاریکی چھاجاتی ہے اور دن کی روشنی پھیل جاتی ہے۔ زمین پنگھوڑا ہے اور آسمان پختہ عمارت ہے۔ پہاڑ میخیں ہیں اور ستارے نشانات ہیں۔ یہ ساری چیزیں بے مقصد پیدا نہیں کی گئیں۔ تاکہ تم ان تکوینی آیات سے منہ پھیرلو۔ بعد میں آنے والوں کا حال بھی وہی ہو گا جو پہلوں کا ہوا۔ مرد بھی عورت کی طرح ہے۔ انسان جوڑا جوڑا اور تنہا فنا کی طرف بڑھ رہا ہے۔ پس صلہ رحمی کرو اور اپنے وعدوں کو ایفا کرو۔ اپنے سسرال کی حفاظت کرو۔ اور اپنے اموال میں اضافہ کرتے رہو۔ کیونکہ ان اموال پر ہی تمہاری مروت واحسان کا دارومدار ہے۔ کیا کسی ہلاک ہونے والے کو تم نے دیکھا ہے کہ وہ لوٹ آیا ہو۔ یا کسی مردہ کو دیکھا ہے کہ وہ قبر سے اُٹھ کھڑا ہو۔ دار آخرت تمہارے سامنے ہے۔ اپنے حرم کو آراستہ کرو، اس کی تعظیم کرو اور اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ اس سے ایک بہت شاندار اور اہم خبر آئے گی اور اسی سے ایک نبی کریم ظاہر ہوں گے۔ یہی خوشخبری موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی اُمتوں کو دی۔"

پھر آپ اس طرح کے شعر پڑھتے ۔

"ہر روز دن میں اور رات میں واقعات رونما ہوتے ہیں، ہم پر ان کی رات اور ان کا دن یکساں ہیں۔"

اور اچانک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کا اسم گرامی محمدؐ ہے، تشریف لائیں گے۔ اور ہمیں ایسی خبروں سے آگاہ کریں گے جن کا خبر دینے والا سچا ہوگا۔

بخدا کاش اس وقت میرے کان اور آنکھیں میرے پاؤں اور ہاتھ صحیح ہوں۔ تو میں اس دعوت کو پھیلانے کے لئے سر بلند کر کے کھڑا ہوتا جیسے اونٹ کھڑا ہوتا ہے۔ اور اس طرح فخر وناز سے چلتا جس طرح نرسانڈ چلا کرتا ہے۔

اے کاش میں اس وقت موجود ہوتا جب کہ یہ قبیلہ حق کو نامراد کرنے کے لئے

Marfat.com

مصروفِ عمل ہوگا۔ کعب کی موت اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے درمیان پانچ صدیوں سے زیادہ کا عرصہ ہے، ان کے یہ ارشادات گواہ ہیں کہ وہ دینِ ابراہیمی پر کاربند تھے۔

کعب کی اہلِ عرب کے نزدیک بڑی قدر ومنزلت تھی۔ اہلِ عرب نے اپنی تاریخ کا آغاز ان کے یومِ وفات سے کیا۔ عام الفیل تک یہی سن تاریخ استعمال کرتے رہے۔ عام الفیل کے بعد اس واقعہ سے اہلِ عرب نے تاریخ کا کام لینا شروع کیا۔ وہ حج کے دنوں میں لوگوں کو خطبہ دیا کرتے تھے اور آپ کا خطبہ مشہور ہے۔ خطبے میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے میں لوگوں کو آگاہ کیا کرتے تھے۔ (الکامل الابن اثیر جلد دوم)

کعب پر حضرت عمر فاروق کا نسب نبی پاکؐ سے آملتا ہے۔

جنابِ مُرّہ

مُرّہ بن کعب کی کنیت ابو یقظہ ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں چھٹے دادا ہیں۔ مُرّہ حضرت ابوبکرؓ کے بھی چھٹے دادا ہیں اور مرہ بن کعب پر حضرت ابوبکرؓ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلۂ نسب مل جاتا ہے۔

جنابِ کلاب

جنابِ کلاب ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں پانچویں دادا ہیں۔ ان کی کنیت ابوزہرہ اور نام حکیم ہے بعض علماء ان کا نام عروہ بتاتے ہیں۔ ان کو کلاب کے لقب سے پکارے جانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتوں کے ساتھ شکار کھیلا کرتے تھے۔ کلاب حضرت آمنہ کے تیسرے دادا تھے۔ ان پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدِ ماجد اور والدہ ماجدہ کا نسب جمع ہو جاتا ہے۔ عربی مہینوں کے موجودہ نام کلاب نے ہی تجویز کئے تھے۔

جنابِ قُصَیّ

جنابِ قُصَیّ کا اصل نام زید تھا آپ 400ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ ان کی

Marfat.com

کنیت ابومغیرہ تھی۔ ان کو قصی کہنے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ان کے والد کلاب کا انتقال ہوا تو انہوں نے اپنے پیچھے ایک بیوہ فاطمہ بنت سعد اور دو بچے چھوڑے۔ بڑے کا نام زہرہ جبکہ دوسرے زید تھے جو اس وقت بہت چھوٹی عمر کے تھے۔ ربیعہ بن حرام بن حنبہ نے ان کی والدہ فاطمہ کے ساتھ نکاح کر لیا۔ جب وہ اپنی بیوی کو ساتھ لے کر وطن روانہ ہونے لگا تو بڑے بھائی زہرہ کو قریب بلوغت دیکھ کر مکہ میں چھوڑ دیا اور زید کو کم سنی کی وجہ سے اپنے وطن ''عذرہ'' جو شام کی سرحد کے قریب ہے۔ واپس جاتے ہوئے ساتھ لے گیا۔ زید نے ابتدائی سال اسی علاقے میں گزارے۔ ایک دن بنی قضاعہ کے کسی بچے نے انہیں غریب الوطنی کا طعنہ دیا تو آپ افسردہ ہو کر اپنی ماں کے پاس آئے اور ان سے حقیقتِ حال دریافت کی۔ ماں نے کہا بیٹا آزردہ ہونے کی کیا بات ہے تو ایسے خاندان کا چشم و چراغ ہے جس کے سارے عرب میں عزت و تکریم کی جاتی ہے۔ تو اپنی ذات اور نسبت کے اعتبار سے یہاں کے لوگوں سے برتر ہے تو قریش کے مشہور سردار کلاب بن مرہ کا بیٹا ہے۔ تیرا قبیلہ مکہ مکرمہ میں اقامت گزیں ہے۔ جب حج کا موسم آیا تو زید والدہ سے اجازت لے کر حاجیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ ان کی والدہ کے بطن سے ربیعہ کا ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام رزاح بن ربیعہ تھا۔ ربیعہ کی دوسری بیوی سے بھی اس کے کئی بیٹے بیٹیاں تھیں۔

مکہ آ کر زید کچھ عرصہ اپنے بڑے بھائی زہرہ کے ساتھ رہائش پذیر رہے۔ جب جوان ہو گئے تو بنی خزاعہ کے سردار حلیل کی لڑکی حبی کا رشتہ طلب کیا۔ حلیل اس وقت کعبہ کا متولی تھا۔ اس نے آپ کے خاندان کی شرافت کو دیکھتے ہوئے اپنی بیٹی کا نکاح قُصَیّ سے کر دیا، جس کے بطن سے آپ کے چار بیٹے پیدا ہوئے۔ عبدالدار، عبدالمناف، عبدالعزّی، عبدقصی۔ حلیل بڑھاپے کی وجہ سے کمزور ہو گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ کعبہ کی تولیت کے فرائض انجام دینے سے قاصر ہے۔ اس نے اپنی بیٹی حبی کو اپنی جگہ متولی بنا دیا۔ حبی نے کہا کہ میں نہ تو کعبہ کا دروازہ کھول سکتی ہوں اور نہ بند کر سکتی ہوں۔ اُس نے دروازہ کھولنے اور بند کرنے کی ذمہ داری اپنے بیٹے ابوغبشان کے سپرد کر دی۔ قصی نے شراب کے ایک مشکیزے اور سارنگی کے عوض ابوغبشان سے کعبہ کی تولیت کا حق خرید لیا۔

بنوخزاعہ کو قصی کے متولی بننے نے برافروختہ کر دیا۔ اُنہوں نے تلوار کے زور سے

Marfat.com

یہ حق چھیننے کا فیصلہ کر لیا۔ قصی نے بھی اپنے بھائیوں کو مدد کے لئے پکارا۔ قصی کے مکہ میں موجود بھائی زہرہ اور "عذرہ" میں مقیم ماں کی جانب سے بھائی رزاح بن ربیعہ اپنے تین دوسرے بھائیوں، ہمدردوں اور قبیلہ قضاعہ کے جوانوں کا لشکر لے کر مکہ پہنچ گئے، خوب جنگ ہوئی، دونوں طرف کے کئی آدمی مارے گئے مگر فتح وشکست کا فیصلہ نہ ہو سکا چنانچہ طے پایا کہ فریقین عمرو بن عوف بن کعب کو اپنا ثالث مقرر کر لیں اور وہ جو فیصلہ کرے، اسے تسلیم کر لیں گے۔ علامہ احمد بن زینی الدھلان السیرۃ النبویہ میں تحریر کرتے ہیں کہ جب فریقین نے عمرو کو اپنا حاکم مان لیا تو اس نے کہا کہ کل صحن کعبہ میں آپ کے جھگڑے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ دوسرے روز جب دونوں فریق صحن کعبہ میں جمع ہو گئے تو عمرو بن عوف کھڑا ہو گیا۔ اس نے اعلان کیا کہ کان کھول کر سن لو۔ فریقین کے درمیان جو خونریزی ہوئی ہے، میں نے اس کو اپنے ان دو قدموں کے نیچے روند دیا ہے۔ پس کسی فریق کے مقتولوں کا خون بہا دوسرے فریق پر نہیں تولیت کعبہ کے بارے میں اس نے یہ فیصلہ کیا کہ کعبہ کا متولی میں قصی کو مقرر کرتا ہوں۔

کعب بن لُوی کی اولاد میں سے قصی پہلا شخص ہے جس کو حکومت ملی اور ساری قوم نے برضا ورغبت ان کی اطاعت قبول کی۔ قصی کی شخصیت میں ہی حجابہ، افادہ، سقایہ، ندوۃ اور اللواء کے اعزازات جمع ہو گئے۔ اس نے تمام لوگوں کو اپنے اپنے حصے میں رہائشی مکانات بنانے کی اجازت دے دی۔ قصی کی دانشمندانہ اور جرأت مندانہ قیادت کے طفیل قریش کو عزت کی زندگی بسر کرنے کا موقع ملا تھا۔ اس باعث وہ قصی کے احسان مند تھے۔ اس کے ہر حکم کو دل و جان سے بجالاتے ہر جوڑے کی شادی قصی کے گھر طے پاتی۔ جب بھی کوئی مشکل پیش آتی تو ساری قوم اس کے گھر میں جمع ہوتی۔ جنگ کی نوبت آتی تو جنگی علم باندھنے کا فریضہ قصی انجام دیتے۔ قصی نے ایک عمارت تعمیر کی، جس کا نام دارالندوہ رکھا گیا۔ اس کا دروازہ حرم شریف میں کھلتا تھا۔ قصی اس میں بیٹھ کر قوم کے مسائل باہمی مشورہ سے حل کرتے۔ ان کے حکم پر بچے بوڑھے سب وہاں حاضر ہو جاتے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے نابت نے زمامِ کار اپنے ہاتھ میں لی۔ ان کے بارہ بھائیوں اور اولاد نے کثیر قبیلہ کی شکل اختیار کر لی۔ نابت کی وفات کے بعد مفاض بن عمرو جرہمی نے بیت اللہ شریف کی تولیت پر قبضہ کر لیا۔ کچھ عرصہ تو

معاملات ٹھیک رہے لیکن پھر اقتدار نے ان کا دماغ خراب کر دیا اور وہ برائیوں میں گرفتار ہو کر دین حنیفہ سے دور ہو گئے۔ مکہ مکرمہ سے بنو جرھم کے اقتدار کا خاتمہ اس وقت ہوا جب بنو خزاعہ نے بنو بکر بن عبد مناف بن کنانہ اور بنی غبشان بن عبد عمرو قبائل نے مل کر بنو جرھم کے ساتھ جنگ کی۔ بنو خزاعہ عرصہ دراز تک مکہ مکرمہ پر حکمرانی کرتے رہے۔ ان کا ایک بد بخت فرد عمرو بن لحی جو اپنے زمانہ میں اپنے قبیلے کا سردار تھا۔ وہ ملک عرب میں بت پرستی کی لعنت پھیلانے کا باعث بنا۔ آخر کار قصی نے اس کا تختہ اُلٹ دیا۔ اس طرح صدہا سال بعد سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کو اپنا کھویا ہوا مقام واپس مل گیا۔ (تاریخ ابن خلدون جلد دوم)

قصی کے چار فرزند تھے۔ بڑے بیٹے کا نام عبدالدار، ان سے چھوٹے کا نام عبدمناف تھے۔ عمر کے لحاظ سے عبدالدار اگرچہ بڑے تھے لیکن عبدمناف کی ذاتی خوبیوں کے باعث ساری قوم ان کی گرویدہ تھی۔ ان کی سخاوت کے باعث قریش ان کو الفیاض کے لقب سے پکارتے تھے۔ قصی کو بڑے بیٹے سے زیادہ محبت تھی۔ اُنہوں نے پانچوں مناسب پر عبدالدار کو فائز کر دیا لیکن امام محمد بن یوسف الصالحی لکھتے ہیں:

"قصی نے اپنے مناصب کو اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔ سقایہ اور ندوہ عبدمناف کو تفویض کیا۔ ان کی ذریت میں سے نبی پاک پیدا ہوئے۔ حجابہ اور لواء عبدالدار کو دیا یعنی خانہ کعبہ کی خدمت اور جھنڈا اور ایام منیٰ میں حاجیوں کی میزبانی کا فریضہ عبدالعزیٰ کو سونپا ان کی اجازت کے بغیر کوئی اپنا چولھا گرم نہیں کر سکتا تھا اور وادی کی حفاظت کی ذمہ داری عبد قصی کو سونپی۔"

یہی قول درست ہے۔ قصی کو وفات کے بعد حجون میں دفن کیا گیا۔ اس کے بعد سارے لوگ اپنی میتوں کو وہیں دفن کرنے لگے۔

قصی کے چند حکیمانہ اقوال ملاحظہ فرمائیں۔

جس نے کسی سفلہ مزاج اور کمینہ خصلت آدمی کا احترام کیا، وہ گویا اس کی کمینگی میں حصہ دار ہے۔ عزت و تکریم سے جس کی اصلاح نہیں ہوتی، ذلت و رسوائی اس کی اصلاح کر دیتی ہے۔ (سیرت حلبیہ، تاریخ ابن خلدون، البدایہ والنہایہ)

۹۲۱۵۷

Marfat.com

جنابِ عبدِ مناف

جناب عبدِ مناف کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے قمر البطحاء یعنی بطحا کا چاند کہا جاتا تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہیں ایک پتھر ملا جس پر یہ عبارت کندہ تھی:

"میں مغیرہ بن قصی ہوں۔ میں قریش کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کریں اور اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کریں۔ عبدِ مناف بتوں سے بغض رکھتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ان کے چہرے پر چمکتا تھا۔"

اپنی سخاوت اور غیر معمولی سیاسی فہم و فراست کی وجہ سے اپنے والد کے بعد یہی اپنی قوم کے سردار مقرر ہوئے۔

جنابِ ہاشم

عبدِ مناف کے چار بیٹے ہاشم، مُطّلِب، عبدِ شمس، نوفل تھے۔ اپنے باپ کی تقسیم پر نہ عبدِ مناف نے کوئی اعتراض کیا اور نہ ان کی زندگی میں ان کے بیٹوں نے عبدالدار کے بیٹوں سے کوئی جھگڑا کیا مگر جب دونوں بھائی عبدالدار اور عبدِ مناف فوت ہو گئے تو عبدِ مناف کے بیٹے خاموش نہ رہ سکے۔ وہ اپنے آپ میں شجاعت اور سخاوت کی موجود بلند خوبیوں کے باعث چچا زاد بھائیوں کی نسبت مناصب کے خود کو زیادہ حق دار سمجھتے تھے۔ آخر اُنہوں نے اپنا حق لینے کا ارادہ کر لیا۔ عبدِ مناف، بنو زہرہ، بنو اسد، بنو تیم بن مُرّہ، بنو حارث اور بنو فہر نے خوشبو والے پیالے میں انگلیاں ڈبو کر بنو عبدِ مناف کا ساتھ دینے کا عہد کیا۔

بنو عبدالدار نے بھی مقابلہ کی تیاری شروع کر دی۔ ان کا ساتھ دینے کے لئے بنو مخزوم، بنو سہم، بنو جمح، بنو عدی بن کعب نے خون سے بھرے پیالے میں اُنگلیاں ڈبو کر عہد کیا۔ بعض دانشمند افراد کی کوششوں سے ان کے درمیان یہ طے پا گیا کہ رفادہ، قیادہ اور سقایہ کے مناصب عبدمناف کے بیٹوں کو مل گئے۔ حجابہ اور لواء کے مناصب عبدالدار کے

Marfat.com

بیٹوں کے سپرد کیے جائیں گے اور دارالندوہ دونوں کے درمیان مشترک رہے گا۔

چنانچہ گھڑسوار دستوں کی قیادت عبد شمس بن عبد مناف کو دی گئی۔ عبد شمس کے بعد اُمیہ اُمیہ کے بعد حرب اور حرب کے بعد ابوسفیان کو یہ منصب ملا۔ جنگ کے وقت لشکر کے سپہ سالار اس خاندان کے لوگ ہوا کرتے تھے۔ افادہ کا منصب عبدِ مناف کے بعد ہاشم کو ان کے بعد عبدالمطلب کو ان کے بعد ابوطالب کو ان کے بعد ان کے بھائی عباس کو ملتا رہا۔ یہ سلسلہ بنوعباس میں ان کی خلافت کے خاتمہ تک جاری رہا۔ سقایہ کا منصب بھی عبد مناف کے بعد ہاشم، ان کے بعد مُطّلِب کو ملا۔ جب ہاشم کے فرزند شیبہ (عبدالمطلب) بڑے ہو گئے تو انہیں ملا۔

حضرت ہاشم کا نام عمرو یا عمر تھا۔ اور یہ عبدِ شمس جڑوں پیدا ہوئے تھے۔ جب پیدا ہوئے تو ہاشم کے پاؤں کا انگوٹھا عبدِ شمس کے سر کے ساتھ چسپاں تھا۔ اس کو الگ کرنے کے لئے تیز دھار آلہ استعمال کیا گیا جس سے خون کے چند قطرے ٹپک پڑے۔ جس پر لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ ان کی اولاد کے درمیان خون ریزی ہوگی۔

ہاشم اور ان کے بھتیجے امیہ کے درمیان عداوت کی پہلی وجہ حسد تھی۔ ہاشم کی سرداری اور بلند حیثیت دیکھ کر امیہ ان سے بڑا بننے کی کوشش کرتا۔ آخر اس نے مناظرہ کا چیلنج دے دیا۔ عسفان کے کاہن الخزاعی کو فیصلے کا اختیار دیا گیا۔ کاہن نے کہا کہ قسم ہے چمکنے والے چاند کی، دمکنے والے ستارے کی، برستے والے بادل کی اور فضا میں اڑنے والے پرندوں کی کہ ہاشم امیہ سے مفاخر میں گوئے سبقت لے گیا۔

امیہ بازی ہارنے کے باعث طے شدہ شرط کے مطابق دس سال تک شام میں خود اختیار کردہ جلاوطنی کی زندگی گزارتا رہا۔

پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں کہ قریش کے ہاں جاہلیت کے زمانے میں ایک رسم ''اعتفاد'' کے نام سے مروج تھی۔ جب کوئی خاندان مفلس و قلاش ہو جاتا۔ وہ شہر سے دور صحرا میں نکل جاتے۔ وہاں جا کر اپنے خیمے نصب کر دیتے پھر ان خیموں میں روپوش ہو جاتے، وہیں فاقوں سے دم توڑ دیتے اور کسی کو خبر نہ ہونے دیتے کہ وہ مفلس اور کنگال ہو گئے ہیں۔ جب ہاشم کو اس ہولناک رسم کا پتہ چلا تو آپ نے اپنی قوم کو اکٹھا کر کے ایسے

Marfat.com

غریب خاندانوں کی مدد کرنے کا کہا اور سب کو اپنے مال میں سے کچھ حصہ ان مفلسوں کے لئے چھوڑنے پر تیار کر لیا۔ ہاشم نے ہر غنی کے ساتھ ایک مفلس خاندان کو ملا دیا۔ اس حکمت عملی سے ساری قوم جمع ہوگئی۔

ایک بار قحط کے باعث لوگوں کو کئی کئی روز تک کھانے کو کچھ نہ ملتا۔ ہاشم شام سے آٹا اور گندم خرید کر لائے اور حج کے ایام میں لدے ہوئے اونٹوں کے ساتھ مکہ لوٹے۔ روٹیاں پکائی گئیں۔ اونٹ ذبح کئے گئے، ان کے گوشت کے سالن کو شوربے والا بنایا گیا۔ اس شوربے میں روٹیاں کوٹ کوٹ کر ثرید بنایا اور سب کو کھانے کی دعوت دی۔ اس وجہ سے آپ کا نام ہاشم پڑ گیا۔ ہاشم کا مطلب روٹیاں توڑ کر شوربے میں ملانے والا ہے۔

ہاشم وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قریش کے دو سفروں کا آغاز کیا۔ ایک تجارتی سفر سردیوں میں جبکہ دوسرا تجارتی سفر گرمیوں میں ہوتا۔ عبد مناف کے بیٹوں نے اہل مکہ کے لئے مختلف حکمرانوں سے اجازت نامے حاصل کئے تاکہ یہ لوگ ان ممالک سے آزادی کے ساتھ تجارت کر سکیں اور کوئی ان سے دسترس نہ کرے۔ یہ لوگ جہاں بھی جاتے وہاں کی حکومت ان کی جان اور تجارتی کاروانوں کی حفاظت کی ضمانت دیتی۔ حضرت ہاشم کی عمر ابھی پچیس سال تھی کہ آپ اپنے تجارتی کارواں کو لے کر شام کے علاقے میں گئے اور وہیں بیمار ہو کر وفات پائی۔ آپ کا مزار غزہ شہر میں ہے۔

حضرت ہاشم ایک دانشمند اور فطین شخص تھے۔ ان کا ایک خطبہ بطورِ نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

"اے لوگو! ہم آلِ ابراہیم ہیں، اولادِ اسماعیل ہیں، نضر بن کنانہ کے فرزند ہیں، قصی بن کلاب کے بیٹے اور مکہ کے مالک ہیں اور حرم میں رہنے والے ہیں۔ حسب کی بلندی اور بزرگی کی پختگی ہمارے لئے ہے، جس نے کسی کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کیا ہے۔ اس کی مدد ضروری ہے اور اگر وہ پکارے تو اس کو لبیک کہنا لازمی ہے۔ بجز اس کے کہ اس کی دعوت اپنے قبیلہ سے سرکشی اور قطع رحمی کی ہو۔ اے قصی کے بیٹو تم اس طرح ہو جس طرح درخت کی دو ٹہنیاں ہوتی ہیں۔ اگر ان میں سے ایک ٹوٹ جائے تو دوسری بھی وحشت اور نقصان سے دوچار ہوتی ہے۔ تلوار کی

Marfat.com

حفاظت اس کی نیام ہی سے ہو سکتی ہے جو آدمی اپنے قبیلہ پر تیر اندازی کرتا ہے۔ وہ خود بھی اپنے تیر کا نشانہ بنتا ہے۔ اے لوگو! حلم اور بردباری بزرگی ہے، صبر کامیابی کی کلید ہے۔ اچھائی ایک خزانہ ہے اور سخاوت سرداری ہے اور جہالت کمینگی۔ دن بدلتے رہتے ہیں۔ زمانہ تغیر پذیر رہتا ہے اور ہر انسان کو اپنے کام کی طرف منسوب کیا جاتا اور اپنے عمل کے باعث اس سے باز پرس کی جاتی ہے۔ اچھے کام کرو لوگ تمہاری تعریف کریں گے۔ فضول باتوں سے دامن کش رہو۔ بے وقوف لوگ تم سے علیحدہ رہیں گے۔ اپنے ہم نشین کی عزت کرو، تمہاری مجلسیں آباد رہیں گی۔ اپنے شریکِ کار کی حفاظت کرو لوگ تمہاری پناہ لینے کے مشتاق ہوں گے۔ اپنی ذات کے ساتھ بھی انصاف کرو۔ تم پر اعتماد کیا جائے گا۔ مکارمِ اخلاق کی پابندی کرو کیونکہ اس میں تمہاری بلندی ہے اور کمینہ عادتوں سے دور رہو کیونکہ اس سے عزت خاک میں مل جاتی ہے اور ناموری کا قصر منہدم ہو جاتا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا

حضرت عبدالمُطّلِب بن ہاشم

عبدِ مناف کے چار بیٹوں میں سب سے بڑے ہاشم اور سب سے چھوٹے مُطّلِب تھے۔ ہاشم کی شادی عمرو بن لبید الخزرجی کی بیٹی سلمٰی کے ساتھ ہوئی۔ سلمٰی کے ہاں جب بچے کی ولادت کا وقت آیا تو ہاشم نے انہیں ان کے میکے یثرب بھیج دیا۔ جب مولودِ مسعود پیدا ہوا تو اس کے سر کے بالوں میں چند سفید بال تھے۔ اس لئے انہیں شیبہ یعنی بوڑھا کہا جانے لگا اور یہی نام تجویز ہوا۔ ہاشم تجارتی کارواں کے ہمراہ شام گئے اور راستے میں فوت ہو گئے۔ شیبہ اور ان کی والدہ سلمٰی یثرب میں رہنے لگے، ایک دن ایک آدمی وہاں سے گزرا۔ اُس نے دیکھا کہ ایک بچہ نشانہ بازی کرتے ہوئے خود کو بطحاء کے سردار ہاشم کا بیٹا قرار دے رہا تھا۔ وہ

Marfat.com

مکہ آیا اور ہاشم کے بھائی مُطّلِب کو بتایا کہ اس کا بھتیجا مدینہ میں برے حالات میں پرورش پا رہا ہے۔ مُطّلِب گئے اور بھتیجے کو مکہ لے آئے مگر شیبہ کی والدہ نے مکہ آنے سے انکار کر دیا۔

مُطّلِب جب مکہ میں داخل ہوئے تو لوگوں نے بچے کے بارے میں دریافت کیا۔ مُطّلِب نے ایسے ہی کہہ دیا کہ یہ میرا غلام ہے جس پر پورے مکہ میں شیبہ کو عبد المُطّلِب کہا جانے لگا۔ مُطّلِب نے لوگوں کو بعد میں بتایا بھی کہ یہ اس کے بھتیجے ہیں لیکن اب شیبہ کی عبد المُطّلِب کے طور پر ہی شناخت پختہ ہو چکی تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ ان کا نام جمہور کے نزدیک شیبۃ الحمد ہے۔ پیدائش کے وقت سر میں ایک بال سفید تھا اس لئے شیبہ لقب پڑ گیا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۰۶)

حلبی کہتے ہیں کہ لوگ ان کی کثرت سے تعریف کیا کرتے تھے اس لئے ان کا نام شیبۃ الحمد پڑ گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کا نام عامر تھا۔ ان کی کنیت ابوالحرث تھی۔

علی شیبۃ الحمد الذی کان وجھهٗ

یضیء ظلام الیل کالقمر البدری

"شیبۃ الحمد کا چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند رات کی تاریکی کو روشن کرتا ہے۔" (حلبی ج ۱ ص ۶۔ زرقانی ج ۱ ص ۷۱)

چنانچہ جوان ہو کر آپ نہایت وجیہ وجمیل اور خوبصورت نکلے، اس کے علاوہ آپ کو قدرت نے فہم وفراست سے خصوصی طور پر نوازا تھا۔ آپ میں وہ تمام خصوصیات موجود تھیں جو کسی قبیلہ کے سردار میں ہونی چاہئیں۔ اسی لئے آپ کو قبیلہ کی سرداری اور بیت اللہ کی ولایت سونپی گئی اور آپ ہی کے دور میں زمزم کا وہ کنواں جو عرصۂ دراز سے بند ہو کر گم ہو گیا تھا، دوبارہ برآمد ہوا جو آج تک انسانیت کی پیاس بجھا رہا ہے۔

چاہِ زمزم اور عبدالمطلب کا خواب

زمزم کا کنواں کس طرح برآمد ہوا؟ اس کو معلوم کرنے سے قبل ہم اس کا پس منظر بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے فرزند جناب اسماعیل علیہ السلام اور اپنی اہلیہ حضرت حاجرہ رضی اللہ عنہا کو مکہ کی بے آب و

Marfat.com

گیاہ وادی میں چھوڑ گئے تھے، اللہ کے حکم سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایڑی سے اس شہرۂ آفاق چشمے کا ظہور ہوا، جسے زمزم کہا جاتا ہے۔ یوں اللہ تعالیٰ نے ان مقدس ماں بیٹے کی پیاس بجھانے کا انتظام کیا اور ساتھ ہی ان کی تنہائی ختم کرنے کے لئے قبیلۂ جرہم کو وہاں بھیج دیا۔

قبیلۂ جرہم کا اصلی وطن یمن تھا۔ مشیتِ ایزدی سے یمن میں قحط پڑا۔ اس وجہ سے بنی جرہم معاش کی تلاش میں نکلے۔ اتفاق سے اثناءِ راہ میں اسماعیل علیہ السلام اور اُن کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ سے چاہِ زمزم کے قریب ملاقات ہوگئی۔ بنو جرہم کو یہ جگہ پسند آئی اور اسی جگہ قیام پذیر ہوگئے اور پھر بعد چندے اسماعیل علیہ السلام کی شادی اسی قبیلہ میں ہوئی اور نبی ہونے کے بعد عمالقہ اور جرہم اور اہلِ یمن کی طرف مبعوث ہوئے۔ ایک سو تیس سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔ حطیم میں اپنی والدہ ماجدہ کے قریب مدفون ہوئے۔ اسماعیل علیہ السلام کے وصال کے بعد حسبِ وصیت اُن کے بیٹے قیدار، خانہ کعبہ کے متولی ہوئے۔ اسی طرح بنو اسمٰعیل خانہ کعبہ کے متولی ہوتے رہے۔ مرورِ زمانہ کے بعد بنو اسماعیل اور بنو جرہم میں منازعت اور مخاصمت کی نوبت آئی۔ بالآخر بنی جرہم غالب آگئے اور مکہ میں جرہم کی حکومت قائم ہوگئی۔ چند روز کے بعد جرہم کے حکام لوگوں پر ظلم وستم ڈھانے لگے۔ یہاں تک ظلم کیا کہ اولادِ اسماعیل مکہ کے اطراف و جوانب میں آباد ہوگئی۔ جرہم کا جب ظلم و ستم، فسق و فجور اور بیت اللہ کی بے حرمتی حد سے گزر گئی تو ہر طرف سے قبائل عرب مقابلہ کے لئے کھڑے ہوگئے۔ مجبوراً قبیلۂ جرہم کو مکہ سے نکلنا اور بھاگنا پڑا لیکن جس وقت مکہ سے نکلنے لگے تو خانہ کعبہ کی چیزوں کو بیرِ زمزم میں دفن کر گئے اور بیرِ زمزم کو اس طرح بند کر گئے کہ زمین کے ہموار ہوگیا اور زمزم کا نشان بھی نہ رہا۔ بنی جرہم کے چلے جانے کے بعد بنی اسمٰعیل مکہ میں واپس آگئے اور آباد ہوگئے مگر بیرِ زمزم کی طرف کسی نے توجہ نہ کی۔ مرورِ زمانہ سے اس کا نام ونشان بھی نہ رہا۔ یہاں تک کہ جب مکہ کی حکومت اور سرداری عبدالمطلب کے قبضہ میں آئی اور ارادۂ خداوندی اس جانب متوجہ ہوا کہ چاہِ زمزم جو عرصہ سے بند اور بے نام ونشان پڑا ہے، اس کو ظاہر کیا جائے تو رؤیائے صالحہ یعنی سچے خواب کے ذریعہ سے عبدالمطلب کو اس جگہ کے کھودنے کا حکم دیا گیا اور اس جگہ کے نشانات اور علامات خواب میں بتلائے گئے۔ چنانچہ عبدالمطلب کہتے ہیں کہ میں حطیم میں سو رہا تھا کہ ایک آنے والا

Marfat.com

میرے پاس آیا اور مجھ سے خواب میں یہ کہا "اِحفِرْ بَرَّةَ" برہ کو کھودو۔ میں نے دریافت کیا "وَما بَرَّةَ" برہ کیا ہے؟ تو وہ شخص چلا گیا۔ اگلے روز پھر اسی جگہ سو رہا تھا کہ خواب میں دیکھا کہ وہ شخص یہ کہہ رہا ہے "احفر المضنونة" مضنونہ کو کھودو۔ میں نے دریافت کیا "وما المضنونة" مضنونہ کیا ہے؟ تو وہ شخص چلا گیا۔ تیسرے روز پھر اسی جگہ خواب میں دیکھا کہ وہ شخص یہ کہہ رہا ہے "اِحْفِر طيبة" طیبہ کو کھودو۔ میں نے کہا "وما الطيبة" طیبہ کیا ہے؟ تو وہ شخص چلا گیا۔ چوتھے روز پھر اسی جگہ یہ خواب دیکھا کہ وہ شخص یہ کہتا ہے "اِحفر زمزم"[1] زمزم کو کھودو۔ میں نے کہا "وما زمزم" زمزم کیا ہے؟ اس نے جواب دیا:

لَا تَنْزِفُ اَبَدًا وَلَا تُذَمُّ تسقی الحجیج الاعظم .

"وہ پانی کا ایک کنواں ہے کہ جس کا پانی نہ کبھی ٹوٹتا ہے اور نہ کبھی کم ہوتا ہے، بے شمار حجاج کو سیراب کرتا ہے۔"

اور پھر اُس جگہ کے کچھ نشانات اور علامات بتلائے کہ اس جگہ کو کھودو۔ اس طرح بار بار دیکھنے اور نشانات کے بتلانے سے عبدالمطلب کو یقین ہو گیا کہ یہ سچا خواب ہے یعنی رویائے صادقہ ہے۔ عبدالمطلب نے قریش سے اپنا خواب ذکر کیا اور کہا کہ میرا ارادہ اس جگہ کو کھودنے کا ہے۔ قریش نے کھودنے کی مخالفت کی مگر عبدالمطلب نے مخالفت کی کوئی پرواہ نہیں کی اور کدال اور پھاوڑہ لے کر اپنے بیٹے حارث کے ساتھ اس جگہ پہنچ گئے اور نشان کے مطابق کھودنا شروع کر دیا۔ عبدالمطلب کھودتے جاتے تھے اور حارث مٹی اٹھا اٹھا کر پھینکتے جاتے تھے۔ تین روز کے بعد ایک من ظاہر ہوئی، عبدالمطلب نے فرطِ مسرت سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور یہ کہا:

هذا طوی اسمٰعیل ...... یہی اسماعیل علیہ السلام کا کنواں ہے

اس کے بعد عبدالمطلب نے چاہِ زمزم کے قریب کچھ حوض تیار کرائے جن میں آبِ زمزم بھر کر حاجیوں کو پلاتے۔ چند حاسدوں نے یہ شرارت شروع کی کہ شب میں اُن حوضوں کو خراب کر جاتے۔ جب صبح ہوتی تو عبدالمطلب اُن کو درست کرتے۔ بالآخر گھبرا کر

---

[1] طیبہ اور مضنونہ اور برہ۔ یہ سب زمزم کے القاب اور اوصاف ہیں۔ طیبہ کے معنی پاکیزہ اور برہ کے معنی وسیع اور کشادہ کے ہیں اور مضنونہ کے معنی قابل بخل کے ہیں۔ نفیس چیز میں انسان بخل سے کام لیتا ہے۔ سو زمزم کا پانی نہایت پاکیزہ اور کثیر و وسیع بھی ہے اور نہایت نفیس ہے۔ کافر اور منافق کو دینے میں بخل چاہئے۔ یہ پانی مومن کے مناسب ہے، کافر اور منافق کے مناسب نہیں۔

Marfat.com

اس بارے میں اللہ سے دعا مانگی۔ اُس وقت ان کو خواب میں یہ بتلایا گیا کہ تم یہ دعا مانگو:

اللّٰھم انی لا احلھا لمغتسل ولکن ھی لشارب حِلّ .

''اے اللہ! میں اس زمزم سے لوگوں کو غسل کرنے کی اجازت نہیں دیتا صرف پینے کی اجازت ہے۔''

صبح اُٹھتے ہی عبدالمطلب نے اس کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد جس کسی نے حوض کے خراب کرنے کا ارادہ کیا وہ ضرور کسی بیماری میں مبتلا ہوا۔ جب بار بار اس قسم کے واقعات ظہور پذیر ہوئے تو حاسدوں نے عبدالمطلب کے حوضوں سے تعرض کرنا چھوڑ دیا۔

عبدالمطلب کی نذر

چاہ زمزم کے کھودتے وقت عبدالمطلب کا سوائے اکلوتے بیٹے حارث کے اور کوئی یار و مددگار نہ تھا۔ اس لئے منت مانی کہ اگر حق تعالیٰ مجھ کو دس بیٹے عطا فرمائے جو جوان ہو کر میرے دست و بازو بنیں تو ایک فرزند کو اللہ کے نام پر ذبح کروں۔

جب اللہ نے اُن کی یہ تمنا اور آرزو پوری کی اور دس بیٹے پورے ہو گئے تو ایک رات خانہ کعبہ کے سامنے سو رہے تھے تو خواب میں یہ دیکھا کہ ایک شخص یہ کہہ رہا ہے:

یا عبدالمطلب اوف بنذرک لرب ھذا البیت .

''اے عبدالمطلب اس نذر کو پورا کیجئے جو آپ نے اس گھر کے مالک کے لیے مانی تھی۔''

عبدالمطلب خواب سے بیدار ہوئے اور سب بیٹوں کو جمع کیا اور اپنی نذر اور خواب کی خبر دی سب نے ایک زبان ہو کر یہ کہا:

اوف بنذرک وافعل ما شئت .

آپ اپنی نذر پوری کریں اور جو چاہیں کریں۔

عبدالمطلب نے سب بیٹوں کے نام پر قرعہ ڈالا۔ حسنِ اتفاق سے قرعہ حضرت عبداللہ کے نام پر نکلا جن کو عبدالمطلب سب سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ عبداللہ کا ہاتھ پکڑا کر مذبح یعنی قربان گاہ کی طرف چلے اور چھری ساتھ تھی۔ حضرت عبداللہ کی بہنیں یہ دیکھ کر

Marfat.com

رونے لگیں اوران میں سے ایک بہن نے یہ کہا کہ اے باپ آپ دس اونٹوں اور عبداللہ میں قرعہ ڈال کر دیکھئے اگر قرعہ اونٹوں کے نام پر نکل آئے تو دس اونٹوں کی قربانی کر دیجئے اور ہمارے بھائی عبداللہ کو چھوڑ دیجئے اور اُس وقت دس اونٹ ایک آدمی کی دیت اور خون بہا ہوتے تھے۔ قرعہ جو ڈالا گیا تو اتفاق سے حضرت عبداللہ کے ہی نام پر نکلا۔ عبدالمطلب دس دس اونٹ زیادہ کر کے قرعہ ڈالتے جاتے تھے مگر قرعہ عبداللہ ہی کے نام پر نکلتا تھا۔ یہاں تک کہ سو اونٹ پورے کر کے قرعہ ڈالا گیا تو قرعہ اونٹوں کے نام پر نکلا۔ اس وقت عبدالمطلب اور تمام حاضرین نے اللہ اکبر کہا۔ بہنیں اپنے بھائی عبداللہ کو اٹھا لائیں اور عبدالمطلب نے وہ سو اونٹ صفا اور مروہ کے مابین نحر کئے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۲ص ۲۴۴)

ابن عباس ﷺ فرماتے ہیں کہ اوّل دیت کی مقدار دس اونٹ تھی۔ سب سے پہلے عبدالمطلب نے قریش اور تمام عرب میں یہ سنت جاری کی کہ ایک آدمی کی دیت سو اونٹ ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی کو برقرار رکھا۔ اسی واقعہ کے بعد سے حضرت عبداللہ ذبیح کے لقب سے موسوم ہوئے اور اسی وجہ سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ابن الذبیحین کہتے ہیں یعنی دو ذبیح کے فرزند۔

حضرت معاویہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر تھے کہ ایک اعرابی آیا اور آپ کو ان لفظوں سے خطاب کیا "یا ابن الذبیحین!"۔ آپ نے تبسم فرمایا۔ حضرت معاویہ ﷺ جب اس حدیث کی روایت سے فارغ ہوئے تو حاضرین میں سے کسی نے دریافت کیا کہ وہ دو ذبیح کون ہیں؟ تو حضرت معاویہ ﷺ نے حضرت عبداللہ کا یہ واقعہ بیان کر کے کہا کہ ایک عبداللہ اور دوسرے حضرت اسماعیل علیہ السلام۔ (رواہ الحاکم وابن جریر) (الخصائص الکبریٰ ج ا ص ۴۵)

علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ قریش جب قحط سالی میں مبتلا ہوئے تو عبدالمطلب کو ثبیر پہاڑ پر لے جاتے اُن کی برکت سے بارانِ رحمت کی دعا کرتے اور بارہا ایسا ہوا کہ قریش کی مشکلات عبدالمطلب کی برکت سے حل ہوئیں۔

ان کی شان عام اہلِ عرب سے بالکل جدا تھی۔ اپنی اولاد کو ظلم اور فساد سے منع کرتے اور مکارم اخلاق کی ترغیب دیتے۔ حقیر اور دنی امور سے روکتے۔

Marfat.com

عبدالمطلب نذر کے پورا کرنے کی تاکید فرماتے اور محارم (مثلاً بہن اور پھوپھی اور خالہ وغیرہ) سے نکاح کرنے کو منع کرتے۔ شراب اور زنا اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے اور بیت اللہ کا برہنہ طواف کرنے سے لوگوں کو روکتے۔ چوروں کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتے۔ (زرقانی ص ۸۲ ج ۱)

اور یہ وہ امور ہیں کہ قرآن وحدیث میں جن کی تصدیق اور تاکید اکید مذکور ہے چنانچہ سیرت حلبیہ میں ابن جوزی سے منقول ہے کہ عبدالمطلب سے جو امور منقول ہیں ان میں سے اکثر کا قرآن و حدیث میں حکم آیا ہے۔ مثلاً نذر کا پورا کرنا۔ نکاح محارم کی حرمت، چور کا ہاتھ کاٹنا، لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کی ممانعت، شراب اور زنا کی حرمت، بیت اللہ کا برہنہ طواف کرنے کی ممانعت۔

واقعۂ اصحابُ الفیل......اور جناب عبدالمطلب

امام الحدیث والتاریخ ابن کثیرؒ نے اصحاب الفیل کا واقعہ اس طرح نقل کیا ہے:

''ملک یمن پر خاندان حِمْیرؑ کا قبضہ تھا۔ یہ لوگ مذہباً مشرک تھے ان کا آخری بادشاہ یوسف ذونواس تھا جس نے یمن کے اہل حق نصاریٰ پر شدید مظالم کئے تھے اور توحید پرست عیسائیوں کو خندقوں میں زندہ جلا دیا تھا۔ اصحابُ الاخدود کا مشہور واقعہ اسی بادشاہ سے منسوب ہے۔ جس کا تذکرہ قرآنِ حکیم کی سورۃ البُروج میں آچکا ہے۔

خندق کے عذاب سے بچ کر کسی طرح دو آدمی نکل بھاگے تھے اور انھوں نے ملک شام کے بادشاہ سے فریاد رسی کی کہ یوسف ذونواس نے اہل ایمان پر ایسا ایسا ظلم کیا ہے۔ شام کے بادشاہ نے اپنے حلیف بادشاہ حبشہ کو خط لکھا تھا کہ وہ اس کا انتقام لے اور ساتھ ہی ایک بہت بڑے لشکر کو دو کمانڈر ارياط اور ابرہہ کی قیادت میں یمن کے اس ظالم بادشاہ کے مقابلہ پر روانہ کر دیا۔ یہ عظیم الشان لشکر یمن پر ٹوٹ پڑا اور پورے یمن کو حِمْیرؑ خاندان کے اثر سے آزاد کرا لیا۔ ملک حمیر ذونواس بھاگ نکلا اور ایک دریا پار کرتے ہوئے غرق ہو گیا۔ اس طرح ارياط اور ابرہہ کے ذریعہ یمن پر حبشہ کے بادشاہ کا قبضہ ہو گیا جو خود نصرانی المذہب تھا۔ یہ واقعہ ۵۲۵ء میں پیش آیا تھا جس نے حمیری خاندان کا خاتمہ کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد ان دونوں کمانڈروں میں نزاع پیدا ہو گئی اور باہمی جنگ میں ارياط مارا گیا اور ابرہہ غالب آگیا اور پھر وہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی جانب سے ملک یمن کا حاکم (گورنر) مقرر ہو گیا۔ ابرہہ ذاتی طور پر کٹر عیسائی تھا اس کے عزائم میں یہ بات بھی شامل تھی کہ سارے عرب کو عیسائیت میں تبدیل کر دیا جائے اسی

طرح کہ مکّہ مکرمہ کی عالمی مرکزی حیثیت بھی ختم ہو جائے۔ مذہبی جنون میں اس نے یمن کے شہر صنعاء میں ایک ایسا شاندار کنیسہ (گرجا گھر) بنایا جس کی نظیر اس وقت دنیا بھر میں نہ تھی، مؤرخ سہیلیؒ لکھتے ہیں کہ ابرہہ نے اس کی تعمیر پر یمن کی بے اندازہ دولت اور بیش بہا زرو جواہر صرف کئے۔ یہ قیمتی پتھروں کی بہت ہی خوبصورت طویل وعریض عمارت تھی۔

عجیب وغریب زرکار نقوش سے منقش، جواہر ریزوں سے مزیّن، ہاتھی دانت کی نفیس جالیاں، سونے چاندی کے اوراق سے درو دیوار کو سجایا گیا تھا۔ اس سے ابرہہ کا یہ مقصد تھا کہ یمن کے عرب لوگ جو ہر سال حج کرنے مکّہ مکرمہ جاتے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں۔ یہ لوگ اس کنیسہ کی شان وشوکت سے مرعوب ہو کر کعبۃ اللہ کے بجائے اس کا طواف اور حج کریں، کچھ عرصہ بعد اُس نے پوری مملکت میں اعلان کروادیا کہ اب یمن سے کوئی شخص بھی حج کرنے کے لئے مکّہ مکرمہ نہ جائے گا۔ ایسا شخص اسی کنیسہ میں آئے اور اس کا طواف کرے۔ عرب میں اگرچہ بُت پرستی غالب آگئی تھی مگر دین ابراہیمی اور کعبۃ اللہ کی عظمت ومحبت اُن کے دلوں پیوست تھی۔ اس نے عدنان، قحطان اور قریش کے قبائل میں اس اعلان سے سخت غم وغصہ کی لہر پیدا ہوگئی۔ اگرچہ اس وقت خانہ کعبہ کے اندر تین سو ساٹھ بُت رکھے ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود وہ لوگ اس کو اللہ تعالیٰ کا مقدس گھر اور عبادت کا مرکز خیال کرتے تھے۔

مؤرخ محمد بن اسحٰق کا بیان ہے کہ ابرہہ کے اُس اعلان پر غضبناک ہو کر ایک عرب تاجر نے کسی نہ کسی طرح کلیسہ میں گھس کر رفع حاجت کرڈالی۔

ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ یہ فعل ایک قریشی نے کیا تھا۔ مقاتل بن سلیمان کی روایت ہے کہ قریش کے بعض نوجوانوں نے جا کر اُس گرجا گھر میں آگ لگادی تھی۔ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی واقعہ پیش آیا ہو تو کوئی تعجب خیز نہیں کیونکہ ابرہہ کا یہ اعلان یقیناً سخت اشتعال انگیز اور مفسدانہ تھا اور قدیم جاہلیت کے دور میں اس پر کسی عرب یا قریشی یا چند نوجوانوں کا مشتعل ہو کر کلیسہ کو گندا کر دینا یا اس میں آگ لگا دینا ناقابل فہم بات نہیں ہے۔

لیکن بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ عرب کے چند مسافروں نے کلیسہ کے قریب اپنی ضرورت کے لئے آگ جلائی تھی جہاں اُن کا قیام تھا اتفاقاً ہواؤں کی لہر سے آگ کلیسہ میں جا گری اور کلیسہ جل گیا۔ ابرہہ کو جب اس کی اطلاع ملی کہ خانہ کعبہ کے

Marfat.com

معتقدین نے یہ حرکت کی ہے تو غیظ و غضب میں عہد کیا کہ اُس وقت تک چین نہ لوں گا جب تک خانہ کعبہ کو ڈھا نہ دوں۔ اس کے بعد اُس نے ۵۷۰ء یا ۵۷۱ء میں اپنے بادشاہ نجاشی سے اجازت طلب کی کہ وہ انہدام کعبہ کی مہم کے لئے حجاز جانا چاہتا ہے۔ نجاشی نے اس کو اجازت دے دی اور خصوصی تعاون کے طور پر اپنی فوج کا سب سے طاقتور بلند و بالا ہاتھی جس کا نام محمود تھا، ابرہہ کی مدد کے لئے روانہ کر دیا اور اس ہاتھی کے تعاون کے لئے مزید سات آٹھ ہاتھی اور دیئے۔ ابرہہ ساٹھ ہزار فوج لے کر مکّہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا۔

عرب میں جب اس حملے کی خبر پھیلی تو سارا عرب مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔ یمن کے عربوں میں ایک شخص ذونفر نامی تھا اُس نے عربوں کی قیادت اختیار کی اور بہت سے عرب قبائل اس کے گرد جمع ہو کر ابرہہ کے خلاف جنگ کیے لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ ابرہہ نے ان کو شکست دے دی اور ذونفر کو قید کر لیا اور آگے روانہ ہو گیا۔ پھر قبیلہ خثعم کے مقام پر پہنچا تو اس قبیلے کا سردار نفیل بن حبیب خثعمی اپنے قبیلے کو لے کر ابرہہ کے مقابلہ کے لئے آیا مگر ابرہہ کے لشکر نے اس کو بھی شکست دے دی اور نفیل بن حبیب کو گرفتار کر لیا اور اس کے قتل کا ارادہ کیا مگر یہ سمجھ کر زندہ رکھا کہ اُس سے مکّہ کے اہم راستوں کا پتہ معلوم کر لیا جائے گا۔ پھر جب یہ لشکر طائف کے قریب پہنچا تو طائف کے باشندے پچھلے قبائل کی جنگ اور ابرہہ کی فتح کے واقعات سن چکے تھے۔ انھوں نے اپنی خیر منانے کا فیصلہ کیا اور ابرہہ سے گزارش کی کہ وہ ان کے مشہور معبود "لات" کا مندر تباہ نہ کرے۔

چنانچہ ان کا سردار مسعود ثقفی ایک وفد کو لے کر ابرہہ سے ملا اور کہا کہ ہمارا بُت کدہ وہ معبد نہیں ہے جس کو آپ ڈھانے آئے ہیں وہ تو مکّہ مکرمہ میں ہے اس لئے آپ ہمارے معبد کو چھوڑ دیں ہم مکّہ مکرمہ کا راستہ بتانے کے لئے آپ کو ایک آدمی فراہم کر دیتے ہیں جو قریب کے راستہ سے مکّہ تک رہنمائی کرے گا۔ ابرہہ نے یہ بات قبول کر لی اور بنو ثقیف نے اُبو رِغال نامی شخص کو ان کے ساتھ کر دیا۔ جب مکّہ مکرمہ تین کوس کے فاصلہ پر رہ گیا تو اَلمغمس نامی مقام پر پہنچ کر ابو رغال فوت ہو گیا (اہل عرب زمانہ جاہلیت میں مدتوں اس کی قبر پر سنگ باری کرتے رہے ہیں اور بنو ثقیف کو بھی وہ عرصہ دراز تک طعنہ دیتے رہے ہیں کہ انھوں نے لات کے مندر کو بچانے کے لئے بیت اللہ پر حملہ کرنے والوں کا تعاون کیا تھا)

محمد بن اسحٰق کی روایت ہے کہ المغمس سے ابرہہ نے اپنے مقدمۃ الجیش کو آگے

Marfat.com

بڑھایا جہاں قریش مکہ کے اونٹ چر رہے تھے۔ ابرہہ کے اس لشکر نے ان پر چھاپہ مارا اور سب اونٹ ہانک لے گئے۔ ان میں حضرت عبدالمطلب کے بھی دوسو اونٹ شامل تھے۔

اس کے بعد ابرہہ نے اپنے ایک سفیر خاطہ حمیری کو شہر مکہ روانہ کیا اور اس کے ذریعہ اہلِ مکہ کو یہ پیغام دیا کہ میں تم سے لڑنے نہیں آیا ہوں بلکہ اس گھر (کعبہ) کو ڈھانے آیا ہوں اگر تم لوگ جنگ نہ کرو تو میں تمہاری جان و مال سے کوئی تعرض نہ کروں گا نیز اس سفیر کو یہ بھی ہدایت دی کہ اہلِ مکہ اگر بات کرنا چاہیں تو اُن کے سردار کو میرے پاس لے آنا، اُس وقت مکہ مکرمہ کے سب سے بڑے سردار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب تھے۔ سفیر نے اُن سے مل کر ابرہہ کا پیغام پہنچایا۔

عبدالمطلب نے کہا کہ ہم میں ابرہہ سے لڑنے کی قطعاً طاقت نہیں ہے یہ اللہ کا گھر ہے اور اس کے خلیل کا بنایا ہوا وہ چاہے گا تو اپنے گھر کی حفاظت خود کرلے گا۔ سفیر نے کہا کہ آپ میرے ساتھ ابرہہ کے پاس چلیں اور اُس سے بات کریں۔ وہ اس پر راضی ہو گئے۔ حضرت عبدالمطلب اس قدر وجیہ اور پروقار آدمی تھے کہ ابرہہ ان کو دیکھ کر متاثر ہو گیا اور اپنی جگہ سے اُتر کر اُن کو اپنے پاس بٹھایا اور پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ میرے جو اونٹ پکڑ لئے گئے ہیں وہ مجھے واپس دے دیئے جائیں! ابرہہ نے کہا کہ آپ کو دیکھ کر تو میں بہت متاثر ہوا تھا مگر آپ کی بات نے آپ کو میری نظر سے گرا دیا کہ آپ اپنے اونٹوں کا مطالبہ کر رہے ہیں اور یہ گھر (کعبہ) جو آپ کے دین آبائی کا قبلہ ہے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہتے؟ خواجہ عبدالمطلب نے کہا میں تو صرف اپنے اونٹوں کا مالک ہوں اور انہی کے بارے میں آپ سے درخواست کرنے آیا ہوں۔ رہا یہ گھر (کعبہ) تو اس کا ایک ربّ ہے وہ خود اس کی حفاظت کر لے گا۔ ابرہہ کو خواجہ عبدالمطلب کی یہ بات معمولی سی محسوس ہوئی اُس نے کہا تمہارا رب اُس کو میرے ہاتھ سے نہ بچا سکے گا۔ خواجہ عبدالمطلب نے کہا پھر تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔

اور بعض روایات میں ہے کہ عبدالمطلب کے ساتھ قریش کے چند سردار بھی تھے۔ انھوں نے ابرہہ کے آگے یہ پیش کش کی کہ اگر آپ بیت اللہ پر دست اندازی نہ کریں اور لوٹ جائیں تو ہم پورے تہامہ (حجاز) کی ایک تہائی پیداوار آپ کو بطور خراج ادا کرتے رہیں گے۔ مگر ابرہہ نے اس بات کو قبول نہ کیا۔ خواجہ عبدالمطلب اپنے اونٹ لے کر واپس

Marfat.com

چلے آئے اور سیدھے بیت اللہ میں داخل ہوئے اور چوکھٹ کا حلقہ پکڑ کر دُعا میں مشغول ہو گئے۔ قریش کی ایک بڑی جماعت بھی ساتھ تھی۔

محمد بن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ ابرہہ کے لشکر گاہ سے واپس آ کر خواجہ عبدالمطلب نے اہلِ قریش سے کہا کہ اپنے بال بچوں سمیت پہاڑوں پر چلے جائیں تا کہ ان کا قتل عام نہ ہو جائے۔ پھر وہ اور قریش کے چند سردار حرم پاک میں حاضر ہوئے اور کعبہ کے دروازے کا کنڈا پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں کہ وہ اپنے گھر اور اُس کے خادموں کی حفاظت فرمائے۔

اُس وقت خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بُت موجود تھے مگر یہ لوگ اس نازک گھڑی میں بھی اُن سب کو بھول گئے اور صرف اللہ واحد کے آگے دست سوال پھیلایا، اُن کی جو دعائیں کتب تاریخ میں منقول ہیں اُن میں اللہ واحد کے سوا کسی دوسرے کا نام تک نہیں پایا جاتا۔ ابن ہشامؒ نے سیرت میں خواجہ عبدالمطلب کے جو اشعار نقل کئے ہیں وہ اس کی شہادت دیتے ہیں۔

اسی طرح مؤرخ سہیلی نے روض الانف میں اور امام ابن جریرؒ نے طبری میں وہ اشعار نقل کئے ہیں۔ یہ دعائیں مانگ کر خواجہ عبدالمطلب اور ان کے ساتھی بھی پہاڑوں پر چلے گئے۔

دوسرے روز ابرہہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لئے آگے بڑھا مگر اُس کا وہ خاص ہاتھی محمود نامی جو آگے آگے تھا یکا یک بیٹھ گیا اس کو بہت تیر مارے گئے تیر سے کچوکے دیئے گئے یہاں تک کہ اس کو زخمی کر دیا گیا مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ آخر اس کو جنوب شمال مشرق کی طرف موڑ کر چلانے کی کوشش کی جاتی تو وہ دوڑنے لگتا مگر مکہ مکرمہ کی طرف موڑا جاتا تو فوراً بیٹھ جاتا کسی طرح آگے بڑھنے کے لئے تیار نہ ہوتا اتنے میں پرندوں کی قطاریں آتی نظر آئیں جن میں سے ہر ایک کے پاس تین کنکریاں چنے یا مسور کی دال کے برابر تھیں ایک چونچ میں اور دو کنکریاں پنجوں میں۔

واقدیؒ کی روایت ہے کہ یہ پرندے عجیب طرح کے تھے جو اس سے پہلے کہیں بھی نہیں دیکھے گئے۔ بدن کبوتر سے کچھ چھوٹے تھے اور پنجے سرخ قسم کے تھے، ان کی آواز بھی کچھ ارتعاش انگیز تھی کہ دل کپ کپائے جاتے تھے۔ پرندوں کے یہ جھنڈ نے ابرہہ کے لشکر پر سنگریزوں کی بارش کر دی۔ جس پر بھی یہ کنکر گرتے جسم سے پار ہو جاتے اور جسم گلنا شروع ہو جاتا۔

حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت ہے کہ کنکری کے لگتے ہی گوشت اور خون پانی کی طرح بہنے لگتا اور ہڈیاں نکل آتی تھیں۔ خود ابرہہ کے ساتھ بھی یہی ہوا اس کا جسم ٹکڑے

Marfat.com

ٹکڑے ہوکر گر رہا تھا پورے لشکر میں افراتفری پیدا ہوگئی۔ لشکر کے لوگ یمن کی طرف بھاگنا شروع ہو گئے۔ نفیل بن حبیب خثعمی جس کو ابرہہ راہنما کے طور پر ساتھ لے آیا تھا اس کو تلاش کر کے درخواست کرنے لگا کہ واپسی کا راستہ بتائیے مگر اُس نے صاف انکار کر دیا اور کہا:

اَیْنَ الْمَفَرُّ وَالْاِلٰہُ الطَّالِبُ وَالْاَشْرَمُ الْمَغْلُوْبُ لَیْسَ الْغَالِبُ

''اب بھاگنے کی جگہ کہاں ہے جب کہ اللہ تعاقب کر رہا ہے۔ اور نکٹہ (ابرہہ) مغلوب ہے غالب نہیں ہے''۔

اس بھگدڑ میں یہ لوگ گر گر کر مرتے گئے اور مر مر کر گرتے جاتے تھے۔ عطاء بن یسارؒ کی روایت ہے کہ سب کے سب اُسی وقت ہلاک نہیں ہوئے بلکہ ایک بڑی تعداد تو وہیں ہلاک ہوگئی اور کچھ بھاگتے ہوئے ہلاک ہوئے۔ ابرہہ بھی انتہائی بُری حالت میں بلادِ خثعم پہنچ کر مرا۔ ابرہہ کے ہاتھی محمود کے ساتھ دو ہاتھی بان مکہ مکرمہ میں رہ گئے مگر اس طرح کہ دونوں اندھے اپاہج ہو گئے تھے۔ اصحابُ الفیل کا یہ عبرتناک واقعہ ماہِ محرم میں پیش آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اس واقعہ کے چالیس یا پچاس دن بعد ہوئی۔

عبدالمطلب کی وفات

جب آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک آٹھ سال کی ہوئی تو عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا (اور ماں باپ کے بعد چاہنے والے دادا کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا) دادا کے انتقال کے وقت آپ کی عمر کے بارے میں بہت سے قول ہیں، مگر مشہور قول یہی ہے کہ آپ ﷺ اس وقت آٹھ سال کے تھے۔ انتقال کے وقت عبدالمطلب کی عمر پچانوے (۹۵) سال کی تھی۔

ایک دفعہ کسی نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا:

''یارسول اللہ! کیا آپ کو عبدالمطلب کی وفات یاد ہے؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! اس وقت میں آٹھ سال کا تھا۔''

اُم ایمن بیان کرتی ہیں کہ جب عبدالمطلب کا انتقال ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پلنگ کے پیچھے کھڑے ہوئے رو رہے تھے اس وقت آپ کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ عبدالمطلب کو حجون کے مقام پر اُن کے دادا قصیٰ کے پاس دفن کیا گیا۔''

عبدالمطلب کی اپنے مرثیے سننے کی فرمائش

سیرت ابن ہشام میں ابن اسحاق کی روایت ہے: ''جب عبدالمطلب کا وقت آخر ہوا اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب موت سر پر آ چکی ہے تو انہوں نے اپنی تمام بیٹیوں کو جمع کیا، یہ سب ملا کر کل چھ عورتیں تھیں جن کے نام یہ ہیں: (۱) صفیہ۔ جو حضرت زبیر ابن العوام کی والدہ تھیں۔ (۲) بَرّہ (۳) عاتکہ (۴) اُم حکیم بیضاء، جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی دادی تھیں (۵) اُمیمہ اور (۶) اروٰی۔ جب یہ سب بہنیں جمع ہو گئیں تو عبدالمطلب نے ان سے کہا:
''تم سب مجھ پر روؤ تا کہ میں مرنے سے پہلے سُن سکوں کہ تم کس طرح میرا ماتم کرو گی۔''

اعـنـی جـودًا بـدمـعٍ دُررٍ　　علٰی مـاجـد الـخـیـم والمعتصر

''میری آنکھیں موتیوں کے جیسے آنسو برسا رہی ہیں اس شخص پر جو بہترین صفات اور بلند مرتبے والا تھا۔

اعـنـی جـودًا بـدمـعٍ دُررٍ　　جمیل الـمـحـیـا عـظـیم الخطر

''اور جو ہمیشہ کامیاب و کامراں رہا، اور بڑا دانا و بینا انسان تھا۔

اعـنـی جـودًا بـدمـعٍ دُررٍ　　وذی الـمـجـد والـعـزّ والمفتخر

اس شیبۃ الحمد پر جو بڑی خوبیوں، بڑی عظمت اور بڑی آن بان والا تھا۔

وذی الـحـلـم والـفـضل فی النائبات　　کثیـرًا لـمـفـاخـر جـمّ الـفـخـر

جو بڑا با مروّت اور بہت اونچی صفات کا مالک تھا اور بے شمار قابل فخر خصوصیتوں کا انسان تھا۔

اعـنـی جـودًا بـدمـعٍ دُررٍ　　متینٌ یـلـوحُ کـضـوءِ الـقـمـر

جو اپنی قوم میں بڑے زبردست مرتبے اور عزت والا تھا اور جس کی عظمت کا ستارہ چاندنی کی طرح دمکتا تھا۔''

ابن ہشام کہتے ہیں کہ میں نے شعر جاننے والوں میں سے کسی کو بھی ایسا نہیں پایا جو اِن شعروں کو جانتا ہو، ہاں ابن اسحاق نے جب ابن میتب کی روایت میں یہ شعر دیکھے تو ان کو لکھ لیا۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ جیسا عبدالمطلب کی وفات کے بعد ان کا ماتم کیا گیا ایسا کسی شخص کا ماتم نہیں کیا گیا۔ عبدالمطلب کے انتقال پر مکے میں کئی دن تک بازار بند رہے۔

Marfat.com

باب دوم

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے چچا، چچیاں،

پھوپھیاں

اوران کی اولاد

Marfat.com

حارث بن عبدالمطلب

اوران کا خاندان

حارث اپنے والد جناب عبدالمطلب کے سب سے بڑے بیٹے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تایا لگتے ہیں، ان کے سالِ ولادت کا تعین تو نہیں کیا جا سکتا، تاہم بڑا بیٹا ہونے کے باعث جناب عبدالمطلب کے ذاتی اور قبائلی امور میں حارث ان کے دست و بازو تھے۔

ایک روز حضرت عبدالمطلب حطیم میں سو رہے تھے کسی نے خواب میں آ کر کہا: "احضر طیبہ" طیبہ کو کھودو۔ انہوں نے پوچھا: طیبہ کیا ہے؟ تو کہنے والا غائب ہو گیا۔

دوسری رات جب آپ پھر بستر پرآ کر لیٹے، آنکھ لگی تو پھر آواز آئی "احضر برہ" برہ کو کھودو۔ آپ نے پوچھا برہ کیا ہے؟ کہنے والا پھر غائب ہو گیا۔

تیسری رات پھر آواز آئی، "احضر مضنونہ" مضنونہ کو کھودو۔ آپ نے پوچھا مضنونہ کیا ہے؟ وہ ایک بار پھر غائب ہو گیا۔ جب چوتھی رات آئی اور وہ اپنی خواب گاہ میں آرام کرنے کے لئے لیٹے تو آنکھ لگ گئی اور ساتھ ہی آواز آئی "احضر زمزم" زمزم کو کھودو۔ آپ نے پوچھا زمزم کیا ہے؟ آج خواب میں آنے والا سوال پر غائب نہ ہوا بلکہ تفصیلات بتانے لگا:

"زمزم تمہارے نامور باپ کی میراث ہے۔ یہ چشمہ ہے نہ اس کا پانی ختم ہوتا ہے اور نہ اس کی مرمت کی جاتی ہے۔ اس سے حجاجِ کرام کو سیراب

Marfat.com

کیا جاتا ہے۔ یہ گوبر اور خون کے درمیان ہے جہاں کالا کوا چونچیں مار رہا ہے، چیونٹیوں کی بستی کے بالکل قریب۔"

جب تفصیلات کا علم ہو گیا تو دوسرے دن آپ اپنے سب سے بڑے بیٹے حارث کے ہمراہ کدال لے کر آ گئے۔ اس وقت حضرت عبدالمطلب کا حارث کے سوا کوئی بیٹا نہ تھا۔ حارث کو ساتھ لے کر حضرت عبدالمطلب اساف اور نائلہ کے درمیان جہاں مشرکین بتوں کے لئے جانور قربان کیا کرتے تھے۔ وہاں پہنچے خواب میں بیان کی گئی نشانی دیکھی۔ ایک سیاہ کوا وہاں چونچیں مار رہا ہے۔ حضرت عبدالمطلب نے حارث کے ساتھ کھدائی شروع کر دی یہاں تک کہ وہ ایک ایسی تہہ تک پہنچ گئے جس سے کامیابی کے امکانات روشن ہو گئے۔ آپ نے فرطِ مسرت سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ قریش نے شروع میں تو کھدائی کے کام کو بے کار کی محنت سمجھ کر پرواہ نہ کی، مگر جب کامیابی کے آثار نمایاں ہونے لگے تو انہوں نے مطالبہ شروع کر دیا کہ چاہِ زمزم ہم سب کے باپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا کنواں ہے، اس لئے ہمیں بھی اس کے کھودنے میں شریک کرو۔ آپ نے صاف انکار کر دیا، آپ نے فرمایا یہ انعام اللہ تعالیٰ نے صرف مجھ پر کیا ہے، اس میں کسی کی شرکت مجھے منظور نہیں۔

آپ کے فرزند حارث نے بھی اس موقع پر دلیری سے کام لیا اور اپنے عظیم باپ کے انکار کو حرفِ آخر سمجھ کر تلوار نکال لی اور قریش کے سامنے کھڑے ہو گئے کہ اگر کسی نے ان کے باپ کے ساتھ زبردستی کرنے کا ارادہ کیا تو وہ اس کا سر اڑا دیں گے۔

زم زم کا چشمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے سینکڑوں برس تک لوگوں کی نظروں سے اوجھل کر دیا تھا۔ قریش اور دیگر اہلِ عرب اس چشمے کی برکات اور وجود سے باخبر تھے۔ مگر وہ اس کو تلاش نہ کر پائے۔ اب یہ چشمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عبدالمطلب پر منکشف کر دیا۔ قریش اور عبدالمطلب میں جب کھدائی کا جھگڑا بڑھا تو فیصلے کے لئے سعد بن ہزیم کی ایک کاہنہ کو ثالث مقرر کیا گیا۔ بنی سعد بن ہزیم کا قبیلہ شام کی سرحد کے قریب تھا۔ راستے میں جب پانی ختم ہوا اور دونوں فریقوں کو اندیشہ ہوا کہ وہ راستے میں پیاسے ہی دم توڑ جائیں گے تو خدا کی رحمت سے حضرت عبدالمطلب کے اونٹ کے پاؤں کے نیچے سے ایک

Marfat.com

چشمہ پھوٹ نکلا۔ حضرت عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں نے خود بھی پیاس بجھائی اور مخالفین کو بھی پانی دیا۔ حضرت عبدالمطلب اور ان کے فرزند کے اس سلوک پر قریش نے مصالحت کا اعلان کر دیا اور زمزم کے چشمہ پر حضرت عبدالمطلب کا حق تسلیم کر لیا۔

ابرہہ نے جب کعبہ پر لشکر کشی کی تو اپنے ایک افسر اسود بن مقصود کو مکہ کی طرف بھیجا۔ تہامہ کی چراگاہوں میں قریش، کنانہ اور ہذیل قبائل کے جو اونٹ چر رہے تھے، یہ حبشی افسر انہیں ہانک کر ابرہہ کے پاس لے آیا۔ ان اونٹوں میں دو سو اونٹ حضرت عبدالمطلب کے تھے، ان کی واپسی کے لئے حضرت عبدالمطلب نے حارث کو ساتھ لے کر ابرہہ سے ملاقات کی۔ ابرہہ کے انکار اور بیت اللہ پر حملے کے اعلان پر آپ اپنے بیٹوں اور چند دیگر افراد کے ساتھ خانہ کعبہ میں آئے اور اس کے حلقے کو تھام کر اللہ سے ابرہہ اور اس کے لشکر کی تباہی کی دعا کرنے لگے۔ حارث آپ کے فرماں بردار فرزند تھے، انہوں نے بھی حربِ فجار میں شرکت کی۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ شام سے تجارتی قافلہ لے کر واپس آ رہے تھے تو راستے میں بیمار ہو کر مدینہ میں اپنے رشتہ داروں کے ہاں ٹھہر گئے اور بیماری کا حال باپ کے پاس کہلا بھیجا۔ حضرت عبدالمطلب نے جناب حارث کو حضرت عبداللہ کی خبر گیری اور بحفاظت مکہ لانے کے لئے بھیجا۔ حارث کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی حضرت عبداللہ فوت ہو کر بنو نجار کے قبرستان میں مدفون ہو چکے تھے۔ حارث نے مکہ میں روح فرسا اور جاں گسل خبر جا کر سنائی تو بنو ہاشم پر رنج و غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ حضرت عبدالمطلب اور جناب ابو طالب کے علاوہ جناب حارث بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو گود میں اٹھائے گھوما کرتے تھے۔ ان کا انتقال اعلانِ نبوت سے پہلے ہو چکا تھا۔ ان کی اولاد کی اسلام اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور خدمات بہت لازوال ہیں۔ جناب حارث کے بیٹوں میں مغیرہ، نوفل اور مرہ کے علاوہ طفیل، امیہ اور عبداللہ بھی تھے۔ نبی کریم ﷺ کو بارہ برس کی عمر میں نبی کے طور پر پہچان کر شام کے بحیریٰ نامی راہب نے قریش کے تجارتی قافلے کی ضیافت کی تو بحیریٰ کے اصرار پر حارث ہی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خیمے سے ضیافت میں لے گئے تھے۔

عزّہ بنتِ قیس

یہ خاتون جناب حارث بن عبدالمطلب کی اہلیہ ہیں، جن کا تعلق قبیلہ بنو فہر سے تھا۔ مکمل نام ونسب حسبِ ذیل ہے:

عزّہ بنتِ قیس بن طریف، بن حارث بن فہر۔

ان کے بطن سے جناب ربیعہؓ بن حارث، اور جناب ابوسفیان بن حارثؓ وغیرہ پیدا ہوئے۔ بعض مورخین نے ان خاتون کا نام عزّہ کی بجائے غزنہ لکھا ہے، واللہ اعلم!

ربیعہ بن الحارث

ابن المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی۔ ان کی والدہ غزیہ بنت قیس بن طریف بن عبدالعزیٰ بن عامرہ بن عمیرہ ابن ودیعہ بن الحارث بن فہر تھیں، کنیت ابواروی تھی۔

اولاد میں محمد وعبداللہ وعباس اور حارث تھے جن کی بقیہ اولاد نہ تھی، امیہ، عبدشمس، اروی کبریٰ اور ہند صغریٰ تھیں، ان سب کی والدہ اُم الحکیم بنت الزبیر بن عبدالمطلب تھیں۔ اروی صغریٰ ان کی والدہ اُم ولد تھیں۔

ان کی اولاد میں ایک فرزند آدم تھے، جن کے بارے میں علامہ ابن سعد فرماتے ہیں:

"آدم بن ربیعہ، یہ وہی تھے جنہیں قبیلہ بنی ہذیل میں دودھ پلایا جاتا تھا۔ بنولیث بن بکر نے اس جنگ میں قتل کر دیا جو ان کے درمیان ہوئی تھی، وہ بچے تھے۔ مکان کے آگے گھٹنوں کے بل چلتے تھے۔ بنولیث نے ایک پتھر مارا جو اُن کے لگا اور سر پاش پاش کر دیا، انہی کے متعلق یومِ فتح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آگاہ ہو کہ ہر وہ خون جو جاہلیت میں ہوا میرے قدم کے نیچے ہے (یعنی اب اس کا کوئی شمار اور انتقام نہیں ہے) سب سے پہلا خون جس سے میں درگزر کرتا ہوں وہ ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب کے بیٹے کا خون ہے۔

ہشام بن محمد بن السائب الکلبی نے کہا کہ میرے والد اور بنی ہاشم اس کتاب میں

Marfat.com

جس میں وہ ان کا نسب بیان کرتے تھے ان کا نام نہیں لیتے تھے، وہ کہتے تھے کہ وہ ایک چھوٹا سا بچہ تھا جس نے کوئی اولاد نہ چھوڑی اور نہ اس کا نام یادرکھا گیا۔

ہماری رائے ہے کہ جس نے آدم بن ربیعہ کہا اس نے کتاب میں دم ابن ربیعہ (یعنی ابن ربیعہ کا خون لکھا) دیکھا، اور اس میں الف زیادہ کر کے آدم بن ربیعہ کہا۔ بعض راویانِ حدیث نے کہا کہ ان کا نام تمام ابن ربیعہ تھا، دوسروں نے ایاس بن ربیعہ کہا، واللہ اعلم۔

لوگوں نے بیان کیا کہ ربیعہ بن الحارث اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب سے دو سال بڑے تھے، جب مشرکین مکہ سے بدر کی طرف روانہ ہوئے تو ربیعہ بن الحارث شام میں تھے، وہ مشرکین کے ہمراہ بدر میں موجود نہ تھے، اس کے بعد آئے۔

عباس بن عبدالمطلب اور نوفل بن الحارث ایامِ خندق میں ہجرت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ ہوئے تو ربیعہ ابن الحارث نے الابواء تک ان دونوں کی مشایعت کی۔ مکہ واپس جانے کا ارادہ کیا تو عباس اور نوفل نے کہا کہ تم دار الشرک کی طرف واپس جاتے ہو، جہاں لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرتے ہیں اور آپ کی تکذیب کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غالب ہو گئے ہیں، آپ کے اصحاب بہت ہو گئے ہیں، واپس آجاؤ۔

ربیعہ تیار ہوئے اور ان دونوں کے ساتھ روانہ ہو گئے، یہاں تک کہ سب کے سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ میں مسلم مہاجرین بن کے آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیعہ ابن الحارث کو خیبر سے سو وسق سالانہ کی جاگیر دی۔

ربیعہ بن الحارث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب فتح مکہ وطائف وحنین میں حاضر تھے، یوم حنین میں آپ ﷺ کے ان اہل بیت واصحاب کے ساتھ ثابت قدم رہے جو ہمرکابِ سعادت تھے، انہوں نے مدینہ میں بنی حدیلہ میں ایک مکان بنا لیا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

ربیعہ بن الحارث کی وفات مدینے میں بعہدِ خلافت عمر بن الخطاب ؓ اپنے دونوں بھائیوں نوفل وابی سفیان بن الحارث کی وفات کے بعد ہوئی۔ (طبقات ابن سعد)

Marfat.com

عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ

ابن المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی۔ ان کی والدہ غزیہ بنت قیس بن طریف بن عبدالعزیٰ بن عامرہ بن عمیرہ ابن ودیعہ بن الحارث بن فہر تھیں۔

عبداللہ کا اصل نام عبد شمس تھا۔

اسحاق بن الفضل نے اپنے اشیاخ سے روایت کی کہ عبد شمس ابن الحارث بن عبدالمطلب قبل فتح مکہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسلم مہاجر بن کے روانہ ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کا نام عبداللہ رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب بعض غزوات میں بھی گئے۔

الصفراء میں ان کی وفات ہوئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے کُرتے میں دفن کیا اور فرمایا کہ وہ سعید تھے جن کو سعادت نے پالیا۔ ان کی بقیہ اولاد نہ تھی۔

(طبقات ابن سعد)

عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ

جناب حارث کے ایک اور فرزند عبیدہ بن حارث جنگِ بدر میں شریک تھے۔

جنگ شروع ہونے سے پہلے لشکر کفار سے عرب کے رواج کے مطابق پہلے عتبہ وشیبہ پسرانِ ربیعہ اور ولید بن عتبہ نکل کر میدان میں آگے آئے اور جنگ مبارزہ کے لئے للکارا۔ ان سے مقابلہ کے لئے لشکرِ اسلام سے انصار کے تین شخص عوف ومعوذ پسران عفراء اور عبداللہ بن رواحہ نکلے۔ عتبہ نے ان سے لڑنے سے انکار کر دیا اور چلّا کر کہا: ''اے محمد! ہمارے مقابلے کے لئے ہماری ذات برادری کے لوگوں کو یعنی قریش میں سے مہاجرین کو بھیجو۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر حکم دیا کہ عتبہ کے مقابلے کو حمزہؓ بن عبدالمطلب، عتبہ کے بھائی شیبہ کے مقابلے کو عبیدہ بن حارثؓ اور عتبہ کے بیٹے ولید کے

Marfat.com

مقابلے کو علی بن ابی طالبؓ جائیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تینوں قریبی عزیز اور ہاشمی گھرانے کے جوان یہ حکم سنتے ہی میدان میں آ گئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے حریفوں کو ایک ایک وار میں واصلِ جہنم کیا جبکہ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ شیبہ کے ہاتھوں زخمی ہو گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر شیبہ کو قتل کر دیا اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے جہاں انہوں نے اپنی جان سپردِ خدا کر دی۔

نوفل بن الحارث

نوفل بن حارث ابن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی، ان کی والدہ عروہ بن قیس بن ظریف بن عبدالعزیٰ بن عامرہ بن عمیرہ بن ودیعہ بن الحارث ابن فہر تھیں۔

نوفل بن الحارث کی اولاد میں حارث تھے انہی سے ان کی کنیت تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے آدمی تھے، آپ کی صحبت پائی تھی اور آپ سے روایت کی ہے ان کے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عبداللہ بن الحارث پیدا ہوئے۔

عبداللہ بن نوفل جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تشبیہ دی جاتی تھی، وہ پہلے شخص ہیں جو مدینہ کے محکمہ قضاء کے والی ہوئے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ سب سے پہلے قاضی ہیں جن کو میں نے اسلام میں دیکھا یہ خلافتِ معاویہ ﷺ بن ابی سفیان میں ہوا۔ عبدالرحمن بن نوفل جن کی بقیہ اولاد نہ تھی۔ ربیعہ، ان کے بھی اولاد نہ تھی۔ سعید، فقیہ (عالم) تھے۔

مغیرہ، اُم سعد، اُم مغیرہ اور اُم حکیم...... ان سب کی والدہ ظریبہ بنت سعید بن القشیب تھیں، قشیب کا نام جندب بن عبداللہ بن رافع بن نھلہ بن محضب بن صعب بن مبشر بن دُہمان بن نصر بن زہران بن کعب بن الحارث بن کعب بن عبداللہ ابن مالک بن نصر بن الازد تھا۔ ظریبہ کی والدہ اُم حکیم بنت سفیان بن اُمیہ ابن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی تھیں جو سعد بن ابی وقاص کی خالہ تھیں۔ نوفل بن الحارث کی اولاد کثیر مدینہ و بصرہ و بغداد میں ہے۔

ہشام بن محمد بن السائب الکلبی نے اپنے والد سے روایت کی کہ جب مشرکین نے

مکہ کے بنی ہاشم کو زبردستی بدر روانہ کیا تو ان کے بارے میں نوفل بن الحارث نے یہ شعر کہے:

حرام علی حرب احمد انی
اری احمدا منّی قریبًا اوامره

''مجھ پر جنگ احمد حرام ہے کیونکہ میں احمد کے احسانات کو اپنے قریب دیکھتا ہوں۔

وان تک فهرًا کبت وتجمعت
علیه فانّ اللّٰه لا شک ناصرهٗ

اگر تمام اولاد فہر آپ کے خلاف ہو جائے اور جمع ہو جائے، تو کوئی شک نہیں کہ اللہ آپ ہی کا مددگار ہوگا۔''

ہشام نے کہا کہ معرف بن الخربوذ نے نوفل بن الحارث کو شعر ذیل پڑھ کر سنایا:

فقل القریش ایلبی وتخرّبی
علیه فان اللّٰه لاشک ناصرهٗ

''قریش سے کہہ دو کہ تم لوگ آپ کے خلاف متفق ہو جاؤ اور گروہ بندی کرلو، کوئی شک نہیں کہ اللہ آپ ہی کا مددگار ہوگا۔''

نیز نوفل بن الحارث جب اسلام لائے تو انہوں نے اشعارِ ذیل کہے:

الیکم الیکم اننی لست منکم
تبرأت من دین الشیوخ الاکابر

''تم لوگ دور ہو، تم لوگ دور ہو، کیونکہ میں تم میں سے نہیں ہوں، میں بڑے بوڑھوں کے دین سے بیزار ہو گیا۔

لعمرک ما دینی بشیء ابیعه
وما انا اذا سامت یوما بکافه

تیری جان کی قسم میرا دین اس چیز پر نہیں ہے جسے میں بیچتا ہوں۔ اور جب میں اسلام لے آیا تو کسی دن کافر نہیں ہوا۔

شهدتُ على ان النبي محمّدًا
اتى بالهدى من ربّه والبصائر

میں گواہی دیتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے پاس سے ہدایت اور روشنیاں لائے ہیں۔

وانَّ رسول اللّٰه يدعوا الى التّقى
وانَّ رسول اللّٰه ليس بشاعر

رسول اللہ ﷺ تقوے کی دعوت دیتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ شاعر نہیں ہیں۔

على ذاك احيا ثمَّ اُبعثُ موقتًا
واُثوى عليه ميتًا في المقابر

اسی پر میری زندگی ہے اس کے بعد وقت مقررہ پر میں اٹھایا جاؤں گا، اور اسی پر موت کے بعد مجھے قبر میں دفن کیا جائے گا۔"

عبداللہ بن الحارث بن نوفل سے مروی ہے کہ جب نوفل بن الحارث بدر میں گرفتار کیے گئے تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے نوفل اپنی جان کا فدیہ دو، عرض کی یا رسول اللہ! میرے پاس تو کچھ بھی نہیں جس سے میں اپنی جان کا فدیہ دوں، فرمایا کہ اپنی جان کا فدیہ ان نیزوں سے ادا کرو جو جدے میں ہیں۔ عرض کی میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ رسول اللہ ہیں۔

نوفل نے انہی نیزوں سے اپنی جان کا فدیہ ادا کیا اور وہ تعداد میں ایک ہزار تھے۔

نوفل بن الحارث مشرف بہ اسلام ہوئے، بنی ہاشم میں سے جو لوگ اسلام لائے تھے وہ ان سب سے زیادہ سن رسیدہ تھے، اپنے چچا حمزہ وعباس (رضی اللہ عنہما) سے بھی زیادہ سن رسیدہ تھے۔ اپنے بھائی ربیعہ وابی سفیان وعبدشمس فرزندانِ حارث سے بھی زیادہ سن رسیدہ تھے۔

نوفل مکہ واپس گئے۔ انہوں نے اور عباس نے غزوۂ خندق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجرت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور عباس بن عبدالمطلب کے درمیان عقد مواخاۃ کیا۔ دونوں جاہلیت میں بھی تجارتی مال میں برابر کے

Marfat.com

شریک تھے، باہم دوست اور مخلص تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں انہیں مسجد کے پاس مکان کے لئے زمین عطا فرمائی، ان کو اور عباس کو ایک ہی مقام پر زمین عطا فرمائی، دونوں کے درمیان ایک دیوار سے آڑ کر دی۔ نوفل بن الحارث کا مکان رحبۃ القضاء میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متصل دارالامارۃ کے مقابل تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوفل بن الحارث کو بھی مدینہ میں ایک مکان عنایت فرمایا جو بازار کے پاس الثنیہ کے راستے پر ان کے اونٹوں کا طویلہ تھا۔ نوفل نے اپنی حیات ہی میں اسے اپنے لڑکوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

نوفل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب فتح مکہ و حنین و طائف میں حاضر ہوئے۔ غزوۂ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب ثابت قدم رہے، وہ آپ کی داہنی جانب تھے، انہوں نے یوم حنین میں ہزار نیزوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوالحارث گویا میں تمہارے نیزوں کو مشرکین کی پشتوں میں ٹوٹتا ہوا دیکھتا ہوں۔ نوفل بن الحارث کی وفات عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے کے سوا برس بعد ہوئی۔ حضرت سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان پر نماز پڑھی، بقیع تک ان کے ساتھ گئے اور وہیں دفن کیا۔

ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ

نام و نسب

مغیرہ نام، ابوسفیان کنیت، نسب نامہ یہ ہے، ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب ابن ہاشم بن عبد مناف بن قصی، بن ہاشم ہاشمی، ماں کا نام غزنہ تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے، غزنہ بنت قیس ابن طریف بن عبدالعزیٰ بن عامرہ بن عمیرہ بن دولیعہ بن حارث بن فہر، ابوسفیان کے والد حارث آنحضرت ﷺ کے حقیقی چچا تھے، اور ابوسفیان نے حضرت حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیا تھا، اس لئے وہ نسبی اور رضاعی دونوں رشتوں سے آنحضرت ﷺ کے بھائی تھے، سن میں

Marfat.com

بھی آپ کے برابر تھے، اس لئے دونوں میں غایت درجہ الفت و محبت تھی۔

آنحضرت ﷺ اور اسلام کی مخالفت

لیکن الفت و محبت کا یہ رشتہ ظہورِ اسلام کے بعد ٹوٹ گیا، دوسرے عمائد قریش کی طرح ابوسفیان بھی رسول اللہ ﷺ کے اتنے خلاف ہو گئے کہ ان کی مخالفت دشمنی اور عناد کے درجہ تک پہنچ گئی تھی، آنحضرت ﷺ کی مخالفت اور اسلام کے استیصال کو انہوں نے اپنا مقصدِ حیات بنالیا تھا، چنانچہ فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان جس قدر معرکے ہوئے، ابوسفیان ان سب میں پیش پیش تھے، ان کی ساری قوتیں آنحضرت ﷺ اور اسلام کے خلاف صرف ہوتی تھیں شاعر تھے، اس لئے آنحضرت ﷺ کی ہجو کہہ کر کوچہ و بازار میں سناتے پھرتے تھے، طوطی اسلام حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ان اشعار:

الا بلغ ابا سفیان عنی

مغلغلة فقد برح الخفاء

هجوتَ محمدًا فاجبت عنه

وعند اللّٰه فی ذاک الجزاء

''ابوسفیان کو میری جانب سے یہ پیام پہنچا دو کہ پردہ اٹھ گیا، تم نے محمد ﷺ کی ہجو کی، میں نے اس کا جواب دیا، اور اس جواب میں خدا کے پاس میرے لئے جزا ہے۔''

میں انہیں کی ہجو کا ذکر کیا ہے۔

اسلام

کامل بیس برس تک یہ معاندانہ روش قائم رہی، فتح مکہ سے کچھ دنوں پہلے جب آنحضرت ﷺ فتح مکہ کی تیاریوں میں مصروف تھے، اور مکہ میں آپ کی آمد آمد کی خبر پھیل رہی تھی، ابوسفیان نے ایک دن بیوی سے کہا محمد آیا چاہتے ہیں، تم لوگ یہاں سے نکل چلو۔ نیک خاتون نے جواب دیا عرب و عجم محمد ﷺ کے مطیع و منقاد ہوتے ہیں، لیکن تم اب تک اسی بغض و عداوت پر قائم ہو، حالانکہ تم پر ان کی امداد و اعانت کا زیادہ حق ہے''۔

Marfat.com

بیوی کی بات دل میں اثر کر گئی، اسی وقت سواری کا انتظام کیا، اور اپنے لڑکے جعفر کو ساتھ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چل کھڑے ہوئے، اس وقت مسلمان کا مقدمۃ الجیش مقام ابواء تک پہنچ چکا تھا، ابوسفیان اشتہاری مجرم تھے، ہر آن جان کا خطرہ لگا ہوا تھا، ڈرتے ڈرتے چھپتے چھپاتے کسی طرح مسلمانوں کے لشکر گاہ تک پہنچنے اور دفعۃً رسول اللہ ﷺ کے سامنے آگئے، آپ کا دل ان کے گزشتہ اعمال کی وجہ سے سخت متنفر تھا، اس لئے نظر پڑتے ہی منہ پھیر لیا، ابوسفیان اس رخ پر گئے، تو آپ ﷺ نے دوسری طرف منہ پھیر لیا، یہ دیکھ کر مسلمان انہیں پکڑنے کے لئے بڑھے، ابوسفیان سمجھے کہ اب کام تمام ہوا، چنانچہ رسول اللہ کے رحم وکرم، عفو ودرگزر اور آپ کے ساتھ اپنی گوناگوں قرابتوں کا واسطہ دلا کر مسلمانوں کو روکا۔

ابوسفیان کی پوری زندگی آنحضرت ﷺ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں گزری تھی، انہوں نے آپ کی تحقیر وتذلیل، مسلمانوں کی ایذا رسانی اور اسلام کے استیصال کا کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا تھا، اس لئے رسول اللہ ﷺ کے دل میں ان کے لئے کوئی جگہ باقی نہ رہ گئی تھی، اور آپ کسی طرح درگذر فرمانے پر آمادہ نہ تھے، آخر ابوسفیان نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو درمیان میں ڈالا، انہوں نے سفارش کی کہ "اپنے ابن عم کو مایوس نہ کیجئے۔" فرمایا: "مجھے ایسے ابن عم کی ضرورت نہیں ہے، انہوں نے میری آبروریزی کا کون سا دقیقہ اٹھا رکھا ہے۔"

ابوسفیان سے کچھ بن نہ پڑتا تھا، گزشتہ زندگی پر سخت نادم اور شرمسار تھے، لیکن بارگاہِ نبوی ﷺ میں کوئی شنوائی نہ ہوئی، جب بالکل مایوس ہوگئے تو کہا خیر اگر عفو وکرم کا دروازہ بالکل بند ہو چکا ہے، تو

جان سے ہم بھی گذر جائیں گے سوچا یہی ہے

اور اس کمسن بچہ کو ساتھ لے کر در بدر مارے مارے پھریں گے اور بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر جان دیدینگے، ابوسفیان لاکھ مجرم سہی پھر بھی چچیرے بھائی تھے، آنحضرت ﷺ کے کانوں تک اس عزم کی خبر پہنچی، تو دل بھر آیا، اور نفرت وحقارت کے سارے جذبات مہر ومحبت سے بدل گئے۔

Marfat.com

ابوسفیان کو سامنے آنے کی اجازت ملی، دونوں باپ بیٹے عمامہ باندھے ہوئے سامنے لائے گئے اور السلام علیک یا رسول اللہ کہہ کر آگے بڑھے، آپ نے فرمایا، ان کے چہروں سے ڈھاٹا ہٹاؤ، صورت تو دکھائی دے، لوگوں نے ڈھاٹا ہٹادیا، اور رسول اللہ ﷺ کو اثر پذیر کرنے کے لئے ان کا نسب بیان کیا، اس کے بعد باپ بیٹے دونوں کلمہ پڑھ کر مشرف باسلام ہو گئے، آنحضرت ﷺ نے ان کی ایک ہجو کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، ابوسفیان تم نے مجھ کو کب نکالا تھا؟ عرض کی یا رسول اللہ! ﷺ اب زیادہ ملامت کر کے شرمندہ نہ کیجئے۔ فرمایا، اب کوئی ملامت نہیں۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اپنے ابن عم کو لیجاؤ اور وضو اور سنت کی تعلیم دے کر میرے پاس لاؤ، حضرت علی رضی اللہ عنہ ساتھ لے گئے، اور نہلا کر واپس لائے، آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھائی، پھر مسلمانوں کو حکم دیا کہ اعلان کر دو کہ "ابوسفیان سے خدا اور رسول راضی ہو گئے، اس لئے تم لوگ بھی راضی ہو جاؤ"۔

غزوات

اسلام کے بعد تلافی مافات کی فکر ہوئی، ابھی غزوۂ فتح نہیں ہوا تھا، سب سے پہلے اس میں شریک ہوئے، پھر غزوۂ حنین میں شمشیر ہاشمی کے جوہر دکھائے، اور غزوہ میں جب مشرکین کے ریلے کی وجہ سے مسلمان آنحضرت ﷺ کے چاروں طرف سے منتشر ہو گئے، اور ایک عام بے ترتیبی پھیل گئی، اس وقت بھی ابوسفیان اپنی جگہ پر جمے رہے، اور شمشیر برہنہ لیے گھوڑے کی پیٹھ سے موت کے منہ میں کود پڑے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ جانبازی دیکھ کر پھر رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ "اپنے ابن عم اور بھائی کی خطاؤں کو معاف کر دو" فرمایا میں نے معاف کر دیا، خدا ان کی تمام عداوتوں کو جو انہوں نے میرے ساتھ کی ہیں، معاف فرمائے، اور شفقت برادرانہ میں ابوسفیان سے فرمایا میری عمر کی قسم تم میرے بھائی ہو، اس برادرانہ اور شفقت آمیز خطاب پر ابوسفیان نے قدم مبارک چوم لئے، اور رہوار نبوی ﷺ کی لگام تھام کر مشرکین کے سامنے سینہ سپر ہو گئے، آنحضرت ﷺ نے اس فدویت و جان نثاری پر "اسد اللہ" اور "اسد الرسول" کا معزز لقب عطا کیا، طائف میں بھی ہمرکاب تھے، غرض

Marfat.com

اسلام کے بعد کسی غزوہ میں ان کا قدم پیچھے نہیں رہا۔

وفات

آنحضرت ﷺ کی وفات تمام مسلمانوں کے لئے ایک مصیبتِ عظمیٰ تھی، ابوسفیان پر ایک کوہِ الم ٹوٹ پڑا، وہ اس حادثہ سے سخت متاثر ہوئے، ابھی یہ زخم مندمل نہ ہونے پایا تھا کہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان کے بھائی نوفل چل بسے، اس حوادث نے انہیں دنیا سے بالکل برداشتہ خاطر کردیا، خدا سے دعا مانگتے تھے، کہ خدایا رسول اللہ ﷺ اور بھائی کے بعد زندگی بے مزہ اور دنیا بے لطف ہوگئی، اس لئے جلد دنیا سے اٹھالے، خدا نے یہ دعا قبول کی، اور اس دعا کے چند ہی دنوں کے بعد ایک معمولی اور اتفاقی واقعہ موت کا سبب بن گیا، حج کے موقع پر منیٰ میں سر منڈوایا، سر میں ایک پھنسی تھی، وہ چھل گئی، اس سے خون جاری ہوگیا، اور ایسا جاری ہوا کہ کسی طرح نہ رکا، مدینہ واپس آکر خود ہی اپنی قبر کھودکر اپنی پہلی منزل تیار کی، جب حالت زیادہ نازک ہوئی تو خویش و اقارب نے رونا دھونا شروع کیا، ان کا گریہ وبکا سن کر فرمایا، اسلام کے بعد سے آج تک کوئی لغزش نہیں ہوء، اس لئے رونا دھونا بند کرو، قبر کھودنے کے تیسرے دن وفات پاگئے، حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور ابوسفیان جنت البقیع رکن ابی طالب میں سپرد خاک کئے گئے۔

حلیہ

صورۃً آنحضرت ﷺ کے ہم شبیہ تھے۔

اولاد

ابوسفیان نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، اور ان سے بہت سی اولادیں ہوئیں، بیویوں میں جمانہ، نغمہ، ام عمرو، اور دوام ولد تھیں، ان سے جعفر، عبداللہ، جمانہ، حفصہ، عاتکہ، امیہ اور کلثوم بہت سی اولادیں تھیں، لیکن ان میں سے آئندہ کوئی اولاد باقی نہ رہی، اور ابوسفیان کی نسل منقطع ہوگئی۔

فضائل واخلاق

قبولِ اسلام کے بعد تلافیِ مافات کے لئے ابوسفیان اسلامی تعلیم کا ایک پیکر مجسم

Marfat.com

بن گئے تھے، جہاد فی سبیل اللہ کے ولولے اور جوش کا اندازہ او پ ہو چکا، یہی جہاد مذہت کے ہر شعبہ میں تھا، شبانہ یوم کا بڑا حصہ نماز میں گذرتا تھا، گرمیوں کے طولانی دنوں میں صبح سے لیکر نصف النہار تک نمازیں پڑھتے تھے، نصف، النہار کے وقت رک جاتے اور ظہر کے وقت سے لیکر پھر عصر تک یہ سلسلہ جاری رہتا، اس عبادت و ریاضت کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے ان کو ''نوجوانانِ جنت کے سردار'' کا لقب عطا فرمایا۔

آنحضرت ﷺ کے ساتھ بچپن میں دلی تعلق تھا، ظہور اسلام کے بعد درمیان میں یہ تعلق منقطع ہوگیا تھا، اسلام قبول کرنے کے بعد پھر وہی لطف قائم ہوگیا، آنحضرت ﷺ انہیں بہت محبوب رکھتے تھے:

كان احب قريش الى رسول الله ﷺ و كان شديداً عليه فلمّا وسلم كان احب الناس اليه.

یعنی ''قریش میں آنحضرت ﷺ کو زیادہ محبوب ابوسفیان تھے، اس کے بعد وہ آپ کے سخت دشمن ہوگئے اس کے بعد جب اسلام لائے، تو پھر سب سے زیادہ محبوب ہوگئے۔''

آنحضرت ﷺ انہیں فرطِ محبت میں ''خیر اہلی'' فرماتے تھے، ابوسفیان کو بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ غایت درجہ الفت تھی، آپ ﷺ کی وفات سے ابوسفیان پر کوہِ الم ٹوٹ پڑا تھا، اکثر رویا کرتے تھے، اور موت کی دعا مانگا کرتے تھے، اسی تاثیر کی حالت میں ایک نہایت وقت انگیز مرثیہ کہا، یہ مرثیہ حافظ ابن عبدالبر نے نقل کیا ہے۔

اروٰی بنت الحارث

آپ حارث بن عبدالمطلب اور غزیّہ بنتِ قیس بن طریق بن عبدالعزیٰ بن عامر بن ودیعہ بن حارث بن فہر کی صاحبزادی ہیں، آپ سے ابووداعہ بن حبران، سعید بن سعد بن سہم نے نکاح کیا، جن سے آپ کے ہاں مطلب، ابوسفیان، اُم جمیل بن حکیم اور ربیعہ پیدا ہوئے۔

Marfat.com

زبیر بن عبدالمطلب اور ان کا خاندان

جناب عبدالمطلب کی وفات کے بعد ایک اہم ترین مسئلہ عبداللہ کے لخت جگر کا ''محمد'' کی پرورش کا تھا جو پیدائش سے بھی پہلے ''والد'' بعد ازاں ''والدہ'' اور پھر دادا کی شفقت سے بھی محروم ہو گئے تھے۔ چنانچہ بعض روایتوں سے یہ بھی سامنے آتا ہے کہ وفات سے پہلے عبدالمطلب نے آنحضرت ﷺ کو ابو طالب کے سپرد نہیں کیا تھا بلکہ ان کے انتقال کے بعد ابو طالب اور زبیر نے جو دونوں آنحضرت ﷺ کے سگے چچا تھے آپس میں قرعہ ڈالا کہ آنحضرت ﷺ کی کفالت کا دونوں میں سے کون ذمہ دار ہو گا۔ چنانچہ قرعہ ابو طالب کے نام پر نکلا (اور وہ آنحضرت ﷺ کے کفیل ہوئے)۔

اس طرح یہ بھی کہا جاتا تھا کہ چونکہ آنحضرت ﷺ اپنے لئے ابو طالب کی غیر معمولی شفقت اور محبت دیکھتے تھے اس لئے عبدالمطلب کی وفات سے پہلے خود آپ ﷺ نے ہی ابو طالب کے پاس رہنا پسند فرمایا تھا۔ مگر آگے بیان آئے گا کہ ابو طالب کے ساتھ زبیر بھی آپ کی نگرانی اور کفالت میں شریک تھے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ عبدالمطلب کی وفات کے بعد زبیر ہی آپ ﷺ کے کفیل ہوئے تھے۔ پھر ان کے انتقال کے بعد آپ کو ابو طالب نے اپنی تربیت و نگرانی میں لے لیا۔

بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ:

''جب عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا تو آنحضرت ﷺ اپنے دونوں سگے چچاؤں زبیر اور ابو طالب کی سرپرستی میں آ گئے تھے۔ پھر جب آپ ﷺ کی عمر چودہ سال

Marfat.com

کی ہوئی تو زبیر کا انتقال ہو گیا اور ابو طالب آپ کے تنہا کفیل ہو گئے۔''

''جہاں تک آنحضرت ﷺ کے والد اور والدہ کے انتقال کے بعد عبدالمطلب اور ان کے بعد ابو طالب کے آنحضرت ﷺ کی کفالت کرنے کا تعلق ہے اس کے متعلق قدیم کتابوں میں ذکر ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کی نبوت میں سے ایک نشانی ہوگی (کہ بچپن میں آپ کے والد و والدہ کا انتقال ہو جائے گا اور پہلے آپ کے دادا آپ کے کفیل ہوں گے اور پھر ان کے انتقال کے بعد آپ ﷺ کے چچا کفیل ہوں گے۔ (سیرۃ حلبیہ)

نبی کریم ﷺ کے چچا زبیر بڑے بہادر اور انصاف پسند تھے، جزیرہ عرب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل نہ تو کوئی منظم حکومت تھی اور نہ با قاعدہ عدالتیں موجود تھیں جو مظلوموں کی دادرسی کر سکتیں۔ سارا عرب معاشرہ قبائلی نظام میں جکڑا ہوا تھا۔ اگر کوئی شخص دوسرے قبیلے کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو مقتول کا قبیلہ صرف اس قاتل سے انتقام نہ لیتا بلکہ اس کے سارے قبیلے سے انتقام لیا جاتا۔ مکہ مکرمہ میں قریش کے دس قبائل آباد تھے جو دیگر عرب قبائل کے خلاف ایک دوسرے کے اتحادی تھے۔ اگر کوئی عرب قبیلہ قریش کے کسی ایک قبیلے پر حملہ آور ہوتا تو سارے قریشی قبائل مل کر اس حملہ آور کا مقابلہ کرتے۔ کوئی بھی یہ دیکھنے کی زحمت نہ کرتا کہ ظالم کون ہے اور مظلوم کون۔

حضرت عبدالمطلب کے تمام بیٹوں کو اللہ تعالیٰ نے دلِ دردمند عطا فرمایا تھا۔ خصوصاً زبیر بن عبدالمطلب اس صورتِ حال سے بہت بیزار تھے۔ انہیں ہرگز یہ پسند نہ تھا کہ کسی بے سہارا مسافر پر مکہ کا کوئی رئیس زیادتی کرے اور وہ بے بس تماشائی بنے رہیں۔ ایک بار یمن کا ایک تاجر اپنے سامان تجارت کے ساتھ مکہ پہنچا۔ مکہ میں عاص بن وائل نامی ایک بڑا امیر آدمی رہتا تھا۔ یہ شخص اکثر مسافروں سے دھوکا بازی اور فریب سے ان کا مال ہتھیا لیا کرتا تھا۔ اس نے یمنی تاجر سے سامان کا سودا کیا اور سامان اپنے قبضے میں لینے کے بعد اس کی قیمت ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ یمنی بے چارا مسافر تھا، یہاں اس کی جان نہ پہچان، اس نے عاص بن وائل کے دوست قبائل عبدالدار، مخزوم، جمح، سہم اور عدی بن کعب سے اس کی شکایت کی اور ان سے درخواست کی کہ وہ اس کی مدد کریں۔ ان قبائل نے مدد کے بجائے الٹا اسے جھڑک دیا۔ یمنی نے ان سے مایوس ہو کر ایک اور کام کیا۔ طلوعِ

آفتاب کے بعد جب قریش حرمِ کعبہ میں حسبِ معمول اپنی اپنی مجلسیں جمائے بیٹھے تھے تو وہ قریب واقع جبلِ ابی قیس پر چڑھ گیا اور وہاں کھڑے ہو کر بلند آواز سے فریاد کی۔

''اے فہر کی اولاد اس مظلوم کی فریاد سنو! جس کا مال ومتاع مکہ شہر میں ظلماً چھین لیا گیا ہے۔ وہ غریب الدیار ہے اپنے وطن سے دور اپنے مددگاروں سے دور ہے۔ وہ ابھی احرام کی حالت میں ہے۔ اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں۔ اس نے ابھی عمرہ بھی ادا نہیں کیا۔ اے مکہ کے رئیسو! میری فریاد سنو۔ مجھ پر حطیم اور حجرِ اسود کے درمیان ظلم کیا گیا ہے۔ عزت وحرمت تو اس کی ہے جس کی شرافت کامل ہو جو فاجر اور دھوکہ باز ہو اس کے لباس کی تو کوئی عزت نہیں ہونی چاہیے۔''

حرم میں موجود سارے قریشیوں نے یہ فریاد سنی لیکن سب سے پہلے جس نے ایک مسافر اور بے یار ومددگار کی فریاد پر لبیک کہا۔ وہ زبیر بن عبدالمطلب تھے۔ زبیر اس مظلوم کی آہ وزاری پر مضطرب ہو کر کھڑے ہوئے اور اعلان کیا: ''اب اس فریاد کو نظر انداز کر دینا ہمارے بس کی بات نہیں۔''

چنانچہ عبداللہ بن جدعان کے گھر میں بنی ہاشم، بنی زہرہ بنی تیم بن مرہ قبائل جمع ہوئے۔ ابنِ جدعان نے ایک پُر تکلف ضیافت کا اہتمام کیا۔ اس اجتماع میں شریک تمام شرکاء نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ عہد کیا کہ ''وہ سب متحد ہو کر ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کریں گے۔ یہاں تک کہ ظالم، مظلوم کو اس کا حق ادا کر دے اور ہم اس عہد پر پابند رہیں گے جب تک سمندر صوف (اون) کو تر کرتا ہے اور جب تک حراء اور ثبیر کے پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہیں اور معاش میں ہم ایک دوسرے کی ہمدردی کریں گے۔''

اس عہد یا معاہدے کو حلف الفضول کے نام سے موسوم کیا گیا کیونکہ عہدِ قدیم میں بنو جُرہم نے بھی اس قسم کا ایک معاہدہ کیا تھا اور جن تین آدمیوں نے اس معاہدے کیلئے بھاگ دوڑ کی تھی اور اسے پروان چڑھایا تھا، ان تینوں کا نام فضل تھا اور فضل کی جمع فضول ہے۔ یہ تین افراد فضل بن خضالہ، فضل بن وداعہ اور فضیل بن حارث تھے۔ نئے معاہدے کے بھی وہی مقاصد تھے۔ اس لئے اس کو بھی حلف الفضول کے نام سے شہرت ملی۔ جب یہ معاہدہ طے پا گیا تو سب مل کر عاص بن وائل کے گھر گئے اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ اس

Marfat.com

تاجر کا مال واپس کر دے۔ اب اس فریبی کو انکار کی مجال نہ تھی لہٰذا مجبوراً تاجر کو اس کا مال واپس کر دیا۔ اس موقع پر جناب زبیر بن عبدالمطلب نے اپنی مسرت کا اظہار یوں کیا: ''یہ معاہدہ کرنے والوں نے قسم اٹھائی ہے کہ سرزمین مکہ میں کوئی ظالم نہیں ٹھہر سکے گا۔ یہ ایسی بات ہے جس پر ان سب نے متفقہ معاہدہ کیا ہے۔ پردیسی اور فقیر جو اُن کے ہاں آئے گا۔ ہر قسم کے جور و ستم سے محفوظ ہوگا۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اس وقت بیس برس کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاہدہ میں شرکت فرمائی۔ بعثت کے بعد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدہ میں شرکت پر اظہارِ مسرت فرمایا کرتے تھے۔ ارشادِ گرامی ہے کہ:

''میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں موجود تھا، جب حلف الفضول طے پایا۔ اس معاہدے سے الگ ہونے کے بدلے اگر مجھے کوئی سرخ اونٹ دے تب بھی میں لینے کیلئے تیار نہیں اور اس قسم کے معاہدہ کی دعوت اسلام میں بھی اگر کوئی مجھے دے تو میں اسے قبول کروں گا۔''

اس طرح زبیر بن عبدالمطلب کی تحریک سے ایک ایسا معاہدہ وجود میں آیا جس کا واسطہ دے کر فریاد کی جاتی تو لوگ بلا تامل تلواریں لے کر فریادی کی مدد کو دوڑے آتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان چچا کا انتقال بعثت سے قبل ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک جب پندرہ برس کی تھی تو آپ نے قریش کے ساتھ حربِ فجار میں شرکت کی۔ اس جنگ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی خود حفاظت فرمائی۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جنگ و قتال میں حصہ نہ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے نہ کوئی شخص مارا گیا نہ زخمی ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شمولیت صرف اس حد تک تھی کہ آپ کے سارے چچا اس لڑائی میں شریک تھے۔ آپ اپنے چچا جناب حارث بن عبدالمطلب، زبیر بن عبدالمطلب، حج، مقوم، ابو طالب، قثم، غیداق، عباس، ضرار اور ابولہب کو اپنے چھوٹے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تیر وغیرہ دیتے جاتے اور چچا یہ تیر مخالف لشکر پر برساتے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں کہ ''میں ان تیروں کو روکا کرتا تھا جو میرے چچوں پر چلائے جاتے تھے۔'' بعض روایات میں یہ جملہ بھی آتا ہے کہ ''میرے چچا دشمن پر تیر

Marfat.com

برساتے تھے اور میں ترکش سے تیر نکال نکال کر انہیں دیا کرتا تھا۔

عاتکہ بنت وہب

آپ عبدالمطلب کے فرزند اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جناب زبیر بن عبدالمطلب کی زوجہ تھیں۔ اس لحاظ سے آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی لگتی ہیں۔ آپ کے بطن سے جناب زبیر کے گھر میں عبداللہ نام کے ایک فرزند اور ضباعہ اور اُم حکیم نام کی دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

عبداللہؓ بن زبیر بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصیٰ۔

والدہ کا نام عاتکہ بنتِ وہب (بن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم) تھا۔ قبولِ اسلام کا زمانہ متعین نہیں ہے۔ اربابِ سِیَر نے عہدِ رسالت کے کسی غزوے میں ان کا ذکر نہیں کیا البتہ یہ لکھا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بہت محبت تھی اور آپ ان کو ابنِ عمّی وحِبّی (میرے چچا کا بیٹا اور میرا پیارا) فرمایا کرتے تھے۔ کبھی کبھی آپ ان کو "میری ماں کے بیٹے" بھی فرمایا کرتے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر تیس برس کے لگ بھگ تھی۔

خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں سلطنتِ روم سے معرکہ آرائیوں کا آغاز ہوا تو حضرت عبداللہؓ بھی مجاہدین میں شریک ہو کر شام کے میدانِ جہاد میں پہنچ گئے۔ بڑے نڈر اور بہادر آدمی تھے۔ اَجنادین کی لڑائی میں رومیوں کا ایک نامی بہادر نشان لگائے ہوئے اپنی صفوں سے باہر آیا اور مسلمانوں کو دعوتِ مبارزت دی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اس کے مقابل ہوئے اور آناً فاناً اس کو ... کر

Marfat.com

ڈالا۔ پھر ایک اور رومی بطریق سامنے آیا۔ عبداللہؓ اس کی طرف بھی بڑھے۔ پہلے دونوں میں نیزہ بازی ہوئی پھر دونوں نے تلواریں نیاموں سے نکالیں اور ایکدوسرے پر وار کرنے لگے۔ آخر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس پر ایک ایسا کاری وار کیا کہ ان کی تلوار اس کی زرّہ کو کاٹتی ہوئی اس کے مونڈھوں تک پہنچ گئی اس وقت انہوں نے نعرہ لگایا...... "یہ لے میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں"

رومی میں اب لڑنے کا حوصلہ نہ رہا اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ ﷺ کو قسم دے کر کہا کہ اب نہ لڑو۔ انہوں نے جواب دیا: خدا کی قسم! میں صبر نہیں کر سکتا (یعنی لڑائی سے ہاتھ نہیں روک سکتا)۔ چنانچہ تلوار چلاتے ہوئے رومیوں کی صفوں میں گھس گئے۔ لڑائی کے بعد مسلمان اپنے شہداء کی تلاش میں نکلے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی لاش ایک ٹیلے پر ملی۔ ان کے گرد دس رومی کٹے پڑے تھے۔ گویا وہ دس رومیوں کو مار کر شہید ہوئے تھے۔

انہوں نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

طاہر بن زبیر بن عبدالمطلبؓ ہاشمی

آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زبیر کے فرزند ہیں۔

بعض حضرات نے آپ کی والدہ کا نام عاتکہ ہی بتایا ہے جو کہ زبیر کی دوسری اولاد کی بھی والدہ ہیں، جبکہ بعض مورخین عاتکہ کی اولاد میں سے آپ کو شمار نہیں کرتے، اس صورت میں آپ کی والدہ کوئی اور خاتون ہوں گی۔ واللہ اعلم بالصواب

ضباعہ بنت الزبیر بن عبدالمطلب

رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد کی بہن تھیں۔

زبیر بن عبدالمطلب بن ھاشم، بنی ھاشم کے شاعر تھے...... انکی عاتکہ بنت ابی

Marfat.com

وهب المخزومية سے صرف دو بیٹیاں تھیں...... ضباعۃ اور ان کی بہن اُمّ الحکم۔

اور جب زبیر کا انتقال ہو گیا تو شاعر کا منصب ابو سفیان بن الحارث بن عبدالمطلب نے سنبھال لیا۔

اور جب عزوجل نے محمد ﷺ کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا قریش نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا چیز مانع ہے کہ تم اسلام لا کر ساری عرب قوم کے سردار بن جاؤ گے؟

تو وہ لوگ بولے: اے محمد ﷺ ہم تمہاری باتیں نہ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں، اور ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔

اور پھر ابو جہل نے ایک کپڑا لیا اور اسے اپنے اور رسول ﷺ کے درمیان تان کر بولا: اے محمد: تمہاری دعوت کیلئے ہمارے اور تمہارے درمیان پردہ ہے۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

میں تم لوگوں کو دو نیکیوں کی دعوت دیتا ہوں کہ: "تم لوگ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں"۔

تو قریش کے لوگ نفرت سے اپنی پیٹھ پھیر کے چلے گئے اور کہنے لگے:

اجعل الألهة الٰهاً واحدًا ان هٰذا لشيء عجاب. (ص:٥)

"کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔"

اور سفیان بن حرب قریش کے سرداروں کو مخاطب کر کے بولے:

امشوا واصبروا علٰى الٰهتكم ان هٰذا لشيءٌ يُّراد ۝ ما سمعنا بهٰذا في الملة الأخرة. (ص: ٦،٧)

اور جبرائیل علیہ السلام آسمان سے اترے اور بولے:

اے محمد ﷺ اللہ عزوجل نے آپ کو سلام بھیجا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ:

یہ لوگ یہی دعویٰ کرتے ہیں نا...... کہ آپ ﷺ کی بات ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ ان کے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور ان کے کان بہرے ہیں اس لئے

وہ آپ کی بات سن نہیں سکتے...... اگر ایسا ہے تو پھر جب آپ نے قرآن میں اپنے رب کا ذکر کیا اُن کے سامنے کیا تو وہ لوگ کیسے پیٹھ پھیر کر چلے گئے؟ لیکن وہ لوگ جھوٹے ہیں۔ سنتے ہیں مگر اپنی نفرت کی وجہ سے اس سے نفع حاصل نہیں کرتے۔

اور اگلے روز انہیں میں سے ستّر آدمی...... نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور بولے: اے محمد ﷺ ہم پر اسلام پیش کرو۔

اور جب ابو القاسم ﷺ نے ان پر اسلام پیش کیا...... وہ سب کے سب اسلام لے آئے...... تو آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا:

''الحمدللہ...... کل تو تم لوگ یہ دعویٰ کر رہے تھے کہ تم لوگوں کے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اور ہم جو دعوت تمہیں دیتے ہیں وہ تمہارے ڈھکے ہوئے دلوں تک نہیں پہنچتی اور آج تم لوگ مسلمان ہو گئے ہو؟

تو لوگ بولے: اے اللہ کے رسول ﷺ...... کل ہم نے جھوٹ بولا تھا...... اگر ایسا ہوتا تو ہم کبھی بھی ہدایت نہ پاتے...... لیکن اللہ عزّ وجل سچے ہیں اور بندے جھوٹے ہیں اور غنی ہیں اور ہم فقیر ہیں۔

ادھر ضباعۃ بنت الزبیر بن عبد المطلب اور ان کے شوہر مقداد بن عمرو نے بھی کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔

ایک دن آپ ﷺ کی ابوجہل سے ملاقات ہوئی تو وہ بولا ہم تمہیں جھوٹا نہیں کہتے...... بلکہ جو کچھ تم لیکر آئے ہو اسے جھٹلاتے ہیں۔

تو باری تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فانهم لايكذبونك ولكن الظالمين بآيٰتِ الله يجحدون O

(انعام: ۳۳)

''یہ تمہاری تکذیب نہیں کرتے بلکہ ظالم خدا کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔''

اور آپ ﷺ نے فرمایا: اے قریش کے لوگو: اللہ تعالیٰ کی عبادت کے سوا اور کسی کی عبادت کرنے میں کوئی بھلائی نہیں۔

تو وہ لوگ بولے: اے محمد...... کیا تم یہ دعویٰ نہیں کرتے ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی

Marfat.com

اور اللہ کے بندوں میں نیک اور صالح بندے تھے..... تو پھر اللہ تعالیٰ کے سوا لوگ ان کی بھی عبادت بھی کرتے تھے؟

تو اس پر ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

ولما ضرب ابن مریم مثلاً اذا قومک منه یصدون O

(الزخرف ۵۷)

''اور جب مریم کے بیٹے (عیسیٰ) کا حال بیان کیا گیا تو تمہاری قوم کے لوگ اس سے چلا اٹھے۔''

ضباعۃ الزبیر کہتی ہیں: سب سے پہلے اپنا اسلام ظاہر کرنے والے سات تھے: رسول اللہ ﷺ، ابوبکرؓ، عمار بن یاسر اور ان کی والدہ سمیہ، صہیب رومی، بلال بن رباح اور مقداد بن عمرو۔ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت تو اللہ تعالیٰ نے ان کے چچا ابوطالب کے ذریعہ فرمائی جب کہ ابوبکرؓ کی حفاظت ان کی قوم کے ذریعہ فرمائی..... اور رہے باقی لوگ تو ان کو مشرکین نے لیجا کر..... لوہے کے ذرہ پہنا کر سورج کے نیچے پگھلنے کے لیے چھوڑ دیا۔

مقداد بن عمرو نے بھی اپنے حصے کا عذاب بھگتا..... مگر ایمان کی حلاوت چکھنے کے بعد وہ کفر کی طرف دوبارہ نہیں لوٹے۔

ضباعۃ بنت الزبیر کہتی ہیں: فرمایا رسول ﷺ نے:

ہر نبی کو سات شرفاء، وزراء اور رفیق ملے..... اور مجھے چودہ عطا کیے گئے:

حمزہ، جعفر، ابوبکر، عمر، علی، حسن، حسین، عبداللہ بن مسعود، سلمان، عمار، حزیفہ، ابوذر، بلال اور مقداد۔

مقداد بن عمرو کھلم کھلا مدینہ کی طرف ہجرت نہ کر سکے تو قریش کے مشرکین کے ساتھ وہ اور عتبہ بن غزوان آئے راستے میں انہیں عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب اور ان کے ساتھی ملے جن کو رسول اللہ ﷺ نے ہجری سال کے آٹھویں مہینے کے شروع میں رابغ کے علاقے ودان کیلئے روانہ کی تھا..... فریقین کے درمیان تیروں کا تبادلہ شروع ہو گیا مگر تلواریں نہیں تانی گئیں اور نہ ہی لڑائی کیلئے صف بندھی ہوئی سب سے پہلے تیر پھینکنے والے سعد بن ابی وقاصؓ تھے ان کا تیر اسلام میں پھینکا جانے والا پہلے تیر تھا پھر اس کے بعد دونوں

Marfat.com

فریق اپنے اپنے راستے پر چل دیئے اور جنگ بند ہوئی گئی...... مشرکین کو یہ گمان ہوا کہ مسلمان تک کوئی مدد آ پہنچی ہے اس لئے وہ ڈر کے مارے میدان چھوڑ کر بھاگ گئے...... مگر مسلمانوں نے اُن کا پیچھا نہیں کیا اور مقداد بن عمرو اور عتبہ بن غزوان نے اس موقع کا فائدہ اٹھایا اور عبیدہ بن الحارث کے جماعت سے جا ملے۔

مقداد بن عمرو ایک نہایت بہادر شہ سوار تھے...... اور سب سے پہلے اللہ کی راہ میں اپنا گھوڑا دوڑانے والے بھی وہی تھے...... اور جنگ بدر کے موقع پر ان کی بہادری کے کارنامے ناقابل فراموش ہیں۔

جب مسلمانوں نے وادیٔ ذفران میں پڑاؤ کی تو مقداد بن عمرو کو خبر ملی کہ قبیلہ قریش اپنے تجارتی قافلے کے ساتھ نکل پڑا ہے اور راستے میں ہے...... اور ان کو وہ قافلہ روکنا تھا...... تو وہ اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے بولے: کہ قبیلہ قریش کے لوگ اپنی مکمل تیاریوں کے ساتھ مکہ سے نکل پڑے ہیں...... تو تم لوگ کی کہتے ہو؟ کی تمہیں تجارتی قافلہ زیادہ عزیز ہے یا اُس میں شامل لوگ؟ کیونکہ رسول ﷺ اپنے ساتھ جنگ کیلئے نکلنے والوں سے مال غنیمت اور جنگ کے درمیان انتخاب کرواتے تھے۔

تو ان کے کچھ ساتھی بولے:

کہ ہمیں دشمن کی ملاقات سے زیادہ تجارتی قافلہ عزیز ہے...... اور کچھ اور آوازیں بلند ہوئیں...... آپ نے ہم سے جنگ اور لڑائی کا ذکر کیا ہوتا تو ہم تیاری کر کے آتے ہم تو تجارتی قافلے کے لئے نکلے تھے آپ ﷺ دشمن کو چھوڑیں اور قافلے کو دیکھیں۔

یہ بات سن کر آپ ﷺ کا چہرہ انور متغیر ہو گیا...... اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی نازل فرمائی:

کما اخرجک ربک من بیتک بالحق وانَّ فریقا من المومنین لکرھون O یجادلونک فی الحق بعد ماتبیَّن کانَّما یساقون الی الموت وھم ینظرون O واذ یعدکم اللّٰہ اِحدَی الطَّآئفتَینِ انَّھَا لکم وتوَدُّون اَنَّ غیر ذاتِ الشَّوکۃِ تکون لکم ویرید اللّٰہ ان یحق الحق بکلماتہ ویقطع دابر

Marfat.com

الکافرین O لیحقَّ الحقَّ ویبطِلَ البَاطِلَ ولو کَرِہ المجرمون O

(الانفال: ۵ تا ۸)

(ان لوگوں کو اپنے گھروں سے اسی طرح نکلنا چاہیے تھا) کس طرح تمھارے پرودگار نے تم کو تدبیر کے ساتھ اپنے گھر سے نکالا اور (اس وقت) مؤمنوں کی ایک جماعت ناخوش تھی۔ وہ لوگ حق بات میں اس کے ظاہر اور اسے دیکھ رہے ہیں۔ اور (اس وقت کو یاد کرو) جب خدا تم سے وعدہ کرتا تھا کہ ابوسفیان اور ابوجہل کے دوگروہوں میں سے ایک گروہ تمھارا (مسخر) ہو جائے گا۔ اور تم چاہتے تھے کہ جو قافلہ بے (شان و شوکت (یعنی بے ہتھیار) ہی وہ تمہارے ہاتھ آجائے اور خدا چاہتا تھا کہ اپنے فرمان سے حق کو قائم رکھے اور کافروں کی جڑ کاٹ (کر پھینک) دے۔ تاکہ سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ کر دے۔ گو مشرک نہ خوش ہی ہوں۔"

پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ اٹھے اور لوگوں سے کچھ کہا اور خوب کہا...... پھر حضرت عمرؓ اٹھے اور لوگوں سے کچھ کہا اور خوب کہا...... پھر مقداع بن عمروؓ اٹھے اور بولے: ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں...... اور آپ ﷺ کے لئے خوشخبری ہے...... کہ قسم خدا کی ہم آپ ﷺ سے ایسا کچھ نہیں کہیں گے جیسا کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا۔

فاذهب انت وربک فقاتِلا انّا ھٰھنا قاعدونO (المائدہ: ۲۴)

"(اگر لڑنا ہی ضرور ہے) تو تم اور تمھارا خدا جاؤ اور لڑو۔ ہم یہیں بیٹھے بیٹھے رہے گے۔"

بلکہ ہم تو یہ کہیں گے کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے رب جل جلالہٗ جنگ کیلئے نکلیں ہم آپ ﷺ کے ساتھ مل کر جنگ کریں گے...... قسم اُس ذات پاک کی جس نے آپ ﷺ کو نبی برحق بنا کر بھیجا...... اگر آپ ﷺ ہمیں برک الغماد (یمن کا ایک علاقہ ہے)...... تک بھی لے کر چلے تو ہم آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ چلیں گے یہانتک کہ آپ ﷺ کی فتح ہو جائے۔

Marfat.com

یہ بات سن کر آپ ﷺ کی چہرہ مبارک خوشی سے دمک اٹھا......اور مقداد بن عمروؓ کے اس پر جوش......بیان پر آپ ﷺ کے دہن مبارک سے ان کے لیے دعا نکلی۔

عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں۔

میں نے مقداد کا وہ انداز دیکھا......کہ اس کا ساتھی بننا مجھے دینا دما فیہا سے زیادہ عزیز ہے۔

جنگ بدر کے روز صرف تین سو مسلمان گھڑسوار تھے......مقداد بن عمرو، مرثد بن ابی مرثد اور زبیر بن عوامؓ......جبکہ رسول اللہ ﷺ کے باقی صحابہ یا تو پیدل تھے یا اونٹوں پر سوار تھے۔ اور اس معرکہ کے میں مقداد بن عمرو نے بڑا اہم کردار ادا کیا اور بڑی بے جگری سے لڑے......اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو شکست فاش سے دوچار کیا۔

اور جب جنگ ختم ہوگئی......تو آپ ﷺ کے صحابہ تین ٹکڑیوں میں بٹ گئے ایک ٹکڑی تو آپ ﷺ کے خیمے کے پاس رہی اور دوسری ٹکڑی مال غنیمت جمع کرنے میں لگ گئی اور تیسری ٹکڑی نے دشمن کا پیچھا کیا اور بہت سے لوگوں کو قید کیا......اور مقداد بن عمرو نے دشمنِ خدا نضر بن حارث کو اسیر بنالیا۔

جب آپ ﷺ نے اس کی گردن اڑانی چاہی تو مقداد بن عمرو بولے:

یہ میرا قیدی ہے یا رسول اللہ ﷺ:

یعنی مقداد بن عمروؓ کو ان کا فدیہ چاہیے تھا مگر ابوالقاسم ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

اللّٰھم اغن المقداد من فضلک :

اے میرے اللہ......مقداد کو اپنے فضل سے مالا مال کردے۔

ایسی دعا جو دنیا بھر کے خزانوں سے زیادہ افضل اور بہتر تھی......اور پھر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اشارہ کیا: اور فرمایا:

اے علی......اُٹھو اور اس کی گردن اڑا دو۔

تو حضرت علیؓ اُٹھے اور نضر بن حارث کی گردن تن سے الگ کردی۔

ضباعۃ بنت الزبیر کہتی ہیں کہ......

فرمایا رسول ﷺ نے: اللہ عزوجل نے مجھے چار لوگوں سے محبت کرنے کا حکم دیا

اور مجھے بتایا کہ وہ بھی اُن سے محبت کرتا ہے: ”علی، مقداد، ابوذر اور سلمان“۔

مقداد بن عمروؓ ایک طویل القامت شخص تھے گھنے بال تھے روشن آنکھیں تھیں اور ان کی بھنویں ملی ہوئی تھیں۔

اور پھر ضباعۃ بنت الزبیرؓ نے بھی مدینہ کیلئے ہجرت کرلی۔

ایک دن رسول اللہ ﷺ نے مقداد بن عمروؓ کو کسی ریاست کا والی بنا کر بھیجا......

جب وہ واپس آئے تو آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: امیر بننا کیسا لگا؟ تو مقداد بن عمروؓ پوری سچائی سے گویا ہوئے:

یا رسول اللہ ﷺ آپ نے مجھے ایسا موقع دیا کہ میں اپنے آپ کو سب لوگوں سے بلند بالا سمجھنے لگا اور لوگوں کو اپنا ماتحت...... قسم اس ذات پاک کی جس نے آپ ﷺ کو نبی برحق بنا کر بھیجا...... کہ آج کے بعد میں کسی بھی دو آدمیں پر حاکم نہیں بنوں گا۔

اور مقداد بن عمروؓ جیسے ہی رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث سنتے تھے...... فوراً اپنی بیوی کو جا کر بتاتے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان السعید لمن جنب الفتن.

”خوش نصیب ہے وہ جو فتنوں سے بچ کر رہے۔“

اور پھر اپنے ساتھیوں کو بھی بتاتے تھے۔

مقداد بن عمروؓ ذہین اور حکمت والے تھے...... اور انہیں اسلام سے بہت لگا تھا...... اور اس سے زیادہ تعلق اور محبت رسول اللہ ﷺ کی ذات سے تھا...... اسی لیے جب کبھی مدینہ میں کوئی ہنگامی صورتحال پیدا ہوتی تھی...... تو مقداد بن عمروؓ پلک جھپکتے میں...... اپنے گھوڑے پر سوار...... تیر و تلوار سے لیس...... رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر موجود ہوتے تھے......

اسلام کی محبت نے ان کے دلوں میں گھر کرلیا تھا...... وہ اس کے دشمنوں اور منافقین سے ہی نہیں بلکہ اُس کے حامیوں کی غلطیوں سے بھی اُس کی حفاظت کرتے تھے۔

ایک روز مقدادؓ اپنی بیوی ضباعۃ بنت الزبیر کو رسول اللہ ﷺ کے گھر لیکر گئے...... تو انہوں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا:

Marfat.com

فاذا دخلتم بیوتًا فسلِّموا علیٰ انفسکم تحیةً مِّن عند اللّٰہ مبارکةً طیبةً.

(نور: ۶۱)

''اور جب گھروں میں جایا کرو تو اپنے (گھر والوں) کو سلام کیا کرو (یہ) خدا کی طرف سے مبارک اور پاکیزہ تحفہ ہے۔''

توضباعۃ اپنے شوہر سے کہنے لگیں:

میں کیا کہوں؟

تو مقداد بن عمروؓ بولے: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اذا دخلتم بیوتًا فسلِّموا علی اهلها واذکروا اسم اللّٰہ فان احدکم اذا سلم حین یدخل بیته اسم اللّٰہ تعالیٰ علیٰ طعامه یقول الشیطان لاصحابه: لا مبیت لکم هاهنا ولا عشاء واذالم یسلم احدکم اذا دخل ولم یذکر اسم اللّٰہ علی طعامه قال الشیطان لاصحابه ادرکتم المبیت والعشاء''

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: ''جب تم کسی گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو اور اللہ کا نام لو...... کیونکہ تم میں سے جب کوئی بھی اپنے گھر میں داخل ہوتے ہوئے سلام کرتا ہے اور اپنے کھانے پر اللہ کا نام لیتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے: تم لوگوں کا یہاں پر نہ کھانا ہے نہ بسیرا...... جبکہ تم میں سے کوئی اگر بغیر سلام کیئے گھر میں داخل ہوتا ہے اور اپنے کھانے پر اللہ کا نام نہیں لیتا تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے: تمہیں یہاں پر کھانا بھی مل گیا اور رات بسر کرنے کی جگہ بھی۔''

توضباعۃ بنت الزبیر کہنے لگیں:

ہر گھر میں داخل ہوتے ہوئے یہ کرنا چاہیے؟

تو مقداد بن عمروؓ بولے: ہر گھر میں داخل ہوتے ہوئے یہ کرنا چاہیے...... اور اگر کسی گھر میں مسلمان مکین ہو تو یہ کہے...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ...... اور اگر گھر میں

Marfat.com

کوئی نہیں رہتا ہو تو کہے: سلامتی ہو ہم پر اللہ کے نیک بندوں پر۔ اور گھر میں غیر مسلم رہتا ہے تو کہے...... سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت پائی۔ ضباعۃ بنت الزبیر کے یہاں مقداد کے دو بچوں کی ولادت ہوئی...... عبداللہ اور کریمۃ۔

اور جب رسول اللہ ﷺ نے حج وداع کے لئے نکلنے کا ارادہ کیا تو ضباعۃ بنت الزبیر آئیں اور بولیں: یارسول اللہ ﷺ میں حج کرنا چاہتی ہوں تو کیا نیت کروں؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں:

تو ضباعۃ بنت الزبیر بولیں: کیسے کہوں؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہو:

لبیک اللھم لبیک وتحللی من الارض حیث حبست.

''تلبیہ کہو اور حلال ہو جانا (احرام اتار دینا) جہاں روک دی جاؤ۔''

اور ضباعۃ بنت الزبیر اور ان کے شوہر مقداد بن عمروؓ رسول اللہ ﷺ کیساتھ حج کے لئے روانہ ہو گئے۔

آپ ﷺ نے حج وداع کے موقع پر ایک سوال کیا اور فرمایا: یہ کون سا مہینہ ہے؟

تو ضباعۃ بنت الزبیر کہتی ہیں: ہم نے کہا: کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ زیادہ بہتر جانتے ہیں۔

تو آپ ﷺ خاموش رہے یہاںتک کہ مسلمان یہ سمجھے کہ آپ ﷺ اس کو کوئی اور نام دیں گے لیکن آپ ﷺ نے پھر سوال کیا: کیا یہ ذی الحج نہیں؟

تو مسلمان بولے؟ بالکل ہے۔

تو رسول اللہ ﷺ نے پھر دریافت کیا: یہ کون سا شہر ہے؟

ضباعۃ بنت الزبیر کہتی ہیں: ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ زیادہ بہتر جانتے ہیں۔

تو آپ ﷺ خاموش رہے یہاںتک کہ مسلمانوں کو گمان ہوا کہ آپ ﷺ اُسے کوئی اور نام دیں گے......

پھر آپ ﷺ گویا ہوئے اور فرمایا: کیا بلد حرام نہیں؟''

Marfat.com

تو لوگ بولے: بالکل ہے۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کون سا دن ہے؟

ضباعۃ بنت الزبیر کہتی ہیں: پھر آپ ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ لوگ کہ مسلمانوں کو گمان ہوا کہ آپ ﷺ اُسے کوئی اور نام دیں گے۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے؟

تو لوگ بولے: بالکل ہے۔

جمرہ اُولیٰ کے پاس ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: کہ کون سا جہاد افضل ہے؟

تو آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا۔

اور وہ آدمی جمرہ ثانیہ کے نزدیک پھر آپ ﷺ کے پاس آیا۔ اور سوال کیا:

اے اللہ کے نبی ﷺ کون سا جہاد افضل ہے؟

تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا:

سوال کرنے والا کہاں ہے؟

وہ آدمی بولا: میں یہاں ہوں۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایک ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا۔''

ایک مرتبہ، مقداد بن عمروؓ ایک فوجی دستے کے ساتھ نکلے...... تو دشمنوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا اور ان کا محاصرہ کر لیا...... تو دستے کے امیر نے حکم صادر کیا کہ کوئی بھی اپنے جانور کو چرنے کے لیے نہ چھوڑے...... مگر مسلمانوں میں سے ایک شخص کا کانوں تک یہ حکم نہ پہنچ سکا تو اس نے اپنا جانور چرنے کے لیے چھوڑ دیا...... جس پر دستے کے امیر نے اُسے بلا بھیجا اور خوب مارا اسے اتنی زیادہ سزا دی جس کا وہ مستحق نہیں تھا تو وہ آدمی بڑا غمگین اور مایوس ہو کر وہاں سے واپس آیا...... جب وہ مقداد بن عمروؓ کے پاس سے گزرا تو انہوں نے اسے روک کر پوچھا: اے فلاں تمہیں کیا ہوا؟ تمہارا کیا مسلہ ہے؟ تو وہ آدمی بولا: امیر نے حکم دیا تھا کہ کوئی بھی اپنے جانور کو چرنے کے لیے نہ چھوڑے...... اور میں نے لاعلمی کی وجہ سے ایسا کر دیا تو انہوں نے مجھے مارا۔

Marfat.com

یہ سن کر عمرؓ نے اپنی تلوار تانی اور اس آدمی کو لیکر دستے کے امیر کے پاس پہنچے اور بولے: کہ اب تم اس کا بدلہ چکاؤ۔ اور جب اس آدمی نے دستے کے امیر سے اپنا بدلہ لے لیا تو اسے معاف کر دیا...... لیکن مقداد بن عمروؓ اس واقعہ سے متاثر ہوئے اور بڑے اعزاز کے ساتھ بولے: قسم ہے: میں جب مروں گا تو اس حال میں کہ اسلام اپنی قوت اور عروج کی بلندی پر ہوگا۔

ایک روز جب مقداد بن عمروؓ کے ساتھی ان کے گرد بیٹھے ہوئے تھے ایک آدمی وہاں سے گزرا اور بولا: قابل رشک ہیں یہ آنکھیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے دیدار کی سعادت حاصل کی...... قسم خدا کی ہماری بھی یہ تمنا تھی کہ کاش ہم بھی وہ دیکھ سکتے جو تم نے دیکھا۔

تو مقداد بن عمروؓ نے جواب دیا: آخر تم لوگ ایسی چیز کی تمنا کیوں کرتے ہو؟ جو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے تم سے چھپا کر رکھی...... تم میں سے کسی کو کیا معلوم...... کہ اگر وہ اس وقت وہاں ہوتا تو کس حال میں ہوتا؟ کیونکہ قسم خدا کی حضور ﷺ کے دور میں ایسے لوگ گذرے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے منہ کے بل جہنم میں جھونکا ہے تم خدا کا شکر کیوں نہیں ادا کرتے جس نے تمہیں ان لوگوں جیسی مصیبت اور آزمائش سے بچایا...... اور اپنے رب اور اس کے رسول پر ایمان لانے والا بنایا..؟؟

آخر کون نہیں چاہتا ہوگا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا دیدار رہے اور ان کے چشمۂ فیض سے اپنی پیاس بجھائے جو ان کے مبارک ہونٹوں سے پھوٹتا تھا؟

لیکن مقداد بن عمروؓ کی بصیرت اور حکمت ایک دھوکہ کو بے نقاب کرتی ہے...... کیونکہ یہ جو تمنا کر رہا ہے کہ کاش وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہوتا...... ہوسکتا ہے کہ وہ جہنم کا پروانہ یافتہ ہوتا۔

رسول اللہ ﷺ کے شہہ زور سوار مقداد بن عمروؓ کی خواہش پوری ہوئی کہ جب ان کا انتقال ہوا اس وقت اسلام اپنی سر بلندی پر تھا...... اور اس پہلے ہی عمرو بن عاصؓ نے مصر فتح کیا تھا۔

ان کی وفات کے بعد ان کی نعش مدینہ منورہ منتقل کر دی گئی۔

اُم الحکم

آپ زبیر بن عبدالمطلب کی بیٹی ہیں اور آپ کی والدہ عاتکہ بنت ابی وہب بن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم ہیں، آپ سے ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب نے نکاح کیا جن سے محمد، عبداللہ، عباس، حارث، عبدشمس، عبدالمطلب اور اُمیہ سات بیٹے پیدا ہوئے اور اروٰی کبریٰ پیدا ہوئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُم الحکم کو خیبر کی کھجوروں میں سے تیس وسق کھجوریں دیں۔ (طبقات ابن سعد)

صفیہ

آپ بھی زبیر بن عبدالمطلب اور عاتکہ کی بیٹی ہیں، آپ کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس وسق خیبر کی کھجوریں دی تھیں۔ (طبقات ابن سعد)

اُمّ الزبیر

آپ بھی زبیر بن عبدالمطلب اور عاتکہ کی بیٹی ہیں، آپ کو بھی خیبر کی کھجوروں میں سے چالیس وسق کھجوریں ملی تھیں۔ (طبقات ابن سعد)

Marfat.com

حضرت خواجہ ابو طالب

ابتدائی تعارف

حضرت ابو طالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محسن چچا ہیں۔

جب عبدالمطلب کا وقت آخر ہو گیا تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے سگے چچا ابو طالب کے سپرد کیا۔ ابو طالب بھی ان ہی لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اپنے باپ عبدالمطلب کی طرح جاہلیت کے زمانے میں بھی شراب کو اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا۔ ابو طالب[1] ان کا لقب تھا۔ جہاں تک ان کے نام کا تعلق ہے، اس بارے میں صحیح

[1] شیعوں کا دعویٰ یہ ہے کہ ''ابو طالب کا نام عمران تھا اور قرآن پاک کی اس آیت میں:

ان اللّٰہ اصطفٰی ادم ونوحًا و آل ابراھیم و آل عمران علی العالمین. (آل عمران: ۳۳)

ترجمہ:۔ ''بے شک اللہ تعالیٰ نے (نبوت کے لئے) منتخب فرمایا ہے حضرت آدم کو اور حضرت نوح کو اور حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے بعضوں کو اور عمران کی اولاد میں سے بعضوں کو تمام جہان پر۔''

عمران سے مراد ابو طالب ہی ہیں (کیونکہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد ہیں)۔''

حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ یہاں شیعوں نے ایک بہت بڑی اور زبردست غلطی کی ہے۔ انہوں نے اس قسم کا بہتان اٹھانے سے پہلے اس آیت پاک پر غور ہی نہیں کیا۔ کیونکہ اس آیت کے بعد ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اذ قالت امرأۃ عمران ربّ انی نذرت لک ما فی بطنی محررًا (آل عمران: ۳۵)

''جبکہ عمران (پدر مریم) کی بی بی نے (حالت حمل میں) عرض کیا کہ اے پروردگار میں نے نذر مانی ہے آپ کے لئے اس بچے کی جو میرے پیٹ میں ہے کہ وہ آزاد رکھا جائے گا۔''

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر.........

قول یہ ہے کہ ان کا نام عبد مناف تھا۔

جب عبدالمطلب نے اپنے اخیر وقت میں آنحضرت کو ابو طالب کے سپرد کر دیا تو وہ آپ ﷺ سے اتنی محبت کرنے لگے کہ اپنے بیٹوں میں سے بھی کسی سے نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جب وہ سوتے تھے تب بھی آنحضرت ﷺ کو اپنے برابر لٹایا کرتے تھے جو بہترین کھانا ہوتا تھا وہ آنحضرت ﷺ کو کھلایا کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ابو طالب کی معیت میں ملکِ شام کا سفر بھی کیا تھا۔

اس زمانے میں عرب کے اندر راہبوں، کاہنوں، جادوگروں، نجومیوں اور قیافہ شناسوں کی کثرت تھی۔ لوگ کسی خاص مذہب کے پیروکار نہ تھے۔ چند نیک طبیعت افراد البتہ اپنی زندگی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کے مطابق بسر کرنے کی کوشش کرتے، لیکن سو فیصد علم نہ ہونے کے باعث وہ بھی پوری طرح دینِ حنیف پر عمل پیرا نہ ہو پاتے۔ اس صورتحال میں جو شخص خدا کی تلاش میں نکلتا وہ یا تو دُنیا ترک کر کے ویرانوں میں جا بیٹھتا یا پھر کاہن یا قیافہ شناس بن جاتا۔

بنی ازد خاندان قیافہ شناسی میں بہت مشہور تھا۔ ان کا ایک ماہر قیافہ شناس ایک بار مکہ مکرمہ آیا۔ حضرت ابو طالب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لے کر اس کے پس گئے۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نظر دیکھا پھر دوسرے بچوں کو دیکھنے لگا۔ جب فارغ ہوا تو کہنے لگا، ابھی ابھی میں نے ایک بچہ دیکھا تھا اسے میرے پاس لاؤ، حضرت ابو طالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے اس کا اشتیاق دیکھا تو آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو

............بقیہ حاشیہ............

اوپر کی آیت میں عمران سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے والد ہیں ان کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے جن کو نبوت کے لئے منتخب فرمایا ان میں اوّلاً تو خود حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون ہیں اور پھر اگلی نسلوں میں جا کر حضرت مریم کی نسبت سے حضرت عیسیٰ ہیں اس لئے اس آیت میں یا تو حضرت موسیٰ مراد ہیں اور یا حضرت عیسیٰ (علیہم السلام) مراد ہیں۔ ابو طالب اور ان کی اولاد ہونے کا دعویٰ بالکل غلط ہے جیسا کہ اگلی آیت سے صاف ظاہر ہے جس میں عمران کی بیوی یعنی حضرت مریم کی والدہ کے نذر ماننے کا ذکر ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل بیان القرآن میں ان ہی آیتوں کے تحت دیکھی جا سکتی ہے)

Marfat.com

چھپا دیا۔ وہ بار بار اصرار کرتا کہ وہ بچہ میرے پاس لاؤ بخدا اس کی شان بڑی بلند ہو گی لیکن حضرت ابوطالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر چلے گئے اور اس کے اصرار کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سامنے نہ کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی طرح علم تھا کہ ان کے شفیق چچا کی مالی حالت کمزور ہے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک دس سال کے لگ بھگ ہوئی تو آپ نے لوگوں کے ریوڑ اُجرت پر چرانے شروع کر دیے۔ ابن خلدون کی روایت کے مطابق نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر جب تیرہ یا سترہ برس کی تھی تو حضرت ابوطالب نے تجارت کی غرض سے شام جانے کی تیاری کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کی مہار پکڑ لی اور فرمایا "اے چچا! آپ مجھے کس کے سپرد کر کے جا رہے ہیں۔ میرا نہ باپ ہے اور نہ ماں۔" چنانچہ ابوطالب آپ کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ راستے میں جرجیس راہب جو بحیریٰ کے نام سے مشہور تھا، اس نے اپنی خانقاہ کے قریب حضرت ابوطالب کے قافلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر پہچان لیا کہ آپ ﷺ نبی ہیں۔ اسے خیال آیا کہ کتب میں مرقوم نشانیوں کے اعتبار سے اس نوجوان کو قریب سے بھی دیکھا جائے لہٰذا اس نے سارے قافلے کی دعوت کا اہتمام کیا۔ سارا قافلہ اس کے طرزِ عمل سے حیران تھا۔ ایک شخص نے پوچھ ہی لیا کہ اے بحیریٰ ہم لوگ پہلے بھی یہاں سے گزرتے ہیں مگر تم نے کبھی ہمیں دیکھنا تک گوارا نہ کیا۔ آج کیوں یہ اہتمام کیا جا رہا ہے؟ بحیریٰ نے اسے فقط مہمان نوازی کہہ کر ٹال دیا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حارث بن عبدالمطلب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دعوت میں لے گئے، جہاں بحیریٰ نے نبی پاک ﷺ سے کچھ گفتگو کی۔ اس کے بعد بحیریٰ ابوطالب سے مخاطب ہوا، اے سردار! آپ اپنے بھتیجے کو لے کر وطن لوٹ جائیں۔ یہودیوں سے ہر وقت ہوشیار رہیں۔ اگر انہوں نے اس بچے کو دیکھ لیا تو وہ ان کو پہچان لیں گے اور نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔

ابوطالب اور حارث دونوں بھائی نبی پاک ﷺ کو جلدی سے لے کر شام پہنچے، اپنے کاروبار سے فارغ ہو کر آپ ﷺ کو لے کر مکہ واپس آئے۔ ابوطالب کو اپنے بھتیجے کی نبوت اور حیثیت کا یقین تھا۔ ایک بار مکہ مکرمہ میں قحط سالی تھی۔ بڑے عرصے سے بارش نہ ہوئی تھی، لوگ بنو ہاشم کو ان کی نیک خصلت اور کعبہ کی خدمت کے باعث بزرگ مانتے

Marfat.com

تھے۔ تمام اہلِ مکہ حضرت ابوطالب کے پاس آئے اور بارش کیلئے دعا کی درخواست کی۔ حضرت ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو اس وقت نوخیز نوجوان تھے، انہیں ساتھ لیا اور آپ ﷺ کی پشت کعبہ سے لگا دی، پھر آپ ﷺ کے ہاتھ اٹھا کر دعا کی گزارش کی۔ ہاتھ اٹھنے کی دیر تھی کہ سارا مکہ جل تھل ہو گیا اور خوب بارش ہوئی جس سے فصلیں کاشت کرنے کے لئے زمین تیار ہو گئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ کثیر العیالی اور تنگ دستی سے ابوطالب کو مشکلات پیش آ رہی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیارے چچا کی تجویز پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے تجارتی قافلے کو لے کر شام جانے پر آمادگی ظاہر کر دی اور پھر آپ کی دیانت اور معاملہ فہمی سے متاثر ہو کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کر لیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہاں نکاح کا پیغام حضرت ابوطالب خود لے کر گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا خطبہ دیا۔ خطبے میں انہوں نے کہا کہ:

> ''سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی کھیتی سے معد کی نسل سے اور مضر کے اصل سے پیدا فرمایا نیز ہمیں اپنے گھر کا پاسبان اور اپنے حرم کا منتظم مقرر کیا۔ ہمیں ایک ایسا گھر دیا جس کا حج کیا جاتا ہے اور ایسا حرم بخشا جہاں امن میسر آتا ہے نیز ہمیں لوگوں کا حکمران مقرر فرمایا۔ حمد کے بعد! میرا یہ بھتیجا جس کا نام محمد بن عبداللہ ہے، اس کا دنیا کے جس کسی بھی بڑے سے بڑے آدمی کے ساتھ موازنہ کیا جائے گا، اِس کا پلڑا بھاری ہوگا، اگر یہ مالدار نہیں تو کیا ہوا، مال تو ایک ڈھلنے والا سایہ ہے اور بدل جانے والی چیز ہے اور محمد (ﷺ) جس کی قرابت کو تم خوب جانتے ہو، اس نے خدیجہ بنت خویلد کا رشتہ طلب کیا ہے اور ساڑھے بارہ اوقیہ سونا مہر مقرر کیا ہے اور بخدا مستقبل میں اس کی شان بہت بلند ہوگی۔ اس

کی قدر و منزلت بہت جلیل ہو گی۔"

اس خطبے کے بعد حضرت خدیجہ کے چچازاد ورقہ بن نوفل نے جوابی خطبہ دیا، پھر حضرت ابوطالب گویا ہوئے کہ میں چاہتا ہوں کہ اس کارِ خیر میں خدیجہ کے چچا عمرو بھی شامل ہوں۔ چنانچہ وہ بھی کھڑے ہوئے اور انہوں نے خطبہ دیا۔ یوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کی حیثیت سے اپنی ازدواجی زندگی کی ابتداء فرمائی۔

خاندان والوں کو دعوت

بعثت کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رشتہ داروں کو ڈرانے اور تبلیغ کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی "وانذر عشیرتک الاقربین" تو آپ نے ابوطالب کے مکان میں عبدالمطلب کی اولاد کو جمع کیا جو کل چالیس آدمی تھے۔ حضرت علی ؓ نے ان آنے والوں کے لئے کھانا تیار کیا۔ اس میں بکری کی ایک ٹانگ تھی جس کے ساتھ ایک مد یعنی تقریباً سوا رطل گندم اور ساڑھے تین سیر دودھ تھا۔ چنانچہ ایک بڑے برتن میں کھانا لا کر ان لوگوں کے سامنے رکھ دیا گیا اور آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

"اللہ کے نام کے ساتھ کھایئے۔"

چنانچہ سب لوگوں نے یہ گوشت پیٹ بھر کر کھایا اور سب نے سیر ہو کر دودھ پیا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے کھانا آنے کے بعد لوگوں سے فرمایا:

"دس دس کر کے قریب آتے رہیے۔"

چنانچہ لوگ دس دس کی ٹولی میں آتے رہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ بڑا پیالہ اٹھایا جس میں دودھ تھا اور اس میں سے ایک گھونٹ پی لیا پھر دوسرے لوگوں کی طرف بڑھایا۔ جبکہ اس مجمع میں ایک ایک آدمی ایسا تھا جو جانور کا ایک بچہ تنہا کھا سکتا تھا۔

اسی لئے یہ صورت دیکھ کر (کہ تھوڑے سے کھانے میں سب کا پیٹ بھر گیا) وہ لوگ بڑے اچنبھے میں پڑے۔ چنانچہ بعد میں جب آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں سے بات چیت کا ارادہ فرمایا تو ابولہب نے آپ کی بات اُڑا کر پہلے ہی لوگوں سے کہا:

"اس شخص نے تم سب پر زبردست جادو کر دیا ہے۔"

Marfat.com

اس کے ساتھ ہی وہ سب لوگ اٹھ اٹھ کر چلے گئے اور آنحضرت ﷺ ان سے کوئی بات نہیں کر سکے۔ اگلا دن ہوا تو آپ نے حضرت علی ؓ سے فرمایا:

''جس طرح تم نے کل کھانا اور مشروب تیار کیا تھا اسی طرح میری طرف سے آج پھر وہی چیزیں تیار کر دو۔''

چنانچہ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کھانا تیار کیا اور پھر سب لوگوں کو آنحضرت ﷺ کی طرف سے بلا کر لایا۔ آج بھی اسی طرح انہوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور سیر ہو کر دودھ پیا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا:

''اے بنی عبد المطلب! اللہ تعالیٰ نے مجھے ساری مخلوق کی طرف عام طور پر اور تمہاری طرف خاص طور پر نبی بنا کر بھیجا ہے اور مجھے یہ حکم فرمایا ہے کہ ''**وانذر عشیرتک الاقربین**''۔

چنانچہ اب میں تمہیں دو کلموں کے کہنے کی دعوت دیتا ہوں جو زبان سے ادا کرنے میں بے حد ہلکے پھلکے ہیں لیکن ترازو میں بے حد وزن دار ہیں۔ ایک اس بات کی گواہی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور دوسرے یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ پس اب آپ میں سے کون ہے جو میری اس بات کو قبول کرتا ہے اور اس کلمہ کو پھیلانے میں میری مدد کرتا ہے؟''

اس وقت پورے مجمع میں حضرت علی ؓ بولے جبکہ پوری قوم خاموش رہی۔ حضرت علی ؓ نے کہا:

''میں، یا رسول اللہ! اگرچہ میں ان سب میں عمر کے لحاظ سے سب سے چھوٹا ہوں۔''

اس پر آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم بیٹھ جاؤ۔ اس کے بعد آپ نے پھر اپنی بات دہرائی۔ وہ لوگ پھر خاموش رہے اور پھر حضرت علی ؓ ہی کھڑے ہو کر بولے کہ میں یا رسول اللہ! آپ نے پھر ان سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ اور پھر آپ نے تیسری بار اپنی

Marfat.com

بات دہرائی۔ مگر اس دفعہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا سب خاموش رہے۔

غرض قریش کی یہی عادت رہی۔ یہاں تک کہ پھر آنحضرت ﷺ نے ان کے معبودوں میں عیب نکالنے شروع کر دیئے، ان کی بے وقوفی ان پر ظاہر فرمائی اور ان کے باپ دادا کو گمراہ فرمایا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ آپ قریش کے مجمع کے پاس سے گزر رہے تھے اس وقت یہ لوگ مسجد حرام میں جمع تھے اور بتوں کو سجدے کر رہے تھے۔ آپ نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا:

''اے گروہِ قریش! خدا کی قسم تم اپنے باپ ابراہیم کے راستے سے ہٹ گئے ہو۔''

قریش نے کہا:

''ہم اللہ تعالیٰ کی محبت میں ہی بتوں کو پوجتے ہیں تاکہ اس طرح ہم اللہ تعالیٰ کے قریب ہوسکیں۔''

اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

قل ان کنتم تحبّون اللّٰہ فاتّبعونی یحببکم اللّٰہ. (آل عمران: ۳۱)

''آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دیں گے۔''

ابوطالب سے شکایت

یہ بات قریش کو بہت ناگوار گزری اور انہوں نے اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور دشمنی کا فیصلہ کر لیا۔ اس فیصلے سے صرف وہ لوگ محفوظ رہے جن کی اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی۔ اس کے بعد یہ لوگ ابوطالب کے پاس آئے اور ان سے کہنے لگے:

''ابوطالب! تمہارے بھتیجے نے ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہا ہے، ہمارے دین میں عیب نکالے ہیں اور ہمیں بے عقل ٹھہرایا ہے، وہ کہتا ہے کہ ہم میں عقلیں نہیں ہیں۔ اس نے ہمارے باپ دادا تک کو گمراہ کہا

Marfat.com

ہے۔اس لئے یا تو ہماری طرف سے آپ اس سے نمٹئے اور یا ہمارے اور
اس کے درمیان سے ہٹ جایئے۔ کیونکہ خود آپ بھی اسی دین پر چلتے
ہیں جو ہمارا ہے اور اس کے دین کے خلاف ہیں۔''

یہ سن کر ابوطالب نے ان لوگوں سے نہایت نرمی سے بات کی اور ان کو خوبصورت انداز میں جواب دے کر واپس کر دیا۔

ادھر آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے دین کا اعلان فرماتے رہے اور لوگوں کو اللہ کے راستے کی طرف بلاتے رہے۔اس راستے میں آپ کسی مشکل کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

قریش کا غصہ اور ابوطالب کی طرف دوسرا وفد

پھر آنحضرت ﷺ کی تبلیغ کا یہ سلسلہ بہت زیادہ بڑھ گیا، یہاں تک کہ لوگ آپ سے دور ہونے لگے اور ان کے دلوں میں آپ کی دشمنی اور آپ سے حسد جم گیا۔ پھر قریش کے درمیان آپس میں ہر وقت آنحضرت ﷺ کا ہی چرچا ہونے لگا اور لوگ ایک دوسرے سے بڑھ کر آپ سے دشمنی، عداوت اور قتل و قتال کے منصوبے بنانے لگے، یہاں تک سوچنے لگے کہ آپ کا مقاطعہ یعنی بائیکاٹ کیا جائے۔اس کے بعد یہ لوگ پھر دوسری مرتبہ ابوطالب کے پاس پہنچے اور ان سے کہا:

''اے ابوطالب! ہمارے درمیان آپ بڑے، قابل عزت اور بلند مرتبہ آدمی ہیں۔ ہم نے آپ سے درخواست کی تھی کہ آپ اپنے بھتیجے کو روکئے مگر آپ نے اس کو کچھ نہیں کہا۔ ہم لوگ خدا کی قسم یہ بات برداشت نہیں کر سکتے کہ ہمارے باپ دادا کو گالیاں دی جائیں، ہمیں بے عقل کہا جائے اور ہمارے معبودوں میں عیب ڈالے جائیں۔اس لئے یا تو اب آپ اس کو سمجھا لیجئے ورنہ سن لیجئے کہ ہم اس معاملہ میں آپ سے اور اُس سے، دونوں سے اس وقت تک مقابلہ کریں گے جب تک کہ دونوں فریقوں میں سے ایک ختم نہ ہو جائے۔''

ابوطالب کی تشویش

یہ کہہ کر وہ لوگ وہاں سے واپس ہو گئے۔ ابوطالب کو اپنی قوم کے اس غصے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان کی دشمنی کی وجہ سے بہت فکر ہو گیا، وہ اس کو پسند نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی شخص بھی آنحضرت ﷺ کو رسوا کرنے کی کوشش کرے۔ اس لئے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے بات کی اور کہا:

"بھتیجے! تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور انہوں نے مجھے ایسا ایسا کہا۔ اس لئے اپنے اور میرے اوپر رحم کرو اور مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈالو جسے برداشت کرنے کی طاقت مجھ میں نہ ہو۔"

آنحضرت ﷺ کا عزم

ابوطالب کی اس گفتگو سے آنحضرت ﷺ یہ سمجھے کہ چچا بھی آپ کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں اور اب وہ بھی آپ کی مدد اور مدافعت کرنا نہیں چاہتے۔ اس لئے آپ نے فرمایا:

"چچا جان! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ کر بھی مجھ سے یہ کہیں کہ میں اس معاملے کو چھوڑ دوں یہاں تک کہ خود اللہ تعالیٰ ہی اس کو ظاہر فرما دیں تو بھی میں ہرگز اسے نہیں چھوڑوں گا۔"

چچا کی طرف سے بھتیجے کو اعلانِ حق کی آزادی

اتنا کہہ کر آنحضرت ﷺ کی آواز بھرا گئی اور آپ کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ اٹھ کر جانے لگے۔ اچانک ابوطالب نے آپ کو پکارا اور کہا:

"بھتیجے، ادھر آؤ۔"

آپ واپس آئے تو ابوطالب نے کہا:

"جاؤ بھتیجے! جو دل چاہے کہو، خدا کی قسم میں تمہیں کسی حال میں بھی نہیں

Marfat.com

چھوڑ سکتا۔"

اس کے ساتھ ہی ابو طالب نے کچھ شعر پڑھے جن میں سے ایک یہ ہے:

وَاللّٰهِ لَنْ يَّصِلُوْا اِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ
حَتّٰى اُوْسِدُ فِي التُّرَابِ دَفِيْنَا

"خدا کی قسم! یہ مخالفین اپنی جمعیت کے باوجود تم تک نہیں پہنچ سکتے یہاں تک کہ میں ہی مٹی میں دفن کر دیا جاؤں۔"

مشرکوں کی ایک احمقانہ تجویز

غرض اس کے بعد جب قریش کو اس بات کا اندازہ اور یقین ہو گیا کہ ابو طالب آنحضرت ﷺ کا ساتھ چھوڑنے پر تیار نہیں ہیں تو وہ عمارہ ابن ولید ابن مغیرہ کو ساتھ لے کر ابو طالب کے پاس آئے اور انہوں نے ابو طالب سے کہا:

"ابو طالب! یہ عمارہ ابن ولید ابن مغیرہ ہے۔ جو قریش کا سب سے زیادہ بہادر، طاقتور اور سب سے زیادہ حسین نوجوان ہے تم اس کو لے کر اپنا بیٹا بنا لو اور اس کے بدلے میں اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دو جو تمہارے اور تمہارے باپ دادا کے دین کے خلاف جا رہا ہے جس نے تمہاری قوم میں پھوٹ ڈال دی ہے اور ان کی عقلوں میں عیب ڈال رہا ہے۔ تم اسے ہمارے سپرد کر دو تاکہ ہم اس کو قتل کر دیں اور انسان کے بدلے میں ہم انسان دے رہے ہیں۔"

قریش کی یہ بے ہودہ تجویز سن کر ابو طالب نے کہا:

"خدا کی قسم تم لوگ مجھ سے بہت بُرا سودا کرنے آئے ہو۔ تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے لڑکے کو میرے سپرد کر دو تاکہ میں اسے کھلاؤں پلاؤں اور پرورش کروں اور اپنا لڑکا تمہارے حوالے کر دوں تاکہ تم اسے قتل کر دو۔ خدا کی قسم یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

نیز ابو طالب نے ان سے کہا:

Marfat.com

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ کوئی اونٹنی اپنے بچے کو چھوڑ کر کسی دوسرے بچے کی آرزومند ہو سکتی ہے؟"

اس پر مطعم ابن عدی نے کہا:

"ابو طالب! خدا کی قسم تمہاری قوم نے تمہارے ساتھ انصاف کا معاملہ کیا ہے اور جو بات تمہیں ناپسند ہے اس سے چھٹکارے کے لئے کوشش کر لی۔ اب میں نہیں سمجھتا کہ اس کے بعد تم ان کی کوئی اور پیشکش قبول کرو گے۔"

ابو طالب نے کہا:

"خدا کی قسم انہوں نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ بلکہ تم سب نے مل کر مجھے رسوا کرنے اور میرے خلاف گٹھ جوڑ کرنے کے لئے یہ سب کچھ کیا ہے اس لئے اب جو تمہارے دل میں آئے کر لو۔"

(بعد میں یہ شخص عمارہ ابن ولید کفر کی حالت میں ہی حبش کی سرزمین میں مرا۔ اس پر جادو کر دیا گیا تھا جس کے بعد یہ وحشت زدہ ہو کر جنگلوں اور گھاٹیوں میں مارا مارا پھرا کرتا تھا۔)

آنحضرت ﷺ کی مدافعت کے لئے بنی ہاشم کا عہد

غرض جب ابو طالب نے قریش کی یہ پیش کش بھی ٹھکرا دی تو اب معاملہ بہت سنگین ہو گیا۔ ادھر جب ابو طالب نے قریش کے ارادے دیکھے تو انہوں نے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو بلایا اور ان کے سامنے آنحضرت ﷺ کی حفاظت کرنے اور آپ کی طرف سے قریش کی مدافعت کرنے کی درخواست کی۔ اس پر سوائے ابولہب کے سارے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب راضی ہو گئے۔ یہ تنہا وہ تھا جو آنحضرت ﷺ پر ظلم اور سختی کرنے کے لئے آواز اٹھاتا تھا۔ اسی طرح جو لوگ آپ پر ایمان لے آئے تھے ان کی مخالفت میں بھی ابولہب ہی سب سے پیش پیش رہتا تھا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر ایمان لانے والوں کو تکلیفیں پہنچانے کے سلسلے میں بھی یہی شخص قریش میں بڑھ چڑھ کر تھا۔

Marfat.com

ابوطالب کے پاس تیسرا وفد

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ قریش کے معزز لوگ ابوطالب کے مکان پر آئے، ان میں اسود ابن زمعہ، ولید ابن مغیرہ، اُمیہ ابن خلف، عاص ابن وائل، عتبہ ابن ربیعہ، شیبہ ابن ربیعہ، ابوسفیان، نضر ابن حرث اور ابوجہل شامل تھے۔

انہوں نے ابوطالب سے درخواست کی کہ آنحضرت ﷺ کو ان کے سامنے بلایا جائے اور پھر قریش کو آنحضرت ﷺ سے جو شکایتیں ہیں ان کو دور کیا جائے اور اس معاملے میں پڑ کر صلح و آشتی کی صورت پیدا کریں۔ ابوطالب نے آنحضرت ﷺ کو بلوایا اور آپ سے کہا:

"بھتیجے! یہ تمہاری قوم کے لوگ آئے ہیں ان کی شکایتیں دور کر کے ان کے ساتھ محبت و اُلفت کی فضا پیدا کرو۔"

اب قریشیوں نے آنحضرت ﷺ پر ناراض ہونا شروع کیا کہ آپ ان کو اور ان کے بزرگوں کو بے عقل بتلاتے ہیں اور ان کے دین میں عیب ڈالتے ہیں۔ ان لوگوں نے آپ ﷺ سے کہا:

"اے محمد! ہمیں تمہارے پاس اس لئے بھیجا گیا ہے کہ ہم تم سے گفتگو کریں۔ خدا کی قسم ہمارے خیال میں عربوں میں کوئی شخص ایسا نہیں ہوا جس نے اپنی قوم کے ساتھ ایسا معاملہ کیا ہو جیسا تم نے اپنی قوم کے ساتھ کیا ہے۔ تم نے بزرگوں کو بُرا بھلا کہا، دین میں عیب نکالے، ہمیں بے عقل کہا اور قوم میں پھوٹ ڈال دی، کوئی بُرائی ایسی نہیں ہے جو تم نے ہمارے اور اپنے درمیان پیدا نہ کر دی ہو۔

اب اگر تم یہ باتیں اس لئے کرتے ہو کہ تمہیں مال و دولت کی خواہش ہے تو ہم لوگ اپنے اپنے مال میں سے تمہارے لئے اتنا مال جمع کئے دیتے ہیں کہ تم ہم لوگوں میں سب سے زیادہ دولتمند ہو جاؤ گے، اگر تمہیں عزت اور شرف کا لالچ ہے تو ہم تمہیں اپنا سردار بنا کر تمہیں ہر قسم کا اعزاز دینے

کے لئے تیار ہیں اور اگر یہ کوئی اوپر اثر ہے جو تم پر چھا گیا ہے تو ہم اپنے خرچ پر تمہارا علاج کرانے کو تیار ہیں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں جو کچھ بھی لے کر آیا ہوں اس سے نہ مجھے تمہارے مال و دولت کا لالچ ہے اور نہ عزت و اعزاز کی خواہش اور نہ ہی مجھے سلطنت و حکومت کی طمع ہے بلکہ حقیقت میں مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر اپنا کلام یعنی کتاب نازل فرمائی ہے۔ حق تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے لئے خوش خبریاں دینے والا اور ڈرانے والا ہوں، میں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا اور نصیحتیں کیں کہ میں جو کچھ لے کر آیا ہوں تم اسے قبول کرو، یہ تمہاری دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے لیکن اگر تم نے میری نصیحتوں کو ماننے کے بجائے انہیں ٹھکرا دیا اور میرے ساتھ برا معاملہ کیا تو میں صبر کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے۔"

کتاب درّ منثور میں ابن جریر ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے عبید ابن عمیر سے ایک روایت پیش کی ہے کہ ایک بار جب مشرکوں نے آنحضرت ﷺ کے خلاف سازش تیار کی کہ یا آپ ﷺ کو قید کرلیں یا قتل کر دیں اور یا جلاوطن کر دیں تو ابوطالب نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

"کیا تم جانتے ہو دشمنوں نے تمہارے خلاف کیا سازش کی ہے؟"

آپ ﷺ نے فرمایا: "ان لوگوں نے طے کیا ہے کہ یا مجھے قید کرلیں یا قتل کر دیں اور یا جلاوطن کر دیں۔"

ابوطالب نے حیران ہو کر پوچھا کہ تمہیں یہ بات کس نے بتلائی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "میرے رب نے۔"

ابوطالب نے کہا: "تمہارا رب بڑا اچھا پروردگار ہے، تم اپنے رب سے خیر مانگو۔"

آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! میں اس سے خیر مانگتا ہوں بلکہ وہ خود میرے ساتھ خیر فرماتا ہے۔''

ابوطالب کی بیماری میں قریش کا وفد

جب ابوطالب مرضِ وفات میں مبتلا ہوئے اور قریش کو معلوم ہوا کہ ابوطالب کی بیماری بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ تو وہ آپس میں یہ باتیں کر رہے تھے کہ حمزہ اور عمر بن خطاب جب سے مسلمان ہوئے ہیں اس وقت سے محمد (ﷺ) کا معاملہ قریش کے تمام قبیلوں میں پھیل گیا ہے۔ اس لئے چلو ابوطالب کے پاس چلتے ہیں تاکہ وہ اپنے بھتیجے سے ہمارے متعلق وعدہ لے لیں اور ہم سے اپنے بھتیجے کے متعلق وعدہ لے لیں کیونکہ خدا کی قسم کہیں دوسرے لوگ ہمارے اس معاملے کو ہم سے چھین نہ لیں۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ قریش نے کہا: ''ہمیں ڈر ہے کہ اس بوڑھے کے مرنے کے بعد کہیں ہم محمد (ﷺ) کو قتل نہ کردیں اور پھر عرب ہمیں شرم و عار دلائیں کہ جب تک محمد (ﷺ) کا چچا زندہ رہا ہم اس کو کچھ نہ کہہ سکے اور چچا کے آنکھیں بند کرتے ہی ہم اس پر چڑھ دوڑے۔''

اس مشورہ کے بعد قریش کے معزز لوگ ابوطالب کے پاس گئے، ان لوگوں میں ربیعہ کے بیٹے عتبہ اور شیبہ، نیز ابوجہل، اُمیہ بن خلف اور ابوسفیان بھی تھے، جو بعد میں فتح مکہ کی رات میں مسلمان ہو گئے تھے۔

غرض وہاں پہنچ کر انہوں نے پہلے ایک شخص مطلب کو اجازت لینے کے لئے اندر بھیجا۔ اس نے اندر جا کر ابوطالب سے ان لوگوں کے واسطے اجازت لینے کے لئے کہا: ''باہر آپ کی قوم کے بزرگ اور سردار کھڑے ہوئے ہیں جو اندر آنا چاہتے ہیں۔''

ابوطالب نے کہا، بلا لو۔ اب یہ سب اندر ابوطالب کے پاس آئے اور ان سے بولے:

ابوطالب! ہم لوگوں میں آپ کی جو حیثیت ہے وہ آپ کو معلوم ہے۔
ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ابوطالب آپ ہمارے بڑے اور سردار

Marfat.com

ہیں۔اب جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں آپ کا آخری وقت آ پہنچا جس کا ہمیں ڈر تھا۔ادھر آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے بھتیجے اور ہمارے درمیان کس قسم کے معاملات چل رہے ہیں۔اس لئے آپ ان کو بلایئے اور ہم سے ان کے متعلق عہد لے لیجئے اور ان سے ہمارے متعلق عہد دلایئے تاکہ وہ ہم سے یکسور ہیں۔وہ ہم سے اور ہمارے دین سے کوئی مطلب نہ رکھیں اور ہم ان کے دین سے بے تعلق ہو کر ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔"

ابو طالب نے اسی وقت آنحضرت ﷺ کو بلا بھیجا۔آپ تشریف لائے تو وہاں ابو طالب اور ان لوگوں کے درمیان ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی، ابو جہل کو ڈر ہوا کہ آنحضرت (ﷺ) اس جگہ نہ بیٹھ جائیں اور اس طرح آپ کو مجلس میں ایک نمایاں اور ممتاز جگہ مل جائے اس لئے اس نے جلدی سے اُچھل کر اس جگہ پر قبضہ کر لیا۔اب آنحضرت ﷺ کو ابو طالب کے قریب بیٹھنے کی جگہ نظر نہیں آئی تو آپ دروازے کے پاس ہی بیٹھ گئے۔

مگر کتابِ وفا میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جگہ نہ دیکھ کر لوگوں سے کہا:

"میرے بیٹھنے کے لئے میرے چچا کے پاس جگہ خالی کرو۔"

قریشیوں نے کہا:"ہم جگہ نہیں خالی کریں گے۔اگر تمہاری رشتہ داری ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم ہم سے زیادہ حق دار ہو کیونکہ تمہاری طرح ہماری بھی ان سے رشتے داری ہے۔"

تب ابو طالب نے آنحضرت ﷺ سے کہا:

"بھتیجے یہ تمہاری قوم کے معزز لوگ ہیں۔اور ایک روایت میں ہے کہ یہ تمہاری قوم کے بزرگ اور سردار تم سے عہد لینے اور تمہیں عہد دینے آئے ہیں۔ایک روایت میں یوں ہے کہ تم سے انصاف مانگنے آئے ہیں۔ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ تمہاری قوم کے یہ سردار تم سے جو مانگنے آئے ہیں وہ ان کو دے دو۔یہ انہوں نے انصاف کی بات کہی ہے کہ تم ان کے معبودوں کو بُرا کہنا چھوڑ دو اور یہ تمہارے معبود کے بارے میں اپنی زبانیں بند کر لیں گے۔"

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"کیا یہ ممکن ہے کہ اگر میں تمہارا سوال پورا کروں تو تم میری صرف ایک بات پوری کر دو جس سے تم پورے عرب پر چھا جاؤ گے اور سارا عجم یعنی غیر عرب علاقہ تمہارے نقش قدم پر چلنے لگے گا یعنی تمہارا پیرو اور نیاز مند بن جائے گا۔"

ابوجہل نے فوراً کہا: "ضرور۔ میں تمہاری دس باتیں پوری کرنے کو تیار ہوں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا: "تم یہ کہہ دو لا الہ الا اللہ اور اس کے سوا جن کو پوجتے ہو ان کو چھوڑ دو۔"

یہ سنتے ہی انہوں نے دونوں ہاتھوں سے تالیاں بجانی شروع کر دیں۔ پھر کہنے لگے: "محمد! کیا تم اتنے سارے معبودوں کو ایک معبود بنا دینا چاہتے ہو۔ تمہاری بات بھی عجیب ہے۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

صٓ O والقرآن ذی الذکر O بل الذین کفروا فی عزۃٍ وشقاق O

(صٓ: ۱ تا ۳)

"ص۔ قسم ہے قرآن کی جو نصیحت سے پُر ہے بلکہ خود یہ کفار ہی تعصب اور حق کی مخالفت میں ہیں۔"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ مشرکوں نے کہا:

"کیا ہماری تمام ضرورتوں کے لئے تنہا ایک خدا کافی ہو سکتا ہے؟"

ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا: "ہم سے کوئی اور بات کہو۔"

ایک روایت میں آتا ہے کہ اس پر ابوطالب نے آنحضرت ﷺ سے کہا: "بھتیجے! کیا اس کے سوا اور کوئی بات نہیں ہو سکتی جو تم ان سے مانگو کیونکہ تمہاری قوم اس بات کو پسند نہیں کرتی۔"

آپ نے فرمایا: "چچا میں اس کے سوا اور کچھ نہیں چاہتا۔"

اس کے بعد آپ ﷺ نے مشرکوں سے فرمایا:

Marfat.com

''اگر تم سورج بھی لاکر میرے ہاتھ میں رکھ دو تب بھی میں تم سے اس کے سوا اور کچھ نہیں مانگوں گا۔''

اب مشرکوں نے مایوس ہو کر ایک دوسرے سے کہنا شروع کیا کہ خدا کی قسم تم جو کچھ اس شخص سے چاہتے ہو یہ اس میں سے تمہیں کچھ بھی نہیں دے سکتا۔ چلو اور اپنے باپ دادا کے دین پر عمل کرتے رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہی تمہارے اور اس شخص کے درمیان فیصلہ فرمادے۔

اس کے بعد یہ لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے ابو طالب کے یہاں سے اٹھتے ہوئے کہا:

''خدا کی قسم ہم تمہیں بھی گالیاں دیں گے اور تمہارے اس معبود کو بھی جو تمہیں اس قسم کے حکم دیتا ہے۔''

ایک قول ہے کہ اسی واقعہ کی بنیاد پر یہ آیت نازل ہوئی:

ولا تسبّوا الّذین یدعون من دون اللہ فیسبّوا اللہ عدوًا بغیر علم. (الانعام: ۱۰۹)

''اور دشنام مت دو ان کو جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، پھر وہ براہِ جہل حد سے گزر کر اللہ کی شان میں گستاخی کریں گے۔''

مگر کتاب نہر میں اس آیت کے نازل ہونے کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ کفارِ قریش نے ایک دفعہ ابو طالب سے یہ کہا تھا (جس پر یہ آیت نازل ہوئی تھی):

''یا تو تم محمد کو ہمارے معبودوں کو گالیاں دینے اور ان میں عیب ڈالنے سے روک لو ورنہ ہم بھی محمد کے معبود کو برا بھلا کہیں گے اور شعروں میں اس کی ہجو کریں گے۔''

ابو طالب کے اسلام کی تمنا

غرض جب آنحضرت ﷺ نے مشرکوں سے وہ بات کہی جو پچھلی سطروں میں بیان ہوئی تو ابو طالب نے آپ سے کہا:

''خدا کی قسم بھتیجے! میرا خیال ہے کہ تم نے ان سے کوئی نا قابل عمل اور غلط بات نہیں مانگی۔''

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کو اُمید ہوئی کہ شاید خود ابو طالب بھی راستی اور حق کو قبول کر لیں گے، اس لئے آپ ﷺ فوراً اپنے چچا سے کہنے لگے:

''چچا۔ آپ ہی یہ کلمہ کہہ دیجئے تا کہ قیامت کے دن میں آپ کی شفاعت کرسکوں۔''

ابوطالب کی بدقسمتی اور محرومی

یعنی اگر اس کلمے کے کہہ دینے کے بعد آپ نے کوئی گناہ کیا تو مجھے قیامت میں آپ کی سفارش کرنے کا موقعہ رہے گا، کیونکہ ویسے تو اسلام پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ غرض جب ابو طالب نے اپنے اسلام قبول کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کی آرزو دیکھی تو انہوں نے کہا:

''خدا کی قسم بھتیجے! اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ میرے بعد لوگ تمہیں اور تمہارے خاندان والوں کو شرم و عار دلائیں گے اور قریش یہ کہیں گے کہ میں نے موت کے خوف سے یہ کلمہ کہہ دیا تو میں یہ کلمہ کہہ کر ضرور تمہارا دل ٹھنڈا کرتا کیونکہ اس سلسلہ میں تمہارے شوق اور تمہاری تمنا کا مجھے احساس ہے۔ مگر اب میں اپنے بزرگوں عبد المطلب، ہاشم اور عبد مناف کے دین پر مرتا ہوں۔''

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

انک لا تھدی من احببت ولکنّ اللّٰہ یھدی من یّشآء وھو اعلم بالمھتدین O (القصص: ۵۶)

''آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت کر دیتا ہے اور ہدایت پانے والوں کا علم بھی اُسی کو ہے۔''

Marfat.com

ابوطالب کی خاندان والوں کو ہدایت

مقاتل سے روایت ہے کہ ابوطالب نے اپنی موت کے وقت کہا تھا:

''اے بنی ہاشم! محمد کی اطاعت کرو، ان کو سچا جانو اور فلاح وہدایت پالو۔''

اس پر آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا:

''اے چچا! آپ جو نصیحت دوسروں کو کر رہے ہیں اس پر خود کیوں عمل نہیں کرتے۔''

ابوطالب نے کہا: ''بھتیجے! تم کیا چاہتے ہو؟''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں چاہتا ہوں کہ آپ لا الٰہ الا اللہ کہہ دیں تا کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں آپ کے لئے اس کلمے کے کہنے کی گواہی دے سکوں۔''

ابوطالب نے جواب دیا:

''بھتیجے! میں جانتا ہوں کہ تم سچے ہو لیکن میں نہیں چاہتا کہ میرے بعد لوگ شرم دلائیں۔'' وغیرہ وغیرہ [1]

---

[1] کتاب ہدیٰ میں ہے کہ ابوطالب کے اپنی قوم کے دین پر باقی رکھے جانے میں اللہ رب العزت کی بڑی زبردست حکمت پوشیدہ تھی اور اس میں جو مصلحتیں چھپی ہوئی ہیں وہ غور کرنے والوں پر کھل سکتی ہیں۔ اسی طرح آپ کے رشتے داروں اور چچا کی اولاد والوں میں جو مسلمان ہوئے ان کے دیر سے اسلام قبول کرنے میں بھی حق تعالیٰ کی زبردست حکمت پنہاں تھی۔ اگر ابوطالب مسلمان ہو جاتے اور آنحضرت ﷺ کے دوسرے رشتے دار اور چچا کی اولادیں اسلام قبول کرنے میں پیش پیش رہتے تو یہ کہا جاتا کہ اپنے خاندان کا آدمی ہونے کی وجہ سے ان سب لوگوں نے اس میں فخر وغرور سمجھ کر آنحضرت ﷺ کا ساتھ دیا تا کہ خاندان کو سر بلندی حاصل ہو لہٰذا ان سب کے اسلام کو ان کا تعصب اور تنگ نظری کہا جاتا۔

لیکن ہوا یہ کہ اجنبی اور غیر لوگوں نے سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کا دامن تھاما اور آنحضرت ﷺ کی محبت میں خود اپنے آدمیوں اور رشتے داروں سے لڑے، یہاں تک کہ ان میں سے بعض بعض لوگوں نے صرف آنحضرت ﷺ اور اسلام کی خاطر اپنے باپ اور بھائیوں سے لڑائیاں لڑیں۔ اس سے سب کے سامنے یہ بات صاف ہوگئی کہ جو لوگ بھی مسلمان ہوئے اور اپنے دین پر جمے ہوئے ہیں وہ سچائی کے یقین اور پوری سمجھ بوجھ کے ساتھ ایسا کر رہے ہیں۔

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بار بار ابوطالب سے کلمہ پڑھنے کو کہتے رہے اور وہ انکار کرتے رہے، یہاں تک کہ انہوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''خدا کی قسم! میں اس وقت تک تمہارے لئے مغفرت کی دعا مانگتا رہوں گا جب تک کہ مجھے اللہ تعالیٰ ہی اس سے نہ روک دے۔''

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

ما کان للنبی والذین اٰمنوآ ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوآ اُولی قربٰی من ٗبعد ما تبیّن لھم انّھم اصحاب الجحیم O (التوبہ: ۱۱۳)

''پیغمبر کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں۔''

ابوطالب کا انتقال اور کفن دفن

ابن حبان کے مجموعہ حدیث میں ایک حدیث بیان کی گئی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب ابوطالب کا انتقال ہو گیا تو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور میں نے آپ ﷺ سے کہا:

''یارسول اللہ! آپ کے گمراہ چچا مر گئے۔''

آپ نے فرمایا کہ ان کو کہیں لے جا کر دبا دو، حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس سے فارغ ہو کر جب میں آپ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا، اب تم غسل کر لو۔

سردارانِ قریش کو آخر وقت ابوطالب کی وصیتیں

ایک روایت ہے کہ جب ابوطالب کا آخری وقت آ پہنچا تو ان کے پاس قریش کے تمام بڑے بڑے سردار جمع ہو گئے اور ابوطالب نے ان کو وصیتیں اور نصیحتیں کیں، ان ہی میں سے یہ ہیں کہ انہوں نے کہا:

"اے گروہِ قریش! تم اللہ کی مخلوق میں بہترین لوگ اور عربوں کا دل ہو۔ تم میں عزت مند بھی ہیں اور بہادر و فیاض اور خوش حال بھی ہیں، عربوں میں کوئی عزت و مقام ایسا نہیں جس کو تم نے حاصل نہ کرلیا اور کوئی شرف اور سرفرازی ایسی نہیں جس کو چھوڑ دیا ہو۔ اس طرح دوسرے لوگوں پر تمہیں ایک خاص فضیلت حاصل ہے اور اس کی بنا پر دوسرے لوگ تمہارے نیاز مند ہیں۔ میں تمہیں اِس گھر یعنی بیت اللہ کی تعظیم باقی رکھنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ اسی میں پروردگار کی خوشنودی چھپی ہے اور اسی میں زندگی کی سربلندی پوشیدہ ہے۔ رشتے داروں کی ہمیشہ خبر گیری کرتے رہنا، ان سے کبھی لاپرواہی نہ کرنا کیونکہ اسی میں مسرت اور اولاد کی کثرت و برکت کا راز ہے۔ سرکشی اور شورہ پشتی سے ہمیشہ دور رہنا کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی کے نتیجہ میں ہلاک و برباد ہوئی ہیں۔ بلانے والے کی آواز پر لبیک کہنا اور سائل اور مانگنے والے کو کبھی مایوس نہ کرنا کیونکہ اسی میں زندگی اور موت کی عزت ہے۔

ہمیشہ سچائی اور امانت داری کو اپنا دستور بنائے رکھنا کیونکہ ان ہی خوبیوں سے بڑے لوگوں کے دلوں میں آدمی کی محبت اور عوام کے دلوں میں عزت پیدا ہوتی ہے۔ میں تمہیں محمد (ﷺ) کے ساتھ بھلائی اور نیک سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ قریش میں سب سے بڑے امین ہیں، عربوں میں سب سے زیادہ سچے اور ان تمام خوبیوں کے مالک ہیں جن کی میں تمہیں وصیت کر رہا ہوں۔ وہ ایک ایسا پیغام لے کر آئے ہیں جس کو دلوں نے قبول کرلیا ہے لیکن دشمنی کی وجہ سے زبانوں نے انکار کر دیا ہے۔ خدا کی قسم ایسا لگتا ہے جیسے میں مستقبل میں دیکھ رہا ہوں کہ عرب کے چور اور لٹیرے نیز نیکوکار اور اچھے لوگ اور کمزور بے بس لوگ جوق در جوق ان کی آواز پر لبیک کہہ رہے ہیں اور ان کے پیغام کو قبول کر کے ان کی بات کو اونچا کر رہے ہیں۔ وہ لوگ موت کی سختیوں میں کود کر انہیں گلے لگا رہے ہیں۔ اور پھر قریشی سردار اور معزز لوگوں کی حیثیت عام آدمیوں سے زیادہ نہ رہی۔ وہ خانہ خراب ہوگئے اور ان میں کئی کمزور لوگ اختیار اور عزت والے ہوگئے۔ آج کے عظیم اور مرتبے والے لوگ کل سب سے زیادہ ضرورت مند اور محتاج بن گئے۔ جو آج محمد سے بہت دور ہیں کل وہ ان کے ہمدم و ہم نشین بن گئے۔ عرب نے اپنی محبت و خیر خواہی کے ساتھ اپنی باگ ڈور ان کو دے دی۔ اس لئے اے گروہ قریش! تم ہی محمد کے ساتھی بن جاؤ اور تم ہی ان

Marfat.com

کی جماعت کے حامی و مددگار بن جاؤ۔ خدا کی قسم ان کے سیدھے راستے پر چلنے اور یہ سعادتیں حاصل کرنے میں تم پیش پیش رہنا!

ابوطالب کی طرف سے بنی مطلب کو قبول حق کی وصیت

ایک روایت میں ہے کہ جب ابوطالب کا اخیر وقت آ پہنچا تو انہوں نے بنی مطلب کو بلایا اور ان سے کہا:

"تم نے محمد سے جو کچھ سنا اور اس پر عمل کیا تو اس میں ہمیشہ تمہارے لئے خیر ہوگی۔ اس لئے ان کی پیروی کرو اور بھلائی حاصل کرو۔"

ابوطالب کے بعد آنحضرت ﷺ کو ایذا رسانیوں میں شدت

مگر ابوطالب کے انتقال کے بعد آپ کو قریش نے اتنی تکلیفیں پہنچائیں کہ ابوطالب کی زندگی میں وہ ممکن نہیں تھیں یہاں تک کہ ایک قریشی شریر نے آپ کے سر مبارک پر کوڑا ڈال دیا آپ اسی حال میں اپنے گھر میں تشریف لے گئے۔ آپ کی صاحبزادی یہ حالت دیکھ کر ایک دم آپ کے پاس آئیں وہ روتی جاتی تھیں اور کوڑا صاف کرتی جاتی تھیں۔ اس وقت آنحضرت ﷺ ان سے یہ فرما رہے تھے:

"نہ رو۔ نہ رو بیٹی۔ اللہ تعالیٰ تمہارے باپ کی حفاظت فرمانے والا ہے۔"

آپ فرماتے تھے:

"ابوطالب کی موت تک قریش کبھی مجھ سے اتنا بڑا معاملہ نہیں کر سکے۔"

ابوطالب کی یاد

آنحضرت ﷺ نے ابوطالب کے انتقال کے بعد جب یہ دیکھا کہ کفار قریش ہر طرف سے آپ پر چڑھ دوڑے ہیں تو آپ نے حسرت سے ابوطالب کو یاد کرتے ہوئے فرمایا:

"اے چچا کتنی جلد مجھے احساس ہو گیا کہ میں آپ کو کھو چکا ہوں۔"

(سیرۃ حلبیہ سے ملخص)

Marfat.com

حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا۔ والد کا نام اسد بن ہاشم بن عبد مناف تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد حضرت عبد المطلب کی بھتیجی تھیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شفیق چچا جناب ابو طالب سے نکاح ہوا۔ انہیں سے شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ پیدا ہوئے۔ گویا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی چچی اور سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خوش دامن تھی۔

ہاشمی خاتون

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پہلی ہاشمی عورت تھیں جن سے ہاشمی اولاد پیدا ہوئیں۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ حق کا آغاز فرمایا تو بنی ہاشم نے ان کا سب سے زیادہ ساتھ دیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت اسد نے بھی فوراً حق کی آواز پر لبیک کہی اور سابقون اولون میں شمار ہوئیں۔ ان کے فرزند حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو بنے اور شوہر جاں نثار سرپرست۔

جناب ابو طالب کا انتقال

جب ابو طالب کا انتقال ہوا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت اسد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی فرماتی رہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی ان الفاظ میں تعریف فرمائی۔

" لم یکن اَحَدً بعد ابی طالب ابربی منھما "

ابو طالب کے بعد ان سے زیادہ مجھ پر کوئی مہربان نہ تھا۔

ہجرت مدینہ

جب عام مسلمانوں کو ہجرت کا حکم ملا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائیں یہاں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فرزند جناب علی مرتضیٰ رضی

Marfat.com

اللہ تعالیٰ عنہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر زہرا بتول رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا۔اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی والدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت اسد سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

''میں پانی بھروں گا اور باہر کا کام کروں گا اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم چکی پیسنے اور آٹا گوندھنے میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدد کریں گی۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت اسد سے ملنے آتے اوران کے گھر آرام فرماتے۔

وصالِ مُبارک

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت اسد نے مدینہ منورہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک میں ہی وفات پائی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیض مبارک اتار کر کفن دیا اور تدفین سے پہلے قبر میں اتر کر لیٹ گئے۔لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا''ابو طالب کے بعد ان سے زیادہ میرے ساتھ کسی نے مہربانی نہیں کی میں نے ان کو اپنی قمیض اس لیے پہنائی کہ جنت میں بہشتی لباس ان کو پہنایا جائے اور قبر میں لیٹ گیا تا کہ شدائد قبر میں آسانی ہو۔''

اولادِ پاک

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چار لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں جن کے اسماء یہ ہیں۔طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ،عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ،جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ،علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ،ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا،جمانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ربطہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ان میں سے جن کے حالات دستیاب ہو سکے،آئندہ صفحات میں پیش خدمت ہیں۔

طالب بن ابی طالب

یہ جناب ابو طالب کے بڑے بیٹے ہونے کے ناطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

Marfat.com

چچازاد بھائی تھے، لیکن بدقسمتی سے اسلام کی سعادت سے بہرہ ور نہ ہو سکے اور غزوۂ بدر میں کفار کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف لڑتے ہوئے مارے گئے۔

چچازاد بھائی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب

قبیلہ بنی عبد مناف میں سے پانچ آدمی رسول اللہ ﷺ سے ایسی غیر معمولی مشابہت رکھتے تھے کہ کمزور نگاہ والوں کو ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان اکثر التباس ہو جایا کرتا تھا۔ ان میں سے ایک شخصیت تھی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ جو کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے برادر حقیقی ہیں۔ ابو طالب قریش اور خاندان بنی ہاشم میں اپنی رفعت شان اور علو منزلت کے علی الرغم ایک کثیر العیال اور تنگ دست شخص تھے اور اس قحط نے ان کی مفلوک الحالی میں مزید اضافہ کر دیا تھا جس میں قریش کے لوگ مبتلا تھے۔

قبولِ اسلام اور ہجرتِ حبشہ

اس وقت حضرت محمد ﷺ اور ان کے چچا عباس بن عبد المطلب بنو ہاشم کے خوش حال ترین افراد تھے۔ چنانچہ ان حالات کی وجہ سے حضور ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو اپنی کفالت میں لے لیا اور جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ جوانی کی عمر کو پہنچ گئے تو رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور پھر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔

قریش کے مظالم سے تنگ آ کر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ محترمہ اور دیگر مسلمانوں کے ہمراہ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس وقت مسلمانوں کے پاس اتنی طاقت نہیں تھی کہ قریش کے ان مظالم کو روک سکتے۔

مہاجرین کا یہ پہلا قافلہ خدا کی راہ میں اپنا وطن چھوڑ کر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں سرزمین حبشہ کی طرف روانہ ہوا اور وہاں پہنچ کر نیک دل اور انصاف پسند حکمران نجاشی کی پناہ میں قیام پذیر ہو گیا۔ حبشہ کی سرزمین پر انہیں وہاں کے بہترین لوگوں کی ہمسائیگی ملی۔ وہاں مسلمان اپنے دین کے متعلق ہر طرح بے خوف ہو کر اپنے رب کی

Marfat.com

عبادت میں مصروف ہو گئے۔

ان حالات کی اطلاع جب قریش کو ہوئی تو انہوں نے مسلمانوں کے خلاف سازش کر کے اپنے دو مضبوط آدمیوں، عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو نجاشی کے پاس بھیجا اور ان کے ہاتھ نجاشی، اس کے درباریوں اور فوجی سرداروں کے لئے سرزمین حجاز کی وہ نادر اور بیش قیمت چیزیں تحفہ کے طور پر بھیجیں جنہیں وہ پسند کرتے تھے۔ وہاں جا کر انہوں نے نجاشی و دیگر سرداروں کو تحفے پیش کئے اور مطالبہ کیا کہ مسلمانوں کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔

نجاشی نے مسلمانوں کو بلوا کر ان کا موقف بھی سنا۔ مسلمانوں کی نمائندگی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کی اور ان کے دلائل سن کر شاہ نجاشی نے مسلمانوں کو عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ اور ان کے تحفے تحائف بھی واپس کر دیئے گئے۔ اس کے بعد عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ وہاں سے خائب و خاسر واپس لوٹ گئے اور مسلمان عزت اور آرام کے ساتھ شاہ نجاشی کے ملک میں رہنے لگے۔

ہجرتِ مدینہ

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے نہایت امن و اطمینان کے ساتھ نجاشی کے یہاں دس سال گزارنے کے بعد سات ہجری میں مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ حبشہ چھوڑ کر یثرب کا رخ کیا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ خیبر کی فتح سے فارغ ہو کر مدینہ پہنچے ہی تھے کہ مہاجرین حبشہ کا یہ قافلہ بھی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں وہاں پہنچ گیا۔ حضور ﷺ ان کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے اور اپنی خوشی کا اظہار ان لفظوں میں فرمایا:

> ”مجھے نہیں معلوم کہ دونوں میں سے کس بات کی مجھے زیادہ خوشی ہے۔ آیا خیبر کی فتح کی یا جعفر رضی اللہ عنہ کی آمد کی۔“

اور ان کی آمد پر (واپسی پر) مسلمانوں خصوصاً ان میں سے فقراء و مساکین کی خوشی رسول اللہ ﷺ کی خوشی سے کسی طرح کم نہ تھی کیونکہ وہ کمزوروں ضعیفوں اور حاجت مندوں کے ساتھ نہایت مہربانی اور حسن سلوک کا معاملہ کرتے تھے اور اسی وجہ سے لوگ ان کو ”ابوالمساکین“ کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

ان کے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔ ''ہم مساکین کے حق میں جعفر رضی اللہ عنہ سب سے اچھے تھے۔ وہ ہمیں اپنے گھر لے جاتے اور جو کچھ بھی ان کے پاس ہوتا ہم کو کھلاتے۔ یہاں تک کہ اگر کھانے کی چیز ختم ہو جاتی تو وہ گھی رکھنے کا خالی شدہ مشکیزہ لا کر ہمارے آگے رکھ دیتے جس کو پھاڑ کر ہم گھی کی وہ معمولی مقدار بھی جو اس کی اندرونی دیوار کے ساتھ لپٹی ہوتی، چاٹ لیا کرتے تھے۔''

غزوۂ موتہ میں شرکت اور شہادت

مدینہ منورہ میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا زمانہ قیام بہت مختصر رہا۔ کیوں کہ سن ۷ ہجری کے آغاز میں رسول اللہ ﷺ نے بلادشام میں رومیوں کے ساتھ معرکہ آرائی کے لئے ایک فوج کی قیادت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا۔ ''اگر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ قتل یا زخمی ہو جائیں تو فوج کی امامت جعفر رضی اللہ عنہ کے ذمے ہوگی۔ اگر جعفر رضی اللہ عنہ بھی شہید یا مجروح ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ امیر لشکر ہوں گے لیکن اگر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی جنگ میں کام آجائیں یا وہ گھائل ہو جائیں تو مسلمان خود اپنے میں سے کسی کو اپنا سپہ سالار بنالیں۔''

مسلمان جب ''موتہ'' پہنچے جو اردن میں شام کے بالائی حصے میں واقع ہے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے مقابلے کے لئے ایک لاکھ سپاہیوں پر مشتمل زبردست رومی فوج تیار کھڑی ہے اور اس کی مدد کے لئے نصرانی عربوں نے مزید ایک لاکھ کی بھاری جمعیت فراہم کر رکھی ہے جس میں لخم، جذام اور قضاء وغیرہ عیسائی قبائل کے جنگ جو شامل ہیں۔ اس دو لاکھ کے عظیم لشکر کی مقابلہ کرنیوالی مسلمانوں کی فوج صرف تین ہزار مجاہدین اسلام پر مشتمل تھی۔

آخر کار جب دونوں فوجوں میں مڈبھیڑ ہوئی اور جنگ کی چکی اپنی پوری رفتار سے چلنے لگی تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کے گرتے ہی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اپنی گھوڑی (شقراء) سے کود پڑے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے تلوار سے اس کی ٹانگیں کاٹ دیں تا کہ ان کے بعد دشمن اس سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔

Marfat.com

اور جھنڈا لے کر یہ رجز پڑھتے ہوئے دشمن کی صفوں میں دور تک گھستے چلے گئے۔

"آہا! کتنی عمدہ ہے جنت، کتنا خوش آئند ہے اس کا قرب اور کیسا ٹھنڈا ہے اس کا پانی۔ رومیوں کا عذاب قریب آ گیا۔ یہ سب کافر اور بعید النسب ہیں۔ جب ان سے مڈبھیڑ ہوگئی ہے تو لازم ہے کہ میں ان کے اوپر کاری ضرب لگاؤں۔"

آپ رضی اللہ عنہ دشمن کی صفوں میں ہر طرف چکر لگاتے اور اپنی شمشیر خارا شگاف کے جوہر دکھاتے پھر رہے تھے کہ دشمن کی ایک کاری ضرب نے ان کے دائیں ہاتھ کو کاٹ کر الگ کر دیا۔ انہوں نے جھنڈے کو بائیں ہاتھ میں تھام لیا مگر دشمن نے تلوار کا دوسرا وار کیا اور ان کی بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا۔ اب انہوں نے جھنڈے کو اپنے دونوں بازوؤں کے حلقے میں لے کر سینے سے چمٹا لیا مگر جلد ہی تیسری ضرب نے ان کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیئے۔

اب جھنڈا حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ وہ بھی، برابر لڑتے رہے یہاں تک کہ اپنے دونوں ساتھیوں سے جا ملے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اپنے تینوں سالاروں کے شہید ہونے کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ تعزیت کیلئے اپنے ابن عم حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ نے دیکھا کہ ان کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس ان کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ وہ روٹی کے لئے آٹا گوندھ کر رکھ چکی تھیں اور بچوں کو نہلا دھلا کر تیل وغیرہ لگا کر، صاف ستھرے کپڑے پہنا کر تیار کر چکی تھیں۔

شہادت کی خبر ملنے پر اہل خانہ کی کیفیت اور حضور ﷺ کی طرف سے بشارت

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:

"جب رسول اللہ ﷺ میرے یہاں تشریف لائے تو میں نے حزن وملال کے وہ سائے آپ کے چہرہ انور پر پھیلے ہوئے دیکھ لئے تھے جو آپ کے اندرونی کرب کی غمازی کر رہے تھے۔ آپ ﷺ کو اس طرح رنجیدہ دیکھ کر میرے دل میں مختلف اندیشے اور وسوسے

Marfat.com

سر اٹھا رہے تھے مگر اس وقت میں جعفر رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ سے کوئی سوال اس لئے نہیں کرنا چاہتی تھی کہ مبادا مجھے آپ کی زبان مبارک سے کوئی ناپسندیدہ بات سننی پڑ جائے۔ آپ نے سلام کے بعد مجھ سے فرمایا کہ جعفر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بچوں کو میرے پاس لاؤ۔ میں نے بچوں کو آواز دی تو وہ خوشی سے چہکتے ہوئے آپ کی طرف دوڑ پڑے۔ وہ آپ کے پاس پہنچنے کے لئے ایک دوسرے کو دھکا دے رہے تھے۔ ان میں سے ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ وہ سب سے پہلے آپ کے پاس پہنچ جائے۔ آپ ﷺ نے ان کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا، ان کے اوپر جھک گئے اور انہیں چومنے لگے۔ اس وقت آپ ﷺ کی آنکھوں سے بے تحاشا آنسو جاری تھے۔

جب میں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ کیوں رو رہے ہیں۔ کیا آپ ﷺ کے پاس جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں ساتھیوں کے متعلق کوئی ناخوشگوار اطلاع آئی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں، آج وہ سب شہید ہو گئے۔

اس وقت جب چھوٹے بچوں نے اپنی ماں کو روتے دیکھا تو ان کے معصوم چہروں سے تبسم کی کرنیں غائب ہو گئیں اور سب اپنی جگہ پر اس طرح بے حس و حرکت اور ساکت و جامد ہو گئے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں اور رسول اللہ ﷺ اپنے آنسو پونچھتے اور یہ کہتے ہوئے واپس گئے۔

”اے اللہ! جعفر رضی اللہ عنہ کے پیچھے اس کے بچوں کی کفالت فرما۔“

پھر فرمایا کہ میں نے جعفر رضی اللہ عنہ کو جنت میں اس حال میں دیکھا ہے کہ ان کے دو بازو ہیں جو خون سے رنگین ہیں۔

فضائل ومحاسن کی ایک جھلک

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ محترمہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس اس کاروان نکہت و نور میں جسے کاروان اسلام کہتے ہیں، آغاز سفر ہی سے شریک تھے۔ یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق

Marfat.com

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست مبارک پر ایمان لا چکے تھے اور اس ہاشمی نوجوان اور اس کی نوعمر بیوی نے قریش کے ہاتھوں وہ ساری بلائیں اور مصیبتیں جھیلیں جن سے ابتدائی زمانے کے مسلمانوں کو پالا پڑا تھا۔ انہوں نے ہر اذیت پر صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا کیونکہ ان کو یہ بات بخوبی معلوم تھی کہ جنت تک پہنچنے کیلئے ان پر خار داریوں اور دشوار گزار گھاٹیوں کو عبور کرنا ناگزیر ہے۔ لیکن یہ چیز ان کے اور ان کے دوسرے دینی بھائیوں کے لئے انتہائی پریشانی کا سبب بنی ہوئی تھی کہ قریش کے لوگ ان کے اور اسلامی شعائر واحکام کی ادائیگی کے درمیان حائل ہو کر انہیں لذت عبادت سے محروم کر رہے تھے۔ وہ ہر جگہ ان کی گھات میں بیٹھے رہتے اور ہر وقت ان کی نگرانی کرتے رہتے تھے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اسلام کے ایک عظیم جرنیل تھے اور جب مسلمانوں کو عروج حاصل ہوا اور آپ اسلامی لشکر کے جرنیل بنائے گئے تو آپ نے عظیم فتوحات سے اہل اسلام کو ہمکنار کیا۔ لیکن آغاز اسلام میں چونکہ مسلمان تعداد میں کم تھے اور بے سروسامانی کے عالم میں تھے لہٰذا قریش نے ان کو ستانے اور زندگی اجیرن کر دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

رسول اللہ ﷺ کیلئے یہ چیز مستقل سوہان روح کا باعث تھی کہ ان پاک طینت اور نیک نفس ہستیوں کو صرف اس جرم میں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اعلان کیا ہے، ناحق اور ظالمانہ طور پر مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنا پیارا وطن جس کی گلیوں اور میدانوں میں انہوں نے اپنے بچپن اور جوانی کے بہترین دن گزارے ہیں جس کے گوشے گوشے اور ذرے ذرے پر ان کی محبت کے لافانی نقوش ثبت ہیں۔ چھوڑ کر چلے جائیں۔ لیکن اس وقت آپ کے پاس اتنی طاقت نہیں تھی کہ قریش کے ان مظالم کو روک سکتے۔

چنانچہ قریش کے مظالم سے بچنے کے لئے حضور نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسلمانوں کا پہلا قافلہ حبشہ کی طرف روانہ کیا۔ ادھر جب قریش کو ان مسلمانوں کے ارض حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا علم ہوا اور ان کو پتہ چلا کہ وہ لوگ شاہ حبشہ کی حمایت اور اس کی پناہ میں اپنے دین وعقیدہ کے مطابق اطمینان اور بے خوفی کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں تو وہ ان مسلمانوں کیخلاف سازش اور صلاح ومشورہ میں مصروف ہو گئے

Marfat.com

تا کہ یا تو انہیں قتل کرنے میں کامیاب ہو جائیں یا واپس لا کر قید خانے میں ڈال دیں۔

اس واقعہ کا مختصر ذکر پیچھے آچکا ہے۔ یہاں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی وہ ولولہ انگیز تقریروں کے اقتباس پیش کئے جا رہے ہیں جو انہوں نے مسلمانوں کے سربراہ کی حیثیت سے شاہ نجاشی کے سامنے کیں۔

عمرو بن عاص (جو ابھی حلقہ بگوش اسلام نہیں ہوئے تھے) اور عبداللہ بن ربیعہ کو اہل قریش نے مسلمانوں کی واپسی کے لئے شاہ نجاشی کے پاس بھیجا تھا۔ شاہ نجاشی نے اس موقع پر مہاجر مسلمانوں کو اپنے دربار میں طلب کیا تا کہ وہ اپنی صفائی میں جو کہنا چاہتے ہیں کہیں۔

شاہ نجاشی نے سوال کیا۔ ''وہ کون سا نیا دین ہے جو تم لوگوں نے اختیار کیا ہے جس کے لئے تم نے اپنے آباؤ اجداد کا دین ترک کر دیا، مگر نہ تو میرے دین میں داخل ہوئے نہ دیگر ادیان میں سے کسی کو اپنایا۔''

شاہ نجاشی کا سوال سن کر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے بادشاہ نجاشی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

> ''اے بادشاہ! ہم جاہل تھے، بت پرستی کرتے، مرار کھاتے، فواحش کا ارتکاب کرتے، قطع رحمی کرتے اور پڑوسیوں سے بدسلوکی کرتے تھے۔ ہم میں سے ہر طاقتور اپنے کمزوروں پر ظلم ڈھاتا تھا۔ ایک زمانے تک ہماری زندگی کے شب و روز اسی طرح گزرتے رہے۔ آخر ہماری طرف اللہ تعالیٰ نے ایک رسول اللہ ﷺ کو بھیجا جو خود ہم ہی میں سے تھا۔ جس کی خاندانی شرافت و نجابت، ذاتی صداقت و امانت اور فطری عفت و عصمت سے ہم سب اچھی طرح واقف تھے۔ اس نے ہم کو خدا کی طرف پکارا۔ اس نے ہمیں دعوت دی کہ ہم خدا کو ایک مانیں، صرف اسی کی عبادت کریں اور پتھر سے تراشے ہوئے ان بے جان بتوں کی پرستش سے باز آجائیں جن کی پوجا ہم اور ہمارے آباؤ اجداد کرتے چلے آرہے ہیں۔ اس نے ہم کو راست گوئی، امانت داری، صلہ رحمی، پڑوسیوں کے

ساتھ حسن سلوک، محارم سے اجتناب اور خون ریزی سے احتراز کرنے کی تلقین کی۔ نیز بے حیائی، دروغ گوئی، یتیم کا مال کھانے اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا۔ اس نے ہم کو حکم دیا کہ ہم خدائے واحد کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں اور ماہ رمضان کے روزے رکھیں...... ہم نے اس کی تصدیق کی، اس پر ایمان لائے اور اس کے ان تمام احکامات و ہدایات کی پیروی کی جن کو وہ خدا کے یہاں سے لایا تھا۔ اس نے جن چیزوں کو ہمارے لئے حلال کیا، ہم نے انکو حلال جانا اور جن چیزوں کو ہمارے اوپر حرام قرار دیا، ہم نے ان کو حرام مان لیا۔"

پھر کچھ دیر بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کلام پاک کی کچھ آیات تلاوت کیں:

ترجمہ: "یہ ذکر ہے اس رحمت کا جو تیرے رب نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی جب کہ اس نے اپنے رب کو چپکے چپکے سے پکارا۔ اس نے عرض کیا، اے پروردگار! میری ہڈیاں تک گھل گئی ہیں اور میرا سر بڑھاپے سے بھڑک اٹھا ہے۔"

یہاں تک کہ انہوں نے سورہ کا ابتدائی حصہ مکمل کرلیا۔ کلام الٰہی کو سن نجاشی اتنا متاثر ہوا کہ زاروقطار رونے لگا، یہاں تک کہ روتے روتے اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ اس کے ساتھ اس کے درباری بھی رو رہے تھے۔ وہ بھی اتنا روئے کہ ان کی کتابیں اشکوں سے بھیگ گئیں۔ اس کے بعد نجاشی نے کہا کہ یہ کلام تمہارے نبی ﷺ پر اترا ہے اور وہ کلام جو عیسیٰ علیہ السلام لائے تھے، دونوں ایک ہی نور کی شعاعیں ہیں۔ پھر نجاشی نے عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو مخاطب کر کے کہا:

"تم لوگ واپس چلے جاؤ۔ خدا کی قسم! میں انہیں کبھی تمہارے حوالے نہیں کرسکتا۔"

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو "ذوالجناحین" اور "الطیار" جیسے عظیم الشان اور قابل

Marfat.com

رشک القابات غزوہ موتہ میں بحیثیت جرنیل ان کی عظیم خدمات پر دیئے گئے۔ اس غزوہ میں آپ نے دونوں بازو کٹوا لئے لیکن لشک اسلام کے جھنڈے کو آخر دم تک سرنگوں نہیں ہونے دیا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کی ۴۱ بہاریں دیکھیں اور پھر جامِ شہادت نوش کرتے ہوئے جنت الفردوس کی راہ لی۔

اللہ ان سے راضی اور وہ اپنے اللہ سے راضی!

(حضور ﷺ کے چالیس جان نثار......از طالب ہاشمی)

حضرت اُمِّ ہانی رضی اللہ عنہا بنت ابو طالب

فاختہ نام اور ام ہانی کنیت تھی۔

رسول کریم ﷺ کی بنت عم اور حضرت طیار رضی اللہ عنہ اور حیدر کرار علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی ہمشیرہ تھیں۔

ان کی ماں جلیل القدر صحابیہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت اسد اور باپ سرپرست رسول اللہ ﷺ جناب ابو طالب تھے۔ گویا خالص ہاشمی النسل تھیں۔ دادھیال آفتاب تو نانہال ماہتاب تھا۔

ام ہانی رضی اللہ عنہا کی شادی ہبیرہ بن عمرو مخزومی سے ہوئی۔

قبول اسلام

۲۰ رمضان المبارک ۸ ہجری کو جب رسول کریم ﷺ فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہوئے۔ حضرت ام ہانی نے اسی دن اسلام قبول کرلیا۔ جب ان شوہر ہبیرہ نجران کی طرف بھاگ گئے اور یہ شعر کہے:

''تیری عمر کی قسم میں نے محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کے سامنے بزدلی سے پیٹھ نہیں پھیری، نہ قتل کے خوف سے، مگر میں نے اپنے بارے میں غور کیا تو تیر اور تلوار سے کام لینا کافی نہ دیکھا جب تک اپنی جائے قیام

Marfat.com

تنگ نہ دیکھی ٹھہرا رہا۔ پھر لوٹ آیا جس طرح شیر اپنے بچوں کی طرف لوٹتا ہے۔"

حضور علیہ السلام کی خوشی

حضور ﷺ فتح مکہ کے دن ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ ان کے قبول اسلام سے خوش ہوئے اور ان کے مکان میں غسل فرمایا اور نماز پڑھی۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے اپنے مکان میں دو مشرکوں کو پناہ دے رکھی تھی۔ سرور عالم ﷺ نے بھی انہیں پناہ دیدی۔

اسی زمانے میں ایک دن حضور ﷺ ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے وہاں شربت نوش فرمایا اور اس میں کچھ حضرت ام ہانی کو عطا فرمایا۔ وہ روزہ سے تھیں۔ لیکن اس شربت کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر پی گئیں۔ حضور ﷺ نے ان سے روزہ توڑنے کا سبب پوچھا تو جواب دیا "یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کا جھوٹا کیسے واپس کر سکتی تھی۔"

سرور کائنات ﷺ نے ایک روز ازراہِ شفقت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا

"ام ہانی! بکری لے لو، یہ بڑی خیر و برکت والا جانور ہے۔"

حضرت ام ہانی فقہ سے بھی دلچسپی رکھتی تھیں اور وقتاً فوقتاً نبی کریم ﷺ سے مختلف مسائل دریافت کرتی تھیں۔

وظیفہ

ایک مرتبہ انہوں نے رسول کریم ﷺ سے عرض کی "یا رسول اللہ ﷺ اب میں بوڑھی ہوں، چلنے پھرنے میں کمزوری محسوس کرتی ہوں، کوئی ایسا وظیفہ بتائیے جسے بیٹھے بیٹھے پڑھ سکوں۔ حضور ﷺ نے بڑی شفقت سے ایک وظیفہ بتایا۔

"ایک روایت میں اس وظیفہ کی تصریح یوں کی گئی ہے کہ حضور ﷺ نے ام ہانی سے فرمایا کہ ایک سو مرتبہ سبحان اللہ، ایک سو مرتبہ الحمدللہ، ایک سو مرتبہ اللہ اکبر اور ایک سو مرتبہ لا الہ الا اللہ کہہ لیا کرو۔"

وصال مبارک

حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلافت میں وفات پائی۔

اولاد پاک

اولاد میں عمرو، ہانی یوسف اور جعدہ مشہور ہیں۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول کریم ﷺ سے چھیالیس احادیث روایت کی ہیں۔ان کے راویوں میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ،عبداللہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔عبداللہ بن عیاش رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے اکابر شامل ہیں۔ (تذکارِ صحابیات)

اُم طالب

آپ ابوطالب بن عبدالمطلب کی بیٹی ہیں، کتاب النسب میں اولاد ابوطالب میں ہشام بن کلبی نے آپ کا ذکر نہیں کیا، انہوں نے لکھا ہے کہ ابوطالب کی بیٹیاں اُم ہانی، جماز اور ریطہ ہیں شاید یہی ریطہ اُم طالب ہیں جیسا کہ محمد بن عمر نے اپنی کتاب ''دھم النبی'' میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُم طالب بنت ابی طالب کو خیبر میں چالیس وسق کھجوریں دیں، ابوطالب کی تمام اولاد بیٹیوں اور بیٹوں) کی والدہ بجز طلیق بن ابی طالب کے فاطمہ بنتِ اسد ہیں۔

جمانہ

آپ ابوطالب اور فاطمہ کی بیٹی ہیں، آپ سے ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب نے نکاح کیا جن سے جعفر بن ابی سفیان پیدا ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

Marfat.com

آپ کو خیبر میں تیس وسق کھجوریں دیں۔

حضرت عقیل رضی اللہ عنہ بن ابی طالب

آپ کا نام عقیل اور کنیت ابو یزید ہے۔ خاندان بنی ہاشم کے چشم و چراغ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے۔

والدہ کا نام فاطمہؓ بنتِ اسد بن ہاشم تھا۔ علامہ ابنِ اثیرؒ نے ''اُسد الغابہ'' میں لکھا ہے کہ وہ حضرت جعفرؓ (طیار) بن ابی طالب اور حضرت علیؓ بن ابی طالب کے علّاتی (ماں کی طرف سے سوتیلے) بھائی تھے۔ مگر ''اُسد الغابہ'' ہی میں انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام بھی فاطمہ بنتِ اسد بن ہاشم لکھا ہے...... مولوی شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم نے اپنی تالیف ''مہاجرین حصہ دوم (سیر الصحابہ جلد سوم)'' میں ابن اثیرؒ کے حوالے سے حضرت عقیلؓ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سوتیلا بھائی بتایا ہے۔ کچھ اور مورخین نے بھی ان کو حضرت جعفر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا علاّتی بڑا بھائی بتایا ہے، مگر یہاں اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان سب کی والدہ فاطمہؓ بنت اسد بن ہاشم تھیں تو پھر حضرت عقیلؓ کو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا علاّتی بھائی کیسے کہا جا سکتا ہے۔ ایک ہی ماں باپ کے بیٹے تو آپس میں حقیقی بھائی ہوتے ہیں۔

اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ (دانشگاہِ پنجاب لاہور) مین جناب ابوطالب کے ترجمہ کے آخر میں یہ عبارت ملتی ہے:

''ابوطالب نے دو شادیاں کیں۔ پہلی بیوی جن کا نام حضرت فاطمہؓ بنتِ اسد بن ہاشم تھا، مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ ان سے ابوطالب کی حسبِ ذیل اولاد ہوئی: (۱) طالب (۲) اُم ہانی فاختہؓ (۳) عقیلؓ (۴) جعفرؓ (۵) جمانہ (۶) علیؓ (۷) اُم طالب ریطہ۔

دوسری بیوی سے ایک لڑکا پیدا ہوا طلیق (دیکھئے ابن سعد) ان آٹھ بچوں میں پیدائش کے لحاظ سے جو ترتیب تھی اس کا اجمالی حال ''الاستیعاب'' (حالاتِ علیؓ) اور

Marfat.com

المسعودی سے معلوم ہوتا ہے۔" (اردو دائرۂ معارف اسلامیہ جلد اول ص ۸۳۶، ۸۳۷)

اس تحقیق کی روشنی میں حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کو وثوق کے ساتھ حضرت جعفرؓ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا حقیقی بڑا بھائی کہا جا سکتا ہے۔ وہ عمر میں حضرت جعفرؓ سے دس سال اور حضرت علیؓ سے بیس سال بڑے تھے۔

حضرت عقیلؓ مآثر و انساب کے بڑے عالم، فصیح اللسان، شگفتہ مزاج اور حاضر جواب آدمی تھے۔ بعض اربابِ سیَر نے لکھا ہے کہ علم الانساب اور قریش کی تاریخ پر وہ مسلّمہ سند تسلیم کیے جاتے تھے۔ وہ زمانہ جاہلیت میں قریش کے اشراف میں شمار ہوتے تھے اور قریش کے سبھی خاندانوں میں بڑی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ وہ قریش کے ان چار معززین میں سے تھے جن کو قریش (اپنے باہمی جھگڑوں یا مفاخرت وغیرہ میں) حَکَم (ثالث یا فیصلہ کرنے والا) بنایا کرتے تھے۔ دوسرے تین مخرمہؓ بن نوفل زہری، ابوجہمؓ بن حذیفہ...... اور حویطبؓ بن عبدالعزّیٰ تھے بعد میں ان سب کو قبولِ اسلام اور صحابیت کا شَرف حاصل ہوا۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت عقیلؓ بالعموم قریش کے معائب اور ایسی باتیں جن کو لوگ نہ جانتے تھے، بیان کیا کرتے تھے جبکہ باقی تینوں عام طور پر قریش کے محاسن بیان کیا کرتے تھے۔ ابنِ اثیرؒ نے لکھا ہے کہ اگر قریش کا کوئی ایسا شخص حضرت عقیلؓ کے پاس آ جاتا جس میں زیادہ برائیاں ہوتیں تو ان کا فیصلہ سننے کے بعد وہ کہتا کہ کاش میں ان کے پاس نہ آتا، انہوں نے تو میرے ایسے معائب بھی بیان کر دیئے ہیں جن کی لوگوں کو کچھ خبر نہ تھی۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو حضرت عقیلؓ باہمہ عقل و دانش اس کو قبول کرنے سے گریزاں رہے حالانکہ ان کے چھوٹے بھائی حضرت علیؓ نے قریش کے نونہالوں میں سب سے پہلے اس پر لبیک کہا اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد حضرت جعفرؓ بھی بادۂ توحید سے سرشار ہو گئے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت عقیلؓ کا دل بھی اسلام کی طرف مائل ہو گیا تھا مگر کفار کی طعنہ زنی کا خوف علانیہ قبولِ حق میں مانع تھا۔ اس طرح طویل عرصہ گزر گیا یہاں تک کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے۔

Marfat.com

رمضان ۲ ہجری میں مشرکین قریش معرکۂ بدر کے لیے روانہ ہوئے۔ تو حضرت عقیلؓ بھی بادلِ نخواستہ لشکرِ قریش میں شامل ہو گئے۔ اُن کے بڑے بھائی طالب بن ابی طالب بھی ساتھ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ دونوں بھائیوں کو مشرکین نے مجبور کر کے اپنے لشکر میں شامل کیا تھا...... مولانا ابوالقاسم دلاوریؒ نے ''سیرۃِ کبریٰ'' میں لکھا ہے کہ اثنائے راہ میں طالب کی کسی شخص سے گفتگو چھڑ گئی۔ دورانِ گفتگو میں اس شخص نے طالب سے کہا، واللہ ہم خوب جانتے ہیں کہ تم بنو ہاشم گو ہمارے ساتھ آ گئے ہو مگر دل سے تم محمد (ﷺ) کے حامی ہو۔ یہ سن کر طالب کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ مکہ کو پلٹ گئے۔

ابنِ جریر طبری کا بیان ہے کہ طالب نے **الجحفہ** کے مقام سے مراجعت کی (یہ جگہ مکہ سے ۱۷۳ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے) اس کے بعد ان کا کوئی نام ونشان نہ ملا کہ کدھر گئے۔ نہ تو وہ مکہ معظمہ پہنچے نہ بدر کے قیدیوں میں شامل تھے اور نہ غزوۂ بدر کے مقتولین میں ان کی لاش ملی۔ البتہ حضرت عقیل ؓ لشکرِ قریش کے ساتھ رہے۔ لڑائی میں کفار کو شکست ہوئی تو حضرت عقیلؓ حضرت عبیدؓ بن اوس انصاری کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔

لڑائی کے دوسرے دن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ جا کر دیکھو کہ میرے گھرانے کے کون کون سے آدمی گرفتار ہوئے ہیں۔ انہوں نے جا کر قیدیوں کا جائزہ لیا اور واپس آ کر بتایا کہ عباسؓ، نوفلؓ بن حارث اور عقیلؓ تین ہاشمی گرفتار ہوئے ہیں۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس ان سے ملنے تشریف لے گئے اور کچھ دیر ان کے ساتھ مصروفِ گفتگو رہے۔ علامہ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقیلؓ کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا: ''ابوجہل قتل ہو گیا۔''

عقیلؓ بولے: ''اب تہامہ میں مسلمانوں کی مزاحمت کرنے والا کوئی نہیں رہا۔''

اس کے بعد جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیرانِ بدر کو فدیہ کے عوض رہا کرنے کا فیصلہ کیا تو حضرت عباسؓ نے (جو خود بھی اسیروں میں تھے) اپنا اور حضرت عقیلؓ (بھتیجے) دونوں کا فدیہ اپنے پاس سے ادا کر دیا۔ یوں وہ رہا ہو کر مکہ واپس آ گئے۔

حضرت عقیلؓ مکہ واپس جا کر مسلمانوں کے خلاف پھر کسی لڑائی میں شریک نہیں ہوئے۔ انہوں نے صلح حدیبیہ (ذیعقدہ ۶ ھ) اور غزوۂ موتہ کے درمیان کسی وقت اسلام

Marfat.com

قبول کیا اور ۸ھ میں مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ جمادی الاولیٰ ۸ھ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کی سرکردگی میں، حضرت حارثؓ بن عمیر ازدی کی شہادت کا بدلہ لینے کے لیے شام کی طرف لشکر روانہ فرمایا تو حضرت عقیلؓ اس میں شامل ہو گئے۔ موتہ کے مقام پر اس لشکر کی کثیر التعداد دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی۔ مسلمان بڑی ثابت قدمی سے لڑے، مگر تین ہزار مسلمانوں کے مقابلے میں دشمن کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھی، اس لیے وہ پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ لڑائی کے دوران حضرت زیدؓ بن حارثہ شہید ہو گئے۔ ان کے بعد حضرت جعفرؓ بن ابی طالب (حضرت عقیلؓ کے چھوٹے بھائی) امیر لشکر بنے، وہ بھی شہید ہو گئے تو حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری نے عَلمِ امارت سنبھالا (یہ سب کچھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق ہوا) وہ بھی جامِ شہادت پی کر خلدِ بریں کو سدھارے تو مسلمانوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اپنا قائد بنایا۔ انہوں نے اپنی بے مثال شجاعت اور خداداد عسکری صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اس شان سے جنگ کی کہ رومیوں کا منہ پھیر دیا اور اپنے لشکر کو (سوائے چند شہداء کے) صحیح وسالم واپس لے کر آئے۔ اس لڑائی میں ان کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں اور ان کو بارگاہِ رسالت سے ''سیف اللہ'' کا مہتم بالشان لقب مرحمت ہوا۔

حضرت عقیلؓ غزوۂ موتہ میں بڑی بہادری سے لڑے۔ وہاں سے واپس آئے تو بیمار ہو گئے اور ایک مدت تک صاحبِ فراش رہے، یہی وجہ ہے کہ غزوۂ موتہ کے بعد کسی غزوے میں شریک نہ ہو سکے۔ جمہور اربابِ سِیَر کا یہی خیال ہے مگر حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے ''الاصابہ'' میں لکھا ہے کہ حضرت عقیلؓ غزوۂ حنین میں شریک تھے۔ جب لڑائی کے آغاز میں مسلمانوں میں انتشار پھیلا تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو سرفروش میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہے حضرت عقیل رضی اللہ عنہ بھی ان میں شامل تھے۔ واللہ اعلم بالصواب

اربابِ سِیَر کا بیان ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عقیلؓ سے بہت محبت تھی۔ آپ ﷺ ان سے فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو تمہارے ساتھ دوہری محبت ہے، ایک تو قرابت کی وجہ سے اور دوسرے اس بناء پر کہ میرے چچا ابو طالب تم کو محبوب رکھتے تھے۔

(تہذیب الکمال، اُسد الغابہ)

Marfat.com

علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی پیداوار سے حضرت عقیلؓ کے لیے ایک سو چالیس وسق سالانہ مقرر فرمایا تھا۔ (أسد الغابہ)

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عقیلؓ قبولِ اسلام سے پہلے بھی کبھی کبھار مدینہ منورہ کا چکر لگا جاتے تھے۔ اس سفر سے ان کا مقصد غالبًا اپنے چھوٹے بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دُوسرے اعزّہ واقارب سے ملاقات کرنا ہوتا تھا۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تقریبًا پچیس برس تک حضرت عقیلؓ کی سرگرمیوں اور مشاغل کے بارے میں بہت کم معلومات ملتی ہیں۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب وظائف کی فہرست مرتب کرائی تو اس کام میں مدد دینے کیلئے حضرت عقیل ﷺ کو بھی طلب کیا تھا۔

بعض اربابِ سیر نے لکھا ہے کہ کبھی کبھی مسجد نبوی میں ان کے لیے ایک بوریا بچھا دیا جاتا تھا جس پر آ کر وہ بیٹھتے تھے۔ (بروایتِ دیگر ان کے پاس ایک بوریا تھا جس پر نماز کے بعد بیٹھ جاتے تھے) چونکہ علم الانساب کے بڑے ماہر تھے اور ایامِ عرب کے واقعات سے بھی غیر معمولی واقفیت رکھتے تھے اس لیے لوگ ان کے پاس انساب کے بارے میں معلومات حاصل کرنے یا ایامِ عرب کی داستانیں سننے کے لیے جمع ہو جاتے تھے۔ (مُسند احمد بن حنبل ج۔۱)

ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ قریش کے معائب بڑی بے باکی سے بیان کیا کرتے تھے، اس بناء پر بہت سے لوگ ان کے مخالف ہو گئے تھے اور ان کے بارے میں غلط باتیں کہتے تھے۔

''دائرہ معارفِ اسلامیہ'' (اردو) میں ہے کہ ''حضرت عقیل خوشحال آدمی تھے اور خاصا خدم وحشم رکھتے تھے۔'' غالبًا ان کی خوشحالی کا زمانہ امیر معاویہ ﷺ کے پاس جانے کے بعد شروع ہوا (جیسا کہ آگے ذکر آتا ہے) غزوۂ بدر (۲ھ) کے موقع پر تو ان میں اتنی استطاعت بھی نہ تھی کہ اپنا فدیہ ادا کر سکتے چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فدیہ دے کر ان کو آزاد کرایا۔''

ایک روایت میں ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ سے ہجرت کے بعد

حضرت عقیل رضی اللہ عنہ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا مکان بیچ ڈالا تھا تا کہ اپنے اخراجات پورے کر سکیں۔ ان کی زندگی پُر آسائش ہو یا غریبانہ بہر صورت جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا تو وہ چالیس ہزار درہم کے مقروض تھے۔ اس قرض کی ادائیگی کی فکر میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کوفہ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بہت تعظیم و تکریم کی اور اپنے پاس ٹھہرایا۔ پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ چچا کو کپڑے پہناؤ۔ انہوں نے اپنے کپڑے ان کو پہنا دیئے۔ شام ہوئی اور دستر خوان بچھا تو اس پر صرف روٹی، نمک اور ترکاری تھی۔ حضرت عقیل رضی اللہ عنہ نے کہا، بس یہی سامان ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جی ہاں! حضرت عقیل رضی اللہ عنہ نے کہا، میرا یہاں آنے کا مقصد یہ ہے کہ تم میرا قرض ادا کر دو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا، کتنا قرض ہے؟

انہوں نے کہا، چالیس ہزار درہم۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اتنی رقم میرے پاس کہاں؟ ہاں اگر آپ کچھ عرصہ صبر کریں تو مجھ کو جو چار ہزار وظیفہ ملتا ہے وہ مل جائے تو آپ کو دے دوں گا۔

حضرت عقیل رضی اللہ عنہ نے کہا، بیت المال کے تم مالک ہو، اس میں سے دے دو، وظیفہ کے انتظار میں مجھے نہ رکھو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا بھائی مسلمانوں کا مال آپ کو دے کر جہنم میں جائے۔

اب حضرت عقیلؓ نے کہا، تو کیا میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلا جاؤں؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جو آپ کا جی چاہے کریں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے مایوس ہو کر حضرت عقیل رضی اللہ عنہ دمشق پہنچے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ انہوں نے بڑی آؤ بھگت کی۔ اثنائے گفتگو میں انہوں نے پوچھا: اے ابویزید! تم نے علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو کیسے پایا؟

انہوں نے جواب دیا...... ''وہ لوگ حقیقی معنوں میں صحابۂ رسول ہیں۔ بس صرف اسی قدر کمی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان تشریف فرما نہیں اور تم

اور تمہارے اصحاب ٹھیک ابوسفیان ؓ اور ان کے اصحاب کی طرح ہیں صرف اتنی کمی ہے کہ تمہارے درمیان ابوسفیان ؓ موجود نہیں ہیں۔"

دوسرے دن حضرت عقیل ؓ امیر معاویہ ؓ کے دربار میں گئے تو انہوں نے ان کو اہلاً وسہلاً و مرحبا کہا اور اپنی مسند کے پہلو میں کرسی پر بٹھایا۔ کچھ دیر دونوں کے درمیان گفتگو ہوتی رہی۔ اس کے بعد امیر معاویہ ؓ نے ان کو پچاس ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔ وہ یہ درہم لے کر خوش خوش دربار سے لوٹے۔

سیدنا حضرت علی ؓ اور حضرت امیر معاویہ ؓ کے درمیان اختلافات نے شدت پکڑی تو امیر معاویہ ؓ حضرت عقیل ؓ کی مثال دے کر لوگوں سے کہتے کہ دیکھو اگر میں حق پر نہ ہوتا تو عقیل ؓ اپنے بھائی کو چھوڑ کر میرے پاس کیوں آ جاتے۔ ایک دن حضرت عقیل ؓ کی موجودگی میں وہ یہی دلیل دے کر لوگوں کو اپنی حمایت پر آمادہ کر رہے تھے تو حضرت عقیل ؓ ضبط نہ کر سکے اور حضرت معاویہ ؓ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے:

"میرا بھائی دین کے معاملے میں میرے لیے بہتر ہے اور تم دنیا کے معاملے میں میرے لیے بہتر ہو۔ بلاشبہ دنیا تو میری بہتر ہو گئی، رہا آخرت کا معاملہ تو اللہ کے احسان اور اپنے حسنِ خاتمہ کی دعا کرتا ہوں۔"

ایک دفعہ انہوں نے حضرت علی ؓ کو ایک خط لکھا جس میں انہوں نے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح سے اپنی ملاقات کا اور ضحاک بن قیس فہری کی حیرہ پر یلغار کا ذکر کیا، ساتھ ہی اپنے بیٹوں وغیرہ کے ساتھ ان کے پاس آنے کی پیش کش کی۔ اس خط کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ خط لکھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے بندے، مسلمانوں کے امیر علی (ؓ) کی طرف سے عقیل بن ابی طالب کے نام

آپ پر اللہ کی سلامتی ہو، میں آپ کے سامنے اللہ کی حمد و ثنا کرتا ہوں جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ اَمّا بعد! اللہ ہمیں اور آپ کو اسی طرح اپنی حفاظت میں رکھے جس طرح وہ اپنے بغیر دیکھے ڈرنے والے کی حفاظت کرتا ہے۔ بے شک وہ حمد کے لائق اور بزرگ و برتر ہے۔

Marfat.com

عبدالرحمٰن بن عبید ازدی آپ کا خط لے کر میرے پاس آئے جس میں آپ نے لکھا کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح سے آپ کی ملاقات ہوگئی جبکہ وہ طلقاء (فتح مکہ کے بعد معاف کیے جانے والے لوگوں) کی اولاد میں سے چالیس نوجوانوں کے ساتھ قدید سے مغرب کی طرف جا رہا تھا، آپ جس طرح ابنِ ابی سرح کے بارے میں لکھ رہے ہیں وہ تو بہت پہلے اللہ، اس کے رسولؐ اور اس کی کتاب کو دھوکا دے چکا ہے۔ وہ اللہ کے راستے سے بھٹک چکا ہے اور اپنی کج روی کے باعث بغاوت کر چکا ہے لہٰذا آپ ابن ابی سرح اور قریش کا خیال اپنے دل سے نکال دیں اور ان کو ان کی گمراہی میں سرگرداں، بغاوت میں مصروف اور چٹیل میدان میں سر مارتا ہوا چھوڑ دیں کیونکہ قریش نے آج آپ کے بھائی سے اسی طرح لڑنے پر اتفاق کرلیا ہے جیسے ماضی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ پر کیا تھا۔ یوں وہ ایسے ہوگئے جیسے اس کے حق سے واقف ہی نہیں، اس کی فضیلت کے منکر ہوگئے اس سے بسبیلِ دشمنی فریب کرنے لگے، اس کے خلاف لڑائی چھیڑ دی، اس کے مقابلے میں مختلف قبیلوں کے لشکر لا کر کھڑے کردیئے اور اللہ کے نور کو بجھانے کی کوشش کرنے لگے۔ الٰہی تو میری طرف سے قریش سے بدلہ لے۔ انہوں نے مجھ سے قطع رحمی کی میرے خلاف ایک دوسرے کے معاون ہو گئے۔ مجھے میرے حق سے محروم کردیا اور میرے بھائی کی حکومت مجھ سے چھین کر ایک ایسے شخص (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) کے سپرد کردی جو نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتے کے لحاظ سے میری مثل تھا نہ سبقتِ اسلام میں اِلاَّ یہ کہ مدعی وہ دعویٰ کر بیٹھے جس کی نہ مجھے خبر ہے اور نہ یہ اللہ کے نزدیک معتبر ہے۔ اللہ ہر حال میں حمد کے لائق ہے۔

آپ نے اہلِ حیرہ پر ضحاک بن قیس کی غارت گری کا جو ذکر کیا ہے تو خود

Marfat.com

غارتگری کرنا تو کجا وہ اس کے قریب تک نہیں جا سکتا۔ ہاں سواروں کے ایک دستے کے ساتھ آیا تھا اور ساوہ پر قبضہ کر لیا تھا پھر واقصہ، شراف، قطقطانہ اور اس کے نواحی مقامات پر سے بھی گزرا۔ میں نے مسلمانوں کا ایک بڑا جیش اس کے تعاقب میں بھیجا اس جیش نے بڑی تیزی سے چل کر اس کو جالیا۔ اس نے ایک ساعت کے مقابلے کے بعد راہِ فرار اختیار کی۔

آپ نے موجودہ حالات میں میری رائے دریافت کی ہے میری رائے مخالفین سے اس وقت تک جنگ جاری رکھنے کی ہے جب تک میں اللہ سے ملوں نہ میرے اردگرد لوگوں کی کثرت میری عزت بڑھا سکتی ہے اور نہ ان کا مجھ سے جدا ہونا مجھے وحشت زدہ کر سکتا ہے کیونکہ میں حق پر ہوں اور اللہ اہلِ حق کے ساتھ ہوتا ہے۔ واللہ میں حق پر مرجانے میں حق پر مرجانے میں بالکل کراہت محسوس نہیں کرتا اور موت کے بعد خیر کامل صرف اہل حق ہی کے لیے ہے۔

آپ نے اپنے بیٹوں وغیرہ کے ساتھ میرے پاس آنے کی جو پیشکش کی ہے، اس کی مجھے قطعاً ضرورت نہیں۔ آپ اپنی جگہ راشد و محمود بنے بیٹھے رہیں۔ خدا کی قسم مجھے یہ پسند نہیں کہ میں ہلاک ہوں تو آپ بھی میرے ساتھ ہلاک ہو جائیں۔ آپ اپنے بھائی کو خواہ اس کو ساری دنیا اور تمام لوگ چھوڑ جائیں، گڑگڑانے والا، کمزوری کی بناء پر ظلم و ستم سہنے والا، کسی قاعد کے لئے نرم لگام والا اور کسی سوار کے لیے پیٹھ جھکا دینے والا ہرگز نہ سمجھیں، وہ تو قبیلہ بنی سُلیم کے شاعر کے بقول ایسا ہے:

فَاِنْ تَسْأَلِيْنِيْ كَيْفَ اَنْتَ فَاِنَّنِيْ
صَبُوْرٌ عَلٰى رَيْبِ الزَّمَانِ صَلِيْبُ
يَعِزُّ عَلَيَّ اَنْ تُرَى بِيْ كَآبَةٌ
فَيَشْمَتُ عَادٍ اَوْ يُسَآءُ حَبِيْبُ

Marfat.com

"جو پوچھتی ہے کہ تو کیسا ہے تو (سن مجھ سے) میں حوادث کا سہنے والا ہوں، بہادر ہوں یہ امر مجھ پر گراں ہے کہ مجھ کو زبوں حال دیکھا جائے کہ جس سے دشمن خوش ہوں اور دوست غمگین۔"

والسلام

شرح ابن ابی الحدید۔ الامامۃ والسیاسۃ

شام میں چند سال قیام کے بعد حضرت عقیلؓ مدینہ واپس آ گئے تھے۔ ایک روایت کے مطابق وہ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ بہ اختلافِ روایت انہوں نے ۵۰ ہجری یا ۶۰ ہجری میں وفات پائی اور مدینہ منورہ میں دفن ہوئے۔

حضرت عقیلؓ نے اپنی زندگی میں متعدد شادیاں کیں جن سے کثیر اولاد ہوئی۔ اہلِ سیر نے سولہ بیٹوں اور سات بیٹیوں کے نام صراحت سے لیے ہیں مگر ان کی اولاد کی اصل تعداد اس سے زیادہ تھی۔

یزید کے ساتھ جھگڑے میں حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کے متعدد صاحبزادوں نے اپنے ابنِ عم سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دل و جان سے حمایت کی۔ ان میں سے ایک، مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو عبیداللہ بن زیاد نے کوفہ میں شہید کرا دیا۔ چھ یا نو صاحبزادوں نے میدانِ کربلا میں یزیدی لشکر سے لڑتے ہوئے شہادت پائی۔

علم الانساب اور ایامِ عرب کے تو حضرت عقیل رضی اللہ عنہ بہت بڑے عالم تھے مگر حدیث میں ان کو وہ درجہ حاصل نہ ہو سکا جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابنِ عم اور محبوب صحابی ہونے کی حیثیت سے ہونا چاہئے تھا۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ہجرت کے بعد وہ پھر مکہ لوٹ گئے تھے اور عرصہ تک وہیں مقیم رہے، اس لئے ان کو فیضانِ نبوی سے بہرہ یاب ہونے کا موقع بہت کم ملا۔ ان سے صرف تین چار احادیث مروی ہیں۔ رواۃ میں محمدؒ (فرزند)، حسن بصریؒ اور عطاءؒ شامل ہیں۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عقیل سنتِ نبوی کی پابندی کا خاص خیال رکھتے تھے۔ ایک دفعہ نئی شادی کی۔ صبح کو احباب مبارک باد دینے آئے اور عرب کے پرانے طریقے کے مطابق بطور تہنیت یہ الفاظ کہے:

Marfat.com

''اللہ تمہیں بہت سے بیٹے بیٹیاں عنایت فرمائے۔''

اگرچہ ان الفاظ میں کوئی قابل اعتراض بات نہ تھی مگر یہ مسنون طریقے کے مطابق نہیں تھے، اس لیے حضرت عقیل رضی اللہ عنہ نے مبارکباد دینے والوں سے فرمایا یہ نہ کہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس قسم کے الفاظ میں مبارکباد دینے سے) منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ کہو اللہ تمہارے لیے برکت دے اور تم پر برکت نازل کرے اور تمہارے لیے اس بی بی میں برکت دے۔''

(چالیس جاں نثار، طالب الہاشمی)

نوٹ:۔ جناب ابوطالب کے فرزندوں میں سے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دوہرا رشتہ ہے، آپ حضور ﷺ کے چچازاد بھائی بھی ہیں اور داماد بھی، اس لئے آپ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ حضور ﷺ کے دامادوں میں کیا جائے گا۔ ان شاءاللہ!

Marfat.com

ابولہب بن عبدالمطلب

اور اس کا خاندان

جس وقت اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو اپنا پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا اس وقت آپ ﷺ کے چار چچا بقید حیات تھے، ان کے نام حمزہ، عباس، ابوطالب اور ابولہب ہیں، ان میں سے دو نے آپ ﷺ کی پیروی کی اور دو نے آپ ﷺ کا انکار کیا۔

آپ ﷺ کے ان چار چچاؤں کے اوصاف کے متعلق حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے: جس وقت میری بعثت ہوئی اس وقت میرے چار چچا بقید حیات تھے۔

ایک عباس...... ان کی کنیت ابوالفضل تھی، اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کا فضل قیامت تک باقی رکھے۔

ایک حمزہ...... ان کی کنیت ابویعلیٰ تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کی قدر و منزلت کو دنیا و آخرت میں بہت بلند فرمایا۔

ایک عبدالعزیٰ...... ان کی کنیت ابولہب تھی، ان کو اللہ تعالیٰ نے آگ میں داخل کیا اور اسے اس پر خوب بھڑکایا۔

ایک عبدمناف...... ان کی کنیت ابوطالب تھی، ان کے لئے اور ان کی اولاد کے لئے فضل و رفعت تا قیامت باقی رہے۔ (مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر ۲۳/۲۹)

اس وقت ہم ابولہب کے متعلق لکھیں گے، جس کا نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب قریشی اور ہاشمی تھا۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہوا کہ آپ ﷺ کے یہ چچا بد بخت اور محروموں سے ہوں، اللہ تعالیٰ بڑی حکمتوں والے ہیں، یہ بڑے مالدار اور جاہ و منصب والا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قیامت کے دن مال و اولاد نفع نہیں پہنچائیں گے، البتہ وہ شخص جو قلب سلیم (یعنی اس کے دل میں ایمان ہو) کے ساتھ آیا ہو۔ (شعراء آیت ۸۸و۸۹)

پرورش اور اعلیٰ مقام

ابولہب کی پرورش مکہ میں ہوئی، مکہ کی سرزمین اس کی شناسا ہے، جب آنکھیں کھلیں تو اپنے والد، بھائیوں اور اپنی برادری کو اعلیٰ مقام پر پایا، اپنے والد کے ساتھ دور دراز کے علاقوں سے آنے والے حجاج کا استقبال کرتا تھا۔

ام القریٰ (مکہ) ایک ممتاز تجارتی مرکز تھا، یہاں کے رہنے والے تجارتی رموز سے واقف تھے، ان کا اہم ترین ذریعہ آمدنی تجارت تھی، اور اسی کمائی سے سخاوت و دریا دلی کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔

عبد مناف کی اولاد نے تجارتی علاقوں کو اپنے درمیان حسب ذیل طریقہ سے تقسیم کر دی تھی:

☆...... شام اور اس کے اطراف کے علاقوں کی طرف تجارت کے لئے ہاشم جائے گا۔

☆...... حبشہ کی طرف تجارت کے لئے عبد شمس۔

☆...... یمن کی طرف تجارت کے لئے مطلب۔

☆...... ملک فارس کی طرف تجارت کے لئے نوفل۔

☆...... ان کے بعد ان کی اولاد میں بھی یہ پیشہ جاری رہا۔

بعض اشراف مکہ بھی تجارت کیا کرتے تھے، جیسا کہ ابوطالب، ابولہب، اور عباس (حضور ﷺ کے چچا) نیز حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ، طلحہ بن عبید اللہؓ، حضرت خدیجہ بن خویلدؓ (ام المؤمنین) وغیرہ تجارت پیشہ تھے۔

ابولہب کو تجارت سے بہت زیادہ آمدنی ہوتی تھی اور اس کا شمار اس وقت کے چند گنے چنے تاجروں میں ہوتا تھا جن کی تجوریاں سونے چاندی سے بھری ہوئی تھیں، نوکر چاکر کی کثرت تھی، مزید برآں قریش کے سرداروں میں سے تھا، لوگ ان کی باتیں سنتے تھے اور

Marfat.com

ان پر عمل کرتے تھے۔

اخلاق وصفات

تاریخ کے صفحات ابولہب کی صفات سے بھرے پڑے ہیں بعض ذرائع سے ہمیں ابولہب کے خدوخال اور اخلاق وعادات کا بھی پتہ چلتا ہے۔

اس کی جسمانی بناوٹ کے متعلق متواتر روایات میں آیا ہے کہ وہ طویل القامت تھا، کشادہ سینہ، گھنے بال، خوبصورت چہرہ، بھاری جسم، آنکھوں میں معمولی بھینگا پن، چہرہ نہایت روشن چمکدار ہونے کی وجہ سے لوگ اسے ابولہب کہتے تھے، جس طرح آگ دھکتی ہے اسی طرح اس کے دونوں رخسار دکھتے تھے۔

آواز بلند، تیز طبیعت، جلدی غصہ آتا تھا، معمولی بات پر بھڑک اٹھتا تھا، اس میں کوٹ کوٹ کر حسد بھرا ہوا تھا، یہی وجہ ہے کہ دنیا وآخرت میں خاسر وخائب ہوا، شیاطین کا ولی، ابلیس کے ہاتھ مغلوب، حق کی مخالفت میں کمر کس چکا تھا، اپنے بھتیجے محمد ﷺ کو نبوت سے سرفراز ہونے سے پہلے بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ (یعنی آنحضرت ﷺ کو بچپن سے اور نزول وحی سے پہلے بھی ناپسند کرتے تھا)۔

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنی کتاب (فتح الباری) میں اس کی حضور ﷺ کے بارے میں کراہت کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک دفعہ ابولہب اور ابوطالب کے درمیان لڑائی ہوگئی، ابولہب ابوطالب کے سینہ پر بیٹھ گیا اچانک نبی ﷺ تشریف لائے، آپ ﷺ نے ابولہب کو دونوں طرف سے پکڑ کر زمین پر زور سے مارا، ابولہب نے کہا: ہم دونوں تمہارے چچا ہیں پھر تم نے میرے ساتھ یہ کیوں کیا؟ خدا کی قسم میرا دل کبھی تجھ سے محبت نہیں کرے گا۔

(فتح الباری ۸/۶۹)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابولہب کے دل میں حضور ﷺ کے خلاف عداوت کراہیت اور حسد تھا، خصوصاً جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہدایت ورشد کا داعی ومبلغ بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ کو خاتم النبیین والمرسلین بنا کر بھیجا۔

Marfat.com

نور کا ظہور

حق آیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے محمد ﷺ پر وحی کا نزول شروع ہوا، جس کی وجہ سے وہ عظیم ذمہ داری آپ ﷺ کے کندھے پر ڈالی گئی جو کسی انسان کے لئے دنیا کی عظیم ترین ذمہ داری ہے، پھر آپ ﷺ سے کہا گیا کہ اس کی تبلیغ کریں، اور لوگوں کو اللہ کے راستہ کی طرف دعوت دیں، اور ان سے کہیں کہ وہ بت پرستی چھوڑ دیں۔

حضور ﷺ جانتے تھے کہ قریش باطل کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑ کر خود ساختہ خداؤں کی عبادت کر رہے ہیں، اب مسئلہ یہ تھا کہ کیا قریش کو اس بات پر قناعت حاصل ہو جائے گی کہ جن خداؤں کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ اپنی ذات کے لئے بھی کسی نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں، اور نہ وہ زندگی وموت و نشور کے مالک ہیں۔

حضور ﷺ نے لوگوں سے اسلام کے متعلق بات کرنا شروع کر دیں، اور یہ طبعی بات ہے کہ انسان اپنے عزیزوں، رشتہ داروں اور دوستوں کو سب سے پہلے حق کی بات پہنچانے کی کوشش کرتا ہے چنانچہ آپ ﷺ کی اہلیہ حضرت خدیجہؓ سب سے پہلے مسلمان ہوئی، ایمان کی بدولت اعلیٰ علیین کے مراتب تک پہنچیں جہاں ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے وہ سب نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو اپنے نیک سچے بندوں کو عنایت فرمائے گا، پھر حضرت علی بن ابی طالبؓ، حضرت زید بن حارثہؓ، اور حضرت صدیق اکبرؓ ایمان لائے، اور پھر حضرت عثمان بن عفانؓ، طلحہ بن عبید اللہؓ، زبیر بن العوامؓ، عبد الرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہم) وغیرہ ایمان لائے۔

نبی کریم ﷺ لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے میں سخت محنت کرتے تھے، آپ ﷺ خانہ کعبہ بہت زیادہ تشریف لے جایا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کی عبادت کی نیت سے اس کا طواف کرتے تھے، جبکہ وہاں قریش کی ایک جماعت خانہ کعبہ کے گرد بے کار قصے کہانیوں میں وقت ضائع کرتی تھی جن میں آپ ﷺ کے چچا ابولہب بھی ہوتے تھے۔

قریش نے آپ ﷺ کی دعوت کے متعلق سن رکھا تھا، شروع شروع میں تو انہوں

Marfat.com

نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا، آپ ﷺ کے متبعین کے متعلق بھی بہت کچھ جان چکے تھے، لیکن انہوں نے ان کو منع کیا، ان کا خیال تھا محمد ﷺ کا تعلق بھی ان لوگوں سے ہیں جنہوں نے خدائیت کے موضوع پر کلام کیا ہے، آپ ﷺ جب طواف کرتے ہوئے ان کے پاس سے گزرتے تو وہ آپ ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے: (یہ خاندان عبدالمطلب کا لڑکا آسمانی باتیں کرتا ہے) اس وقت تک انہوں نے نہ آپ ﷺ کو ٹوکا اور نہ آپ ﷺ کو کوئی بڑی اذیت پہنچائی۔

اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا

امام بوصیریؒ حضور ﷺ کے زمانہ بعثت کے لوگوں کے احوال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

پھر اللہ کے رسول نے لوگوں کو دین کی طرف بلانا شروع کیا جبکہ لوگ کفر و انکار میں مبتلاء تھے، ان لوگوں کے دلوں میں کفر نے اپنا گھر بنایا ہوا تھا اور ضلالت و گمراہی کی بیماری ہر جگہ پھیلی ہوئی تھی۔

ابتداء میں دعوت کو خفیہ طور پر لوگوں تک پہنچایا جاتا تھا، اس طرح تین سال کا عرصہ گزر گیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ آپ ﷺ اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچائیں اور اس سلسلہ میں مشرکین کی باتوں کی طرف دھیان نہ دیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشرکین O (حجر: ۹۴)

"آپ کو جن باتوں کا حکم دیا جا رہا ہے ان کو علی الاعلان بیان کیجئے اور مشرکوں کی پرواہ نہ کیجئے۔"

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ آپ اپنے عزیزوں رشتہ داروں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وانذر عشیرتک الاقربین واخفض جناحک لمن اتبعک من المؤمنین O فان عصوک فقل انی بریء مما تعملون O

(شعراء: ۲۱۴ تا ۲۱۶)

Marfat.com

"آپ اپنے رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئے، جن مؤمنوں نے آپ ﷺ کی اتباع کی ہے ان کے ساتھ نرمی سے پیش آیئے، اور اگر وہ آپ ؐ کی نافرمانی کریں تو بتا دیجئے کہ میں تمہارے عمل سے بری الذمہ ہوں۔"

حضور ﷺ نے اپنے رب کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا، آپ ﷺ نے اپنے اقرباء کو اسلام کی دعوت دینی شروع کر دی، ان میں آپ ﷺ کے چچا عبدالعزی بن عبدالمطلب (ابولہب) بھی تھے، جو قریش کے دین کے بارے میں شدید تعصب رکھتے تھے، ان کو صرف یہ عزیز تھا کہ ان کی قوم کے دین کو مکمل اہتمام و اعزاز حاصل ہو۔

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ابولہب تیز مزاج اور بے عقل آدمی تھا، غصہ کی حالت میں جو کچھ سمجھ میں آتا کر گزرتا تھا، اور جو بات اس کو سب سے زیادہ ناپسند تھی وہ یہ کہ اس کے خیالی خداؤں کے تقدس پر کوئی تنقید کرے، اس کو یہ بات گوارہ نہیں تھی کہ کوئی اس کے آباء واجداد کے مکرمات و مقدسات کی توہین کرے، ایسے مواقع پر وہ زیادہ آپے سے باہر ہو جاتا تھا اور پھر اس بات کی پرواہ نہیں کرتا تھا کہ وہ اپنے اس عمل سے اپنے عزیزوں رشتہ داروں کی دشمنی مول لے رہا ہے اور ان کے ساتھ برا سلوک کر رہا ہے۔

حضور ﷺ ابولہب کی بری طبیعت سے واقف تھے، آپ ﷺ کو اندیشہ تھا کہ کہیں ابولہب اپنی حماقت و جہالت سے آپ ﷺ کی دعوتی مہم کو ناکام نہ بنا دے۔ آپ ﷺ نے کسی ایسے طریقہ کے متعلق غور کرنا شروع کر دیا جس سے آپ ؐ اپنے اقرباء کو دعوت بھی دے سکیں اور اپنے اس چچا کے شر سے بھی محفوظ رہ سکیں جو خود اپنی ذات پر ظلم کر رہا ہے اور جاہل ہے۔ بنی ہاشم میں اس کے دائرہ اثر و رسوخ سے ہٹ کر قریش کے اندر رہ کر بھی دعوت کا کام ہو جن میں مرض کفر سرایت کر چکا تھا اور کفران کے دل میں آباد ہو گیا تھا۔

اعزاء واقرباء کو دین کی دعوت اور ابولہب کی برہمی

جب یہ آیت نازل ہوئی:

وانذر عشيرتک الأقربين ○

"اور آپ ؐ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئے۔"

Marfat.com

تو آپ ﷺ نے سب سے پہلے بنی ہاشم کو دعوت دی، چنانچہ وہ آئے، ان میں آپ ﷺ کے چچا بھی تھے بنی عبدالمطلب کی ایک جماعت بھی ان کے ساتھ آئی، تقریباً سب ملا کر ۴۵ افراد تھے، آپ ﷺ نے ان کو دعوت اسلام دینے کا قصد کیا تو ان میں سے ابولہب نے کہا:

"یہ تمہارے چچا اور عم زاد ہیں، لہٰذا تم جو کچھ کہنا چاہو کہو اور اپنے آباء واجداد کے دین سے بغاوت کو ترک کر دو، جان لو! عرب قبائل میں تمہاری قوم کو زیر کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، تمہیں گرفتار کرنے اور قید کرنے کا حق تمہاری برادری والوں کو ہے، تم اس وقت جس دین پر ہو اگر تم اس پر قائم رہو گے تو قریش کے لئے تم پر حملہ کرنا آسان ہے اور دیگر عرب بھی ان کی مدد کریں گے، میں نے آج تک کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو اپنی برادری کے لئے ایسا شر لے کر آیا ہو جیسا تم لے کر آئے ہو۔" (الکامل۔۲/۶۱)

ابولہب سخت لہجہ میں بات کر رہا تھا، غصہ میں آپے سے باہر ہو رہا تھا، اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں، رگیں پھول گئیں، چہرہ پر غصہ کے آثار نمایاں ہو گئے، اس نے اپنی بات ختم کر دی، لیکن اس کا غصہ ختم نہیں ہوا۔

حضور ﷺ نے اپنے رشتہ داروں کے چہروں کی طرف دیکھا۔ وہ خاموش ابولہب کے غیض وغضب کو دیکھ رہے تھے، آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔ آپ ﷺ نے اس مجلس میں کچھ نہیں کہا۔

دوسری مرتبہ دعوت پر اور زیادہ غصہ

آنحضرت ﷺ اپنے رشتہ داروں کو اسلام کی دعوت دے کر کچھ مدت کے لئے خاموش ہو گئے، آپ ﷺ نے پھر ان کو دوبارہ دعوت دی، ابولہب بھی ان کے ساتھ حاضر ہوا، تمام مدعوئین جب حاضر ہو گئے تو آپ ﷺ نے گفتگو شروع کی، آپؐ نے فرمایا:

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں، اس سے مدد مانگتا ہوں، اس پر ایمان لاتا ہوں، اس پر توکل کرتا ہوں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ

Marfat.com

تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

قوم کا آگے رہنے والا شخص کبھی قوم سے جھوٹ نہیں بولتا، میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، میں اللہ کا پیغمبر ہوں خصوصاً تمہارے لئے، اور عموماً دیگر لوگوں کے لئے، خدا کی قسم تم مر جاؤ گے بالکل جس طرح تم سوتے ہو، اور تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا بالکل جس طرح تم نیند سے اٹھتے ہو، اور تمہارے اعمال کا محاسبہ ہوگا، اس کے بعد تم ہمیشہ کے لئے جنت میں رہو گے یا جہنم میں۔ (الکامل لابن الاثیر ۶۱/۲)

اس کے بعد آنحضرت خاموش ہو گئے، آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کھڑے ہوئے، انہوں نے نہایت عمدہ گفتگو کی، اور لطیب انداز میں عذر کیا، ان کے الفاظ یہ تھے:

(تمہاری مدد کرنا ہمیں کتنا اچھا لگتا ہے، ہم نے تمہاری نصیحتوں کی طرف دھیان دیا، ہم تمہاری باتوں کی مکمل تصدیق کرتے ہیں، تمہیں جس چیز کا حکم ملا ہے اسے کر گزرو، خدا کی قسم ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گا اور تمہاری حفاظت کروں گا، لیکن ایک بات ہے میرا دل عبدالمطلب کے دین کو چھوڑنے پر راضی نہیں ہے)۔

دوسری طرف ابولہب کی حالت غیر ہو رہی تھی، وہ غصہ سے پھول رہا تھا، اس کے اوسان خطا ہو رہے تھے، حماقت و جہالت اس میں واپس آ گئی، وہ بلند آواز سے چیخ پڑا:

(خدا کی قسم یہ تو ذلت و رسوائی ہے، اس کو روکو قبل اس کے کہ دوسرے یہ کام کریں، اگر تم نے اس کو دوسروں کے حوالہ کر دیا تو تم نے گویا اسے رسوا کر دیا، اور اگر تم اس کی حفاظت پر اتر آئے تو تم قتل کر دیئے جاؤ گے)۔

اس پر ابو طالب نے کہا: خدا کی قسم ہم ان کی حفاظت کریں گے جب تک کہ ہم زندہ ہیں۔ (انساب الاشراف ۱۱۹/۱)

ابو طالب ان الفاظ کو بار بار دہرا رہے تھے:

”جب تک میں زندہ ہوں خدا کی قسم وہ اجتماعی شکل میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے۔“

صفیہ اور ابولہب

آنحضرت ﷺ کی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب اس مجلس میں حاضر تھیں، وہاں جو باتیں ہو رہی تھیں وہ انہیں نہایت اہتمام سے سن رہی تھی، اپنے بھائی ابولہب کے غیض و غضب اور چیخ و دھاڑ کو دیکھ رہی تھیں، اولین سابقین کی طرح ایمان نے ان کے دل میں بھی گھر بنالیا تھا، وہ ابولہب کی طرف متوجہ ہوئی اور کہنے لگیں:

اے بھائی! کیا تمہیں اپنے بھتیجے کی ذلت و رسوائی اچھی لگتی ہے؟ خدا کی قسم علم رکھنے والے مسلسل کہہ رہے ہیں کہ عبدالمطلب کی پشت سے ایک نبی پیدا ہوگا وہ نبی یہ ہے۔

اس پر ابولہب نے کہا: خدا کی قسم یہ غلط ہے یہ تو صرف تمنا ہے، تم ایک عورت ہو، عورتوں کی باتوں کا اعتبار صرف بناؤ سنگھار میں ہوتا ہے، اگر تمام قریشی ہمارے خلاف ہو گئے، ساری قوم ہماری مخالف ہوگئی تو ان کے سامنے ہماری حیثیت کیا ہوگی۔

(انساب الأشراف ۱/۱۱۹)

اس مجلس میں ابولہب ڈراتے دھمکاتے ہوئے چلا گیا، وہ لات، منات، عزیٰ اور ھبل کی قسم کھا رہا تھا کہ بتوں کی خاطر وہ اپنی جان و مال اور اولاد کو بھی قربان کر دے گا، اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنے کے لئے ہر حربہ استعمال کرے گا، دوسری طرف ابوطالب نے عزم مصمم کرلیا کہ ہر حالت میں نبی کریم ﷺ کی حفاظت کروں گا۔

جبل صفا پر

آنحضرت کو جب اس پر اطمینان ہوا کہ آپ ﷺ کے چچا ابوطالب آپ کی حمایت وحفاظت کریں گے تو آپ ﷺ ایک دن جبل صفا پر چڑھے اور با آواز بلند فرمایا: اے لوگو! ہلاکت و بربادی تمہارے سامنے ہے، یہ جملہ سنتے ہی تمام قریش آپ ﷺ کے گرد جمع ہو گئے، آپ ﷺ نے ان کو توحید، ایمان، نبوت اور یوم آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔

امام بخاریؒ نے اس قصہ کے ایک حصہ کو اپنی سند کے ساتھ سعید بن جبیر کے واسطہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

جب یہ آیت:

Marfat.com

وأنذر عشيرتک الأقربين.

''آپ اپنے اعزاء واقرباء کو دین کی دعوت دیں۔''

نازل ہوئی تو آپ ﷺ جبل صفا پر چڑھ گئے اور قریش کی شاخ بنی فہر، بنی عدی وغیرہ کا نام لے کر آواز دینا شروع کر دیا، سب لوگ جمع ہو گئے ہر شخص خود مجمع میں حاضر ہونے کی کوشش کر رہا تھا، جس کے پاس کوئی عذر تھا اس نے اپنے نائب کے طور پر کسی کو بھیج دیا، چنانچہ تمام قریش جمع ہو گئے جن میں ابولہب بھی تھا، آپ ﷺ نے بات شروع کی، آپ ﷺ نے فرمایا: (میں ایک بلند جگہ پر کھڑا ہوں یہاں سے) اگر میں تمہیں بتلاؤں کہ دشمن کا لشکر تمہارے اوپر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھ رہا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟

سب نے کہا: جی ہاں، ہم نے کبھی آپ کو جھوٹ بولتے ہوئے نہیں سنا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: پھر سنو، بے شک میں تمہیں ایک شدید عذاب سے ڈرا رہا ہوں جو بالکل سامنے پہنچ گیا ہے۔

اس پر ابولہب نے کہا: تیرے لئے ہمیشہ بربادی ہو، کیا تم نے ہمیں یہ کہنے کے لئے یہاں پر جمع کیا تھا؟

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

تبت يدآ أبي لهب وتب O مآ أغنى مالهٗ وما كسب O

(فتح الباری ۸/۳۶۰)

''ابولہب کے دونوں ہاتھوں برباد ہو جائیں اور خود اس کا بھی ستیاناس ہو جائے، اس کے مال و دولت نے اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔''

آنحضرت ﷺ کی طرف سے یہ اہم اعلان تھا، جس میں آپ ﷺ نے اس بات کو واضح فرمایا کہ اس پیغام پر ایمان ہی دراصل اس رشتہ کا احیاء ہے جو ان کے آپ ﷺ کے درمیان ہے، نیز یہ کہ اس عظیم تنبیہ کے آگے قرابت داری کی عصبیت بے معنی ہو کر رہ گئی ہے۔

نہایت جہالت و تجاہل کے ساتھ ابولہب حضور ﷺ کی عداوت میں بہت آگے نکل گیا اس نے صلہ رحمی اور رشتہ داری کا پاس نہیں کیا، آغاز اسلام سے لے کر اب تک اس کا معاملہ آپ ﷺ کے ساتھ معاندانہ رہا، یہ خیال نہیں کیا کہ یہ اپنے بھائی کا بیٹا ہے، اپنا پڑوسی

Marfat.com

ہے، بلکہ یہ بھی بھول گیا کہ اس نے حضرت ﷺ کی پیدائش کی نودی سنانے پر اپنی باندی ثوبیہ اسلمیہ کو اظہار مسرت کے طور پر آزاد کر دیا تھا، غصہ وتعصب میں اندھا ہو گیا، کسی چیز کا خیال نہیں کیا۔ حضور ﷺ کا کٹر دشمن بن گیا، یہی حال اس کی بیوی ام جمیل (یا ام قبیح) کا بھی تھا، وہ بھی آپ ﷺ کی بڑی دشمن تھی، دشمنی میں آکر ایسی احمقانہ حرکتیں کرتی تھی کہ جس سے اس بات کا اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کتنی کمینی خاتون تھی۔

آنحضرت ﷺ اپنے چچا ابولہب کے قریب ان کے پڑوس میں رہتے تھے، آپ کے اور اس کے درمیان رشتہ مصاہرت بھی قائم تھا، آپ ﷺ کی دو صاحبزادیاں رقیہ اور کلثوم ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے نکاح میں تھیں، یہ دونوں اچھے شوہر ثابت نہیں ہوئے۔ ابولہب نے ان کو حکم دیا کہ آپ ﷺ کی دونوں بیٹیوں کو طلاق دے دو، انہوں نے طلاق دے دی اس کا مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ کو خاندانی مشکلات میں الجھا کر تبلیغی امور سے روکا جائے۔ ان سب حرکتوں کے باوجود ابولہب کی عداوت میں کمی نہیں آئی، بلکہ اس میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

پڑوس میں نبی کریم ﷺ کو ایذاءرسانی

ابولہب نے اپنی عداوت میں صرف باتوں پر کفایت نہیں کی، بلکہ اس نے پڑوسی کے حق کا بھی خیال نہیں کیا۔

علامہ بلاذریؒ نے پڑوس کی ایذاء رسانی کے طریقوں اور اندھی عداوت کو اپنے الفاظ میں اس طرح بیان فرمایا ہے: ابولہب نجاست وغلاظت اٹھا کر نبی کریم ﷺ کے دروازے پر رکھ دیتا تھا، ایک دفعہ ابولہب کچھ غلاظت آپ ﷺ کے دروازہ پر رکھ چکا تھا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب نے دیکھ لیا، انہوں نے ان نجاستوں کو اٹھا کر ابولہب کے سر پر رکھ دیا، ابولہب اپنے سر کو صاف کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا: یہ احمق صابی ہے (یعنی اپنے آباء و اجداد کے دین کا باغی) اس کے بعد اس کی ان حرکتوں میں کمی آئی، لیکن وہ دوسروں کو اس کی تلقین کرتا تھا۔ (أنساب الأشراف ۱/۱۳۱)

انتہائی درجہ کی عداوت

یہ بھی ایک ناقابل فہم بات ہے کہ ابولہب حضور ﷺ کا چچا تھا، اس کے باوجود وہ

Marfat.com

آپ ﷺ کا کڑوا دشمن تھا، صلہ رحمی کا کم از کم تقاضا یہ تھا کہ اگر اس کو اچھا نہیں لگ رہا تھا تو خاموش ہو جاتا، نہ گالیاں دیتا اور نہ ہی دشمن بن جاتا۔

ابولہب کی شدت عداوت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ وہ آنحضرت ﷺ کا ہر جگہ پیچھا کرتا تھا، بازاروں، محفلوں اور موسم حج میں لوگوں سے کہتا تھا: ''یہ جھوٹا ہے'' اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بہتان باندھتا تھا۔

حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس ؓ نے روایت کی ہے، فرماتے ہیں میں نے ربیعہ بن عباد الدیلی (ان کا تعلق بنی دیل سے ہے زمانہ جاہلیت کے لوگوں میں سے ہیں بعد میں مسلمان ہوگئے) سے سنا وہ میرے والد کو بیان کر رہے تھے:

میں ایک جوان لڑکا تھا اپنے والد کے ساتھ منیٰ میں تھا، آپ ﷺ مختلف قبائل کے سامنے کھڑے ہو جاتے تھے، اور کہتے تھے: اے بنی فلاں! میں تمہارے لئے اللہ کا رسول ہوں، اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرانے سے روکتا ہوں، اللہ تعالیٰ کے سوا جن چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو ان کو چھوڑ دو، تم ایمان لے آؤ، میری تصدیق وحفاظت کرو، تاکہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچا دوں۔

راوی کہتا ہے: ان کے پیچھے روشن چہرہ والا ایک بھینگا آدمی تھا، اس کے بالوں کے دو جوڑے تھے، اس نے عدنی کپڑوں کا جوڑا پہن رکھا تھا، جب آنحضرت ﷺ اپنے بیان سے فارغ ہو جاتے تو یہ شخص کہتا:

اے بنی فلاں! یہ تم سے کہتا ہے کہ تم لات وعزیٰ (بتوں کے نام) کو چھوڑ دو، اور تمہارے حلیف بنی مالک بن اُقیس کو چھوڑ دو، اور اس کی بدعت و گمراہی پر ایمان لے آؤ، لہٰذا نہ تم اس کی بات سنو اور نہ اس کی اطاعت کرو۔

ربیعہ بن عباد کہتے ہیں: میں نے اپنے والد سے کہا: یہ کون ہے؟
انہوں نے بتایا کہ یہ ان کا چچا عبدالعزیٰ (ابولہب) ہے۔

(تاریخ اسلام للذھبی ص ۲/۱۱۵)

ابولہب نے آپ ﷺ کو جھٹلانے کے سلسلہ میں مذکورہ حرکتوں پر اکتفا نہیں کیا، وہ اس سے زیادہ کرنے کے لئے بے چین تھا، آنحضرت ﷺ جب اسلام کی دعوت دینے

Marfat.com

کے لئے مختلف قبائل کے پاس جاتے تو یہ بھی آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے جاتا تھا، لوگوں کو دین سے روکتا تھا، بعض اوقات اس کے حسد و کینہ کا یہ عالم تھا کہ وہ آپ ﷺ کو پتھر مارتا تھا جس سے آپ ﷺ کے دونوں قدم مبارک لہولہان ہو جاتے تھے۔

یہاں مناسب یہ ہے کہ اس طرح کے واقعات کو جنہیں لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، براہِ راست ان کی زبانی نقل کی جائے۔ طارق بن عبیداللہ المحاربی کہتے ہیں:

میں نے آنحضرت ﷺ کو دو مرتبہ دیکھا۔ ایک دفعہ ذی المجاز کے بازار میں، میں اس وقت کوئی چیز فروخت کر رہا تھا۔ آپ ﷺ میرے سامنے سے گزرے، آپ ﷺ نے ایک سرخ جوڑا زیب تن کر رکھا تھا، اس وقت میں نے آپ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا: اے لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو، کامیاب ہو جاؤ گے۔

اچانک میں نے آپ ﷺ کے پیچھے ایک شخص کو دیکھا جو آپ ﷺ کو پتھر مار رہا تھا جس سے آپ ﷺ کی دونوں پنڈلیاں اور دونوں قدم مبارک لہولہان ہو گئے تھے، یہ شخص کہہ رہا تھا: اے لوگو! اس کی بات مت مانو، یہ جھوٹا ہے اس کی تصدیق نہ کرو۔

میں نے کہا: یہ کون ہے؟

جواب ملا: یہ بنو عبدالمطلب کا ایک جوان ہے، اس کا نام محمد ﷺ ہے اس کا خیال ہے کہ وہ نبی ہے۔

میں نے کہا: اسے جو پتھر مار رہا ہے وہ کون ہے؟

جواب ملا: یہ ان کا چچا عبدالعزیٰ (ابولہب) بن عبدالمطلب ہے، ان کا خیال ہے کہ یہ جھوٹا ہے۔ (السیر والمغازی ص ۲۳۲)

یہ ہے ابولہب کی تندمزاجی، سخت طبیعت، خسیس ترین کام کرنے والا، جاہلیت کی آرزوؤں اور تمناؤں کی بناء پر حضور ﷺ کے ساتھ اس طرح کا سخت معاملہ کرتا تھا۔

ابولہب کی گندی ذہنیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کا بدخواہ بھی تھا، ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے (عبداللہ) کا انتقال ہو گیا، جس پر ابولہب بہت خوش ہوا، بھاگتے ہوئے اپنے دوستوں کے پاس گیا ان کو خوشخبری سنائی کہ: آج رات محمد کا ستیاناس ہو گیا ہے، جس پر یہ ایک آیت کریمہ نازل ہوئی:

Marfat.com

اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ O (الکوثر:۳)

''آپ ؐ کے دشمن کا ستیاناس ہوا ہے۔''

بہر حال ابولہب کیا تھا؟ اس کا غصہ کیا تھا؟ اس کے جھوٹ کا کیا عالم تھا؟ آپ ﷺ کے خلاف اس کا کیا رویہ تھا جو اللہ تعالیٰ کے پیغام کے حامل تھے، جس سے لوگوں کے دلوں سے اوہام کا پردہ چاک کرنا چاہتے تھے، اور جو پوری دنیا کے لئے حق وہدایت کا پیغام تھا۔

ابولہب بیرونی وفود سے کیا کہتا تھا؟

مختلف طریقوں سے ابولہب نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین سے روکنے کی بھرپور کوشش کی، اس پر کفایت نہیں کی کہ وہ خود کفر وشرک پر باقی رہتا، اپنی ضلالت وحماقت پر برقرار رہتا، بلکہ اس بات کی کوشش کی کہ ساری دنیا شرک اور بت پرستی میں مبتلا رہے، چنانچہ دور دراز کے علاقوں سے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے والے وفود کی باقاعدہ نگرانی کرتا تھا، ان سے جا کر ملتا تھا، ان کو آپ ﷺ سے متنفر کرتا تھا، ان کو آپ ﷺ کے جادو (بزعم اس کے) سے خوفزدہ کرتا تھا۔

عبدالرحمٰن بن کیسان ؒ کہتے ہیں:

''جب کوئی وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو ابولہب ان کے پاس جاتا، لوگ اس سے آپ ﷺ کے متعلق پوچھتے اور کہتے کہ آپ ان کے بارے میں ہم سے زیادہ جانتے ہیں، تو ابولہب ان سے کہتا: وہ تو جھوٹا جادوگر ہے، یہ سن کر یہ وفد آپ ﷺ سے ملے بغیر واپس چلا جاتا تھا۔ ایک دفعہ آپ ﷺ کے پاس ایک وفد آیا، ابولہب نے جا کر سب سے پہلے ان سے ملاقات کی، وفد کے اراکین نے کہا کہ ہم ان سے ملے بغیر اور ان کی باتیں سنے بغیر واپس نہیں جائیں گے، اس پر ابولہب نے کہا: ہم تو مسلسل ان کے جنون کا علاج کر رہے ہیں ان کا ناس ہو جائے، وہ برباد ہو جائیں، آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو بہت غمزدہ ہوئے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت (تبت) نازل فرمائی۔'' (تفسیر قرطبی ۲۳۵/۲)

برباد ہو ابولہب (اللہ اس کا برا کرے) لوگوں سے ملاقات کر کے کہتا تھا کہ تمہیں محمد ﷺ میں جو کچھ نظر آتا ہے وہ جادو ہے، ابولہب کہا کرتا تھا: تم پر محمد ﷺ نے جادو کر دیا ہے، ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم پوری بکری کھا جاتے ہیں بڑی پیالی میں دودھ بھر کر پی جاتے ہیں تب بھی نہ ہمارا پیٹ بھرتا ہے اور نہ ہم سیراب ہوتے ہیں جبکہ تمہیں محمد ﷺ بکری کی ران کھلا کر تمہارا پیٹ بھر دیتا ہے اور ایک پیالی دودھ سے تم سب کو سیراب کر دیتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: ''ابولہب لوگوں کو یہ کہہ کر کہ محمد جادوگر ہیں آپ ﷺ سے لوگوں کو روکتا تھا، چنانچہ لوگ آپ ﷺ سے ملاقات کیے بغیر واپس چلے جاتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ ابولہب قبیلہ کا شیخ تھا، آپ ﷺ سے اس کی نسبت آپؐ والد کی سی تھی، کوئی اس پر تہمت نہیں لگاتا تھا، جب سورہ (تبت یدا) نازل ہوئی اور اس کو اس کی خبر ملی تو بہت غصہ میں آیا اور شدید دشمنی کا اظہار کیا، اس کے بعد لوگوں نے اس کو غلط قرار دے کر اس پر تنقید شروع کر دی، اور آپ ﷺ کے متعلق اس کی باتوں کا کوئی اعتبار برقرار نہیں رہا، جس سے ان کی ساری کوششیں ناکام ہو گئیں اور تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔

(تفسیر امام رازی ۳۲/۱۵۳)

آیت میں ہاتھ کا ذکر آنے کی وجہ شاید یہ ہے کہ وہ حضور ﷺ سے ملنے کے لئے آنے والے شخص کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہتا تھا کہ صحیح حالت میں واپس لوٹ جاؤ، کیونکہ وہ پاگل ہے۔

ابوطالب چاہتے تھے کہ ابولہب اپنے بھتیجے محمد ﷺ کی مدد کرے، یہ ابوطالب کی خواہش تھی، جب ابوطالب کے بھانجے حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد المخزومیؓ ابوطالب کے حلقہ امن میں داخل ہو گئے، تو بنی مخزوم کی ایک جماعت نے انہیں تکلیف پہنچانے کی کوشش کی، انہوں نے کہا:

> اے ابوطالب! آپ نے اپنے بھتیجے محمد ﷺ کو تو امن دے دی، لیکن آپ ہمارے (بنی مخزوم کے) آدمی کو کیوں تحفظ فراہم کر رہے ہیں؟ آپ ہمارے اور ان کے درمیان حائل کیوں ہیں؟

ابوطالب نے کہا: اس نے مجھ سے امن طلب کیا ہے، وہ میرا بھانجا ہے،

Marfat.com

اگر میں اپنے بھانجے کی حفاظت نہ کروں تو پھر اپنے بھتیجے (محمد ﷺ) کی حفاظت کیوں کروں؟''

اس وقت ابولہب طیش میں آ کر کھڑا ہو گیا، اس نے کہا: اے قریش! خدا کی قسم تم نے شیخ (ابوطالب) کو بہت کچھ کہا ہے، اب اس سے آگے مت بولو، یا پھر ہم بھی ان کے ساتھ شامل ہو جائیں گے پھر دیکھو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے ہیں یا نہیں؟ اب ان بت پرستوں کو بات سمجھ میں آ گئی، ان کو خدشہ ہوا کہ ابولہب اگر ان کے ساتھ شامل ہو گیا تو محمد ﷺ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے، ان کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا، اور وہ محمد ﷺ کے ایک کٹر دشمن سے محروم ہو جائیں گے۔ بلکہ ابولہب ہی محمد ﷺ کی دشمنی میں ان کا بہترین ساتھی ہے، لہٰذا سب نے بیک آواز کہا:

''اے عتبہ کے ابا: آپ کو جو بات اچھی نہ لگے ہم اسے چھوڑ دیں گے آئندہ ہماری طرف سے آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔''

یہ لوگ اپنے وعدہ پر قائم رہے، پھر انہوں نے ابوطالب کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی، ابولہب کی مذکورہ گفتگو سن کر ابوطالب کے دل میں حرص وامید پیدا ہوئی کہ شاید ابولہب اب محمد ﷺ کی مدد کرے گا، چنانچہ ابولہب کو اس پر آمادہ کرنے کے لئے ابوطالب نے مندرجہ ذیل اشعار عربی میں کہے جن کا ترجمہ یہ ہے:

''اور ان کا (محمد ﷺ) عم ابوعتبہ تو روضہ میں ہیں جو ظلم کے موقعہ پر خاموش نہیں رہتے۔
میں ان سے کہہ رہا ہوں لیکن میری نصیحت کی حیثیت کیا ہے؟ اے ابومعتب! اپنی شخصیت کو باقی رکھو۔
جب تک زندگی رہے ایسا کوئی کام نہ کرو جس کی وجہ سے تمہیں گالی دی جاتی رہے اگرچہ مواسم حج میں کیوں نہ ہو۔
عجز وضعف کا راستہ ترک کر دو کیونکہ تمہیں عجز کے ساتھ لازم وملزوم بنا کر نہیں پیدا کیا گیا۔
جنگ کرو کیونکہ جنگ انصاف ہے، تم ہرگز جنگجو کو مات کھاتے ہوئے نہیں

Marfat.com

دیکھو گے یہاں تک کہ اس کے ساتھ صلح ہو جائے۔''

ابولہب نے اپنے بوڑھے بھائی ابوطالب کی باتوں کو نہیں مانا، اور قریش کی تائید و حمایت کرتا رہا، ابولہب کا غیظ و غضب وقتی آندھی سے زیادہ نہ تھا، یہی وجہ تھی کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کا غصہ بھی ختم ہوتا گیا، پھر وہ بدبخت خود بھی ختم ہو گیا، شاعر نے کیا خوب کہا ؎

ترجمہ: ''جس شخص نے ایسی شئے ایجاد نہیں کی جس کا تعلق اس کی ذات سے نہ تھا۔ وہ اسے چھوڑ دیتا ہے اور اس کی نفس پر اس کی عادت غالب آ جاتی ہے۔''

جب ابوطالب کا انتقال ہوا اور پھر کچھ دنوں کے بعد حضرت خدیجہؓ کا بھی انتقال ہو گیا تو آپ ﷺ پر دو مصیبتیں اکٹھی ہو گئیں، آپ ﷺ نے زیادہ وقت گھر پر گزارنا شروع کر دیا، بہت کم باہر نکلتے تھے، قریش نے آپ ﷺ کے ساتھ وہ سب کچھ کیا جس کا ان کو پہلے موقع نہیں ملا تھا اور جس کی ان کو توقع کبھی نہیں تھی، ابولہب کو اس کی اطلاع ملی تو وہ غضبناک ہو کر آیا اور کہا: اے محمد ﷺ! تم جو چاہو کرو، وہ سب کچھ کرو جو تم ابوطالب کی زندگی میں کیا کرتے تھے، لات کی قسم جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔

ابوطالب ابولہب کو آپ ﷺ کی امداد پر اکسایا کرتے تھے، حضور ﷺ کی مدد و حمایت کے لئے وہ انہیں عمدہ اخلاق اپنانے کی ترغیب دیتے تھے، ابوطالب ہمیشہ کہا کرتے تھے:

''جب تک زندگی رہے ان کو بے یار و مددگار مت چھوڑو، ہمیشہ نیک اور نجات دہندہ بننے کی کوشش کرو، ہاشمیوں سے دشمنوں کو بھگاؤ، عالم لوگوں کی بہ نسبت ان سے محبت کرنا زیادہ بہتر ہے۔''

ایک دفعہ ابن غیطلۃ نے آپ ﷺ کو گالی دی تو ابولہب نے اسے درست کر دیا۔ اس پر وہ چیخا اور کہنے لگا: اے قریش! عتبہ کا باپ بے دین ہو گیا ہے، تمام قریش وہاں جمع ہو گئے، ابولہب نے کہا: دراصل میں نے عبدالمطلب کے دین کو چھوڑا نہیں ہے لیکن میں اپنے بھتیجے پر ظلم ہونے نہیں دوں گا، یہاں تک کہ وہ اس کام کو مکمل نہ کر لے۔

اس پر سب نے کہا: یہ آپ نے بہت اچھا کیا، اس سے آپ نے صلہ رحمی کا حق ادا

Marfat.com

کر دیا ہے۔

آنحضرت ﷺ کو اس سے فائدہ یہ ہوا کہ آپ آزادانہ نقل و حرکت کر سکتے تھے چنانچہ آپ ﷺ بلا روک ٹوک کئی دنوں تک جہاں چاہتے تشریف لے جاتے، لوگ ابولہب سے ڈرتے تھے، لوگوں کو اب یہ گمان ہو گیا کہ ابولہب ہمیشہ اپنے بھتیجے کی حمایت کرتے رہیں گے۔

کفر کے دو بڑے سرغنوں ابو جہل اور عقبہ بن ابی معیط نے غور و فکر شروع کر دیا کہ کسی طرح ابولہب کو آپ کی حمایت سے باز رکھا جائے۔ یہ دونوں ایک دن ابولہب کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ کیا تمہیں تمہارے بھتیجے نے کبھی یہ نہیں بتایا کہ تمہارے والد عبدالمطلب اس وقت کہاں ہیں؟

اس پر ابولہب آپ ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا: اے محمدؐ! عبدالمطلب اس وقت کہاں ہیں؟

آپ ﷺ نے جواب دیا: اپنی قوم کے ساتھ ہے۔

ابولہب ان دونوں کے پاس گیا اور ان سے کہا: میں نے محمد ﷺ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ ہے۔

اس پر ان دونوں نے کہا: محمدؐ کا گمان ہے کہ وہ آگ میں ہیں۔

ابولہب نے کہا: اے محمدؐ! کیا عبدالمطلب آگ میں داخل ہوں گے؟

حضور ﷺ نے فرمایا: جس شخص کی بھی موت اس دین پر ہوئی ہو جس پر عبدالمطلب کی ہوئی ہے تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

اس پر ملعون ابولہب نے کہا: خدا کی قسم میں ہمیشہ تمہارا دشمن ہی رہوں گا، تمہارا گمان تو یہ ہے کہ عبدالمطلب جہنم میں ہیں۔

اب ابولہب اور قریش کی عداوت و دشمنی میں اضافہ ہوتا گیا۔

ابولہب کی مزاج و طبیعت کا یہ حال تھا جس کا معمولی تذکرہ اوپر آیا ہے، خیانت و حسد سے بھرپور، اپنی خواہشات کے آگے بے بس، کبھی نفس کے غلبہ کے تحت وہ کنٹرول میں آجائے تو زیادہ دیر تک اس پر قائم نہیں رہتا، عادت و مزاج ہی کو ہمیشہ غلبہ حاصل ہوتا ہے،

Marfat.com

عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

اے وہ شخص جس نے اپنی عادت کے بجائے مصنوعی اخلاق کا مظاہرہ کیا ہے، جس کا کام صرف چاپلوسی اور فساد ہے۔

تم اپنی معروف عادات کی طرف لوٹ جاؤ کیونکہ مصنوعی اخلاق کو اخلاق کریمانہ ہمیشہ رد کرتے آئے ہیں۔

ابولہب کی اولاد

علامہ آلوسیؒ اور مصعب زبیریؒ فرماتے ہیں:

ابولہب کی تین (نرینہ) اولاد تھی۔ عتبہ، معتب، عتیبہ۔

عتبہ اور معتب فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو گئے، اور جنگ حنین و طائف میں شریک ہوئے، علامہ ابن سعد نے ان دونوں کے مسلمان ہونے کا قصہ اپنی طبقات میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے جو اپنے والد عباس بن عبدالمطلب سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ جب مکہ تشریف لائے تو آپؐ نے مجھ سے فرمایا: اے عباس! تیرے بھائی کے لڑکے عتبہ اور معتب مجھے نظر نہیں آرہے ہیں وہ دونوں کہاں ہیں؟۔

میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! وہ دونوں تو ان مشرکین کے ساتھ ہیں جو ایک طرف بھاگ نکلے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: تم ان کے پاس جاؤ، اور ان دونوں کو میرے پاس لے آؤ۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں مقام عرنہ کی طرف روانہ ہوا اور ان دونوں سے مل کر کہا: اللہ کے رسول تم دونوں کو بلا رہے ہیں۔

وہ دونوں جلدی سے میرے ساتھ روانہ ہوئے، حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپؐ نے دونوں کو اسلام کی دعوت دی، وہ دونوں مسلمان ہو گئے

Marfat.com

اور آپؓ کے دست مبارک پر بیعت کی، پھر آپ ﷺ اٹھے، ان دونوں کو ہاتھ سے پکڑ کر چلے یہاں تک کہ خانہ کعبہ اور حجر اسود کے درمیان مقام ملتزم پر آ کر رک گئے، آپ ﷺ نے کچھ دیر دعا کی، پھر خوش خوش واپس لوٹ گئے۔

میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ آپ ﷺ کو مسرور رکھے، مجھے آپ کے چہرہ مبارک پر خوشی اور مسرت نظر آ رہی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے پروردگار سے اپنے چچا کے ان دونوں بیٹوں کو مانگا، جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرما دیئے۔

اکثر و بیشتر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عتیبہ ابن ابولہب مسلمان نہیں ہوا، ایمان کو اس کے دل میں جگہ نہیں ملی۔ یہ اپنے والد کی طرح کافر تھا، اور نبی کریم ﷺ سے جھگڑنے اور آپ ﷺ کو ایذاء پہنچانے میں اپنے والد سے پیش پیش تھا۔ پھر اس کا جو انجام ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔

ہجرت کے بعد ابولہب کی سرگرمیاں

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ آپ ﷺ اب مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔

چنانچہ حکم الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے آپ ﷺ مدینہ کی طرف ہجرت فرما گئے، ادھر ابولہب کی اسلام و مسلم دشمنی میں کوئی کمی نہیں آئی، ہمیشہ اس تاک میں رہتا تھا کہ کسی طرح لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکے، حضرت حسان بن ثابتؓ نے ابولہب کی ہجو میں اس وقت یہ اشعار کہے:

ترجمہ: ''ابولہب کو بتا دو کہ محمد ﷺ اپنی منزل کو پہنچ جائیں گے اگرچہ یہ تمہیں اچھا نہ لگے۔

اور اگرچہ تم نے ان کے ساتھ دشمنی کی، انہیں بے یار و مددگار چھوڑا اور ذلیل کمینوں کا ساتھ دیا۔

اگر تم بنی ہاشم کے شرفاء میں سے ہوتے تو تم ضرور ظلم کا دفاع کرتے۔

Marfat.com

کریمانہ اخلاق وشرافت کی وجہ سے ہاشم بڑے مرتبہ والے ہوئے، اور تمہیں غم والم، ذلت ورسوائی کے گڑھے میں دھکیل دیا گیا۔"

ابولہب حضور ﷺ سے اپنی عداوت ودشمنی پر برقرار رہا یہاں تک غزوہ بدر پیش آ گیا قریش حضور ﷺ کے خلاف جنگ کے لئے آئے، ابولہب کے علاوہ قریش کے ہر سردار نے اس جنگ میں شرکت کی، ابولہب نے اپنے بدلہ عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بھیج دیا تاکہ وہ اس اولین معرکہ میں ابولہب کی طرف سے جنگ کرے، جو مسلمانوں اور کفار کی ایک جماعت کے درمیان پیش آیا۔

ابولہب روزانہ خانہ کعبہ کے پاس بیٹھ کر لوگوں سے جنگ کے احوال دریافت کرتا تھا، میدان بدر میں مشرکین کا حال یہ تھا کہ وہ میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے، ان کی جماعت تتر بتر ہوگئی، بہت سے کفار گھاٹیوں اور وادیوں کی طرف بھاگ گئے، کچھ مغلوب و مقہور ہوکر ڈرتے ڈرتے مکہ پہنچ گئے، ذلت ورسوائی ان کے چہرے سے ٹپک رہی تھی، سوچ رہے تھے کہ مکہ والوں کو کیا منہ دکھائیں گے۔ اپنی ہزیمت وشکست پر انہیں افسوس بھی ہورہا تھا۔

کفار کی شکست وہزیمت کی خبریں جب ابولہب تک پہنچیں تو ان کی تصدیق کرنا ابولہب کو دشوار ہورہا تھا، پھر ابولہب کے مقرب ترین شخص نے جب شکست کی اطلاع دی تو اس کو یقین آ گیا، اس خبر نے اسے پاگل کردیا، طیش میں آکر اپنے بھائی عباس کے ایک لڑکے کی پٹائی کردی، جس پر بچہ کی ماں غضبناک ہوگئی اور اس نے ابولہب پر حملہ کردیا جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔ اس عورت کی بہادری کا قصہ ملاحظہ فرمایئے۔

ایک عورت کی بہادری

اسلام نے اپنے ماننے والے مردوں اور عورتوں کی تربیت اخلاق کریمانہ پر کی ہے، جو تمام مکارم ومحاسن کا سرچشمہ ہے، صحیح موقعہ پر بہادری وشجاعت کا اظہار اسلام کے کریمانہ اخلاق میں داخل ہے، ابتداء اسلام ہی سے خواتین اسلام کے کریمانہ اخلاق کے زیور سے آراستہ ہوئیں، ان میں حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کی اہلیہ حضرت ام الفضلؓ بنت الحارث بھی تھیں، جنہوں نے ناموافق حالات کے باوجود ابولہب کے مظالم کا ڈٹ کر

Marfat.com

مقابلہ کیا، انہوں نے ایسی شجاعت کا مظاہرہ کیا جہاں بڑے بڑے بہادر پیچھے ہٹ جاتے ہیں، ان کی شجاعت و بہادری کی داستان سنئے حضرت ابورافعؓ سے جو حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

میں حضرت عباسؓ کا غلام تھا، ہمارے گھر کے تمام افراد کے دلوں میں اسلام داخل ہو گیا تھا، عباس مسلمان ہو گئے تو ام فضل بھی مسلمان ہو گئی، پھر میں بھی مسلمان ہو گیا، حضرت عباس اپنے اسلام کو مخفی رکھتے تھے، ابولہب بدر کی لڑائی میں شریک نہیں ہوا تھا، جب شکست کی خبر اسے ملی تو اس کی زبان بند ہو گئی اور وہ ذلیل ہو گیا، ہمیں اپنے اندر قوت و عزت محسوس ہوئی، میں ایک کمزور آدمی تھا، پیالے بنانے کا کام کرتا تھا، زمزم کے حجرہ میں پیالوں پر کشیدہ کاری کرتا تھا، اللہ کی قسم ایک دفعہ میں زمزم کے حجرہ میں بیٹھ کر حسب سابق پیالوں پر کشیدہ کاری کر رہا تھا ام فضل بھی میرے ساتھ بیٹھی تھی اور ہمیں بدر میں مسلمانوں کی فتح پر خوشی محسوس ہو رہی تھی کہ اچانک ابولہب آ پہنچا، اور کمرہ کی ایک طرف بیٹھ گیا، اس کی پشت میری پشت کی طرف تھی۔

اچانک آواز آئی کہ یہ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب ہیں جنگ سے آئے ہیں، ابولہب نے ان سے کہا: میرے پاس آؤ، خدا کی قسم صحیح خبر تمہارے پاس ہو گی۔

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''ابوسفیان ابولہب کے پاس جا کر بیٹھ گئے، لوگوں کا مجمع ان کے گرد کھڑا تھا۔ ابولہب نے کہا: اے میرے بھتیجے مجھے یہ بتاؤ کہ میدان جنگ میں ہمارے آدمیوں کا کیا حال تھا؟

ابوسفیان نے کہا: جب مسلمانوں سے ہماری مڈبھیڑ ہوئی تو ہم نے اپنے کندھے ان کے حوالہ کر دیے، وہ ہمیں خوب قتل کرتے رہے، قیدی بناتے رہے، اس کے باوجود خدا کی قسم میں نے کسی کو ملامت نہیں کی، دراصل ہمارا مقابلہ کچھ سفید آدمیوں کے ساتھ ہوا تھا جو گھوڑوں پر سوار تھے ہمیں وہ آسمان اور زمین کے درمیان سے نظر آ رہے تھے، خدا کی قسم ان کے آگے کسی کا بس نہیں چلتا تھا اور جو ان کے سامنے آتا اسے ختم کر دیتے تھے۔''

ابورافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے حجرہ کا پردہ ہٹا کر کہا: خدا کی قسم وہ فرشتے تھے، اس پر ابولہب نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور مجھے زور سے تھپڑ رسید کر دیا، میں اس کے ساتھ گتھم گتھا ہو گیا، اس نے مجھے اٹھا کر زور سے زمین پر دے مارا، پھر میرے سینے پر بیٹھ کر مجھے مارنا شروع کر دیا، میں ایک کمزور آدمی تھا، ام فضل نے جب یہ دیکھا تو حجرہ سے ایک لکڑی ہاتھ میں لے لی اور زور سے ابولہب کے سر پر مارا جس سے اس کا سر پھٹ گیا اور اس کی صورت بدل گئی، پھر کہا: تم نے اسے اس لئے کمزور سمجھا ہے کہ اس وقت اس کا آقا (عباس) یہاں موجود نہیں ہیں، اس کے بعد ابولہب وہاں سے ذلیل ورسوا ہو کر چلا گیا۔

بری موت

جب مسلمان غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ کی نصرت ومدد اور فتح وغنیمت پر خوش ہو رہے تھے تو مکہ میں مشرکین غصہ سے اندر ہی اندر سے کٹتے جا رہے تھے، سب سے زیادہ غصہ و تکلیف ابولہب کو ہو رہی تھی، ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ اسے طاعون جیسا ایک مرض لاحق ہو گیا جس سے اس کی ہلاکت واقع ہو گئی۔

قریش اس مرض سے بہت زیادہ خوفزدہ تھا، کوئی شخص ابولہب کے قریب نہیں گیا اس کے مرے ہوئے تین دن گزر گئے تھے لیکن اس کی اولاد میں سے بھی کوئی شخص اس کے نزدیک نہیں گیا، جب اس کی نعش پھول کر بدبودار ہو گئی، اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کا اندیشہ ہو گیا اور اس کی بدبو اتنی شدید ہو گئی کہ لوگوں کا وہاں رہنا دشوار ہو گیا تو ایک آدمی نے اس کے دونوں بیٹوں سے کہا:

"تم دونوں کو شرم نہیں آتی؟ تمہیں لوگوں کا خوف نہیں ہے، تمہارے والد مر کر بدبودار ہو گئے ہیں، کیا تم ان کو دفن نہیں کرو گے۔

ان دونوں نے کہا: ہمیں دراصل اس ملعون مرض کے پھیلنے کا خدشہ ہے۔

اس پر اس آدمی نے کہا: چلو میرے ساتھ چلو، میں تمہاری مدد کروں گا۔"

پھر وہ لوگ چلے، انہوں نے ابولہب پر دور سے پانی پھینک کر اسے غسل دیا، پھر بالائی مکہ لے گئے، ایک دیوار کے ساتھ سہارا دے کر اس پر پتھر پھینک پھینک کر اسے غائب

Marfat.com

کر دیا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ اس کے لئے ایک گڑھا کھودا گیا، پھر ایک لکڑی کی مدد سے دھکا دے کر اسے گڑھے میں اتار کر گڑھے کو بند کر دیا گیا، ابولہب کی ہلاکت ستر سال کی عمر میں واقع ہوئی۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس بدبخت اور سرکش کی موت اس طرح ذلت و رسوائی کے ساتھ واقع ہو۔ کیونکہ اس نے اللہ کے رسول سے بڑی عداوت و دشمنی کا معاملہ کیا تھا، حضرت عائشہ کے متعلق روایت آتا ہے کہ جب ان کا گزر ابولہب کی جائے موت سے ہوتا تو اپنا چہرہ پر پردہ ڈال دیتی تھیں۔

''سیصلٰی ناراً'' یعنی عنقریب ابولہب جہنم کی آگ میں جلے گا۔

علامہ ابن القیم الجوزیہ اپنی عظیم کتاب (زادالمعاد) میں لکھتے ہیں: اسم اور مسمی کے درمیان بڑا ربط و تعلق ہوتا ہے، جس طرح اشیاء کی حقیقت کا ان کے غلاف کے مابین ہوتا ہے، اسی طرح ارواح کا اجسام کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔

چنانچہ عبدالعزیٰ کی کنیت ابولہب وضع ہونے میں اس کے انجام کی طرف اشارہ ہے کہ وہ دھکتی آگ میں داخل ہوگا، یہ کنیت اس کے لئے زیادہ بہتر و مناسب تھی، وہ اس کنیت کا زیادہ حق دار بھی تھا۔ (جہنم کے پروانہ یافتہ)

اُمِّ جمیل بنت حرب

بعثت سے پہلے بھی آنحضرت ﷺ کی طرز زندگی نہایت شریفانہ و کریمانہ تھی، آپ ﷺ نے کبھی بیہودہ یا فضول بات نہیں کی نہ قصداً نہ خطاء، اللہ تعالیٰ کی حفاظت و نگرانی میں پروان چڑھے، زمانہ جاہلیت کی برائیوں سے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی حفاظت فرماتے تھے، کیونکہ مستقبل میں آپ ﷺ کی قدر و منزلت میں اضافہ کرنا اور آپ ﷺ کو پیغمبر بنانا مقصد تھا، اپنی برادری میں سب سے زیادہ باوقار سب سے زیادہ بااخلاق، برائی سے اور بداخلاقی سے میلوں دور رہنے والے تھے، ان اچھی صفات کی بدولت امین (یعنی امانتدار) کے لقب سے آپ ﷺ کو شہرت حاصل ہوئی۔

مذکورہ اوصاف حمیدہ اور عنایت الٰہی کے ساتھ آپ ﷺ کی پرورش ہوئی، جب آپ ﷺ کی عمر چالیس سال ہوگئی تو آپ ﷺ پر وحی نازل فرمائی گئی اور حکم دیا گیا کہ اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کو اسلام کی دعوت دیں، حکم خداوندی کی بجا آوری کے لئے آپ ﷺ کمر بستہ ہوئے، پیغام الٰہی کو لوگوں تک پہنچایا، اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو جمع کرنے کے بعد ان سے فرمایا:

"تم لوگوں کو میں دو ایسے کلمات کی دعوت دیتا ہوں جو زبان پر نہایت ہلکے اور ترازو اعمال پر نہایت بھاری ہیں، ان میں سے ایک کلمہ لا الہ الا اللہ ہے اور دوسرا کلمہ محمد رسول اللہ ہے۔"

پھر آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ میری دعوت قبول کرو، اور اس دعوت کو دوسروں تک پہنچانے میں میرا تعاون کرو۔

اس درخواست کے جواب میں آپ ﷺ کے چچا! ابو طالب نے نرم بات کہی، دیگر رشتہ داروں نے بھی ایسا ہی کہا، لیکن آپ کے چچا ابولہب غصہ کے مارے بے قابو ہو گیا، اور بلند آواز سے کہنے لگا: اسے روکو قبل اس کے کہ دوسرے یہ کام انجام دیں۔

ابو طالب نے ابولہب سے کہا: خدا کی قسم ہم ان کی حفاظت کرینگے۔

ابولہب بے عزت اور بے آبرو ہو کر اس مجلس سے چلا گیا، جاتے ہوئے مکہ کے تمام بتوں کی قسم کھا کر کہا کہ میں اپنا مال و دولت محمد کے خلاف لڑائی کرنے میں قربان کردوں گا جس نے قریش کے مذہب کو تبدیل کرنے اور ان کو ظلمات سے نور کی طرف لانے کا ارادہ کیا ہے۔

ابولہب اندھی عداوت میں بہت آگے نکل گیا، صلہ رحمی کا بھی خیال نہیں کیا، شیطان کے فسق و فجور اور نافرمانی کے احکامات پر دل و جان سے عمل کیا، اس سلسلہ میں اس کی بیوی اس کی مدد کرتی تھی، اس کا نام جمیل بنت حرب بن امیہ بن عبد شمس امویہ تھا، یہ خاتون بھی نہایت بے رحمی کے ساتھ آپ ﷺ کی مخالفت کرتی تھی، گویا یہ خبیث عورت خبیث مرد کی خباثت میں تعاون کرنے کا ایک عملی نمونہ تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

Marfat.com

الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات. (نور: ۲۶)

یعنی۔ ''خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے ہیں۔''

یہ خبیث عورت ام جمیل اپنے شوہر کے کفر، عناد اور نافرنی میں تعاون کرتی تھی، دعوت اسلامی کی سب زیادہ مخالفت کرتی تھی، موقعہ کی تلاش میں رہتی تھی کہ کسی طرح مسلمانوں کے درمیان تفرقہ، دشمنی اور فساد کو عام کروں، ان برے اعمال کے سبب اس عورت اور اس کے شوہر کو دنیا ہی میں جہنم کی بشارت دیدی گئی، اور ان دونوں کے متعلق ایک مکمل سورت نازل کی گئی جس میں ان دونوں کو دنیا و آخرت کی بربادی و ہلاکت سے خبر دار کیا گیا۔

ام جمیل کی ایذا رسانی و تحریض

حقیقت میں یہ بری عورت مشرکین کی عورتوں میں رسول خدا سے سب سے زیادہ دشمنی وعداوت رکھتی تھی اس نے صرف حقائق کو مسخ کرنے اور فتنہ انگیزی پر اکتفاء نہیں کیا تھا بلکہ عملاً اس کے لئے جدوجہد بھی کرتی تھی اور ایذا رسانی اور فساد برپا کرنے کی عادی بن چکی تھی، چنانچہ بعض دفعہ آپ ﷺ کو فقر وفاقہ کا طعنہ دیتی تھی اور کبھی کبھار نرینہ اولاد زندہ نہ بچنے کا طعنہ دیتی تھی، آنحضرت ﷺ ان ساری باتوں کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے بلکہ ان سے اعراض فرماتے تھے۔

جب آپ ﷺ ام جمیل کی باتوں کی طرف توجہ نہیں دیتے تو اس کو بڑا غصہ آتا تھا، اور ایذا رسانی کے مختلف انداز وطریقے کے بارے میں غور کرتی تھی چنانچہ وہ رات کے وقت آپ ﷺ کے راستہ میں کانٹے بچھا کر چلی جاتی تھی، امام بیہقی نے (دلائل) میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے ''وامراتہ حمالة الحطب'' کی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے کہ:

''اُم جمیل آپ ﷺ کے راستہ میں کانٹے بچھادیتی تھی تا کہ اس سے آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام کو تکلیف پہنچے، ''حمالة الحطب'' کہا

Marfat.com

جاتا ہے نقالۃ الحدیث کو۔“ (دلائل نبوت ۱/۱۸۳)

بظاہر ام جمیل کی آپ ﷺ سے شدید عداوت رکھنے کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ آنحضرت ﷺ کی برادری بنی ہاشم اور ام جمیل کی برادری بنی امیہ کے درمیان قریش میں سیادت وقیادت کے سلسلہ میں چپقلش پائی جاتی تھی شاید یہی عداوت کا سبب ہو، یا یہ کہ رشتہ داروں کے مابین جو حسد وکینہ پایا جاتا ہے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کا شاید یہ وجہ ہو، بہر حال جو بھی ہو یہ عورت بالکل زہریلے سانپ کی مانند تھی جو اپنے شوہر کی دل میں بغض وکراہت کا زہر پھیلاتی تھی جس نے اپنے بھتیجے سے علی الاعلان عداوت قائم کررکھی تھی۔

ایسا لگتا ہے کہ ابولہب اپنی بیوی کے آگے بے بس تھا کیونکہ ام جمیل کے متعلق یہ مشہور تھا کہ وہ بہت جری، بیہودہ اور زبان دراز خاتون تھی، اس کے اردگرد کے لوگوں پر اس کا بڑا اثر ورسوخ تھا، یہی وجہ ہے کہ جب قریش نے اس دین جدید اور رسول خدا کے متعلق مشورہ کرنے کے لئے مجلس شوریٰ منعقدہ کیا تو سب اس نتیجہ پر پہنچے کہ محمد ﷺ جادوگر ہیں، اور ہم سب متفقہ طور پر لوگوں سے یہ کہیں گے کہ محمد جادوگر ہیں۔

مذکورہ فیصلہ صادر کرنے کے بعد اس پر عمل کرنے کا مرحلہ آیا، اندازہ یہ ہے کہ اس سے ام جمیل کو خوشی ہوئی ہوگی، اس نے اپنے شوہر سے کہا کہ تم اس فیصلہ پر عملدرآمد کرو، آنحضرت ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ ﷺ موسم حج میں لوگوں کے ساتھ ساتھ رہتے تھے اور بازار عکاظ اور بازار مجنہ اور بازار ذی المجاز میں بھی تشریف لے جاتے تھے، وہاں ان کو دین الٰہی کی طرف دعوت دیتے تھے، ابولہب اس وقت آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے ہوتا تھا، لوگوں سے کہتا تھا:

”تم لوگ اس کی اتباع نہ کرو یہ جھوٹا صابی ہے (یعنی اپنے آباء واجداد کے دین کا باغی ہے)۔“ (مسند امام احمد ۳/۴۹۲)

اُم جمیل عداوت ودشمنی کے تمام حدود کو تجاوز کرگئی، اس کا مکان آپ ﷺ کے مکان سے متصل تھا، ام جمیل گندگی اور کوڑا کرکٹ اٹھا کر آپ ﷺ کے دروازے پر ڈال دیتی تھی، آنحضرت ﷺ اپنے دست مبارک سے ان کو ہٹادیتے تھے اور فرماتے تھے کہ

''اے بنی عبد مناف پڑوسی کے ساتھ یہ کیسا برتاؤ کررہے ہو؟''

لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو بھڑکنے والی آگ سے خبردار کیا ہے تو کوئی تعجب نہیں ہونا چاہئے نیز اسی طرح اس کے شوہر کو بھی ایسے عذاب سے ڈرائے جانے میں کسی کو تامل نہیں ہونا چاہئے۔

چغل خوری اور فتنہ وفساد پھیلانی والی

جیسا کہ اس سے پہلے گزر گیا کہ آپ ﷺ اپنے چچا اور اس کی اہلیہ ام جمیل کے پڑوسی تھے، اس پر مزید یہ کہ آپ ﷺ اور اسکے درمیان مصاہرت کا رشتہ بھی موجود تھا، ام جمیل نے اپنے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کا نکاح آپ ﷺ کی صاحبزادی رقیہ اور ام کلثوم کے ساتھ کردیا تھا، بعد میں ام جمیل نے اپنے دونوں بیٹوں کو نکاح توڑنے کا حکم دیا جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہدایت اور دین حق دے کر مبعوث فرمایا، اس اقدام کا مقصد آنحضرت ﷺ کو پریشان کرنا اور آپ ﷺ سے حسد، عناد اور کفر کرنا تھا۔

ابولہب سے دُگنا حسد ام جمیل کے دل میں تھا، اس کا کام افراتفری اور فتنہ پردازی تھا، چغلخوری کرتی تھی تاکہ لوگ آپ ﷺ سے بدظن ہوجائیں۔ یہی وجہ ہے کہ رب کائنات نے اسے نہایت برے وصف سے متصف فرمایا، اسے ﴿حمالۃ الحطب﴾ کا نام دیا گیا، یہ ایسی عورت کی صفت ہے جو چغلخوری کرتی ہو اور فتنہ کی آگ بھڑکاتی ہو، جس آگ کے ذریعہ لوگوں کی رشتہ داری، محبت اور صلہ رحمی کو خاکستر کردیتی ہو، اس عمل بد کے نتیجہ میں ام جمیل اسفل السافلین میں سے ہوگئی، اسے لکڑی جمع کرنے والی عورت کے ساتھ تشبیہ دینے کا مقصد اس کی کمینگی کی طرف اشارہ کرنا ہے کیونکہ لکڑی جمع کرنے والی قدم قدم پر لکڑی تلاش کرتی ہے، اس کی گردن میں ایک رسی ہوتی ہے جس سے جمع شدہ لکڑیوں کو باندھتی ہے۔

میں شاعرہ ہوں

اُم جمیل قریش کی ان شاعرات میں سے تھی جن کے بعض اشعار تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں، اس کے کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیے:

Marfat.com

ترجمہ: ''وہ قبیلہ کا سرمایۂ افتخار ہے چاہیں قبیلہ والے شہر میں ہوں یا دیہات میں وہ ان کا سردار ہے مصیبتوں کا وقت ہو یا سفر کے دوران ہو یا حالت اقامت ہو۔ تمام اچھی خصلتوں کا مالک ہے اور تمام انسانوں سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ اس کا دستر خوان بڑا وسیع ہے، وہ نہایت شریف الطبع ہے، لوگوں کو خوشی خوشی بہت زیادہ مال دیدیتا ہے۔''

سورۃ تبت کا نزول اور ام جمیل کا غیظ وغضب

ام جمیل کو اپنی فصاحت و بلاغت اور معانی کلام کے ادراک پر ناز تھا، اس کا زعم تھا کہ وہ اسرار بلاغت سے واقف ہے، جب اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی ﴿تبت یدآ اَبی لھبٍ الخ﴾ اور ام جمیل کو اس کا علم ہوا جس میں اس کا اور اس کے شوہر کا تذکرہ تھا، تو وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئی، آپ ﷺ اس وقت خانہ کعبہ کے پاس تشریف فرماتے تھے، آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت صدیق اکبرؓ بھی موجود تھے، صدیق اکبرؓ نے اس کو دیکھا تو آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

''یارسول اللہ! یہ بہت زبان دراز عورت ہے۔ اگر آپ یہاں ٹھہرے تو آپ کو اس کی بدزبانی سے تکلیف ہوگی۔''

آپ نے فرمایا: ''وہ مجھے نہیں دیکھ سکے گی۔''

چنانچہ وہ عورت وہاں پہنچ کر حضرت ابوبکرؓ سے کہنے لگی:

''اے ابوبکر! تمہارے دوست نے مجھے ذلیل کیا ہے (یعنی میری شان میں وہ بات کہی ہے جو قرآن پاک کی آیت کی صورت میں نازل ہوئی ہے) ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ۔ تمہارے دوست کا کیا حال ہے جو شعر پڑھتے ہیں۔''

حضرت ابوبکر نے فرمایا:

''نہیں، وہ تو شعر نہیں کہتے، اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ نہیں، اس بیت اللہ کے رب کی قسم انہوں نے تجھے ذلیل نہیں کیا۔ میرے دوست

شاعر نہیں ہیں۔ وہ تو شعر کہنا ہی نہیں جانتے۔"

اس نے کہا: "میرے نزدیک تم جھوٹ نہیں بولتے۔"

یہ کہہ کر وہ وہاں سے واپس ہوئی اور یہ کہتے جاتی تھی:

"قریش کے لوگ جانتے ہیں کہ میں ان کے سردار کی بیٹی ہوں۔ اس کا اشارہ تھا کہ میں عبد مناف کی بیٹی ہوں جو اس کے باپ کا دادا تھا اور جس ہستی کا باپ عبد مناف (جیسا معزز سردار رہا ہوں اس کے متعلق کوئی ایسی ویسی بات کہنے کی کسی کو جرأت نہیں ہونی چاہیے۔"

(غرض ابولہب کی بیوی ام جمیل تو یہ کہتی ہوئی چلی گئی) اب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا:

"یا رسول اللہ! وہ آپ کو کیوں نہیں دیکھ سکی؟"

آپ نے فرمایا: "ایک فرشتہ مجھے اپنے پروں میں چھپائے رہا۔"

چنانچہ اس بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ آپ نے اسی وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

"اس سے پوچھنا کہ کیا تم میرے پاس کسی کو دیکھ رہی ہو!"

چنانچہ جب وہ وہاں پہنچی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے یہی سوال کیا اس پر اس نے کہا:

"کیا تم میرے ساتھ مذاق کر رہے ہو۔ خدا کی قسم تمہارے پاس تو کوئی بھی نہیں ہے!"

......پھر اس نے کہا: "وہ کہاں ہے جس نے میری اور میرے شوہر کی ہجو (یعنی شعر میں بے عزتی) کی ہے۔ خدا کی قسم اگر میں اسے دیکھ لوں تو ہاون دستے کے ان پتھروں سے اس کو ماروں۔"

حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں میں نے اس سے کہا:

ام جمیل! انہوں نے نہ تمہاری ہجو کی ہے اور نہ تمہارے شوہر کی ہجو کی ہے۔

اس نے کہا: "خدا کی قسم تم جھوٹ بولنے والے نہیں ہو، مگر لوگ یہی کہہ رہے ہیں۔"

Marfat.com

اس کے بعد وہ واپس جانے کے لئے مڑ گئی۔ تب میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا: ''یارسول اللہ! اس نے واقعی آپ کو نہیں دیکھا۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''اس کے اور میرے درمیان حضرت جبرئیل پردہ بن گئے تھے۔''

درمنثور میں ہے کہ ام جمیل آنحضرت ﷺ کے پاس آئی اس وقت آپ لوگوں کے مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے آتے ہی آپ ﷺ سے سوال کیا:

''اے محمد! تم نے کس بات پر میری ہجو کی ہے؟''

آپ نے فرمایا:

''خدا کی قسم! میں نے تمہاری ہجو نہیں کی۔ تمہاری ہجو خود اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔''

اس نے کہا:

''تم نے مجھے لکڑیاں اور ایندھن اٹھاتے ہوئے دیکھا ہے یا میری گردن میں بٹی ہوئی رسی دیکھی ہے؟''

اُم جمیل کی صفات

......اسی سے بعض مفسرین کی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ حطب یعنی لکڑیوں سے مراد چغلی اور چغل خوری ہے۔ چنانچہ عربی میں کہا جاتا ہے، یعنی فلاں میری چغلی کھا رہا ہے۔ یہاں چغل خوری اس لئے مراد لی گئی ہے کہ یہ ام جمیل لوگوں کے درمیان چغل خوری کرتی پھرا کرتی تھی اور اپنے شوہر اور دوسرے لوگوں کو آنحضرت ﷺ کی دشمنی پر اکسانے کے لئے لگائی بجھائی کرتی پھرا کرتی تھی۔ یہ لوگوں کو آنحضرت ﷺ کی طرف سے ایسی بے بنیاد باتیں پہنچایا کرتی تھی جس سے وہ لوگ آپ کی دشمنی میں اور زیادہ بھڑک اٹھیں۔

اسی طرح وہی مفسر کہتے ہیں یہ حبل یعنی رسی سے مراد جہنم کی آگ کی مضبوط رسی ہے۔ (سورہ تبت کی آخری آیت میں ام جمیل کی حالت بیان کی گئی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''اور دوزخ میں پہنچ کر اس کے گلے میں ایک رسی ہوگی خوب بٹی ہوئی'')۔

حضرت عروہ ابن زبیر ؓ سے روایت ہے کہ بٹی ہوئی رسی لوہے کی ایک تپتی

Marfat.com

ہوئی زنجیر ہوگی جس کا ایک گز ستر گز کے برابر ہوگا (اس کی جہنم میں یہ حالت اور سزا اس لئے ہوگی کہ یہ ام جمیل جنگل سے کانٹے دار لکڑیاں چن کر لایا کرتی تھی اور آنحضرت ﷺ سے اپنی دشمنی کی بناء پر یہ لکڑیاں آپ ﷺ کے رستے میں بچھا دیا کرتی تھی) واللہ اعلم

اسی واقعہ کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے:

واغدت حمالة الحطب الفهر
وجاءت كأنها الورفاء
ثم جاءت غضى تقول افى مثلى
من احمد يقال الهجاء
وتولت وما رأته ومن اين
يرى الشمس مقلته عمياء

قرآن پاک میں ابولہب کی بیوی کو حمالة الحطب یعنی کانٹوں دار لکڑیاں اٹھانے والی کہا گیا ہے ان شعروں میں اس کو اسی نام سے یاد کیا گیا ہے) قرآن میں اس کو یہ لقب اس لئے دیا گیا کہ وہ لکڑیاں اکٹھی کیا کرتی تھی اور اپنی کنجوسی اور طبیعت کی پستی اور نیچے پن کی وجہ سے ان کو خود ہی اٹھایا کرتی تھی یا یہ کہ وہ کانٹے دار لکڑیاں چن کر لایا کرتی تھی اور ان کو آنحضرت ﷺ کے راستے میں ڈال دیا کرتی تھی۔ (یہاں اس عورت کے تین وصف ذکر ہوئے ایک کنجوسی دوسرے طبیعت کا نیچ پن اور دتیسرے بغض وحسد) ممکن ہے کہ اس میں یہ تینوں ہی باتیں ہوں لیکن (پچھلی سطروں میں اس کا جو سوال گزرا ہے) اس سوال کی روشنی میں دوسرا اور تیسرا وصف ماننے میں تامل ہوتا ہے۔ (جہنم کے پروانہ یافتہ)

حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ بن ابی لہب

نام ونسب

عتبہ نام، مشہورِ دشمن اسلام ابولہب ان کا باپ تھا، نسب نامہ یہ ہے، عتبہ بن ابی لہب ابن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی قریشی ہاشمی، ابولہب آنحضرت ﷺ کا چچا

تھا، اس رشتہ سے عتبہ آپ کے ابن عم تھے،

اسلام

عتبہ پیغمبر اسلام کے اس سب سے بڑے دشمن کے فرزند تھے، جس نے بھتیجے کی تحقیر، مسلمانوں کی ایذا رسانی اور اسلام کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا، پھر بھی ان اور آنحضرت ﷺ کا گوشت و پوشت ایک تھا، خون کا اثر کہاں سے جاتا چنانچہ جب مکہ فتح ہوا، اور معاندینِ اسلام کا شیرازہ بکھر چکا تو آنحضرت ﷺ کو چچیرے بھائی کا خیال آیا، حضرت عباس سے پوچھا تمہارے دونوں بھتیجوں، (عتبہ اور معتب) کو نہیں دیکھا، معلوم نہیں کہاں ہیں، عباس رضی اللہ عنہ نے کہا مشرکین قریش کے ساتھ وہ بھی مکہ چھوڑ کر کہیں نکل گئے ہیں، فرمایا، جاؤ جہاں کہیں ملیں لے آؤ، ارشاد پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ تلاش میں نکلے اور دونوں کو ڈھونڈھ کر کہا، چلو تم کو رسول اللہ ﷺ نے یاد فرمایا ہے، چنانچہ یہ دونوں چچا کے ساتھ بھائی کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے اسلام پیش کیا، اب ان کا انکار و تمرد کا وقت گذر چکا تھا، اس لئے بلا تامل قبول کر لیا، قبول اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ دونوں کا ہاتھ پکڑے ہوئے بابِ کعبہ اور حجرِ اسود کے درمیان میں لا کر کچھ دعا کی، دعا سے واپسی کے وقت چہرۂ انور وفورِ مسرت سے چمک رہا تھا، عباس نے کہا خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے، آپ کے چہرہ پر مسرت کے آثار دیکھ رہا ہوں، فرمایا میں نے اپنے ان دونوں بھائیوں کو خدا سے مانگا تھا، اس نے مجھے دیدیا، یہ مسرت اسی کا نتیجہ ہے۔

غزوات

اسلام کے بعد مکہ ہی میں رہے، البتہ بعض غزوات میں شریک ہونے کے لئے مدینہ آجاتے تھے چنانچہ غزوۂ حنین میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے، اور اس فدویت اور جانثاری کے ساتھ کہ جب ساری فوج میں اضطراب پیدا ہو گیا، اور بہت سے مسلمانوں کے پاؤں عارضی طور پر اکھڑ گئے، اس وقت بھی ان کے پیروں میں لغزش نہ آئی حنین کے بعد طائف میں بھی ساتھ تھے۔

Marfat.com

وفات

ان کے زمانہ وفات کی تصریح نہیں ملتی، لیکن عہد صدیقی اور فاروقی میں کہیں نظر نہیں آتے، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ ہی کے زمانۂ میں وفات پا چکے تھے، حافظ ابن حجر عسقلانی کی بھی یہی رائے ہے۔

عتیبہ بن ابولہب

جب سورہ تبت نازل ہوئی تو ابولہب نے اپنے بیٹے عتبہ سے کہا۔

"اگر تو نے محمد کی بیٹی کو طلاق نہ دی تو میرا تیرا کوئی واسطہ نہیں!"

عتبہ نے آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ سے شادی کر لی تھی مگر ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ عتبہ نے حضرت رقیہ کو جدا کر دیا۔

ابولہب کے بیٹے کی گستاخی

......عتبہ کے بھائی کا نام عتیبہ تھا اس کی شادی آنحضرت ﷺ کی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم سے ہوئی تھی مگر یہ بھی ابھی تک ان کے ساتھ صحبت نہیں کر سکا تھا۔ اس کا ارادہ ملک شام جانے کا تھا۔ جانے سے پہلے اس نے کہا:

"میں پہلے محمد (ﷺ) کے پاس جاؤں گا اور ان کو اپنے رب کے معاملے میں ستاؤں گا۔"

پھر یہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا:

"اے محمد! وہ غروب ہونے والے ستارے کے ساتھ کفر کرنے والوں میں سے ہے اور اس فرشتے کے ساتھ بھی جو قریب سے قریب نہ آیا۔"

آنحضرت ﷺ کی بددعا

......پھر اس بدبخت نے آنحضرت ﷺ کے منہ پر تھوکا اور آپ کی صاحبزادی کو

طلاق دے کر واپس کر دیا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے اس کے حق میں بددعا فرمائی کہ:

''اے اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط فرما دے۔''

اس وقت ابو طالب بھی وہاں موجود تھے وہ حضرت ام کلثوم کے لئے بہت غمگین اور رنجیدہ ہوئے، انہوں نے عتیبہ سے کہا: ''بھتیجے! تم اس بددعا سے بچ نہیں سکتے!''

ابولہب کا خوف اور عتیبہ کا انجام

......عتیبہ وہاں سے واپس اپنے باپ ابولہب کے پاس پہنچا اور اس کو سارا حال سنایا۔ اس کے بعد یہ دونوں باپ بیٹے ایک جماعت کے ساتھ ملک شام کو روانہ ہوگئے۔ راستے میں یہ لوگ ایک جگہ ٹھہرے۔ وہاں قریب ایک راہب کی عبادت گاہ تھی۔ راہب ان کے پاس آیا اور کہنے لگا:

''اس علاقے میں جنگلی درندے رہتے ہیں۔''

یہ سن کر ابولہب (کے دل میں کھٹک ہوگئی اور اس) نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''تم لوگوں کو میری حیثیت اور اپنے اوپر میرا حق معلوم ہے؟''

انہوں نے کہا بے شک۔ تب ابولہب نے کہا:

''بس تو اے گروہ قریش! آج رات ہم دونوں کی مدد کرو۔ کیونکہ مجھے محمد کی بددعا سے اپنے بیٹے کے متعلق ڈر ہے اس لئے تم لوگ اپنا سامان اس عبادت گاہ کی طرف رکھ کر اس پر تو میرے بیٹے کا بستر لگا دو اور اس کے چاروں طرف تم لوگ اپنے اپنے بستر کرلو۔''

ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اور پھر اپنے اونٹوں کو اپنے چاروں طرف کر کے بٹھا دیا اور اس طرح عتیبہ کی پاسبانی کرنے لگے۔ مگر آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی پوری ہوئی اور) اچانک رات میں ایک شیر وہاں آیا اور پڑے لوگوں کو سونگھنے لگا یہاں تک کہ وہ عتیبہ کے پاس پہنچا اور اس کو پھاڑ ڈالا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ شیر نے عتیبہ کا سر پھاڑ دیا۔ ایک روایت یوں ہے کہ شیر نے عتیبہ کے پاس پہنچ کر اپنی دم اٹھائی اور اس پر چھلانگ لگا کر پوری طاقت سے عتیبہ کے اپنی دم ماری جس سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گئے اور وہ اسی جگہ

Marfat.com

ختم ہوگیا۔ شیر نے عتیبہ کو بھنبھوڑ ڈالا۔ عتیبہ نے اپنی آخری سانس لیتے ہوئے کہا:

''کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ محمد اپنے لہجے میں تمام انسانوں سے زیادہ سچے ہیں۔''

اتنا کہہ کر وہ مرگیا۔ تب اس کے باپ ابولہب نے کہا:

''میں سمجھ گیا تھا کہ خدا کی قسم محمد کی بددعا سے چھٹکارا نہیں ملے گا!''

(سیرت حلبیہ سے ماخوذ)

معتّب رضی اللہ عنہ بن ابی لہب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابولہب کا بیٹا، اسلام کی دولت اور شرفِ صحابیت سے مالا مال ہوا۔

معتّب بن ابی لہب ابن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی، ان کی والدہ اُم جمیل بنت حرب بن اُمیہ بن عبد شمس بن عبد مناف تھیں۔

معتّب کی اولاد میں عبداللہ و محمد و ابوسفیان و موسیٰ و عبیداللہ و سعید و خالدہ تھیں، ان سب کی والدہ عاتکہ بنت ابی سفیان بن الحارث ابن عبدالمطلب تھیں، عاتکہ کی والدہ اُم عمرو بنت المقوم بن عبدالمطلب ابن ہاشم تھیں۔

ابو مسلم و مسلم: عباس فرزندان معتب مختلف اُم ولد سے تھے۔

عبدالرحمٰن بن معتب، ان کی والدہ حمیر میں سے تھیں۔

ہم نے معتب بن ابی لہب کے اسلام کا ذکر ان کے بھائی عتبہ بن ابی لہب کے ساتھ کیا ہے۔ (طبقات ابن سعد)

درّة

آپ ابولہب بن عبدالمطلب اور اُم جمیل بنت حرب بن اُمیہ بن عبد شمس کی

Marfat.com

صاحبزادی ہیں، آپ سے حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف بن قصی نے شادی کی، جن سے ولید، ابوالحسن اور مسلم پیدا ہوئے، پھر یہ جنگ بدر میں کفر کی حالت میں مارے گئے، ان کے بعد درۃ نے دحیہ بن خلیفہ بن فروۃ کلبی سے شادی کر لی۔

عَزّۃ

آپ بھی ابولہب اور اُم جمیل کی بیٹی ہیں، آپ سے اوفی بن حکیم بن اُمیہ بن حارثہ بن اوقص سلمی نے نکاح کیا جن سے عبیدۃ، سعید اور ابراہیم پیدا ہوئے۔

خالدۃ

آپ بھی ابولہب اور اُم جمیل کی بیٹی ہیں، آپ سے عثمان بن ابوالعاص بن بشر بن عبد بن دہمان ثقفی نے شادی کی جن سے بچے پیدا ہوئے۔

Marfat.com

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب

اوران کا خاندان

نام ونسب

عباس نام، ابوالفضل کنیت، والد کا نام عبدالمطلب اور والدہ کا نام قتیلہ تھا، شجرۂ نسب یہ ہے:

عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدالمناف الہاشمی القرشی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے، لیکن عمر میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا، غالباً حضرت عباسؓ دو یا تین برس آپ سے پہلے پیدا ہوئے تھے،

ابتدائی حالات

حضرت عباس رضی اللہ عنہ عہدِ طفولیت میں ایک مرتبہ گم ہوگئے تھے، ان کی والدہ نے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھانے کی نذر مانی، چنانچہ ان کے صحیح وسلامت مل جانے کے بعد نہایت تزک واحتشام کے ساتھ یہ نذر پوری کی گئی، بیان کیا جاتا ہے کہ یہ پہلی عرب کی خاتون تھی، جنہوں نے ایامِ جاہلیت میں خانۂ کعبہ کو دیبا وحریر سے مزین کیا،

زمانہ جاہلیّت میں وہ قریش کے ایک سربرآوردہ رئیس تھے، خانہ کعبہ کا اہتمام و انصرام اور لوگوں کو پانی پلانے کا عہدہ ان کو اپنے والد عبدالمطلب سے وراثت میں ملا تھا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خلعتِ نبوت عطا ہوا اور آپ نے مکہ میں علانیہ

Marfat.com

دعوتِ توحید کی صدا بلند فرمائی تو حضرت عباسؓ نے گو بظاہر ایک عرصہ تک بیعت کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا، تاہم دل سے وہ اس تحریک کے حامی تھے، چنانچہ اہل یثرب نے جب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی اور زمانۂ حج میں بہتر ۷۲ انصار نے کفار سے چھپ کر منیٰ کی ایک گھاٹی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس رازداری کے موقع پر حضرت عباسؓ بھی موجود تھے، انہوں نے انصار سے خطاب کر کے کہا ''گروہ خزرج! تم کو معلوم ہے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اپنے خاندان میں معزز و محترم رہے ہیں اور دشمنوں کے مقابلے میں ہم نے ہمیشہ ان کی حفاظت کی ہے، اب وہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں، اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی سے صاف جواب دے دو، انصارؓ نے اس کے جواب میں جان نثاری و وفا شعاری کی حامی بھری اور اس کے کچھ عرصہ کے بعد ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔

جنگِ بدر

مشرکین قریش کے مجبور کرنے پر ان کے ساتھ معرکۂ بدر میں شریک ہوئے، لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حقیقتِ حال سے آگاہ تھے، آپ نے صحابہ کرامؓ کو ہدایت فرمائی کہ اگر اثنائے جنگ میں ابوالبختری، عباس اور دوسرے بنی ہاشم سامنے آ جائیں تو قتل نہ کیے جائیں، کیونکہ وہ زبردستی میدان میں لائے گئے ہیں۔

حضرت ابو حذیفہؓ بول اٹھے کہ ''ہم اپنے باپ، بیٹے، بھائی سے درگذر نہیں کرتے، تو بنی ہاشم میں کیا خصوصیت ہے، واللہ اگر عباس مجھ کو ہاتھ آئیں گے تو میں ان کو تلوار کی لگام دوں گا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا ''ابو حفص دیکھتے ہو، عمِ رسول کا چہرہ تلوار کے قابل ہے؟''

حضرت عمرؓ نے کہا: ''اجازت دیجیے کہ اس کا سر اڑا دوں'' لیکن حضرت ابو حذیفہ ایک بلند پایہ صحابی تھے، یہ جملہ اتفاقاً زبان سے نکل گیا تھا آپ نے کچھ مواخذہ نہ فرمایا۔

اس جنگ میں دوسرے مشرکین قریش کے ساتھ حضرت عباسؓ، عقیلؓ اور نوفل بن

Marfat.com

حارث بھی گرفتار ہوئے تھے، اتفاق سے حضرت عباسؓ کی مشکیں اس قدر کس کر باندھی گئی تھیں کہ وہ دردناک آواز کے ساتھ کراہ رہے تھے، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی کراہ سن کر رات کو آرام نہ فرما سکے، صحابہ کرامؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے ان کی مشکیں ڈھیلی کر دیں۔

اسیران جنگ کے پاس کپڑے نہ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو کپڑے دلوائے لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قد اس قدر اونچا تھا کہ کسی کا کرتا ان کے بدن پر ٹھیک نہیں آتا تھا، عبداللہ بن اُبی نے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ہم قد تھا، اپنا کرتہ منگوا کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق ہونے کے باوجود مرنے کے بعد اس کی لاش کو اپنا کرتہ پہنانے کے لیے دیا، وہ درحقیقت اسی احسان کا معاوضہ تھا۔

دربارِ رسالت نے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا، چونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی والدہ انصار کے ایک قبیلہ خزرج سے تھیں، اس لیے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ عباس رضی اللہ عنہ ہمارے بھانجے ہیں ہم ان کا فدیہ چھوڑ دیتے ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مساوات کی بنا پر گوارا نہیں فرمایا اور دولت مند ہونے کے باعث ان سے ایک بڑی رقم طلب فرمائی، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ناداری کا عذر پیش کر کے کہا ''میں دل سے پہلے مسلمان ہو چکا تھا، مشرکین نے مجھ کو بجبر اس جنگ میں شریک کیا، ارشاد ہوا کہ دل کا حال خدا جانتا ہے اگر آپ کا دعویٰ صحیح ہے تو خدا اس کا اجر دے گا، لیکن ظاہری حالت کے لحاظ سے کوئی رعایت نہیں ہو سکتی، ناداری کا عذر بھی قابل تسلیم نہیں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ مکہ میں ام الفضل کے پاس ایک بڑی رقم رکھ آئے ہیں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے متعجب ہو کر کہا خدا کی قسم! اس رقم کا حال میرے اور ام الفضل کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا، بے شک آپ رسولِ خدا ہیں اور اپنی طرف سے نیز اپنے بھتیجے عقیل و نوفل بن حارث کی طرف سے گرانقدر فدیہ دے کر خلاصی حاصل کی۔

تاخیر اسلام اور قیام مکہ کی غایت

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ایک عرصہ تک مکہ میں مقیم رہنا اور علانیہ دائرہ اسلام میں

Marfat.com

داخل نہ ہونا درحقیقت ایک مصلحت پر مبنی تھا، وہ کفار مکہ کی نقل وحرکت اور ان کے راز ہائے سربستہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دیتے تھے، نیز اس سرزمین کفر میں جو ضعفائے اسلام رہ گئے تھے ان کے لیے تنہا مامن وملجا تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جب کبھی رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت طلب کی تو آپ نے باز رکھا اور فرمایا کہ:

''آپ کا مکہ میں مقیم رہنا بہتر ہے، خدا نے جس طرح مجھ پر نبوت ختم کی ہے اسی طرح آپ پر ہجرت ختم کرے گا''

گو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرصہ تک اپنے ایمان وعقیدہ کو مشرکین قریش سے مخفی رکھا تاہم وہ اپنے دلی رجحان کو چھپا نہ سکے، ایک مرتبہ حضرت حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر مکہ آئے، اس زمانہ میں جنگِ خیبر درپیش تھی، اور اہل مکہ نہایت بے چینی کے ساتھ اس نتیجہ پر آنکھیں لگائے ہوئے تھے، کہ لوگوں نے ان کو مدینہ کی طرف سے آتا دیکھ کر گھیر لیا اور جنگ کی خبر پوچھی، بولے:

''خیبر کی جنگ میں مسلمانوں کو عبرت ناک شکست ملی، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) گرفتار ہوئے، اور ان کے اکثر جان نثار قتل کیے گئے ہیں اپنا مال لینے آیا ہوں تاکہ دوسرے تاجروں کو خبر ہونے سے پہلے اہل خیبر سے تمام مالِ غنیمت خرید لوں''۔

اس خبر سے یکا یک تمام مکہ میں خوشی ومسرت کی لہر دوڑ گئی، وادیٔ بطحاء کا ہر بچہ بادۂ انبساط سے مخمور ہو گیا، گھر گھر خوشی کے ترانے گائے جانے لگے، لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا گھر ماتم کدہ تھا، وہ افسردہ دل اور مغموم صورت حجاج بن علاطؓ سے تخلیہ میں ملے اور پوچھا حجاج! ''کیا یہ خبر صحیح ہے؟ بولے ''نہیں، خدا کی قسم آپ کے لیے نہایت خوش آیند خبر ہے، خدا نے آپ کے بھتیجے کو خیبر پر کامل فتح عطا فرمائی، اکثر رؤسائے خیبر قتل کیے گئے ان کا تمام مال واسباب مجاہدین اسلام کے ہاتھ آیا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں چھوڑا کہ خیبر کی شہزادی داخلِ حرم ہو رہی تھی، میں اسلام قبول کر چکا ہوں، اور یہاں صرف اس لیے آیا ہوں کہ بالطائف الحیل اپنا مال لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملوں، آپ

Marfat.com

میرے جانے کے بعد تین دن تک اس خبر کو پوشیدہ رکھیں، کیونکہ مجھے تعاقب کا خوف ہے۔"

حضرت عباسؓ کی مسرت وانبساط کی کوئی انتہا نہ رہی، وہ بمشکل تین دن تک اس کو چھپا سکے اور چوتھے روز نہا دھو کر اور بیش قیمت کپڑے زیب بدن کر کے ہاتھ میں عصا لیے ہوئے خانہ کعبہ آئے اور طواف کرنے لگے، لوگوں نے چھیڑ کر کہا "خدا کی قسم! یہ مصیبت پر اظہارِ صبر ہے" بولے "قسم ہے اس ذات کی جس کی تم نے قسم کھائی ہرگز نہیں! بالکل غلط ہے، خیبر فتح ہو گیا اور اس کا ایک ایک چپہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کے تصرف میں ہے۔" لوگوں نے تعجب سے پوچھا "یہ خبر کہاں سے آئی؟" فرمایا "حجاج بن علاطؓ نے بیان کیا جو اسلام قبول کر چکے ہیں اور یہاں محض اپنا مال لینے آئے تھے" اس حقیقت نے مشرکین مکہ کی تمام مسرت خاک میں ملا دی اور وہ ایک فریب خوردہ دشمن کی طرح دانت پیسنے لگے۔

اسلام وہجرت

فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے حضرت عباسؓ کو ہجرت کی اجازت مل گئی، چنانچہ وہ مع اہل وعیال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علانیہ بیعت کر کے مستقل طور سے مدینے میں سکونت پذیر ہوئے۔

غزوات

مکہ کی فوج کشی میں شریک تھے، حنین کی جنگ میں حضرت خیر الانامؐ کے ہمرکاب تھے، اور رہوارِ رسالت کی باگ تھامے ہوئے ساتھ ساتھ دوڑتے تھے، فرماتے ہیں کہ اثنائے جنگ میں جب کفار کا غلبہ ہوا اور مسلمانوں کے منہ پھر گئے، تو ارشاد ہوا "عباسؓ! نیزہ برداروں کو آواز دو" فطرۃً میری آواز نہایت بلند تھی، میں نے "این اصحاب السمرہ؟" کا نعرہ مارا تو سب کے سب یکا یک پلٹ پڑے اور مسلمانوں کا بگڑا ہوا کھیل بن گیا، محاصرہ طائف، غزوۂ تبوک اور حجۃ الوداع میں بھی شریک تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

حجۃ الوداع سے واپس آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے، مرض روز

Marfat.com

بڑھتا گیا، حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ اور دوسرے بنی ہاشم تیمارداری کی خدمت انجام دیتے تھے، وفات کے دن حضرت علیؓ باہر نکلے لوگوں نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج کیسا ہے؟ چونکہ بظاہر حالت سنبھل گئی تھی، اس لیے انہوں نے کہا کہ ''خدا کے فضل سے اب اچھے ہیں۔'' لیکن حضرت عباسؓ خاندانِ ہاشم کا دیرینہ تجربہ رکھتے تھے، انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا ''تمہارا کیا خیال ہے؟ خدا کی قسم تین دن بعد تم غلامی کرو گے، میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب اس مرض میں وفات پائیں گے کیونکہ میں خاندانِ عبدالمطلب کے چہروں سے موت کا اندازہ کر سکتا ہوں، آؤ چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیں کہ آپ کے بعد منصب خلافت کس کو حاصل ہوگا، اگر ہم مستحق ہیں تو معلوم ہو جائے گا، ورنہ عرض کریں گے کہ ہمارے لیے وصیت فرما جائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ''خدا کی قسم نہ پوچھوں گا اگر پوچھنے پر آپ نے انکار کر دیا تو پھر آئندہ ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاؤں گا'' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انکار سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بھی جرأت نہ ہوئی۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی روز وفات پائی، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے بنو ہاشم کی مدد سے تجہیز و تکفین کی خدمت انجام دی، چونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم تھے، خاندانِ ہاشم میں سب سے معمر تھے، اس لیے تعزیت و ماتم پرسی کے خیال سے لوگ ان ہی کے پاس آئے۔

بارگاہِ نبوت میں اعزاز

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عم محترم کی نہایت تعظیم و توقیر فرماتے تھے اور ان کی معمولی اذیت سے بھی آپ کو تکلیف ہوتی تھی، ایک مرتبہ انہوں نے بارگاہِ نبوت میں شکایت کی کہ قریش جب باہم ملتے ہیں تو ان کے چہروں پر تازگی اور شگفتگی برستی ہے، لیکن جب ہم سے ملتے ہیں تو بشاشت کی بجائے برہمی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سنکر غضبناک ہوئے اور فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ جو شخص خدا اور رسول کے لیے تم لوگوں سے محبت نہ کرے گا اس کے دل میں نور

ایمان نہ ہوگا، چچا باپ کا قائم مقام ہے۔"

ایک دفعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مدینہ کے محصل مقرر ہوئے، انہوں نے حسبِ قاعدہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بھی رقم طلب کی، انہوں نے انکار کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سختی سے تقاضا کیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر صورت واقعہ عرض کی، آپ نے فرمایا تم عباسؓ سے کیا چاہتے ہو، بدر کے فدیہ میں تم ان سے بہت کچھ لے چکے، عباسؓ رسولِ خدا کا چچا ہے، اور چچا باپ ہی کا قائم مقام ہے۔

خلفائے راشدین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین نے بھی حضرت عباسؓ کی عزّت واحترام کا مخصوص لحاظ رکھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اگر کبھی گھوڑے پر سوار ہو کر ان کی طرف سے گذرتے تو تعظیماً اتر پڑتے، اور فرماتے کہ "یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر ان کو اپنے مشوروں میں شریک کرتے تھے، اور قحط وخشک سالی کے موقعوں پر ان سے دعائیں کراتے تھے، قحط عام الرمادہ کے موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا "خدایا! پہلے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑ کر حاضر ہوتے تھے، اور اب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم کا وسیلہ لے کر آئے ہیں، ان کے طفیل میں ہم کو سیراب کر" ان کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے منبر پر بیٹھ کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا تو یکا یک صاف وشفاف آسمان پر لکہ ہائے ابر نمودار ہوئے اور تھوڑی ہی دیر میں بارانِ رحمت سے تمام کوہ وبیابان جل تھل ہو گئے، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کو اس طرح نظم کیا ہے:

سال الامام وقد تتابع جد بنا
فسقی الغمام بعزة العباسؓ

"امام کے دعا مانگنے پر بھی خشک سالی بڑھتی گئی لیکن عباس کی شرافت کے طفیل میں ابر نے سیراب کر دیا۔"

Marfat.com

عم النبی و صنو والدہ الذی

ورث النبی بذاک دون الناس

''وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور آپ کے والد کے حقیقی بھائی ہیں انہوں نے تمام لوگوں کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت پائی۔''

احیی الالہ بہ البلاد فاصبحت

محضرۃ الاجناب بعد الیاس

''ان کے طفیل سے خدا نے ملک کو زندہ کردیا ناامیدی کے بعد پھر تمام میدان سرسبز ہو گئے۔''

چونکہ یہ بارش نہایت غیر متوقع تھی اس لیے لوگ فرطِ مسرت سے ان کے ہاتھ پاؤں چوم چوم کر کہتے تھے ''ساقیِ حرمین! مبارک ہو، ساقی حرمین! مبارک ہو''

وفات

حضرت عباسؓ اٹھاسی ۸۸ برس کی عمر پاکر ۳۲ھ میں بماہ رجب یا رمضان کے روز رہگزین عالمِ جاوداں ہوئے، خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے قبر میں اتر کر سپرد خاک کیا۔

اخلاق

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نہایت فیاض، مہمان نواز اور رحمدل تھے، حضرت سعید بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مقام بقیع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو آتے دیکھ کر فرمایا یہ عباس رضی اللہ عنہ عم رسول ہیں، یہ قریش میں سب سے زیادہ کشادہ دست ہیں اور اپنے رشتہ داروں کا خیال رکھتے ہیں۔

دل نہایت نرم تھا، دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے تو آنکھوں سے سیلِ اشک رواں ہو جاتا، یہی وجہ ہے کہ ان کی دعاؤں میں خاص اثر ہوتا تھا۔

Marfat.com

تمول وذریعہ معاش

حضرت عباسؓ ایام جاہلیت میں نہایت متمول تھے، چنانچہ جنگ بدر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بیس اوقیہ سونا فدیہ لیا تھا جو دوسرے قیدیوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھا۔

تجارت ذریعۂ معاش تھی ساتھ ہی وہ سودی لین دین بھی کرتے تھے، لوگوں کو سود پر قرض دیتے تھے، یہ سلسلہ فتح مکہ تک قائم رہا، حجۃ الوداع کے موقع پر محرم ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنا مشہور آخری خطبہ دیا تو اس میں فرمایا، ''آج سے عرب کے تمام سودی کاروبار بند کیے گئے اور سب سے پہلا سودی کاروبار جس کو میں بند کرتا ہوں وہ عباسؓ بن عبدالمطلب کا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت کے خمس اور فدک کی آمدنی سے بھی ان کی اعانت فرماتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انہوں نے حضرت فاطمہؓ کے ساتھ خلیفہ اوّل سے فدک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری متروکہ جائیداد میں وراثت کا مطالبہ کیا لیکن '' لانورث ماترکنا صدقة''کی حدیث سن کر خاموش ہو گئے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں باغِ فدک حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے حوالہ کر دیا تھا، لیکن وہ دونوں باہمی اتفاق سے اس کا انتظام قائم نہ رکھ سکے اور بارگاہِ خلافت میں تقسیم کر دینے کی درخواست پیش کی حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ محض گزارہ کے لیے دیا گیا ہے اس میں وراثت کا قاعدہ جاری نہیں ہوسکتا۔

حلیہ

حلیہ یہ تھا، قد بلند وبالا، چہرہ خوبصورت، رنگ سفید اور جلد نہایت نازک۔

ازواج واولاد

حضرت عباسؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، جن سے کثرت سے اولادیں ہوئیں۔ سب سے پہلی لبابہ بنت حارث تھیں، ان سے حسب ذیل اولادیں ہوئیں۔

Marfat.com

فضلؓ، عبداللہؓ، عبدالرحمنؓ، قثمؓ، معبدؓ، ام حبیبہ،
ام ولد سے یہ اولادیں ہوئیں،
کثیرؓ، تمامؓ، صفیہ، امیمہ،
تیسری بیوی جمیلہ تھیں، ان کے بطن سے حارث تھے۔

حضرت لبابہ بنتِ حارث رضی اللہ عنہا

صحابیات میں سے حضرت لُبابہ بنتِ حارث رضی اللہ عنہا نہایت ہی خوش قسمت خاتون ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرفِ صحابیت کے ساتھ ساتھ بڑی فضیلتوں سے نوازا ہے۔

(۱) آپ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد ایمان لانے والی دوسری خاتون ہیں۔ (اسد الغابہ ج ۴ ص ۱۹۷)

(۲) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بہنوئی ہیں اور آپ حضور علیہ السلام کی سالی ہیں کیونکہ اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آپ کی سگی بہن ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح میں ہیں۔

(۳) آپ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی چچی بھی لگتی ہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حقیقی چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آپ اہلیہ محترمہ ہیں۔

(۴) آپ اہلِ اسلام کے سپہ سالارِ اعظم حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی خالہ بھی لگتی ہیں۔

حضرت لبابہؓ کے چھ صاحبزادے

اللہ تعالیٰ نے حضرت لبابہ رضی اللہ عنہا کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے چھ بیٹے عطا کیے تھے۔

(۱) حضرت فضل (۲) حضرت عبداللہ (۳) حضرت عبیداللہ (۴) حضرت قثم (۵) حضرت عبدالرحمٰن (۶) حضرت معبد رضی اللہ عنہم ان چھ میں سے اوّل الذکر چار بیٹے

Marfat.com

جلیل القدر صحابہ میں شمار ہوتے ہیں اور آخری دو صغار صحابہ کرام میں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب بیٹوں کو بڑا مرتبہ و مقام عطا فرمایا تھا۔

ھلالی فرماتے ہیں:

ما ولدت نجيبة من فحل كستّة من بطن اُم الفضل اكرم بها من كهلة و كهل.

(القند فی ذکر علماء سمرقند ص ۵۲۹)

''کسی شریف زادی نے اپنے شوہر سے چھ بیٹے ایسے نہیں جنے جیسے کہ اُم الفضل (حضرت لبابہؓ) کے بطن سے چھ بیٹے پیدا ہوئے، یہ کیا ہی خوب ادھیڑ عمر کے میاں بیوی ہیں۔''

یہ بات عجیب اتفاقات میں سے ہے کہ حضرت لبابہ رضی اللہ عنہا کے ان چھ بیٹوں میں سے ہر ایک کا انتقال نہایت ہی دور دراز علاقہ میں ہوا۔ قتبــــی کہتے ہیں مفسر قرآن ابوصالح فرماتے ہیں۔

ما رأينا بني اُمّ قط اَبعَدَ قبورًا من بني العباس لِاُمّ الفضل، مات الفضل بالشام، ومات عبدالله بالطائف، ومات عبيد الله بالمدينة ومات قثم، بسمر قند، وقتل معبد با فريقية.

(القند فی ذکر علماء سمرقند ص ۵۲۹)

''ہم نے قطعاً نہیں دیکھا کہ کسی ماں کے بیٹوں کی قبریں اس قدر دُور دُور بنی ہوں، جتنی کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اُن بیٹوں کی قبریں جو ان کی اہلیہ اُم الفضل رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہوئے چنانچہ حضرت فضلؓ ملک شام میں شہید ہوئے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ طائف میں فوت ہوئے حضرت عبیداللہ مدینہ منورہ میں فوت ہوئے، حضرت قثم سمرقند (ازبکستان) میں فوت ہوئے (حضرت عبدالرحمٰن اور) حضرت معبدؓ افریقہ میں شہید ہوئے۔''

حضرت فضل رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے

Marfat.com

صاحبزادے تھے۔آپ کی وفات ملک شام میں ہوئی، رہا یہ کہ کب ہوئی اور کیسے ہوئی اس میں اختلاف ہے۔ایک قول کے مطابق آپ معرکہ مرج الصفر میں شہید ہوئے، دوسرا قول یہ ہے کہ معرکہ اجنادین میں شہید ہوئے۔یہ دونوں معرکے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت ۱۳ھ میں پیش آئے، تیسرا قول یہ ہے کہ ۱۸ھ میں طاعونِ عمواس میں آپ کی وفات ہوئی، چوتھا قول یہ ہے کہ آپ ۱۵ھ میں یرموک کے معرکہ میں شہید ہوئے[1]

[1] یہ چاروں اقوال اسد الغابہ ج۴ص ۱۸۳ سے لیے گئے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا انتقال طائف میں ۶۸ھ یا ۷۰ھ میں ہوا۔

حضرت عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا انتقال اکثر مؤرخین کے قول کے مطابق مدینہ طیبہ میں یزید کے دور میں ہوا۔

حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہما ۵۶ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سعید رضی اللہ عنہ کے ساتھ سمرقند تشریف لے گئے، وہیں سمرقند میں جواب ریاست ازبکستان کا شہر ہے آپ کی وفات ہوئی۔سمرقند میں آپ کا روضۂ مبارک شاہِ زندہ کے نام سے معروف اور زیارت گاہِ عام ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہیں تشریف لے جارہے تھے، راستے میں اپنے بھائی قثم کے انتقال کی خبر ملی، راستے سے ایک طرف کو ہو کر اونٹ سے اترے۔دو رکعت نماز پڑھی اور التحیات میں بہت دیر تک دعائیں پڑھتے رہے، اس کے بعد اٹھے اور اونٹ پر سوار ہوئے اور قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمانے لگے۔

واستعينوا بالصّبر والصّلٰوةِ وانّها لكبيرةٌ اِلّا على الخاشعين. (اسد الغابه ج۴ ص ۱۹۸)

"اور مدد حاصل کرو صبر کے ساتھ اور نماز کے ساتھ بے شک نماز دشوار ضرور ہے مگر جن کے دلوں میں خشوع ہے اُن پر کچھ دشوار نہیں۔"

حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت معبد رضی اللہ عنہما دونوں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کے ساتھ جہاد کے لیے افریقہ تشریف لے گئے تھے، یہ جہاد ۲۷ھ میں ٹیونس میں ہوا تھا، اسی میں دونوں بھائی شہید ہوئے۔

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ

حضرت فضل رضی اللہ عنہ بھی بعثتِ نبوی ﷺ کے اوائل ہی میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے لیکن اپنے والد گرامی کی طرح انہوں نے بھی اسلام کا چرچا کرنا مناسب نہ سمجھا۔ فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ارضِ مکہ کو الوداع کہا اور ہجرت کر کے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ اہل و عیال بھی ہمراہ تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے فرزندوں کو ساتھ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے حد مسرور ہوئے اور سب کو دعائے خیر و برکت سے نوازا۔

حضرت فضل رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلے فتح مکہ کے موقع پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔ اس کے بعد وہ بڑے جوش و جذبہ کے ساتھ غزوۂ حنین میں شریک ہوئے اور تحیر خیز سرفروشی کا مظاہرہ کیا۔ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ جب دشمن کی بے پناہ تیراندازی سے مسلمانوں میں انتشار پھیل گیا تو حضرت فضل رضی اللہ عنہ اس وقت بھی چند دوسرے جانبازوں کے ساتھ میدانِ جنگ میں کوہِ استقلال بن کر کھڑے تھے اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تیروں کی زد سے بچانے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا رکھی تھی۔ ان سرفروشوں کی ہمتِ مردانہ ہی کا نتیجہ تھا کہ مسلمان بہت جلد واپس پلٹ پڑے اور مشرکین بنو ہوازن کو عبرتناک شکست دی۔

حجۃ الوداع میں حضرت فضل رضی اللہ عنہ کو یہ عظیم سعادت نصیب ہوئی کہ سید الانام رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی سواری پر اپنے ساتھ بٹھایا۔ اس طرح وہ روفِ رسول اللہ (ہمرکابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے قابلِ فخر لقب سے مشہور ہو گئے۔

ابوداؤد میں ہے کہ حجۃ الوداع میں رمیِ جمار کے وقت حضرت فضل رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک کے پیچھے کھڑے تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر چادر تان رکھی تھی تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دھوپ سے بچے رہیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم کی حیاتِ اقدس کے آخری دنوں میں جن اصحاب رضی اللہ عنہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی سعادت نصیب ہوئی، حضرت فضل رضی اللہ عنہ بھی ان میں شامل تھے۔

حافظ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس دن آخری خطبہ دینے کے لئے حجرۂ مبارک سے باہر تشریف لائے تو حضرت فضل رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرے صاحب کے ساتھ مل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہارا دے رکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق حضرت فضل رضی اللہ عنہ ہی نے عامۃ المسلمین کے سامنے اعلان کیا تھا کہ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جن اعزہ کو جسد اطہر کو غسل دینے کی سعادت نصیب ہوئی، ان میں سے ایک حضرت فضل رضی اللہ عنہ تھے۔ حافظ ابن عبد البرؒ نے استیعاب میں بیان کیا ہے کہ حضرت فضل رضی اللہ عنہ پانی ڈالتے تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ غسل دیتے تھے۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عہدِ صدیقی میں قیصرِ روم سے معرکہ آرائیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت فضل رضی اللہ عنہ شام جانے والے مجاہدینِ اسلام کے لشکر میں شامل ہو گئے اور رومیوں کے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔

بعض اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ حضرت فضل رضی اللہ عنہ نے طاعون عمواس (۱۷، ۱۸ ہجری) میں وفات پائی اور بعض کا قول ہے کہ انہوں نے جنگِ اجنادین ۱۳ ہجری میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ حافظ ابن حجر نے اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے، حضرت فضل رضی اللہ عنہ نے اپنے پیچھے صرف ایک لڑکی مکتوم رضی اللہ عنہا چھوڑی۔ ان کا پہلا نکاح سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ سے ہوا، انہوں نے طلاق دی تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے عقدِ نکاح میں آئیں۔

مفسر قرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

نام ونسب

عبد اللہ نام، ابو العباس کنیت، والد کا نام عباسؓ اور والدہ کا نام ام الفضل لبابہ تھا،

Marfat.com

شجرۂ نسب یہ ہے

عبداللہ بن العباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف القرشی الہاشمی،

آنحضرت ﷺ کے ابن عم اور ام المومنین حضرت میمونہؓ کے خواہرزادہ تھے، کیونکہ ان کی والدہ حضرت ام الفضل حضرت میمونہؓ کی حقیقی بہن تھیں،

ولادت

حضرت عبداللہؓ ہجرت سے تین سال قبل مکہ کی اس گھاٹی میں تولد پذیر ہوئے جہاں مشرکین قریش نے تمام خاندان ہاشم کو محصور کر دیا تھا، حضرت عباسؓ ان کو بارگاہِ نبوت میں لے کر آئے تو آپ ﷺ نے منہ میں لعابِ دہن ڈال کر دعا فرمائی۔

اسلام

حضرت عباسؓ نے بظاہر فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا، لیکن حضرت عبداللہؓ کی والدہ حضرت ام الفضلؓ نے ابتدا ہی میں داعیٔ توحید کو لبیک کہا تھا، ابن سعد کی روایت ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد عورتوں میں ان کا ایمان سب پر مقدم تھا، اس بنا پر حضرت عبداللہؓ نے یومِ ولادت ہی سے توحید کی لوریوں میں پرورش پائی اور ہوش سنبھالنے کے ساتھ وہ قدرۃً ایک پرجوش مسلم ثابت ہوئے۔

ہجرت

آپ کے والد ماجد حضرت عباسؓ ۸ھ میں فتح مکہ سے کچھ عرصہ قبل حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے، اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے، حضرت عبداللہؓ کی عمر اس وقت گیارہ برس سے زیادہ نہ تھی، لیکن اپنے والد کے حکم سے اکثر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوتے تھے۔

عہدِ طفولیت ومصاحبتِ رسول

آپ اگرچہ فطرۃً ذہین، سلیم الطبع، متین اور سنجیدہ تھے، تاہم آپ نے رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت کا جو زمانہ پایا وہ درحقیقت آپ کا عہد طفولیت تھا، جس میں انسان کو کھیل کود

سے دل آویزی ہوتی ہے، فرماتے ہیں کہ میں لڑکوں کیساتھ گلیوں میں کھیلتا پھرتا تھا، ایک روز رسول اللہ ﷺ کو پیچھے آتے ہوئے دیکھا تو جلدی سے ایک گھر کے دروازہ میں چھپ گیا، لیکن آپ ﷺ نے آکر مجھے پکڑ لیا اور سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا ''جا معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو بلا'' وہ آنحضرت ﷺ کے کاتب تھے، میں دوڑ کران کے پاس گیا اور کہا چلیے رسول اللہ ﷺ آپ کو یاد فرماتے ہیں، کوئی خاص ضرورت ہے۔''

ام المومنین حضرت میمونہؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خالہ تھیں اور ان کو نہایت عزیز رکھتی تھیں، اس لئے وہ اکثر ان کی خدمت میں حاضر رہتے، کبھی کبھی رات کے وقت بھی ان ہی کے گھر سو رہتے تھے، اس طرح ان کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے مستفیض ہونے کا بہترین موقع میسر تھا، فرماتے ہیں کہ:

''ایک مرتبہ میں رات کے وقت اپنی خالہ (حضرت) میمونہؓ کے پاس سو رہا تھا، آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور چار رکعت نماز پڑھ کر استراحت فرما ہوئے، پھر کچھ رات باقی تھی کہ بیدار ہوئے اور مشکیزہ کے پانی سے وضو کر کے نماز پڑھنے لگے میں بھی اٹھ کر بائیں طرف کھڑا ہو گیا، آپ ﷺ نے میرا سر پکڑ کر مجھے داہنی طرف کر لیا''

اسی سلسلہ میں بارہا خدمت گذاری کا شرف بھی حاصل ہوا، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نماز کیلئے بیدار ہوئے، انہوں نے وضو کے لئے پانی لاکر رکھ دیا، آپ ﷺ نے وضو فرما کر پوچھا ''پانی کون لایا تھا؟'' حضرت میمونہؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا نام لیا، آنحضرت ﷺ نے خوش ہو کر دعائیں دیں اور فرمایا:

اللّٰھم فقھه فی الدین وعلمه التاویل.

یعنی اے خدا! اس کو مذہب کا فقیہ بنا اور تاویل کا طریقہ سکھا۔

ایک دفعہ وہ نماز میں آنحضرت ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوئے، آپ ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اپنے برابر کھڑا کر لیا، لیکن وہ حیص بیص میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے، آنحضرت ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ عرض کی ''یا رسول اللہ! کیا آپ ﷺ کے برابر کھڑا ہونا کسی کے لئے مناسب ہے، حالانکہ آپ ﷺ رسولِ خدا

Marfat.com

ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے ازدیادِ علم وفہم کی دعا فرمائی۔

خلفائے راشدینؓ کا عہد

حضرت عبداللہ بن عباسؓ صرف تیرہ برس کے تھے کہ حضرت سرورِ کائنات ﷺ نے اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی، سوادو برس کے بعد خلیفۂ اول نے بھی داغ مفارقت دیا، خلیفہ دوم یعنی حضرت عمر فاروقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو وہ سنِ شباب کو پہنچ چکے تھے، حضرت عمرؓ نے ان کو جوہر قابل پا کر خاص طور سے اپنے دامنِ تربیت میں لے لیا، اور اکابر صحابہؓ کی علمی صحبتوں میں شریک کیا، یہاں تک کہ لوگوں کو اس پر رشک ہوتا تھا، صحیح بخاری میں خود حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر ﷺ مجھ کو شیوخِ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے؛ اس پر بعض بزرگوں نے کہا کہ آپ اس نوعمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں، اور ہمارے لڑکوں کو جوان کے ہمسر ہیں کیوں یہ موقع نہیں دیتے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا ''یہ وہ شخص ہے جس کی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے''۔

محدث ابن عبدالبر استیعاب میں تحریر فرماتے ہیں ''کان عمر یحب ابن عباس ویقرّبه'' یعنی حضرت عمرؓ ابن عباسؓ کو محبوب رکھتے تھے، اور ان کو تقرب دیتے تھے، بسا اوقات حضرت عمرؓ کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا، عبداللہ بن عباسؓ اس کا جواب دینا چاہتے لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجکتے، حضرت عمرؓ ان کی ہمت بندھاتے اور فرماتے ''علم سن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں ہے، تم اپنے نفس کو حقیر نہ بناؤ'' حضرت عمرؓ اکثر پیچیدہ اور مشکل مسائل ان سے حل کراتے تھے، اور ان کی فطری ذہانت وطباعی سے خوش ہو کر داد دیتے تھے۔

خلیفۂ ثالث (حضرت سیدنا عثمان غنی ﷺ) کے عہد میں عبداللہ بن ابی سرح والیِ مصر کے زیرِ اہتمام ۲۷ھ میں افریقہ پر فوج کشی ہوئی، حضرت عبداللہ عباسؓ ایک جماعت کے ساتھ مدینہ منورہ سے چل کر اس مہم میں شریک ہوئے اور ایک سفارت کے موقع میں جرجیر شاہِ افریقہ سے مکالمہ ہوا، اس کو ان کی ذہانت وطباعی سے نہایت حیرت ہوئی اور بولا ''میں خیال کرتا ہوں کہ آپ حبرِ عرب (عرب کے کوئی عالم متبحر) ہیں۔''

Marfat.com

امارت حج

چونکہ ۳۵ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محصور تھے، اس لئے اس سال وہ خود امارتِ حج کا فرض انجام نہ دے سکے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا:

''خالد بن عاص کو میں نے مکہ کا والی مقرر کیا ہے، میں ڈرتا ہوں کہ امارتِ حج کے فرائض انجام دینے پر شاید ان کی مزاحمت کی جائے اور اس طرح خانہ خدا میں بھی فتنہ وفساد اٹھ کھڑا ہو، اس لئے میں تم کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجتا ہوں۔''

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اس خدمت کو سرانجام دے کر واپس آئے تو مدینہ نہایت پر آشوب ہو رہا تھا، خلیفۂ ثالث شہید ہو چکے تھے، اور حضرت علیؑ کو بارِ خلافت اٹھانے پر لوگ مجبور کر رہے تھے، انہوں نے ان سے مشورہ طلب کیا،

حضرت علی: خلافت کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ میں خیال کرتا ہوں کہ اس حادثہ عظیم کے بعد کوئی شخص اس بار کو اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتا''

حضرت عبداللہ بن عباسؓ: ''یہ ضرور ہے کہ اب جس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی اس پر خونِ ناحق کا اتہام لگایا جائے گا، تاہم لوگوں کو اس وقت آپ کی ضرورت ہے۔''

غرض اہل مدینہ کے اتفاق عام سے حضرت علیؓ مسند آرائے خلافت ہوئے اور نئے سرے سے ملکی نظم ونسق کا اہتمام شروع ہوا، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے مشورہ دیا کہ سردست موجودہ عمال وحکام برقرار رکھے جائیں، لیکن جب حضرت علیؓ نے سختی کے ساتھ اس سے انکار کیا تو انہوں نے دوسرے روز اپنی رائے واپس لے لی اور کہا ''امیر المومنین! میں نے رائے دینے کے بعد غور کیا تو آپ ہی کا خیال انسب نظر آیا۔'' حضرت عبداللہ بن عباسؓ فوراً اصل حقیقت کو تاڑ گئے اور بولے ''میرے خیال میں مغیرہ کی پہلی رائے خیر خواہی پر مبنی تھی، لیکن دوسری دفعہ انہوں نے آپ کو دھوکہ دیا۔''

حضرت علیؓ: ''خیر خواہی کیا تھی؟''

حضرت عبداللہ بن عباسؓ: ''آپ جانتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے احباب

Marfat.com

دنیادار ہیں، اگر آپ ان کو برطرف کر دیں گے تو وہ تمام ملک میں شورش و فتنہ پردازی کی آگ بھڑکا دیں گے، اور اہل شام و عراق کو خلیفۂ ثالث کے انتقام پر ابھار کر آپ کے خلاف کھڑا کر دیں گے۔"

حضرت علیؓ: "اس میں شک نہیں کہ تمہاری رائے مصالحِ دنیاوی کے لحاظ سے نہایت صائب ہے، تاہم میرا ضمیر اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں جن لوگوں کی بداعمالیوں سے واقف ہوں ان کو اپنے عہدوں پر برقرار رہنے دوں، خدا کی قسم میں کسی کو نہ رہنے دوں گا، اگر سرکشی کریں گے تو تلوار سے فیصلہ کروں گا۔"

حضرت عبداللہ بن عباسؓ: "میری بات مانئے، گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائیے یا اپنی جاگیر پر ینبع چلے جائیے، لوگ تمام دنیا کی خاک چھان ماریں گے، لیکن آپ کے سوا کسی کو خلافت کے لائق نہ پائیں گے، خدا کی قسم اگر آپ ان مصریوں کا ساتھ دیں گے تو کل ضرور آپ پر عثمانؓ کے خون کا اتہام لگایا جائے گا۔"

حضرت علیؓ: "اب کنارہ کش ہونا میرے امکان سے باہر ہے۔"

حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو امیر معاویہؓ کے بجائے شام کا والی مقرر کرنا چاہا، لیکن انہوں نے انکار کیا، اور بار بار یہی مشورہ دیا کہ آپ معاویہؓ کو برقرار رکھ کر اپنا طرفدار بنا لیجئے، یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے برہم ہو کر نہایت سختی سے انکار کر دیا اور فرمایا، خدا کی قسم یہ کبھی نہیں ہو سکتا"۔

غرض اس تشدد آمیز طرزِ عمل پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا وہ واقعہ بن کے سامنے آیا، تمام ملک میں جناب امیرؓ کے خلاف مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی، ایک طرف حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ نے مطالبۂ اصلاح و انتقام کا علم بلند کر کے بصرہ پر قبضہ کر لیا اور دوسری طرف امیر معاویہؓ نے شام میں ایک عظیم الشان جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

جنگِ جمل

حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرہ کو محفوظ رکھنے کے خیال سے ایک فوجِ گراں کے ساتھ مدینہ

Marfat.com

منورہ سے روانہ ہوئے تھے، لیکن وہ پہلے داعیانِ اصلاح کے قبضہ میں آچکا تھا، اس لئے طرفین نے میدانِ ذی قار میں صف آرائی کی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جناب امیرؓ کی طرف سے اہل حجاز کی افسری پر مامور ہوئے اور جنگ شروع ہونے پر نہایت شجاعت و جانبازی کے ساتھ نبرد آزما ہوئے، یہاں تک کہ حامیانِ عرشِ خلافت کی فتح پر اس افسوسناک خانہ جنگی کا خاتمہ ہوا۔

ولایت بصرہ

بصرہ پر دوبارہ قبضہ ہونے کے بعد حضرت عبداللہ بن عباسؓ یہاں کے گورنر بنائے گئے اور زیادان کے مشیر اور بیت المال کے مہتمم مقرر ہوئے،

معرکہ صفین

جنگ جمل کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے معرکہ صفین پیش آیا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بصرہ سے ایک جماعت فراہم کر کے جناب امیر رضی اللہ عنہ کی حمایت میں میدانِ جنگ میں پہنچے اور نہایت جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرمِ کارزار ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو میسرہ کا افسر مقرر فرمایا تھا۔

چونکہ دونوں طرف سے روزانہ تھوڑی تھوڑی فوجیں نکل کر معرکہ آرا ہوتی تھیں، اس لئے اس جنگ کا سلسلہ طویل عرصہ تک قائم رہا، لیکن رفتہ رفتہ حامیانِ خلافت کا پلہ بھاری ہونے لگا یہاں تک کہ ایک روز شامی فوجوں نے شکست کے خوف سے اپنے نیزوں پر قرآن مجید بلند کر کے صلح کی دعوت دی، گو جناب مرتضیٰؓ اور ان کے ہوا خواہوں نے اپنی فوج کو اس دامِ تزویر سے محفوظ رکھنے کی بے پناہ کوشش کی تاہم مخالف کا جادو چل چکا تھا، ایک بڑی جماعت نے دعوتِ قرآن کو تسلیم کرنے پر اصرار کیا۔

ثالثی اور اس کا حشر

غرض جنگ ملتوی ہوگئی اور مسئلہ خلافت کا فیصلہ دو حکم پر محمول ہوا، شامیوں نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو حکم مقرر کیا اور اہلِ عراق کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعری

رضی اللہ عنہ کا انتخاب ہوا، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو ثالث بنانا چاہتے تھے لیکن لوگوں نے اس پر اعتراض کیا اور کہا "آپ اور عبداللہ بن عباسؓ ایک ہی ہیں، حکم کو غیر جانبدار ہونا چاہیے۔"

دونوں فریق کے اتفاق سے دومتہ الجندل حکمین کے لیے مقامِ اجلاس قرار پایا، اور ہر ایک نے اپنے حکم کے ساتھ چار ہزار آدمیوں کی جمعیت ساتھ کر دی، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو فوج گئی تھی اس کے افسر شریح بن ہانی اور مذہبی نگران حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نہایت نیک طینت و سادہ مزاج تھے، وہ جب تخلیہ میں حضرت عمرو بن العاصؓ سے کسی فیصلہ پر متفق ہو کر باہر تشریف لائے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان سے کہا "خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ عمرو نے آپ کو دھوکہ دیا ہوگا، اگر کسی رائے پر اتفاق ہوا ہو تو آپ ہرگز اعلان میں سبقت نہ کیجئے گا، وہ نہایت چالاک ہیں، کیا عجب ہے کہ آپ کے بیان کی مخالفت کر بیٹھیں" بولے "ہم دونوں ایک ایسی رائے پر متحد ہوئے ہیں کہ اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں"۔

غرض دوسرے روز مسجد میں مسلمانوں کا مجمع ہوا، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے اصرار پر کھڑے ہو کر یہ متفق علیہ فیصلہ سنایا:

"صاحبو! ہم نے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر کے پھر نئے سرے سے مسلمانوں کو مجلسِ شوریٰ کو انتخاب کا حق دیا، وہ جس کو چاہیں اپنا امیر بنائے۔"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا وہ نہایت صحیح ثابت ہوا عمرو بن العاصؓ نے قرارداد سے منحرف ہو کر کہا "صاحبو! بے شک علی رضی اللہ عنہ کو جیسا کہ ابوموسیٰ نے معزول کیا، میں بھی معزول کرتا ہوں، لیکن معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس منصب پر قائم رکھتا ہوں کیونکہ وہ امیر المومنین عثمانؓ کے ولی اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔"

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اس خلاف بیانی پر ششدر رہ گئے، چلا کر کہنے لگے یہ کیا غداری ہے؟ یہ کیا بے ایمانی ہے؟ افسوس! ابن عباسؓ نے مجھے عمرو کی غداری سے ڈرایا تھا،

Marfat.com

لیکن میں نے اس پر اطمینان رکھا، مجھے کبھی یہ گمان نہ تھا کہ وہ مسلمانوں کی خیر خواہی پر کسی چیز کو ترجیح دیں گے، غرض اس ثالثی نے گتھی کو سلجھانے کی بجائے اور زیادہ الجھا دیا، جناب امیرؓ کے اعوان وانصار میں تفریق واختلاف کی ہوا چل گئی اور ایک بڑی جماعت نے لشکر حیدری سے کنارہ کش ہو کر خارجی فرقہ کی بنیاد ڈالی، اس کا عقیدہ تھا کہ معاملاتِ دین میں حکم مقرر کرنا کفر ہے، اس بنا پر دونوں حکم اور ان کے انتخاب کرنے والے کافر ہیں۔

حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو خارجیوں کے پاس بھیجا کہ بحث ومباحثہ سے ان کی ضلالت دور کردیں، لیکن قلوب تاریک ہو چکے تھے، آنکھوں پر ضلالت وگمراہی کا پردہ پڑ چکا تھا، اس لئے ارشاد وہدایت کی تمام کوششیں ناکام رہیں،

معرکۂ نہروان

خارجیوں نے نہروان میں مجتمع ہو کر عملاً سرکشی اختیار کی اور تمام ملک میں قتل و غارتگری کا بازار گرم کردیا، حضرت علیؓ دوبارہ شام پر فوج کشی کے خیال سے روانہ ہو چکے تھے، ان سرکشوں کا حال سن کر نہروان کی طرف پلٹ پڑے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ گورنری کے عہدہ پر بصرہ پہنچ گئے تھے، وہ وہاں سے تقریباً سات ہزار کی جمعیت فراہم کر کے مقام نخیلہ میں افواجِ خلافت سے مل گئے اور نہروان پہنچ کر نہایت بہادری وپامردی کے ساتھ سرگرم پیکار ہوئے۔

ایران کی حکومت

جنگِ نہروان نے گو خارجیوں کا زور توڑ دیا تھا تاہم ان کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں نے فارس، کرمان اور ایران کے دوسرے اضلاع میں پھیل کر ایک عام شورش برپا کردی، اور ذمیوں کو بھڑکا کر آمادۂ بغاوت کر دیا، چنانچہ ایران کے اکثر صوبوں میں عمال نکال دیئے گئے، اور عجمیوں نے خراجِ ادا کرنے سے قطعاً انکار کردیا، حضرت علیؓ نے اپنے تمام عمال کو بلا کر اس شورش کے متعلق مشورہ طلب کیا، حضرت عبداللہؓ نے کہا ''میں ایران میں تسلط قائم کرنے کا ذمہ لیتا ہوں۔'' چونکہ بصرہ ایران کے باغی اضلاع سے بالکل متصل تھا اور وہ ایک عرصہ سے وہاں کامیابی کے ساتھ گورنری کے فرائض انجام دے رہے تھے، اس لئے حضرت

Marfat.com

علیؓ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور ان کو تمام ایران کا حاکم اعلیٰ بنادیا۔

بغاوت کا استیصال

حضرت عبداللہؓ نے بصرہ پہنچ کر زیاد بن ابیہ کو ایک زبردست جمعیت کے ساتھ ایران کی بغاوت فرو کرنے پر مامور فرمایا، چنانچہ انہوں نے بہت جلد کرمان، فارس اور تمام ایران میں امن وسکون پیدا کردیا۔

مکہ میں عزلت نشینی

ایک روایت کے مطابق ۴۰ھ یعنی حضرت علیؓ کی زندگی ہی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بصرہ کے عہدۂ امارت سے مستعفی ہو کر مکہ میں عزلت نشینی اختیار کرلی، وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ابوالاسود وائلی قاضی بصرہ میں باہم مخالفت تھی، ابوالاسود نے بارگاہ خلافت میں ان کی شکایت لکھی کہ انہوں نے بیت المال میں تصرف بے جا کیا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے جواب طلب کیا تو انہوں نے لکھا:

آپ کو جو خبر ملی ہے قطعاً غلط ہے، میرے قبضہ میں جو کچھ ہے میں اس کا محافظ ونگہبان ہوں، آپ ان بدگمانیوں کو باور نہ فرمائیں۔

حضرت علیؓ نے اس کے جواب میں ان سے بیت المال کا تمام وکمال حساب طلب کیا، عبداللہ بن عباسؓ کو یہ ناگوار گذرا، انہوں نے برداشتہ خاطر لکھا:

''میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس شکایت کو کہ میں نے اس شہر والوں کے مال میں کچھ خورد برد کیا ہے، زیادہ اہمیت دینا چاہتے ہیں، اس لئے آپ اپنے کام پر جس کو چاہیے بھیج دیجئے میں اس سے کنارہ کش ہوتا ہوں۔''

ایک دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب زیادہ بازپرس کی تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ ابھی میں نے اپنا حق نہیں لیا ہے اور بیت المال سے ایک بڑی رقم لے کر مکہ چلے گئے۔

لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت علیؓ کی شہادت تک بصرہ کی

Marfat.com

گورنری پر مامور تھے، البتہ جب حضرت حسینؓ اور امیر معاویہؓ میں مصالحت کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی تو انہوں نے بطور حفظ ماتقدم پہلے ہی امیر معاویہؓ کو خط لکھ کر جان و مال کی امان حاصل کی اور مکہ جا کر گوشہ نشین ہو گئے۔

حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ جانے سے منع کرنا

۶۰ھ میں امیر معاویہؓ کے بعد جب یزید مسند نشینِ حکومت ہوا تو شیعانِ علی مرتضیٰ نے حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو اس انقلاب سے فائدہ اٹھانے پر ابھارا اور کوفہ آنے کی دعوت دی، چنانچہ وہ مدینہ سے مکہ آئے اور یہاں سے عازم کوفہ ہوئے۔

چونکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کوفیوں کی غداری کا دیرینہ تجربہ رکھتے تھے اس لئے انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بہ اصرار کوفہ جانے سے منع کیا اور کہا:

عبداللہ ابن عباسؓ: ''اے ابن عم! میں اپنے دل کو مطمئن کرنا چاہتا ہوں، لیکن وہ نہیں ہوتا، اس طریقہ سے جانے میں مجھ کو تمہاری ہلاکت و تباہی کا خوف ہے، اہلِ عراق نہایت غدار ہیں، تم ان کے قول و قرار پر اعتبار نہ کرو، تم اہلِ حجاز کے سردار ہو، اس لئے کوفہ جانے سے یہاں مقیم رہنا زیادہ مناسب ہے، ہاں! اگر اہلِ کوفہ درحقیقت تمہارے عقیدت کیش ہیں تو ان کو لکھو کہ وہ پہلے اپنے ملک سے دشمن کو نکال باہر کریں، پھر ان کے پاس جاؤ، اگر یہ منظور نہ ہو تو یمن کی راہ لو، وہاں بہت سے قلعے اور گھاٹیاں ہیں، ملک نہایت وسیع و فراخ ہے اور تمہارے والد کا اثر بھی خاصہ ہے، علاوہ ازیں دشمن کے دور ہونے کے باعث لوگوں سے مراسلت و مکاتبت کر سکتے ہو اور تمام ملک میں اپنے داعی پھیلا سکتے ہو، مجھے امید ہے کہ اس طرح زیادہ آسانی و اطمینان کیساتھ تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا۔''

حضرت حسینؓ: ''اے ابن عم! خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ آپ میرے سچے خیر خواہ مہربان ہیں، لیکن اب سفر کوفہ کی تیاریاں ہو چکی ہیں اور میں نے وہاں جانے کا عزم مصمم کر لیا ہے۔''

عبداللہ بن عباسؓ: ''اگر تم جاتے ہو تو خدارا بیوی، بچوں کو ساتھ نہ لے جاؤ، خدا کی قسم مجھے خطرہ ہے کہ کہیں تم بھی اس طرح نہ شہید کیے جاؤ جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

Marfat.com

اپنی عورتوں اور بچوں کے سامنے ذبح کیے گئے۔"

لیکن مشیت الٰہی میں کس کو دخل کرنا تھا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ضد واصرار کے باوجود حضرت حسینؓ اپنے تمام خاندان کے ساتھ راہی کوفہ ہوئے اور میدان کربلا نے وہ خونی منظر پیش کیا جس سے جگر پاش پاش ہوتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے خاندان کی تباہی کا جو روح فرسا صدمہ ہوا ہوگا اس کا کون اندازہ کرسکتا ہے؟ وہ بیس سال سے گوشہ نشین تھے، لیکن اس واقعہ کے بعد تمام دنیا ان کے سامنے تیرہ وتار تھی، بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اخیر عمر میں نابینا ہوگئے تھے۔ شاید یہ اسی جگر خراش سانحہ کا اثر ہو۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار

اسی سال حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے مکہ میں خلافت کا دعویٰ کیا، چونکہ حجاز و عراق میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے معتقدین کی ایک بڑی جماعت تھی، اس لئے انہوں نے ان سے بیعت کے لئے بے حد اصرار کیا اور بصورتِ انکار آگ میں جلادینے کی دھمکی دی، لیکن وہ تمام جھگڑوں سے کنارہ کش ہوچکے تھے، اس بنا پر انہوں نے نہایت سختی سے انکار کیا، اور ابوالطفیل کو کوفہ بھیج کر اپنے معتقدین سے مدد طلب کی۔

ابوطفیل کا بیان ہے کہ ہم کوفہ سے چار ہزار جان نثاروں کی ایک جماعت لے کر نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے تو عبداللہ بن زبیرؓ نے غلافِ کعبہ تھام کر پناہ حاصل کی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مکان کے اردگرد لکڑیوں کا انبار لگایا جاچکا تھا، ہم نے ان سے کہا "اگر آپ اجازت دیجئے تو اس شخص سے مخلوقِ الٰہی کو نجات دیں" بولے" نہیں یہ حرم ہے! یہاں کشت وخون جائز نہیں، تم صرف میری حفاظت کرو اور مجھے پناہ دو"

حضرت عبداللہ بن عباسؓ درحقیقت بنوامیہ کی بہ نسبت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتے تھے، ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے ان کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا" کیا آپ ابن زبیرؓ سے لڑ کر حرم الٰہی کو حلال کرنا چاہتے ہیں؟"

بولے معاذ اللہ! حرم میں خونریزی کرنا تو صرف بنوامیہ اور ابن زبیرؓ کی قسمت میں لکھا ہے، میں خدا کی قسم کبھی ایسی جرأت نہ کروں گا، میں نے کہا" لوگ ابن زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت

Marfat.com

کررہے ہیں، معلوم نہیں ان کو خلافت کا دعویٰ کس بنا پر ہے؟'' فرمایا'' کیوں نہیں! ان کے والد زبیرؓ حواریٔ رسول تھے، ان کے نانا ابوبکرؓ آنحضرت ﷺ کے رفیق تھے، ان کی ماں اسماءؓ ذات النطاق تھیں، ان کی خالہ عائشہؓ الموٴمنین تھیں، ان کے والد کی پھوپھی خدیجہؓ آنحضرت ﷺ کی حرم محترم تھیں، اوران کی دادی صفیہؓ آنحضرت ﷺ کی پھوپھی تھیں، پھر وہ ایک خود بھی پاک باز مومن اور قاریِ قرآن ہیں، خدا کی قسم! اگر وہ میرے ساتھ کوئی احسان کریں گے تو ایک رشتہ دار کا احسان ہوگا اور اگر وہ میری پرورش کریں گے تو یہ اپنے ایک ہمسر محترم کی پرورش ہوگی۔

طائف منتقل ہونا

لیکن اس دلی ہمدردی وجانبداری کے باوجود انکار بیعت سے جو مخالفت پیدا ہو گئی تھی اس کی بنا پر مکہ میں ان کا رہنا خطرہ سے خالی نہ تھا، اس لئے کوفی معاونین کی حفاظت میں مکہ سے طائف منتقل ہو گئے اور بقیہ زندگی کے دن وہیں پورے کئے۔

وفات

۶۸ھ میں پیمانہ حیات لبریز ہوگیا، ایک روز سخت بیمار ہوئے، بسترِ علالت کے اردگرد احباب ومعتقدین کا ہجوم تھا، بولے'' میں ایک ایسی جماعت میں دم توڑوں گا جو روئے زمین پر خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب، مشرف ومقرب ہے، اس لئے اگر میں تم لوگوں میں مروں تو یقیناً تم ہی وہ بہتر جماعت ہو۔'' غرض ہفت روزہ علالت کے بعد طائرِ روح نے قفسِ عنصری چھوڑا، محمد بن حنفیہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور سپردِ خاک کر کے کہا'' خدا کی قسم! آج دنیا سے حبرِ اُمت اٹھ گیا۔'' غیب سے ندا آئی

يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (فجر)

یعنی'' اے نفسِ مطمئن اپنے خدا کی طرف خوشی خوشی لوٹ آ۔''

علم وفضل

فضل وکمال کے اعتبار سے ابن عباسؓ اس عہدِ مبارک کے ممتاز ترین علماء میں

Marfat.com

تھے ان کی ذات ایسی زندہ کتاب خانہ تھی، جس میں تمام علوم و معارف بہ ترتیب جمع تھے، قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، شاعری، وغیرہ کوئی ایسا علم نہ تھا جس میں ان کو یدِ طولیٰ حاصل نہ رہا ہو۔

تفسیر

بالخصوص قرآن پاک کی تفسیر و تاویل میں جو مہارت اور آیاتِ قرآنی کے شانِ نزول اور ناسخ و منسوخ کے علم میں جو وسعت ان کو حاصل تھی، وہ کم کسی کے حصہ میں آئی، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ جو علم و فضل میں ان کے ہمسر تھے، فرماتے تھے کہ "عبداللہ بن عباسؓ قرآن کے کیا اچھے ترجمان ہیں" شفیق تابعی راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حج کے موسم میں عبداللہ بن عباسؓ نے خطبہ دیا اور اس میں سورہ نور کی تفسیر بیان کی، میں کیا بتاؤں وہ کیا تفسیر تھی، اس سے پہلے نہ میرے کانوں نے سنی تھی، نہ آنکھوں نے دیکھی تھی، اگر اس تفسیر کو فارس اور روم والے سن لیتے تو پھر اسلام سے ان کو کوئی چیز نہ روک سکتی۔

حضرت عمرؓ کی علمی مجلسوں میں یہ برابر شریک ہوتے تھے اور قرآن پاک کے فہم میں وہ اکثر بڑے بڑے صحابہؓ سے بازی لے جاتے تھے۔

معاصرین کا اعتراف

حضرت ابن عباسؓ صحابہؓ کی جماعت میں گو عمر میں بہت چھوٹے تھے مگر ان کا علم سب سے بڑا تھا، ان کے تمام معاصرین جن میں سے بڑے بڑے صحابہؓ تک تھے ان کے فضل و کمال کے معترف تھے۔

حضرت عمرؓ فرماتے تھے ابن عباسؓ ادھیڑ عمر والوں میں نوجوان ہیں، ان کی زبان سائل اور ان کا ذہن رسا ہے، مجاہد تابعی کہتے تھے کہ "میں نے ابن عباسؓ کے فتاویٰ سے بہتر کسی شخص کا فتویٰ نہیں دیکھا، علاوہ اس شخص کے جو قال رسول اللہ کہتا ہے۔" طاؤس کہتے تھے کہ "میں نے آنحضرت ﷺ کے پانچ سو اصحابؓ کو دیکھا ہے کہ جب وہ کسی مسئلہ میں ابن عباسؓ سے مباحثہ کرتے اور دونوں میں اختلافِ رائے ہوتا تو آخر میں ابن عباسؓ ہی کی رائے پر فیصلہ ہوتا"۔

Marfat.com

عبیداللہ بن عباس ؓ کہتے تھے کہ میں نے عبداللہ بن عباسؓ سے زیادہ سنت کا عالم، ان سے زیادہ صائب الرائے، ان سے بڑا دقیق النظر کسی کو نہیں دیکھا، حضرت عمرؓ باوجود اپنے ملکۂ اجتہاد اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے ابن عباسؓ کو مشکلات کے لئے تیار کرتے تھے، قاسم بن محمد کا بیان ہے کہ "ہم نے ابن عباسؓ کی مجلس میں کبھی کوئی باطل تذکرہ نہیں سنا، اور ان سے زیادہ کسی کا فتویٰ سنتِ نبوی ﷺ کے مشابہ نہیں دیکھا۔"

طاؤس تابعی حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ بہت رہا کرتے تھے، ابوسلیم نے ان پر اعتراض کیا کہ آنحضرت ﷺ کے اکابر صحابہؓ کو چھوڑ کر تم اس چھوکرے سے کیوں چمٹے رہتے ہو؟ انہوں نے کہا میں نے آنحضرت ﷺ کے ستر اصحابؓ کو دیکھا ہے جب وہ کسی مسئلہ میں گفتگو کرتے تھے تو آخر میں ان کو ابن عباسؓ ہی کے قول کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔

امہات المومنین کا احترام

آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس غیر معمولی عقیدت کا فطری اقتضاء یہ تھا کہ وہ امہات المومنین کے ساتھ بھی اس عزت و تکریم سے پیش آتے تھے، جب حضرت میمونہؓ کا انتقال ہوا اور لوگ مقام سرف میں جنازہ کی شرکت کے لئے جمع ہوئے تو انہوں نے کہا کہ "لوگو! یہ آنحضرت ﷺ کی حرم محترم کا جنازہ ہے، نعش آہستہ اٹھاؤ ہلنے نہ پائے"۔

یہ احترام حضرت میمونہؓ کی ذات کیساتھ مخصوص نہ تھا، بلکہ تمام امہات المومنینؓ کے ساتھ وہ اسی تعظیم سے پیش آتے تھے، البتہ خاندانی مناقشوں کی وجہ سے حضرت عائشہؓ سے کچھ بدمزگی ہوگئی تھی، مگر ان کی وفات سے پہلے خود ان کے درِ دولت پر حاضر ہو کر صفائی کر لی۔

ذکوان حضرت عائشہؓ کے حاجب بیان کرتے تھے کہ حضرت عائشہؓ کے مرض الموت میں ابن عباسؓ آئے، اور حضوری کی اجازت چاہی، میں نے حضرت عائشہؓ سے جا کر عرض کی، اس وقت حضرت عائشہؓ کے بھتیجے، عبداللہ بن عبدالرحمٰن ان کے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے بھی کہا کہ ابن عباس ؓ آنے کی اجازت چاہتے ہیں، بولیں ان کو آنے کی ضرورت نہیں۔ عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے کہا، اماں، ابن عباسؓ آپ کے سعادت

مند بیٹھے ہیں، وہ سلام کرتے ہیں، اور رخصت کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں ان کو اجازت دیجئے، فرمایا خیر اگر تم چاہتے ہو تو بلالو، چنانچہ ان کو باریابی کی اجازت مل گئی، بیٹھنے کے بعد عرض کی، آپ کو بشارت ہو یعنی آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچنا چاہتی ہیں۔

حضرت عائشہؓ نے جواب میں فرمایا "تم کو بھی بشارت ہو"

اس خوش آئند سلسلۂ کلام کے بعد ابن عباسؓ نے عرض کی کہ اب آپ کے اور آنحضرت ﷺ اور آپ کے اعزہ و احباب سے ملنے میں صرف روح کو جسم کا ساتھ چھوڑنے کی دیر ہے، آپ آنحضرت ﷺ کی محبوب ترین بیوی تھیں، اور آنحضرت ﷺ ہمیشہ طیب ہی چیز کو محبوب رکھتے تھے، پھر حضرت عائشہؓ کے فضائل بیان کئے۔

(سیر الصحابہ جلد دوم سے ملخص)

حضرت عبید اللہ بن عباسؓ

نام و نسب

عبید اللہ نام، ابو محمد کنیت، نسب نامہ یہ ہے، عبید اللہ بن عباسؓ بن عبد المطلب ابن ہاشم قریشی ہاشمی، ماں کا نام لبابہ تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے، لبابہ بنت حارث بن حزن بلالیہ، عبید اللہ آنحضرت ﷺ کے حقیقی چچازاد بھائی تھے۔

پیدائش و بچپن

ہجرت سے ایک سال پہلے پیدا ہوئے، حضرت عباسؓ کی اولادوں میں عبید اللہ باپ کے بڑے چہیتے تھے، آنحضرت ﷺ کو حضرت عباسؓ سے خاص انس تھا، اس لئے ان کے بچوں کے ساتھ آپ ﷺ کو بڑی محبت تھی، چنانچہ عبد اللہ، عبید اللہ اور قثم تینوں کو بلا کر کھلاتے اور فرماتے تم میں سے جو دوڑ کر سب سے پہلے مجھ کو چھوئیگا، اس کو فلاں چیز دونگا، تینوں بھائی دوڑتے، کوئی پشتِ مبارک پر چڑھ جاتا، کوئی سینہ سے چمٹ جاتا، آپ سب کو چمٹا کر پیار کرتے۔

Marfat.com

یمن کی حکومت اور حج کی امارت

عبید اللہ عہد رسالت اور عہد شیخین میں کم سن تھے اس لئے اس عہد کا کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے، عہد عثمانی میں بھی کہیں نہیں نظر نہیں آتے حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ میں یمن کا والی بنایا، پھر ۳۶ھ اور ۳۷ھ میں امارتِ حج کا عہد تفویض کیا، چنانچہ ان دونوں سنوں کا حج عبید اللہ ہی کی امارت میں ہوا، بعض اربابِ سیر لکھتے ہیں، کہ ۳۸ھ میں بھی امیر الحج تھے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، ۳۸ھ میں وہ نہیں، بلکہ ان کے بھائی قثم امیر تھے۔

بچوں کا قتل

۴۰ھ میں بسر بن ابی ارطاۃ امیر معاویہ کی جانب سے شیعیان علیؓ کو بجبر مطیع بنانے کے لئے یمن آیا، اس وقت عبید اللہ حضرت علیؓ کیجانب سے وہاں کے والی تھے، ان میں بسر کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی، اس لئے وہ یمن سے ہٹ گئے، ان کے اہل وعیال یہیں تھے، بسر نہایت ظالم تھا، اور اس کے دل میں حضرت علیؓ کے حامیوں کی طرف سے اس قدر کینہ اور بغض بھرا ہوا تھا کہ عبید اللہ کے دو کمسن بچوں کو ان کی ماں کے سامنے نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا۔

وفات

زمانہ وفات میں اختلاف ہے، استیعاب کی روایت کے مطابق ۵۸ھ میں وفات پائی۔

فضل وکمال

عبید اللہ جس خانوادۂ علم وعمل کے چشم وچراغ تھے، اس کے اعتبار سے ان کا کوئی خاص علمی پایہ نہ تھا، آنحضرت ﷺ کے عہد میں بہت کم سن تھے، اس لئے براہ راست آپ سے سماعِ حدیث کا موقعہ نہ ملا تاہم حدیث کی کتابوں میں ان کی مرویات ملتی ہیں اور انہوں نے اپنے والد بزرگوار حضرت عباسؓ سے اور ان سے عبد اللہ اور ابن سیرین نے روایت کی ہے۔

Marfat.com

فیاضی

حضرت عباسؓ کے تمام لڑکوں میں کوئی نہ کوئی نمایاں وصف اور کمال موجود تھا، حضرت عبداللہ فضل وکمال میں یکتائے عصر تھے، فضل حسن و جمال میں یگانہ تھے، عبیداللہ فیاضی اور دریا دلی میں بے نظیر تھے، ان کے دسترخوان کے لئے ایک اونٹ روزانہ ذبح ہوتا تھا، دوسرے بھائی عبداللہ کو یہ فیاضی ناپسند تھی، انہوں نے روکنا چاہا، تو اس دن سے دو اونٹ ذبح ہونے لگے۔

جب یہ دونوں بھائی ایکساتھ مدینہ میں ہوتے تو ایک طرف تشنگان علم کیلئے عبداللہ کے یہاں علم کا دریا بہتا، دوسری طرف بھوکوں کے لئے عبیداللہ کے یہاں صلائے عام ہوتی، ایک مرتبہ عبیداللہ کہیں جا رہے تھے، غلام ساتھ تھا، چلتے چلتے شام ہوگئی ایک اعرابی کا گھر دکھائی دیا، غلام نے کہا اگر ہم لوگ رات بھر کے لئے اس گھر میں ٹھہر جاتے تو بہتر ہوتا رات ہو چکی تھی، اس لئے عبیداللہ کو بھی یہ رائے پسند آئی، اور خادم و آقا دونوں اعرابی کے گھر پہنچے، عبیداللہ نہایت وجیہ تھے، اعرابی سمجھا کہ کوئی بڑا آدمی ہے، بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ اتارا، اور بیوی سے جا کر کہا کہ ہمارے یہاں ایک معزز مہمان آیا ہے، کچھ کھانے پینے کا سامان ہے؟

بیوی نے جواب دیا کھانے کو تو کچھ نہیں ہے، صرف ایک بکری ہے جس کے دودھ پر تمہاری لڑکی کی زندگی ہے۔

بدوی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ مہمان کو بھوکا رکھا جائے، بیوی سے کہا کچھ بھی ہو بکری ذبح کرنا چاہئے۔ بیوی نے کہا کیا لڑکی کو مار ڈالو گے، اعرابی نے کہا بہر حال بکری ذبح کرنا ضروری ہے، چنانچہ بکری ذبح کر کے رات کا کھانا کھلایا، عبیداللہ یہ تمام گفتگو سن رہے تھے، صبح کو اٹھ کر غلام سے پوچھا تمہارے پاس کچھ ہے، اس نے کہا پانسو اشرفیاں ہیں، حکم دیا اعرابی کو دیدو غلام نے کہا سبحان اللہ ۵ درہم کی بکری کھلائی اور پانسو دینار دیئے دیتے ہیں، بولے تیری عقل پر افسوس ہے خدا کی قسم! وہ ہم سے کہیں زیادہ سیر چشم اور دریا دل ہے ہم تو اپنی مملوکہ دولت سے بہت حقیر رقم اسے دے رہے ہیں، اور اس نے اپنے لختِ

Marfat.com

جگر کو قربان کر کے ہمیں بکری کھلائی۔

حضرت قثم بن عباسؓ

نام ونسب

قثم، حضرت عباس بنؓ عبدالمطلب کے صاحبزادے اور آنحضرت ﷺ کے چچیرے بھائی ہیں، نسب نامہ یہ ہے، قثم بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن قریشی ہاشمی، ماں کا نام لبابہ تھا، ننھیالی شجرہ یہ ہے لبابہ بنت حارث بن حزن ہلالیہ، لبابہ حضرت خدیجہؓ کے بعد دوسری مسلمہ تھیں۔

بچپن

آنحضرت ﷺ کے عہد میں بہت کم سن تھے، اس لئے بجز آنحضرت ﷺ کی مہر و محبت کے اس عہد کا اظہار، اور کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے، آپ ﷺ کو حضرت عباسؓ کی اولاد سے بڑی محبت تھی اور انہیں بہت پیار کرتے تھے، ایک مرتبہ قثم، عبداللہ اور جعفر ساتھ کھیل رہے تھے آنحضرت ﷺ کی سواری ادھر سے گزری تو جعفر اور قثم کو ساتھ بٹھالیا۔

غسل جسم اطہر

آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت کسی حد تک شعور کو پہنچ گئے تھے، چنانچہ آپ ﷺ کے غسل میت اور تجہیز و تکفین میں شریک تھے، اور غسل دیتے وقت حضرت علیؓ کے ساتھ جسدِ اطہر کو کروٹیں بدلاتے تھے، اور قبر انور میں اتارنے کے لئے بھی اترے تھے، اور جسدِ اطہر کو فرشِ خاک پر لٹانے کے بعد سب سے آخر میں قبر سے نکلے تھے، بعض راوی یہ آخری شرف مغیرہؓ کی طرف کرتے ہیں، لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ آخری شرف قثم کو حاصل ہوا۔

Marfat.com

امارت

وفاتِ نبوی ﷺ کے بعد شیخین ؓ کے اختتامِ خلافت تک کے حالات پردۂ خفا میں ہیں، حضرت علی ؓ نے اپنے زمانہ میں باختلاف روایت مکہ یا مدینہ کی امارت پر سرفراز فرمایا۔

شہادت

امیر معاویہ ؓ کے عہد خلافت میں سعید بن عثمان کے ہمراہ خراسان کی فوج کشی میں شریک ہوئے، اس سلسلہ کی بعض فتوحات کے مالِ غنیمت میں سے سعید نے ایک ہزار انہیں دینا چاہا، انہوں نے کہا پہلے تم اپنا پانچواں حصہ لے لو، اس کے بعد عام مجاہدین میں تقسیم کرو، ان سے بچنے کے بعد جو چاہے دیدینا، اسی سلسلہ کے معرکہ سمرقند میں جامِ شہادت پیا۔

حلیہ

صورۃً آنحضرت ﷺ کے ہم شبیہ تھے، بعض شعرا نے اس پر طبع آزمائی بھی کی ہے۔

فضل وکمال

علمی حیثیت سے وہ ممتاز صحابہ میں تھے، ابن سعد لکھتے ہیں، کان قثم ورعاً فاضلاً، قثم پاکباز اور فاضل تھے، ابو اسحٰق سہیل نے ان سے روایت کی ہے۔

اُمِّ حبیب

آپ عباس بن عبدالمطلب کی اور اُم الفضل لبابہ بنت حارث ہلالیۃ کی صاحبزادی ہیں، آپ سے اسود بن سفیان بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ مخزومی نے نکاح کیا تھا جن سے دو بچے زرقاء اور لبابۃ پیدا ہوئے، یہ لوگ مکہ میں اقامت پذیر تھے۔

(طبقات ابن سعد)

سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

اور ان کا خاندان

نام، نسب

حمزہ نام، ابو یعلیٰ اور ابو عمارہ کنیت، اسد لقب، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا تھے، ماں کی طرف سے یہ تعلق تھا کہ ان کی والدہ ہالہ بنت وہیب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ کی چچا زاد بہن تھیں، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے حمزہ بن عبدالمطلب بن ہاشم ابن عبد مناف بن قصی۔

اس نسبی تعلق کے علاوہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے رضاعی بھائی بھی تھے، یعنی ابولہب کی لونڈی حضرت ثوبیہؓ نے دونوں کو دودھ پلایا تھا، سن میں حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو برس بڑے تھے، شمشیر زنی، تیر اندازی اور پہلوانی کا بچپن سے شوق تھا، سیر و شکار سے بھی غیر معمولی دلچسپی تھی چنانچہ زندگی کا بڑا حصہ اسی مشغلہ میں بسر ہوا۔

اسلام

دعوتِ توحید کی صدا گو ایک عرصہ سے مکہ کی گھاٹیوں میں گونج رہی تھی، تاہم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جیسے سپاہی منش کو ان باتوں سے کیا تعلق۔ انہیں صحرا نوردی اور سیر و شکار سے کب فرصت تھی جو شرک و توحید کی حقانیت پر غور کرتے لیکن خدا نے عجیب طرح سے ان کی رہنمائی کی، ایک روز حسبِ معمول شکار سے واپس آ رہے تھے، کوہِ صفا کے پاس پہنچے تو

Marfat.com

ایک لونڈی نے کہا" ابوعمارہ! کاش تھوڑی دیر پہلے تم اپنے بھتیجے محمد ﷺ کا حال دیکھتے، وہ خانہ کعبہ میں اپنے مذہب کا وعظ کہہ رہے تھے کہ ابوجہل نے نہایت سخت گالیاں دیں اور بہت بری طرح ستایا، لیکن محمد نے کچھ جواب نہ دیا اور بے بسی کے ساتھ لوٹ گئے، یہ سننا تھا کہ رگِ حمیت میں جوش آ گیا، تیزی کے ساتھ خانہ کعبہ کی طرف بڑھے۔ ان کا قاعدہ تھا کہ شکار سے واپس آتے ہوئے کوئی راہ میں مل جاتا تو کھڑے ہو کر ضرور اس سے دو دو باتیں کر لیتے تھے، لیکن اس وقت جوشِ انتقام نے مغضوب الغضب کر دیا تھا، کسی طرف متوجہ نہ ہوئے اور سیدھے خانہ کعبہ پہنچ کر ابوجہل کے سر پر زور سے اپنی کمان دے ماری، جس سے وہ زخمی ہو گیا، یہ دیکھ کر بنی مخزوم کے چند آدمی ابوجہل کی مدد کے لیے دوڑے اور بولے" حمزہ شاید تم بھی بددین ہو گئے"۔

فرمایا" جب اس کی حقانیت مجھ پر ظاہر ہو گئی تو کون سی چیز اس سے باز رکھ سکتی ہے۔ ہاں! میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ خدا کے رسول ﷺ ہیں، اور جو کچھ وہ کہتے ہیں سب حق ہے، خدا کی قسم اب میں اس سے پھر نہیں سکتا، اگر تم سچے ہو تو مجھے روک کر دیکھ لو' ابوجہل نے کہا ابوعمارہ کو چھوڑ دو، خدا کی قسم میں نے ابھی اس کے بھتیجے کو سخت گالیاں دی ہیں۔"

یہ اسلام کا وہ زمانہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں پناہ گزین تھے، اور مومنین کا حلقہ صرف چند کمزور و ناتواں، ہستیوں پر محدود تھا، لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اضافہ سے دفعتہً حالت بدل گئی اور کفار کی مطلق العنان دست درازیوں اور ایذا رسانیوں کا سدِ باب ہو گیا، کیونکہ ان کی شجاعت و جانبازی کا تمام مکہ لوہا مانتا تھا،

حضرت امیر حمزہؓ کے اسلام لانے کے بعد ایک روز حضرت عمرؓ نے آستانہ نبوی پر دستک دی، چونکہ شمشیر بکف تھے، اس لیے صحابہ کرام کو تردد ہوا لیکن اس شیرِ خدا نے کہا" کچھ مضائقہ نہیں' آنے دو، اگر مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ورنہ اس کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا" غرض وہ اندر داخل ہوئے اور کلمہ توحید ان کی زبان پر تھا اور مسلمان جوشِ مسرت سے اللہ اکبر کے نعرے بلند کر رہے تھے،

مواخات

مکہ کی مواخات میں حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب غلام حضرت

Marfat.com

زید بن حارثہؓ حضرت حمزہؓ کے اسلامی بھائی قرار پائے، ان کو حضرت زیدؓ سے اس قدر محبت ہوگئی تھی کہ جب غزوات میں تشریف لے جاتے تو ان ہی کو ہر قسم کی وصیت کر جاتے تھے،

ہجرت

بعثت کے تیرہویں سال تمام صحابہ کرامؓ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے، جہاں ان کو زور بازو اور خداداد شجاعت کے جوہر دکھانے کا نہایت اچھا موقع ہاتھ آیا، چنانچہ پہلا اسلامی پھریرا ان ہی کو عنایت ہوا، غرض وہاں پہنچ کر ابوجہل کے قافلہ سے جس میں تین سو سوار تھے مڈبھیڑ ہوئی اور طرفین نے جنگ کے لیے صف بندی کی، لیکن مجدی بن عمرو الجہنی نے بیچ بچاؤ کر کے لڑائی روک دی اور حضرت امیر حمزہؓ بغیر کشت وخون واپس آئے،

غزوات

اسی سال ماہ صفر میں خود حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلی دفعہ تقریباً ساٹھ صحابہ کرامؓ کے ساتھ قریش مکہ کی نقل وحرکت میں سدراہ ہونے کے لیے ابوا پر فوج کشی فرمائی، حضرت حمزہؓ علمبردار تھے اور تمام فوج کی کمان ہاتھ میں تھی، لیکن قریش کا قافلہ آگے بڑھ چکا تھا، اس لیے جنگ وجدل کا موقع پیش نہ آیا تاہم اس مہم کا سب سے زیادہ نتیجہ خیز اثر یہ تھا کہ بنوضمرہ سے ایک دوستانہ معاہدہ طے پا گیا،

اسی طرح ۲ھ میں غزوہ عشیرہ پیش آیا، اس میں بھی علمبرداری کا طرۂ افتخار حضرت امیر حمزہؓ کے دستار فضل وکمال پر آویزاں تھا، لیکن اس دفعہ بھی کوئی جنگ واقع نہ ہوئی اور صرف بنومدلج سے امداد باہمی کا ایک عہدنامہ طے پایا،

غزوہ بدر

اسی سال بدر کا مشہور معرکہ پیش آیا، صف آرائی کے بعد عتبہ، اور ولید نے کفار کی طرف سے نکل کر مبارز طلبی کی تو غازیانِ دین میں سے چند انصاری نوجوان مقابلہ کے لیے آگے بڑھے لیکن عتبہ نے پکار کر کہا ''محمد ﷺ! ہم ناجنسوں سے نہیں لڑ سکتے، ہمارے مقابل والوں کو بھیجو'' ارشاد ہوا ''حمزہؓ، علیؓ، عبیدہؓ! اٹھو آگے بڑھو، حکم کی دیر تھی کہ یہ تینوں نبرد آزما بہادر

Marfat.com

نیزے ہلاتے ہوئے اپنے حریف کے مقابل جا کھڑے ہوئے، حضرت حمزہؓ نے پہلے ہی حملہ میں عتبہ کو واصل جہنم کیا، حضرت علیؓ بھی اپنے حریف پر غالب آئے، لیکن حضرت ابو عبیدہؓ اور ولید میں دیر تک کشمکش جاری رہی، وہ زخمی ہو گئے تو ان دونوں نے ایک ساتھ حملہ کر کے اس کو تہ تیغ کر دیا، یہ دیکھ کر طعیمہ بن عدی جوشِ انتقام میں آگے بڑھا لیکن شیرِ خدا نے ایک ہی وار میں اس کو بھی ڈھیر کر دیا، مشرکین نے طیش میں آ کر عام ہلہ کر دیا، دوسری طرف سے مجاہدینِ اسلام بھی اپنے دلاوروں کو نرغہ میں دیکھ کر ٹوٹ پڑے، نہایت گھمسان کا رن پڑا، اسد اللہ حمزہؓ کے دستار پر شترمرغ کی کلغی تھی اس لیے جس طرف گھس جاتے تھے صاف نظر آتے تھے، غرض جب تھوڑی دیر میں غنیم بہت سے قیدی اور مال غنیمت چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا تو بعض قیدیوں نے پوچھا ''یہ کلغی لگائے کون ہے۔ لوگوں نے کہا ''حمزہؓ! بولا'' آج ہم کو سب سے زیادہ نقصان اسی نے پہنچایا،

غزوۂ بنی قنیقاع

بنو قنیقاع نام کی اطرافِ مدینہ میں یہودیوں کی ایک جماعت تھی، چونکہ یہ عبداللہ بن ابی سلول کے حلیف تھے، اس لیے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دوستانہ معاہدہ طے پا گیا تھا، لیکن غزوۂ بدر کی کامیابی نے ان کے دلوں میں رشک و حسد کی آگ بھڑکا دی، اور علانیہ سرکشی پر آمادہ ہو گئے، چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس عہد شکنی کے باعث اسی سال ماہ شوال میں ان پر فوج کشی فرمائی، اور اطرافِ مدینہ سے جلاوطن کر دیا، حضرت حمزہؓ اس معرکہ میں بھی علمبرداری کے منصب پر مامور تھے،

غزوہ اُحد

بدر کی شکست فاش نے مشرکین قریش کے توسنِ غیرت کے لیے تازیانہ کا کام کیا، اور جوش انتقام سے برانگیختہ ہو کر ۳ھ میں قریش کا سیلاب عظیم پھر مدینہ کی طرف بڑھا، حضرت سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے جان نثاروں کے ساتھ نکل کر کوہِ احد کے دامن میں اس کو روکا، ۷ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی، کفار کی طرف سے سباع نے بڑھ کر مبارز طلبی کی تو حضرت امیر حمزہؓ اپنی شمشیر خاراشگاف تولتے ہوئے میدان میں

آئے اور للکار کر کہا ''اے سباع! اسے ام انمار مضغہ نجس کے بچے! کیا تو خدا اور اس کے رسول سے لڑنے آیا ہے، یہ کہہ کر اس زور سے حملہ کیا کہ ایک ہی وار میں اس کا کام تمام ہوگیا، اس کے بعد گھمسان کی جنگ شروع ہوئی، اس شیرِ خدا نے دوبارہ کفر کے ٹڈی دل لشکر میں گھس کر کشتوں کے پشتے لگا دیئے اور جس طرف جھک پڑے صفیں کی صفیں الٹ دیں، غرض اس جوش سے لڑے کہ تنہا تیس کافروں کو واصلِ جہنم کردیا۔

شہادت

حضرت امیر حمزہؓ نے چونکہ جنگ بدر میں چن چن کر اکثر صنادید قریش کو تہِ تیغ کیا تھا اس لیے تمام مشرکین قریش سب سے زیادہ ان کے خون کے پیاسے تھے، چنانچہ جبیر بن مطعم نے ایک غلام کو جس کا نام وحشی تھا، اپنے طیعمہ بن عدی کے انتقام پر خاص طور سے تیار کیا تھا اور اس صلہ میں اسے آزادی کا لالچ دلایا تھا، غرض وہ جنگِ احد کے موقع پر ایک چٹان کے پیچھے گھات میں بیٹھا ہوا حضرت حمزہؓ کا انتظار کررہا تھا، اتفاقاً وہ ایک دفعہ قریب سے گذرے تو اس نے اچانک اس زور سے اپنا حربہ پھینک کر مارا کہ دو ٹکڑے ہو کر گر پڑے، اس شیرِ خدا کی شہادت پر کفار کی عورتوں نے خوشی و مسرت کے ترانے گائے، ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ نے ناک کان کاٹ کر زیور بنائے، نیز شکم چاک کر کے جگر نکالا اور چبا چبا کر تھوک دیا، حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو پوچھا ''کیا اس نے کچھ کھایا بھی ہے'' لوگوں نے عرض کی ''نہیں'' فرمایا اے خدا حمزہؓ کے کسی جزو کو جہنم میں داخل ہونے نہ دینا۔

تجہیز و تکفین

اختتام جنگ کے بعد شہدائے اسلام کی تجہیز و تکفین شروع ہوئی، حضرت سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم اپنے عم محترم کی لاش پر تشریف لائے، چونکہ ہندہ نے ناک کان کاٹ کر...... نہایت دردناک صورت بنادی تھی، اس لیے یہ منظر دیکھ کر بے اختیار دل بھر آیا، اور مخاطب ہو کر فرمایا تم پر خدا کی رحمت ہے، کیونکہ تم رشتہ داروں کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے، نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے، اگر مجھے صفیہ کے رنج و غم کا خیال نہ ہوتا تو

میں تمہیں اسی طرح چھوڑ دیتا کہ درند اور پرند کھا جائیں، اور تم قیامت میں ان ہی کے شکم سے اُٹھائے جاؤ، خدا کی قسم مجھ پر تمہارا انتقام واجب ہے، میں تمہارے عوض ستر کافروں کا مثلہ کروں گا، لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد وحی الٰہی نے اس ناجائز انتقام کی ممانعت کر دی، اس لیے کفارۂ یمین ادا کر کے صبر وشکیبائی اختیار فرمائی۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضرت امیر حمزہ ﷺ کی حقیقی بہن تھیں، بھائی کی شہادت کا حال سنا تو روتے ہوئے جنازہ کے پاس آئیں، لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھنے نہ دیا اور تسلی وتشفی دے کر واپس فرمایا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے صاجزادہ حضرت زبیر ﷺ کو دو چادریں دے گئی تھیں کہ ان سے کفن کا کام لیا جائے، لیکن پہلو میں ایک انصاری کی لاش بھی بے گور وکفن تھی، اس لیے انہوں نے دونوں شہیدانِ ملت میں ایک ایک چادر تقسیم کر دی، اس ایک چادر سے سر چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر برہنہ ہو جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چادر سے چہرہ ڈھانپ دو اور پاؤں پر گھاس ڈال دو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اور سید الشہداء کا جنازہ تیار ہوا، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز پڑھائی، اس کے بعد ایک ایک کر کے شہدائے اُحد کے جنازے ان کے پہلو میں رکھے گئے اور آپ نے علیحدہ علیحدہ ہر ایک پر نماز پڑھائی، اس طرح تقریباً ستر نمازوں کے بعد غازیانِ دین نے بصد اندوہ والم اس شیرِ خدا کو اسی میدان میں سپردِ خاک کیا۔

انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حزن وملال

سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کو اس سانحہ پر شدید قلق تھا، مدینہ منورہ تشریف لائے اور بنی عبد اشہل کی عورتوں کو اپنے اپنے اعزہ واقارب پر روتے سنا تو فرمایا ''افسوس! حمزہؓ کے لیے رونے والیاں بھی نہیں'' انصار نے یہ سن کر اپنی عورتوں کو آستانہ نبوت پر بھیج دیا، جنہوں نے نہایت رقت آمیز طریقہ سے سید الشہداؓ پر گریہ وزاری شروع کی، اس حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ لگ گئی، پھر کچھ دیر کے بعد بیدار ہوئے تو دیکھا کہ وہ اب تک رو رہی ہیں، فرمایا کیا ''خوب! یہ سب ابتک یہیں بیٹھی رو رہی ہیں، انہیں حکم دو کہ

واپس جائیں اور آج کے بعد پھر کسی مرنے والے پر نہ روئیں' بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت سے مدینے کی عورتوں کا یہی دستور ہو گیا تھا کہ جب وہ کسی پر روتی تھیں تو پہلے حضرت امیر حمزہؓ پر دو آنسو بہا لیتی تھیں۔

قاتل سے بیزاری

حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشیؓ اسلام قبول کر کے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر پوچھا ''کیا تم ہی وحشی ہو؟'' عرض کی ''ہاں'' فرمایا ''تم نے حمزہؓ کو قتل کیا تھا؟ بولے ''حضور کو جو کچھ معلوم ہوا وہ صحیح ہے'' ارشاد ہوا ''کیا تم اپنا چہرہ مجھ سے چھپا سکتے ہو؟'' غرض حضرت وحشیؓ کو اسی وقت باہر آنا پڑا، اور پھر تمام عمر سامنے نہ جا سکے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد جب مسیلمہ کذاب پر فوج کشی ہوئی تو یہ بھی اس میں شریک ہوئے کہ شاید میں اس کو قتل کر کے حمزہؓ کے نقصان کی تلافی کر سکوں، چنانچہ وہ اس ارادہ میں کامیاب ہوئے، اس طرح خدا نے ان کی ذات سے اسلام کو جس قدر نقصان پہنچایا تھا اس سے زیادہ فائدہ پہنچایا۔

اخلاق

حضرت امیر حمزہؓ کے اخلاق میں سپاہیانہ خصائل نہایت نمایاں ہیں، شجاعت، جانبازی اور بہادری ان کے مخصوص اوصاف تھے، مزاج قدرۃً تیز و تند تھا، شراب حرام ہونے سے پہلے اس کے عادی تھے، ایک دفعہ ایک انصار کے میخانہ میں صحبتِ احباب گرم تھی، اور دورِ ساغر کے ساتھ ایک رقاصہ کی خوش الحان راگنیوں سے محفل کا رنگ جما ہوا تھا، اسی حالت میں اس نے دو اونٹوں کی طرف اشارہ کر کے جو سامنے بندھے ہوئے تھے یہ مصرعہ پڑھا۔

الا یا حمزة للشرف النواء

حضرت حمزہؓ نشہ کی مدہوشی میں بے اختیار کودے اور دونوں کے جگر اور کوہان کاٹ لائے، یہ اونٹ حضرت علیؓ کے تھے، انہوں نے یہ حال دیکھا تو آبدیدہ ہو کر دربارِ نبوت میں شکایت کی، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان کو اور زید بن حارثہؓ کو ساتھ لیے

Marfat.com

ہوئے اسی وقت محفل طرب میں تشریف لائے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ملامت فرمانے لگے، لیکن یہاں ہوش وحواس پر نشہ کا قبضہ ہو چکا تھا، انہوں نے ایک دفعہ سر سے پاؤں تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو گھور کر دیکھا اور آنکھیں لال پیلی کر کے بولے "تم سب میرے باپ کے غلام ہو" آپ نے مدہوشی کی یہ کیفیت دیکھی تو الٹے پاؤں لوٹ آئے۔

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک اور تمام نیک کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے، چنانچہ شہادت کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کی لاش سے مخاطب ہو کر اس طرح ان محاسن کی داد دی تھی۔

رحمة اللّٰه عليك فانك كنت ما علمت وصولا للرحم فعولا للخيرات

"تم پر خدا کی رحمت ہو کیونکہ جہاں تک مجھے معلوم ہے تم قرابت داروں کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے، نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے۔"

ازواج واولاد

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے نام یہ ہیں، بنت الملہ، خولہ بنت قیس، سلمی بنت عمیس، ان میں سے ہر ایک کے بطن سے اولاد ہوئی، لڑکوں کے نام یہ ہیں، ابویعلیٰ، عامر، عمارہ آخر الذکر دونوں لاولد فوت ہوئے، ابویعلیٰ سے چند اولادیں ہوئیں لیکن وہ سب بچپن ہی میں قضا کر گئیں، اس طرح حضرت حمزہؓ کا سلسلۂ نسل شروع ہی میں منقطع ہو گیا۔

حضرت خولہؓ بنتِ قیس

مدینہ منورہ کی رہنے والی تھیں اور خزرج کے خاندان بنونجّار سے تھیں۔ ان کا نکاح زمانۂ جاہلیت میں عم رسول حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ اس لحاظ سے حضور ﷺ کی چچی تھیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ۶ بعد بعثت میں اسلام قبول کیا، خیال یہ ہے کہ وہ بھی ان کے

ساتھ ہی شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہوئیں اور پھر چند سال بعد ان کے ساتھ ہی ہجرت کر کے مدینہ آ گئیں۔

غزوۂ اُحد میں حضرت حمزہ ؓ کی شہادت کے بعد انہوں نے حضرت نعمان ؓ بن عجلان انصاری سے نکاح کر لیا اور عرصہ تک زندہ رہیں۔ ان کو حضور ﷺ سے بڑی محبت اور عقیدت تھی اور آپ کو بھی ان پر بڑا ناز اور اعتماد تھا۔ ابنِ ماجہؒ نے حضرت ابو سعیدؓ سے روایت کی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ کسی اعرابی سے قرض لیا، ایک دن وہ حضور ﷺ کے پاس آیا اور بڑی سختی سے اپنے قرض کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ صحابہ کرامؓ نے اس کو ڈانٹا کہ تو جانتا نہیں، کس سے بات کر رہا ہے؟ اعرابی نے کہا کہ میں تو اپنا حق طلب کر رہا ہوں۔ اس پر حضور ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا، یہ شخص اپنے مطالبے میں سچا ہے، اس لیے تمہیں اس کی حمایت کرنی چاہئے تھی۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت خولہؓ بنتِ قیس کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر تمہارے پاس کھجوریں ہوں تو اس شخص کا قرضہ ادا کرنے کے لئے مجھے ادھار دے دو، جب ہمارے پاس کھجوریں آئیں گی میں تمہارا قرضہ لوٹا دوں گا۔

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ کا پیغام ملا تو انہوں نے کسی تامل کے بغیر کہا:
''میرے ماں باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان، حضور ﷺ کو جس قدر کھجوریں درکار ہیں بخوشی لے لیں۔'' چنانچہ حضور ﷺ نے ان سے بقدرِ ضرورت کھجوریں لے کر اس اعرابی کا قرضہ ادا کر دیا اور اس کو کھانا کھلایا۔ جب وہ رخصت ہوا تو آپ کو دعائیں دے رہا تھا۔

مسندِ بزّار میں خود حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ''حضور ﷺ پر بنی ساعدہ کے کسی آدمی کی ساٹھ صاع (پانچ من دس سیر) کھجوریں قرض تھیں۔ اس نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا، آپ ﷺ نے ایک انصاری کو حکم دیا کہ وہ آپ کی طرف سے قرض ادا کر دیں۔ انہوں نے فوراً اپنی کھجوریں پیش کیں لیکن اس ساعدی نے انہیں لینے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ ان کھجوروں سے گھٹیا تھیں جو اس نے حضور ﷺ کو قرض دی تھیں۔ انصاری نے اس سے کہا، کیا تو حضور ﷺ کے پاس واپس جا رہا ہے؟ اس نے کہا، ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون آدمی حق پسند ہے؟ حضور ﷺ نے سنا تو آپ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا، ساعدی نے سچ کہا، مجھ سے زیادہ انصاف کرنے کا کون حق دار ہے، اللہ اس امت کو باقی

Marfat.com

نہیں رکھتا جس میں اس کا کمزور اس کے قوی سے اپنا حق کسی دِقت کے بغیر نہ لے سکے۔ پھر آپ ﷺ نے مجھ (حضرت خولہؓ) سے فرمایا، اے خولہ! تم اس کو کھانا کھلاؤ اور اس کا قرضہ ادا کر دو، میں نے حضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل کی۔''

ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خولہؓ بنتِ قیس خاصی آسودہ حال تھیں، اور حضور ﷺ کسی تکلف کے بغیر ان سے قرض لے لیا کرتے تھے۔

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت حمزہ ﷺ کے ایک صاحبزادے عمارہ پیدا ہوئے۔ انہی کے نام کی نسبت سے حضرت حمزہؓ کی کنیت ابوعمارہ تھی۔ عمارہ لاولد فوت ہوئے، اس طرح ان سے حضرت حمزہ ﷺ کی نسل نہیں چلی۔

حضرت خولہؓ بنتِ قیس کے مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔ (تذکارِ صحابیات)

چچازاد بہن حضرت عمارہؓ بنت حمزہ

فتح مکہ کے بعد جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے روانہ ہوئے عمارہ آپ کے پیچھے پیچھے ہولیں۔ ایک قول ہے کہ ان کا نام دادی کے نام پر تھا۔ ایک قول ہے کہ ان کا نام امامہ تھا اور ایک قول کے مطابق امۃ اللہ نام تھا۔ علامہ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ ان کا نام امامہ تھا۔ ان کی والدہ سلمٰی بنت عمیس تھیں۔

غرض یہ امامہ یا عمارہ آنحضرت ﷺ کے پیچھے آپ کو چچا چچا کہتے ہوئی دوڑیں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ یہ حضرت ابورافع کے ساتھ آئی تھیں۔ حضرت علیؓ نے ان کو دیکھا تو ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لے چلے اور حضرت فاطمہؓ کے پاس لا کر بولے کہ لو یہ تمہارے چچا کی بیٹی ہے۔

جب مسلمان یہاں سے چل کر مدینہ پہنچے تو عمارہ کے متعلق حضرت علی اور ان کے بھائی جعفر اور زید ابن حارثہ کے درمیان جھگڑا ہونے لگا یعنی ان تینوں میں سے ہر ایک ان کو لینا چاہتا تھا اور خود کو ان کا حقدار سمجھتا تھا، چنانچہ حضرت زید نے کہا:

''اس پر سب سے زیادہ حق میرا ہے کیونکہ یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے۔

Marfat.com

اور میں ہی اس کا سرپرست اور ولی ہوں!"

انہوں نے عمارہ کو اپنی بھتیجی اس لئے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مسلمانوں کے درمیان بھائی چارے اور اخوت کے رشتے قائم فرمائے تھے تو حضرت زید کو حضرت حمزہ کا بھائی بنایا تھا یعنی حضرت حمزہ کو زید ابن حارثہ کا سرپرست بنایا تھا۔

دوسری طرف حضرت علی ؓ بھی اس لڑکی کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے، انہوں نے کہا:

"اس کا سب سے بڑا حقدار میں ہوں کیونکہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور میں ہی اس کو مکے سے لے کر آیا ہوں!"

ادھر حضرت جعفر بھی اس بچی کو لینے کے لئے اتنے ہی بیتاب تھے انہوں نے کہا:

"اس پر سب سے زیادہ حق میرا ہے کیونکہ ایک تو یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور دوسرے اس کی خالہ میری بیوی ہے۔!"

بچی کی خالہ سے مراد حضرت اسماء بنت عمیس ہیں جو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھیں۔

چنانچہ ان تینوں کا جھگڑا رسول اللہ ﷺ کے سامنے آیا تو) آپ نے اس بچی کے متعلق حضرت جعفرؓ کے حق میں فیصلہ دیا اور فرمایا کہ خالہ ماں کے ہی درجہ میں ہے۔

علامہ حلبیؒ فرماتے ہیں، کتاب امتاع میں یہ ہے کہ اس لڑکی عمارہ بنت حمزہ کے متعلق حضرت علیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کی تھی۔ یہ بچی مکے میں اپنی ماں حضرت سلمیٰ بنت عمیس کے ساتھ رہتی تھی۔ حضرت علی ؓ ان کی بے کسی پر بہت آزردہ ہوئے تھے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"ہم اپنے چچا کی بیٹی کو ان مشرکوں کے بیچ میں آخر کس پر اور کیوں چھوڑیں!"

پھر جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفرؓ کے حق میں فیصلہ فرمادیا تو وہ خوشی کے مارے ایک ٹانگ پر اچھل اچھل کر آنحضرت ﷺ کے گرد کودنے لگے، آپ نے ان کی یہ حرکت دیکھ کر پوچھا جعفر یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! نجاشی جب کسی شخص سے بہت زیادہ خوش ہوتا تھا تو اس کے گرد ایک ٹانگ پر اچھلنے کودنے لگتا تھا۔!''

بعد میں ایک موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لڑکی عمارہ یا اُمامہ سے نکاح کر لینے کا مشورہ دیا تو حضور ﷺ نے فرمایا یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ اس کے والد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تو میرے رضاعی بھائی تھے۔

حضرت اُمّ الفضل بنتِ حمزہ رضی اللہ عنہ

بعض اہل سِیَر نے حضرت اُمامہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور بیٹی اُم الفضل رضی اللہ عنہا کا ذکر بھی کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کو بھی شرفِ صحابیت حاصل ہوا۔ عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ نے ان سے روایت کی ہے کہ ہمارا ایک آزاد کردہ غلام مر گیا تھا، اس کی ایک بیٹی اور ایک بہن تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو نصفا نصف ورثہ دلا دیا۔

Marfat.com

حجل، مقوم، قثم، غیداق، ضرار

محمد بن سائب کے مطابق حجل کی صلبی اولاد تھی، اس کا نام ہند بتایا جاتا ہے مگر ہند کے لاولد مرنے سے حجل کی نسل ختم ہوگئی۔ مقوم بھی لاولد رہے۔ قثم کی بھی کوئی اولاد نہ تھی۔ ان کی ماں کا نام نتیلہ تھا۔ غیداق کا اصل نام مصعب تھا۔ ضرار بہت خوبصورت اور سخی نوجوان تھے۔ وہ قریش کے جوانوں میں بہت ممتاز تھے۔ وحی کے ابتدائی دنوں میں ہی فوت ہو گئے۔ طبقات ابن سعد میں حجل بن عبدالمطلب کے فرزند نے اپنے چچوں کی تعریف میں جو اشعار لکھے، ملاحظہ فرمایئے:

''اگر کسی فیاض نوجوان کا شمار کرنا ہے تو ضرار کو شمار کرنا
شیر مرد حمزہ کو شمار کر اور عباس کو شمار کر
زبیر کو اور اس کے بعد مقوم کو حجل کو شمار کر جو نوجوان سردار ہیں
بہادر غیداق کو شمار کر یہ سب قوم کی عظمت ہیں اور دشمن پر ان کو سب سرداری حاصل ہو چکی ہے
فیاض حارث کو شمار کر جو ایسا بہادر تھا کہ جامِ مرگ پینے کے دنوں میں اس نے دنیا سے مجد و شرف کے ساتھ منہ موڑا
جیسے میرے چچا ہیں تمام مخلوق میں ایسے اچھے چچا کسی کے نہیں اور نہ جیسے ہم لوگ ہیں کسی دوسرے خاندان میں ایسے لوگ ہیں۔'' (طبقات ابن سعد)

ان تعریفی اشعار میں ابولہب، حضرت عبداللہ اور حضرت ابوطالب کا ذکر نہیں، تاہم ممکن ہے کہیں اگر ان اشعار کی پوری عبارت دستیاب ہو تو وہاں ان کا ذکر بھی موجود ہو۔

Marfat.com

تاہم ان اشعار میں حضرت عبدالمطلب کے تمام بیٹوں کے خصائص اور اوصاف بہت خوبصورت پیرائے میں بیان کر دیئے گئے۔

حجل، مقوم، قثم، غیداق اور ضرار میں سے کسی کے ایمان کی خبر نہیں تاہم اکثر روایات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ پانچوں بھائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت سے قبل ہی فوت ہو چکے تھے۔ ان سب بھائیوں کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی جس کی صلبی اولاد تھی وہ بھی جلد فوت ہوگئی۔ یہ تمام لاولد رہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں میں سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابوطالب اور ابولہب کی اولاد چلی تاہم جہاں تک درج بالا اشعار کے شاعر کا تعلق ہے تو طبقاتِ ابن سعد میں اس کا نام حجل بن عبدالمطلب بتایا گیا ہے کہ حجل بن عبدالمطلب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے، جبکہ شاعر اپنے چچوں کے اوصاف بیان کر رہا ہے، لہٰذا یہ اشعار یا تو بعد میں شامل کیے گئے یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اشعار ہند بن حجل بن عبدالمطلب کے ہوں مگر طبقاتِ ابن سعد کے فاضل مصنف سے ہند کا نام سہواً درج ہونے سے رہ گیا ہو جس سے عبارت سے یہ ابہام پیدا ہوتا ہے کہ یہ اشعار حجل بن عبدالمطلب کے ہیں۔

(نبی کریم کے عزیز و اقارب)

Marfat.com

حضور ﷺ کے چچا مقوّم کی بیٹیاں

(۱) ھند

آپ مقوّم بن عبدالمطلب کی اور قلابۃ بنت عمرو بن جعونہ بن غزیۃ بن حذیم بن سعد بن سہم بن عمرو بن حصیص کی صاحبزادی ہیں آپ سے ابوعمرۃ، بشیر بن عمرو بن محصن بن عمرو بن عتیک بن عمرو بن الحارث بن مالک بن نجار انصاری نے نکاح کیا۔ جن سے عبداللہ اور عبدالرحمٰن پیدا ہوئے۔

(۲) اروٰی

آپ بھی مقوّم اور قلابۃ کی صاحبزادی ہیں، آپ سے ابومسروح حارث بن یعمر بن حیّان بن عمیرۃ بن ملآن بن ناصرۃ بن قصیۃ بن سعد بن بکر بن ہوازن نے نکاح کیا، یہ حارث عباس بن عبدالمطلب کے حلیف تھے، حارث سے اروٰی کے عبداللہ بن ابی مسروح پیدا ہوئے۔

(۳) اُمّ عمرو

آپ بھی مقوّم و قلابہ کی صاحبزادی ہیں، آپ سے مسعود بن معتب ثقفی نے شادی کی جن سے عبداللہ بن مسعود پیدا ہوئے پھر آپ سے ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب نے نکاح کرلیا جن سے عاتکہ بنت ابی سفیان پیدا ہوئیں۔

Marfat.com

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بھتیجے

جعفر بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

ابن الحارث بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی، ان کی والدہ جمانہ بنت ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم تھیں، جمانہ کی والدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف تھیں۔

جعفر کے صلب سے اُم کلثوم پیدا ہوئیں جن کے فرزند سعید بن نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب تھے۔ جعفر کی اولاد کا سلسلہ چل نہ سکا۔

جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے فتح مکہ کے لئے آئے، جعفر بن ابی سفیان اپنے والد کے ہمراہ تھے، دونوں اسلام لائے۔

انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں مکہ وحنین کا جہاد کیا، جس روز لوگ پشت پھیر کر بھاگے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اصحاب واہل بیت میں تھے جو آپ کے ہمراہ ثابت قدم رہے۔ اپنے والد کے ساتھ برابر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ یہاں تک کہ اللہ نے آپ ﷺ کو اٹھالیا۔ جعفر کی وفات وسطِ خلافت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ میں ہوئی۔ (طبقات ابن سعد)

Marfat.com

حارث بن نوفل

ابن الحارث بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی، ان کی والدہ ظریبہ بنت سعید بن القشیب تھیں، قشیب کا نام جندب بن عبداللہ بن رافع بن فضلہ بن محضب بن صعب بن مبشر بن دہمان تھا جو قبیلۂ ازد میں سے تھے۔

حارث بن نوفل کی اولاد میں عبداللہ بن الحارث تھے جنہیں اہل بصرہ نے بَبّہ کا لقب دیا تھا۔ ابن الزبیر کی جنگ کے زمانے میں انہوں نے ان سے صلح کی اوران کے والی ہو گئے۔

محمد اکبر ابن الحارث، ربیعہ، عبدالرحمٰن، رملہ، اُم الزبیر جو مغیرہ کی والدہ تھیں اور ظریبہ ان سب کی والدہ ہند بنت ابی سفیان بن حرب بن اُمیہ بن عبد شمس تھیں۔

عتبہ، محمد اصغر، حارث بن الحارث، ربط اور اُم الحارث، ان سب کی والدہ اُم عمرو بنت المطلب بن ابی وداعہ بن خبیرہ السہمی تھیں۔

سعید بن الحارث اُم ولد سے تھے۔

حارث بن نوفل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے تھے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی تھی اور آپ سے روایت کی ہے، وہ اپنے والد کے ساتھ اسلام لائے، ان کے بیٹے عبداللہ بن الحارث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیدا ہوئے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا تو آپ ﷺ نے ان کی اصلاح فرمائی اور دعاء کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن نوفل کو مکہ کے بعض اعمال کا امیر مقرر فرمایا انہیں ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم نے مکہ کا والی بنایا۔

عبداللہ بن الحارث نے اپنے والد سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز جنازہ اس طرح تعلیم فرمائی:

اللّٰھم اغفر لاحیائنا و امواتنا و اصلح ذات بیننا و الّف بین

Marfat.com

قلوبنا اللّٰھم عبدک فلان بن فلان لا نعلم اِلّا خیرًا وانت اعلم بہٖ فاغفرلنا ولہٗ.

''اے اللہ! ہمارے زندہ لوگوں کی اور ہمارے مردہ لوگوں کی مغفرت کر، ہمارے آپس میں اصلاح کر اور ہمارے دلوں میں اُلفت ڈال دے۔ اے اللہ تیرے بندے فلاں بن فلاں کو ہم سوائے خیر کے کچھ نہیں جانتے۔ تو اسے زیادہ جاننے والا ہے لہٰذا ہماری اور اس کی مغفرت فرما۔''

میں نے کہا حالانکہ میں اس جماعت میں سب سے چھوٹا تھا کہ اگر میں اسے خیر نہ جانتا ہوں فرمایا، اس کے سوا کچھ نہ کہو جو تم جانتے ہو۔

علی بن عیسیٰ نے اپنے والد سے روایت کی کہ حارث بن نوفل بصرے منتقل ہو گئے تھے، وہیں انہوں نے محدود مکان بنا لیا تھا۔ عبداللہ بن عامر بن کریز کی ولایت کے زمانے میں وہاں اُترے تھے، بصرے میں آخر زمانۂ خلافتِ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ میں وفات پائی۔ (طبقاتِ ابن سعد)

حضرت مغیرہ بن نوفل ہاشمی رضی اللہ عنہ

خاندانی تعلق بنو ہاشم سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

مغیرہ بن نوفل رضی اللہ عنہ بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم قرشی۔

ان کے والد نوفل رضی اللہ عنہ بن حارث، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے۔ ان کو شرفِ صحابیت حاصل ہے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو یحییٰ تھی۔ ایک اور روایت میں ان کی کنیت ابوحلیمہ بھی بیان کی گئی ہے۔

ابنِ اثیر کا بیان ہے کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ ہجرتِ نبوی سے قبل مکہ میں پیدا ہوئے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ان کی ولادت ۵ھ میں ہوئی۔ بہرصورت ان کا شمار صغائر صحابہ میں ہوتا ہے۔

خلافتِ صدیقی و فاروقی میں ان کے حالاتِ زندگی پردۂ خفا میں ہیں البتہ اتنا پتہ

Marfat.com

چلتا ہے کہ وہ فاضل آدمی تھے کیونکہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں انہیں قاضی مقرر کیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف پیدا ہوا تو حضرت مغیرہ بن نوفل رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت کی۔ چنانچہ جنگِ صفین میں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شامی فوج کے خلاف لڑے۔

۴۰ھ میں ابنِ ملجم خارجی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ کیا اور انہیں شدید زخمی کر دیا تو لوگوں نے اُسے پکڑنے کی کوشش کی۔ اس نے اپنی تلوار سے ان پر بھی حملہ کر دیا۔ اس موقع پر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بن نوفل آگے بڑھے اور ابنِ ملجم پر کھیس ڈال کر اسے زمین پر گرا لیا چونکہ کافی طاقتور تھے اس لیے ابنِ ملجم کو جکڑ لیا۔ اس کے لگائے ہوئے زخم سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہادت پائی تو ابنِ ملجم کو قتل کر دیا گیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد حضرت اُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (بنتِ ابوالعاصؓ و زینبؓ بنتِ رسول اللہ ﷺ) سے نکاح کیا تھا۔ شہادت سے پہلے انہوں نے وصیت کی کہ میرے بعد مغیرہ بن نوفلؓ، اُمامہ سے نکاح کر لیں۔ چنانچہ حضرت اُمامہؓ کی عدت پوری ہوئی تو حضرت مغیرہؓ نے ان سے نکاح کر لیا۔ ایک روایت کے مطابق ان سے ایک لڑکا یحییٰ پیدا ہوا، اسی کی نسبت سے ان کی کنیت ابو یحییٰ اور حضرت اُمامہؓ کی کنیت اُمّ یحییٰ مشہور ہوئی۔

حضرت مغیرہؓ بن نوفل کا سالِ وفات معلوم نہیں ہے۔ غالباً انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ حضرت مغیرہؓ بن نوفل سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے انصاف کی تعریف نہ کی اور بے انصافی کی مذمت نہ کی اسے اللہ سے لڑائی کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔ (ایک روایت کے مطابق یہ حدیث مرسل ہے)۔

(تین سو اصحاب، بحوالہ اُسد الغابہ)

عبدالمطلب بن ربیعہ

ابن الحارث بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی۔ ان کی والدہ اُم الحکیم بنت الزبیر بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف ابن قصی تھیں۔

عبدالمطلب کی بن ربیعہ کی اولاد میں محمد تھے، ان کی والدہ اُم البنین بنت حمزہ بن مالک بن سعد بن حمزہ بن مالک تھیں جو ابوالشعیر ہ بن مُنبہ ابن سلمہ بن مالک بن غدر بن سعد بن رافع بن مالک بن جشم بن حاشد ابن جشم بن الخیو ان بن نوف بن ہمدان تھے۔

اُم البنین قیس بن حمزہ کی بہن تھیں، یہی مالک بن حمزہ دونوں حکموں کی موجودگی میں معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔

ہشام بن محمد بن السائب نے کہا کہ مجھے والد نے خبر دی کہ حمزہ بن مالک نے چار سو غلاموں کے ہمراہ یمن سے شام کی طرف ہجرت کی اور انہیں آزاد کر دیا۔ سب نے شام میں ہمدان کی طرف اپنے کو منسوب کیا، اہل عراق نے شامیوں کے کثرتِ فریب اور اغیار کے ان کی طرف منسوب ہو جانے کی وجہ سے ان لوگوں سے شادی کرنا ناپسند کیا۔ ان کی اولاد میں اروٰی بنت عبدالمطلب بن ربیعہ تھیں، ان کی والدہ بنت عمیر ابن مازن تھیں۔

ہشام نے کہا کہ میرے والد محمد بن السائب نے محمد بن عبدالمطلب کو پایا ہے اور ان سے روایت کی ہے، عبدالمطلب بن ربیعہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، وہ آپ کے زمانے میں بالغ تھے۔

عبداللہ بن عبداللہ بن الحارث بن نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب سے مروی ہے، انہیں عبدالمطلب بن ربیعہ بن الحارث بن نوفل بن الحارث ابن عبدالمطلب نے خبر دی کہ ربیعہ بن الحارث اور عباس بن عبدالمطلب یکجا ہوئے آپس میں مشورہ کیا کہ اگر ہم ان دونوں لڑکوں کو (یعنی عبدالمطلب ابن ربیعہ اور فضل بن عباس کو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجتے اور آپ ﷺ ان کو صدقات پر مامور کر دیتے تو یہ بھی وہ (خدمت) ادا کرتے جو دوسرے ادا کرتے ہیں اور وہ نفع پاتے جو دوسرے پاتے ہیں۔

یہی گفتگو تھی کہ علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب آئے اور کہا کہ تم کیا چاہتے ہو، انہوں نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایسا مت کرو کیونکہ آپ کرنے والے نہیں ہیں۔ دونوں نے کہا کہ یہ تم محض ہم لوگوں پر حسد کی وجہ سے کہتے ہو، واللہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی اور ان کی دامادی حاصل کی مگر ہم نے تمہارے ساتھ حسد نہیں کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں حسن رضی اللہ عنہ کا باپ ہوں، تم ان دونوں کو بھیجو، اس کے بعد علی رضی اللہ عنہ لیٹ گئے۔

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر پڑھ لی تو ہم آپ سے پہلے حجرے کے پاس جا کے کھڑے ہو گئے، آپ ہمارے پاس سے گزرے تو کان پکڑ کے فرمایا جو دل میں ہو اُسے ظاہر کرو اور حجرے میں داخل ہو گئے، ہم بھی اندر گئے، آپ اس وقت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے۔ عرض کی، یا رسول اللہ! ہم آپ کے پاس اس لئے آئے ہیں کہ آپ ہمیں صدقات وصول کرنے پر مامور فرما دیں، تاکہ جو نفع لوگوں کو ہوتا ہے وہ ہمیں ہو اور جو (خدمت) لوگ ادا کرتے ہیں ہم ادا کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے اور گھر کی چھت کی طرف اپنا سر اٹھایا۔ ہم نے آپ سے گفتگو کرنے کا ارادہ کیا تو زینب رضی اللہ عنہا نے پردے سے اشارہ کیا، گویا آپ سے کلام کرنے کو ہمیں منع کرتی ہیں۔

آپ متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ خبردار، صدقہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے لئے مناسب نہیں، کیونکہ وہ لوگوں کا مَیل ہے۔ حکم ہوا کہ میرے پاس محمیہ بن جزء کو جو عشور (محصول زمین) پر (عامل) تھے اور ابوسفیان کو بلاؤ...... دونوں حاضر ہوئے۔ آپ نے محمیہ سے فرمایا کہ اس لڑکے فضل سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دو، انہوں نے ان سے نکاح کر دیا۔ ابوسفیان سے فرمایا کہ اس لڑکے (عبدالمطلب) سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دو، انہوں نے مجھ سے نکاح کر دیا۔ محمیہ سے فرمایا کہ خمس سے ان دونوں کا مہر ادا کر دو۔

علی رضی اللہ عنہ بن عیسیٰ بن عبداللہ النوفلی سے مروی ہے کہ عبدالمطلب ابن ربیعہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے تک مدینہ میں رہے، اس کے بعد وہ دمشق میں منتقل ہو گئے، وہیں اُترے اور ایک مکان بنا لیا۔ یزید بن معاویہ بن ابی سفیان کی خلافت کا زمانہ تھا کہ دمشق میں ان کی وفات ہوئی۔ انہوں نے یزید بن معاویہ کو وصیت کی، اس نے وصیت قبول کی۔

(طبقات ابن سعد)

Marfat.com

حضور ﷺ کی پھوپھیاں اور ان کی اولاد

اُم حکیم البیضاء

آپ کا نام بیضاء ہے اور آپ عبدالمطلب کی صاجزادی ہیں، آپ کی والدہ فاطمہ ہیں جو عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم کی بیٹی ہیں۔ جاہلیت میں آپ کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی کے نکاح میں تھیں جس سے چار بچے (عامر، اروٰی، طلحہ اور اُم طلحہ) پیدا ہوئے۔ اروٰی نے عفان بن ابوالعاص سے نکاح کیا جس سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، پھر عقبہ بن ابی معیط سے نکاح کیا جس سے تین بچے اُم کلثوم، ولید اور خالد پیدا ہوئے۔ (طبقات ابن سعد)

ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد

......یہ حضرت ابوسلمہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی برہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے اور آنحضرت ﷺ کے رضاعی یعنی دودھ شریک بھائی تھے کیونکہ حضرت ثویبہ نے آنحضرت ﷺ اور ابوسلمہ دونوں کو دودھ پلایا تھا۔

بنی اسد کے خلاف مہم

......یہ ابوسلمہ مسلمان ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ان کی قیادت میں ایک سریہ

قطن کی طرف بھیجا۔ یہ قطن ایک پہاڑ کا نام تھا۔ ایک قول کے مطابق بنی اسد کے ایک چشمہ کا نام تھا (مطلب یہ ہے کو ان دنوں اس چشمہ پر قبیلہ بنی اسد کا پڑاؤ تھا کیونکہ عرب کے بعض قبائل اس زمانہ میں اس طرح خانہ بدوشی کی زندگی گزارتے تھے اور جہاں پانی کا چشمہ ہوتا تھا وہیں مدتوں اپنی بستی آباد رکھتے تھے)

......اس سریہ کا سبب یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو اطلاع ملی کہ خویلد کے لڑکے طلیحہ اور سلمہ اپنی قوم اور اپنے حلیفوں میں گھوم رہے ہیں ان لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف بھڑکا کر جنگ پر آمادہ کر رہے ہیں۔

......آنحضرت ﷺ کو یہ اطلاع قبیلہ بنی طے کے ایک شخص نے دی جو اپنی بھتیجی سے ملنے کے لئے مدینے آیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کو جب اس شخص سے یہ خبر پہنچی تو آپ نے حضرت ابوسلمہ کو بلا کر بنی اسد کی سرکوبی کے لئے جانے کا حکم دیا اور) ان کو ایک لواء یعنی پرچم تیار کر کے دیا۔

......آنحضرت ﷺ نے ان کے ساتھ ڈیڑھ سو مہاجر اور انصاری صحابہ بھیجے ساتھ ہی جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کو بنی اسد کے متعلق یہ اطلاع دی تھی اس کو آپ نے رہبر کے طور پر اس دستے کے ساتھ کیا (تا کہ وہ انہیں صحیح اور مختصر راستے سے منزل تک پہنچا دے)

......رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوسلمہ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا۔

''تم آگے بڑھتے رہو یہاں تک کہ بنی اسد کے علاقہ میں جا کر پڑاؤ ڈالو اور اس سے پہلے کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ تمہارا سامنا کریں تم ان پر جا پڑو۔!''

......چنانچہ اس حکم پر حضرت ابوسلمہ نہایت تیزی کے ساتھ روانہ ہوئے اور عام راستے سے ہٹ کر چلے وہ اپنے دستے کو لئے ہوئے رات اور دن سفر کر رہے تھے تا کہ بنی اسد کو ان کی پیش قدمی کی خبر ہونے سے پہلے ان کے سر پر اچانک پہنچ جائیں۔

......آخر چلتے چلتے وہ بنی اسد کے ایک چشمہ پر پہنچ گئے اور انہوں نے مویشیوں کے باڑے پر حملہ کر دیا اور ان کے تین چرواہوں کو پکڑ لیا باقی تمام لوگ جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ حضرت ابوسلمہ نے اپنے دستے کو تین ٹکڑیوں میں تقسیم کیا اور ایک ٹکڑی اپنے ساتھ رکھ کر باقی دو ٹکڑیوں کو ادھر ادھر روانہ کر دیا۔

Marfat.com

......یہ دو ٹکڑیاں اس مقصد سے بھیجی گئیں کہ قرب و جوار میں چھاپے مار کر مال و دولت اور بھیڑ بکریاں جمع کریں نیز جو لوگ ملیں انہیں گرفتار کر لائیں۔ چنانچہ یہ حضرات کچھ انٹ اور بکریاں پکڑ کر لائے مگر کسی آدمی کو گرفتار نہیں کر سکے۔ اس کے بعد حضرت ابوسلمہ نے واپس مدینے کو کوچ کر دیا۔

......ایک اور قول ہے کہ ابوسلمہ نے اس مال غنیمت میں سے رسول اللہ ﷺ کے لئے صفی یعنی انتخاب کے ذریعہ ایک قیدی کو علیحدہ کر لیا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنے لئے صفی کو جائز قرار دیا تھا۔ صفی کا مطلب جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے یہ ہے کہ فئی یا مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے کوئی غلام باندی یا کوئی دوسری چیز رسول اللہ ﷺ خود انتخاب فرمالیں اور یا امیر سریہ آپ کے لئے منتخب کر کے علیحدہ کر دے۔

......اس کے بعد ابوسلمہ نے اس مال میں سے پانچواں حصہ اللہ و رسول ﷺ کے لئے علیحدہ کیا اور باقی مال اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ اس تقسیم میں ہر شخص کو سات سات اونٹ ملے۔ طلیحہ نامی یہ شخص عرب کے بہترین شہسواروں میں شمار کیا جاتا تھا۔

......ایک دفعہ یہ شخص ایک وفد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینے آیا تھا اور مسلمان ہو گیا تھا مگر پھر یہ مرتد ہو گیا جس کے بعد اس نے خود اپنی نبوت کا اعلان کر دیا۔ پھر آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد اس کی طاقت بڑھنی شروع ہو گئی۔

......پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں ہی یہ شخص دوبارہ مسلمان ہو گیا اور آخر دم تک ثابت قدم رہا۔ (سیرۃ حلبیہ)

حضرت اَروٰی بنتِ کُریز

ان کا تعلق خاندان بنو عبد شمس سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

اروٰی بنتِ کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی۔

حضرت اروٰیؓ کی والدہ اُمِّ حکیم البیضاء بنتِ عبد المطلب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی تھیں۔ اس لحاظ سے وہ حضور کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ حضرت اروٰیؓ پہلے

Marfat.com

عفان بن ابی العاص (بن اُمیّہ بن عبد شمس) کے ساتھ بیاہی گئیں۔ ان کی صُلب سے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور ایک لڑکی آمنہ متولّد ہوئیں۔ جب عفان نے اس سرائے فانی سے منہ موڑا تو حضرت اروٰیؓ عقبہ بن ابی معیط ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ اُسی کی صُلب سے اُمّ کلثوم پیدا ہوئیں جو مشہور صحابیات میں سے ہیں۔

عقبہ بن ابی معیط ﷺ قریش کے ممتاز آدمیوں میں سے تھا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو وہ آپ کا جانی دشمن بن گیا اور آپ کو ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن حضرت اروٰیؓ کو اللہ تعالیٰ نے قبولِ حق کی توفیق دی اور وہ ہجرت سے پہلے ہی سعادت اندوزِ اسلام ہو گئیں۔ علاّمہ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ:

> ''اروٰیؓ اسلام لائیں اور اپنی لڑکی اُمّ کلثومؓ بنتِ عقبہ کے بعد ہجرت کی، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی اور ہمیشہ مدینہ میں رہیں۔ اپنے فرزند عثمانؓ بن عفان کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔''

بعض روایتوں کے مطابق حضرت اروٰی رضی اللہ عنہا نے بعثت کے ابتدائی تین سالوں کے اندر اسلام قبول کیا۔ ان کے فرزند حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اسی زمانے میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ حضرت اروٰی رضی اللہ عنہا کے اس سے زیادہ حالات معلوم نہیں ہیں۔

حضرت سُعدیٰ بنتِ کُریز

یہ حضرت اروٰی بنتِ کُریز کی بہن تھیں۔ زمانۂ جاہلیت میں کہانت سے شغف تھا اور اس میں بڑی ماہر تھیں۔ شعر و شاعری میں بھی خاصی درک رکھتی تھیں۔ حافظ ابن حجرؒ اور بعض دوسرے اہلِ سِیَر نے اپنی کتابوں میں ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔ ان کے قبولِ اسلام کے زمانے کے بارے میں حتمی طور پر تو کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوتِ حق کی ابتداء ہی میں شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو گئی تھیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے اپنے بھانجے حضرت عثمان

Marfat.com

ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو اسلام کی طرف راغب کیا تھا اور ان سے مخاطب ہو کر برملا یہ اشعار کہے تھے:

عُثْمَانُ یَا عُثْمَانُ یَا عُثْمَانُ
لَکَ الْجَمَالُ وَلَکَ الشَّانُ
هٰذَا نَبِیٌّ مَّعَهُ الْبُرْهَانُ
اَرْسَلَهُ بِحَقِّهِ الدَّیَّانُ
وَجَائَهُ التَّنْزِیْلُ وَالْفُرْقَانُ
فَاتَّبِعْهُ لَا یَغُرَّنَّکَ الْاَوْثَانُ

(یعنی) ''عثمان، اے عثمان، اے عثمان! تم صاحبِ جمال اور صاحبِ شان ہو، یہ نبی صاحبِ برہان ہیں، وہ رسولِ برحق ہیں، ان پر قرآن نازل ہوا ہے، ان کا اتباع کرو اور بتوں کے فریب میں نہ آؤ۔''

یہ اشعار سنانے کے بعد انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا، بھانجے بے شک محمد بن عبداللہ ﷺ خدا کے رسول ہیں، قرآن ان پر نازل ہوا ہے اور وہ خدا کی طرف بلاتے ہیں۔ ان کا چراغ ہی فی الحقیقت چراغ ہے اور ان کا دین ذریعۂ فلاح ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خالہ کی باتوں سے بہت متاثر ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر ان کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے فرمایا: ''خدا کی قسم جو کچھ تمہاری خالہ نے کہا وہ سچ ہے۔'' اس کے فوراً ہی بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

حضرت سُعدیٰ رضی اللہ عنہا کے مزید حالات نہیں ملتے لیکن ان کے قبولِ اسلام اور شرفِ صحابیت پر بیشتر اہلِ سِیَر کا اتفاق ہے۔

برّۃ

آپ عبدالمطلب اور فاطمہ بنت عمرو بن عائذ کی بیٹی ہیں۔ آپ جاہلیت میں

عبدالاسد بن ہلال کے نکاح میں تھیں اور ہلال، عبداللہ............بن مخزوم کے بیٹے تھے۔ عبدالاسد سے آپ کے ہاں ابوسلمہ پیدا ہوئے جو جنگ بدر میں شریک تھے اور نبی ﷺ سے قبل اُم سلمہ بنت ابو اُمیہ بن مغیرہ کے شوہر تھے، عبدالاسد کے بعد آپ کا نکاح ابودھم بن عبدالعزیٰ بن ابی قیس بن عبدوُدّ بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لُوی سے ہوا، جس سے ابوسبرہ رضی اللہ عنہ بن ابی دھم پیدا ہوئے، جو بدر میں شریک تھے۔ (طبقات ابن سعد)

اُمیمہ

آپ بھی عبدالمطلب اور فاطمہ کی بیٹی ہیں۔ جاہلیت میں آپ سے جحش بن ریاب بن یعمر بن صبرۃ بن مرۃ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ نے جو حرب بن اُمیہ بن عبدشمس کے حلیف تھے، نکاح کیا جس سے عبداللہ پیدا ہوئے جو جنگ بدر میں شریک تھے، اور عبیداللہ اور عبد پیدا ہوئے۔ عبد، احمد کے والد ہیں اور زینب بنت جحش زوجۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئیں اور حمنہ بنت جحش بھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُمیمہ بنت عبدالمطلب کو خیبر کی کھجوروں میں سے چالیس وسق کھجوریں دیں۔ (طبقات ابن سعد)

آپ کی لختِ جگر سیدہ زینب بنتِ جحش کو اُم المومنین بننے کا شرف حاصل ہونے کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کی دیگر اولاد کے بہنوئی بنتے ہیں اس لیے آپ کی اولاد کا تذکرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سالوں اور سالیوں کے ضمن میں آئے گا۔

Marfat.com

حضرت اروی رضی اللہ عنہا

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام اروی رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور کنیت ام طلیب رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھی۔ حضرت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی تھیں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی عمیر بن وہب سے ہوئی۔

اسلام سے محبت

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت حق کا آغاز کیا تو جن پاک نفوس نے اس دعوت کے قبول کرنے میں نتائج وعواقب سے بے پرواہ ہو کر اولیت کا شرف حاصل کیا ان میں حضرت اروی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے صاحبزادے طلیب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی وہاں جا کر مشرف باسلام ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر کے گھر تشریف لائے۔ اپنی ماں سے فرمایا:

"اماں جان میں اپنے بھائی (ماموں زاد) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سچے دل سے ایمان لے آیا ہوں۔ وہ خدا کے سچے رسول ہیں۔"

حضرت اروی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ابھی قبول اسلام نہیں کیا تھا لیکن بڑے خلوص سے اپنے فرزند سے کہا:

"بیٹے تمہارا بھائی آج مخالفتوں کے طوفان میں گھرا ہوا ہے۔ بے کس اور مظلوم ہے اور واقعی تمہاری امداد کا مستحق ہے۔ اے کاش کہ آج مجھ میں مردوں جیسی قوت ہوتی تو اپنے یتیم بھتیجے کو ظالموں کی چیرہ دستیوں سے بچاتی۔"

قبول اسلام

طلیب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا اماں تو پھر آپ اسلام کیوں نہیں قبول کر

Marfat.com

لیتیں ماموں حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بھائی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کر چکے ہیں۔اب کونسی چیز آپ کو قبول حق سے مانع ہے۔

حضرت اروی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا ''مجھے دوسری بہنوں کا انتظار ہے کہ وہ کیا کرتی ہیں۔''

حضرت طلیبؓ نے کہا اماں اب انتظار کا وقت نہیں۔''میرے ساتھ بھائی کے پاس چلو اور دولت اسلام سے بہرہ یاب ہو جاؤ۔''

حضرت اروی رضی اللہ عنہا مزید عذر نہ کر سکیں۔اسی وقت اپنے بیٹے کے ساتھ جا کر اسلام قبول کر لیا، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ مصائب اور مشکلات سے دوچار تھے۔کفار مکہ مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھا رہے تھے حضرت ارویؓ اپنے بھتیجے کی تکالیف پر بہت کڑھتی تھیں۔لیکن عورت تھیں۔عملی طور پر تو کفار کا مقابلہ کرنے سے معذور تھیں البتہ اپنے بیٹے طلیب ؓ کو ہر وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنے پر آمادہ کرتی رہتیں۔حضرت طلیب ؓ پہلے ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار تھے۔ ماں کی تائید سے ان کا حوصلہ بہت بلند ہو گیا۔اور انہوں نے اپنی زندگی ہادیٔ برحق کی حفاظت اور خدمت اسلام کے لیے وقف کر دی۔

ایک دن طلیبؓ کے ماموں ابولہب نے مسلمانوں کو بہت ستایا اور انہیں حبس بیجا میں رکھا حضرت طلیبؓ کو بہت غیرت آئی اور اپنے ماموں کو خوب پیٹا۔بہت سے مشرکین انہیں لپٹ گئے اور ابولہب کو چھڑا لیا۔اب مشرکین نے طلیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باندھ دیا۔ چونکہ بڑے معزز خاندان کے فرد تھے۔کچھ دیر بعد چھوڑ دیا۔ابولہب نے ان کے خلاف اپنی بہن سے شکایت کی۔حضرت اروی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا ''طلیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کا بہترین وقت وہی ہے جب وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرے۔''

ایک دن عوف بن حرہ سہمی نے حضرت طلیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کئے۔حضرت طلیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جوش غضب میں اس کو اونٹ کے گلے سے مار کر زخمی کر دیا۔عوف نے حضرت اروی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شکایت کی۔انہوں نے جواب دیا:

Marfat.com

"طلیبؓ نے اپنے ماموں کے بیٹے کی مدد کی اور اس کے خون اور اس کے مال کی غمخواری کی"

خوشی کا اظہار

ایک دفعہ حضرت طلیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا کہ ابو ہاب بن غریر دارمی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے پر آمادہ ہے۔ طلیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تلوار سے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ حضرت اروی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو معلوم ہوا تو انہوں نے اظہار خوشنودی کیا۔

سن وفات اور دیگر حالات معلوم نہیں۔

نوٹ:۔ بعض مورخین کے نزدیک گو حضرت اروی رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے بھتیجے کی خیر خواہ تھیں لیکن ان کا اسلام لانا محقق نہیں ہے۔ ابن سعد ابن اقیم اور بعض دوسرے مورخین کے نزدیک حضرت اروی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یقینی طور پر اسلام قبول کر لیا تھا۔

طلیب بن عمیر

نام ونسب

طلیب ابن عمیر ابن وہب بن کثیر بن عبد بن قصی، کنیت ابوعدی تھی۔ والدہ اروی بنت عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی تھیں۔

قبولِ اسلام

موسیٰ بن محمد بن ابراہیم بن الحارث التیمی نے اپنے والد سے روایت کی کہ طلیب بن عمیر دارالارقم میں اسلام لائے اور اپنی والدہ کے پاس گئے، جو اروی بنت عبدالمطلب تھیں، اُن سے کہا کہ میں محمد ﷺ تابع ہو گیا، اور اللہ کے لیے اسلام لے آیا۔

Marfat.com

والدہ نے کہا کہ تم نے جس کی مدد کی اور قوت دی اُن میں سب سے زیادہ مستحق تمہارے ماموں کے بیٹے ہیں، واللہ اگر ہم لوگ اُس پر قادر ہوتے جس پر مرد قادر ہیں تو ضرور ان کی حفاظت کرتے اور اُن سے مدافعت کرتے۔ میں نے کہا پیاری ماں تمہیں اسلام لانے اور اُن کی پیروی کرنے سے کون مانع ہے، تمہارے بھائی حمزہ تو اسلام لائے؟

انہوں نے کہا دیکھو میرے بھائی کیا کرتے ہیں، میں بھی اُن عورتوں میں سے ایک ہوں گی جو اسلام قبول کریں گی، میں نے کہا کہ خدا کے لیے تم سے درخواست ہے کہ خدمتِ نبوی میں حاضر ہو، سلام کرو، آپ کی تصدیق کرو اور شہادت دو کہ ''لا الٰہ الا اللہ''۔ انہوں نے کہا کہ میں شہادت دیتی ہوں کہ لا الٰہ الا اللہ واشہد انّ محمدً ا رسول اللہ''۔

اس کے بعد وہ اپنی زبان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مددگار ہوگئیں، اپنے بیٹے کو آپ کی مدد اور فرماں برداری پر برانگیختہ کرتی رہیں۔ لوگوں نے کہا کہ دوسری ہجرت حبشہ میں طلیبؓ بن عمیر بھی تھے اس کو موسیٰ بن عقبہ، محمد بن اسحٰق، ابومعشر اور محمد بن عمر سب نے بیان کیا اور اس پر اتفاق کیا۔

حکیم بن محمد نے اپنے والد سے روایت کی کہ جب طلیبؓ ابن عمیرؓ نے مکے سے مدینے کی طرف ہجرت کی تو وہ عبداللہ بن سلمہ العجلانی کے پاس اُترے۔

لوگوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلیبؓ ابن عمیر اور منذر بن عمرو الساعدی کے درمیان عقد مواخاۃ کیا۔ طلیبؓ بروایت محمد بن عمر، بدر میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے (محمد بن عمر نے) اس کو ثابت کیا ہے، موسیٰ بن عقبہ، محمد بن اسحٰق اور ابومعشر نے اُن کا اُن لوگوں میں ذکر نہیں کیا جو بدر میں حاضر ہوئے۔

وصال

عائشہؓ بنت قدامہ سے (اور متعدد طرق سے) مروی ہے کہ طلیب بن عمیر یوم اجنادین میں جو جمادی الاولیٰ ۱۳ھ میں ہوا بعمر پینتیس سال شہید ہوئے، اُن کے کوئی اولاد نہ تھی۔

عاتکہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا

سردارِ قریش ابوسفیان کی یہ عادت تھی کہ جب وہ کسی تجارتی قافلے کے ساتھ شام سے آتے ہوئے حجاز کی سرزمین کے قریب پہنچتا تو جاسوسوں کے ذریعہ راستے کی خبریں معلوم کیا کرتا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے ڈر کی وجہ سے راہ میں جو بھی سوار ملتا اس سے حالات معلوم کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ غزوۂ بدر سے چند روز پہلے جب ابوسفیان ملک شام سے تجارتی قافلے کے ساتھ واپس مکہ آرہا تھا تو اسے خبر ملی کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کو لے کر اس کے تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہو چکے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے ایک شخص ملا تھا جس نے اسے بتلایا کہ آنحضرت ﷺ شروع ہی میں اس کے قافلے کا راستہ روکنا چاہتے تھے اور یہ کہ اب اس نے آنحضرت ﷺ کو راہ میں اس قافلے کی واپسی کا انتظار کرتے ہوئے چھوڑا ہے۔

یہ سن کر ابوسفیان بہت خوفزدہ ہوا اور اس نے ایک شخص ضمضم ابن عمرو غفاری سے اجرت پر معاملہ کر کے اس کو مکہ جانے کے لئے تیار کیا۔ اس شخص سے ابوسفیان نے بیس مثقال پر معاملہ کیا تھا۔ (ضمضم کے اسلام کے متعلق کوئی روایت نہیں ہے کہ آیا اس نے اسلام قبول کیا تھا۔ البتہ جو ضمضم صحابہ میں شمار ہیں وہ ضمضم ابن عمر خزاعی ہیں)

غرض ابوسفیان نے ضمضم سے کہا کہ وہ مکہ جائے اور اپنے اونٹ کے کان کاٹ دے، کجاوہ اُلٹا کرے اور اپنی قمیض کا اگلا اور پچھلا دامن پھاڑے اور اس حالت میں مکہ داخل ہو۔ وہاں وہ قریش کو جنگ پر چلنے کے لئے تیار کرے اور ان کو بتلائے کہ محمد ﷺ ان کے قافلے پر اپنے صحابہ کے ساتھ حملہ کر رہے ہیں۔

Marfat.com

عاتکہ کا خواب

چنانچہ ضمضم نہایت تیز رفتاری کے ساتھ روانہ ہوا۔ ادھر ضمضم کے مکہ پہنچنے سے تین رات پہلے آنحضرت ﷺ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ایک خواب دیکھا۔ (اس عاتکہ کے اسلام قبول کرنے کے سلسلے میں اختلاف ہے) اس نے ایک ڈراونا خواب دیکھا جس سے یہ سخت گھبرائی اس نے اپنے بھائی عباس ابن عبدالمطلب کے پاس آدمی بھیج کر انہیں بلایا اور ان سے کہا:

''بھائی! خدا کی قسم میں نے رات ایک نہایت وحشت ناک خواب دیکھا ہے اور مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ شاید تمہاری قوم پر کوئی بڑی تباہی اور مصیبت آنے والی ہے اس لئے جو کچھ میں بتلاؤں اس کو پوشیدہ رکھنا۔''

خواب سنانے سے پہلے عباس سے رازداری کا عہد:

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ عاتکہ نے حضرت عباس سے کہا:

''جب تک تم مجھ سے یہ عہد نہیں کرو گے کہ تم اس بات کا کسی سے ذکر نہیں کرو گے اس وقت تک میں تمہیں نہیں بتلاؤں گی کیونکہ اگر ان لوگوں نے یعنی قریشی مشرکوں نے یہ بات سن لی تو وہ ہمیں پریشان کریں گے اور ہمیں برا بھلا کہیں گے۔''

چنانچہ حضرت عباسؓ نے اس سے عہد کیا اور پوچھا کہ تم نے کیا دیکھا ہے؟ عاتکہ نے کہا؟

''میں نے دیکھا کہ ایک شخص اونٹ پر سوار آرہا ہے یہاں تک کہ وہ ابطح میں آکر رکا۔ یعنی جو محصب اور مکہ کے درمیان میں ہے۔ وہاں کھڑے ہو کر اس نے پوری آواز سے پکار پکار کر کہا، لوگو! اے آل غدر تین دن کے اندر اپنی قتل گاہوں میں چلنے کو تیار ہو جاؤ۔''

علامہ سہیلیؒ نے آل غُدر یعنی غین کے پیش کے ساتھ لکھا ہے یعنی اگر تم لوگ مدد کو

Marfat.com

نہیں آتے تو تم غدار ہو۔ غرض اس کے بعد عاتکہ نے آگے بیان کرتے ہوئے کہا:

''پھر میں نے دیکھا کہ لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ اب وہ آنے والا وہاں سے چل کر مسجد یعنی حرم میں داخل ہوا اور لوگ اس کے پیچھے پیچھے آئے۔ ابھی لوگ اس کے گرد جمع ہو رہے تھے کہ وہ شخص اچانک اپنے اونٹ سمیت کعبہ کی چھت پر نظر آیا اور وہاں سے وہ پوری طاقت سے پکارا اس کے بعد وہ شخص ابوقبیس پہاڑ پر نظر آیا اور وہ وہاں سے بھی اسی طرح پکارا پھر اس نے ایک پتھر اٹھا کر لڑھکایا جو وہاں سے لڑھکتے لڑھکتے جب پہاڑ کے دامن تک پہنچا تو اچانک ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اور پھر مکہ کے گھروں میں سے کوئی گھر اور مکان ایسا نہ رہا جس میں اس کے ٹکڑے نہ پہنچے ہوں۔''

خواب سن کر حضرت عباسؓ نے عاتکہ سے کہا:

''خدا کی قسم یہ بہت عجیب خواب ہے۔ تم خود بھی اس کو پوشیدہ رکھو اور کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا۔''

مکہ میں اس خواب کا چرچا:

اس کے بعد عباس ﷺ یہاں سے نکلے تو راستے میں ان کو ولید ابن عتبہ ملا یہ ان کا دوست تھا۔ عباس نے خواب ان سے بیان کر دیا اور اس سے وعدہ لیا کہ کسی سے نہیں کہے گا۔ ولید نے جا کر یہ ساری بات اپنے بیٹے عتبہ ابن ولید سے بتادی اور اس طرح خواب ایک دوسرے تک پہنچنے لگا اور یہ بات سارے مکہ میں عام ہو گئی۔

بنی ہاشم پر ابوجہل کی جھلاہٹ

حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ اگلے دن میں صبح کو طواف کرنے گیا تو میں نے دیکھا کہ حرم میں ابوجہل ابن ہشام قریشیوں کی جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا اسی خواب کے متعلق باتیں کر رہا تھا۔ جوں ہی اس نے مجھے دیکھا تو کہنے لگا کہ ابوالفضل جب تم طواف سے

فارغ ہو ذرا میرے پاس آنا۔ چنانچہ میں طواف کر کے اس کے پاس آیا تو وہ کہنے لگا،

"ابوالفضل! تم میں اس نبیہ کا ظہور کب ہوا ہے؟"

میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ تو کہنے لگا کہ عاتکہ کے خواب کے متعلق کہہ رہا ہوں۔ میں نے کہا اس نے تو کوئی خواب نہیں دیکھا۔ اس پر وہ بولا:

"اے عبدالمطلب کی اولاد! تم اس سے زیادہ آخر اور کیا چاہتے ہو۔ تمہارے خاندان کے مرد تو نبی ہوتے ہی تھے کہ اب عورتیں بھی نبوت اور پیغمبری کا دعویٰ کرنے لگیں"

تین دن تعبیر کا انتظار

پھر ابوجہل بولا، عاتکہ کہتی ہے کہ اس خواب میں اس آنے والے شخص کو یہ کہتے سنا کہ تین دن کے اندر اندر جنگ کو چلنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اب ہم تین دن تک انتظار کریں گے۔ اگر جو کچھ عاتکہ کہہ رہی ہے سچ ہے تو تین دن بعد یہ واقعہ ثابت ہو جائے گا اور اگر تین دن گزر گئے اور اس طرح کی کوئی بات پیش نہ آئی تو ہم تمہارے خلاف ایک تحریر لکھ کر لٹکا دیں گے کہ تمہارا گھرانہ عرب کا سب سے جھوٹا گھرانہ ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے اس کے سوا اس سے کچھ نہیں کہا کہ عاتکہ نے کوئی خواب نہیں دیکھا اور اس واقعہ سے انکار کرتا رہا۔

ایک روایت ہے کہ عباس نے ابوجہل سے کہا،

"او بزدل عیب دار ہیجڑے! کیا تو یہ بات کہہ رہا ہے؟ جھوٹا تو خود اور تیرا سارا گھرانا ہے!"

اس پر وہاں جو دوسرے لوگ جمع تھے انہوں نے حضرت عباس سے کہا:

"اے ابوالفضل! تم ہرگز بے عقل اور سٹھیائے ہوئے نہیں ہو"

اس راز کے کھلنے پر حضرت عباس کو ان کی بہن عاتکہ نے سخت اذیتیں پہنچائیں۔ عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ شام کو بنی عبدالمطلب کی ساری ہی عورتیں ایک ایک کر کے میرے پاس آئیں اور ہر ایک (ابوجہل کی بکواس پر غصے کی وجہ سے مجھے ملامت

کرتے ہوئے) یہ کہتی تھی،

''تم نے آخر اس خبیث فاسق کی یہ بات کیسے برداشت کرلی کہ وہ تمہارے خاندان کے مردوں کی عیب جوئی کرتا رہا اور پھر اس نے عورتوں کو بھی نہیں بخشا بلکہ ان کے متعلق بھی زبان درازی کی اور تم سنتے رہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تم میں غیرت ہی نہیں ہے جو تم یہ باتیں سن کر آ گئے۔''

میں نے کہا:

''یقیناً میں اس سے لڑوں گا اور اگر اس نے دوبارہ ایسی بات کہی تو میں اس سے خونریزی کروں گا۔''

تعبیر خواب کا ظہور

آخر عاتکہ کے خواب کا تیسرا دن آ گیا۔ میں سخت غصے میں تھا کہ اس وقت میں نے اس معاملہ کو کیوں ٹال دیا اور چاہتا تھا کہ پھر کوئی بہانہ مل جائے۔ چنانچہ میں اسی حالت میں حرم میں داخل ہوا جہاں میں نے اس کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ خدا کی قسم میں اس ارادہ سے اس کی طرف بڑھا کہ اس سے الجھوں تا کہ وہ وہی بات ایک بار پھر کہہ دے اور میں اس پر حملہ کروں۔ مگر اسی وقت میں نے دیکھا کہ وہ ڈرتا ہوا حرم کے دروازے کی طرف جھپٹا۔ میں سوچنے لگا کہ اس کم بخت پر خدا کی لعنت ہو شاید یہ مجھ سے ڈر کر بھاگ رہا ہے مگر فوراً ہی میں نے محسوس کیا کہ وہ ایک ایسی آواز سن کر خوفزدہ ہو رہا تھا جو میں اب تک نہیں سن سکا تھا۔ وہ ضمضم ابن عمرو غفاری کی آواز سن رہا تھا جو وادیٔ مکہ کے بیچ میں کھڑا ہوا پکار رہا تھا۔ وہ اپنے اونٹ پر کھڑا تھا جس کے ناک کان کٹے ہوئے تھے اور اس نے اپنی قمیض پھاڑ رکھی تھی۔ اس حالت میں وہ چیخ چیخ کر فریاد کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا:

''اے گروہ قریش اپنے تجارتی قافلے کی خبر لو۔ تمہارا جو مال و دولت ابوسفیان لئے آ رہا تھا اس پر محمد ﷺ نے اپنے صحابہ کے ساتھ حملہ کر دیا ہے۔ مجھے ڈر ہے (تم اس کو نہیں پا سکو گے)''

Marfat.com

ایک روایت کے لفظ یوں ہیں۔ "اگر محمد ﷺ اس مال و دولت پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تو تم ہمیشہ کے لئے برباد ہو جاؤ گے۔ مدد۔ مدد۔!"

حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ یہ آواز سن کر میری توجہ ابو جہل کی طرف سے ہٹ گئی اور اس معاملہ کی وجہ سے اس کی توجہ بھی میری طرف سے ہٹ گئی۔ اب لوگوں نے جلدی جلدی جنگ کی تیاری شروع کی۔ وہ سب بے حد گھبرائے ہوئے تھے اور عاتکہ کے خواب کی وجہ سے سخت خوفزدہ ہو رہے تھے۔

............ایک روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے کہا:

"کیا محمد ﷺ اور ان کے ساتھی یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تجارتی قافلہ بھی ابن حضرمی کے قافلے کی طرح ثابت ہوگا۔ خدا کی قسم ان کو پتہ چل جائے گا کہ یہ ایسا نہیں ہے۔"

اس تجارتی قافلے میں تمام قریشیوں کا مال لگا ہوا تھا اور قریش میں سے یا تو وہ لوگ تھے جو اس قافلے میں خود گئے تھے اور یا تو وہ تھے کہ انہوں نے مال دوسرے کے سپرد کر کے اس کو بھیجا ہوا تھا۔

مکہ میں جنگی تیاریاں

......(اسی وجہ سے وہ لوگ بڑی مستعدی کے ساتھ جنگ کے لئے نکلنے کی تیاری میں مصروف ہو گئے اور) مالی طور پر مضبوط لوگوں نے کمزور اور غریب لوگوں کی مدد کر کے ان کو چلنے پر آمادہ کیا۔ بڑے بڑے قریشی سردار لوگوں کو کوچ کرنے کے لئے اکسانے میں لگ گئے۔ سہیل ابن عمرو نے لوگوں کے سامنے تقریر کی اور کہا:

"اے آل غالب! کیا تم اس کو برداشت کر لو گے کہ محمد ﷺ اور ان کے یثرب کے بے دین ساتھی تمہارے مال و دولت پر قبضہ کر لیں۔ (لہٰذا جنگ کے لئے نکلنے کے سلسلہ میں) تم میں سے جس کو مال کی ضرورت ہو تو میرا مال حاضر ہے اور جس کو کھانے کی ضرورت ہو تو میرا رزق حاضر ہے۔"

Marfat.com

ابولہب کا خوف اور جنگ سے پہلوتہی

......اس طرح قریشی سرداروں میں سے سوائے ابولہب کے کوئی ایسا نہیں رہا جو جنگ کو جانے کے لئے تیار نہ ہو گیا ہو۔ مگر ابولہب عاتکہ کے خواب کی وجہ سے بے حد ڈرا ہوا تھا۔ چنانچہ وہ کہتا تھا: ''عاتکہ کا خواب بالکل سچا خواب ہے اور اسی طرح ظاہر ہوگا۔''

ابولہب کا جنگی قائم مقام

ابولہب نے خود جانے کے بجائے عاص ابن ہشام ابن مغیرہ سے چار ہزار درہم میں معاملہ کیا کہ اس کی طرف سے وہ جنگ میں چلا ئے جائے۔ ابولہب کے چار ہزار درہم عاص پر قرض تھے۔ ابولہب نے اسی رقم کے بدلے میں اس سے معاملہ کر لیا تھا۔ ابولہب نے اس سے کہا کہ تم جنگ کے لئے چلے جاؤ اور اس کے بدلے میں میرا قرض جو تمہارے ذمے ہے وہ میں چھوڑتا ہوں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عاص کے ذمہ ابولہب کے قرض کی یہ رقم سود کی رقم تھی۔ عاص نے اپنے غربت اور تنگ دستی کی وجہ سے ابولہب سے روپیہ قرض لیا تھا۔ چنانچہ ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ ابولہب نے چار ہزار کے سود در سود پر اس سے معاملہ کیا تھا۔ علامہ بلاذریؒ نے لکھا ہے کہ ابولہب اور یہ دونوں جوا کھیلا کرتے تھے۔ اس جنگ کے موقعہ پر ابولہب نے اس بات پر عاص کے ساتھ جوا کھیلا کہ اگر عاص ہار جائے تو وہ ابولہب کی فرمانبرداری اور اطاعت کیا کرے چنانچہ جوئے میں ابولہب جیت گیا۔ اب ابولہب نے اس پر تقاضہ کر کے اس کو تنگ کرنا شروع کیا۔ پھر عاص نے دوبارہ وہی جوا لگایا مگر اس دفعہ بھی ابولہب جیت گیا چنانچہ اس نے عاص کو اپنی جگہ جنگ بدر میں بھیج دیا۔ اس عاص ابن ہشام کو اسی غزوہ بدر میں حضرت عمر فاروقؓ نے قتل کیا تھا۔

آپؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر جو مرثیہ کہا اس کے چند اشعار دیکھئے:

''اے میری دونوں آنکھو، جب تک زمانے کی درازی قائم ہے روؤ اور جی کھول کر آنسو بہاؤ جس میں کوتاہی نہ ہونے پائے۔

اے میری آنکھ! اچھی طرح اشکبار ہو مرتے دم تک اتنے دولاب اشک

Marfat.com

بہا جس میں کمی واقع نہ ہو۔

اے میری آنکھ! اشکبار ہو اور کوشش کر کے اشکبار رہو، ان کے لیے جو برگزیدہ تھے۔ نور لے کے آئے تھے ان کے علاوہ خلق اللہ میں سے اور کسی پر نہ رو۔

ایسا رونا کہ سیلاب آ جائیں کیونکہ عدل وخیر والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبت مجھ پر نازل ہوئی ہے۔

موت سے میں بچتی تھی، ڈرا کرتی تھی اور تقدیر میں جو لکھا جا چکا ہے اس سے خوفزدہ تھی۔

کہ اس روشن ذات کو میں کھو نہ بیٹھوں جس کے وسیع اخلاق فخر کے لائق ہیں۔

ہر قسم کے عیب وامراض و برے اخلاق اور مکر وفریب سے اس کا دامن پاک ہے......

اب اس حاجت مند کے کون کام آئے گا جو ہر طرف سے نکالا جاتا ہو، اُسے دھکے دیے جاتے ہوں پابہ زنجیر ہو اور لوہے کی بندش کا گلہ کر رہا ہو،

اب ہر شام وسحر اللہ کی وحی کس پر آیا کرے گی جو ہمارے ہی درمیان رہ جایا کرتی تھی۔

اے فضیلتوں والے فیاض سردار! تجھ پر ہمارے پروردگار کی رحمت وسلام ہو، تیرے بدلے ان سب کو موت کیوں نہ آئی جو لعنتی ہیں، بدخلق ہیں، اصل ونسل کے کمینے ہیں۔''

اپنی بہن اروی رضی اللہ عنہا کی طرح حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا نے بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت پر مرثیہ کہا، اوپر درج ترجمہ پر نگاہ دوڑائیں تو واضح ہو گا کہ آپ ایمان لے آئی تھیں۔ حضرت اروی رضی اللہ عنہا کے کہے مرثیے میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا، ان سے ان کا بھی مسلمان ہونا ثابت ہوتا ہے لہٰذا وہ حضرات جو اِن دونوں

Marfat.com

خواتین کے ایمان نہ لانے کے قائل ہیں انہیں اس پر ضرور غور کرنا چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن ابی امیہؓ

نام ونسب

عبداللہ نام، باپ کا نام حذیفہ تھا، نسب نامہ یہ ہے، عبداللہ بن ابی امیہ (حذیفہ) ابن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم مخزومی، عاتکہ عبدالمطلب کی لڑکی تھیں، اس رشتہ سے عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی ہوئے، اس کے علاوہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ماں جائے بھائی تھے، غرض عبداللہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ متعدد قرابتوں کا شرف حاصل تھا۔

اسلام سے پہلے

عبداللہ کا گھرانہ زمانۂ جاہلیت میں بہت معزز مانا جاتا تھا، ان کے والد ابوامیہ قریش کے مقتدر رئیس تھے، فیاضی اور سیر چشمی ان کا خاندانی شعار تھا، سفر میں اپنے تمام ہمراہیوں کے اخراجات کا بار خود اٹھاتے تھے، اسی لیے ''زادالراکب'' مسافر کا توشہ ان کا لقب ہو گیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسلام کی دعوت دی تو سب سے زیادہ مخالفت روسائے قریش کی جانب سے ہوئی، ابوامیہ بھی روسائے قریش میں تھے، اس لیے وہ اور ان کے لڑکے عبداللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی مخالفت کی، عبداللہ رسول اکرمؐ اور مسلمانوں کو سخت عناد رکھتے تھے۔

كان عبد الله بن ابی امیه شدیداً علی المسلمین مخالفًا مبغضاً وكان شديد العدواة لرسول الله صلى الله عليه وسلم.

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے چچا ابوطالب کی وفات کے وقت ان سے کلمۂ شہادت پڑھنے کی درخواست کی تو عبداللہ ہی نے یہ کہہ کر روکا کہ کیا آخر وقت عبداللہ کی ملت سے پھر جاؤ گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور استہزاء اور استحالہ کہا کرتے تھے کہ میں اس وقت تک تمہارے اوپر ایمان نہیں لا سکتا، جب تک تمہارے لیے زمین سے کوئی چشمہ نہ پھوٹے

Marfat.com

یا تمہارے لیے کوئی زرنگار محل نہ تیار ہو جائے، سعید روایت کرتے ہیں کہ کلام اللہ کی یہ آیت

لن نؤمن لک حتّٰی تفجر لنا من الارض ینبوعاً.

''ہم اسوقت تک ہرگز تمہارے اوپر ایمان نہیں لاسکتے، جب تک تمہارے لیے زمین سے کوئی چشمہ نہ پھوٹے۔''

عبداللہ ہی کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

اسلام

لیکن بالآخر اسلام کی قوتِ تاثیر نے انہیں بھی کھینچ لیا، یا وہ بغض وعناد تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا مضحکہ اڑایا کرتے تھے، یا فتحِ مکہ سے کچھ دنوں پہلے خود بخود بلاکسی تحریک کے آستانِ نبوی کی طرف چلے، مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام ثنیۃ العقاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی، عبداللہ کے جرائم ان کی نگاہوں کے سامنے تھے، اس لیے بلاوسیلہ سامنے جانے کی ہمت نہ ہوتی تھی، اپنی بہن حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو درمیان میں ڈال کر باریابی کی اجازت چاہی، ان کی فرد عصیاں کا ایک ایک جرم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں کے سامنے آگیا، اس لیے آپ نے ملنے سے انکار کر دیا، حضرت ام سلمہؓ نے سفارش کی کہ کچھ بھی ہو بہر حال وہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی اور سسرالی عزیز بھی ہیں، فرمایا، انہوں نے مکہ میں میرے لیے کیا اٹھا رکھا، اس مایوس کن جواب کے بعد عبداللہ نے عالمِ ناامیدی میں کہا اگر عفوودرگذر کا دروازہ قطعی بند ہو چکا ہے، تو دربدر پھر کر بھوک اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر جان دیدینگے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عزم کی خبر ہوئی تو رحم وکرم کی موجوں نے غیظ وغضب کی گرمی کو ٹھنڈا کر دیا اور عبداللہ کو باریابی کی اجازت مل گئی، اور وہ خلعتِ اسلام سے سرفراز ہو گئے۔

غزاوت وشہادت

قبول اسلام کے بعد تلافی مافات کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کے میدان میں قدم رکھا، اور فتح مکہ، حنین اور طائف میں مجاہدانہ شریک ہوئے، غزوہ طائف میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے ایک تیر لگا، یہ تیر قضا ثابت ہوا، اور عبداللہ شہادت سے سرفراز ہو گئے۔

Marfat.com

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

حضرت صفیہؓ بنتِ عبدالمطلب کا شمار بڑی جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ وہ ہالہ بنت وہیب (یااہیب) بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب بن مرّہ کے بطن سے تھیں۔ جوسرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہیب بن عبدمناف کی چچازاد بہن تھیں۔ اس رشتے سے وہ حضورؐ کی خالہ زاد بہن بھی ہوتی تھیں۔ شیرِ خدا حضرت حمزہؓ شہیدِ اُحد اُن کے حقیقی بھائی تھے۔ سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد عبداللہ بن عبدالمطلب کی دوسری بیوی...... بنت عمرو کے بطن سے تھے۔ اس رشتے سے حضرت صفیہؓ حضورؐ کی پھوپھی تھیں، اس لئے انہیں عمۃ النبیؐ کہا جاتا ہے۔ حضورؐ کی دوسری پھوپھیوں، ام حکیم بیضاء، امیمہ، عاتکہ، عاتکہ، اُمیمہ کے اسلام کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے، لیکن حضرت صفیہؓ کے، اسلام پر سب کا اتفاق ہے۔ ابن اثیرؒ نے ''اسد الغابہ'' میں لکھا ہے ''صحیح یہ ہے کہ ان کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی پھوپھی نے اسلام قبول نہیں کیا''۔

اگرچہ ابنِ سعدؒ اور حافظ ابنِ قیمؒ نے عاتکہ...... کو بھی اسلام لانے والی خواتین شامل کیا ہے۔ لیکن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا شرف پھر بھی باقی رہتا ہے کہ وہ دعوتِ حق کے آغاز ہی میں سعادت اندوزِ ایمان ہوگئیں اور سابقون الاولون کی اس مقدس جماعت میں شمار ہوئیں جس کو اللہ تعالیٰ نے کھلے لفظوں میں جنت کی بشارت دی ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی ولادت کے زمانے میں بہت تھوڑا فرق ہے۔ اس لئے وہ قریب قریب حضورؐ کی ہم سن تھیں۔

زبیرؓ جیسے شیر دل بیٹے کی تربیت میں سیدہ صفیہؓ کا کردار

حضرت صفیہؓ کا پہلا نکاح حارث بن اموی سے ہوا جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا،

Marfat.com

اس کے انتقال کے بعد عوام بن خویلد قریشی الاسدی کے عقدِ نکاح میں آئیں جوام المومنین حضرت خدیجہؓ الکبریٰ کے بھائی تھے۔ حواریٔ رسولؐ حضرت زبیرؓ ابن عوام انہی سے پیدا ہوئے۔ حضرت زبیرؓ ابھی کمسن ہی تھے کہ سایۂ پدری سے محروم ہو گئے۔ اس وقت حضرت صفیہؓ بالکل جوان تھیں، لیکن اس کے بعد انہوں نے ساری زندگی بیوگی کے عالم میں کاٹ دی۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم معبوث ہوئے اور لوگوں کو حق کی طرف رجوع کیا تو حضرت صفیہؓ نے بلا تامل اسلام قبول کرلیا۔ ان کے ساتھ ہی ان کے سولہ سالہ فرزند حضرت زبیرؓ بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔

حضرت صفیہؓ نے زبیرؓ کی تربیت نہایت عمدہ طریق سے کی، اُن کی خواہش تھی کہ اُن کا فرزند بڑا ہو کر ایک نڈر بہادر سپاہی بنے۔ چنانچہ وہ حضرت زبیرؓ سے سخت محنت ومشقت کا کام لیتیں اور وقتاً فوقتاً زجروتوبیخ اور زدوکوب سے بھی گریز نہ کرتیں۔ حضرت زبیرؓ کے چچا نوفل بن خویلد ایک دن بھتیجے کو ماں کے ہاتھوں پٹتے دیکھ کر بے تاب ہو گئے اور حضرت صفیہؓ کو سختی سے ڈانٹا کہ اس طرح تو تم بچے کو مار ڈالو گی۔ نوفل نے بنو ہاشم اور اپنے قبیلے کے بعض دوسرے لوگوں سے بھی کہا کہ وہ صفیہؓ کو بچے پر سختی کرنے سے روکیں۔ جب اُن کی سخت گیری کا چرچا عام ہوا تو انہوں نے لوگوں کے سامنے یہ رجز پڑھا۔

مَنْ قَالَ اِنِّی اَبْغَضُهُ فَقَدْ كَذَبَ

اِنَّمَا اَضْرِبُهُ لِكَیْ یَلَبَّ

''جس نے یہ کہا کہ میں اس (زبیرؓ) سے بغض رکھتی ہوں اس نے غلط کہا، میں اس کو اس لئے پیٹتی ہوں کہ عقلمند ہو۔''

وَیَهْزِمُ الْجَیْشَ وَیَأتِی السَّلَبَ

''اور فوج کو شکست دے اور مالِ غنیمت حاصل کرے۔''

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''اصابہ'' میں لکھا ہے کہ حضرت زبیرؓ کو لڑکپن میں ایک جوان اور قوی آدمی سے مقابلہ پیش آ گیا۔ انہوں نے ایسی ضرب لگائی کہ اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ لوگوں نے حضرت صفیہؓ سے شکایت کی تو انہوں نے معذرت کرنے کی بجائے لوگوں سے سوال کیا: ''تم نے زبیر ؓ کو کیسا پایا بہادر یا بزدل؟''

Marfat.com

غرض ماں کی تربیت کا یہ اثر ہوا کہ حضرت زبیرؓ بڑے ہو کر ایک دلاور صف شکن اور ضیغم شجاعت بنے۔ مبدأ فیض نے حضرت زبیرؓ کو یوں بھی فطرتِ سعید سے نوازا تھا، ماں کی تربیت نے اُن کی خوبیوں کو اور بھی چمکا دیا اور ان کے دل میں اسلام اور داعی اسلام کی محبت کوٹ کوٹ کر بھردی۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت زبیرؓ کی دلیرانہ شیفتگی کا عجیب عالم تھا بعثت کے ابتدائی زمانے میں ایک دن جب یہ افواہ سنی کہ حضورؐ کو نصیب دشمناں مشرکین نے گرفتار کرلیا ہے یا شہید کر دیا ہے تو ایسے بے قرار ہوئے کہ آؤ دیکھا نہ تاؤ تلوار سونت کر برق رفتاری سے آستانۂ نبوی پر پہنچے۔ حضورؐ کو وہاں بخیریت موجود پایا تو جان میں جان آئی اور چہرہ فرطِ بشاشت سے گلنار ہو گیا۔ حضورؐ نے ان کی شمشیر برہنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''زبیرؓ یہ کیا ہے؟''

عرض کیا: ''یارسولؐ اللہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، میں نے سنا تھا، کہ آپ کو دشمنوں نے گرفتار کرلیا ہے یا شاید آپ شہید کر دیئے گئے ہیں۔''

حضورؐ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: ''اگر واقعی ایسا ہو جاتا تو تم کیا کرتے؟''

حضرت زبیرؓ نے بے ساختہ عرض کیا: ''یارسولؐ اللہ خدا کی قسم میں اہلِ مکہ سے لڑ مرتا۔''

واقعاتِ ہجرت

۵ بعثت میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے محبوب لختِ جگر کی عارضی جدائی کا صدمہ سہنا پڑا، قبول اسلام کے بعد دوسرے مسلمانوں کی طرح زبیرؓ بھی کفار کے جور و ستم کا ہدف بن گئے تھے، بالخصوص اُن کا چچا نوفل بن خویلد اُن پر بُرا ظلم و ستم ڈھاتا تھا۔ چنانچہ حضور ﷺ کے ایما پر پندرہ بلاکشانِ اسلام کا ایک قافلہ رجب ۵ نبوی میں حبش کی طرف ہجرت کر گیا، اس میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ ماں پر ان کی جدائی سخت شاق تھی، لیکن حضورؐ کے ایما اور بیٹے کی سلامتی کے خیال سے انہوں نے بڑے صبر اور حوصلے کے ساتھ فرزندِ عزیز کو کالے کوسوں دُور روانہ کر دیا۔ اُن مہاجرین راہ حق کو حبش میں ابھی تین ہی مہینے گزرے تھے کہ انہوں نے ایک دل خوش کن خبر سنی۔ یہ کہ مشرکین مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے یا (ایک دوسری روایت کے مطابق) یہ کہ رسول اکرمؐ اور کفار کے درمیان مصالحت ہو گئی ہے۔ چنانچہ شوال ۵ ھ بعد بعثت میں سب (یا ان میں سے اکثر) مہاجرین مکہ واپس

Marfat.com

آ گئے۔ ان میں زبیرؓ بھی تھے۔ جب وہ مکے کے قریب پہنچے، تو معلوم ہوا کہ یہ خبر بالکل غلط تھی، چنانچہ واپس آنے والے سبھی حضرات قریش کے کسی نہ کسی سردار کی پناہ حاصل کر کے مکے میں داخل ہوئے۔ علامہ بلاذریؒ کا بیان ہے کہ حضرت زبیرؓ بن العوام نے زمعہ بن الاسود کی پناہ حاصل کی۔ حضرت صفیہؓ اپنے لختِ جگر سے مل کر بہت خوش ہوئیں اور ان کے یوں اچانک بخیریت واپس آ جانے پر سجدۂ شکر بجالائیں مکے میں کچھ عرصہ قیام کے بعد حضرت زبیرؓ نے تجارت کا شغل اختیار کر لیا اور تجارتی قافلوں کے ساتھ شام آنے جانے لگے۔ اُسی زمانے میں حضرت صفیہؓ نے حضرت زبیرؓ کی شادی حضرت اسماءؓ بنتِ ابوبکر صدیقؓ سے کر دی یوں وہ صدیقِ اکبرؓ کی سمدھن بن گئیں۔

ارباب سیر نے لکھا ہے کہ حضرت صفیہؓ نے اپنے فرزند حضرت زبیرؓ کے ساتھ مدینہ منورہ کو ہجرت کی۔ مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارضِ مکہ کو الوداع کہہ کر عازمِ مدینہ ہوئے، تو حضرت زبیرؓ تجارت کے لئے شام گئے ہوئے تھے۔ جب وہ شام سے مکے واپس آ رہے تھے تو راستے میں سرور عالمؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملاقات ہوئی جو مکے سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے جا رہے تھے۔ حضرت زبیرؓ نے حضورؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ (اپنے خسر) کی خدمت میں چند سفید کپڑے تحفۃً پیش کئے اور وہ یہی سفید کپڑے زیب تن فرما کر مدینے میں داخل ہوئے۔ صحیح بخاری میں حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت ہے:

"زبیرؓ نے رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ کو سفید کپڑے پہنائے۔"

(بخاری کتاب المناقب باب ہجرۃ النبیؐ)

مکے واپس آنے کے تھوڑے ہی عرصے بعد حضرت زبیرؓ نے اپنی والدہ حضرت صفیہؓ اور اہلیہ حضرت اسماءؓ بنتِ ابی بکر صدیقؓ کے ہمراہ مدینے کی طرف ہجرت کی اور کچھ مُدت قباء میں قیام پذیر رہے۔ وہیں سنہ ۱ھ (اور ایک دوسری روایت کے مطابق ۲ھ میں) حضرت اسماءؓ کے بطن سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے۔ حضرت صفیہؓ کے اس پوتے کی ولادت تاریخ اسلام میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اس لئے کہ ان کی ولادت سے پہلے کئی ماہ تک کسی مہاجر کے ہاں اولاد نہیں ہوئی تھی اور یہود مدینہ نے مشہور کر دیا تھا کہ ہم نے

Marfat.com

مسلمانوں پر جادو کر دیا ہے، اور ان کا سلسلۂ نسل منقطع کر دیا ہے۔ حضرت عبداللہؓ پیدا ہوئے تو مسلمانوں کو بے حد مسرت ہوئی اور انہوں نے جوشِ انبساط میں اس زور سے نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے کہ دشت وجبل گونج اٹھے۔ مدینہ منورہ میں حضرت صفیہؓ حضرت زبیرؓ کے ساتھ ہی رہتی تھیں اور وہ ان کی دل وجان سے خدمت کرتے تھے

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر صفیہؓ کا بے مثال صبر واستقلال

غزوہ اُحد (سنہ ۳ ہجری) میں ایک اتفاقی غلطی سے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا گیا اور مسلمانوں میں انتشار پھیل گیا، تو حضرت صفیہؓ ہاتھ میں نیزہ لئے مدینہ سے نکلیں۔ جو لوگ میدانِ جنگ سے منہ موڑ کر مدینہ کی طرف آرہے تھے ان کو شرم اور غیرت دلاتی تھیں اور نہایت غصے سے فرماتی تھیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر چل دیئے؟''

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو میدان جنگ کی طرف آتے دیکھا تو ان کے ثابت قدم فرزند حضرت زبیرؓ کو پاس بلا کر ارشاد فرمایا:

''صفیہؓ اپنے بھائی حمزہؓ کی لاش نہ دیکھنے پائیں۔''

حضرت حمزہؓ مردانہ وار لڑتے ہوئے جبیر بن مطعم کے غلام بن حرب کے برچھے سے شہید ہو گئے تھے۔ ہند بنت عتبہ نے اپنے باپ عتبہ (مقتول بدر) کے ہوش انتقام میں اُن کی نعش کا مثلہ کیا تھا۔ یعنی ناک اور کان کاٹ ڈالے تھے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر سید الشہداءؓ کا پیٹ چاک کر کے اُن کا کلیجہ نکال کر چبا ڈالا تھا۔ رسول اکرمؐ نہیں چاہتے تھے کہ صفیہؓ اپنے محبوب اور شجاع بھائی کی لاش کو اس حالت میں دیکھیں۔ حضرت زبیرؓ نے اپنی ماں کو حضورؐ کے ارشاد سے مطلع کیا تو وہ اس کا سبب سمجھ گئیں، بولیں: ''مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ میرے بھائی کی لاش بگاڑی گئی ہے۔ خدا کی قسم مجھے یہ پسند نہیں، لیکن میں صبر کروں گی اور انشاء اللہ ضبط سے کام لوں گی۔''

حضور ﷺ حضرت صفیہؓ کے جواب سے آگاہ ہوئے تو آپؐ نے انہیں شہید راہ حق حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش دیکھنے کی اجازت دے دی۔ وہ بادیدۂ پُرنم لاش پر آئیں اور اپنے محبوب بھائی کے جسم کے ٹکڑے بکھرے دیکھ کر ایک آہِ سرد کھینچی اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر خاموش ہو گئیں۔ پھر ان کے لئے دعائے مغفرت مانگی اور ان کی تدفین کے لئے

Marfat.com

دو چادریں حضورؐ کی خدمت میں پیش کر کے واپس مدینہ چلی گئیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے "اصابہ" میں بیان کیا ہے کہ حضرت صفیہؓ نے حضرت حمزہؓ کی شہادت پر ایک پُر درد مرثیہ کہا جس کے ایک شعر میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں مخاطب کیا:

اِنَّ یَوْمًا اَتٰی عَلَیْکَ لَیَوْمٌ
کُوِّرَتْ شَمْسُهٗ وَکَانَ مُضِیْئًا

"آج آپ پر وہ دن آیا ہے کہ آفتاب سیاہ ہو گیا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے سے پہلے وہ روشن تھا۔"

ایک روایت میں ہے کہ حضرت صفیہ محبوب بھائی کیلئے دعائے مغفرت مانگ کر اپنے آنسو ضبط نہ کر سکیں اور بے اختیار رونے لگیں، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں روتے دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے بھی سیلِ اشک رواں ہو گیا۔ پھر آپؐ نے حضرت صفیہ کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

"مجھے جبریل امین علیہ السلام نے خبر دی ہے کہ عرشِ معلیٰ پر حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کو اسد اللہ واسد الرسول (اللہ کا شیر اور رسولؐ کا شیر) لکھا گیا ہے۔"

غزوۂ بنو قریظہ کی قلعہ بند مجاہدہ

غزوۂ احزاب (سن ۵ ہجری) میں سارے عرب کے مشرکین اور یہود نے متحد ہو کر مرکزِ اسلام پر یلغار کر دی تھی اور خاص مدینہ منورہ کے اندر یہودِ بنو قریظہ غداری کر کے اہل حق کی جانوں کے لاگو ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کیلئے یہ بہت بُری آزمائش تھی، لیکن آفریں، اللہ کے ان پاکباز بندوں پر کہ کیا مجال ایک لمحے کے لئے ان کے پائے استقامت میں لغزش آئی ہو۔ انہوں نے تو اپنی جانیں اور مال راہِ حق میں بیع کر دیئے تھے اور زندگی کے آخری سانس تک کفر و شرک کے طوفانوں سے ٹکرانے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ تاہم عورتوں اور بچوں کو گھر کے دشمنوں یہودِ بنو قریظہ کی دست درازی اور شر سے بچانا ضروری تھا۔ چنانچہ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمان خواتین اور بچوں کو بنظرِ

احتیاط انصار کے ایک قلعہ فارع یا اطم میں منتقل کر دیا اور حضرت حسانؓ بن ثابت (شاعر رسولؐ اللہ) کو ان کی نگرانی پر مامور فرما دیا۔ قلعہ اگرچہ خاصا مضبوط تھا، لیکن پھر بھی یہ انتظام خطرے سے یکسر خالی نہ تھا۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام جانثاروں کے ہمراہ جہاد میں مشغول تھے اور بنو قریظہؑ کے محلے اور اس قلعے کے درمیان کوئی فوجی دستہ موجود نہ تھا۔ انہی پُر آشوب ایام میں ایک دن ایک یہودی اس طرف آنکلا اور قلعے میں موجود لوگوں کی سن گن لینے لگا۔ حسن اتفاق سے ایک بوڑھی لیکن صحت مند خاتون نے اس یہودی کو دیکھ لیا، وہ اپنی خداداد فراست سے سمجھ گئیں کہ یہ شخص جاسوس ہے، اگر اس نے بنو قریظہؑ کے شریر النفس لوگوں کو جا کر بتا دیا کہ قلعے میں صرف عورتیں اور بچے ہیں تو ہو سکتا ہے وہ میدان خالی دیکھ کر قلعے پر حملہ کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے نگرانِ قلعہ حضرت حسانؓ سے کہا کہ باہر نکل کر اس یہودی کو قتل کر دیں۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے عذر کیا۔ اس کا سبب اہل سیر کے نزدیک ان کی جسمانی یا قلبی کمزوری تھی جو کسی مرض میں مبتلا رہنے کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے اس موقع پر یہ جواب دیا:

''میں اس یہودی سے لڑنے کے قابل ہوتا تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ ہوتا؟''

وہ خاتون حضرت حسانؓ کا جواب سن کر فوراً اٹھیں، خیمے کی ایک چوب اکھاڑی قلعے سے باہر آئیں اور اس یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ حافظ ابن حجرؒ نے ''اصابہ'' میں لکھا ہے کہ یہودی کو قتل کرنے کے بعد انہوں نے حضرت حسانؓ سے کہا، جا کر اس کا سر کاٹ کر لاؤ، انہوں نے اس میں بھی عذر کیا تو بہادر خاتون نے خود ہی اُس کا سر کاٹ کر قلعے سے نیچے پھینک دیا۔ یہود بنی قریظہ کو کٹا ہوا سر دیکھ کر یقین ہو گیا کہ قلعہ کے اندر بھی مسلمانوں کی فوج موجود ہے۔ چنانچہ انہیں قلعے پر حملہ کرنے ہمت نہ پڑی۔ علامہ ابن اثیرؒ جزری کا بیان ہے کہ پھر اس خاتون نے حضرت حسانؓ سے کہا: ''اب جا کر مقتول یہودی کا سامان اتار لو۔'' وہ بولے: ''مجھے اس کی خواہش نہیں۔'' ابن اثیرؒ کہتے ہیں کہ یہ پہلی بہادری تھی جو ایک مسلمان عورت سے ظاہر ہوئی۔ چنانچہ سرورِ اکرم صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم نے انہیں مالِ غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا۔

سیدہ صفیہؓ شاعرہ بھی تھیں

غزوۂ احزاب (سنہ ۵ ہجری) میں حضرت صفیہؓ نے جس بے مثال شجاعت اور بے خوفی کا مظاہرہ کیا اس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ اس وقت اُن کی عمر اٹھاون برس کے لگ بھگ تھی۔

ارباب سیر نے لکھا ہے کہ حضرت صفیہؓ نہایت زیرک، دور اندیش، شجاع اور صابر خاتون تھیں اور تمام عرب میں اپنے حسب ونسب اور قول وفعل کے اعتبار سے امتیازی درجہ رکھتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ملکہ شاعری بھی عطا کیا تھا۔ سیرت کی بعض کتابوں میں ان کے کہے ہوئے چند مرثیے ملتے ہیں جن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام میں نہایت فصاحت وبلاغت تھی۔ اپنے والد عبدالمطلب کی وفات پر انہوں نے جو مرثیہ کیا اس کے چند اشعار یہ ہیں:

(ترجمہ) "رات کو ایک نوحہ کرنے والی کی آواز نے مجھے رُلایا ہے۔ وہ ایک مردِ کریم پر نوحہ کناں تھی۔

اور اس حال میں میرے آنسو موتیوں کی طرح میرے گالوں پر بہنے لگے۔ افسوس ہے اس مردِ کریم کی موت پر

جو بیہودہ نہ تھا اور اس کی بزرگی کا چرچا دُور دُور تک تھا۔ وہ عالی نسب، صاحبِ جود وسخا اور قحط سالی میں لوگوں کے لئے ابرِ رحمت تھا۔

پس اگر انسان کو اپنی قدیم بزرگی کی وجہ سے دوام ہوتا (لیکن دوام کی کوئی صورت نہیں) تو وہ مردِ کریم اپنی قدیم شرافت اور فضیلت کی بنا پر بہت زمانے تک زندہ رہتا۔"

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہؓ کے بھتیجے، خالہ زاد بھائی اور شوہر کے بہنوئی تھے۔ بچپن میں انہوں نے حضورؐ کے ساتھ ایک ہی گھر میں پرورش پائی تھی اس لئے انہیں حضور ﷺ کے ساتھ غیر معمولی محبت تھی۔ سرورِ عالمؐ کو بھی ان سے بڑا تعلق خاطر تھا اور آپؐ اُن کے فرزند حضرت زبیرؓ کو اکثر "ابن صفیہؓ" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ سنہ ۱۱ ہجری میں حضور ﷺ نے رحلت فرمائی تو حضرت صفیہؓ پر کوہِ الم ٹوٹ پڑا۔ اس موقع پر انہوں نے جو

Marfat.com

دردناک مرثیہ کہا، اس کے چند اشعار یہ ہیں:

''یا رسول اللہ آپ ہماری امید تھے، آپ ہمارے محسن تھے، ظالم نہ تھے۔ آپ رحیم تھے، ہدایت کرنے والے اور تعلیم دینے والے تھے۔ آج ہر رونے والے کو آپ پر رونا چاہیے۔ رسول اللہ پر میری ماں، خالہ، چچا اور ماموں قربان ہوں، پھر میں خود اور میرا مال بھی۔ کاش! اللہ ہمارے آقا کو ہمارے درمیان رکھتا، تو ہم کیسے خوش قسمت تھے، لیکن حکم الٰہی اٹل ہے۔ آپ پر اللہ کا سلام ہو اور آپ جناتِ عدن میں داخل ہوں۔''

ایک اور مرثیہ کا مطلع ہے۔

''اے آنکھ رسول اللہ کی وفات پر خوب آنسو بہا''

حضرت صفیہؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۷۳ برس کی تھی۔ آخری آرام گاہ قبرستان بقیع میں ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حواریٔ رسول زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

نام ونسب اور کنیت

زبیر بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی۔

ان کی والدہ صفیہ بنت عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی تھیں۔

فرافصہ الحنفی سے ایک حدیث میں مروی ہے کہ زبیر رضی اللہ عنہ بن العوام کی کنیت ابو عبد اللہ تھی۔

والدہ کی طرف سے آپ رضی اللہ عنہ کی تربیت

ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے روایت کی کہ زبیر رضی اللہ عنہ جب بچے تھے، مکے میں ایک شخص سے لڑے، اُس کا ہاتھ توڑ دیا، اور ضرب شدید پہنچائی، اُس آدمی کو لاد کے صفیہ کے پاس پہنچایا گیا، انہوں نے پوچھا، اس کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا زبیر رضی اللہ عنہ نے اس

Marfat.com

سے جنگ کی۔ تو صفیہ نے (اشعار ذیل) کہے۔

کیف رأیت فھذا اقط احسبتۂ ام تموا

ام مشـــــمـــعلا صـــقـــرا......

''اے شخص تو نے زبیر ﷺ کو کیا سمجھا تھا؟ کیا تو نے اُنہیں پنیر سمجھا تھا یا کھجور، یا پَر پھیلانے والا شکرہ۔''

عروہؒ سے مروی ہے کہ صفیہ زبیر ﷺ کو بہت مارا کرتی تھیں، حالانکہ وہ یتیم تھے، اُن سے کہا گیا کہ تم نے اُنہیں قتل کر دیا، اُن کا دل نکال لیا، اس بچے کو تم نے ہلاک کر دیا۔ تو انہوں نے کہا کہ میں انہیں صرف اس لیے مارتی ہوں کہ وہ جنگ میں داخل ہوں اور کامیاب لشکر کے سردار ہوں۔

راوی نے کہا کہ ایک روز انہوں نے کسی لڑکے کا ہاتھ توڑ ڈالا۔ اُس لڑکے کو صفیہ کے پاس لایا گیا اور اُن سے کہا گیا تو انہوں نے شعر کہا:

ترجمہ: ''اے شخص تو نے زبیر ﷺ کو کیا سمجھا تھا؟ کیا تو نے اُنہیں پنیر سمجھا تھا یا کھجور، یا پَر پھیلانے والا شکرہ۔''

قبولِ اسلام

ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل سے مروی ہے کہ زبیر ﷺ نے ابوبکر ﷺ کے چار یا پانچ دن کے بعد اسلام قبول کیا۔

ہشام بن عروہ سے مروی ہے کہ زبیر ﷺ جب اسلام لائے تو سولہ سال کے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی غزوے سے وہ غیر حاضر نہ تھے۔ لوگوں نے بیان کیا کہ زبیر ﷺ نے ملک حبشہ کی طرف دونوں ہجرتیں کیں۔

ہجرت

عاصم بن عمرو بن قتادہ سے مروی ہے کہ جب زبیر بن العوام نے مکے سے مدینے کی طرف ہجرت کی تو منذر بن محمد بن عقبہ بن احیحہ ابن الجلاح کے پاس اُترے۔

مواخات

آپ رضی اللہ عنہ کی مواخاۃ کے بارے میں مختلف روایات موجود ہیں۔ موسیٰ بن محمد بن ابراہیم نے اپنے والد سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر رضی اللہ عنہ وابن مسعود رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخاۃ کیا۔ عبداللہ بن محمد بن عمر بن علیؓ بن ابی طالب نے اپنے والد سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر وطلحہ رضی اللہ عنہما کے درمیان مواخاۃ کیا۔

عروہ سے (تین سلسلوں سے) مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے درمیان عقد مواخاۃ کیا۔

بشیر بن عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر رضی اللہ عنہ اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے درمیان عقد مواخاۃ کیا۔

غزوۂ بدر کے دن ملائکہ نے آپ کی مشابہت اختیار کی

موسیٰ بن محمد بن ابراہیم نے اپنے والد سے روایت کی کہ زبیر ابن العوام رضی اللہ عنہ ایک زرد عمامے کی وجہ سے پہچان لیے جاتے تھے، وہ بیان کیا کرتے تھے کہ بدر کے دن جو ملائکہ نازل ہوئے وہ زرد گھوڑوں پر سوار تھے اور زرد عمامے باندھے تھے۔ اُس روز زبیر رضی اللہ عنہ بھی زرد عمامہ باندھے تھے۔

حمزہ بن عبداللہ سے مروی ہے کہ بدر کے دن زبیر رضی اللہ عنہ کے سر پر زرد عمامہ تھا جس کو وہ لپیٹے ہوئے تھے۔ اُس روز ملائکہ کے سروں پر بھی زرد عمامے تھے۔

حضور ﷺ کی طرف سے آپ رضی اللہ عنہ کا اعزاز اور عطایا

ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے روایت کی کہ بدر کے دن زبیر رضی اللہ عنہ کے سر پر زرد رومال تھا جسے وہ لپیٹے ہوئے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ملائکہ زبیر رضی اللہ عنہ کی شکل میں نازل ہوئے۔

ہشام بن عروہ سے مروی ہے کہ بدر کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ صرف دو گھوڑے تھے جن میں سے ایک پر زبیر رضی اللہ عنہ تھے۔

سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو خاص طور پر ریشمی لباس کی اجازت دی گئی۔

عبدالوہاب بن عطا سے مروی ہے کہ سعید بن ابی عروبہ سے ریشمی لباس کو پوچھا گیا تو اُنہوں نے قتادہ کی اور انس بن مالک کی روایت سے ہمیں بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (صرف) زبیر رضی اللہ عنہ کو ریشمی کُرتے کی اجازت دی۔

عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینے میں مکانوں کی حد بندی کی تو زبیر رضی اللہ عنہ کے لیے زمین کا بڑا ٹکڑا مقرر کیا۔

اسماء بنت ابی بکرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر رضی اللہ عنہ کو ایک کھجور کا باغ جاگیر میں دیا۔

ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر رضی اللہ عنہ کو ایک زمین عطا فرمائی جس میں کھجور کے درخت تھے۔ یہ زمین بنی النضیر کے اموال میں سے تھی، نیز ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زبیر رضی اللہ عنہ کو الجرف بطور جاگیر دیا۔ انس رضی اللہ عنہ بن عیاض نے اپنی حدیث میں کہا کہ الجُرف کی زمین مُردہ (اوسر، ناقابل زراعت) تھی، عبداللہ بن نمیر نے اپنی حدیث میں کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے زبیر رضی اللہ عنہ کو پورا العقیق عطا کر دیا۔

آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل

لوگوں نے بیان کیا کہ زبیر بن العوام بدر و اُحد اور تمام مشاہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حاضر ہوئے۔ اُحد میں آپ کے ہمراہ ثابت قدم رہے، انہوں نے آپ سے موت پر بیعت کی۔ غزوۂ فتح مکہ میں مہاجرین کے تین جھنڈوں میں سے ایک جھنڈا زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔

ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے روایت کی کہ مجھ سے عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''واللہ تمہارے والد اُن لوگوں میں سے تھے جنہوں نے زخمی ہونے کے بعد بھی اللہ و رسول کی دعوت کو قبول کیا اور بحالتِ زخم جہاد کے لئے تیار ہو گئے۔

ابی کبشہ انماری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ لشکر میسرہ پر تھے اور مقداد بن الاسود میمنے پر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وسلم مکے میں داخل ہوئے اور لوگ مطمئن ہو گئے تو زبیر رضی اللہ عنہ و مقداد رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑوں پر آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر اُن کے چہروں سے اپنی چادر سے غبار پونچھنے لگے اور فرمایا کہ میں نے گھوڑے کے لئے دو حصے مقرر کیے اور سوار کے لئے ایک حصہ، جو انہیں کم کرے اللہ اُسے کم کرے۔

ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہر اُمت کے لیے حواری ہیں، میرے حواری میری پھوپھی کے بیٹے زبیر رضی اللہ عنہ ہیں۔

حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابن جرموز نے علی رضی اللہ عنہ سے اندر آنے کی اجازت مانگی، دربان نے عرض کی: یہ ابن جرموز قاتلِ زبیر رضی اللہ عنہ دروازے پر کھڑا اجازت مانگتا ہے، علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابن صفیہ (زبیر رضی اللہ عنہ) کا قاتل دوزخ میں داخل ہو جائے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہر نبی کے حواری ہیں اور میرے حواری زبیر رضی اللہ عنہ ہیں۔

سلام ابن مطیع نے (جو اُنہی راویوں میں سے تھے) کہا کہ عاصم نے زِر سے روایت کی کہ میں علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ابن صفیہ کا قاتل دوزخ میں داخل ہو جائے اور سب راویوں نے اپنی اسناد میں بیان کیا۔

جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم احزاب (غزوۂ خندق) میں فرمایا کہ کوئی ہے جو میرے پاس اس قوم کی خبر لائے؟ تو زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا میں ہوں۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ کوئی ہے جو میرے پاس اُس قوم کی خبر لائے؟ تو زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا میں ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی کا حواری ہوتا ہے اور میرے حواری زبیر رضی اللہ عنہ ہیں۔

جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم خندق میں لوگوں کو دعوت دی کہ کوئی ہے جو آپ کے پاس بنی قریظہ کی خبر لائے؟ زبیر رضی اللہ عنہ نے دعوت قبول کی، آپ نے پھر انہیں دعوت دی، تو پھر زبیر رضی اللہ عنہ نے قبول کی، آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ دعوت دی تو پھر زبیر رضی اللہ عنہ نے قبول کی۔ آپ ﷺ نے اُن کا ہاتھ پکڑ کے فرمایا کہ ہر نبی کے ایک حواری ہے اور میرے حواری زبیر رضی اللہ عنہ ہیں۔

Marfat.com

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے ایک حواری ہے اور میرے حواری (مخلص دوست) زبیر رضی اللہ عنہ ہیں۔"

نافع سے مروی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو کہتے سنا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری کا بیٹا ہوں، ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بشرطیکہ تم آلِ زبیر رضی اللہ عنہ سے ہو ورنہ نہیں۔

ہشام بن عروہ سے مروی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے ایک لڑکا گزرا، دریافت کیا کہ وہ کون ہے؟ تو اُس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری کا بیٹا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بشرطیکہ تم اولادِ زبیر سے ہو، ورنہ نہیں۔ دریافت کیا گیا کہ سوائے زبیر رضی اللہ عنہ کے کوئی اور بھی تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حواری کہا جاتا تھا؟ تو انہوں نے کہا کہ میرے علم میں کوئی نہیں ہے۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے یوم احزاب میں اپنے والد سے کہا کہ اے پیارے ابا جان! میں نے آپ کو یوم احزاب میں دیکھا کہ آپ اپنے سنہرے گھوڑے پر سوار تھے، انہوں نے کہا اے پیارے بیٹے! ہاں تم نے مجھے دیکھا تھا؟ میں نے کہا، ہاں۔ تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت میرے لیے اپنے والدین کو (دعامیں) جمع کر کے فرمانے لگے کہ "فداک ابی و اُمّی" (تم پر اے زبیر! میرے ماں باپ فدا ہوں)

جامع بن شداد سے مروی ہے کہ میں نے عامر بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو اپنے والد سے حدیث کی روایت کرتے سنا کہ میں نے زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا بات ہے کہ میں آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرتے نہیں سنتا؟ جیسا کہ فلاں اور فلاں حدیث بیان کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں تو جب سے اسلام لایا آپ سے جدا نہیں ہوا، لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو مجھ پر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں کر لے۔ وہب ابن جریر نے اپنی حدیث میں زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ واللہ انہوں نے "متعمدًا" (دیدہ دانستہ کا لفظ) نہیں کہا، حالانکہ تم لوگ متعمدًا بھی کہتے ہو۔

ہشام بن عروہ سے مروی ہے کہ زبیر رضی اللہ عنہ مصر بھیجے گئے، کہا گیا کہ وہاں طاعون ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو طعن (نیزہ زنی) اور طاعون (موت) کے لئے آئے ہی ہیں۔

راوی نے کہا کہ پھر ان لوگوں نے سیڑھیاں لگائیں اور چڑھ گئے۔

ہشام ابن عروہ نے اپنے والد سے روایت کی کہ جب عمر رضی اللہ عنہ قتل کر دیے گئے تو زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے اپنا نام دیوان (دفتر خلافت) سے مٹا دیا۔

ابی حصین سے مروی ہے کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو چھ لاکھ درہم انعام دیا۔ وہ اپنے ماموں کے پاس بنی کاہل میں اُترے، اور پوچھا کون سا مال عمدہ ہے؟ اُن لوگوں نے کہا کہ اصبہان کا مال، انہوں نے کہا کہ مجھے اصبہان کے مال سے دو۔

محمد بن کعب القرظی سے مروی ہے کہ زبیر رضی اللہ عنہ میں تغیر نہیں ہوتا تھا، یعنی بڑھاپے کا۔

ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے روایت کی کہ میں بچپن میں زبیر رضی اللہ عنہ کے شانوں کے بال پکڑتا اور اُن کی پشت پر لٹکا دیتا۔

محمد بن عمر نے کہا کہ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نہ لمبے تھے نہ پست قد جو کمی کی طرف مائل ہوں، نہ وہ گوشت میں پُر تھے، ڈاڑھی چھدری، گندم گوں اور لمبے بال والے تھے۔

زبیر رضی اللہ عنہ کی وصیت، ادائے قرض اور اُن کے تمام متروکات

ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے روایت کی کہ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک مکان اپنی غریب بیٹیوں پر وقف کیا تھا۔

ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے روایت کی کہ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے اپنے ثلث مال کی اللہ کی راہ میں وصیت کی۔

عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب زبیر یومِ جمل میں کھڑے ہوئے تو مجھے بلایا، میں اُن کے پہلو میں کھڑا ہو گیا، انہوں نے کہا کہ اے پیارے بیٹے آج یا تو ظالم قتل کیا جائے گا یا مظلوم ایسا نظر آتا ہے کہ آج میں بحالتِ مظلومی قتل کیا جاؤں گا۔ مجھے سب سے بڑی فکر اپنے قرض کی ہے، کیا تمہاری رائے میں ہمارے قرض سے کچھ مال بچ جائے گا؟

پھر کہا کہ مال بیچ ڈالنا، قرض ادا کر دینا اور ثلث میں وصی بننا، قرض ادا کرنے کے بعد اگر کچھ بچے تو اُس میں سے ایک ثلث تمہارے بچوں کے لیے ہے۔

Marfat.com

ہشام نے کہا کہ عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے لڑکے خبیب وعبّاد عمر میں زبیر رضی اللہ عنہ کے لڑکوں کے برابر تھے، اُس زمانے میں عبداللہ کی نو بیٹیاں تھیں۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر وہ مجھے اپنے قرض کی وصیت کرنے لگے کہ اگر اُس قرض میں سے تم کچھ ادا کرنے سے عاجز ہونا تو میرے مولیٰ سے مدد لے لینا۔

میں مولیٰ سے اُن کی مراد کو نہیں سمجھا (کیونکہ مولیٰ تو عام طور پر آزاد کردہ غلام کو کہتے تھے) پوچھا کہ آپ کا مولیٰ کون ہے؟ انہوں نے کہا: ''اللہ''۔ پھر جب کبھی میں اُن کے قرض کی مصیبت میں پڑا تو کہا اے زبیر کے مولیٰ! اُن کا قرض ادا کر دے اور وہ ادا کر دیتا تھا۔

زبیر رضی اللہ عنہ اس حالت میں مقتول ہوئے کہ انہوں نے کوئی دینار چھوڑا نہ درہم، سوائے چند زمینوں کے جن میں الغابہ بھی تھا، گیارہ مکان جو مدینے میں تھے، دو مکان جو بصرے میں تھے، ایک مکان جو کوفے میں تھا اور ایک مکان جو مصر میں تھا۔

مقروض وہ اس طرح ہوئے کہ لوگ اُن کے پاس مال لاتے کہ امانۃً رکھیں، مگر زبیر رضی اللہ عنہ کہتے کہ ''نہیں (امانت کے طور پر نہیں رکھوں گا) بلکہ وہ قرض ہے، کیونکہ مجھے اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔''

وہ کبھی امیر نہ بنے، خواہ مال وصول کرنے کے یا خراج کے یا کسی اور مالی خدمت کے، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر وعمر کے ہمراہ جہاد میں ہوتے تھے۔

عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اُن کے قرض کا حساب کیا تو بائیس لاکھ درہم پایا۔

حکیم بن حزام، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ملے اور کہا: اے میرے بھتیجے، میرے بھائی پر کتنا قرض ہے؟ انہوں نے چھپایا اور کہا ایک لاکھ۔ حکیم نے کہا کہ واللہ میں تمہارے مال کو اتنا نہیں دیکھتا کہ وہ اس کے لیے کافی ہو۔

عبداللہ نے اُن سے کہا: دیکھوں تو تم کیا کہتے ہو، اگر وہ قرض بائیس لاکھ ہو، انہوں نے کہا کہ میں تو تمہیں اس کا متحمل نہیں دیکھتا، اگر تم اس کے ادا کرنے سے عاجز ہونا تو مجھ سے مدد لینا۔

Marfat.com

زبیر رضی اللہ عنہ نے الغابہ ایک لاکھ ستر ہزار میں خریدا تھا۔ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے سولہ لاکھ میں فروخت کیا، پھر کھڑے ہو کے کہا کہ جس کا زبیر رضی اللہ عنہ کے ذمے کچھ قرض ہو وہ ہمارے پاس الغابہ پہنچ جائے۔ (الغابہ کے کچھ قطعات ہنوز بچ رہے تھے)

عبداللہ بن جعفر آئے، جن کے زبیر رضی اللہ عنہ پر چار لاکھ تھے، انہوں نے عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر تم لوگ چاہو تو میں معاف کر دوں، اور اگر چاہو تو اُسے ان قرضوں کے ساتھ رکھو جنہیں تم مؤخر کر رہے ہو، بشرطیکہ تم کچھ مؤخر کرو۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا "نہیں" انہوں نے کہا کہ پھر مجھے ایک ٹکڑا زمین کا دے دو۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تمہارے لیے یہاں سے یہاں تک ہے۔ انہوں نے اس میں سے بقدر ادائے قرض کے فروخت کر دیا، اور اُنہیں دے دیا (۲۲ لاکھ میں سے ۴ لاکھ تو ادا ہو گئے) اُس قرض میں سے ساڑھے چار حصے چار چار لاکھ کے باقی رہ گئے۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، وہاں عمرو بن عثمانؒ، منذر بن زبیرؒ اور ابن زمعہ تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ الغابہ کی کتنی قیمت لگائی گئی؟ انہوں نے کہا کہ ہر حصہ ایک لاکھ کا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کتنے حصے باقی رہے؟ انہوں نے کہا ساڑھے چار حصے۔

منذر بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک حصہ ایک لاکھ میں مَیں نے لے لیا۔ عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک حصہ ایک لاکھ میں مَیں نے لے لیا۔ ابن زمعہ نے کہا کہ ایک حصہ ایک لاکھ میں مَیں نے لے لیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اب کتنے بچے؟ عبداللہ نے کہا ڈیڑھ حصہ۔ انہوں نے کہا کہ وہ ڈیڑھ لاکھ میں مَیں نے لے لیا۔ عبداللہ بن جعفر نے اپنا حصہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ چھ لاکھ میں فروخت کر دیا۔

ابن الزبیر رضی اللہ عنہ جب زبیر رضی اللہ عنہ کا قرض ادا کر چکے تو اولادِ زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم میں ہماری میراث تقسیم کرو۔ انہوں نے کہا کہ "نہیں" واللہ میں تقسیم نہ کروں گا تاوقتیکہ چار سال تک زمانۂ حج میں منادی نہ کر لوں کہ "خبردار! جس کا زبیر رضی اللہ عنہ پر قرض ہو وہ ہمارے پاس آئے ہم اُسے ادا کریں گے۔"

چار سال تک زمانۂ حج میں منادی کرتے رہے، جب چار سال گزر گئے تو میراث اُن کے درمیان تقسیم کر دی۔ زبیر رضی اللہ عنہ کی چار بیویاں تھیں، انہوں نے بیوی کے

Marfat.com

آٹھویں حصے کو چار پر تقسیم کر دیا، ہر بیوی کو گیارہ گیارہ لاکھ پہنچے، اُن کا پورا مال تین کروڑ باون لاکھ تھا۔

سفیان بن عیینہ سے مروی ہے کہ زبیر رضی اللہ عنہ کی میراث میں چار کروڑ تقسیم کیے گئے۔

ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے روایت کی کہ زبیر رضی اللہ عنہ کے متروکے کی قیمت پانچ کروڑ بیس لاکھ یا پانچ کروڑ دس لاکھ تھی۔

عروہ سے مروی ہے کہ زبیر رضی اللہ عنہ کی مصر میں کچھ زمینیں تھیں اور اسکندریہ میں کچھ زمینیں تھیں، کوفے میں کچھ زمینیں تھیں اور بصرے میں مکانات تھے، اُن کی کچھ مدینے کی جائیداد کی آمدنی تھی جو اُن کے پاس آتی تھی۔

زبیر رضی اللہ عنہ کا قتل...... کس نے قتل کیا، قبر کہاں اور وہ کتنے دن زندہ رہے؟

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ تمہاری والدہ صفیہ بنت عبدالمطلب کہاں ہیں؟ تم اپنی تلوار سے علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب بن عبدالمطلب سے قتال کرتے ہو؟ زبیر رضی اللہ عنہ لوٹ پڑے، انہیں ابن جرموز ملا، اُس نے قتل کر دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور پوچھا کہ قاتلِ ابن صفیہ (زبیر رضی اللہ عنہ) کہاں ہو گا؟ علی رضی اللہ عنہ نے کہا دوزخ میں۔

ابی خالد ابولبی سے مروی ہے کہ احنف نے بنی تمیم کو دعوت دی، مگر انہوں نے قبول نہ کی، اُس نے بنی سعد کو دعوت دی، انہوں نے بھی رد کر دی، وہ ایک گروہ کے ساتھ ایک کنارے ہٹ گیا۔ زبیر رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر جس کا نام ذوالنعال تھا، گزرے۔ احنف نے کہا کہ یہی وہ شخص ہے جو لوگوں کے درمیان فساد ڈالتا ہے۔

دو شخصوں نے جو اُس کے ہمراہ تھے اُن کا تعاقب کیا، ایک نے اُن پر حملہ کر کے نیزہ مارا، دوسرے نے اُنہیں قتل کر دیا۔ سر بابِ خلافت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لایا اور کہا کہ قاتلِ زبیر رضی اللہ عنہ کو (آنے کی) اجازت دو، علی رضی اللہ عنہ نے سنا تو کہا کہ قاتلِ ابن صفیہ کو دوزخ کی بشارت دے دو۔ اُس نے سر کو ڈال دیا اور چلا گیا۔

جَون بن قتادہ سے مروی ہے کہ یومِ جمل میں (جنگِ علی و عائشہؓ جس میں حضرت عائشہؓ جمل یعنی اونٹ پر مکے سے آئی تھیں) میں زبیر ابن العوام کے ساتھ تھا۔ لوگ

Marfat.com

اُنہیں امیر المومنین کر کے اسلام کر رہے تھے، ایک سوار جا رہا تھا۔ قریب آیا اور کہا اے امیر السلام علیک! اُس نے انہیں کسی بات کی خبر دی، دوسرا آیا، اُس نے بھی ایسا ہی کیا، ایک اور آیا اُس نے بھی ایسا ہی کیا۔

جنگ میں جب زبیر ﷺ نے وہ دیکھ لیا جو مقدر میں تھا (یعنی قتل) تو اُس شخص (اوّل یا ثانی) نے کہا: ہائے اُن کی ناک کا کٹنا، یا ہائے اُن کی پیٹھ کا ٹوٹنا، فضیل (راویؒ حدیث) نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ الفاظ اُن دونوں میں سے کس نے کہے، وہ ڈر کے مارے کانپنے لگا اور ہتھیار توڑنے لگا۔

جَون نے کہا کہ میری ماں مجھ پر روئے، کیا یہی وہ شخص ہے جس کے ساتھ میں نے مرنے کا ارادہ کیا تھا؟ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں جو کچھ دیکھتا ہوں (یعنی قتلِ زبیر ﷺ) وہ ضرور کسی ایسے سبب سے ہے جسے زبیر ﷺ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا یا دیکھا کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہسوار بہادر تھے۔

لوگ جب اِدھر اُدھر مشغول ہو گئے تو وہ شخص واپس ہوا۔ زبیر ﷺ کے گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ جَون واپس ہو کے اپنے گھوڑے پر بیٹھ گئے اور احنف سے ملے۔

احنف کے پاس دو سوار آئے، اُترے اور جھک کے اُس کے کان میں باتیں کرنے لگے، احنف نے اپنا سر اُٹھا کے کہا: اے عمرو ابن جرموز! اے فلاں! وہ دونوں اُس کے پاس آئے اور جھک گئے، اُس نے دونوں سے تھوڑی دیر کان میں باتیں کیں اور واپس ہو گیا۔ اس کے بعد عمرو بن جرموز احنف کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے زبیر ﷺ کو وادیٔ السباع میں پایا اور قتل کر دیا۔

قرۃ بن الحارث بن الجون کہتے تھے کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، سوائے احنف کے زبیر ﷺ کا اور کوئی ساتھی نہ تھا (یعنی یہی قاتل تھا)۔

خالد بن سمیر نے ایک حدیث میں جو انہوں نے روایت کی، زبیر ﷺ کا ذکر کیا کہ زبیر ﷺ سوار ہوئے، انہیں برادرانِ بنی تمیم نے وادی السباع میں پالیا۔ لوگوں نے بیان کیا کہ جنگ جمل میں جو ۱۰ ر جمادی الآخر ۳۶ھ یوم پنجشنبہ کو ہوئی، زبیر بن العوام ﷺ لڑائی کے بعد اپنے گھوڑے پر جس کا نام ذوالخمار تھا، سوار ہو کے نکلے۔ اُن کا ارادہ مدینے کی

Marfat.com

واپسی کا تھا، انہیں سفوان میں بنی تمیم کا ایک آدمی ملا جس کا نام النعیر بن زمام للجاشعی تھا اُس نے کہا کہ اے حواریٔ رسول اللہ! ادھر آیئے، ادھر آیئے، آپ میری ذمہ داری میں ہیں، کوئی شخص آپ کے پاس نہیں پہنچنے پائے گا، وہ اُس کے ساتھ ہو گئے۔ بنی تمیم کا ایک دوسرا شخص احنف بن قیس کے پاس آیا اور کہا کہ وادی السباع میں اس کے اور اُس کے درمیان زبیر ﷺ ہیں۔ احنف نے بہ آواز بلند کہا کہ میں کیا کروں، اگر زبیر ﷺ نے دودھو کا دینے والے مسلمانوں میں سے ایک سے دوسرے کو قتل کرا کے اپنے گھر والوں سے ملنے کا ارادہ کرتے ہوں تو تم لوگ مجھے کیا کہتے ہو۔

عمیر بن جرموز التمیمی اور فضالۃ بن حابس التمیمی اور نفیع یا نفیل ابن حابس التمیمی نے سُنا تو اُن کی تلاش میں اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر گئے اور اُنہیں پا گئے۔ عمیر بن جرموز نے حملہ کر دیا اُس نے انہیں نیزہ مار کے خفیف سا زخم لگایا۔ زبیر ﷺ نے بھی اُس پر حملہ کر دیا۔

جب اُسے یقین ہو گیا کہ زبیر ﷺ قتل کرنے والے ہیں تو اُس نے پکارا، اے فضالہ! اے نفیع! پھر اُس نے کہا اے زبیر اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، تو وہ اس سے باز آئے اور روانہ ہو گئے۔ اُس قوم نے مل کر اُن پر حملہ کر دیا اور انہیں قتل کر دیا (رحمہ اللہ) عمیر بن جرموز نے اُنہیں ایک ایسا نیزہ مارا جس نے اُنہیں کھڑا کر دیا، وہ گر پڑے، اُن لوگوں نے انہیں گھیر لیا اور اُن کی تلوار لے لی۔

ابن جرموز نے اُن کا سر لے لیا، سر اور اُن کی تلوار کو علی ﷺ کے پاس لایا، علی ﷺ نے تلوار لے لی اور کہا: یہ وہ تلوار ہے کہ واللہ بارہا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے بے چینی دور ہوئی، لیکن اب وہ موت اور فساد کی قتل گاہوں میں ہے۔

زبیر ﷺ وادی السباع میں دفن کیے گئے۔ علی ﷺ اور اُن کے ساتھی بیٹھ کر اُن پر رونے لگے۔ عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نُفیل زبیر بن العوام کی بیوی تھیں، اُن کے متعلق اہل مدینہ کہا کرتے کہ جو شخص شہادت چاہے وہ عاتکہ بنتِ زید سے نکاح کر لے، عبداللہ بن ابی بکر ﷺ کے پاس تھیں تو وہ قتل ہو کے اُن سے جدا ہو گئے، عمر ﷺ بن الخطاب کے پاس تھیں تو وہ بھی قتل ہو کے اُن سے جدا ہو گئے، زبیر ﷺ کے پاس تھیں تو وہ بھی قتل ہو کے اُن سے جدا ہو گئے، عاتکہ نے کہا:

Marfat.com

غدر ابن جرموز بفارس بهمة
يوم اللقاء وكان غير معدد

''ابن جرموز نے اُس بہادر سوار کے ساتھ دغا کی، جنگ کے دن، حالانکہ وہ بھاگنے والا نہ تھا۔

يا عمرو لو بنهة لو جدته
لا طائشا رش الجنان ولا اليد

اے عمرو! اگر تو اُنہیں آگاہ کر دیتا تو انہیں اس حالت میں پاتا کہ وہ ایسے نادان نہ ہوتے جس کا دل اور ہاتھ کانپتا ہے۔

شلت يمينك ان قتلت لمسلمًا
عليك عقوبة المتعمّد

تیرا ہاتھ شل ہو جائے کہ تُو نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا۔ تجھ پر قتل عمد کے مرتکب کا عذاب واجب ہو گیا۔

ثكلتك امك هل ظفرت بمثله
فيمن مضى فيما تروح و تغتدى

تیری ماں تجھے روئے، تو کبھی اُن کے ایسے شخص پر کامیاب ہوا ہے، اُن لوگوں میں جو اُس زمانے میں گزر گئے جس میں تو شام اور صبح کرتا ہے۔

كم غمرة قد خاضها لم يثنه
عما طرادك يا ابن فقع القردد

وہ کتنی ہی سختیوں میں اس طرح گھس گئے کہ انہیں اُن سے باز نہ رکھا۔ تیری نیزہ زنی نے اے سفید چہرے والے۔''

جریر ابن الخطفی نے اشعارِ ذیل کہے:

ان الرزية من تضمن قبره
وادى السباع لكل جنب مصرع

''مصیبت عظیمہ ہے اُس کو جس نے وادی السباع میں اُن (زبیر رضی اللہ عنہ)

کی قبر بنوائی جہاں ہر طرف سے اُن کے لیے مقتل تھا۔

لمّا اتی خبر الزبیرؓ تواضعت
سورة المدینة والجبال الحشع

جب زبیرؓ کی خبر مرگ آئی تو، مدینے کی دیواریں اور پہاڑ خوف کے مارے جھک گئے۔

وبکی الزبیر بناۃ فی ماتم
ماذا یرد بکاء من لا یسمع

اور زبیرؓ کی بیٹیاں اُن کے ماتم (غم) میں روئیں۔ جو سنتا نہیں وہ رونے کا کیا جواب دے گا؟"

عروہ سے مروی ہے کہ میرے والد یوم الجمل میں شہید ہوئے، جب کہ وہ چونسٹھ برس کے تھے۔ محمد بن عمر سے مروی ہے کہ میں نے مصعب بن ثابت بن عبداللہ ابن الزبیرؓ کو کہتے سنا کہ زبیر بن العوامؓ بدر میں حاضر ہوئے تو انیس سال کے تھے اور قتل کیے گئے تو چونسٹھ سال کے تھے۔ جریر بن عازم سے مروی ہے کہ میں نے حسنؓ سے زبیرؓ کا ذکر سنا کہ زبیر رضی اللہ عنہ پر تعجب جو اُنہوں نے بنی مجاشع کے اعرابی کی پناہ لی کہ مجھے پناہ دے، مجھے پناہ دے، یہاں تک کہ وہ قتل کر دیے گئے واللہ شجاعت میں اُن کا کوئی نظیر نہ تھا، دیکھو میں تو محفوظ و مضبوط ذمہ داری میں تھا۔

ابراہیم سے مروی ہے کہ ابن جرموز نے آ کے علیؓ سے اجازت چاہی تو انہوں نے اس سے دوری چاہی اُس نے کہا کیا زبیرؓ مصیبت والوں میں سے نہ تھے (جن پر قیامت میں مصیبت آئے گی) علیؓ نے کہا: تیرے منہ میں خاک، میں تو یہ اُمید کرتا ہوں کہ (قیامت میں) اور طلحہؓ اور زبیرؓ اُن لوگوں میں ہوں گے جن کے حق میں اللہ نے فرمایا:

ونزعنا ما فی صدورھم من غلٍّ اخوانًا علٰی سُرُرٍ مّتقابلین O

"اور ہم اُن کے دلوں کی کدورت دور کر دیں گے کہ وہ تختوں پر آمنے سامنے بھائی بھائی ہو کے بیٹھیں گے۔"

جعفر بن محمد نے اپنے والد سے روایت کی کہ علیؓ نے فرمایا:

Marfat.com

''میں اُمید کرتا ہوں کہ میں اور طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ اُن لوگوں میں ہوں گے جن کے حق میں اللہ نے فرمایا: ''ونزعنا ما فی صدورھم من غلٍّ اخوانًا علٰی سُرُرٍ مّتقابلین۔''

آپؓ کی اولاد

زبیر رضی اللہ عنہ کے گیارہ لڑکے اور نو لڑکیاں تھیں۔ (۱) عبداللہ (۲) عروہ (۳) منذر (۴) عاصم اور (۵) مہاجر۔ مؤخرالذکر دونوں لاولد مر گئے۔ (۶) خدیجہ الکبریٰ (۷) ام حسن اور (۸) عائشہ، ان کی والدہ اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھیں۔

(۹) خالد (۱۰) عمرو (۱۱) حبیبہ (۱۲) سودہ اور (۱۳) ہند...... ان کی والدہ اُم خالد تھیں جو امہ بنت خالد بن سعید بن العاص بن اُمیہ تھیں۔

(۱۴) مصعب (۱۵) حمزہ اور (۱۶) رملہ، ان کی والدہ الرباب بنت اُنیف ابن عبید بن مصاد بن کعب بن عَلیم بن خباب قبیلۂ کلب سے تھیں۔

(۱۷) عبیدہ (۱۸) جعفر، ان کی والدہ زینب تھیں جو اُم جعفر بنت مُرثد ابن عمرو بن عبد عمرو بن بشر بن عمرو بن مرثد بن سعد بن مالک بن ضبیعہ ابن قیس بن ثعلبہ تھیں۔

(۱۹) زینب، ان کی والدہ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط تھیں۔

(۲۰) خدیجہ صغریٰ، ان کی والدہ حلال بنت قیس بن نوفل ابن جابر بن شجنہ بن اُسامہ بن مالک بن نصر بن قُعین تھیں کہ بنی اسد میں سے تھیں۔

ہاشم بن عروہ نے اپنے والد سے روایت کی کہ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے کہا کہ طلحہ بن عبیداللہ التیمی اپنے لڑکوں کا نام انبیاء کے نام پر رکھتے تھے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں، میں اپنے لڑکوں کا نام شہداء کے نام پر رکھتا ہوں، شاید اللہ اُنہیں شہید کرے، عبداللہ، عبداللہ بن جحش کے نام پر، منذر، منذر ابن عمرو کے نام پر، عروہ، عروہ بن مسعود کے نام پر، حمزہ، حمزہ بن عبدالمطلب کے نام پر، جعفر، جعفر بن ابی طالب کے نام پر، مصعبؓ، مصعبؓ بن عمیر کے نام پر، عبیدہؓ، عبیدہؓ بن الحارث کے نام پر، خالدؓ، خالد بن سعید کے نام پر اور عمروؓ، عمروؓ بن سعید بن العاص کے نام پر رکھا، عمروؓ بن سعید جنگ یرموک میں شہید ہوئے۔

باب سوم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے

والدین کریمین

اور ننھیالی خاندان

رسول اللہ ﷺ کے والد ماجد

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

عبداللہ قریش میں سب سے زیادہ حسین اور خوبصورت تھے اور آنحضرت ﷺ کا نوران کے چہرے میں اس طرح چمکتا تھا جیسے روشن ستارہ ہوتا ہے۔ ان کے اس حسن کی وجہ سے قریش کی نوجوان لڑکیاں ان کو بہت چاہتی تھیں اور سب عبداللہ پر جان دیتی تھیں۔

کہا جاتا ہے کہ جب عبداللہ کی آمنہ سے شادی ہوئی تو قبیلہ قریش میں بنی مخزوم، بنی عبد شمس اور بنی عبد مناف میں کوئی لڑکی ایسی نہیں تھی جو اس غم میں بیمار نہ پڑ گئی ہو کہ اس کی شادی عبداللہ سے نہ ہو سکی۔

عبداللہ (شادی کے وقت) اپنے والد کے ساتھ آمنہ کو بیاہ کرلانے کے لئے روانہ ہوئے۔ شادی کے وقت عبداللہ کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ راستے میں انہیں کعبہ شریف کے قریب قبیلہ بنی اسد بن عبدالعزیٰ کی ایک عورت ملی جسے قتیلہ یا رقیہ کہا جاتا تھا۔ یہ ورقہ ابن نوفل کی بہن تھی۔ قتیلہ نے اپنے بھائی ورقہ بن نوفل سے سن رکھا تھا کہ اس امت کے لئے ایک نبی ہونے والے ہیں۔ جن کا نوران کے باپ کے چہرے میں جھلکتا ہوگا۔ اس نے حضرت عبداللہ کی پیشانی میں نورِ نبوت دیکھ کر ان سے کہا: ”عبداللہ کہاں جارہے ہو؟“ انہوں نے کہا کہ ”اپنے والد کے ساتھ جارہا ہوں“۔ قتیلہ نے کہا: ”میں تمہیں اتنے ہی اونٹ دوں گی جتنے تمہاری جان کے بدلے میں قربان کیے گئے تھے اگر تم اسی وقت میرے ساتھ جماع کرلو“۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ نے کہا کہ میں اپنے باپ کے ساتھ ہوں اور ان کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا اور نہ ان سے جدا ہوسکتا ہوں۔ پھرانہوں نے یہ شعر پڑھے:

اما الحرام فالممات دونہ

والحل لأحل فاستینہ

''جہاں تک حرام کاری کی بات ہے، اس سے بہتر تو مر جانا ہے۔''

یحمی الکریم عرضہ ودینہ

فکیف بالامر الذی تبغینہ

''شریف آدمی اپنی آبرو اور دین کی حفاظت کیا کرتا ہے، اس لئے تو کیسے ایک غلط کام کی طرف مجھے بلا رہی ہے۔''

اسی طرح کی ایک روایت ابویزید مدینی سے بھی ہے کہ جب عبدالمطلب اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کو لے کر ان کی شادی کرنے کے لئے روانہ ہوئے تو وہ ایک کاہنہ عورت کے پاس سے گزرے جو تُبالہ کی رہنے والی تھی۔ تبالہ یمن کا ایک شہر ہے۔ اس عورت نے بہت سی کتابیں پڑھی تھیں، اس کا نام فاطمہ بنت مُرّ الخثعمیہ تھا۔ جب اس نے حضرت عبداللہ کو دیکھا تو اسے ان کے چہرے میں نبوت کا نور دمکتا ہوا نظر آیا۔ اس نے عبداللہ سے کہا:

''اے نوجوان! کیا تم اسی وقت مجھ سے جماع کر سکتے ہو؟ میں اس کے بدلے میں تمہیں سو اونٹ دوں گی''۔

اس پر عبداللہ نے جو جواب دیا وہ پیچھے گزر چکا ہے۔ علامہ علی بن برہان الدین حلبیؒ کہتے ہیں۔ کلبی نے کہا ہے کہ یہ کاہنہ انتہائی حسین اور پاکدامن عورتوں میں سے تھی۔ اس نے حضرت عبداللہ کو نکاح کی دعوت دی تھی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔

عبدالمطلب (حضرت عبداللہ کو لے کر) حضرت آمنہ کے چچا کے پاس آئے، یہ وہیب ابن عبد مناف ابن زہرہ تھے۔ اس وقت یہی بنی زہرہ کے سردار تھے اور اپنے نسب اور شرف کی وجہ سے معزز تھے۔ حضرت آمنہ اپنے والد وہب ابن عبد مناف کا انتقال ہو جانے کی وجہ سے وہیب ہی کی سرپرستی میں تھیں۔

نورِ نبوی کی آمنہ میں منتقلی

ایک روایت یہ بھی ہے کہ عبدالمطلب وہب ابن عبدمناف کے پاس ہی پہنچے تھے (یعنی ان کا انتقال نہیں ہوا تھا بلکہ حضرت آمنہ کی شادی کے وقت وہ زندہ تھے) اور انہوں نے ہی اپنی بیٹی کی حضرت عبداللہ سے شادی کی تھی۔ اپنے وقت میں حضرت آمنہ قریشی عورتوں میں نسب اور مقام کے اعتبار سے سب سے زیادہ افضل خاتون تھیں۔ شادی کے بعد حضرت عبداللہ جب ان کے مالک بن گئے تو ان سے ملے اور ہم بستری کی۔ جس کے نتیجہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بصورتِ حمل ان کے پیٹ میں اور حضرت عبداللہ سے یہ نور ان میں منتقل ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عبداللہ نے ان سے پیر کے دن شعب بنی ہاشم میں جمرہ وسطیٰ کے مقام پر صحبت کی تھی۔

پھر حضرت عبداللہ تین دن اپنی بیوی یعنی حضرت آمنہ کے پاس رہے۔ عربوں کا یہی دستور بھی تھا کہ جب مرد اپنی بیوی کے پاس (شادی کے بعد اس کے میکہ میں) جاتا تو تین دن رہتا تھا۔ اس وقت حضرت آمنہ اور ان کے گھر والے شعب بنی ہاشم میں تھے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ جب واپسی میں اس عورت کے پاس سے گزرے تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے آج تو وہ پیش کش نہیں کر رہی جو پچھلی مرتبہ کی تھی۔ تو وہ عورت حیران ہو کر پوچھنے لگی کہ تو کون ہے؟ انہوں نے بتلایا کہ میں فلاں ہوں۔

تو اس عورت نے بے اعتباری سے کہا: "نہیں! تم وہ نہیں ہو۔ میں نے اس وقت تمہاری آنکھوں کے درمیان ایک نور دیکھا تھا جو اِس وقت مجھے نظر نہیں آ رہا۔ میرے پاس سے جانے کے بعد تم نے کیا کیا؟

حضرت عبداللہ نے اس کو بتایا کہ یہاں سے جانے کے بعد میری شادی ہوئی اور میں نے بیوی کے ساتھ رات گزاری، اس پر اس عورت نے کہا: "خدا کی قسم میں بدکار عورت نہیں ہوں، بلکہ میں نے تمہارے چہرے پر ایک نور دیکھا تھا اس لئے میں نے چاہا کہ وہ نور مجھ میں آ جائے مگر اللہ کی مرضی یہ نہیں تھی۔ بلکہ جہاں اس نے چاہا وہاں اس نور کو بھیج دیا۔ تم اپنی بیوی کو خوشخبری دو کہ دنیا کا بہترین انسان اس کے پیٹ میں ہے۔

Marfat.com

یہ تفصیل ظاہر کرتی ہے کہ اس عورت کو اس بات کا علم تھا کہ حضرت عبداللہ کی آمنہ سے شادی ہو رہی ہے اور وہ ان کے ساتھ ہم بستر ہوں گے۔ نیز وہ یہ بھی جانتی تھی کہ ایک نبی آنے والے ہیں جن کے پاس سلطنت اور طاقت ہو گی۔ ساتھ ہی یہ بھی ظاہر ہے کہ عبداللہ نے جب اس کے پاس (دوبارہ جا کر) اس کی پیشکش اسے یاد دلائی تو (وہ زنا کے ارادے سے ہرگز نہیں تھی بلکہ وہ اس مقصد کی حقیقت معلوم کرنا چاہتے تھے جس کی وجہ سے وہ عورتوں کی فطرت اور عادت کے خلاف ان کے ساتھ ہم بستری کے عوض اونٹوں کی اتنی بڑی مقدار بھی نثار کرنے کے لئے تیار تھی۔

آنحضرت ﷺ کے نسب میں پاکیزگی

کلبیؒ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ماں اور باپ کے طرف سے (پچھلی پشتوں میں) پانچ سو مائیں ہیں، مگر ان میں کہیں بھی کسی کے لئے زنا اور بدکاری ثابت نہیں ہے۔ حالانکہ ایسا ہوتا ہے کہ مرد و عورت زنا کر لیتے ہیں اور اس کے بعد اگر مرد چاہتا ہے تو اسی عورت سے شادی کر لیتا ہے۔ مگر آنحضرت ﷺ کا پورا سلسلہ نسب کنگھال لیا جائے داد ہال اور ننہال میں اوپر کی پشتوں تک آپ ﷺ کی جتنی مائیں بھی ہیں کسی کے متعلق ایسی بات ثابت نہیں ہوتی جس سے معلوم ہو کہ ان کے کردار میں جھول تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے پورے نسب کی کس طرح حفاظت فرمائی اور اسے کس طرح پاکیزہ اور صاف وشفاف رکھا۔ نہ ان میں جاہلیت کی حرکتوں میں سے کوئی حرکت پائی جاتی ہے یعنی مائیدر اور سوتیلی ماں کے ساتھ یعنی باپ کی دوسری بیوی کے ساتھ باپ کے مرنے کے بعد نکاح کرنے کی رسم بھی آپ کے نسب میں کہیں نہیں ملتی۔ کیونکہ جاہلیت کے زمانے میں عرب اس بات کو جائز سمجھتے تھے کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کا سب سے بڑا لڑکا اپنی سوتیلی ماں کے لئے اپنے باپ کا جانشین ہو جاتا تھا۔

اس سلسلے میں امام سہیلیؒ کا قول ہے کہ باپ کی بیوی سے نکاح گزشتہ شریعت کے مطابق جاہلیت کے زمانہ میں جائز تھا۔ اور یہ حرام رشتوں میں سے نہیں تھا جسے انہوں نے توڑا ہو اور نہ ان غلط باتوں میں سے تھا جسے جاہلیت کے دور میں ایجاد کیا گیا ہو۔ کیونکہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو آنحضرت ﷺ کے نسب میں پیش آ رہا ہے۔ چنانچہ کنانہ نے اپنے

Marfat.com

باپ خزیمہ کی بیوی سے شادی کی جس کا نام برّہ بنت مُرّہ تھا اور امام سہیلیؒ کے قول کے مطابق اس سے نضر ابن کنانہ پیدا ہوا۔

اس کے علاوہ ہاشم نے بھی اپنے باپ کی بیوی واقدہ سے شادی کر لی تھی اس سے ان کے ایک لڑکی ضعیفہ پیدا ہوئی، مگر یہ آنحضرت ﷺ کے نسب میں شامل نہیں ہے۔ کیونکہ واقدہ کے پیٹ سے آنحضرت ﷺ کے اجداد میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔ ادھر آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں زنا سے نہیں (یعنی میرے نسب میں کہیں بھی کوئی زنا سے پیدا شدہ نہیں ہے) اسی لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لا تنکحوا ما نکح اٰبآؤکم من النسآء الا ما قد سلف. (النساء: ع ۳)

''تم ان عورتوں سے نکاح مت کرو، جن سے تمہارے باپ دادا یا نانا نے نکاح کیا ہو، مگر جو بات گزر گئی گزر گئی۔''

یعنی گذشتہ زمانے میں اس نکاح کے حلال ہونے کی وجہ سے جو ایسی شادیاں ہوئیں وہ ہو چکیں (اب ایسی شادیاں تمہارے اوپر حرام کر دی گئی ہیں) اس استثناء کا فائدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے نسب مبارک میں کوئی عیب نہیں پڑتا۔

آپ دیکھتے ہیں کہ قرآن پاک میں جن چیزوں سے روکا گیا ہے یعنی وہ چیزیں جو جائز نہیں ان میں سے کسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ''اِلّا ما قد سلف'' کی شرط کا اضافہ نہیں فرمایا۔ مثلاً قرآن میں ہے: ''ولا تقربوا الزنا'' یعنی زنا کے قریب مت جاؤ۔ مگر اس کے بعد ''الا ما قد سلف'' نہیں فرمایا گیا۔ (یعنی زنا ایسا فعل نہیں ہے کہ اگر پچھلے دور میں کسی نے کیا ہے تو وہ جائز ہوگا اور اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا، بلکہ وہ ہمیشہ حرام رہا ہے اور ہے)۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''ولا تقتلوا النفس التی حرم اللّٰہ'' ......

''یعنی جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے، اس کو قتل مت کرو''۔

مگر اس کے بعد بھی ''الا ما قد سلف'' کے ذریعہ پچھلے زمانہ کا استثناء نہیں فرمایا۔ اسی طرح سوائے اس کے گناہوں میں سے کسی بھی گناہ کو جہاں قرآن میں روکا گیا اس کے ساتھ یہ استثناء ذکر نہیں کیا گیا۔ اسی طرح دو سگی بہنوں کو نکاح میں لانا کیونکہ یہ بھی

Marfat.com

پہلی شریعت میں جائز تھا۔

بعض محققین کہتے ہیں کہ توریت کے نازل ہونے سے پہلے ایسی دو لڑکیوں سے نکاح کرنا جائز تھا جو آپس میں سگی بہنیں ہوں پھر توریت کے نازل ہونے کے بعد یہ بات حرام کردی گئی۔ رسول اللہ ﷺ اپنی دادیوں پر فخر کیا کرتے تھے۔ کیونکہ عرب کے عام ماحول اور رسموں کے برخلاف آپ ﷺ کی تمام نسبی دادیاں نہایت پاکباز تھیں اور ان سب کے شریعت کے مطابق نکاح ہوئے تھے۔ آپ فرمایا کرتے:

''میں عواتک اور فواطم کی اولاد ہوں''۔

عواتک اور فواطم کی اولاد

عواتک عاتکہ کی جمع ہے عاتکہ کے معنی پاک دامن کے ہیں۔ فواطم فاطمہ کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں ایسی اونٹنی جس کے بچے کا دودھ چھڑادیا گیا ہو۔ ادھر عاتکہ اور فاطمہ عرب میں عورتوں کے مقبول ناموں میں سے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی نسبی دادیوں میں کئی عاتکہ اور فاطمہ نام کی ہیں۔ یہاں عواتک اور فواطم کے معنی مراد نہیں ہیں بلکہ نام مراد ہیں کہ میں عاتکاؤں اور فاطماؤں کا بیٹا یعنی ان کی اولاد ہوں۔

حافظ ابن عساکر نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نسبی مائیں (یعنی جدات۔ دادیاں) چودہ ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ گیارہ ہیں اور ان میں سب سے پہلی عاتکہ (نامی عورت) لویٔ ابن غالب کی ماں ہیں۔ بنی سلیم میں جو عاتکائیں ہیں ان میں ایک تو عاتکہ بنت ہلال ہیں جو عبد مناف کی ماں ہیں۔ دوسری عاتکہ بنت ارقص ابن مُرّہ ابن ہلال ہیں جو ہاشم کی ماں ہیں۔ تیسری عاتکہ بنت مُرّہ ابن ہلال ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے نانا وہب کی ماں ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سلیم کی عاتکاؤں سے مراد قبیلہ بنی سلیم کی وہ تین دوشیزائیں ہیں جنہوں نے آپ کو دودھ پلایا تھا جیسا کہ آگے رضاعت کے واقعہ میں آرہا ہے۔ ان تینوں کا نام عاتکہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی نسبی ماؤں میں دس فاطمائیں ہیں یعنی دس کا نام فاطمہ رہا ہے۔

علامہ حلبیؒ فرماتے ہیں، ایک روایت میں ہے کہ پانچ (فاطمائیں) ہیں۔ بعض کہتے ہیں چھ ہیں اور بعض کہتے ہیں آٹھ ہیں۔ آپ ﷺ کے دادہال کی جانب سے جو آپ ﷺ کی

مائیں ہیں مجھے ان میں سے دو کے سوا متعین طریقے پر یہ معلوم نہیں کہ کس کس کا نام فاطمہ رہا ہے۔ وہ دو یہ ہیں۔ ''حضرت عبداللہ کی والدہ فاطمہ اور قصی کی ماں فاطمہ۔ یہ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ فرما کر کہ ''میں فاطماؤں کی اولاد ہوں''۔ صرف وہ فاطمائیں مراد نہ لی ہوں جو آپ کے نسب کا جز ہیں بلکہ عام دادہالی فاطمائیں مراد لی ہوں اور اس طرح ان میں وہ فاطمہ بھی شامل ہوں جو اسد ابن ہاشم کی ماں ہیں۔ نیز وہ فاطمہ بنت اسد بھی جو حضرت علی ابن ابوطالب کی ماں ہیں۔ اور خود ان فاطمہ کی ماں فاطمہ (یعنی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نانی ہوئیں کہ ماں اور نانی دونوں کا نام فاطمہ تھا) یہ فاطمائیں ان تینوں فاطماؤں کے علاوہ ہیں جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک ریشمی تھان عنایت فرمایا اور حکم دیا کہ اسے تین فاطماؤں کے درمیان تقسیم کر دو۔ یہ تینوں فاطمائیں یہ ہیں۔ ایک فاطمہؓ جو آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی ہیں۔ دوسری فاطمہؓ حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی ہیں اور تیسری فاطمہ بنت اسد ہیں۔ بعض محققین نے ان میں فاطمہ اُمّ عمرو ابن عائذ اور فاطمہ بنت عبداللہ ابن رزام اور ان فاطمہ کی والدہ فاطمہ بنت حرث اور عبد مناف کی نانی فاطمہ بنت نصر ابن عوف کو بھی شامل کیا ہے۔ واللہ اعلم

آپ ﷺ کے آباؤ اجداد کے شرعی نکاح

حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابن عباسؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نکاحوں کے ذریعہ پیدا ہوا ہوں، زنا کے ذریعہ نہیں!''

(یعنی آپ کے آباؤ اجداد میں جتنے بھی ہیں سب کے شرعی نکاح ہوئے ہیں اور ان کی جتنی اولادیں یعنی جو آپ کی نسبی دادا ہیں وہ سب کے سب اپنے ماں باپ کے جائز اولاد ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو ماں باپ کی بدکاری کے ذریعہ پیدا ہوا ہو۔

اس زمانہ میں ایسا ہوتا تھا کہ عورت مرد کے ایک عرصہ تک ناجائز تعلقات رہتے تھے (اور اس کے نتیجہ میں ناجائز اولاد پیدا ہوتی تھی) پھر اگر وہ چاہتے تو آپس میں شادی کر لیتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ عرب زنا کو جائز سمجھتے مگر ان میں جو شریف اور نیک لوگ تھے وہ کھلے عام اس برائی سے بچتے تھے اور ایسے بھی تھے جنھوں نے جاہلیت کے زمانے میں بھی اس کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا (یہ وہ لوگ تھے جو اپنی فطری شرافت اور نیکی وجہ سے جہالت

Marfat.com

اورلاعلمی کے باوجود برائی کو برائی سمجھتے تھے اور تمام عمر اس سے اپنا دامن بچائے رکھتے تھے)
چنانچہ آنحضرت ﷺ کے اجداد میں سب حضرات وہی ہیں جن میں شرافت طبعی اور فطری تھی۔اور وہ لوگ اپنی فطرت سلیمہ کی بناپر ہمیشہ اپنے زمانے کی برائیوں کو برائی سمجھتے رہے اور ان سے اپنے آپ کو بچاتے رہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ان کی نسل اور نطفے سے دونوں جہان کے بہترین انسان کو پیدا کرنا تھا۔اس لئے اس نے آپ کے پورے نسبی سلسلے کو ان گندگیوں اور برائیوں سے محفوظ اور پاک رکھا جن میں اس دور کے اکثر لوگ گھرے ہوئے تھے۔
چنانچہ یہ بھی آنحضرت ﷺ کا ایک عظیم معجزہ ہے کہ آپ کے پورے نسب میں جو ایک طویل سلسلہ ہے اور جس پر صدیوں کی لمبی مدت گزری اور علم وجہالت کے مختلف دور آئے ان میں یہ نسب وقت کی ہر برائی سے محفوظ رہا۔

آنحضرت ﷺ کے والد کی وفات

ابن اسحاق سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حمل کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا۔

کتاب سیرت نبویہ میں ہے۔آنحضرت ﷺ کے والد کا انتقال اس وقت ہو گیا تھا جبکہ آپ حضرت آمنہ کے پیٹ میں تھے۔حضرت عبداللہ کا انتقال مدینے میں ہوا تھا۔
حضرت عبداللہ ایک قریشی قافلہ کے ساتھ تجارت کے لئے گئے تھے مگر وہاں بیمار اور کمزور ہو کر واپس ہوئے۔جب یہ قافلہ مدینے سے گزرا تو حضرت عبداللہ اپنی ننہال یعنی بنی نجار کے یہاں ٹھہر گئے۔کیونکہ حضرت عبداللہ کی والدہ بنی نجار میں سے تھیں۔یہ یہاں ایک مہینے تک بیماری کی حالت میں رہے جب ان کے ساتھیوں کا قافلہ مکے پہنچا تو عبدالمطلب نے ان سے اپنے بیٹے کے متعلق پوچھا،انہوں نے بتلایا کہ ہم نے ان کو بیماری کی حالت میں ان کی ننہال میں چھوڑ دیا ہے۔عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کو مکے لانے کے لئے حارث یا زبیر کو جو عبداللہ کے بھائی تھے مدینے بھیجا مگر وہاں پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ کا انتقال ہو چکا ہے اور ان کو وہیں دفن کر دیا گیا ہے۔جب حضرت آمنہ کو یہ جانکاہ خبر ملی تو انہوں نے اپنے محبوب شوہر کا یہ مرثیہ پڑھا:

عفا جانب البطحاء من ال هاشم وجاور لحدًا خارجًا فی الغمائم

Marfat.com

دعتہ المنایا دعوۃ فاجابہا وما ترکت فی الناس مثل ابن ہاشم
عشیۃ راحو یحملون سریرہ تعاورہ اصحابہ فی التذامم

جناب عبداللہ کا انتقال مدینے میں ہوا جہاں وہ کھجوروں کی تجارت کے سلسلے میں اپنی نانہال (یعنی اپنے والد عبدالمطلب کی نانہال والوں سے) ملنے گئے تھے۔ ان کی نانہال والے بنی عدی ابن نجار تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جانے کے دونوں مقصد ہوں۔

مکہ لانے کے لئے حارث کی روانگی

غرض عبداللہ بنی نجار کے پاس بیماری کی حالت میں ایک مہینہ رہے اور یہ روایت پہلی روایت کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہے۔ بہر حال قریشی قافلہ (حضرت عبداللہ کو ان کی نانہال میں بیمار چھوڑ کر) آگے بڑھ گیا۔ جب یہ مکے پہنچا تو ان لوگوں سے حضرت عبداللہ کے والد عبدالمطلب نے بیٹے کے متعلق دریافت کیا۔ قافلے والوں نے بتلایا کہ ہم نے ان کو بیماری کی حالت میں ان کی نانہال بنی عدی ابن نجار کے پاس چھوڑا ہے۔

وفات اور یثرب میں تدفین

یہ سن کر عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کے بھائی حارث کو ان کے پاس بھیجا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ حارث عبدالمطلب کے سب سے بڑے بیٹے تھے اور اسی لئے عبدالمطلب کا لقب ابوالحارث (یعنی حارث کا باپ) تھا۔ یہ حارث اسلام سے پہلے ہی انتقال کر گئے تھے۔ غرض جب حارث مدینے پہنچے تو انہوں نے عبداللہ کو مردہ پایا۔

''اسد الغابہ'' میں یہ روایت ہے کہ عبدالمطلب نے عبداللہ کی بیماری کی خبر سن کر اپنے بیٹے زبیر کو ان کے پاس بھیجا جو حضرت عبداللہ کے سگے بھائی تھے اور یہ کہ حضرت عبداللہ کی وفات (مدینے میں) زبیر کے سامنے ہی ہوئی ان کو وہاں تابعہ والے مکان میں دفن کیا گیا۔ تابعہ بنی عدی ابن نجار میں سے ایک شخص کا نام تھا۔

یادِ رفتنی

ایک روایت میں آتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے

Marfat.com

مدینے پہنچے اور آپ ﷺ نے اس مکان کو دیکھا تو آپ ﷺ نے لوگوں کو اس کے متعلق بتلاتے ہوئے فرمایا کہ یہیں میری والدہ مجھے لے کر اتری تھیں اور اسی گھر میں میرے والد عبداللہ کی قبر ہے اور مجھے بنی عدی ابن نجار کے پانی میں تیرنا بہت اچھا لگتا تھا۔

والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

آپ سیدنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا نام وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ ہے۔ عرب کے بہترین قبیلہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پارسائی اور پرہیز گاری میں بلند مقام رکھتی تھیں۔

خاوند کی پارسائی اور عظمت

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی حضرت عبدالمطلب کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی تھی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی فضل وکرم سے نواز رکھا تھا آپ حسن وخوبصورتی میں بے مثال تھے۔ جب جواں ہوئے تو آپ کی خوبصورتی اور نیک سیرتی کا چرچا ہر سو عام ہو گیا قریش کے بڑے بڑے رؤساء کی یہ خواہش تھی کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے داماد ہوں اپنی فرزندی میں قبول کرنے کی خواہش کا اظہار بہت سے رؤساء نے جناب عبدالمطلب سے کئی بار کیا تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیدائش کے بعد اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر آپ کی حفاظت ونگہداشت فرمائی۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اپنے ساتھ عجیب وغریب واقعات مشاہدہ کیے تو اپنے والد گرامی جناب عبدالمطلب سے کہا کہ میں جب کبھی مکہ مکرمہ کی وادی اور کوہ شبیرہ کی طرف جاتا ہوں تو میری پشت سے ایک نور چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے جو کہ دو حصوں میں تقسیم ہو کر مشرق و مغرب میں پھیل جاتا ہے اور پھر دوبارہ اکٹھا ہو کر ایک بادل کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ میری نگاہیں یہ مشاہدہ بھی کرتی ہیں کہ آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں اور یہ بادل کا ٹکڑا آسمان کی طرف چلا گیا ہے اور پھر جلدی واپس آ گیا ہے اور پھر میری پشت میں واپس آ جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد محترم جناب عبدالمطلب نے جب اپنے فرزند کی یہ باتیں سنیں تو فرمایا اے میرے پیارے بیٹے! مبارک ہو تمہیں کہ تمہاری صلب سے رحم مادر میں ایسا پاکیزہ نطفہ منتقل ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں افضل ترین ہوگا۔

شادی

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد محترم جناب وہب بن عبد مناف بنی زہرہ میں عزت ونسب دونوں کے لحاظ سے سردار تھے اپنی بیوی برہ بنت عبدالعزیٰ کو حضرت عبدالمطلب کی خدمت میں اس لئے بھیجا تا کہ وہ جناب عبدالمطلب سے یہ بات کریں کہ میری نیک سیرت اور خوبصورت وخوش اخلاق بیٹی سیدہ آمنہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو اگر وہ اپنے بیٹے جناب عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ساتھ نکاح میں قبول فرمائیں تو یہ ہمارے لئے سعادت کی بات ہوگی۔ چونکہ جناب عبدالمطلب بھی اب یہ چاہتے تھے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شادی کردی جائے مگر وہ اس کے لئے کسی ایسی لڑکی کی تلاش میں تھے جو حسب ونسب کے لحاظ سے بلند مرتبہ ہو اور عفت و پاکدامنی میں بھی ممتاز ہو اس لئے جب جناب وہب بن عبد مناف کی طرف سے آپ کو سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رشتہ جناب عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے آیا تو آپ نے محسوس کیا کہ جن صفات عالیہ کی لڑکی کو وہ تلاش کر رہے تھے وہ صفات یقیناً سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں موجود ہیں اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رشتہ ان کے ساتھ نہائیت مناسب رہے گا۔ چنانچہ جناب عبدالمطلب نے اس رشتہ کا ذکر اپنے گھر والوں سے کیا گھر والوں نے بھی اس تجویز سے اتفاق کیا اور یوں یہ رشتہ طے پا گیا اور شادی ہوگئی۔

خاوند کا انتقال

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عظیم القدر خاوند حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی شادی کے بعد زیادہ مدت تک اس دنیا میں حیات نہ رہے آپ ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام گئے۔ واپسی میں یثرب کے مقام پر بیمار ہوگئے اور جوانی کے عالم میں وہیں پر وصال فرمایا ان کے وصال کے دو ماہ بعد سیدنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با

Marfat.com

سعادت ہوئی تھی۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب حمل قرار پا گیا تو اس کے بعد جناب عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملک شام کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ کچھ کھانے پینے کا سامان خرید کر لائیں جب اس سفر سے واپسی ہوئی تو قافلہ سے جدا ہو کر اپنے ننھیالی رشتہ داروں کے پاس مدینہ طیبہ میں ٹھہر گئے۔ جب قافلہ والے مکہ مکرمہ پہنچے تو جناب عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ان سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ بیمار ہو گئے تھے وراس وجہ سے مدینہ منورہ میں رہ گئے ہیں۔ یہ سن کر جناب عبدالمطلب نے اپنے بیٹے حارث کو فوری طور پر مدینہ طیبہ بھیجا کہ وہ اپنے بھائی کو لے کر آئیں۔ جناب حارث جب مدینہ طیبہ پہنچے تو اس وقت تک حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہو چکا تھا چنانچہ وہ الٹے قدموں واپس مکہ مکرمہ آئے اور اپنے والد ماجد کو بھائی کے انتقال کی خبر سنائی۔

مروی ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وصال کے بعد دار نابغہ میں دفن کیا گیا جبکہ ایک قوی روایت کے مطابق مدینہ طیبہ کے نزدیک ابواء کے مقام پر دفن کیا گیا۔

بیٹے کی ولادت باسعادت

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن پاک سے سیدنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی اس ضمن میں سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ دورانِ حمل مجھے عام عورتوں کی طرح کسی قسم کا بوجھ، درد اور طبیعت میں بدمزگی محسوس نہیں ہوئی جیسا کہ عام طور پر عورتوں کو حمل کے دوران ہوا کرتا ہے۔ شروع کے چھ ماہ تو مجھے یہ احساس بھی نہ ہوا کہ میں حمل سے ہوں۔ صرف اتنا احساس ہوتا تھا کہ اس دوران حیض کی بندش ہو گئی تھی جب چھ ماہ گزر گئے تو میں خواب و بیداری کے عالم میں تھی۔ میں نے کسی کی آواز سنی کہ اے آمنہ! تم حمل سے ہو (یہ اس طرح سے کہا گیا کہ جیسے) مجھے معلوم نہ تھا کہ میں حمل سے ہوں۔ اس کے بعد آواز آئی، تم اس امت کے پیغمبر کے حمل سے ہو، ایک روایت میں ہے کہ ساری مخلوق سے افضل حاملہ ہو۔ فرماتی ہیں کہ میں حمل کے دوران ہر

مہینہ میں ایک غیبی آواز سنا کرتی کہ تمہیں مبارک وہ مبارک ساعت نزدیک آن پہنچی ہے نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں جلوہ افروز ہونے والے ہیں جو خیر و برکت والے ہیں۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما مزید فرماتی ہیں کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت مبارکہ کی ساعت نزدیک آئی تو میں اس وقت گھر میں تنہا تھی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دادا جناب عبدالمطلب اس وقت طواف کعبہ کے لئے گئے ہوئے تھے۔ اچانک میں نے ایک زوردار آواز سنی جس سے میں ڈر گئی پھر میں نے دیکھا کہ ایک سفید رنگ والا پرندہ میرے قریب آیا اس نے اپنے پر میرے سینہ پر ملا۔ اس سے میرا ڈر ختم ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ شربت سے بھرا ہوا ایک پیالہ میرے پاس پڑا ہوا ہے میں نے اسے پی لیا اس سے مجھے کچھ سکون سا محسوس ہوا۔ اب میں نے دیکھا کہ میرے پاس لمبے قد والی خوبصورت عورتیں آئیں۔ ان عورتوں کا قد عبد مناف کے قبیلے کی عورتوں جیسا لمبا تھا ان کو دیکھ کر میں بڑی حیران ہوئی کہ ان کو میری حالت کا کیسے علم ہوا ہے۔ ان عورتوں میں سے ایک نے کہا، میرا نام آسیہ ہے اور میں فرعون کی بیوی ہوں۔ دوسری عورت نے مجھ سے کہا میں مریم بنت عمران ہوں اور یہ عورتیں جنت کی حوریں ہیں۔ اس کے بعد مجھے معمولی سا تکلیف کا احساس ہونے لگا پھر مجھے ایک گرجدار آواز سنائی دی اور میں نے دیکھا کہ زمین و آسمان کے مابین ایک سفید ریشمی چادر پھیلا دی گئی اور بہت سے لوگ ایک جماعت کی شکل میں زمین و آسمان کے درمیان کھڑے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں چاندی کے سفید آفتابے ہیں مجھے کستوری سے زیادہ اچھی خوشبو آنے لگی۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتی ہیں کہ پھر میں نے دیکھا کہ پرندوں کی ایک ٹولی میرے سامنے آ گئی ہے ان پرندوں کے پر یاقوت اور چونچیں زمرد سبز سے بنی ہوئی تھیں اس کے بعد میری نگاہوں کے سامنے سے اللہ تعالیٰ نے پردہ ہٹا دیا اور مجھے مشرق و مغرب کے افق دکھائی دیئے گئے مجھے تین جھنڈے نظر آئے جو لہرا رہے تھے ایک مشرق میں اور دوسرا مغرب میں جبکہ ایک جھنڈا مجھے خانہ کعبہ کے اوپر لہراتا ہوا دکھائی دیا۔ میں یہ سب کچھ مشاہدہ کر رہی تھی کہ اسی اثناء میں مجھے درد محسوس ہوا۔ اب ان عورتوں نے اپنے ہاتھوں سے میری مدد کی اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت باسعادت ہوئی۔

فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سجدے کی حالت میں تھے اور اپنی انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھائی ہوئی ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے رو کر التجا فرما رہے ہوں۔ اسی دوران میں سفید رنگ کے بادل کا ایک ٹکڑا دیکھا جس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لپیٹ کر اٹھا لیا اور آپ کو میری نظروں سے اوجھل کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے ایک آواز سنی کہ کوئی منادی کر رہا ہے کہ انہیں مشرق و مغرب میں لے جاؤ۔ بحر و بر پر لے جاؤ اور سیر کراؤ تا کہ ہر کوئی آپ کو پہچان لے اور اچھی طرح جان لے کہ آپ کی صفت ماحی ہے تا کہ دنیا سے شرک کے آثار ختم ہو جائیں۔ پلک جھپکتے ہی بادل کا یہ ٹکڑا اوجھل ہو گیا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ریشم کے سفید کپڑے میں لپٹے ہوئے میرے سامنے موجود تھے۔

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک بہت بڑا نورانی بادل دیکھا جو پہلے والے بادل سے بڑا تھا مجھے اس بادل سے گھوڑوں کے ہنہنانے اور پروں کے پھڑ پھڑانے اور لوگوں کے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ اس بادل کے ٹکڑے نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو میری نظروں کے سامنے سے اوجھل کر دیا۔ یہ وقفہ پہلے سے زیادہ طویل تھا اس وقت میں نے ایک منادی کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زمین کے تمام گوشوں کی سیر کراؤ تمام پیغمبروں کے سامنے لے جاؤ تمام جن وانس کی روحوں کو زیارت سے مشرف ہونے دو، فرشتوں، پرندوں اور چرندوں کو زیارت کراؤ۔

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد بادل کا یہ ٹکڑا میری نظروں سے اوجھل ہو گیا اور میں نے دیکھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سبز ریشمی کپڑے میں اچھی طرح لپٹے ہوئے ہیں اور اس ریشم سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ مجھے ایک منادی کی آواز آئی مبارک ہو، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کس شان سے دنیا میں تشریف لائے ہیں دنیا کی تمام مخلوق آج سے آپ کے تابع فرمان ہے، تمام مخلوق آپ سے فرمان باری تعالیٰ حاصل کرے گی۔ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف نگاہ کی تو میں نے دیکھا کہ گویا آپ چودھویں رات کے چاند کی مانند چمک رہے ہیں اور آپ کے جسم اطہر سے مشک و عنبر کی خوشبوئیں آرہی ہیں اس دوران مجھے تین اشخاص

Marfat.com

کھڑے دکھائی دیے جن کے چہرے آفتاب سے زیادہ روشن تھے۔ ایک کے ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ تھا اس آفتابے سے کستوری کی خوشبو آرہی تھی۔ دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا ایک طشت تھا اس کے چار پہلو تھے اور ہر پہلو پر مروارید رکھا ہوا تھا۔ تیسرے کے ہاتھ میں سفید حریر ہے اس کے بعد انہوں نے ایک ایسی انگشتری نکالی کہ جس کے دیکھنے سے آنکھیں خیرہ ہوگئیں اس انگشتری کو آفتابے کے سفید پانی سے سات مرتبہ دھویا پھر اس انگشت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مبارک شانوں کے مابین مہر نبوت رکھی گئی اس پر حریر کا ٹکڑا باندھا گیا اور تھوڑی دیر تک اپنی آغوش میں لینے کے بعد میرے بچے کو میری گود میں رکھ دیا گیا۔

وصال مبارک

سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال کے ضمن میں روایات میں آتا ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چھ برس کے ہوئے تو سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے رشتہ داروں سے ملنے کی غرض سے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئیں ان کے ساتھ حضرت اُم ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔ مروی ہے کہ مدینہ طیبہ میں سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا آنا اس غرض سے بھی تھا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک وہیں پر تھی اور ان کی قبر پر جانے کی نیت تھی۔ ابن اسحاق کا کہنا ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر مبارک چھ برس کی ہوئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کو لے کر بنی عدی بن النجار کے قبیلہ میں آئیں غرض یہ تھی کہ آپ کی ملاقات آپ کے ماموؤں سے کرائیں۔ مدینہ طیبہ میں ایک ماہ کی مدت تک قیام کیا آپ کا قیام اس مکان میں تھا جسے دارالنابغہ کہا جاتا ہے جب ایک ماہ قیام کے بعد واپسی کا سفر شروع ہوا تو ابواء کے مقام پر پہنچ کر حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھک گئیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے سرہانے بیٹھ گئے اچانک وہ بے ہوش ہوگئیں جب دوبارہ ہوش میں آئیں تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف دیکھا اور تھوڑی دیر بعد انتقال فرما گئیں اور اسی جگہ پر مدفون ہوئیں۔

Marfat.com

''زرقانی'' جلد اول میں تحریر ہے کہ حضرت اسماء بنت رہم بیان فرماتی ہیں کہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال کے وقت میری والدہ ماجدہ ان کے قریب موجود تھیں اس وقت حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر مبارک چھ برس تھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کے پاس تشریف فرما تھے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے آپ کی طرف دیکھا اور یہ کلام فرمایا، اے بیٹے! اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے تُو اس کا فرزند ہے کہ جس نے موت کی سختی سے اللہ تعالیٰ کی مدد سے نجات حاصل کی تھی جب صبح کے وقت حضرت عبدالمطلب نے اپنی نذر پوری کرنے کی غرض سے اپنے بیٹوں کے مابین قرعہ ڈالا تھا اور تمہارے باپ کا نام نکلا تھا پھر اس کے بدلے ایک سو اونٹوں کا فدیہ کیا گیا تھا۔ اے بیٹے! جو خواب میں نے دیکھا تھا اگر درست ہے تو تم تمام کائنات کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہو، حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے والے، حلال وحرام میں فرق کرنے والے، عرب وعجم کی طرف بھیجے گئے اور دین ابراہیمی کو پھیلانے کے لیے بھیجے گئے ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں بتوں کی پوجا سے باز رکھے گا اور یہ بھی کہ تم لوگوں کے ساتھ مل کر بتوں کی تعظیم کرو اس سے بھی اللہ تعالیٰ نے تمہیں منع کر دیا ہے، ہر زندہ مرنے والا ہے، ہر نیا پرانا ہونے والا ہے، اور ہر بڑا فنا ہونے والا ہے، میں مر جاؤں گی میرا ذکر باقی رہے گا میں بھلائی چھوڑے جا رہی ہوں اور میں نے پاکیزہ بچہ جنا۔'' یہ کہنے کے بعد حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انتقال فرما گئیں اور اسی جگہ پر مدفون ہوئیں۔

ہجرت کے سفر میں جب حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی عدن کے قلعوں کو دیکھا تو اس جگہ کو پہچان لیا اور فرمایا ہم بچوں کے ہمراہ ان قلعوں کے کھنڈرات پر چلتے تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر کے واقعات جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ ساتھ تھیں بیان فرمائے۔ عمرۃ القضایا کے سال جب مقام ابواء پر پہنچے تو اس جگہ کو دیکھا جہاں آپ صلی اللہ تعالیٰ وسلم کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا تھا وہاں چند پتھر اکٹھے کئے پڑے ہوئے تھے، فرمایا، یہ میری والدہ ماجدہ کی قبر مبارک ہے۔ یہ فرما کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چشمان اطہر میں آنسو آ گئے اور اس قدر حسرت و ترحم کا اظہار فرمایا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی رونے لگے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ سیدنا رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اپنی والدہ ماجدہ کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے مقام ابواء تشریف لے گئے تو چند صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ہمراہ تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والدہ ماجدہ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھ کر بے اختیار رونے لگے جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہمراہ تھے وہ بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو روتے دیکھ کر بااختیار رو پڑے۔ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کبھی اتنا روتے ہوئے نہیں دیکھا جتنا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھ کر روئے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سوال کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! رونے کا سبب کیا ہے؟ فرمایا، اپنے متعلق والدہ کی شفقتیں اور رحمتیں یاد کرتا ہوں۔

نبی پاک ﷺ کے والدین کریمین کا ایمان

سیرت مبارکہ کی مختلف کتب میں جید علماء اور محققین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان بارے میں جو تحقیق کی ہے، اسے ہم پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ بہت سے افراد کے ذہن اس بارے میں دھند سے نکل کر واضح منظر دیکھنے کے قابل ہو سکیں۔

علامہ علی بن برہان الدین ذہبیؒ لکھتے ہیں:

ذکر العلامة ابن حجر الهيثمي حيث ذكر ان الحق الواضح الذى لا غبار عليه ان اهل الفترة جميعهم ناجون وهم من لم يرسل لهم رسولٌ يكلّفهم بالايمان بالله عزّوجل فالعرب حتّى فى زمن انبياء بنى اسرائيل اهل فترة لانّ تلك الرُّسل لم يؤمروا بدعايتهم الى الله تعالىٰ وتعليمهم الايمان.

''علامہ ابن حجر الہیثمی نے ذکر کیا کہ روشن حق یہ ہے جس پر کوئی گرد و غبار نہیں کہ اہل فترۃ سب کے سب نجات یافتہ ہیں اور اہلِ فترۃ وہ لوگ ہیں

جن کی طرف کوئی رسول نہ بھیجا گیا ہو جو انہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مکلّف بنائے۔ پس اہلِ عرب بنی اسرائیل کے انبیاء کے زمانہ میں بھی اہلِ فترۃ تھے کیونکہ بنی اسرائیل کے رسولوں کو یہ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اہل عرب کو بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دیں۔ ان کا حلقۂ تبلیغ صرف بنی اسرائیل تک محدود تھا۔''

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اہلِ فترۃ میں سے تھے۔ ان کے پاس حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہ آیا لہٰذا انہوں نے نہ کسی نبی کا انکار کیا نہ کسی کی دعوت مسترد کی، اس لئے وہ نجات یافتہ ہیں۔

امام فخر الدین رازیؒ ان علماء میں سے ہیں جن کا مسلک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کا دامن شرک وکفر سے کبھی داغدار نہیں ہوا۔ وہ لکھتے ہیں۔

ان اباء الانبیاء ما کانوا کفّارًا لقولہٖ تعالٰی الّذی یراک حین تقومُ وتقلُّبک فی السّٰجدین قیل معناہ اِنَّہٗ کان ینقل نورہٗ من ساجدٍ الٰی ساجدٍ دلالۃ علٰی انَّ جمیع اباء محمَّدٍ صلَّی اللّٰہ علیہ وسلم کانوا مسلمین.

''بے شک انبیاء کرام کے آباؤ اجداد کافر نہیں ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میری وہ ذات ہے جو آپ کو دیکھتی ہے، جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور جب آپ سجدہ کرنے والے کی پیشانیوں میں منتقل ہوتے رہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ حضور ﷺ کا نور ایک سجدہ کرنے والی پیشانی سے دوسرے سجدہ کرنے والے کی پیشانی میں منتقل ہوتا رہا۔ اس سے یہ واضح ہوا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ آباؤ اجداد مسلمان تھے۔''

اب ذرا احادیثِ مبارکہ سے بھی اس سلسلے میں استفادہ کر کے دیکھیں:

اخرج ابونعیم فی دلائل النُّبُوَّۃِ عن طرقٍ عن ابن عباسٍ رضی اللّٰہ عنھما قال النّبی صلّی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلّم لم

Marfat.com

یزل اللّٰہ یُنقِلُنی من الاصلابِ الطَّیِّبۃِ الیٰ الارحام الطَّاھرۃ مصفًّی مھذَّبًا لا تنشَعِبُ شُعبتانِ اِلَّا کنتُ فی خیرِھما۔

''ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں کئی سندوں سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے مجھے پاک پشتوں سے پاکیزہ رِحموں میں منتقل فرماتا رہا۔ ہر آلائش سے پاک کر کے ہر آلودگی سے صاف کر کے جہاں کہیں سے دو شاخیں پھوٹیں وہاں اللہ تعالیٰ نے مجھے اس شاخ میں منتقل کیا جو اُن دونوں میں سے بہتر تھی۔''

اخرج التّرمذی وحَسَّنَہٗ والبیھقی عن العبّاسِ ابنِ عبدِ المطّلب رضی اللّٰہ عنہ قال قال النَّبیُّ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلَّمَ انَّ اللّٰہ تعالیٰ حین خلقنی جعلنی من خیرِ خلقہٖ ثم حین خلق القبائل جعلنی من خیرِھم قبیلۃً وحین خلق الانفس جعلنی من خیرِ انفسھم ثُمَّ حین خلق البُیُوتَ جعلنی من خیرِ بُیوتِھم فَانا خیرُھُم بیتًا وخیرُھم نفسًا۔

''امام ترمذیؒ نے اس روایت کو اپنی سنن میں اور امام بیہقی نے حضرت عباسؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے جب مجھے پیدا فرمایا تو مجھے بہترین مخلوق سے کیا، پھر جب قبائل کو پیدا فرمایا تو مجھے سب سے بہتر قبیلہ میں کیا، پھر جب نفوس کو پیدا فرمایا تو مجھے ان میں سے کیا جن کے نفوس بہت بہترین تھے، پھر جب خاندانوں کو پیدا کیا تو مجھے بہترین خاندان میں رکھا۔ پس میں ان سب سے بلحاظِ خاندان اور بلحاظِ نفس بہتر ہوں۔

اخرَجَ الطّبرانی فی الاوسَطِ والبَیْھَقیُ فِی الدَّلائل عن عائشۃ رضی اللّٰہ عنھا قالت قال النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلم

Marfat.com

قال لی جبریل قلّبت الارض مشارقها ومغاربها ولم اجد رجلًا افضل من محمّدٍ (صلّی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم) ولم اَجِد بنی اَبِ افضل من بنی هاشِم.

''طبرانی نے اوسط میں اور بیہقیؒ نے دلائل میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ آپ کہتی ہیں، اللہ کے محبوب رسولِ عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جبرائیل نے بتایا کہ میں نے زمین کے مشارق و مغارب کو کھنگالا، پس میں نے کسی مرد کو اے جانِ جاں! آپ سے افضل نہیں پایا اور کسی خاندان کو بنی ہاشم کے خاندان سے افضل نہیں پایا۔''

جس خاندان اور جن ہستیوں کی نیکی اور فضیلت کی گواہی خود خدا کا مقرب فرشتہ جبرائیل علیہ السلام دے رہا ہو، ان کے ایمان پر کیا ذرہ بھر بھی شک کیا جا سکتا ہے؟ علماء کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان کے بارے میں اس آیتِ قرآنی کی طرف رجوع کیا ہے:

واذ قال ابراهیم لابیهِ وقومهٖ اِنّنی برآءٌ مّمّا تعبدون O اِلّا الّذی فطرنی فاِنّهٗ سیهدینِ O وجعلها کلمةً باقیةً فی عقبهٖ.

(۴۳/ ۲۶ تا ۲۸)

''اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم کو کہا کہ میں بیزار ہوں ان سے جن کی تم عبادت کرتے ہو، بجز اس ذات کے جس نے مجھے پیدا فرمایا، پس وہی مجھے ہدایت دے گا اور کر دیا اللہ تعالیٰ نے اس کلمہ کو باقی رہنے والا آپ کی اولاد میں۔''

اس آیت کی تشریح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یوں منقول ہے:

قولهٗ تعالٰی جعلها کلِمَةً باقِیَةً فی عقبهٖ قال لآ اِلٰه اِلّا اللّٰه باقیةٌ فی عقب ابراهیم.

Marfat.com

کہ لا الٰہ الا اللہ کا کلمہ حضرت ابراہیم کی نسل میں باقی رہے گا۔“

یعنی ہر زمانہ میں چند افراد ایسے رہیں گے جو اس کلمۂ توحید پر پختہ ایمان رکھتے ہوں۔

اخرج ابن المنذر فی تفسیرہٖ بسنَدٍ صحیحٍ عن ابنِ جُریحٍ فی قولہٖ ربّ اجْعلنی مقیمَ الصّلٰوۃِ ومنْ ذرّیَّتی ، قال لا یزال من ذُرّیَّتی ابراھیم علٰی نبیّنا وعلیہ الصّلٰوۃ والسلام ناسٌ علی الفطرۃ یعبدون اللّٰہ.

”ابنِ منذر نے اپنی تفسیر میں سندِ صحیح کے ساتھ ابنِ جریج سے ربّ اجعلنی مقیم الصّلٰوۃ ومِن ذُرّیّتی کی تفسیر نقل کی ہے، انہوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریّت میں سے کچھ آدمی دینِ فطرت پر رہیں گے اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔“

غزوۂ حنین میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم خچر پر سوار ہو کر یہ رجز پڑھ رہے تھے کہ:

”میں سچا نبی ہوں، یہ جھوٹ نہیں ہے...... میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔“

علماءِ کرام لکھتے ہیں کہ اگر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء اور والدین مومن اور موحّد نہ ہوتے تو آپ کیوں ان کی فرزندی پر فخر کرتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان کے بارے میں علماء کا ایک تیسرا مسلک بھی ہے۔

اِنَّ اللّٰہ تعالٰی احیٰی لہٗ ابوَینِ حتّٰی اٰمَنا بہٖ وھٰذا المسلکُ مال اِلَیہِ طائفۃٌ کبیرۃٌ مّن حفّاظٍ والمُحدّثین وغیرِھم منھم ابن شاھین والحافظ ابوبکر الخطیب البغدادی والسُّھَیلی والقُرطبی والمُحِبُّ الطّبری والعلّامۃ ناصِرُ الدّین ابن المنیرِ وغیرھم.

”اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حضور ﷺ کے والدین کو زندہ فرمایا اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔ حفاظ محدثین

Marfat.com

میں سے ایک بہت بڑا گروہ اس مسلک کی طرف مائل ہوا ہے۔ ان میں سے چند نام یہ ہیں: ابنِ شاہین، حافظ ابوبکر الخطیب البغدادی، ابوالقاسم سہیلی، ابوعبداللہ القرطبی، محبّ طبری، علامہ ناصرالدین ابن المنیر وغیرہم۔"

مذکورہ بالا آیات، احادیثِ مبارکہ اور محققین کے اقوال کو سامنے رکھیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور آباء زمانۂ فترۃ میں تھے۔ ان کے پاس کوئی نبی نہ آیا لہٰذا انہوں نے کسی نبی کی دعوت مسترد نہیں کی جس کے جرم میں ان پر کفر کی تہمت لگائی جائے بلکہ یہ تمام خدائے واحد کو ماننے والے تھے اور سب یہ جانتے تھے کہ ان کی اولاد میں اللہ تعالیٰ کا آخری نبی مبعوث ہوگا۔ ان تمام کا نسب پاکیزہ رہا اور تقریباً تمام بزرگ اس خواہش کا اظہار کرتے رہے ہیں کہ کاش نبی پاک ان کے زمانے میں پیدا ہوں اور وہ ان کے ساتھیوں میں شامل ہونے کا شرف حاصل کر پائیں۔ اس صورت میں ان بزرگوں کے ایمان پر شک کی گنجائش نہیں۔

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز و اقارب)

Marfat.com

رحمۃ اللعالمین ﷺ کا ننھیال

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عرب میں ظہور کی جو علامتیں یہود نے اپنی کتابوں اور علماء سے سن رکھی تھیں، وہ پوری ہونے والی تھیں۔ جوں جوں وقت گزرتا جارہا تھا، یہود کی جستجو میں اضافہ ہوتا چلا جارہا تھا۔ یہودیوں میں سے اکثر کا گمان تھا کہ اللہ کا آخری نبی ان ہی میں سے یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے ہوگا۔ اسی اُمید پر وہ مصر، شام، فلسطین اور دیگر ممالک سے آ آ کر عرب میں آباد ہوتے رہے۔

ان کے کچھ علماء نے جب یہ بتایا کہ آخری نبی اولادِ اسماعیل علیہ السلام میں سے ہوگا اور قریش کے سردار عبدالمطلب کے چھوٹے بیٹے عبداللہ سے پیدا ہوگا تو وہ حضرت عبداللہ کو قتل کرنے کے درپے ہو گئے۔ ملکِ شام میں یہودی راہب دوسری جگہوں کی نسبت زیادہ تعداد میں موجود تھے۔

حضرت عبداللہ دوسرے اہلِ مکہ کے ساتھ تجارتی قافلہ لے کر شام گئے تو وہاں کے یہودیوں نے انہیں پہچان لیا کہ آخری نبی ان ہی سے پیدا ہوگا۔ انہوں نے باہم مشورہ کیا اور حضرت عبداللہ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔

یہودیوں کے اس منصوبے کی بھنک قافلے میں موجود وہب نامی ایک شخص کو پڑ گئی۔ قدیم علماء کی تصدیق کرتے ہوئے علامہ طاہر القادری سیرت پر لکھی اپنی کتاب میں وہب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِّ اعلیٰ جناب ہاشم کا بھائی اور عبد مناف کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔

وہب نے حضرت عبداللہ بارے یہودیوں کی گفتگو سنی تو کچھ ساتھیوں کے ہمراہ

Marfat.com

آپ کی حفاظت کرنا شروع کر دی۔ ایک دن قافلے کے پڑاؤ کے قریب واقع جنگل میں حضرت عبداللہ کو یہودیوں نے گھیر لیا۔ وہب تیزی سے اس طرف پہنچے، دیکھا کہ آسمان سے فرشتے اُتر رہے ہیں اور ان فرشتوں نے حضرت عبداللہ کو اپنے حصار میں لے لیا۔

وہب پہلے ہی جناب عبداللہ کی نیکی اور شرافت کے قائل تھے، یہ دیکھا تو دل میں خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ اس فخر بنو ہاشم کے ساتھ اپنی نیک سیرت اور خوبصورت بیٹی آمنہ کی شادی کر دی جائے۔ قافلہ جب مکہ واپس پہنچا تو وہب حضرت عبدالمطلب کی خدمت میں آئے اور رشتہ داری قائم کرنے کی خواہش کی۔

حضرت عبدالمطلب پہلے ہی اپنے لاڈلے بیٹے کے لئے بنوزہرہ سے بہو کی تلاش میں تھے لہٰذا انہوں نے حضرت عبداللہ ﷺ کے لئے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو منتخب کر لیا۔ بنی ہاشم سے اس خاندان کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ وہب کے بڑے بھائی وہیب نے بھی اپنی بیٹی کا رشتہ بنو ہاشم میں طے کرنے کی خواہش کی اور اپنی بیٹی ہالہ کا نکاح اسی روز حضرت عبدالمطلب ﷺ سے کر دیا جس دن حضرت عبداللہ ﷺ کا نکاح حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا سے ہوا۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے والدین کی اکلوتی اولاد بیان کی جاتی ہیں۔ ان کی کسی سگی بہن یا بھائی کا کہیں ذکر بھی نہیں ملتا لہٰذا یہی بات درست مانی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی خالہ یا ماموں نہیں تھے لہٰذا آپ ﷺ کا ننھیال بہت مختصر تھا تاہم آپ ﷺ مدینہ کے قبیلہ عدی بن نجار کو اپنا ننھیال کہتے تھے۔ آپ نے کئی قبائل میں تبلیغ کی خاطر اپنے نقیب بھیجے ہوئے تھے۔ ایک بار عدی بن نجار میں بھیجا نقیب فوت ہو گیا، لوگوں نے نئے نقیب کی تقرری کا کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عدی بن نجار میرا ننھیال ہے، اس قبیلے کا نقیب میں خود ہوں۔"

نبی پاک ﷺ نے یہ کہہ کر جہاں نقیب بننے کے خواہش مندوں کے مابین مقابلہ کے امکان کو رد کر دیا (جس سے انتشار کا خدشہ تھا) وہاں اس قبیلے کو ایسا شرف عطا کر دیا کہ وہ اس پر فخر کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ خود ہمارے نقیب اور بھانجے ہیں۔

Marfat.com

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

ابووقاص کا نام مالک بن وہیب بن عبدِ مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرّہ تھا۔ ان کی کنیت ابواسحٰق تھی۔ والدہ حمنہ بنتِ سفیان بن اُمیہ بن عبد شمس بن عبدمناف بن قصی تھیں۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ اس حالت میں آئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ میرے ماموں ہیں۔ آدمی کا مربی اس کے ماموں کو ہونا چاہئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس بنا پر تھا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے والد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں ہوتے تھے، وہ حضرت آمنہ کے چچازاد بھائی تھے۔ حضرت سعد کے والد ابووقاص مالک حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سگے ماموں تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ سعد کی اولاد میں اسحاق اکبر تھے جن کے نام سے ان کی کنیت تھی وہ لاولد مر گئے اور اُم الحکم کبریٰ تھیں، ان دونوں کی ماں بنتِ شہاب بن عبداللہ بن الحارث ابن زہرہ تھیں۔

عمر بن سعد، اسے امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ذمہ دار سمجھ کر مختار نے قتل کر دیا، محمد بن سعد جو دیرالجماجم کے روز قتل ہوئے، حجاج نے ان کو قتل کیا۔ حفصہ، اُم قاسم اور اُم کلثوم ان سب کی ماں ماویہ بنت قیس بن معدی کرب بن ابی الکیسم تھیں۔

عامر، اسحاق، اصغر، اسماعیل اور اُم عامر کی ماں اُم عامر بنت عمرو بن کعب تھیں۔

ابراہیم، موسیٰ، اُم الحکم صغریٰ، اُم عمرو، ہند، اُم زبیر اور اُم موسیٰ کی والدہ زید تھیں۔ ان کے بیٹے دعویٰ کرتے تھے کہ ان کی ماں حارث بن یعمر بن شراجیل بن عبدعوف کی بیٹی تھیں۔

عبداللہ بن سعد، ان کی ماں سلمٰی بنی تغلب بن وائل سے تھیں۔

مصعب بن سعد ان کی ماں خولہ بنتِ عمرو بن اوس تھیں۔

عبداللہ اصغر، بجیر جن کا نام عبدالرحمٰن تھا اور حمیدہ ان کی ماں اُم بلال بنت ربیع بن مری تھیں۔

عمیر بن سعد اکبر اور حمنہ کی والدہ اُم حکیم بنتِ قارظ بنی کنانہ کی اس شاخ میں سے تھیں جو بنی زہرہ کے حلیف تھے۔ عمیر اپنے باپ سے پہلے فوت ہو گئے۔

Marfat.com

عمیر اصغر، عمرو، عمران، اُم عمرو، ام ایوب اور اُم اسحٰق کی والدہ سلمٰی بنت خصفہ بن ثقف تھیں۔ صالح بن سعد، ان کی ماں طیبہ بنتِ عامر ابن عتبہ بن شراجیل تھیں۔

عثمان ورملہ، ان دونوں کی ماں اُم حجیر تھیں۔

عمرہ، نابینا تھیں ان سے سہیل بن عبدالرحمٰن بن عوف نے نکاح کیا۔ ان کی والدہ عرب کے قیدیوں میں سے تھیں اور عائشہ بنتِ سعدان کا نام تھا۔

قبولِ اسلام: عامر بن سعد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعد نے انہیں بتایا کہ مجھ سے پہلے کوئی اسلام نہیں لایا۔ سوائے اس شخص کے جو اسی روز اسلام لایا جس روز میں اسلام لایا۔ حالانکہ مجھ پر ایک روز گزر گیا ہے اور میں اسلام کا ثلث ہوں یعنی تیسرا مسلمان ہوں۔ عائشہ بنتِ سعد نے اپنے والد کو کہتے سنا کہ جب میں اسلام لایا تو میری عمر ۱۷ سال تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخات کا رشتہ قائم کیا۔

طبقات ابنِ سعد میں قیس بن ابی حازم سے مروی ہے کہ میں نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا کہ واللہ میں سب سے پہلا عرب ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا۔ ہم لوگ اس حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد کیا کرتے کہ ہمارے لئے کھانا نہ ہوتا جسے کھاتے۔ سوائے انگور کے پتوں اور ببول کے یہاں تک کہ ہمارا ایک آدمی اس طرح سر اٹھائے دوڑتا جس طرح بکری دوڑتی ہے حالانکہ اس کے لئے تیر کمان بھی نہ تھی۔ بنو اسد مجھے دین سے پھیرنے لگے، ایسا ہو جاتا تو میں ناکام ہو جاتا اور میرا عمل برباد ہو جاتا۔

داؤد بن الحصین سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ایک سَریے میں بھیجا وہ بیس سواروں کے ہمراہ قافلہ قریش روکنے کی خاطر نکلے، مگر انہیں کوئی نہ ملا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوائے سعد کے کسی کے لئے نہیں سنا کہ آپ نے اس پر اپنے ماں اور باپ دونوں کو فدا ہونے کا کہا ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ اُحد میں حضرت سعد سے کہا کہ اے

سعد! تیراندازی کرو، میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔

حضرت سعد کا بیان طبقاتِ ابن سعد میں ہے کہ میں جب بدر میں حاضر ہوا تھا تو میرے چہرے پر ایک بال کے سوا کچھ نہ تھا یعنی داڑھی کے بال نہ تھے بعد میں اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت ہی داڑھیاں یعنی اولادِ کثیر عطا کی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بیٹی عائشہ کا کہنا ہے کہ میرے والد پست قد، فربہ، بڑے سر والے تھے۔ ان کی انگلیاں موٹی تھیں، سر پر بال بہت تھے اور سیاہ خضاب لگاتے تھے۔

سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں ایک ایسے مرض میں مبتلا ہوا کہ موت دکھائی دینے لگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو عیادت کی خاطر تشریف لائے۔ آپ نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھا۔ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے دل میں محسوس کی۔ فرمایا تم مریضِ قلب ہو لہٰذا حارث بن کلدہ برادر ثقیف کے پاس جاؤ۔ وہ ایسے آدمی ہیں جو طبابت کرتے ہیں۔ ان سے کہو کہ مدینہ کی عجوہ کھجوروں میں سے سات کھجوریں مع گٹھلی کے پیس ڈالیں اور وہ تمہیں پلائیں۔

مصعب بن سعد کا کہنا ہے کہ میرے والد کا سر قریب مرگ میری گود میں تھا۔ ان کی جدائی کے تصور سے میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ آپ نے میری طرف دیکھا اور کہا کہ اے فرزند تمہیں کیا چیز رُلاتی ہے؟ میں نے کہا کہ آپ کی وفات، اس لئے کہ میں آپ کا بدل نہیں پاتا۔

انہوں نے کہا کہ میرے اوپر مت روؤ کیونکہ اللہ مجھے کبھی عذاب نہ دے گا۔ میں اہلِ جنت میں سے ہوں۔ اللہ مومنین کو ان حسنات کی جزا دیتا ہے جو انہوں نے اللہ کے لیے کئے۔ کفار کے عذاب میں ان کے حسنات کی وجہ سے تخفیف کرتا ہے۔ جب حسنات ختم ہو جاتے ہیں تو پورا عذاب ہونے لگتا ہے۔ ہر عمل کرنے والے کو اس سے اپنے عمل کا اجر مانگنا چاہئے جس کے لئے اس نے عمل کیا ہے۔

مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے ایک سے زائد لوگوں کو کہتے سنا کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا انتقال عقیق کے مقام پر ہوا جہاں سے ان کی میت مدینے لائی گئی اور وہیں دفن ہوئے۔

Marfat.com

عباد بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ جب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ازواجِ نبی ﷺ نے کہلا بھیجا کہ ان کا جنازہ مسجد سے گزاریں۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا اور ازواج کے حجروں کے پاس جنازہ رکھا گیا۔ ازواج نے نماز جنازہ پڑھی پھر جنازہ المقاعد کی جانب والے باب الجنائز سے نکالا گیا۔ کچھ لوگوں نے اعتراض کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ لوگوں کو اعتراض کی جانب اس تیزی سے کس نے چلایا، واللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن البیضاء کی مسجد میں نمازِ جنازہ ادا کی تھی۔

عائشہ بنتِ سعد سے مروی ہے کہ میرے والد کا مدینے سے دس میل دور واقع اپنے محل عقیق میں انتقال ہوا جہاں سے لوگ انہیں کندھوں پر مدینہ لائے اور گورنر مدینہ مروان بن الحکم نے نماز پڑھائی۔ یہ ۵۵ ہجری کا واقعہ ہے۔ اس وقت آپ کی عمر ستر برس سے زائد تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو عراق سے معزول کیا تو ان سے آمدنی واخراجات کا حساب لیا۔ آمدنی کی نصف رقم بیت المال میں جمع کر دی گئی اور نصف حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو دے دی گئی۔ وفات سے کچھ دن پہلے آپ نے اپنے مال کی زکوٰۃ مروان بن حکم کے پاس بھیج دی۔ آپ نے ترکے میں اڑھائی لاکھ درہم چھوڑے۔

عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

مدینہ طیبہ میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے درمیان بھائی چارے قائم کیے تو حضرت سعد بن ابی وقاص کے چھوٹے بھائی عمیر بن ابی وقاص کو عمرو بن معاذ کا بھائی قرار دیا۔ عمرو بن معاذ رضی اللہ عنہ، سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔

عامر بن سعد نے اپنے والد سے روایت کی کہ قبل اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی جانب روانہ ہونے کیلئے ہم لوگوں کا معائنہ فرمائیں۔

میں نے اپنے بھائی عمیر کو چھپتے دیکھا تو پوچھا، بھائی تمہیں کیا ہوا ہے کہ یوں چھپتے ہوئے چل رہے ہو؟

Marfat.com

انہوں نے کہا کہ میں ڈرتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھ لیں گے تو بچہ سمجھ کر واپس کر دیں گے۔ میں جہاد کے لئے آپ لوگوں کے ساتھ جانا چاہتا ہوں کہ شاید اللہ مجھے شہادت عطا فرما دے۔

ہم لوگوں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم بچے ہو لہٰذا واپس جاؤ۔ عمیر رونے لگے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شوق کو دیکھتے ہوئے انہیں ساتھ چلنے کی اجازت دے دی۔ آپ بدر کی لڑائی میں شامل تھے اور خوب دادِ شجاعت دی، آخر شہادت کے منصب پر فائز ہوئے۔ بوقتِ شہادت آپ کی عمر سولہ برس بتائی جاتی ہے، انہیں عمرو بن عبدِ وُد نے شہید کیا۔

(نبی کریم ﷺ کے عزیز واقارب)

Marfat.com

باب چہارم

رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین، خاتم النبیین

حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ولادت باسعادت سے انتقالِ پُرملال تک

رحمۃ اللعالمین، شفیع المذنبین، خاتم النبیین

سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ

ولادت باسعادت سے انتقالِ پُر ملال تک

سنِ ولادت

واضح رہے کہ اکثر علماء ومحدثین کے نزدیک آنحضرت ﷺ واقعۂ فیل کے سال میں پیدا ہوئے (یعنی جس سال ابرہہ بادشاہ نے کعبہ مبارکہ پر چڑھائی کی تھی) بعض علماء کہتے ہیں اس بات پر تمام حضرات کا اجماع واتفاق ہے، لہٰذا ہر وہ قول جو اس کے خلاف ہے صرف وہم ہے، ایک قول ہے کہ واقعۂ فیل کے پچاس دن بعد آنحضرت ﷺ اس عالم میں جلوہ افروز ہوئے، ایک قول پچپن دن کا ہے، اور ایک قول چالیس دن بعد کے متعلق ہے۔

تاریخ ولادت

آپ کی تاریخ ولادت دس ربیع الاول پیر کے دن ہوئی، ایک قول کے مطابق دو ربیع الاول کو، اور ایک قول کے مطابق آٹھ ربیع الاول کو ہوئی اسی آخری قول کو علامہ حمیدی نے اپنے شیخ ابن حزم کے اتباع میں اختیار کیا ہے، علامہ قضاعی نے عیون المعارف کے حوالے سے بیان کیا ہے، کہ اسی قول پر مؤرخین کا اجماع ہے، ایک قول ہے کہ بارہ ربیع الاول کو ہوئی، یہی مشہور قول ہے، ایک قول سترہ ربیع الاول اور ایک قول بائیس ربیع الاول کا ہے۔

وقتِ ولادت

آپ کی ولادت مبارکہ دن میں صبح کو طلوع فجر کے وقت ہوئی، ایک قول ہے کہ

Marfat.com

آپ رات کے وقت میں پیدا ہوئے تھے، مکے والوں کا عمل اسی قول پر ہے جیسا کہ وہ اس وقت ہی آپ کی جائے پیدائش کی زیارت کے لئے جاتے تھے۔

ماہِ ولادت

جہاں تک آپ کے ربیع الاول کے مہینے میں پیدا ہونے کا قول ہے تو جمہور علماء یہی کہتے ہیں، علامی ابن جوزی نے بیان کیا ہے کہ علماء کا اتفاق اسی بات پر ہے، اگر چہ ایک قول یہ بھی ہے، کہ آپ صفر کے مہینے میں پیدا ہوئے نیز ایک قول ربیع الآخر کا بھی ہے ایک قول رجب کے مہینے کا اور ایک قول رمضان کے مہینے کا بھی ہے۔

جائے پیدائش

آپ کی جائے پیدائش کے بارے میں بھی اختلاف ہے، ایک قول کے مطابق آپؐ مکے میں پیدا ہوئے، ایک قول کی بنیاد پر یہ کہا جاتا ہے کہ آپ محمد ابن یوسف کے مکان میں پیدا ہوئے تھے جو حجاج ابن یوسف کا بھائی تھا مطلب یہ ہے کہ بعد کے زمانے میں وہ مکان جس میں آپؐ پیدا ہوئے وراثت یا خرید کے لحاظ سے محمد ابن یوسف کا کہلاتا تھا ایک قول کے مطابق آپ اس شعب یعنی گھاٹی میں پیدا ہوئے جو شعبِ بنی ہاشم کہلاتی تھی۔ اب (یعنی علامہ حلبی کے زمانے میں) یہی جگہ زیارت گاہ ہے۔

ولادت سے وفات تک اجمالی جائزہ

آپ کی ولادت کے تیسرے سال آپ کا شقِ صدر ہوا، یعنی فرشتے نے آپ کا سینہ مبارک چاک کیا، جب کہ آپؐ اپنی دایہ حلیمہ سعدیہ کے یہاں تھے، ایک قول ہے کہ ولادت کے چوتھے سال میں شقِ صدر کا واقعہ پیش آیا اسی سال میں یعنی جس سال آپ کا شقِ صدر ہوا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی پیدائش منیٰ کے مقام پر ہوئی، آپ کی ولادت کے چھٹے سال آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کی وفات ہوئی اور انہیں ابواء کے مقام پر سپردِ خاک کیا گیا۔

عبدالمطلب کی پرورش میں

آنحضرت ﷺ کی ولادتِ مبارکہ کے ساتویں سال مستقل طور پر اپنے دادا عبد

Marfat.com

المطلب کی کفالت اور پرورش میں آ گئے، اسی سال آپ کی آنکھیں دکھنے آئیں اور شدید آشوبِ چشم ہوا، اسی سال عبدالمطلب نے ایک خواب کی بنیاد پر دعاءِ استسقاء کی، اس وقت آنحضرت ﷺ ان کے ساتھ تھے اسی سال عبدالمطلب سیف ابن ذی یزن حمیری کو بادشاہ بننے پر مبارک باد دینے کے لئے گئے۔

ابو طالب کی کفالت میں

ولادت کے آٹھویں سال آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کی وفات ہوئی اسی سال حاتم طائی کی وفات ہوئی، جس کی سخاوت و فیاضی ضرب المثل بن گئی ہے، اسی سال فارس کا بادشاہ نوشیرواں فوت ہوا۔

آپ ﷺ کی ولادت کے نویں سال ایک قول کے مطابق آپ ﷺ کے چچا ابو طالب آپ ﷺ کو لے کر بصریٰ گئے جو ملکِ شام میں ہے، اس شہر کو ہوازن کہتے تھے پھر ولادت کے دسویں سال پہلی جنگِ فجار ہوئی۔

شقِ صدر وغیرہ

پھر ولادت کے دسویں سال ایک اور قول کے مطابق گیارہویں سال پھر آپ ﷺ کے شقِ صدر یعنی سینہ چاک کئے جانے کا واقعہ پیش آیا۔

ولادت کے بارہویں سال دوسری جنگِ فجار ہوئی اور اکثر علماء کے قول کے مطابق آپ ﷺ کے چچا ابو طالب اس سال آپ ﷺ کو ملکِ شام میں بصریٰ لے کر گئے، آپ ﷺ کی ولادت کے تیرہویں سال حضرت عمر فاروق ؓ پیدا ہوئے، آپ ﷺ کی ولادت کے تیرہویں سال تیسری جنگِ فجار ہوئی ایک قول کے مطابق تیسری جنگِ فجار کے وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک بیس سال تھی۔

ملک شام کے سفر

ولادت کے سترہویں سال آپ ﷺ کے دو چچا زبیر ابن عبدالمطلب اور عباس ابن عبدالمطلب تجارت کے سلسلے میں یمن گئے اور آنحضرت ﷺ ان کے ساتھ تشریف

لے گئے پھر عمر کے پچیسویں سال میں آپ ﷺ میسرہ کے ساتھ ملک شام کے سفر میں تشریف لے گئے، میسرہ حضرت خدیجہؓ کے غلام تھے، حضرت خدیجہؓ سے اس سال آپ ﷺ کی شادی ہوئی تھی، ولادت کے تیسویں سال حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کعبہ میں پیدائش ہوئی۔

آپ ﷺ کی عمر کے چوتیسویں سال امیر معاویہ بن سفیانؓ پیدا ہوئے، معاذ ابن جبل ﷺ بھی اسی سال پیدا ہوئے، ولادت کے پینتیسویں سال قریش نے کعبے کی قدیم عمارت کو منہدم کر کے دوبارہ تعمیر کی، پھر عمر کے سینتیسویں سال آپ ﷺ نے ایک نور اور تابندگی دیکھی، اسی دوران آپ ﷺ مختلف آوازیں سنا کرتے تھے۔

آغازِ وحی

- ...... پھر (عمر مبارک کے چالیسویں اور) نبوت کے پہلے سال میں آپ ﷺ پر بیداری کی حالت میں وحی نازل ہوئی جب کہ اس سے پہلے چھ مہینے تک آپ ﷺ پر خواب میں وحی اترتی رہی۔
- ...... پھر ایک قول کے مطابق نبوت کے تیسرے سال ورقہ بن نوفل کا انتقال ہوا۔
- ...... نبوت کے چوتھے سال آپ ﷺ نے دعوتِ اسلام کا عمومی اعلان اور اظہار فرمایا۔
- ...... نبوت کے پانچویں سال حضرت عائشہؓ کی ولادت ہوئی، ایک قول کے مطابق ام المؤمنینؓ نبوت کے چوتھے سال پیدا ہوئی تھیں۔

پہلی ہجرت

- ...... نبوت کے پانچویں سال ہی میں مسلمانوں نے سرزمینِ حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کی۔
- ...... اسی سال حضرتِ سمیہ ام عمار بن یاسر فوت ہوئیں، یہ اسلام میں پہلی شہیدہ ہیں۔
- ...... نبوت کے چھٹے سال حضرت حمزہؓ مسلمان ہوئے......
- ...... ان کے تین سال بعد حضرت عمر فاروق ﷺ نے اسلام قبول کیا۔
- ...... نبوت کے ساتویں سال قریش نے یہ معاہدہ اور حلف کیا کہ وہ سب بنی ہاشم اور

بنی مطلب سے ترکِ تعلق اور دشمنی کا برتاؤ کریں گے۔ ایک قول ہے کہ یہ واقعہ نبوت کے چھٹے سال میں ہوا، یہ معاہدہ ابطح کے مقام پر بنی کنانہ کی گھاٹی میں ہوا، اس کو محصب کہا جاتا تھا جو مکہ کے بالائی حصے میں واقع تھا اور قبرستان کے قریب تھا۔

معجزۂ شق القمر

- ...... نبوت کے نویں سال آنحضرت ﷺ کے ذریعہ شق القمر کا معجزہ پیش آیا۔
- ...... ۱۰ نبوی میں ابو طالب اور پھر حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوا، آنحضرت ﷺ نے اس سال کو رنج وغم کا سال فرمایا اور اس سال کا نام عام الحزن رکھا۔
- ...... اسی سال میں آپ ﷺ کے پاس نصیبین کے جنات حاضر ہو کر مسلمان ہوئے۔
- ...... اسی سال حضرت سودہ بنتِ زمعہؓ سے آپ ﷺ کی شادی ہوئی اور آپ ﷺ نے مکے میں عروسی فرمائی۔
- ...... اسی سال آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے رشتہ دیا، مگر ان کے ساتھ عروسی مدینہ منورہ میں ہی ہوئی۔

اسلام انصار

- ...... ۱۱ نبوی میں انصاریوں کے اسلام کی ابتداء ہوئی۔ ۱۲ نبوی میں آپ ﷺ کو اسراء معراج ہوئی۔
- ...... اسی سال عقبہ میں بیعت اول ہوئی (جو مدینہ کے انصاریوں نے کی تھی) پھر ۱۳ نبوی میں عقبیٰ کے مقام پر بیعتِ دوم ہوئی، اسی کو بیعتِ کبریٰ بھی کہا جاتا ہے بعض حضرات نے اس کو بیعتِ سوم قرار دیا ہے، انصاریوں کے اسلام کو بیعتِ عقبیٰ کہا گیا ہے جب کہ یہ بیعت نہیں قبولِ اسلام تھا۔
- ...... اسی سال حضرت ابو بکرؓ نے حبشہ کو ہجرت کر جانے کا ارادہ فرمایا جب وہ برکِ عماد نامی جگہ پر پہنچے تو وہاں سے ان کو وہاں کے سردار ربیعہ ابن دغنہ نے واپس کر دیا۔

ہجرتِ نبوی

- ...... ۱ھ نبوی ہجرت کا پہلا سال ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اسی سال صفر یا ربیع الاول کے مہینے میں ہجرت فرمائی۔
- ...... اسی سال مسجدِ نبوی قائم ہوئی اور اسی سال آپ ﷺ نے اپنے مکانات یعنی اپنی ازواج مطہرات کے حجرے بنائے۔
- ...... اسی سال مسجدِ قبا بنائی گئی، اور اسی سال مہاجرین اور انصاریوں کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا گیا۔
- ...... ایک قول کے مطابق اسی سال آنحضرت ﷺ کی خدمت کی ابتداء کی گئی چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ مدینے پہنچے تو انصاری مرد اور عورتیں آنحضرت ﷺ کو مختلف ہدیہ بھیجنے لگے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ کے پاس آپ کو ہدیہ کرنے کے لئے کچھ نہیں تھا، جس پر انہوں نے بے حد افسوس اور ملال کیا اور پھر اپنے کم عمر فرزند حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ یا رسول اللہ! یہ آپ کی خدمت کرے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کے شوہر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ انس ایک سمجھ دار لڑکا ہے یہ آپ کی خدمت کرے گا۔ دونوں روایتیں اس طرح درست ہو جاتی ہیں کہ پہلے حضرت انس کو ان کی والدہ لے کر حاضر ہوئیں، پھر دوسری مرتبہ حضرت ابوطلحہؓ لے کر آئے کیونکہ اصل میں وہی ان کے ولی اور سرپرست تھے۔

کتابِ خمیس میں ہے کہ غزوۂ خیبر کے وقت بھی حضرت ابوطلحہ حضرت انسؓ کو آنحضرت ﷺ کے پاس خدمت کے لئے لے کر آئے تھے مگر یہ موقع دوسرا تھا، کتابِ عیون الاثر کے مطابق اس قول میں اشکال ہے۔

رکعاتِ نماز کی تکمیل

- ...... ایک قول کے مطابق ۲ھ میں مقیم کی نماز میں دو رکعتوں کا اضافہ ہوا البتہ فجر اور

Marfat.com

مغرب کی نمازیں جوں کی توں باقی رہیں۔ اس لئے کہ مغرب ہی نماز ان کا وتر یعنی طاق نماز ہے۔ سفر کی نماز ابتدائی فریضہ کے مطابق دو رکعت ہی برقرار رہی۔

◉ ...... اسی سال مشرکینِ مکہ میں ولید ابن مغیرہ کی موت ہوئی، جب اس وقت آخر ہوا تو وہ چیخنے اور واویلا کرنے لگا، ابوجہل نے کہا، چچا تم کیوں اتنا رو پیٹ رہے ہو؟ ولید ابن مغیرہ نے کہا "خدا کی قسم میں موت کے ڈر سے نہیں رو رہا ہوں بلکہ اس خوف سے رو رہا ہوں کہ کہیں ابن ابو کبشہ (مراد ہیں آنحضرت ﷺ) کا دین مکے میں نہ پھیل جائے۔"

"اس پر ابوسفیان نے کہا" بالکل مت ڈرو اس کی ذمہ داری میری کہ یہاں وہ دین نہیں پھیلے گا۔"

ابتدائے غزوات

◉ ...... اسی سال عاص بن وائل کی موت ہوئی، نیز اسی سال حضرت سعد بن زرارہؓ کی وفات ہوئی۔

◉ ...... اسی سال غزوات اور اسلامی جنگوں کی ابتداء ہوئی، چنانچہ غزوۂ ابواء اور غزوۂ ودان اسی سال پیش آئے۔

◉ ...... جیسا کہ عیون الاثر کی روایت ہے کہ اسی سال آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے ساتھ عروسی فرمائی۔

◉ ...... اسی سال آذان کی ابتداء ہوئی۔

◉ ...... اسی سال آنحضرت ﷺ نے قبا سے مدینہ کو جاتے ہوئے جمعہ کی نماز پڑھی یہ پہلا جمعہ ہے اور پہلا خطبہ ہے جو اسلام میں پڑھا گیا۔

◉ ...... اسی سال حضرت عبداللہ بن سلام ﷺ مسلمان ہوئے۔

◉ ...... اسی سال آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا حضرت حمزہؓ کو ایک دستہ دے کر بھیجا کہ گذرنے والا تجارتی قافلہ روکیں۔

◉ ...... اس سال آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا کے بیٹے عبیدہ ابن حارث کو بطنِ رابغ کی طرف بھیجا اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو خرار کی طرف روانہ فرمایا کہ قریش کے

Marfat.com

تجارتی قافلوں کو روکیں۔

◉ ...... ۱۵ نبوی اور ۲ ہجری میں آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شادی فرمائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابوتراب کا لقب دیا۔

تحویلِ قبلہ

◉ ...... اسی سال غزوۂ بواط اور غزوۂ عشیرہ پیش آیا۔

◉ ...... سریۂ عبداللہ بن جحش بھی بطنِ نخلہ کی طرف روانہ فرمایا گیا۔

◉ ...... اسی سال تحویلِ قبلہ ہوا۔

◉ ...... اسی سال مسجدِ قبا کی تجدید ہوئی۔

◉ ...... رمضان کے روزے فرض ہوئے اور غزوۂ بدر پیش آیا۔

◉ ...... اسی سال آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کی وفات ہوئی، غزوۂ قرقرۃ الکدر پیش آیا، سریہ سالم ابن عمر روانہ کیا گیا، غزوۂ بنی قینقاع اور غزوۂ سویق پیش آئے، عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔

◉ ...... اسی سال بقرہ عید کی قربانی اور اس کی نماز شروع ہوئی۔

غزوۂ احد

◉ ...... ۱۶ نبوی اور ۳ھ میں کعب ابن اشرف کے قتل کے لئے سریہ محمد ابن مسلمہ روانہ کیا گیا۔

◉ ...... اسی سال حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کی شادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔

◉ ...... غزوۂ غطفان اور غزوۂ بحران پیش آئے۔

◉ ...... سریہ زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ قردہ کی طرف روانہ کیا گیا۔

◉ ...... اسی سال آنحضرت ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بنتِ عمر رضی اللہ عنہ سے نکاح فرمایا نیز حضرت زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔

◉ ...... حضرت حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

◉ ...... غزوۂ احد اور غزوۂ حمراء الاسد پیش آئے۔

Marfat.com

- حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت حسین ؓ کی امید ہوئی۔
- ۱۷ نبوی اور ۴ھ میں قطن کی طرف حضرت ابو سلمہؓ کو ایک سریہ کے ساتھ بھیجا گیا اوران کی وفات ہوئی۔
- اسی سال سفیان بن خالد کے قتل کے لئے حضرت عبداللہ بن انیسؓ کی سرکردگی میں ایک اور سریہ عرنہ کی طرف روانہ کیا گیا۔
- حفاظِ قرآن کا سریہ قراء بئرِ معونہ کی طرف بھیجا گیا اور قصہ رجیع پیش آیا۔
- عمر بن امیہ ضمری کی سرکردگی میں ایک سریہ ابوسفیان کے قتل کے لئے مکہ روانہ ہوا۔
- اسی سال غزوہ بنونضیر پیش آیا۔
- حضرت زینبِ بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔
- غزوہ ذات الرقاع پیش آیا۔
- اسی سال آنحضرت ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا اور بعض حضرات کے نزدیک اسی سال شراب حرام کی گئی۔

پردے کی فرضیت

- ۱۸ نبوی اور ۵ ہجری میں غزوہ دومۃ الجندل پیش آیا اور غزوہ مریسیع ہوا آیت تیمم نازل ہوئی آپ ﷺ نے حضرت جویریہؓ سے نکاح فرمایا۔
- اسی سال واقعہ افک یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ پر بہتان تراشی کا واقعہ پیش آیا۔
- غزوہ خندق اور غزوہ بنی قریظہ پیش آئے، حضرت جابرؓ کی دعوت کا واقعہ پیش آیا۔
- آنحضرت ﷺ نے حضرت زینب بنتِ جحش سے نکاح فرمایا پردے کی آیت نازل ہوئی اور حج فرض کیا گیا۔
- ۱۹ نبوی اور ۶ ہجری میں قرطاء کی طرف حضرت محمد ابن مسلمہؓ کی سرکردگی میں سریہ روانہ کیا گیا، ثمامہ کا واقعہ پیش آیا۔
- غزوہ بنی لحیان اور غزوہ غابہ پیش آئے، غمر کی طرف سریہ عکاشہ بھیجا گیا۔
- ذی القصہ کی طرف حضرت محمد بن مسلمہ ؓ کی سرکردگی میں ایک سریہ روانہ کیا

گیا، محمد بن مسلمہ کے دستے کو جہاں شہید کیا گیا اسی جگہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں سریہ روانہ کیا گیا۔

- ...... جموم کے علاقہ میں بنی سلیم کی طرف سریہ زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ بھیجا گیا۔
- ...... اسی سال حضرت زید ابن حارث ہی کی سرکردگی میں ایک سریہ عمیص کی طرف روانہ کیا گیا، پھر حضرت زید ہی کو ایک اور سریہ کی طرف بھیجا گیا، پھر زید بن حارثہؓ کو ایک سریہ کی سرکردگی میں وادیٔ ام القریٰ کی طرف روانہ گیا۔
- ...... زید ابن حارثہ ہی کی سرکردگی میں ایک سریہ ام قرفہ کی طرف بھیجا گیا۔
- ...... ابو رافع کے قتل کے لئے ایک سریہ عبداللہ ابن عتیک کی سرکردگی میں روانہ کیا گیا، اسیر ابن رزام یہودی کے خلاف ایک سریہ عبداللہ بن رواحہؓ کی کمان میں خیبر کی طرف بھیجا گیا، سریہ زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ حسمی کی طرف روانہ کیا گیا۔

غزوۂ حدیبیہ

- ...... اسی سال غزوۂ حدیبیہ پیش آیا، ظہار کا حکم ہوا، اور شراب حرام قرار دی گئی، ظہار کا مطلب ہے اپنی بیوی کو محرماتِ ابدیہ میں سے کسی کے ساتھ جیسے ماں، بہن، بیٹی وغیرہ سے تشبیہ دینا۔
- ...... اسی سال آپ ﷺ نے حضرت ام حبیبہؓ سے شادی کی۔
- ...... ۲۰ نبوی اور ۷ھ میں مہر کی انگشتری بنوائی گئی، شاہانِ عالم کے نام آپ ﷺ نے اپنے نامہائے مبارک اور قاصد روانہ فرمائے۔
- ...... آنحضرت ﷺ پر سحر کرنے کا واقعہ پیش آیا۔
- ...... غزوۂ خیبر پیش آیا، وادیٔ قرا کا علاقہ فتح ہوا۔
- ...... حضرت ام حبیبہؓ کے ساتھ عروسی ہوئی۔
- ...... بنی ہوازن کی ایک جماعت کے مقابلے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک سریہ روانہ کیا گیا۔
- ...... عمرہ قضا کیا گیا۔

- ...... حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح ہوا۔
- ...... ابن عوجاء کی سرکردگی میں ایک سریہ بنی سلیم کی طرف روانہ کیا گیا۔

اسلام خالد ابنِ ولید رضی اللہ عنہ

- ...... ۲۱ نبوی یعنی ۷ ہجری میں خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان ابن طلحہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا، غالب ابن عبداللہ کی سرکردگی میں ایک سریہ بنی ملوح کی طرف بھیجا گیا، پھر ان ہی کو فدک کی طرف بھیجا گیا جہاں حضرت بشیر ابن سعدؓ کے سریے کے لوگ شہید کئے گئے تھے۔
- ...... اسی سال مسجد میں منبر بنایا گیا، حضرت شجاع ابن وہبؓ کی سرکردگی میں ایک سریہ بنی عامر کی طرف روانہ کیا گیا سریہ ابوقتادہؓ بطنِ اضم کی طرف بھیجا گیا، عبد ابن ابی حدود کی سربراہی میں ایک سریہ غابہ کی طرف روانہ کیا گیا۔
- ...... اسی سال فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا، خالد ابن ولیدؓ کی کمان میں ایک سریہ نخلہ کے مقام پر عزیٰ بت کی طرف بھیجا گیا، عمرو ابن عاصؓ کی سرکردگی میں ایک سریہ سواع نامی بت کو توڑنے کے لئے بھیجا گیا جو بنی ہذیل کا بت تھا، سعد ابن زید اشہلیؓ کی سربراہی میں ایک سریہ منات نامی بت کو ڈھانے کے لئے بھیجا گیا جو اس کا بت تھا، بنی جذیمہ کی طرف سریہ خالد بن ولیدؓ روانہ کیا گیا۔
- ...... پھر اسی سال غزوۂ حنین پیش آیا اوطاس کی طرف ابو عامر کی کمان میں ایک سریہ بھیجا گیا، حضرت طفیلؓ کی سرکردگی میں ایک سریہ ذوالکفین کی طرف روانہ کیا گیا، پھر اسی سال غزوۂ طائف پیش آیا، آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ پیدا ہوئے۔

وفودِ عرب

- ...... آنحضرت ﷺ کے پاس عربوں کے وفود آنا شروع ہوئے اور سب سے پہلے بنی ہوازن کا وفد آیا۔
- ...... اسی سال آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرتِ زینبؓ کی وفات ہوئی۔

Marfat.com

◉ ...... ۲۲ نبوی یعنی ۹ ہجری میں عیینہ ابن حصن فرازیؓ کو بنی تمیم کی طرف بھیجا گیا اور ولید ابن عقبہ ابن معیطؓ کو بنی مصطلق کے پاس روانہ کیا گیا، قطبہ ابن عامرؓ کی سربراہی میں ایک سریہ خثعم کی طرف بھیجا گیا، ضحاک کلابی کو ایک سریہ میں بنی کلاب کی طرف روانہ کیا گیا، اہلِ حبشہ کی طرف علقمہ ابن محرزؓ کی کمان میں ایک سریہ بھیجا گیا، علی بن ابی طالبؓ کو فلس کی طرف بھیجا گیا، اور عکاشہ ابن محصن کو جباب کی طرف بھیجا گیا۔

◉ ...... اسی سال کعب ابن زبیر نے اسلام قبول کیا۔

غزوۂ تبوک

◉ ...... اسی سال آنحضرت ﷺ کے اپنی ازواج کے ساتھ یکسوئی اختیار کرنے کا واقعہ پیش آیا، پھر غزوۂ تبوک پیش آیا، خالد ابن ولید کی کمان میں ایک سریہ تبوک سے اکیدر کی طرف روانی کیا گیا، تبوک سے آپ ﷺ کا نامہ مبارک ہرقل قیصرِ روم کی طرف بھیجا گیا۔

◉ ...... اسی سال مسجد ضرار کو منہدم کیا گیا۔

◉ ...... اسی سال کعب ابن مالک اور ان کے ساتھیوں کا واقعہ پیش آیا۔

◉ ...... اسی سال لعان کا واقعہ ہوا۔

◉ ...... اسی سال بنی ثقیف کے اسلم اور غامدیہ کو زنا کی سزا میں سنگسار کیا گیا۔

◉ ...... نجاشی بادشاہِ حبشہ کی وفات ہوئی، پھر عبداللہ ابن ابی ابن سلول کی موت ہوئی، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حج کیا۔

◉ ...... ۲۳ نبوی یعنی دس ہجری میں عدی ابن حاتم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذؓ ابن جبل کو یمن بھیجا گیا، خالد ابن ولیدؓ کو نجران میں بنی حرث ابن کعب کی طرف بھیجا گیا، حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا گیا جریر ابن عبداللہ بجلیؓ کو ذوالخلصہ کے تباہ کرنے کے لئے بھیجا گیا، پھر ان ہی جریر ابن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو ذی الکلاع کی طرف بھیجا گیا،

Marfat.com

ابو عبیدہ ابن جراح ﷺ کو نجران کے پاس بھیجا گیا، اسی سال بدیل اور تمیم داری کا واقعہ ہوا، آنحضرت ﷺ کی صاحبزادے ابراہیمؑ کی وفات ہوئی، آنحضرت ﷺ حج کے لئے روانہ ہوئے۔

جھوٹے مدعیانِ نبوت

۲۳ نبوی یعنی ۱۱ ھ میں وفدِ نخع حاضر ہوا اسامہ بن زیدؓ کی کمان میں ایک سریہ ابنی کی طرف بھیجا گیا اسی سال اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب کا واقعہ پیش آیا۔ نیز سجاح اور طلیحہ کے واقعات ہوئے۔ (یہ چاروں نبوت کے جھوٹے دعوے دار تھے جن میں سجاح عورت تھی اور باقی مرد تھے)

وفات النبی ﷺ

پھر آنحضرت ﷺ کے مرضِ وفات کی ابتداء ہوئی، مرض وفات کی مدت کے دوران جو واقعات پیش آئے، اور وقتِ مرض، وفات، غسل، تکفین اور پھر آپ کے دفن کے وقت جو واقعات ہوئے وہ سب بھی اسی سال میں ہوئے۔ واللہ اعلم (سیرت حلبیہ)

ثویبہ (رضاعی والدہ)

سب سے پہلے جس عورت نے آنحضرت ﷺ کو دودھ پلایا۔ (یعنی آپ کی والدہ کے بعد) وہ ثویبہ آنحضرت ﷺ کے چچا ابولہب کی باندی تھیں۔ اس عورت کو ابولہب نے اس وقت آزاد کر دیا تھا جب اس نے ابولہب کو آنحضرت کی ولادت کی خوشخبری آ کر دی تھی (آنحضرت ﷺ کی ولادت کے بعد) ثویبہ نے ابولہب سے آ کر کہا:

''کیا آپ کو معلوم ہے کہ تمہارے بھائی عبداللہ کی بیوی کے یہاں لڑکا پیدا ہوا ہے''؟

......یہ سنتے ہی ابولہب نے (خوش ہو کر) کہا کہ تو آزاد ہے۔ (آنحضرت ﷺ کی ولادت سے خوش ہونے کی وجہ سے) ابولہب کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ بدلہ دیا گیا ہے کہ پیر کے دن (جو رسول اللہ ﷺ کی ولادت کا دن ہے) اس کے عذاب میں کمی کی جاتی ہے اور اس کو اس رات میں جہنم میں پانی پلا دیا جاتا ہے۔ یہ پانی اس کو اتنی مقدار میں دیا جاتا ہے جتنا انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کے درمیانی فاصلے میں آ سکتا ہے (یعنی ایک گھونٹ پانی) یعنی اس کے عذاب میں پیر کی رات میں جو کمی ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ اس کہ اتنی مقدار میں پانی پلا دیا جاتا ہے۔

......کہا جاتا ہے کہ ابولہب کے رشتہ داروں میں سے کسی نے (اس کے بھائی حضرت عباسؓ نے) اس کو ایک رات خواب میں (اس کے مرنے کے بعد) بہت بری حالت میں دیکھا۔ حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ ابولہب کی موت کے بعد ایک سال تک میں نے اس کو خواب میں نہیں دیکھا۔ اس کے بعد ایک رات اسے دیکھا تو بہت بُرے حال

Marfat.com

میں پایا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تو وہاں کن حالات سے دوچار ہوا......ابولہب نے جواب دیا کہ تمہارے سے جدا ہونے کے بعد مجھے بالکل سکون نہیں ملا۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ کہ بہت بُرے حالات سے دوچار ہوا۔ پھر اس نے اپنے انگوٹھے اور انگلی سے اسی مقدار کے متعلق اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''بس ثویبہ کو (آنحضرت ﷺ کی پیدائش کی خوشخبری سن کر) آزاد کرنے کے بدلے میں مجھے اتنا پانی پلا دیا جاتا ہے''۔

اس روایت کو حافظ دمیاطیؒ نے بیان کیا ہے۔ کتاب مواہب میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ ابولہب کی موت کے بعد اس کو خواب میں دیکھا گیا۔ دیکھنے والے نے اس سے پوچھا کہ تیرا کیا حال ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں جہنم میں ہوں بس یہ رعایت ہے کہ ہر پیر کی رات میں میرے عذاب میں کمی کر دی جاتی ہے اور مجھے ان دو انگلیوں کے درمیان فاصلے کے برابر پانی پلا دیا جاتا ہے۔ (ابولہب نے اپنے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کی طرف اشارہ کیا) یہ رعایت مجھے اس لئے ملی ہے کہ میں ثویبہ کو اس وقت آزاد کر دیا تھا جب اس نے مجھے نبی کریم ﷺ کی پیدائش کی خوشخبری سنائی اور اس کے بعد اس نے آپ کو دودھ پلایا''۔

......ثویبہ نے آنحضرت ﷺ کو حلیمہ سعدیہ کے آنے سے پہلے صرف چند دن دودھ پلایا ہے اس زمانے میں یہ اپنے بیٹے مُسروح کے دودھ سے تھیں (مُسروح نام کو م کے پیش کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ نور میں اسی طرح لکھا ہے لیکن سیرت شامی نے اس کو م کے زبر کے ساتھ مَسروح لکھا ہے) ثویبہ نے اس سے پہلے آنحضرت ﷺ کے چچا حرث کے بیٹے ابو سفیان کو بھی دودھ پلایا تھا۔ ان ابوسفیان کے حالات گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکے ہیں۔

ابوسفیان وحمزہ آپ کے رضاعی بھائی

......حضرت ثویبہ نے آنحضرت ﷺ اور ابوسفیان کو دودھ پلانے سے پہلے آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب کو بھی دودھ پلایا تھا حضرت حمزہؓ آنحضرت ﷺ سے دوسال بڑے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چار سال بڑے تھے۔ (مگر یہ چار سال والا قول نہائت کمزور ہے) (سیرت حلبیہ)

رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام حلیمہ تھا۔ والد کا نام ابی ذویب اور خاوند کا نام حارث بن عبدالعزیٰ تھا۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تعلق قبیلہ سعد سے تھا جو فصاحت و بلاغت اور بیان کی شیرینی کی وجہ سے مشہور تھا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اللہ نے مجھ کو تمام عرب میں فصیح بنایا ہے۔ ایک تو ہمارا قبیلۂ قریش فصاحت زبان میں بے مثل ہے دوسرے میری پرورش بنی سعد میں ہوئی جو فصاحت و بلاغت میں مشہور و ممتاز ہے۔

حضور سرور کائنات، فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی رشتہ داروں میں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مقام اس لحاظ سے اہم اور قابل فخر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلانے کا سب سے زیادہ شرف حضرت حلیمہ کے حصہ میں آیا ہے۔ انہوں نے لگا تار دو سال تک یہ خدمت سرانجام دی۔ اس کی تفصیل جس پر تمام سیرت نگار اور مورخین اسلام متفق ہیں وہ یہ ہے کہ قریش اور دیگر شرفائے عرب کے ہاں یہ رواج تھا کہ وہ اپنے بچوں کو دودھ پلانے والیوں کے حوالے کرتے تھے۔ اس کی کئی وجوہ تھیں۔ ایک یہ کہ ان کی بیویاں ان کی خدمت کیلئے فراغت پا سکیں۔ دوئم یہ کہ ان کی اولاد صحرائی ماحول میں نشوونما پائے اور انہیں فصیح عربی زبان میں مہارت حاصل ہو جائے۔ سوئم یہ کہ صحرا کا پاک صاف ماحول میسر آئے اور وہ تندرست اور توانا ہوں۔ صحرائی زندگی کی جفاکشیوں اور مشقتوں کے وہ بچپن سے خوگر ہوں۔ چہارم یہ کہ ان کے جد امجد حضرت معد کی جسمانی قوت اور ہڈیوں کی مضبوطی اور اعصاب کی پختگی نے

Marfat.com

اوصاف ان کو ورثہ میں ملیں

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مسلمانوں کو یہ نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ اے مسلمانو! معد کا تن و توش پیدا کرو، مشقت طلبی کو اپنا شعار بناؤ اور اپنے جسم اور اعصاب کو سخت بناؤ، چنانچہ اس وقت کے روساء قریش اور امراء عرب اپنے بچوں کو اپنی ماں کی نرم و گداز آغوش میں پرورش کی بجائے صحرا نشین قبیلوں کے پاس ان کے بچپن کو گزارنا پسند کرتے تھے۔ تاکہ اس کی ریت اور اس کی کھردری پتھریلی زمین کی رگڑوں سے ان کے جسم میں مضبوطی پیدا ہو اور ان کی فصیح و بلیغ زبان سیکھ کر وہ بہترین خطیب اور عمدہ قائد بن سکیں۔

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں نے آپ سے زیادہ کوئی فصیح نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''ایسا کیوں نہ ہو کہ میں قبیلہ قریش کا فرزند ہوں اور میں نے اپنی رضاعت کا زمانہ بنی سعد قبیلہ میں گزارا ہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب ایک ایسی ہی خاتون کی تلاش میں تھے جو ان کے جلیل القدر پوتے کو اپنے ذمہ لے سکے۔ صحرا کی کھلی فضا اور پاکیزہ ہوا میں وہ اس کی پرورش بھی کرے اور جوہر فصاحت کو بھی آب و تاب بخشے۔ اسی دوران بنی سعد قبیلہ کی کچھ خواتین بچے لینے کی غرض سے مکہ آئیں۔ بنی سعد کا قبیلہ بنی ہوازن کی ایک شاخ تھا جو اپنی عربیت اور فصاحت میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ ان خواتین میں حلیمہ سعدیہ بھی شامل تھیں جو اپنے شوہر حارث بن عبدالعزیٰ کے ساتھ اس مقصد کے لئے مکہ آئی تھیں۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود یہ احوال بیان کرتی ہیں۔ فرماتی ہیں:

''وہ سال قحط اور خشک سالی کا سال تھا۔ ہمارے پاس کچھ باقی نہ رہا تھا جس پر گزر اوقات کر سکیں۔ میں ایک سبزی مائل رنگ والی گدھی پر سوار ہو کر اپنے قافلے کے ساتھ نکلی۔ ہمارے ساتھ ایک بوڑھی اونٹنی بھی تھی۔ جس کی کھیری میں دودھ کا ایک قطرہ تک نہ تھا۔ میرا بچہ بھوک کی وجہ سے ساری ساری رات روتا رہتا اور ہمیں ایک لمحہ کیلئے بھی سونا نصیب نہ ہوتا۔ نہ میری چھاتیوں میں اتنا دودھ تھا کہ جس سے وہ سیر ہو سکے اور نہ ہماری اونٹنی کی کھیری میں دودھ تھا جو ہم اس کو پلا سکتے۔ ہم اس امید پر جی رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ

Marfat.com

احسان فرمائے گا۔ بارش برسے گی اور خوشحالی کا زمانہ پھر لوٹ آئے گا۔

میں اس گدھی پر سوار ہو کر اس قافلہ کے ساتھ روانہ ہوئی۔ بھوک کے مارے وہ قدم بھی نہ اٹھا سکتی تھی۔ اس کی وجہ سے پورا قافلہ مصیبت میں مبتلا تھا۔ نہ ہمیں چھوڑ کر وہ آگے جا سکتے تھے اور نہ یہ لاغر گدھی چلنے کا نام لیتی تھی۔ کافی مشکلات کے بعد ہم مکہ پہنچنے میں کامیاب ہوئے اور پھر سب نے بچے تلاش کرنے کیلئے گھر گھر کے چکر لگانے شروع کر دیے۔ بنی سعد کی عورتیں سیدہ آمنہ کے نونہال محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھی گئیں لیکن جب انہیں معلوم ہوتا کہ یہ یتیم ہے تو وہ واپس لوٹ آتیں۔ اصل میں وہ یہ خیال کرتی تھیں کہ اس کا باپ تو ہے نہیں جو ہماری خدمات پر ہمیں انعام وکرام سے مالا مال کر دے۔ بیوہ ماں اور بوڑھا دادا ہماری کیا خدمت کرے گا۔ چند دنوں میں ہر عورت کو بچہ مل گیا لیکن ایک میں تھی جس کی گود خالی تھی۔ میری غربت، تنگدستی اور خستہ حالی کو دیکھ کر کوئی خاندان مجھے اپنا بچہ دینے کے لئے آمادہ نہ ہوتا تھا۔ آخر میں نے اپنے خاوند سے کہا کہ بخدا میں خالی واپس گھر نہیں جاؤں گی۔ میں اس یتیم بچے کو ہی لے آتی ہوں۔ کم از کم خالی گود تو واپس نہیں جاؤں گی۔ میرے خاوند نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ جاؤ اور اس یتیم بچے کو لے آؤ۔

حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ میں گئی اور وہ بچہ لے آئی اور اگر مجھے بھی کوئی اور بچہ مل جاتا تو شاید میں بھی ایک یتیم بچہ کو اٹھا کر نہ لاتی۔ میرے پاس اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ تھا۔ بہت کوشش کے باوجود مجھے کسی دوسری عورت نے بچہ نہیں دیا۔

ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ جب میں مکہ پہنچی تو مجھے حضرت عبدالمطلب ملے۔

انہوں نے پوچھا۔ "تم کون ہو۔"؟

میں نے کہا کہ میں بنی سعد کی ایک خاتون ہوں۔

انہوں نے نام پوچھا تو میں نے بتایا "حلیمہ"۔

یہ سن کر حضرت عبدالمطلب فرط مسرت سے مسکرانے لگے اور فرمایا: "واہ واہ! سعد اور حلم، کیا کہنا یہ وہ دو خوبیاں ہیں جن میں زمانہ بھر کی بھلائی اور ابدی عزت موجود ہے۔"

پھر فرمایا: "میرے ہاں ایک بچہ ہے کسی نے اس کے یتیم ہونے کی وجہ سے اسے

Marfat.com

قبول نہیں کیا۔تم اس یتیم بچہ کو گود لینے کے لئے تیار ہو۔''؟

''کیا تم اس کو دودھ پلانے کے لئے تیار ہو۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی برکت سے تیرا دامن سعادت سے لبریز ہو جائے۔''؟

حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ میں اپنے خاوند سے مشورہ کرنے کیلئے اجازت طلب کی۔اللہ تعالیٰ نے میرے خاوند کے دل کو اس گنج گراں مایہ کے ملنے پر فرحت و سرور سے بھر دیا۔اس نے مجھ سے کہا کہ حلیمہ! دیر نہ کرو۔فوراً جاؤ اور اس بچے کو لے آؤ۔ میں واپس آئی تو حضرت عبدالمطلب کو اپنا منتظر پایا۔ میں نے کہا کہ وہ بچہ مجھے دے دیں۔ میں اس کو دودھ پلانے کے لئے تیار ہوں' وہ مجھے حضرت سیدہ آمنہ کے گھر لے گئے۔سیدہ نے مجھے خوش آمدید کہا اور مجھے اس کمرہ میں لے گئی جہاں یہ نور نظر لیٹا ہوا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم دودھ کی طرح سفید صوف کے کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے۔نیچے سبز رنگ کی ریشمی چادر بچھی ہوئی تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر آرام کر رہے تھے۔کستوری کی مہک اٹھ رہی تھی۔آپ کے معصوم حسن و جمال کو دیکھ کر میں تو فریفتہ ہوگئی۔مجھ میں یہ جرات نہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جگاؤں۔ میں نے اپنا ہاتھ سینہ پر رکھا تو وہ جان جاں مسکرانے لگے اور اپنی سرگیں آنکھیں کھولیں۔ میں نے محسوس کیا کہ ان آنکھوں سے انوار نکل رہے ہیں اور آسمان کو چھو رہے ہیں۔ میں نے بے اختیار دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اٹھا کر اپنے سینہ سے لگا لیا اور اپنے خاوند کے پاس آ گئی۔

حضرت حلیمہ کے بیان کے مطابق ''جب میں اس دولت سرمدی کو اٹھائے ہوئے واپس اپنے خیمہ میں پہنچی تو میں نے دودھ پلانے کے لئے اپنی دائیں چھاتی پیش کی۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پینے سے انکار کر دیا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو الہام کیا کہ تیرا ایک اور بھائی بھی ہے۔اس لئے آپ عدل کریں اور دوسری طرف سے دودھ نہ پئیں۔جس جلیل القدر ہستی نے آگے چل کر سارے جہاں کو عدل و انصاف کا درس دینا تھا اس کا پروردگار یہ کیسے برداشت کرسکتا تھا کہ اس کا اپنا دامن کسی بے انصافی میں ملوث ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ پینے سے قبل حضرت حلیمہ کی چھاتیوں میں برائے نام دودھ تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دودھ پینے کی برکت سے وہ چھاتیاں

Marfat.com

دودھ سے لبریز ہوگئیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی نے بھی خوب سیر ہوکر دودھ پیا۔رات کو وہ بھی خوب گہری نیند سویا۔اس کو سلانے کے بعد میرا خاوند اس بوڑھی اور لاغر اونٹنی کی طرف گیا۔یہ دیکھ کر اس کی حیرت وخوشی کی انتہا نہ رہی کہ اس کی اونٹنی کی کھیری دودھ سے بھری ہوئی ہے۔اس نے اسے دوہا اور جی بھر کر دودھ نوش جاں کیا۔میں نے بھی خوب جی بھر کر دودھ پیا۔ہم سب رات کو گہری نیند سوئے۔وہ رات ہماری زندگی کی آرام و راحت سے بھرپور رات تھی۔رات بھر چین کی نیند سونے کے بعد صبح بیدار ہوئے تو میرے خاوند نے کہا کہ ”بخدا!اے حلیمہ سراپا سعادت یمین وبرکت وجود نصیب ہوا۔“میں نے کہا کہ میں بھی یہی امید رکھتی ہوں۔

خدمت رضاعت کی برکت سے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے اہل خاندان کو جو سعادتیں نصیب ہوئیں ان کا احاطہ ممکن نہیں ہے۔ان کی تنگدستی خوشحالی میں تبدیل ہوگئی۔قحط سالی کے باعث چارہ اور گھاس نہ ملنے کی بنا پر پورے قبیلے کے ریوڑ بھوک سے لاغر ونحیف ہوگئے تھے لیکن حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ریوڑ خشک سالی کے باوجود شام کو واپس آتا تو کھیریوں سے دودھ کی نہریں بہنے لگتیں۔علاوہ ازیں اس خدمت کے بدلے میں جو شہرت دوام آپ کو نصیب ہوئی وہ ہفت اقلیم کے کسی فرمانروا کو بھی نصیب نہ ہوسکی۔ان تمام نعمتوں کے علاوہ سب سے بڑی نعمت جو آپ کو عطا ہوئی وہ ایمان کی دولت تھی جس نے ان کے دونوں جہان سنوار دیے ہیں۔حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سارا خاندان مشرف بہ اسلام ہوگیا۔حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایمان کے بارے میں کتب حدیث وسیرت میں بہت سی روایات وآثار موجود ہیں۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں اور اس روایت کے راوی رجال صحیح کی مانند ہیں۔یہ روایت محمد بن منکدر سے مرسل ہے۔آپ کہتے ہیں کہ ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔وہ عورت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا کرتی تھی۔جب وہ داخل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری ماں!میری ماں!اپنی چادر اٹھائی،اسے بچھایا اور اپنی چادر پر اپنی ماں کو بٹھایا۔

Marfat.com

حافظ مغلطائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایمان کے بارے میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ حافظ ابو محمد المنذری نے مختصر سنن ابی داؤد میں لکھا ہے۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی ماں تھیں وہ اسلام لائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احادیث روایت کیں۔ حافظ ابوالفرج الجوزی رحمۃ اللہ علیہ الحدائق میں لکھتے ہیں یہ حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت الحارث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئیں جب آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کر لی تھی۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی قحط سالی کی شکایت کی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رفیقہ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے بارے میں سفارش کی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کو چالیس بکریاں اور ایک اونٹ بطور ہدیہ عطا فرمایا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد حاضر ہوئیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ایمان لے آئیں اور ان کے خاوند حارث نے بھی اسلام قبول کیا اور دونوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کی۔

قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے اپنی چادر بچھائی اور ان کی حاجت کو پورا کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد جب وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا۔ یعنی ان کے بیٹھنے کے لئے اپنی چادر بچھائی اور در جو انہوں نے مطالبہ کیا اس کو پورا کیا۔ عطاء بن یسار سے مروی ہے کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی ماں تشریف لائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لئے کھڑے ہو گئے اور چادر مبارک بچھائی اور وہ اس پر بیٹھیں۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خاوند کا نام حارث ہے۔ ان کے ایمان لانے کا واقعہ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزول قرآن کے بعد حارث مکہ مکرمہ حضور صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات کے لئے آئے۔ قریش نے انہیں دیکھا اور کہا اے حارث! تم نے سنا کہ تمہارا بیٹا کیا کہتا ہے۔ انہوں نے پوچھا۔ وہ کیا کہتے ہیں۔ کفار نے بتایا کہ وہ کہتا ہے کہ موت کے بعد ہمیں پھر اٹھایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ بنائے ہیں۔ نیکو کاروں کو جنت میں اور بدکاروں کو دوزخ میں بھیجا جائے گا۔ اس نے قوم کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔

حارث حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میرے بیٹے! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم آپ کا شکوہ کیوں کرتی ہے۔ پھر قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں جو کچھ کہا تھا اسے دہرا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک میں ایسا کہتا ہوں۔ جب وہ دن آئے گا میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر آج کی گفتگو تمہیں یاد دلاؤں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد نے حارث کی آنکھیں کھول دیں اور وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے اور اس کے بعد احکام الٰہی کی تعمیل کو اپنا وطیرہ بنا لیا۔
رضاعی ماں کے رشتے کے حوالے سے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا خواتین اسلام میں ایک منفرد اور اعلیٰ مقام سمجھا جاتا ہے۔

Marfat.com

حرث ابن عبدالعزیٰ (رضاعی والد)

حضرت حلیمہؓ ہی سے روایت ہے کہ وہ اپنی بستی سے روانہ ہوئیں ان کے ساتھ ان کا دودھ پیتا بچہ بھی تھا جس کا نام عبداللہ تھا اور ان کے شوہر بھی تھے۔ شوہر کا نام حرث ابن عبدالعزیٰ تھی اور لقب ابوذویب تھا، جیسے کہ ابو کبثہ بھی ان کا لقب تھا۔ انہوں نے اسلام کا زمانہ پایا اور مسلمان ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں امام ابوداؤد نے عمرو ابن سائب سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے رضائی باپ یعنی دودھ کے رشتے کے باپ مجلس میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ فوراً ان کے اعزاز میں کھڑے ہو گئے اور انہیں اپنے سامنے بٹھایا۔

ابن اسحاق سے روایت ہے کہ حرث یعنی آپ کے رضاعی باپ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد مسلمان ہوئے ہیں۔ اس سے بعض علماء کے اس قول کی بھی تائید ہوتی ہے کہ اکثر علماء جنہوں نے صحابہ کرام کے نام جمع کئے ہیں انہوں نے ان میں حرث کا نام شامل نہیں کیا (کیونکہ صحابی وہ کہلاتا ہے جس نے مسلمان ہونے کی حالت میں آنحضرت ﷺ کی زیارت کی ہو)۔

رضاعی باپ کا واقعہ اسلام

......علامہ حلبی کہتے ہیں۔ پہلی روایت جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حرث صحابہ میں داخل ہیں اس کی تائید بظاہر اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ

''یہ حرث مکے میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے ملنے کے لئے اس زمانے میں مکے آئے جبکہ قرآن پاک نازل ہونا شروع ہو چکا تھا، مکے میں ان سے قریش

Marfat.com

کے لوگوں نے کہا۔

''اے حرث! کیا تمہیں معلوم ہے تمہارا بیٹا کیا کہتا ہے''۔

حرث نے پوچھا کیا کہتا ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔

اس کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ مُردوں کو دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے اٹھائے گا۔ اور یہ کہ اللہ کے یہاں دو گھر ہیں جن میں سے ایک میں ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ سزا دیتا ہے جو اس کی نافرمانی کرتے ہیں اور دوسرے میں ان لوگوں کو نیک بدلہ دیتا ہے جو اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ یعنی بُروں کو دوزخ میں عذاب دیتا ہے اور نیکوں کو انعام میں جنت دیتا ہے۔ ان باتوں سے اس نے ہم لوگوں میں پھوٹ اور تفرقہ پیدا کر دیا ہے''۔

حرث یہ سن کر آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے۔

''اے بیٹے! کیا بات ہے تمہاری قوم کے لوگ تمہاری شکایت کرتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ تم ایسا کہتے ہو؟ یعنی لوگ مرنے کے بعد پھر زندہ ہوں گے اور اس کے بعد جنت اور جہنم میں جائیں گے''۔

''آپ نے فرمایا۔ ''ہاں میں ایسا کہتا ہوں۔'' ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ ''ہاں میرا دعویٰ یہی ہے اور ابا جان! اگر آج وہ دن ہوتا تو میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو اس بات کا ثبوت دیتا''۔

یہ سن کر حرث مسلمان ہو گئے اور شریعت کے بہت پابند ہوئے، جب وہ مسلمان ہو گئے تو یہ کہا کرتے تھے۔

''اگر میرا بیٹا اپنی بات کا ثبوت دینے کے لئے میرا ہاتھ پکڑ لیتا تو مجھے جنت میں داخل کئے بغیر نہ چھوڑتا''۔

علامہ حلبیؒ نے اس روایت کے شروع میں کہا ہے کہ بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حرث صحابہ میں داخل تھے۔ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ ہم نے بظاہر کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ اس روایت میں (جہاں حرث کے مسلمان ہونے کا ذکر ہے وہاں) یہ لفظ ہے کہ اس کے بعد حرث مسلمان ہو گئے۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد مسلمان ہوئے، کیونکہ اس روایت میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس سے

Marfat.com

معلوم ہوا کہ وہ آنحضرت ﷺ کی زندگی ہی میں (یا اسی وقت) مسلمان ہو گئے تھے۔

......ابن حجرؒ کی کتاب شرح ہمزیہ میں اس سلسلے میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ حلیمہ کی سعادت اور خوش قسمتی تھی کہ وہ بھی مسلمان ہوئیں، ان کے شوہر بھی اور ان کے بچے بھی مسلمان ہوئے یعنی عبداللہ، شیما اور انیسہ۔

رضاعی ماں باپ کی تکریم

......کتاب اصابہ میں یہ روایت ہے ء کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کپڑا بچھائے ہوئے بیٹھے تھے کہ آپ کے رضاعی باپ حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کے لئے کپڑے کا کچھ حصہ چھوڑ دیا اور وہ اس چپر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد آپ کی رضاعی ماں یعنی حلیمہ حاضر ہوئیں تو آپ نے ان کے لئے چادر کا دوسرا کنارہ چھوڑ دیا اور وہ اس پر بیٹھ گئیں۔ اس کے بعد آپ کے رضاعی بھائی پہنچے تو آپ کھڑے ہو گئے اور آپ ان کے سامنے بیٹھ گئے۔

دودھ شریک بھائی کا اعزاز

......اس روایت کے بیان کرنے والے معتبر ہیں۔ یہاں آپ کے سامنے بیٹھنے سے مراد غالباً یہ ہے کہ آپ کے مقابل بیٹھ گئے اس طرح گویا آنحضرت ﷺ اپنے بھائی کے مقابل یعنی سامنے بیٹھ گئے۔ مطلب یہ ہوا کہ بھائی کو آتا دیکھ کر آنحضرت ﷺ کھڑے ہو گئے اور چادر پر اپنی جگہ بھائی کو بٹھایا اور خود ان کے سامنے بیٹھ گئے آپ نے ایسا اس لئے کیا تا کہ آپ کے رضاعی ماں باپ اور بھائی سب آپ کی چادر پر ہی بیٹھیں۔ واللہ اعلم۔

رضاعی بہن

حضرت شیماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت حارث

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام خدافہ اور عرف شیماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا۔ باپ کا نام حارث بن عبدالعزیٰ بن رفاعہ تھا۔ ماں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔

فضیلت:

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوردسال تھے اور حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نگرانی میں پرورش پا رہے تھے تو شیماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اپنی والدہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلایا کرتیں اور یہ شعر گایا کرتیں۔ (ترجمہ)

> ''یا اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ رکھ۔ یہاں تک کہ ہم ان کو جوان دیکھیں۔ پھر ہم ان کو ایک صاحب عزت سردار دیکھیں۔ اس حال میں کہ ان سے حسد کرنے والے دشمن مغلوب ہوں۔ اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دائمی عزت عطا کر۔''

حضرت شیماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سنِ شعور کو پہنچنے سے پہلے ہی اپنی والدہ کے ہمراہ اپنے قبیلہ میں واپس چلی گئیں۔ سالوں پر سال گذرتے چلے گئے۔ شیماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا گمنامی کی حالت میں اپنے قبیلے میں زندگی بسر کرتی رہیں لیکن ان کی دعا یا ان کا گایا ہوا گیت عملی صورت اختیار کرتا رہا۔ شیماء کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وہ رفعت وعظمت عطا کردی تھی کہ جن وملائک اور کائنات کا ذرہ ذرہ ان کی

Marfat.com

ذات گرامی پر نازاں تھا۔ رمضان 8 ہجری کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا اور شوال 8 ہجری میں غزوۂ حنین پیش آیا۔ بنی ہوازن اور بنی ثقیف نے طائف کی جاگیروں کے لالچ میں چار ہزار جنگوؤں کے ساتھ مکہ پر حملہ کا قصد کیا۔ دوسری طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثاروں کے ساتھ مکہ سے نکل کر وادئ حنین میں اترے۔ ایک خونریز جنگ کے بعد دشمنوں کو شکست فاش ہوئی اور وہ امان کے طالب ہوئے۔ رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو معافی دے دی اور جب قیدی ان کے سامنے پیش کئے گئے تو انہیں بھی آزاد کر دیا۔

گرفتاری اور رہائی

انہی قیدیوں میں شیماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائی گئیں تو عرض کی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم رضاعی بہن ہوں (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں نے حلیمہ کا دودھ پیا تھا)'' اس کے بعد انہوں نے ایک ایسا نشان بتایا کہ ان کی بات میں شک وشبہ کی گنجائش نہ رہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا عہد طفلی یاد کر کے آب دیدہ ہو گئے۔ اور اپنی چادر مبارک زمین پر بچھا کر شیماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نہایت عزت سے بٹھایا۔ پھر ان سے فرمایا ''بہن اگر تم میرے پاس رہنا چاہو تو نہایت آرام سے رہو اور اگر اپنے قبیلے میں واپس جانا چاہو تو اختیار ہے۔''

قبولِ اسلام

حضرت شیماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی اپنے قبیلہ میں ہی گذر گئی تھی۔ انہوں نے واپس جانا چاہا اور ساتھ ہی اسلام قبول کر لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت عزت و اکرام کے ساتھ انہیں اپنے قبیلے میں واپس بھیج دیا اور جاتی دفعہ کچھ روپیہ ایک بکری، تین غلام اور ایک لونڈی ان کو عنایت فرمائے۔ حضرت شیماء کے مزید حالات کتب سیر میں نہیں ملتے۔

Marfat.com

رسولِ اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

آپ کا نام خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا اور لقب طاہرہ۔ ان کے والد خویلد بن اسد اور والدہ فاطمہ بنت زائدہ دونوں قریشی النسل تھے اور یوں خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہ صرف نجیب الطرفین تھیں بلکہ ان کا شجرۂ نسب جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ نسب سے جاملتا ہے۔

شجرۂ نسب

باپ کی طرف سے ان کا شجرۂ نسب یہ ہے۔ خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ ابن قصی (قصی جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد تھے) ماں کی طرف سے ان کا شجرۂ نسب یہ ہے۔ خدیجہ بنت فاطمہ بنت زائدہ بن الاصم بن ہرم بن رواحہ بن حجر بن عبد بن معیص بن عامر بن لوئی۔

(لوئی جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی جداعلیٰ تھے)

غرض دادھیال و ننھیال جس طرف نظر ڈالیں۔ خدیجۃ الکبری رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حسب ونسب نہایت ارفع واعلیٰ ثابت ہوگا۔ آپ کے والد خویلد بن اسد بہت بڑے تاجر تھے اور عرب کے معزز ترین قبائل بنی تمیم اور بنی کعب میں بڑی باعظمت شخصیت کے مالک تھے۔ اپنی خوش معاملگی ودیانت داری کی بدولت وہ تمام اہل قریش میں بیحد اور ہر دلعزیز اور محترم تھے۔

Marfat.com

ولادت باسعادت:

خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ۵۵۵ء میں پیدا ہوئیں۔ بچپن سے ہی آپ نہایت نیک بہادر اور شریف الخیال تھیں۔

پہلی شادی

جب خدیجہ رضی اللہ عنہا سنِ شعور کو پہنچیں تو آپ کی شادی ابو ہالہ نباش بن زرارہ تمیمی سے ہوئی۔ نباش سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دو لڑکے ہوئے۔ ایک کا نام ہالہ تھا جو زمانہ جاہلیت میں ہی مر گیا۔ دوسرے کا نام ہند تھا۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں شمار ہوئے اور جنگ جمل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حمایت میں داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے۔

دوسری شادی

نباش کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دوسری شادی عتیق بن عائذ مخزومی سے ہوئی۔ ان سے بھی ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ہند تھا۔ یہ ہند نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولین صحابیات میں شمار ہوتی ہیں۔ کچھ عرصہ بعد عتیق بن عائذ بھی فوت ہو گئے۔

تیسرا نکاح

ایک روایت کے مطابق حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تیسرا نکاح ان کے ابن عم صیفی ابن امیہ کے ساتھ ہوا۔ اور ان کے انتقال کے بعد انہیں جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف زوجیت حاصل ہوا۔ لیکن بعض دوسری روایتوں میں ہے کہ جناب خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا الکبریٰ کا تیسرا اور آخری نکاح جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے معمولات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ زوجیت میں آنے سے پیشتر خدیجۃ الکبریٰ

Marfat.com

رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی بیوگی کے ایام خلوت گزینی میں گذار رہی تھیں۔ اپنا کچھ وقت خانہ کعبہ میں گذارتیں اور کچھ وقت اس زمانہ کی معزز کا ہنہ عورتوں میں صرف کرتیں اور اس زمانے کے انقلاب پر وقتاً فوقتاً بحث کیا کرتیں۔ قریش کے بڑے بڑے سرداروں نے انہیں نکاح کے پیغامات بھیجے لیکن انہوں نے سب رد کر دیئے کیونکہ پے در پے صدمات نے ان کی طبیعت دنیا سے اُچاٹ کر دی تھی۔

والد کا انتقال

ادھر ان کے والد ضعیف پیری کی وجہ سے اپنی وسیع تجارت کے انتظام سے عاجز آ گئے۔ نرینہ اولاد کوئی زندہ نہ تھی۔ تمام کام اپنی ذہین اور عاقلہ بیٹی کے سپرد کر کے خود گوشہ نشین ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد خویلد کا انتقال ہو گیا۔

تجارت کرنا

خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے تمام کاروبارِ تجارت نہایت احسن طریقے سے جاری رکھا۔ اس وقت ان کی تجارت ایک طرف شام میں پھیلی ہوئی تھی تو دوسری طرف اطراف یمن میں' اس وسیع کاروبار کو چلانے کے لیے انہوں نے ایک بہت بڑا عملہ رکھا ہوا تھا، جو کہ عرب، یہودی اور عیسائی ملازموں اور غلاموں پر مشتمل تھا۔ حسن تدبیر اور دیانت داری کی بدولت ان کی تجارت دن بدن ترقی کر رہی تھی اور اب ان کی نظریں ایک ایسے شخص کی متلاشی تھیں جو بیحد قابل' ذہین اور دیانت دار ہوتا کہ وہ اپنے تمام ملازمین کو اس کی سرکردگی میں تجارتی قافلوں کے ہمراہ باہر بھیجا کریں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تجارت کی دعوت:

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ابھی 25 سال ہی کی تھی کہ ان کے پاکیزہ اخلاق اور ستودہ صفات کا چرچہ عرب کے گھر گھر میں پھیل چکا تھا۔ ساری قوم میں وہ امین کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ یہ ناممکن تھا کہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کانوں تک اس مقدس ہستی کے اوصاف حمیدہ کی بھنک نہ پڑے۔ وہ اپنی تجارت کی نگرانی

Marfat.com

کے لیے ایسی ہمہ صفت موصوف شخصیت کی متلاشی تھیں۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا کہ اگر آپ میرا سامان تجارت شام تک لے جایا کریں تو دوسرے لوگوں سے دوچند معاوضہ آپ کو دیا کروں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں اپنے چچا ابو طالب کی سرپرستی میں تھے۔ انہیں وقتاً فوقتاً حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تجارت کا حال معلوم ہوتا رہتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پیغام منظور فرمالیا اور اشیائے تجارت لے کر عازم بصرہ ہوئے۔ چلتے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ نے اپنا غلام میسرہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیا اور اسے تاکید کی کہ اثنائے سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔

تجارتی سفر کے حالات

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت داری وسلیقہ شعاری کی بدولت تمام سامان تجارت دوگنے منافع پر فروخت ہوگیا۔ دوران سفر میں سردار قافلہ یعنی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیا کہ ہر ایک حضور کا مداح بلکہ جاں نثار بن گیا۔ جب قافلہ مکہ واپس آیا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو میسرہ کی زبانی سفر کے حالات اور منافع کی تفصیلات معلوم ہوئیں تو ان کے دل میں حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شعلے بھڑک اٹھے۔ ان کے دل نے گواہی دی کہ یہ ہاشمی نوجوان وہی نبیٔ آخرالزماں ہے جس کی کتب میں خبر دی گئی ہے۔ اس سے پیشتر انہوں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ آسمان سے ایک چاند ان کی گود میں آگرا۔ جس سے سارا عالم منور ہوگیا۔ جب انہوں نے اپنے خواب کی تعبیر ایک عیسائی عالم سے پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ "اے شریفۂ عرب تمہیں خوشخبری ہو کہ دعائے خلیل ونوید مسیحا پیدا ہو چکے ہیں اور تم ان کے عقد میں آؤ گی۔

نکاح کا پیغام

خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل کی دنیا اب پلٹ چکی تھی۔ چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی لونڈی نفیسہ کی معرفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کا پیغام بھیجا

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایماء پا کر وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچا اور سرپرست عمرو بن اسد کو بلا لائیں۔

نکاح کا خطبہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب اور دوسرے اکابر خاندان کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر تشریف لائے۔ ابو طالب نے نکاح کا خطبہ پڑھا۔ اور 500 درہم طلائی مہر قرار پایا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 25 سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر 40 سال کی تھی۔

پہلی وحی کا نزول

تمام کتب سیر متفق ہیں کہ عورتوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ نکاح کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر گھر سے باہر رہنے لگے۔ کئی کئی روز مکہ کے پہاڑوں میں جا کر معتکف رہتے۔ غرض اسی طرح دس برس کا زمانہ گذر گیا۔ ایک دن اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں معتکف تھے کہ آپ پر وحی نازل ہوئی۔ رب ذوالجلال کے حکم سے جبریل امین علیہ السلام آپ کے پاس تشریف لائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نظریں اوپر اٹھائیں تو اپنے سامنے ایک نورانی صورت کو کھڑے پایا جس کے ماتھے پر بخط نور کلمہ طیبہ رقم تھا۔ جبریل امین علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گلے لگا کر دبایا اور کہا۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ O خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ O اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ O عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ O

''پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جس نے سب کچھ پیدا کیا جس نے انسان کو پانی کے قطرے سے بنایا۔ پڑھ تیرا پروردگار بہت کرم والا ہے کہ جس نے قلم کے ساتھ سکھایا۔ انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔''

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر یہی کلمات جاری ہو گئے۔ بعدازاں حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنا پاؤں زمین پر مارا وہاں سے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔ اس پانی سے پہلے جبریل علیہ السلام نے وضو کیا اور پھر آپ کو وضو کرایا اور نماز پڑھا کر چلے گئے۔

تسلی دینا

اس حیرت انگیز واقعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت بیحد متاثر ہوئی۔ گھر تشریف لائے تو فرمایا'' زَمِّلُوْنِی زَمِّلُوْنِی ''اے خدیجہ! مجھے کمبل اوڑھا دو۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تعمیل ارشاد کی اور پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تھے میں سخت فکر مند تھی اور کئی آدمیوں کو آپ کی تلاش میں بھیجا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام واقعہ بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے من وعن بیان کر دیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ آپ سچ بولتے ہیں غریبوں کے دستگیر ہیں' مہمان نواز ہیں۔ صلہ رحم کا خیال رکھتے ہیں' امانت گذار ہیں اور دکھیوں کے خبر گیر ہیں' اللہ آپ کو تنہا نہ چھوڑے گا۔'' پھر آپ کو ساتھ لے کر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس پہنچیں۔ جو اس زمانہ کا مشہور نصرانی عالم تھا اور گزشتہ الہامی کتابوں توریت' زبور وانجیل میں بہت درک رکھتا تھا۔

ورقہ بن نوفل کا کہنا

بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تمام واقعہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آیا تھا اس کے سامنے بیان کیا۔ ورقہ سب کچھ سمجھ گیا اور پکارا اٹھا۔

''محمد! قسم ہے رب ذوالجلال کی کہ تم خدا کے رسول ہو اور جو غار میں تمہارے پاس آیا وہ خدا کا فرشتہ جبریل علیہ السلام ہے۔ اے کاش میں اس زمانے تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو وطن سے نکال دے گی۔ اس وقت آپ کی مدد کے لئے میں سینہ سپر ہوتا۔''

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی گواہی

ورقہ کی اس گفتگو سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اطمینان ہو گیا اور انہیں یقین

کامل ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منصب رسالت پر فائز ہو چکے ہیں۔ چنانچہ کچھ دنوں بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی کہ:

يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ O قُمْ فَأَنْذِرْ O وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ O (المدثر)

''اے کملی اوڑھنے والے اٹھ اور لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرا اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کر''

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر تشریف لا کر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وحی کے الفاظ پڑھ کر سنائے خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسی وقت عرض کرنے لگیں ''یا رسول اللہ! میں آپ کی رسالت کی گواہی دیتی ہوں، آپ خدا کے سچے رسول ہیں۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه''

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دعائے خیر دی اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے باہر تشریف لے گئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھرپور ساتھ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے بعد خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا 24 سال (یعنی نزول وحی کے بعد 9 سال) زندہ رہیں۔ اس مدت میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر قسم کے روح فرسا مصائب کو نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور آقائے دوجہاں کی رفاقت اور جان نثاری کا حق ادا کر دیا۔

پہلے اسلام قبول کرنے والے:

خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اسلام لانے کے بعد سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقین میں بھی اسلام کی تڑپ پیدا ہوئی۔ نوجوانوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ، بڑوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے پہلے ایمان لائے، ان کے بعد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ، طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، انہیں دیکھ کر

صالح فطرت رکھنے والے دوسرے شرفائے عرب بھی آہستہ آہستہ حلقہ اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اسلام کی وسعت پذیری سے بیحد مسرت حاصل ہوئی تھی۔ اور وہ اپنے غیر مسلم عزیز و اقارب کے طعن و تشنیع کی پرواہ کئے بغیر اپنے آپ کو تبلیغ حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست و باز و ثابت کر رہی تھیں۔ انہوں نے اپنا تمام زر و مال اسلام پر نثار کر دیا تھا۔ ان کی دولت یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری' بے کسوں کی دستگیری اور حاجت مندوں کی حاجت روائی کے لئے وقف ہو چکی تھی۔ ادھر کفار قریش نو مسلموں پر طرح کے مظالم ڈھا رہے تھے اور تبلیغ حق میں ہر طرح کے روڑے اٹکا رہے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے میں انہوں نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔

غمگساری کرنا

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی لایعنی اور بیہودہ باتوں سے کبیدہ خاطر ہوتے تو خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عرض کرتیں۔ "یا رسول اللہ آپ رنجیدہ نہ ہوں۔ بھلا کوئی ایسا رسول بھی آج تک آیا ہے جس سے لوگوں نے تمسخر نہ کیا ہو۔" حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس کہنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت دو چند ہو جاتی تھی۔ غرض ایسے پُر آشوب زمانے میں خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم خیال اور غمگسار تھیں بلکہ ہر موقع پر اور ہر مصیبت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے لیے تیار رہتی تھیں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا۔

> "میں جب کفار سے کوئی بات سنتا تھا اور وہ مجھ کو ناگوار معلوم ہوتی تھی تو میں خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ سے کہتا۔ وہ اس طرح میری ڈھارس بندھاتی تھیں کہ میرے دل کو تسلی ہو جاتی تھی' اور کوئی رنج ایسا نہ تھا جو خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باتوں سے آسان اور ہلکا نہ ہو جاتا تھا۔"

نماز کی کیفیت

عفیف کندی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ زمانہ جاہلیت میں کچھ اشیا خریدنے کے لیے میں مکہ آیا' اور عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبدالمطلب کے پاس ٹھہرا۔ دوسرے دن صبح

Marfat.com

کے وقت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ بازار کی طرف چلا۔ جب کعبہ کے پاس سے گذرا تو میں نے دیکھا کہ ایک نوجوان شخص آیا۔ اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا کر دیکھا اور پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک نوخیز لڑکا آیا جو پہلے جوان کے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ زیادہ دیر نہ گذری تھی کہ ایک عورت آئی اور وہ بھی ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہو گئی' ان تینوں نے نماز پڑھی چلے گئے میں نے عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:

''عباس! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں انقلاب آنے والا ہے۔''

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''ہاں تم جانتے ہو یہ تینوں کون ہیں۔''

میں نے کہا، ''نہیں۔''

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''یہ جوان اور لڑکا دونوں میرے بھتیجے تھے' جوان عبدالمطلب کا بیٹا محمد اور لڑکا ابوطالب بن عبدالمطلب کا بیٹا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔ عورت جس نے دونوں کے پیچھے نماز پڑھی۔ میرے بھتیجے محمد ﷺ کی بیوی خدیجہ بنت خویلد ہے، میرے بھتیجے کا دعویٰ ہے کہ اس کا دین الہامی ہے اور وہ ہر کام خدا کے حکم سے کرتا ہے' لیکن ابھی تک ان تینوں کے سوا کوئی اس دین کا پابند میرے علم میں نہیں ہے۔'' عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ باتیں سن کر میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اے کاش چوتھا میں ہوتا۔

سلیقہ مندی

اس واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کیسے نامساعد حالات میں سرور کائنات ﷺ کا ساتھ دیا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہی ہمدردی' دل سوزی اور جان نثاری تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاں اولاد کی پرورش نہایت حسن وخوبی سے کر رہی تھیں وہاں امور خانہ داری کو بھی نہایت سلیقہ سے نباہتی تھیں' انہیں خوبیوں کی بدولت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں '' کَانَتْ اُمُّ العیال وَرَبَّة البیت'' فرمایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جتنی تعریف خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کرتے تھے اور کسی بیوی کی کبھی نہ کی۔ بعثت سے پہلے اور بعثت کے بعد جو کچھ رسول اللہ صلی علیہ وسلم

Marfat.com

نے فرمایا' حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہمیشہ اس کی تائید وتصدیق کی۔

افضل عورتیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''چار عورتیں دنیا کی تمام عورتوں سے افضل ہیں مریم علیہ السلام بنت عمرا' آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجہ فرعون' خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت خویلد اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔''

چار عورتیں

اسی طرح عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر چار خط کھینچے اور فرمایا ''جانتے ہو یہ کیا ہے''لوگوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ علم ہے۔فرمایا ''چار عورتیں جنت میں تمام عورتوں سے بہتر ہیں۔اول خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت خویلد۔ دوئم فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔سوئم مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت عمران۔ چہارم آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجۂ فرعون۔

دینی فراست

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے دینی فراست بھی کمال درجہ کی عطا کی تھی۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا اللہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر سلام بھیجتا ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ

اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ السَّلَامُ وَعَلٰی جِبْرِیْلِ السَّلَامُ وَعَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ السَّلَامُ.

یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دینی فراست تھی کہ انہوں نے جواب میں

Marfat.com

وَعَلَيْكَ السَّلَامَ نہیں کہا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پہلے تشہد میں اَلسَّلَامُ عَلَی اللّٰہ کہا کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا نام ہی سلام ہے اس کی بجائے اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ کہو۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی خداداد فراست سے سمجھ لیا کہ اللہ پر درود وسلام نہ بھیجنا چاہیے کہ اس سے دعائے سلامتی دینا معلوم ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں بلکہ اس کے لیے ثنا زیبا ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ السَّلام کہا گویا خالق ومخلوق کا فرق بتا دیا۔ اسی طرح آپ نے جبریل علیہ السلام اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی سلام بھیجا اور یہ مثال قائم کی کہ سلام بھیجنے والے اور سلام پہنچانے والے دونوں کے لیے سلامتی کی دعا مانگنی چاہیے۔

وصالِ مبارک:

ہجرت کے تین سال پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طبیعت ناساز ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علاج معالجہ اور تسکین وتشفی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ لیکن موت کا کوئی علاج نہیں۔ ۲۰ رمضان المبارک کو (تین سال قبل ہجرت) ۶۵ برس کی عمر اسلام کی خاتون اول رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سفرِ آخرت فرمایا اور مکہ کے قبرستان حجون میں دفن کی گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وفات کا بے پناہ صدمہ ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ملول رہنے لگے تا آنکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہو گیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول:

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے اتنی محبت تھی کہ جب کوئی قربانی کرتے تو پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہلیوں کو گوشت بھیجتے اور بعد میں کسی اور کو دیتے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کوئی رشتہ دار جب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا تو اس کی بیحد خاطر ومدارات فرمایا کرتے۔

رحلتِ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مدت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف نہ لے جاتے جب تک خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اچھی طرح تعریف نہ کر لیتے۔ اسی طرح جب گھر تشریف لاتے تو ان کا ذکر کر کے بہت کچھ تعریف فرماتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حسبِ معمول خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تعریف کرنی شروع کی۔ مجھے رشک آیا' میں نے کہا ''یا رسول اللہ وہ ایک بڑھیا عورت تھیں خدا نے ان کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بہتر بیوی عنایت کی۔'' یہ سن کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور فرمایا ''خدا کی قسم مجھے خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اچھی بیوی نہیں ملی۔ وہ ایمان لائیں جب سب لوگ کافر تھے۔ اس نے میری تصدیق کی جب سب نے مجھے جھٹلایا۔ اس نے اپنا زر و مال مجھ پر قربان کر دیا۔ جب دوسروں نے مجھے محروم رکھا اور اللہ نے اس کے بطن سے مجھے اولاد دی۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ڈر گئی اور اس روز سے عہد کر لیا کہ آئندہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کبھی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایسا ویسا نہ کہوں گی۔

اولاد پاک اطہار

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھ لڑکے لڑکیاں دیں۔ سب سے پہلے قاسم پیدا ہوئے جو چار برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ پھر زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے بعد عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پھر ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا پھر فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا پیدا ہوئیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو سال کی عمر میں رحلت کی' حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے بچوں کی تربیت نہایت محبت و شفقت سے کی۔

Marfat.com

ام المؤمنین سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

نام:

آپ کا نام حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا۔ آپ کا قد مبارک نکلتا ہوا دراز اور جسم بھاری تھا۔ آپ بلند اوصاف' جلیل القدر' شریف الطبع' نہایت پاکیزہ رحمدل اور سخی سیدہ تھیں کہ جن کو ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بعد امہات المومنین کی فہرست میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

نسب:

ام المؤمنین حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے والد کا نام زمعہ القرشیہ العامریہ تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے۔ سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبدالشمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی۔

آپ کا تعلق قریش کے ایک معزز خاندان عامر بن لوی سے تھا۔ آپ کی والدہ کا نام شموس بنت قیس تھا جن کا تعلق مدینہ منورہ کے مشہور قبیلے بنی النجار سے تھا۔ جو قبیلہ خزرج کی شاخ ہے حضرت سودہ کے نانا ''قیس'' حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم کی بیوی سلمیٰ کے بھائی تھے۔ اسی طرح حضرت رسول پاک کے دادا جناب عبدالمطلب کے اور حضرت سودہ کے ننھیال ایک ہی بنتے ہیں۔

قبول اسلام:

اللہ تعالیٰ نے جب سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے تمام بندوں

Marfat.com

کی طرف بشارت دینے والا اور ڈرانے والا رسول بنا کر بھیجا اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ وحدہ لاشریک کے حکم سے قوم کی بت پرستی اور جاہلیت والی زندگی چھوڑ کر اللہ وحدہ لاشریک کی پرستش اور اسی کی فرمانبرداری والی زندگی کی دعوت کا کام شروع کیا تو پوری قوم آپ کی دشمن ہوگئی لیکن حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے ساتھ ہی سلیم الفطرت اور حق شناس لوگوں نے ابتدائی دور ہی میں محبوب خدا کے گرد جمع ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہونا شروع کر دیا' انہی میں حضرت سودہ بنت زمعہ بھی تھیں۔ جن کا دل پہلے سے ہی نورانی شعاعوں کا متلاشی تھا۔ آپ اوائل بعثت میں ہی بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئیں اور بصد ادب و نیاز عرض کی اے اللہ کے رسول! مجھے بھی اپنے غلاموں اور کنیزوں کی صف میں شامل فرمالیں اور پھر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بیعت لے لی۔ ام المومنین حضرت سودہ کا شمار ان مبارک و مسعود ہستیوں میں ہوتا ہے جنہوں نے اسلام کے ابتدائی دور میں تمام تر مصائب کے باوجود اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی وحدانیت کو حرز جان بناتے ہوئے حق کا بول بالا کیا اور اپنے قول وفعل سے تبلیغ اسلام کی بنیاد رکھی۔ آپ قبیلہ عامر بن لوی کی پہلی خاتون تھیں جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ آپ کی شادی اپنے چچازاد بھائی سکران بن عمرو سے ہوئی وہ قریش مکہ کے ساتھ تھے۔ حضرت سودہ نے مصلحت اس میں سمجھی کہ وہ اپنے اسلام کو ظاہر نہ کرے جس وقت وہ مناسب سمجھتی تو اپنے شوہر سکران کے سامنے ایسی باتیں کرتیں جن سے ان کا دل بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور اسلام کی حقانیت کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ سبحانہٗ کی توفیق سے ان کے شوہر سکران نے بھی کچھ مدت بعد اسلام قبول کرلیا اور پھر دونوں میاں بیوی نے اپنے ایمان اور اسلام کا علانیہ اظہار بھی کر دیا۔ حضرت سودہ نے اپنے میکے اور سسرال میں تبلیغ اسلام کرنا شروع کر دی اس کا اس کے خاندان والوں پر خاطر خواہ اثر ہوا۔ لہٰذا ان کی مساعی جمیلہ سے خاندان کے کئی فرد حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ ان کے اسماء مبارک یہ ہیں۔

(1)......حضرت سکران بن عمرو (شوہر)

(2)......حضرت عبداللہ بن سہیل بن عمرو۔ (دیور کے بیٹے)

(3)......حضرت ابوطالب بن عمرو (دیور)

Marfat.com

(4)......حضرت سلیط بن عمرو (دیور)

(5)......حضرت فاطمہ بنت علقمہ (دیورانی اور حضرت سلیط کی اہلیہ)

(6)......حضرت ابو برہ بن ابی اوہم (رسول پاک کی پھوپھی برہ کے صاحبزادے)

(7)......آپ کے حقیقی بھائی مالک بن زمعہ قدیم الاسلام اور مہاجر حبشہ ہیں۔

(8)......حضرت عمیرہ بنت السعدی (حضرت مالک بن زمعہ کی اہلیہ محترمہ)

ہجرتِ حبشہ:

مسلمانوں کی تعداد روز بروز اضافہ ہونے کی وجہ سے ان پر کفار و مشرکین کی سختیوں اور اذیتوں کے نت نئے دروازے کھلتے رہے۔ مظلوم مسلمان کفار کی سختیاں سہتے سہتے عاجز آ گئے تھے نہ کفار کے خوف سے کہیں چل سکتے تھے اور نہ عبادت کر سکتے تھے اس لئے ان کو ایسی جائے پناہ کی تلاش تھی جہاں وہ کچھ اطمینان و سکون حاصل کر سکتیں۔ اس لئے حضور رحمۃ اللعالمین نے ارشاد فرمایا:

"تم لوگ فی الحال حبشہ ہجرت کر جاؤ وہاں کا بادشاہ رحمدل اور منصف مزاج ہے وہ تم کو آرام سے رکھے گا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پاتے ہی مسلمان ایک خاص تعداد میں ہجرت کے لئے آمادہ ہو گئے اور 11 مردوں اور 4 خواتین کے مصیبت زدہ قافلے نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں حبشہ کی طرف ہجرت کی لیکن اس قافلہ میں حضرت سودہ اور آپ کے شوہر حضرت سکران شامل نہیں ہوئے وہ بدستور کفار مکہ کی سختیاں برداشت کرتے رہے۔ مگر انہوں نے اس کی پرواہ نہ کی اور حضرت سودہ بدستور تبلیغ حق میں میں مصروف رہیں' اندریں حالات حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ایک بار پھر حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی اور اس ہجرت میں 83 مرد اور 20 عورتیں شامل ہوئیں یوں 103 مہاجرین پر مشتمل یہ قافلہ حبشہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس قافلہ میں ام المومنین حضرت سودہ ان کے شوہر حضرت سکران اور آپ کا بیٹا حضرت عبدالرحمٰن شامل تھے۔ اس کے علاوہ قبیلے کی تمام تر مخالفت کے باوجود حضرت سیدہ سودہ کے ساتھ قریبی اقربا نے بھی آپ کے ساتھ ہجرت

Marfat.com

حبشہ کی اور وہاں وطن سے دور حبشہ میں مسلمان بڑے سکون وارام کی زندگی بسر کرتے رہے۔ وہاں اذیت ناک ماحول نہیں تھا۔ کہ جہاں سانس لینا بھی دشوار ہو۔ حضرت سودہ اور ان کا شوہر حضرت سکران عرصہ دراز تک حبشہ میں اطمینان سے زندگی بسر کرتے رہے لیکن اکثر و بیشتر انہیں مکہ کی گلی کوچے یاد آتے تھے جہاں انہوں نے زندگی کا بیشتر حصہ گزارا تھا۔ سب سے زیادہ قلق حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو تھا کہ وہ حضرت رسول پاک کی زیارت سے محروم تھیں۔

چنانچہ حضرت سودہ اور آپ کے شوہر حضرت سکران اوران کے خاندان والے اسلامی ماحول میں امن سے زندگی بسر کرنے کے لئے مکہ مکرمہ واپس آ گئے۔ روایات کے مطابق حبشہ سے واپسی سے کچھ روز بعد آپ کے شوہر سکران انتقال فرما گئے۔ حضرت سکران سے آپ کا ایک بیٹا تھا جن کا نام عبدالرحمن تھا انہوں نے جنگ جلولاء (ایران) میں شہادت پائی۔ حضرت سودہ بیوہ ہو کر کچھ عرصہ والد کے گھر رہیں۔

حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ سے نکاح:

ہجرت مدینہ سے تین سال قبل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ اطہر حضرت خدیجہ کا انتقال ہو گیا تھا اور گھر میں دو چھوٹی بچیاں حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ تھیں جن کی دیکھ بھال کرنے والا گھر میں کوئی نہ تھا سرور کونین اکثر نہایت غمگین اور پریشان رہتے تھے، بن ماں کے بچوں کو دیکھ دیکھ کر آپ کی طبعیت افسردہ رہتی تھی۔ حضور پاک کی اس حالت کو دیکھ کر آپ کے جانثار صحابی حضرت عثمان بن مظعون نے اپنی اہلیہ حضرت خولہ بنت حکیم سے دریافت کیا کہ "تمہاری نظر میں کوئی ایسی خاتون ہے جو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی بچیوں کی بہتر طور پر دیکھ بھال کر سکے اور حضور نبی کریم کے آرام و راحت کا بھی دل جان سے دھیان رکھے تو وہ بولیں کہ "سودہ بنت زمعہ" جو ہے۔ پھر حضرت خولہ بنت حکیم نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد میں ہمیشہ آپ کو اداس دیکھتی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ گھر کا انتظام اور بچوں کی تربیت حضرت خدیجہ کے سپرد تھی۔ حضرت خولہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر تو یقیناً آپ کو ایک رفیقہ حیات کی ضرورت ہے جو سمجھدار اور سلیقہ

شعار ہونے کے ساتھ ساتھ عالی حوصلہ وغمزدہ بھی ہو۔ بچیوں کی تربیت اچھی طرح کر سکے اور آپ کے راحت وآرام کا بھی خیال رکھ سکے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''تم ٹھیک کہتی ہو! ایک عورت ہی ایسے معمولات کو بطریق احسن سرانجام دے سکتی ہے۔ حضرت خولہ نے کہا'' اگر اجازت ہو تو اس معاملے میں پیش رفت کروں۔

حضرت رسول پاک نے دریافت فرمایا کون ہے وہ؟ حضرت خولہ نے عرض کیا سودہ بنت زمعہ سے بہتر اور فی الحال کوئی نہیں ہو سکتی۔ عالی نسب بھی ہے اور عالی حوصلہ بھی۔ ترویج دین کے سلسلہ میں بھی ان کی جدوجُہد آپ کو معلوم ہے کہ انہوں نے اپنے خاندان اور قبیلے کے اندر لوگوں کو حلقہ بگوش اسلام ہونے پر آمادہ وتیار کیا۔ مزید کہا کہ آپ کے نکاح ثانی کے لئے پیغام دوں۔ آپ نے فرمایا ہاں! آپ کے ایما پر وہ حضرت سودہ کے پاس گئیں اور فرمایا کہ سودہ اللہ تعالیٰ نے پر خیر وبرکت کے دروازے کھول دیئے ہیں۔

انہوں نے کہا وہ کیسے؟ سیدہ خولہ نے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی طرف بھیجا ہے تاکہ میں تمھیں ان کی طرف سے شادی کا پیغام دوں۔ حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب میں فرمایا کہ مجھے قبول ہے اور آپ میرے والد سے بات کریں۔ حضرت خولہ نے حضرت سودہ کے والد کے پاس جا کر بات کی تو انہوں نے کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے معزز ہیں لیکن تیری سہیلی کیا کہتی ہیں؟ میں نے کہا وہ اس رشتے کو پسند کرتی ہیں......

یوں نسبت طے پا گئی۔ رمضان 10 نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم چند اصحاب کے ہمراہ زمعہ بنت قیس کے گھر تشریف لے گئے۔ نکاح کی تقریب میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی مالک بن زمعہ بھی موجود تھے۔ زمعہ بن قیس نے اپنی لخت جگر کا حضور رحمۃ اللعالمین سے خود نکاح پڑھایا اور حق مہر 400 درہم مقرر ہوا۔ اس وقت حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 50 سال تھی۔ اور حضرت سودہ کی عمر بھی 50 سال تھی۔

چنانچہ نکاح کے بعد حضرت سودہ باپ کے گھر سے رخصت ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم پاک میں شامل ہو گئیں اور ام المومنین کے خطاب سے نوازی گئیں۔ ازواج مطہرات میں یہ فضیلت صرف حضرت سیدہ سودہ کو حاصل ہوئی کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی

Marfat.com

وفات کے بعد سب سے پہلے آپ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آئیں۔ آپ تقریباً تین سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم پاک میں اکیلی رہیں بعد ازاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طیبہ وطاہرہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے نکاح کرلیا۔

ہجرتِ مدینہ:

ام المومنین حضرت سیدہ سودہ سے نکاح کے بعد حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر کی طرف سے اطمینان ہوا تو یکسو ہو کر تبلیغ اسلام میں مشغول ہو گئے۔ تبلیغ اسلام میں اضافہ کے ساتھ ساتھ ہی کفار مکہ نے سید الانبیاء پر ایذا رسانیوں میں اضافہ کر دیا مگر آپ اللہ وحدہ لاشریک کا پیغام دوسروں تک پہنچاتے رہے اور تمام تکلیفیں خندہ پیشانی اور صبر وتحمل سے برداشت کرتے رہے۔

نبوت کے تیرھویں سال اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہمراہی میں ہجرت فرمائی کیونکہ ہجرت خفیہ طور پر اختیار کی گئی تھی اور ان حالات میں ممکن نہ تھا کہ آپ اپنی زوجہ محترمہ سیدہ سودہ اور دو بچیوں حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ کو ساتھ لے جاتے۔ لہٰذا ان کو مکہ ہی میں رہنے دیا۔ حضرت سیدہ سودہ نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ ہجرت کر جانے کے بعد سات ماہ تک حضرت سیدہ ام کلثوم اور حضرت فاطمۃ الزہرا کی سرپرستی و دیکھ بھال اور حفاظت کی ذمہ داری نہایت محبت اور شفقت سے سرانجام دی۔ ان سات ماہ میں حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی تعمیر مکمل کرائی اور اس کے ساتھ دو حجرے بھی بنوانے شروع کر دیئے ایک سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے لئے اور دوسرا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لئے...... جن کا نکاح حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو ہو چکا تھا لیکن ابھی تک رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ طبقات میں ہے کہ حضرت سیدہ سودہ کے حجرہ مبارک کی چار دیواری کچی اور چھت کھجور کی شاخوں کی تھی۔ اس کی 15 فٹ لمبائی اور 10 فٹ چوڑائی تھی۔ اونچائی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہو تو اپنے ہاتھ سے چھت کو چھو سکتا تھا۔ ایک ہجری رمضان المبارک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابو رفع کو پانچ سو درہم اور اونٹ دے کر مکہ معظمہ بھیجا تا کہ وہ ان کے اہل بیت اور اپنے اہل و

Marfat.com

عیال کو بھی لے آئیں۔ یہ پانچ سو درہم حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے لئے تھے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دونوں جانثار صحابی مکہ مکرمہ پہنچے اوران کے ساتھ حضرت عبداللہ بن اریقط جن کو خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ نے دو باتیں اونٹ دے کر بھیجا اور اپنے بیٹے عبداللہ کو پیغام بھیجا کہ میرے بیوی بچوں کو سوار کر کے مدینہ منورہ لے آئیں۔ یہ تینوں صحابی ایک چھوٹا سا قافلہ جن میں ام المومنین حضرت سیدہ سودہؓ حضرت سیدہ ام کلثومؓ بنت رسول کریم۔ حضرت فاطمہ بن حضرت رسول کریم۔ حضرت ام ایمن حضرت ایمن بن زید بن حارثہ۔ حضرت اسامہ بن زید' حضرت ام رومان (زوجہ محترمہ حضرت ابوبکر صدیق) حضرت عبداللہ بن ابوبکر صدیق' حضرت اسامہ بنت ابوبکر صدیق۔ حضرت سیدہ طیبہ وطاہرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر مشتمل تھا۔ ان سب کو لے کر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ پہنچ گئے اور مسجد نبوی کے ساتھ مشرق کی جانب حجرہ مکمل ہونے پر سید سودہ' حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر اپنے گھر منتقل ہوگئیں۔

مدینہ منورہ میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ گھر مسلمانوں کے لئے مرکز عقیدت اور فیض وہدایت کا منبع بن گیا جہاں سے رشد وہدایت کے چشمے پھوٹتے رہتے۔

حضرت سیدہ سودہؓ کے فضائل ومناقب

ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آئیں۔ آپ نے دو ہجرتیں کیں۔ پہلے حبشہ کی طرف اور دوسری مرتبہ مدینہ منورہ کی طرف۔ اس لئے آپ کو صاحبۃ الہجرتین کہا جاتا ہے۔ آپ اپنے دیگر اوصاف کے علاوہ سخاوت اور فیاضی میں بھی ممتاز تھیں۔ درہم ان کے ہاں نہیں ٹھہرتے تھے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے دنیا سے بے رغبتی اور سخاوت کا شاندار انداز اپناتے ہوئے جلد خرچ کردیا کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سودہ کی خدمت میں درہموں سے بھری تھیلی بھیجی۔ انہوں نے لانے والے سے پوچھا کیا تھیلی میں کھجوریں ہیں؟

Marfat.com

انہیں بتایا گیا کہ یہ درہم ہیں۔ آپ نے فرمایا کھجوریں ہوتی تو کھانے کے کام آتیں یہ کہہ کر تھیلی لے لی اور اس میں بھرے ہوئے سب درہم ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیئے۔

حافظ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا کہ حضرت سودہ دستکاری اور طائف سے آئی ہوئی کالیں بنایا کرتی تھیں اور اس سے جو آمدن ہوتی نہایت آزادی کے ساتھ فقراء و مساکین اور نیک کاموں میں خرچ کر دیتی تھیں۔

حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ انہیں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ کی رات لوگوں کے ہجوم سے پہلے وہاں سے روانگی کی اجازت دی۔

صحیح بخاری میں منقول ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کے سودہ نے حضرت رسول کریم سے مزدلفہ کی رات جلد چلے جانے کی اجازت مانگی کیونکہ وہ بھاری جسم رکھتی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ (بخاری شریف)

ام المومنین سیدہ سودہؓ اطاعت فرمانبرداری میں بھی بہت ممتاز تھیں۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ اس دفعہ تو ہوا آئندہ گھروں میں ہی رہنا۔

چنانچہ سیدہ سودہ نے اس حکم پر سختی سے عمل کیا کہ پھر کبھی حج کے لئے بھی نہ نکلیں۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ میں نے حج اور عمرہ کیا جیسا کہ میرے اللہ نے حکم دیا۔ اب میں گھر میں بیٹھوں گی۔ ام المومنین حضرت سیدہ سودہ کو قدرت کی طرف سے پاکیزہ ظرافت ودیعت تھی اور اکثر حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی باتوں سے ہنسا دیتی تھیں۔ ایک بار آپ نے حضرت رسول اکرم سے کہا ''کل رات کو میں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ اتنی دیر تک رکوع میں رہے کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میری نکسیر نہ پھوٹ جائے اور خون نہ بہنے لگے۔ اس لئے میں نے اپنی ناک پکڑی رکھی۔ آپ نے یہ سن کر تبسم فرمایا۔

ام المومنین حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا خاندان کی ان خواتین میں سے ایک تھیں جنہوں نے احادیث نبوی کو زبانی یاد کیا اور انہیں روایت کر کے لوگوں تک پہنچایا۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے پانچ احادیث

Marfat.com

روایت فرمائیں جن میں سے ایک صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ جسے امام بخاری نے امام شعبی سے اور انہوں نے عکرمہ سے اور انہوں نے عبداللہ بن عباس سے اور انہوں نے حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی سودہ سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ ہماری بکری فوت ہوگئی تو ہم نے اس کا چمڑا رنگ لیا، پھر ہم اس میں نبیذ بناتے رہے یہاں تک کہ وہ چمڑا پرانا ہوگیا۔

اس حدیث کے علاوہ دیگر چار حدیثیں دوسری کتبِ سنن اربعہ میں درج ہیں۔ آپ سے روایتیں نقل کرنے والوں میں صحابہ کرام میں سے حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن زبیر اور تابعین میں سے یحییٰ بن عبداللہ انصاری ہیں

وفات:

ام المؤمنین حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک خاتم النبین کے اپنے پروردگار اللہ وحدہٗ لاشریک کے پاس تشریف لے جانے کے وقت 64 سال تھی اور آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت وقرب 16 سال رہا میسر رہا۔ ام المؤمنین سیدہ سودہ نے خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے آخر میں 19 ہجری کو 72 سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا۔

وصیت:

وصال سے قبل آپ نے اپنے گھر کے متعلق وصیت فرمائی تھی:

''میرے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد میرا گھر ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا جائے''

وصال کے بعد امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق نے ارشاد فرمایا ''مومنوں کی اس مقدس ماں کا جنازہ رات کو اٹھاؤ۔ امیر المؤمنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور آپ کی وصیت کے مطابق جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ جہاں آپ کی قبر مبارک مرجع خلائق ہے۔

صدیقہ کائنات ام المومنین

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

ابتدائی تعارف

آپؓ کا نام عائشہ اور القاب صدیقہ، ام المومنین، اور حمیرا ہیں۔ آنحضرت ﷺ آپ رضی اللہ عنہا کو بنت الصدیق سے بھی یاد فرماتے تھے۔

والدہ کا نام ونسب

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں، جنابہ اُم رومان بنت عامر بن عویمر بن عبد شمس بن عتاب کے بطن سے جنم لیا، آپ والد ماجد کی طرف سے قریشیہ تیمیہ اور ماں کی طرف سے کنانیہ تھیں۔ آٹھویں پشت میں آپ کا نسب آنحضرت ﷺ کے نسب سے مل جاتا ہے۔

ولادت

آپ کی والدہ حضرت اُم رومان کا پہلا نکاح عبداللہ یزدی سے ہوا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد آپ حضرت ابو بکرؓ کے نکاح میں آئیں۔ حضرت ابو بکرؓ سے ان کے دو بچے عبدالرحمٰن اور حضرت عائشہؓ پیدا ہوئے۔ کسی بھی مستند تاریخ میں حضرت عائشہ کی تاریخ ولادت کا ذکر نہیں ملتا۔ تاہم امام محمد بن سعد نے اپنی طبقات میں لکھا ہے کہ آپ کی ولادت نبوت کے چوتھے سال کی ابتدا میں مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو

Marfat.com

وائل کی بیوی نے دودھ پلایا تھا۔ وائل کے بھائی افلحہ حضرت عائشہؓ کے رضاعی چچا کے طور پر کبھی کبھی آپؓ سے ملنے آیا کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ کی اجازت سے آپؓ اُن کے سامنے آتی تھیں۔

بچپن میں حضرت عائشہؓ کی ذہانت کا واقعہ

حضرت عائشہ بچپن ہی سے نہایت ذہین و فطین اور عمدہ ذکاوت کی مالک تھیں۔ لڑکپن میں آپ کھیل کود کی بہت شوقین تھیں۔ محلّہ کی لڑکیاں ہر وقت ان کے پاس جمع رہتیں وہ اکثر ان کے ساتھ کھیلا کرتیں لیکن اس لڑکپن میں بھی آنحضرت ﷺ کا ادب ہر لحاظ سے ملحوظ رہتا۔ ایک مرتبہ عائشہ گڑیا گڑیا کھیل رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ گئے۔ گڑیوں میں ایک گھوڑا بھی تھا جس کے دائیں بائیں دو پَر بھی لگے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا عائشہؓ یہ کیا ہے؟ جواب دیا کہ یہ گھوڑا ہے۔ آپؐ نے فرمایا گھوڑوں کے تو پَر نہیں ہوتے۔ تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کیوں؟ حضرت سلیمانؑ کے گھوڑوں کے پَر تھے، آپ اس بے ساختہ پن پر مسکرا دیئے۔ (مشکوٰۃ)

اسلامی معلومات

اس واقعہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فطری ذہانت کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ رقمطراز ہیں:

''عموماً ہر زمانہ کے بچوں کا وہی حال ہوتا ہے جو آج کل کے بچوں کا ہے کہ سات آٹھ برس تک تو انہیں کسی بات کا مطلق ہوش تک نہیں ہوتا اور نہ وہ کسی کی بات کی تہ تک پہنچ سکتے ہیں۔ لیکن حضرت عائشہؓ لڑکپن کی ایک ایک بات یاد رکھتی تھیں۔ ان کی روایت کرتی تھیں، ان سے احکام مستنبط کرتی تھیں۔ لڑکپن کے کھیل کود میں کوئی آیت کانوں میں پڑ جاتی تو اسے بھی یاد رکھتی تھیں۔ ہجرت کے وقت ان کا سنِ عمر آٹھ برس تھا لیکن اس کم سنی اور کم عمری میں ہوش مندی اور قوتِ حافظہ کا یہ حال تھا کہ ہجرتِ نبوی کے تمام واقعات بلکہ تمام جزوی باتیں ان کو یاد تھیں۔ ان سے بڑھ کر کسی صحابی نے ہجرت کے واقعات کو اسی تفصیل کے ساتھ نقل نہیں کیا ہے۔

شادی

آنحضرت ﷺ کی سب سے پہلی شادی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد سے ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر پچیس برس اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس برس تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہجرت سے تین سال قبل ۶۵ سال کی عمر میں فوت ہوئیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قربانیوں اور پریشان کن حالات میں آنحضرت ﷺ کی خدمت کی سعادت کا جو حصہ وافر آپ کے پاس تھا، اس کی مثال نہیں۔ ہر دکھ اور پریشانی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے لئے غمگسار مونس کا کام دیتی رہیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی تو آپ کی طبیعت پر ان کی جدائی کا بہت بڑا صدمہ تھا۔ آپ پریشان رہتے تھے کہ ایک روز عثمان بن مظعون کی بیوی خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا آپ کے پاس آئیں اور عرض کی، یا رسول اللہ آپ دوسرا نکاح کر لیں۔ آپ نے فرمایا کس سے؟ خولہ نے کہا کہ بیوہ اور کنواری دونوں لڑکیاں موجود ہیں، بس آپ پسند کریں۔ فرمایا وہ کون ہیں؟ خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا بیوہ تو سودہ بنت زمعہ ہیں اور کنواری ابو بکر رضی اللہ عنہ کی لڑکی عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ارشاد ہوا تم ان کی نسبت گفتگو کرو۔ انہی دنوں آنحضرت ﷺ نے خواب دیکھا کہ ایک فرشتہ ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر کوئی چیز آپ کے سامنے پیش کر رہا ہے۔ پوچھا کیا ہے؟ جواب دیا آپ کی بیوی ہے۔ آپ نے کھول کر دیکھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا آنحضرت ﷺ سے نکاح ارادۂ مشیت الٰہی میں مقدر ہو چکا تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا آنحضرت ﷺ سے نکاح ہو گیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۶ برس تھی۔ تاہم رخصتی ۹ برس کی عمر میں ہوئی۔ عرب کی گرم آب و ہوا میں نو دس سال کی لڑکیاں جوان ہو جاتی تھیں۔ اتنی کمسنی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا آنحضرت ﷺ کے گھر آنا گہری حکمتوں اور دینی فوائد سے خالی نہیں۔ بقول حضرت سید سلیمان ندویؒ، کم سنی کی اس شادی کا منشا نبوت اور خلافت کے درمیان تعلقات کی مضبوطی بھی تھی۔ حضرت عطیہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا واقعہ اس سادگی سے بیان کرتی ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا لڑکیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں ان کی نانی آئی ان کو لے گئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آ کر نکاح

Marfat.com

پڑھایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب میرا نکاح ہوا تو مجھ کو خبر تک نہ ہوئی کہ میرا نکاح ہو گیا ہے۔ جب میری والدہ نے باہر نکلنے سے روک دیا اس کے بعد میری والدہ نے مجھے سمجھایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نکاح کے بعد تین برس تک اپنے والدین کے گھر رہیں۔ دو برس تین ماہ مکہ میں اور مدینہ میں سات مہینے ہجرت کے بعد اپنے گھر میں رہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ منورہ میں سات ماہ گزارے، اسی اثنا میں آپ بیمار ہو گئیں۔ بیماری کی شدت کی وجہ سے سر کے بال گر گئے۔ صحت بحال ہوتے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور فرمایا، یا رسول اللہ! آپ اپنی بیوی کو اپنے گھر کیوں نہیں بلا لیتے۔ آپؐ نے فرمایا اس وقت میرے پاس مہر ادا کرنے کی رقم نہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ میری دولت قبول ہو۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ نے بارہ اوقیہ قرض لے کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھجوا دیئے۔ اس کے بعد مدینہ کی عورتیں دلہن کو لینے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر آئیں۔ حضرت اُم رومان رضی اللہ عنہا نے بیٹی کو آواز دی وہ جھولا جھول رہی تھیں۔ ماں نے منہ دھلایا، بال سنوارے، تھوڑی دیر کے بعد آنحضرت ﷺ بھی تشریف لائے۔ اس وقت آپ ﷺ کی ضیافت دودھ سے کی گئی۔ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک سہیلی کہتی ہیں اس وقت میں اس شادی میں موجود تھی۔ آپ ﷺ نے تھوڑا سا دودھ پی کر باقی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف بڑھایا، وہ شرمانے لگیں۔ میں نے کہا رسول اللہ ﷺ کا عطیہ واپس نہ کرو۔ انہوں نے شرماتے شرماتے لے لیا اور تھوڑا سا دودھ پی لیا۔ اس کے بعد آپ کی رخصتی عمل میں آئی۔ یہ شوال ۱ھ کا واقعہ ہے۔ حضرت عائشہؓ کی آنحضرت ﷺ کے ساتھ شادی کے اس واقعہ میں سادگی کا یہ تاریخ ساز واقعہ پوری امت کے لیے عظیم اسوۂ حسنہ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی بھی شوال میں ہوئی اور رخصتی بھی شوال میں ہوئی۔

تعلیم و تربیت

آنحضرت ﷺ کی بعثت سے قبل مردوں میں بھی تعلیم و تعلم کا رواج نہ تھا، عورتوں

Marfat.com

میں کیسے ہوتا۔ اسلام کے آغاز کے وقت قریش کے سارے قبیلہ میں صرف سترہ آدمی پڑھے لکھے تھے، ان میں شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا صرف ایک عورت تھی۔ اسلام کی اشاعت میں انسانوں پر دوسرے احسانات کے ساتھ یہ احسان بھی ہوا کہ عرب میں لکھنے پڑھنے کا عام رواج پڑ گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی اولاد کی تربیت میں اس قدر سخت تھے کہ اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو اس جرم پر کہ انہوں نے مہمان کو جلد کھانا کیوں نہیں کھلایا، مارنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا شادی کے بعد بھی لغزشوں کے باعث باپ سے بہت ڈرتی تھیں۔ کئی موقعوں پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو سخت تنبیہ کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تعلیم و تربیت کا اصلی زمانہ رخصتی کے بعد شروع ہوتا ہے۔ انہوں نے اسی زمانہ میں لکھنا پڑھنا سیکھا۔ قرآن ناظرہ اسی زمانہ میں آپ ﷺ سے پڑھا۔ احادیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے ان کا غلام ذکوان قرآن لکھتا تھا۔ آپ نے تاریخ وادب کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی تھی۔ طب کا فن وفودِ عرب سے سیکھا تھا۔ اطبائے عرب جو نسخے آنحضرت ﷺ کو بتاتے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کو یاد کر لیتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کسی اور کالج اور یونیورسٹی میں داخلہ کی ضرورت نہ تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا کا گھر دنیا کے سب سے بڑے معلمِ شریعت ﷺ سے آراستہ تھا یہی درسگاہ اور تعلیم گاہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم وفضل کا سب سے بڑا ذریعہ تھی۔

گھریلو زندگی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جس گھر میں دلہن بن کر آئی تھیں وہ کسی عالیشان بلڈنگ یا اعلیٰ درجے کی بلند و بالا عمارت پر مشتمل نہ تھا۔ مسجد نبوی ﷺ کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے متعدد حجرے تھے ان ہی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مسکن تھا۔ یہ حجرہ مسجد کی شرقی جانب تھا۔ اس کا ایک دروازہ مسجد کے اندر کھلتا تھا۔ گھر یا حجرہ کا صحن ہی مسجد نبوی ﷺ کا صحن تھا۔ (آج کل اسی حجرہ میں آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما آرام فرما ہیں) آنحضرت ﷺ اسی دروازے سے ہو کر مسجد میں تشریف لے جاتے۔ جب آپ مسجد میں

Marfat.com

اعتکاف کرتے تو سر مبارک حجرے کے اندر کر دیتے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی جگہ بالوں کو کنگھا کر دیتی تھیں۔

حجرہ کی وسعت چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی۔ دیواریں مٹی کی تھیں، چھت کو کھجوروں کی ٹہنیوں سے ڈھانک کر اوپر سے کمبل ڈال دیا گیا تھا کہ بارش کی زد سے محفوظ رہے۔ بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہوتا تو ہاتھ چھت کو لگ جاتا۔ گھر کی کل کائنات ایک چارپائی، ایک چٹائی، ایک بستر، ایک تکیہ (جس میں کھجوروں کی چھال بھری ہوئی تھی)، آٹا اور کھجوریں رکھنے کے لئے دو برتن تھے، پانی کے لئے ایک بڑا برتن اور پانی پینے کیلئے ایک پیالہ تھا۔ کبھی کبھی راتوں کو چراغ جلانا بھی استطاعت سے باہر تھا۔ چالیس چالیس راتیں گزر جاتیں اور گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا۔

بارگاہِ الٰہی کی طرف سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صفائی

آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ جب بھی کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو آپ ﷺ کی ایک بیوی خدمت گزاری کیلئے ساتھ ہوتی۔ ہر مرتبہ قرعہ اندازی ہوتی، جس بیوی کا نام نکلتا اسے ساتھ لے جاتے۔ دو غزوات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے ہمراہ تھیں۔ غزوہ بنی مصطلق اور غزوہ ذات الرقاع۔ اول الذکر غزوہ سے واپسی پر ایک جگہ قافلہ نے پڑاؤ ڈالا۔ رات کے اندھیرے اور وزن کے کم ہونے کی وجہ سے قافلہ والوں کو علم نہ ہو سکا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اونٹ کے کجاوا پر موجود ہیں یا نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو قضائے حاجت سے فراغت میں تاخیر ہوگئی، ادھر قافلہ رخصت ہو گیا۔ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا پیچھے بھاگنے کی بجائے قافلہ کے قیام کی جگہ پر ہی لیٹ گئیں۔ حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ جن کی ڈیوٹی قافلہ کی گری پڑی اشیاء کی نگہداشت تھی، تھوڑی دیر کے بعد یہاں پہنچے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انہوں نے اونٹ میرے قریب بٹھا دیا اور "انا للہ" پڑھا۔ میں سوار ہوگئی۔ اس لفظ کے علاوہ پورے راستہ میں ان کی زبان سے کوئی لفظ میں نے نہیں سنا۔ اخلاق و کردار کے لحاظ سے ایسا پاکباز انسان میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ ادھر مدینہ منورہ میں منافقین نے طوفان اٹھا دیا۔ چاروں

طرف من گھڑت خبروں اور بے بنیاد الزام لگائے جانے لگے۔ آنحضرت ﷺ تک یہ بات پہنچی تو آپ بھی پریشان ہو گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر حضرت صفوان کے ہمراہ تنہا سفر کو غلط رنگ دیا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر تشریف لے گئیں۔ (تفصیل کیلئے حضرت سید سلیمان ندویؒ کی کتاب ''سیرت عائشہؓ'' ملاحظہ کی جا سکتی ہے) الزام کی صفائی اور تحقیق کے لئے آنحضرت ﷺ کو صحابہ کرامؓ کا اعلیٰ سطحی اجلاس مسجد نبویؐ میں طلب کرنا پڑا۔ بالآخر حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق وحی الٰہی کے انتظار کا فیصلہ ہوا۔ اگلے ہی روز درج ذیل آیات قرآنی نازل ہوئیں تو آنحضرت اور حضرت ابو بکرؓ سمیت تمام صحابہؓ کے چہرے خوشی سے ٹمٹما اٹھے۔

ترجمہ:۔ ''جن لوگوں نے یہ افترا باندھا ہے وہ تم ہی میں سے کچھ لوگ ہیں۔ تم اس کو برا نہ سمجھو بلکہ اس میں تمہاری بہتری تھی (کہ مومنین اور منافقین کی تمیز ہو گئی) ہر شخص کو حصہ کے مطابق گناہ اور جس کا اس میں بڑا حصہ تھا اس کو بڑا عذاب ہوگا۔ جب تم نے یہ سنا تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے بھائی اور بہنوں کی نسبت نیک گمان کیوں نہیں کیا؟ اور کیوں نہیں کہا کہ یہ صریح تہمت ہے اور کیوں نہیں ان افترا پردازوں نے چار گواہ پیش کئے اور جب گواہ پیش نہیں کئے تو خدا کے نزدیک جھوٹے ٹھہرے۔ اگر خدا کی عنایت و مہربانی دین و دنیا میں تمہارے شامل حال نہ ہوتیں تو جو افواہ تم نے اڑائی تھی اس پر تم کو سخت عذاب پہنچتا۔ جب تم اپنی زبان سے اس کو پھیلا رہے تھے اور منہ سے وہ باتیں نکال رہے تھے جس کا تم کو علم نہ تھا اور تم اس کو ایک معمولی بات سمجھ رہے تھے۔ حالانکہ خدا کے نزدیک وہ بڑی بات تھی، تم نے سننے کے ساتھ یہ کیوں نہیں کہا کہ ہمیں ایسی ناروا بات منہ سے نہیں نکالنی چاہئے۔ خدا پاک ہے یہ بہت بڑا بہتان ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صفائی میں سترہ قرآنی آیات کا اترنا تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عظمت اسلامی تاریخ کا حصہ بن گئی۔ اسی طرح غزوۃ الرقاع کے موقع پر بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے تیمم کا قرآنی حکم نازل ہوا۔

Marfat.com

''اگر تم بیمار ہو، یا سفر میں ہو، یا حاجت ضروری سے فارغ ہوئے ہو یا عورت سے مقاربت کی ہے اور تم پانی نہیں پاتے تو پاک مٹی کا قصد کرو اور اس سے کچھ منہ اور ہاتھ پر پھیر لو۔ اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔''

اس طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کے احسان سے اُمتِ محمدیہ قیامت تک سبکدوش نہیں ہوگی۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قصہ افک کے علاوہ دوسرے فضائل نہ ہوتے تب بھی قصہ افک ان کی فضیلت اور بزرگی کے مرتبہ کے لئے کافی ہوتا۔ اس لئے کہ اس کے بارے میں قرآن نازل ہوا ہے جو قیامت تک تلاوت ہوتا رہے گا۔

آیتِ تیمّم کا نزول...... سیدہ عائشہؓ کی خصوصی برکت

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برکات میں سے ایک آیت تیمّم کا نزول بھی ہے جو انہی کے سبب مسلمانوں کی آسانی کے لئے نازل ہوا۔ امام بخاریؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے نقل کیا ہے وہ فرماتی ہیں:

''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی سفر میں تھے جب ہم ''بیداء مقام'' یا ذات الجیش پر پہنچے تو میرا ہار ٹوٹ گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ڈھونڈنے کے لئے قافلہ روک لیا، سب لوگ رک گئے، وہاں پانی بھی نہیں تھا اور نہ ہی لوگوں کے پاس تھا۔ تو لوگوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہا کہ: ''آپ دیکھ رہے ہیں کہ عائشہؓ نے کیا کیا ہے؟ اس نے نبی کریم ﷺ سمیت سب لوگوں کو رکوا لیا ہے اور نہ یہاں پانی ہے اور نہ ہی لوگوں کے پاس ہے۔'' یہ سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے اور آنحضرت ﷺ میری ران پر سر رکھے سو رہے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مجھے خوب ڈانٹا اور کہا: ''خوب! کیا کہنے تمہارے'' اور انہوں نے مجھے پہلو میں کونچیں بھی ماریں مگر رسول اللہ ﷺ کے آرام فرمانے کی وجہ سے میں ہلنے سے باز رہی۔ پھر آنحضرت ﷺ بیدار ہوئے اور صبح ہو گئی اور پانی نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے تیمّم کی آیت نازل فرمائی۔ (صحیح بخاری ج ۶ ص ۶۴۔ مزید دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۱۔ سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۱۷۰۔ الفتح الربانی ج ۲۲ ص ۱۲۳)

Marfat.com

امام ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے رخصت نازل فرمائی تو سیدنا ابوبکرؓ تشریف لائے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہوئے:

''خدا کی قسم میری بیٹی تو بہت مبارک ہے۔''

تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس روکنے کی برکت سے مسلمانوں کو کیا برکت اور آسانی میسر فرمائی ہے۔

حضرت اسید بن حضیرؓ نے اس موقع پر تاریخی کلمات ادا کئے، فرمانے لگے:

''اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے تم میں برکت عطا فرمائی ہے اے آل ابی بکر! تم لوگ مسلمانوں کے لئے برکت ہی برکت ہو۔''

اور جب آیتِ تخییر (جس میں اُمہات المومنین کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا یا رسول اللہ ﷺ میں سے کسی ایک کو چننے کا اختیار دیا تھا) نازل ہوئی تو اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کردار برکت، قناعت اور پاک دامنی کو ظاہر کرنے والا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی سے پوچھنے کی ابتدا کی (یہ ان کے مرتبہ اور بزرگی کی وجہ سے تھا) آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک بات کہنے لگا ہوں تم اس کا جواب دینے میں جلدی نہ کرنا۔ حتیٰ کہ اپنے والدین سے مشورہ کرلو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اے نبی اپنی ازواج سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دے کر رخصت کردوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کو چاہتی ہو تو اللہ تعالیٰ نے بھلائی کرنے والیوں کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔'' (الاحزاب)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے انہیں کہا کہ میں کس بارے میں اپنے والدین سے مشورہ کروں؟ میں تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اختیار کرتی ہوں۔ پھر فرماتی ہیں کہ باقی ازواج نے بھی یہ کیا جو میں نے کیا تھا۔

محبوب کی جدائی

برکت اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کے تمام ادوار میں

Marfat.com

موجود رہی خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گزاری ہوئی زندگی میں انہیں عظیم شرف حاصل ہوا اور وہ شرف آنحضرت ﷺ کی خدمت اور آخری مرض میں ان کے حجرے میں ہونا، جو تمام دوسری ازواج مطہرات کی اجازت کے ساتھ تھا، انہوں نے اجازت دے دی تا کہ آپ جہاں پسند فرمائیں وہاں مقیم رہیں۔ اور پھر رسول اللہ ﷺ کی وفات بھی انہی کے حجرے ہی میں ہوئی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وفاتِ نبی کو روایت کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور شرف میں سے مجھے ایک یہ شرف نصیب ہوا کہ رسول اللہ ﷺ میرے حجرے میں میرے دن میں میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے فوت ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی وفات کے وقت ان کے اور میرے تھوک کو جمع فرما دیا، وہ یوں کہ میرے ہاں عبدالرحمٰن (حضرت عائشہؓ کے بھائی) آئے، ان کے ہاتھ میں مسواک تھی اور آپ ﷺ مجھ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ مسواک کی جانب دیکھ رہے ہیں تو میں سمجھ گئی کہ آپ ﷺ مسواک کرنا چاہ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا میں مسواک لوں؟ تو آنحضرت ﷺ نے اشارے سے ہاں کہی، میں نے مسواک لی تو وہ آپ ﷺ کو سخت محسوس ہوئی۔ میں نے پوچھا اسے نرم کر دوں؟ آپ ﷺ نے اشارے سے "ہاں" فرمایا تو میں نے انہیں نرم کر کے دی اور میرے سامنے ایک پانی سے بھرا کٹورا تھا، آپ اس میں بار بار ہاتھ ڈال کر گیلے ہاتھ کو چہرے پر لگاتے، فرماتے: لا الٰه الا اللّٰه اِنَّ لِلموتِ سکرات ...... کہ موت کے اثرات ہوتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے ہاتھ اونچا فرمایا اور ارشاد فرمایا "فی الرّفیق الاعلیٰ"...... حتیٰ کہ روح قبض ہو گئی اور ہاتھ نیچے ہو گیا۔

یہ حدیث بخاری شریف میں ہے اور دیکھئے البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۴۰۔ دلائل النبوۃ بیہقی ج ۷ ص ۲۰۷

نبی کریم ﷺ کی وفات ایسا سانحہ تھا جس نے عقلوں کو بیکار کر دیا اور دل پھٹنے لگا اور نفوس اپنی حالت کھو بیٹھے اور لوگ ان کی حالت کے بارے میں متحیر ہو گئے۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ثابت القلب اور ہوش میں رہیں، اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ثابت القلب اور ہوش مند رہے اور ان دونوں صدیقین کا کردار نا قابل فراموش ہے۔

نبی کریم ﷺ "بیتِ صدیقہ" میں مدفون ہوئے تو انہیں دونوں جہانوں کا شرف

Marfat.com

حاصل ہو گیا اور ان کا حجرہ قیامت تک کے لئے نبی کریم ﷺ پر درود و سلام پڑھنے آنے والوں کے لئے قبلہ بن گیا۔

ان فضائل میں سے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت تھے یہ ہے کہ آپ نے خواب دیکھا کہ تین چاند ٹوٹ کر ان کے حجرے میں آن گرے ہیں۔ تو اس پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تیرا خواب سچا ہوا تو تیرے گھر میں اہل زمین میں سے سب سے افضل لوگ دفن ہوں گے۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے (دفن کے بعد) انہیں فرمایا کہ ''یہ ان چاندوں میں سے ایک ہے اور سب سے افضل ہے۔'' (انساب الاشراف ص ۵۷۲)

پھر اس کے بعد خود حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اس میں دفن ہوئے، یوں تین چاند پورے ہو گئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر ہونے والی برکات میں ایک یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر اور حجرے کو پسند فرماتے تھے۔ اسی بارے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''ہر نبی کی اپنی محبوب ترین جگہ پر وفات ہوتی ہے۔'' اور یہی ہوا۔

حضرت عائشہؓ اور حدیثِ رسول اللہ ﷺ

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اتنے فضائل ہیں جن کا شمار نہیں، یہ ان سات افراد میں شامل ہیں جن سے حدیثِ رسول اللہ ﷺ بہت زیادہ تعداد میں مروی ہیں۔ انہوں نے براہِ راست آنحضرت ﷺ سے حدیث حاصل کی اور آنحضرت ﷺ کی فعلی نقل کرنے میں ان کا بڑا حصہ ہے اور اسی طرح ان کی تعلیم میں۔

اسی طرح ان کا حجرہ دنیا میں حدیث شریف کی تعلیم کا پہلا مدرسہ شمار کیا جاتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود نبی کریم ﷺ سے برکتوں والا پاکیزہ علم حاصل کیا اور اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عمرو الاسلمی اور جدامہ بنت وہب سے ان علوم کو حاصل کیا اور خود ان

سے ایک کثیر مخلوق نے جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا علم کی خوشہ چینی کی۔ امام ذہبیؒ نے ان روایات کی تعداد ذکر کی ہے جو صحابہ، تابعین، اہل بیت اور خدام بیتِ نبوی پر مشتمل ہے اور وہ تقریباً سو تک جا پہنچتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرویات کی تعداد دو ہزار دو سو دس ہے۔ بخاری و مسلم نے ان کی ایک سو چھہتّر روایات پر اتفاق کیا ہے اور صرف بخاریؒ چوّن (۵۴) احادیث میں منفرد ہیں اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اُنہتر روایات اکیلے ذکر کی ہیں۔

اور آنحضرت ﷺ سے کثرت سے روایات نقل کرنے والے صحابہ کا ذکر فائدے سے خالی نہ ہوگا۔ یہ وہ ہیں جن کی روایات ہزاروں میں ہیں:

۱۔ سیدنا ابوہریرہ عبدالرحمٰن بن صخر الدوسی رضی اللہ عنہ...... ان سے پانچ ہزار تین سو چھہتر احادیث مروی ہیں۔

۲۔ سیدنا عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ...... ان سے دو ہزار چھ سو تیس احادیث مروی ہیں۔

۳۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ...... ان سے دو ہزار دو سو چھیاسی احادیث مروی ہیں۔

۴۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا...... ان سے دو ہزار دو سو دس احادیث مروی ہیں۔

۵۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ...... ان سے ایک ہزار چھ سو ساٹھ احادیث مروی ہیں۔

۶۔ سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ...... ان سے ایک ہزار پانچ سو چالیس احادیث مروی ہیں۔

۷۔ سیدنا سعد بن مالک یعنی حضرت ابوسعید الخذری رضی اللہ عنہ...... ان سے بھی ایک ہزار پانچ سو چالیس احادیث مروی ہیں۔

حضرت عائشہ کا تفقہ اور علم

امام ذہبی رحمہ اللہ نے اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے

Marfat.com

میں لکھا ہے کہ آپ امتِ مسلمہ کی خواتین میں علی الاعلان سب سے زیادہ فقیہ تھیں۔

اور یہ بات حقیقت پر ہی مبنی ہے کیونکہ ان کی نشو ونما سچائی کے گھر میں ہوئی اور زندگی نبوت کے گھر میں گزری اور یہ نبوت کے صاف اور خالص چشمے سے سیراب ہوئیں۔ اسبابِ نزولِ قرآن کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کا حجرہ میں وحی اُترنے کی جگہ تھی۔ تو اس میں کوئی تعجب نہیں کہ وہ امت کی خواتین میں سب سے زیادہ فقیہ ہوں۔ اسی وجہ سے ان کا علم پھیلا اور ان کا فضل شہروں میں پھیلا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرائض (وراثت) سنن اور فقہ کی معرفت میں سب سے فوقیت لے گئیں۔

امام مسروق رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا حضرت عائشہ فرائض (وراثت) کے مسائل بخوبی جانتی تھیں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے مشائخ کو ان سے وراثت کے مسائل پوچھتے دیکھا ہے۔

اور حضرت عروہ بن زبیر ﷺ (جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے) کے بارے میں حضرت قبیصہ بن ذویبؒ نے رشک کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہونے میں ہم پر غلبہ رکھتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لوگوں میں سب سے بڑی عالمہ تھیں۔

ان کا زہد اور کرم

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زہد کے اعلیٰ درجات پر دنیا سے اعراض اور عبادات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی وجہ سے فائز ہو چکی تھیں اور وہ ایسی ہی تھیں جیسا کہ ابونعیم اصبہانی نے ''حلیۃ الاولیاء'' میں لکھا ہے کہ وہ دنیا سے بیزار اور اس کی رنگینیوں سے بے خبر اور اپنی محبوب چیز یعنی اعمال کے کھونے پر رونے والی تھیں۔

وہ زہد میں ضرب المثل تھیں جس طرح سخاوت میں ضرب المثل تھیں۔ دیکھا کہ ان کی پیشانی عرق آلود ہے اور ان کے پسینے سے نور پھوٹ رہا ہے۔ تو انہوں نے ابوکبیر الہذلی شاعر کے کلام سے اس کی مثال دی:

Marfat.com

واذا نظرتُ الی اسرّۃ وجھہٗ
برقت بروق العارض المتھلل

''اور جب میں اس کے چہرے کے خدوخال پر نظر ڈالتا ہوں تو وہ چمکتے بادل کی روشنی ہوتا ہے۔''

فضائل عائشہ صدیقہ

حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو وہ واضح فضائل حاصل تھے جو مسلم خواتین میں سے کسی کو حاصل نہیں ہوئے اور ان فضائل میں سے ہر فضیلت ایسی ہے جو کسی بھی عورت کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچادے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جو فضائل حاصل ہوئے ہم ان کی بابت خود انہی کی زبانی معلوم کرتے ہیں۔ فرماتی ہیں کہ مجھے تو فضائل ایسے ملے جو بی بی مریم بنت عمران کے علاوہ کسی اور کو نہیں دیئے گئے۔

۱۔ جبرئیل علیہ السلام میری تصویر لے کر اترے اور حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم ہوا کہ وہ مجھ سے نکاح کریں اور مجھ کنواری سے نکاح فرمایا اور میرے علاوہ کسی کنواری سے نکاح نہیں فرمایا۔

۲۔ آنحضرت ﷺ کی روح قبض کی گئی اس وقت ان کا سر میری گود میں تھا۔

۳۔ اور میرے حجرے میں آنحضرت ﷺ کی قبر بنائی گئی۔

۴۔ ملائکہ (فرشتے) میرے گھر میں آتے جاتے اور میں آنحضرت ﷺ کے لحاف میں ہوتی اور وحی نازل ہو جاتی۔

۵۔ میں ان کے خلیفہ اور صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہوں۔

۶۔ میری پاکیزگی کی گواہی آسمان سے نازل ہوئی۔

۷۔ مجھے پاک چیزوں میں بہترین خلقت میں ڈھالا گیا۔

۸۔ مجھ سے مغفرت اور رزقِ کریم کا وعدہ کیا گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضائل میں ایک نبی کریم ﷺ کی ان سے مشہور

Marfat.com

محبت اور اس پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ صحابہ کرام اپنے ہدایا عام طور سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری والے دن بھیجا کرتے تا کہ آنحضرت ﷺ خوش ہوں اور جب کسی کے پاس ہدیہ کی چیز بھی موجود ہوتی تب بھی وہ اس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری والے دن کے لئے مؤخر کیے رکھتا۔ تو بعض ازواجِ نبی ﷺ نے اس بات کا تذکرہ جناب اُم المومنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں کہ وہ لوگوں کو ہدایت کریں کہ نبی کریم ﷺ جہاں بھی ہوں وہاں انہیں ہدیہ بھیجا جائے۔ تو یہ بات حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ کے گوش گزار کر دی تو آپ ﷺ خاموش رہے، انہوں نے دوبارہ کہی پھر بھی آپ ﷺ خاموش رہے، جب تیسری مرتبہ کہی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے اُم سلمہ! مجھے عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے بارے میں تکلیف مت دو، پس خدا کی قسم میں جب تم میں سے کسی کے لحاف میں ہوتا ہوں تو مجھے وحی نہیں آتی سوائے عائشہ کے۔

(یہ حدیث بخاری و مسلم میں ہے۔ مزید دیکھئے صفوۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۱۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقام و مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے معلوم ہوسکتا ہے، اور یہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے انعامات میں سے شمار کیا جا سکتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود ان نعمتوں کے بارے میں فرماتی ہیں کہ:

"اللہ نے مجھے بہت ساری خصوصیات دیں، ان میں سے ایک یہ کہ آنحضرت ﷺ کی وفات میرے حجرے میں میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے ہوئی۔" (یہ حدیث بھی متفق علیہ ہے)

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بہت سی خصوصیات ہیں اور انہی خصوصیات کی بناء پر رسول اللہ ﷺ کے ہاں ان کا مرتبہ بہت بلند تھا اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہی فضیلت بتلاتے ہوئے فرمایا کہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہے۔ (مسلم شریف)

نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت میں ارشاد فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت دوسری عورتوں پر ایسی ہے جیسے کہ ثرید کی فضیلت دوسرے کھانوں پر۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ آنحضرت

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بنی قریظہ میں تھیں، وہاں جبریل علیہ السلام نے انہیں سلام پیش کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''اے عائشہ! یہ جبریل ہیں اور یہ تمہیں سلام کہہ رہے ہیں۔''

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا، وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ۔ یا رسول اللہ! آپ وہ کچھ دیکھتے ہیں جو ہم نہیں دیکھ سکتے۔

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضائل محدود نہیں ہیں اور ان کے لئے یہ فضیلت کافی ہے کہ قرآن خاص طور سے انہی کی وجہ سے بھی نازل ہوتا رہا، اس سے بڑی فضیلت ہو ہی نہیں سکتی۔

حضرت عائشہؓ کے جہادی کردار کی جھلکیاں

ان صفحات میں سیرت اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا میں شامل ہونے والی برکات میں سے وہ مہکتے دمکتے لمحات ہیں جو اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں گزارے۔

اور جو بات حیرت سے ٹھٹکنے پر مجبور کر دیتی ہے وہ یہ ہے کہ اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک عام خاتون کی طرح جہاد میں شریک ہوتیں اور یہ شرکت ان حدود میں ہوتی جو شرع نے جائز رکھی ہیں۔ مثلاً پانی پلانا، مریضوں کی مرہم پٹی اور کھانا وغیرہ تیار کرنا۔ وغیرہ

غزوۂ اُحد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پانی اپنی گردن پر رکھ کر مجاہدین کو پلانے کے لئے لاتیں۔ یہ اس وقت ''صغیر السن'' تھیں لیکن پہلی مرتبہ اس غزوہ میں شریک ہوئی تھیں۔ حضرت انس بن مالک ؓ اُم المومنین کی اس غزوہ میں کارگزاری کو یوں بیان فرماتے ہیں کہ:

''میں نے عائشہ بنت ابی بکر ؓ اور اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کو دیکھا وہ گھونگھٹ نکالے ہوئے تھیں، مجھے ان کے پاؤں میں پڑے پازیب نظر آ رہے تھے، وہ ڈول بھر بھر کر لاتیں اور مجاہدین کو پلاتیں جب وہ خالی ہو جاتا تو پھر اسے بھر کر لاتیں اور لوگوں کو پلاتیں۔

Marfat.com

غزوۂ خندق میں اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شجاعت نایاب اور جرأت مشہور ہے حتیٰ کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کی جرأت کو حیرت سے دیکھا جب وہ پہلی صفوں کے قریب تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود بیان کرتی ہیں کہ میں خندق کے دن لوگوں کو تلاش کرنے نکلی۔ تو میں نے زمین پر چلنے کی آوازیں سنیں تو دیکھا کہ سعد بن معاذ اور ان کے بھتیجے حارث بن اوس اپنا اسلحہ وزرّہ اٹھائے چلے جا رہے ہیں۔ سعد میرے قریب سے گزرے، انہوں نے لوہے کی زرہ پہنی ہوئی تھی جس کے کنارے نکلے ہوئے اور میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے اطراف جو زرّہ سے خالی تھے، سے گھبرا رہی تھی اور حضرت سعد لوگوں میں بہت زیادہ لمبے چوڑے شخص تھے۔ وہ یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

لبث قليلا يدرك الهيجا حمل

ما احسن الموت اذا حان الاجل

''تھوڑا سا ٹھہر جا! ابھی سخت لڑائی آنے والی ہے۔ جب وقت پورا ہو جائے تو موت کتنی اچھی ہے۔''

میں وہاں سے چلی اور ایک باغیچے میں جا پہنچی وہاں پہلے سے چند مسلمان موجود تھے اور وہاں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے اور ان میں ایک شخص نے خود پہنا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ تم کیوں آ گئیں؟ تم تو بہت بہادر ہو تمہیں کیا کہ سخت لڑائی ہو یا لڑائی سے علیحدگی ہو۔ وہ مجھے برابر یونہی ملامت کر رہے حتیٰ کہ میں نے یہ تمنا کی کہ زمین پھٹے اور میں اس میں چلی جاؤں۔ اتنے میں اس شخص نے اپنا خود اٹھایا تو وہ طلحہ بن عبید اللہ تھے، وہ کہنے لگے اے عمر! آج تو تم نے حد ہی کر دی ہے اور آج فرار کہاں ہے سوائے اللہ کی طرف رجوع کے۔

اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بنی مصطلق کے لئے نکلے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان لوگوں میں سے تھیں جنہیں مالِ غنیمت میں سے حصہ ملا تھا اور اسی غزوہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بڑا کڑا امتحان بھی ہوا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت سے ان کی مدد فرمائی اور وہ اس مشکل سے اللہ تعالیٰ کی مبارک گواہی کے ذریعے نکل آئیں

Marfat.com

اور وہ آیات آج تک ان گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنا نام اور یاد بلند کرنے کا حکم دیا ہے اور ہر گھر اور روئے زمین پر ہر علم کے گھر میں تلاوت ہو رہی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت ﷺ کی محبت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بے پناہ محبت رکھتے تھے اور یہ تمام صحابہ کرامؓ کو معلوم تھا۔ چنانچہ لوگ قصداً زیادہ ہدیئے اور تحفے بھیجتے تھے جس روز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں آپؐ کے قیام کی باری ہوتی تو ازواج مطہرات کو اس کا ملال ہوتا لیکن کوئی ٹوکنے کی ہمت نہ کرتی۔ آخر سب نے مل کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو راضی کیا۔ وہ پیام لے کر گئیں کہ آپؐ دوسری بیویوں کے مقابلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف زیادہ میلان رکھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، لختِ جگر جس کو میں زیادہ چاہتا ہوں کیا تم اس کو نہیں چاہو گی۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے اس قدر ہی کافی تھا۔ وہ واپس چلی آئیں۔ ایک مرتبہ یہی بات حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہی تو آپؐ نے فرمایا، عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مجھے دق نہ کرو کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی اور بیوی کے لحاف میں مجھ پر وحی نہیں آئی۔

حضرت عائشہؓ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے ادوار میں

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں ان کے شایانِ شان مرتبہ حاصل تھا اور فقہی، تشریعی معاملات میں ان سے رجوع کیا جاتا تھا، اسی طرح مسلمانوں کی زندگی میں مختلف طبقہ ہائے زندگی کے مسائل میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مرجع و مرکز تھیں اور آپ مسلمانوں میں پیش آنے والے واقعات سے اپنی کم و بیش ستر سالہ زندگی میں دور نہیں رہیں اس بارے میں ان کے اہم کردار و واقعات بہت مشہور ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد پیش آنے والے سیاسی اور اجتماعی حالات میں آپ کا کردار معروف و اہم ہے۔

اور تاریخ میں ایسے بے شمار واقعات ہیں جن میں اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان حالات کی بہترین تصویر اور واضح جھلک چھوڑی ہے۔

وفات

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آخری حصہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کا اخیر زمانہ ہے۔ اس وقت ان کی عمر سڑسٹھ برس کی تھی۔ ۵۸ھ میں رمضان کے مہینہ میں بیمار ہوئیں۔ چند روز تک علیل رہیں، کوئی خیریت پوچھتا تو فرماتیں اچھی ہوں۔ جو لوگ عیادت کو آتے بشارت دیتے، فرماتیں اے کاش! میں پتھر ہوتی، اے کاش میں جنگل کی جڑی بوٹی ہوتی۔ مرض الموت میں وصیت کی کہ اس حجرہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ مجھے دفن نہ کرنا۔ مجھے دیگر ازواج مطہراتؓ کے ساتھ جنت البقیع میں دفن کرنا، اور رات ہی کو دفن کر دی جاؤں صبح کا انتظار نہ کیا جائے۔

۵۸ھ تھا اور رمضان کی سترہ تاریخ بمطابق ۱۳ر جون ۶۷۸ء تھی کہ نماز وتر کے بعد شب کے وقت وفات پائی۔ جنازہ میں اتنا مجمع کبھی نہیں دیکھا گیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ عورتوں کا اژدھام دیکھ کر روزِ عید کے ہجوم کا دھوکا ہوتا تھا۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نوحہ سن کر بولیں، عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے جنت واجب ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پیاری بیوی تھیں۔ یہ حاکم کی روایت ہے، مسند طیالسی میں ہے کہ انہوں نے کہا خدا ان پر رحمت بھیجے کہ وہ آپ کو سب سے محبوب تھیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان دنوں مدینہ کے قائم مقام حاکم تھے انہوں نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ قاسم بن محمد ابی بکرؓ، عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، عبداللہ بن عتیق عروہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ بھتیجوں اور بھانجوں نے قبر میں اتارا۔ اور حسبِ وصیت جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بعد کچھ متروکات چھوڑے جن میں ایک جنگل بھی تھا۔ یہ اُن کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے حصہ میں آیا، جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تقریباً اس کو ایک لاکھ درہم میں خریدا۔ اس کثیر رقم کو حضرت اسماءؓ نے عزیزوں میں تقسیم کر دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اقوالِ زرّیں

امام اعمش رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ’’رجلۃ الرائی‘‘ (پختہ رائے والی خاتون) کہا جاتا تھا۔

Marfat.com

جی ہاں! جتنے بھی اقوال اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہیں وہ سب ان کے عظیم فہم اور پختہ عقل کی نشاندہی کرتے ہیں جو انہیں نبوت کے فیض اور قرآن کریم سے حاصل ہوئی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اقوالِ زریں کو اگر سونے کے پانی سے لکھا جائے تو بھی کم ہے۔ فرماتی ہیں کہ "تکلہ (سوت کاتنے کا آلہ) عورت کے ہاتھ میں، مجاہد فی سبیل اللہ کے ہاتھ میں نیزے سے بہتر ہے۔"

ان کا ایک بہترین ارشاد ہے کہ "رزق کو زمین کے ہر حصے میں تلاش کرو۔"

اللہ تعالیٰ کی رضا کے بارے میں فرماتی ہیں کہ "جس نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا کام کیا اس کی تعریف کرنے والے لوگ بھی اس کی برائی کرنے والے بن جائیں گے۔"

ان کا ایک خوبصورت اور حیرت انگیز ارشاد ہے کہ تمہیں اللہ کی طرف سے کوئی اچھی چیز نہ ملے تو بھی یہ تھوڑے سے گناہوں سے بہتر ہے۔ جو چاہے کہ وہ بے انتہا محنت کرنے والے سے آگے نکل جائے تو اس کو گناہوں کی کثرت سے باز رہنا چاہئے۔"

ایک مرتبہ ان سے پوچھا گیا، آدمی غلطی پر کب ہوتا ہے؟ فرمایا کہ جب وہ سمجھے کہ میں اچھا کر رہا ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چونکہ افقہ الناس اور سب سے بڑی عالمہ تھیں، وہ انصار کے بارے میں ان کے اچھا اور نیک ہونے میں ایک عظیم رائے رکھتی تھیں۔ فرماتی ہیں کہ جب کوئی عورت دو نیک انصاریوں کے گھروں کے درمیان ہو تو اسے اس بات سے بے پرواہ ہو جانا چاہئے کہ وہ اپنے والدین کے گھر رہے۔

Marfat.com

حضرت اُم المومنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب

حفصہؓ نام، حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے۔

حفصہؓ بنت عمرؓ ابن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباع بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن لوی بن فہر بن مالک۔

والدہ کا نام زینبؓ بنت مظعون تھا۔ جو مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعونؓ کی ہمشیرہ تھیں اور خود بھی صحابیہ تھیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ حقیقی بھائی بہن ہیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بعثت نبوی سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔ اس وقت قریش خانہ کعبہ کی تعمیر میں مصروف تھے۔

نکاح

پہلا نکاح خنیسؓ بن حذافہ سے ہوا۔ جو خاندان بنوسہم سے تھے۔

اسلام

ماں باپ اور شوہر کے ساتھ مسلمان ہوئیں۔

ہجرت اور نکاح ثانی

شوہر کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی، غزوۂ بدر میں خنیسؓ نے زخم کھائے اور واپس آ کر ان ہی زخموں کی وجہ سے شہادت پائی۔ عدت کے بعد حضرت عمرؓ کو حضرت

Marfat.com

حفصہؓ کے نکاح کی فکر ہوئی۔اسی زمانہ میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو چکا تھا۔اس بنا پر حضرت عمرؓ سب سے پہلے حضرت عثمانؓ سے ملے اور ان سے حضرت حفصہؓ کے نکاح کی خواہش کی، انہوں نے کہا میں اس پر غور کروں گا۔چند دنوں کے بعد ملاقات ہوئی تو صاف انکار کیا، حضرت عمرؓ نے مایوس ہو کر حضرت ابو بکرؓ سے ذکر کیا، انہوں نے خاموشی اختیار کی۔حضرت عمرؓ کو ان کی بے التفاتی سے رنج ہوا۔اس کے بعد خود رسالت پناہ ﷺ نے حضرت حفصہؓ سے نکاح کی خواہش کی۔نکاح ہو گیا تو حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ سے ملے اور کہا کہ جب تم نے مجھ سے حفصہؓ کے نکاح کی خواہش کی اور میں خاموش رہا تو تم کو ناگوار گزرا۔لیکن میں نے اسی بنا پر جواب نہیں دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کا ذکر کیا تھا اور میں ان کا راز فاش کرنا نہیں چاہتا تھا۔اگر رسول اللہ ﷺ کا ان سے نکاح کا قصد نہ ہوتا تو میں اس کے لئے آمادہ تھا۔ (صحیح بخاری ج۲ص۵۷۱ و اصابہ ج۸ص۵۱)

وفات

حضرت حفصہؓ نے شعبان ۴۵ھ میں مدینہ میں انتقال کیا۔یہ امیر معاویہؓ کی خلافت کا زمانہ تھا۔مروان نے جو اس وقت مدینہ کا گورنر تھا نماز جنازہ پڑھائی اور کچھ دور تک جنازہ کو کندھا دیا، اس کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ جنازہ کو قبر تک لے گئے۔ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ان کے لڑکوں عاصم، سالم، عبداللہ، حمزہ نے قبر میں اتارا۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ایک روایت ہے کہ جمادی الاول ۴۱ھ میں وفات پائی۔اس وقت ان کا سن ۵۹ سال کا تھا۔لیکن اگر سن وفات ۴۸ھ قرار دیا جائے تو ان کی عمر ۶۳ سال کی ہوگی۔ایک روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ۲۷ھ میں انتقال کیا، یہ روایت اس بنا پر پیدا ہوگئی کہ وہب نے ابن مالک سے روایت کی ہے کہ جس سال افریقہ فتح ہوا، حضرت حفصہؓ نے اسی سال وفات پائی اور افریقہ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ۲۷ھ میں فتح ہوا۔لیکن یہ سخت غلطی ہے۔افریقہ دو مرتبہ فتح ہوا۔اس دوسری فتح کا فخر معاویہؓ بن خدیج کو حاصل ہے جنہوں نے امیر معاویہؓ کے عہد میں حملہ کیا تھا۔

Marfat.com

حضرت حفصہ نے وفات کے وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر وصیت کی اور غابہ میں جائیداد تھی جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی نگرانی میں دے گئے تھے اس کو صدقہ کے لئے وقف کر دیا۔[۱]

اولاد

کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

فضل وکمال

البتہ معنوی یادگاریں بہت سی ہیں اور وہ یہ ہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ، حمزہؓ (ابن عبداللہ) صفیہ بنت ابوعبیدؓ (زوجہ عبداللہ) حارثہ بن وہب، مطلب بن ابی وادعہ، ام مبشر انصاریہ، عبداللہ بن صفوان بن امیہ، عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام۔[۲]

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ۶۰ حدیثیں منقول ہیں۔[۳] جو انہوں نے آنحضرت ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنی تھیں۔

تفقہ فی الدین کے لئے واقعہ ذیل کافی ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے کہا کہ میں امید کرتا ہوں کہ اصحابِ بدر وحدیبیہ جہنم میں داخل نہ ہوں گے۔ حضرت حفصہؓ نے اعتراض کیا کہ خدا تو فرماتا ہے۔[۴]

وان منکم الا واردھا...... تم میں ہر شخص واردِ جہنم ہوگا۔

آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں لیکن یہ بھی تو ہے:

ثم ننجی الذین اتقوا و نذر الظالمین فیھا جثیا ○

پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں زانوں پر گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔

اسی شوق کا اثر تھا کہ آنحضرت ﷺ کو ان کی تعلیم کی فکر رہتی تھی۔ حضرت شفا کو چیونٹی کے کاٹے کا منتر آتا تھا ایک دن وہ گھر میں آئیں تو آنحضرت ﷺ نے کہا کہ تم حفصہ کو منتر سکھلا دو۔[۵]

---

(۱) زرقانی ج۳ ص ۲۷۱ (۲) ایضاً (۳) ایضاً (۴) مسند ابن حنبل ج۶ ص ۲۸۵ (۵) ایضاً ص ۲۸۱

Marfat.com

اخلاق

ابن سعد میں ان کے اخلاق کے متعلق ہے:

انها صوامة قوامة......وہ (یعنی حفصہؓ) صائم النہار اور قائم اللیل ہیں

دوسری روایت میں ہے:

ماتت حفصة حتى ما تفطر[1].........انتقال کے وقت تک صائم رہیں۔

اختلاف سے سخت نفرت کرتی تھیں۔ جنگ صفین کے بعد جب تحکیم کا واقعہ پیش آیا تو ان کے بھائی عبداللہ بن عمرؓ اس کو فتنہ سمجھ کر خانہ نشین رہنا چاہتے تھے لیکن حضرت حفصہؓ نے کہا کہ گو اس شرکت میں تمہارا کوئی فائدہ نہیں تاہم تمہیں شریک رہنا چاہیے۔ کیونکہ لوگوں کو تمہاری رائے کا انتظار ہوگا اور ممکن ہے کہ تمہاری عزلت گزینی ان میں اختلاف پیدا کر دے۔[2]

دجال سے بہت ڈرتی تھیں، مدینہ میں ابن صیاد نامی ایک شخص تھا، دجال کے متعلق آنحضرت ﷺ نے جو علامتیں بتائی تھیں اس میں بہت سی موجود تھیں اس سے اور عبداللہ بن عمرؓ سے ایک دن راہ میں ملاقات ہوگئی انہوں نے اس کو بہت سخت سست کہا اس پر وہ اس قدر پھولا کہ راستہ بند ہوگیا۔ ابن عمرؓ نے اس کو مارنا شروع کیا، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو خبر ہوئی تو بولیں تم کو اس سے کیا غرض، تمہیں معلوم نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دجال کے خروج کا محرک اس کا غصہ ہوگا۔[3]

حضرت حفصہ کے مزاج میں ذرا تیزی تھی۔ آنحضرت ﷺ سے کبھی کبھی دو بدو گفتگو کرتیں اور برابر کا جواب دیتی تھیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں خود حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ ''ہم لوگ جاہلیت میں عورتوں کو ذرا برابر بھی وقعت نہ دیتے تھے اسلام نے ان کو درجہ دیا اور قرآن میں ان کے متعلق آیتیں اتریں تو ان کی قدر و منزلت معلوم ہوئی ایک دن میری بیوی نے کسی معاملہ میں مجھ کو رائے دی، میں نے کہا ''تم کو رائے و مشورہ سے کیا واسطہ'' بولیں ''ابن خطاب! تم کو ذرا سی بات کی بھی برداشت نہیں حالانکہ تمہاری بیٹی رسول اللہ ﷺ کو برابر کا جواب دیتی ہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ دن بھر رنجیدہ رہتے

(۱) اصابہ ج ۸ ص ۵۲ (۲) صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۹ (۳) مسند ج ۶ ص ۲۸۳ و مسلم کتاب الفتن ذکر ابن صیاد

Marfat.com

ہیں'' میں اٹھا اور حفصہؓ کے پاس آیا، میں نے کہا ''بیٹی میں نے سنا ہے تم رسول اللہ ﷺ کو برابر کا جواب دیتی ہو''۔ بولیں ''ہاں! ہم ایسا کرتے ہیں۔'' میں نے کہا خبردار میں تمہیں عذاب الٰہی سے ڈراتا ہوں، تم اس عورت (حضرت عائشہؓ) کی ریس نہ کرو جس کو رسول اللہ ﷺ کی محبت کی وجہ سے اپنے حسن پر ناز ہے۔''[1]

ترمذیؒ میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت صفیہؓ رو رہی تھیں۔ آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور رونے کی وجہ پوچھی، انہوں نے کہا: کہ مجھ کو حفصہؓ نے کہا ہے کہ تم یہودی کی بیٹی ہو، آپ ﷺ نے فرمایا، حفصہؓ خدا سے ڈرو! پھر حضرت صفیہؓ سے ارشاد ہوا، تم نبی کی بیٹی ہو تمہارا چچا پیغمبر ہے اور پیغمبر کے نکاح میں ہو، حفصہ تم پر کس بات میں فخر کر سکتی ہے۔[2]

ایک بار حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے حضرت صفیہؓ سے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تم سے زیادہ معزز ہیں ہم آپ کی بیوی بھی ہیں اور چچازاد بہن بھی۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو ناگوار گزرا۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کی شکایت کی، آپ نے فرمایا، تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ تم مجھ سے زیادہ کیونکر معزز ہو سکتی ہو، میرے شوہر محمد ﷺ، میرے باپ ہارون علیہ السلام اور میرے چچا موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی بیٹیاں تھیں جو تقریب نبوی میں دوش بدوش تھے۔ اس بنا پر حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی دیگر ازواج کے مقابلہ میں باہم ایک تھیں۔ چنانچہ واقعہ تحریم جو ۹ھ میں پیش آیا اسی قسم کے اتفاق کا نتیجہ تھا۔ ایک دفعہ کئی دن تک آنحضرت ﷺ حضرت زینبؓ کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھے جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زینبؓ کے پاس کہیں سے شہد آ گیا تھا، انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا، آپ کو شہد بہت مرغوب تھا۔ آپ ﷺ نے نوش فرمایا، اس میں وقت مقررہ سے دیر ہو گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رشک ہوا۔ حضرت حفصہؓ سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہمارے اور تمہارے گھر میں آئیں تو کہنا چاہئے کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے۔[3] (مغافیر کے پھولوں سے شہد کی مکھیاں رس چوستی ہیں)

---

(۱) بخاری ج۲ص کتاب التفسیر و فتح الباری ج۸ص ۵۰۴ (۲) ترمذی باب فضل ازواج النبی (۳) مغافیر کی بو کا اظہار کرنا کوئی جھوٹ بات نہ تھی، مغافیر کے پھولوں میں اگر کسی قسم کی کرختگی ہو تو تعجب کی بات نہیں۔

Marfat.com

آنحضرت ﷺ نے قسم کھالی کہ میں شہد نہ کھاؤں گا۔اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری۔[1]

یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک ج (التحریم: ۱)

اے پیغمبر اپنی بیویوں کی خوشی کے لئے تم خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیوں کرتے ہو؟

کبھی کبھی (حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ میں) باہم رشک و رقابت کا اظہار بھی ہو جایا کرتا تھا۔ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ دونوں آنحضرت ﷺ کے ساتھ سفر میں تھیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ پر چلتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے۔ایک دن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ آج رات کو تم میرے اونٹ پر اور میں تمہارے اونٹ پر سوار ہوں، تاکہ مختلف مناظر دیکھنے میں آئیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راضی ہو گئیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے پاس آئے جس پر حفصہ رضی اللہ عنہا سوار تھیں جب منزل پر پہنچے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو نہیں پایا تو اپنے پاؤں کو اذخر (ایک گھاس ہے) کے درمیان لٹکا کر کہنے لگیں، خداوندا! کسی بچھو یا سانپ کو متعین کر جو مجھے ڈس جائے۔[2]

---

(۱) صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۲۹ (۲) صحیح بخاری (وسیرۃ النبی جلد دوم)

Marfat.com

ام المومنین

زینب بنت خزیمہ الہلالیہ سلام اللہ علیہا

نام ونسب اور کنیت

آپؑ کا نام زینب تھا اور سلسلہ نسب حسب ذیل ہے:

زینب بنت خزیمہ بن الحارث بن عبداللہ بن عمر بن عبدالمناف بن ہلال بن عامر بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن خیس بن عیلان الھلالیہ

بڑی رحم دل اور جود وسخا کی حامل تھیں چنانچہ فقراء ومساکین کو نہایت فیاضی سے کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ اس وجہ سے ام المساکین کی کنیت کے ساتھ مشہور ہوگئیں۔ طبرانی نے ابن شہاب الزہری سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے زینب بنت خزیمہ الہلالیہ (آپ کو ہلالیہ وعامریہ کہا جاتا تھا کیوں کہ وہ ہلال بن عامر بن صعصعہ کے خاندان سے تھیں) سے نکاح فرمایا اس وقت بھی ان کی کنیت ام مساکین تھی۔ یہ نام اور کنیت ان کی اس وجہ سے تھی کہ وہ فقراء اور مساکین کو نہایت کثرت سے کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں ان کا انتقال ہوگیا اور وہ آپ کے ساتھ تھوڑا ہی عرصہ ایام زندگی گزار سکیں۔ (المعجم الکبیر جلد ۲۴ صفحہ ۵۷، مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۲۴۸ ورجالہ ثقات)

ابن ابی خثیمہ فرماتے ہیں کہ سیدہ زینب جاہلیت میں بھی ام المساکین کے لقب سے معروف تھیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۱۱۶، الاصابہ جلد ۷ صفحہ ۶۷۳)

Marfat.com

حریم نبوت میں داخلہ

زہری کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے حبالہ عقد میں آنے سے قبل سیدنا عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔ سیدنا عبداللہ بن جحش ۳ھ میں جنگ احد میں شریک ہوئے اور شہادت کے رتبہ سے سرفراز ہوئے۔

قتادہ بن دعامہ کا قول ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح میں آنے سے قبل وہ طفیلؓ بن الحارث کے حبالہ عقد میں تھیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۱۱۵' عن الواقدی)

لیکن ابن کلبی کا بیان ہے کہ وہ پہلے طفیلؓ بن الحارث کے نکاح میں تھیں' انہوں نے طلاق دے دی تو ان کے بھائی عبیدہؓ نے ان سے نکاح کر لیا اور وہ جنگ بدر میں شہید ہو گئے۔ حافظ ابن سید الناس کی رائے بھی یہی ہے۔

امام طبرانی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ زینب بنت الحارث الھلالیہ ام المساکین سے نکاح فرمایا۔ وہ آپ سے نکاح سے قبل حصینؓ یا طفیلؓ ابن الحارث کے نکاح میں تھیں اور یہ سب سے پہلی بیوی ہیں (سیدہ خدیجہؓ کے بعد) جنہوں نے آپ کی حیات طیبہ میں رحلت فرمائی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رمضان کے مہینہ میں ہجرت سے ۳۱ ماہ بعد ان کو اپنی ازواج مطہراتؓ کے زمرہ میں لیا۔ یہ آٹھ ماہ حریم نبوت میں رہیں اور ربیع الاخر کے اواخر میں ہجرت سے ۳۹ ماہ بعد اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔

(عیون الاثر لابن سید الناس جلد ۲ صفحہ ۳۹۶)

حافظ ابو عمرو نے لکھا ہے کہ یہ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی ماں کی طرف سے بہن تھیں۔

نکاح کے وقت ساڑھے بارہ اوقیہ (پانچ سو درہم) مہر مقرر ہوا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۱۱۵ عن الواقدی)

وفات

سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا عین عنفوان شباب میں تیس سال کی عمر میں

انتقال فرما گئیں اور سیدہ خدیجہؓ کے بعد سب سے پہلی بیوی ہیں جنہوں نے آپ کی زندگی میں انتقال فرمایا۔ یہ سرکار دو عالم ﷺ کے حبالہ عقد میں بہت تھوڑا عرصہ رہیں۔

(کتاب المعرفتہ والتاریخ' البسوی جلد۳ صفحہ۳۲۲' عیون الاثر جلد۲ صفحہ۳۹۷)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حبالہ عقد میں رہنے کی مدت بعض نے دو ماہ بعض نے تین ماہ اور بعض نے آٹھ ماہ لکھی ہے لیکن اس پر قریباً اتفاق ہے کہ وفات ربیع الاخر کے مہینے کی آخری تاریخوں میں ہجرت سے ۳۹ ماہ بعد ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن فرمایا۔

چونکہ یہ حریم نبوت میں بہت ہی کم عرصہ رہیں لہٰذا ان کے عام حالات زندگی کی تفصیل کتابوں میں نہیں ہے۔ (امہات المومنین، از حکیم محمود احمد ظفر)

Marfat.com

ام المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا غیر معمولی شرف وفضیلت کی حامل خاتون تھیں۔ ان کے والد کا شمار قبیلۂ بنی مخزوم کے مشہور اور اہم سرداروں اور عرب کے معدودے چند اصحابِ جود وسخا میں ہوتا تھا، وہ اپنی سخاوت وفیاضی کی وجہ سے ''زاد الراکب'' کے لقب سے مشہور تھے۔ کیونکہ ان کے علاقے کا قصد کرنے والے قافلے اور ان کی معیت میں سفر کرنے والے مسافر کبھی اپنے ساتھ زادِ راہ لے کر چلنے کی ضرورت نہیں محسوس کرتے تھے جو بالکل آغازِ دعوت کے زمانے میں دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ ان سے پہلے صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان چند لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا جن کی تعداد دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے بھی کم تھی۔ ان کا نام ہند بنت ابی اُمیہ تھا۔ لیکن ان کی کنیت ''اُم سلمہ'' ان کے نام سے زیادہ مشہور تھی۔

وہ اپنے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی اسلام لائیں۔ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے والی دوسری خاتون تھیں۔ یہ شرف ان سے پہلے صرف حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حاصل تھا۔ جیسے ہی ان کے اور ان کے شوہر کے مسلمان ہونے کی خبر قریش کو ملی، وہ غصے سے آگ بگولہ ہو گئے، ان کے اندر ایک ہیجان برپا ہو گیا اور انہوں نے ان دونوں کو ایسی اذیت ناک اور عبرت انگیز سزائیں دینے کا سلسلہ شروع کر دیا جو مضبوط چٹانوں کو ہلا دینے کے لئے کافی تھیں، لیکن انہوں نے ان سزاؤں کے سامنے نہ تو کسی ضعف وکمزوری کا اظہار کیا نہ ہمت ہاری، نہ کسی قسم کے تردد وتذبذب میں مبتلا ہوئے۔

جب اذیت رسانی کا یہ سلسلہ سخت سے سخت تر ہوتا چلا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم نے صحابہ کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی۔ تو یہ دونوں ہجرت کرنے والے ''قافلۂ مہاجرین'' میں پیش پیش تھے۔ حضرت اُم سلمہؓ اور ان کے شوہر اجنبی دیار اور انجانے علاقے کی طرف چل پڑے اور اپنے پیچھے مکہ میں اپنا عالی شان مکان، اپنا بلند مقام اور اپنی خاندانی شرافت چھوڑ گئے۔ وہ اپنے اس عمل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کے خواہاں اور اس کی رضا و خوشنودی کے طالب تھے۔

اگرچہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر نجاشی (شاہِ حبشہ) کی حمایت و سرپرستی میں نہایت سکون و اطمینان کی زندگی نصیب ہوئی تھی مگر اس کے باوجود مہبط وحی (مکہ) واپس جانے اور سرچشمۂ ہدایت (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے دیدار کی آرزو ان کے دلوں کو ہر وقت مضطرب اور بے چین رکھتی تھی اور پھر جب سرزمین حبشہ میں مقیم مہاجرین کے پاس مسلسل اس طرح کی خبریں آنے لگیں کہ مکہ میں مسلمانوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہو گیا ہے، حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب اور حضرت عمرؓ بن خطاب کے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے مسلمانوں کی طاقت کافی بڑھ گئی ہے اور قریش کی اذیت رسانیوں اور ان کے ظلم و ستم کا زور بڑی حد تک ٹوٹ چکا ہے، تو ان میں سے کچھ لوگوں نے مکہ واپس لوٹ جانے کا ارادہ کر لیا۔ دیارِ حرم میں پہنچنے کا شوق اور بارگاہِ رسالت میں حاضری کا اشتیاق انہیں کھینچے لیے جا رہا تھا۔ چنانچہ واپسی کے اس سفر میں بھی حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر سب سے آگے تھے، لیکن واپس آنے والوں پر بہت جلد یہ بات منکشف ہو گئی کہ ان کے پاس اس سلسلے میں جو خبریں پہنچی تھیں، ان میں بہت زیادہ مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا تھا۔ اور مسلمانوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد جو تھوڑی سی پیش قدمی کی تھی، قریش کی طرف سے اس کی شدید مزاحمت ہوئی ہے۔

اس کے بعد مشرکین نے مسلمانوں کو ستانے اور ان کو خوف زدہ کرنے کیلئے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کیے اور ان کی ظلم و ستم کی چکی پہلے سے زیادہ تیزی کے ساتھ چلنے لگی۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو ہجرت کر کے مدینہ چلے جانے کی اجازت مرحمت فرما دی اور حضرت اُم سلمہؓ اور ان کے شوہر نے قریش کی اذیتوں سے نجات حاصل کرنے اور اپنے دین کی حفاظت کے خیال سے جلد از جلد ہجرت کر جانے کا

Marfat.com

فیصلہ کر لیا۔ مگر یہ کام ان کے لیے اتنا آسان نہ تھا جتنا وہ گمان کرتے تھے۔ اپنے اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ان کو ایسے سخت اور المناک حالات سے گزرنا پڑا جن کے سامنے تمام سختیاں ہیچ نظر آتی ہیں۔ ہم ہجرت کی یہ المناک داستان خود حضرت اُم سلمہؓ کی زبانی بیان کرتے ہیں کیونکہ اس سلسلے میں ان کا مشاہدہ بہت گہرا اور ان کی تصویر کشی زیادہ مکمل ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ:

''جب ابوسلمہؓ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی ٹھانی تو انہوں نے میرے لیے سواری کا اونٹ تیار کیا، مجھے اس پر سوار کیا اور میرے بچے سلمہ کو میری گود میں ڈالا اور کسی چیز کی طرف مڑ کر دیکھے بغیر اونٹ کی نکیل پکڑ کر روانہ ہو گئے، لیکن قبل اس کے کہ ہم مکہ سے باہر نکلتے، میرے قبیلہ (بنی مخزوم) کے کچھ لوگوں نے ہم کو جاتے ہوئے دیکھ لیا۔ وہ ہمارا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے اور ابوسلمہ سے کہنے لگے کہ ''تم اپنے متعلق جو چاہو فیصلہ کرو مگر تمہاری بیوی سے تمہیں کیا سروکار؟ یہ ہماری بیٹی ہے ہم تم کو ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے کہ اس کو اپنے ساتھ لیے ہوئے دردر کی ٹھوکریں کھاتے پھرو۔''

پھر وہ ان کے اوپر جھپٹ پڑے اور مجھے زبردستی ان سے چھین کر الگ کر دیا۔ جب میرے شوہر ابوسلمہ کے قبیلے (بنو عبدالاسد) کے لوگوں نے یہ دیکھا کہ میرے قبیلہ والوں نے مجھے اور میرے بچے کو ابوسلمہ سے چھین لیا ہے تو وہ نہایت غضبناک ہوئے اور کہنے لگے کہ ''خدا کی قسم جب تم نے اپنے خاندان کی لڑکی کو ہمارے قبیلہ کے آدمی سے چھین لیا تو ہم بھی بچے کو اس کے پاس نہیں رہنے دیں گے۔ وہ ہمارے خاندان کا بچہ ہے اور ہم اس کے زیادہ حق دار ہیں۔'' پھر میری آنکھوں کے سامنے ہی وہ میرے بچے سلمہ کو اپنی طرف کھینچنے لگے۔ اس کھینچا تانی میں اس کا ہاتھ بھی اُکھڑ گیا اور وہ اس کو چھین کر لے گئے اس وقت مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے میرا وجود ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر گیا ہے اور میں اکیلی رہ گئی ہوں۔ ایک طرف میرے شوہر اپنے دین اور اپنی جان کی حفاظت کے لئے مدینہ چلے گئے، دوسری طرف میرے بچے کو بنو عبدالاسد نے جبراً مجھ سے چھین لیا اور میرے قبیلہ بنو مخزوم نے زبردستی مجھے اپنے پاس روک لیا۔ اس طرح ذرا سی دیر میں مجھے، میرے شوہر اور میرے بچے کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا گیا۔

Marfat.com

پھر حضرت اُم سلمہؓ اپنی داستان کا اگلا حصہ بیان کرتی ہیں۔

''اس کے بعد سے میرا روزمرہ کا یہ معمول ہو گیا کہ صبح سویرے مکہ کے باہر ابطح کی طرف نکل جاتی اور اس جگہ جا کر بیٹھ جاتی جہاں میرے ساتھ یہ المیہ پیش آیا تھا، میں ان بیتی ہوئی گھڑیوں کو یاد کرتی رہتی۔ جب میرے شوہر اور بچے کے درمیان جدائی کی دیوار حائل کر دی گئی تھی۔ میں برابر روتی رہتی، یہاں تک کہ رات کے سائے گہرے ہو جاتے۔ میری یہ حالت ایک سال یا اس کے لگ بھگ رہی، آخر کار میرے بنی عم میں سے ایک شخص کا گزر میری طرف سے ہوا، اس کو میرے اس حالِ زار پر ترس آیا، اور اس نے میرے قبیلہ والوں سے کہا کہ تم لوگ اس غریب کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟ تم نے اس کو اس کے شوہر اور بچے سے جدا کر کے اس کے اوپر بڑا ظلم کیا ہے۔ وہ برابر ان کو میرے حق میں ہموار کرتا اور ان کے جذبۂ ترحم کو مہمیز کرتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ اس حد تک نرم ہو گئے کہ انہوں نے مجھے اپنے شوہر کے پاس چلے جانے کی اجازت دے دی۔ لیکن میرے لیے یہ کیونکر ممکن تھا کہ میں اپنے لختِ جگر کو مکہ میں بنی عبدالاسد کے یہاں چھوڑ کر خود اپنے شوہر کے پاس مدینہ چلی جاتی اور اس صورت میں جب کہ میں خود دارالہجرت (مدینہ) میں ہوں اور میرا کم سن بچہ مکہ میں اس حال میں پڑا ہو کہ اس کے متعلق مجھے کوئی خبر نہ ملے۔ کیسے ممکن تھا کہ میری ممتا کی آگ ٹھنڈی ہو اور میری آنکھوں سے اُمڈتے ہوئے آنسوؤں کا سیلاب تھم سکے۔ بعض لوگوں نے جب مجھ کو اس طرح رنج و غم جھیلتے اور کرب و الم سے نبرد آزما ہوتے دیکھا تو ان کو میری حالت پر رحم آیا اور انہوں نے بنی عبدالاسد سے بات کر کے ان کو میرے ساتھ نرم رویہ اپنانے پر آمادہ کر لیا، چنانچہ انہوں نے میرے بچے سلمہ کو مجھے واپس کر دیا۔''

''اب میں نے مکہ میں ٹھہر کر مدینہ جانے والے کسی ہم سفر کے انتظار میں وقت گنوانا اور اپنی روانگی میں مزید تاخیر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ اس اثناء میں کہیں کوئی ایسا حادثہ نہ پیش آ جائے جو مجھے میرے شوہر کے پاس پہنچنے سے روک دے۔ اس لیے میں نے جھٹ پٹ اپنی سواری کے اونٹ کو تیار کیا، بچے کو گود میں لیا اور اپنے شوہر سے ملنے کے لیے مدینہ کی طرف چل پڑی، جب میں تنعیم کے مقام پر پہنچی تو میری ملاقات عثمان بن طلحہ سے ہوئی، انہوں نے مجھ سے پوچھا ''زادالراکب'' کی بیٹی! کہاں جا رہی ہو؟

''اپنے شوہر کے پاس مدینہ جارہی ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔
''کیا تمہارے ساتھ کوئی اور نہیں ہے؟'' انہوں نے دریافت کیا
''نہیں، خدائے تعالیٰ اور میرے اس بچے کے سوا میرے ساتھ دوسرا کوئی نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا

''خدا کی قسم، جب تک تم مدینہ نہ پہنچ جاؤ میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گا۔'' یہ کہہ کر انہوں نے میرے اونٹ کی نکیل تھام لی اور مجھے ساتھ لے کر روانہ ہو گئے۔ خدا کی قسم اس سے پہلے مجھے کسی ایسے عرب کی صحبت نصیب نہیں ہوئی تھی جو اُن سے زیادہ کریم النفس اور شریف ہو ان کا حال یہ تھا جب وہ کسی منزل پر پہنچتے تو اونٹ کو بٹھاتے اور خود مجھ سے پرے ہٹ جاتے۔ جب میں اونٹ سے نیچے اُتر کر زمین پر ٹھیک سے کھڑی ہو جاتی تو وہ اونٹ کے پاس آتے، کجاوہ اُتار کر زمین پر رکھ دیتے اور اونٹ کو لے جا کر کسی درخت سے باندھ دیتے۔ پھر مجھ سے دور کسی سائے میں لیٹ جاتے۔ جب روانگی کا وقت ہو جاتا تو وہ اٹھ کر اونٹ کے پاس آتے، اس کو تیار کر کے میرے قریب لاتے اور مجھے اس پر سوار ہونے کی اجازت دیتے ہوئے دور ہٹ جاتے۔ جب میں سوار ہو کر اطمینان سے بیٹھ جاتی تو آتے اور اس کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چل پڑتے۔ مدینہ پہنچنے تک راستہ بھر میرے ساتھ ان کا یہی رویہ رہا۔ جب ان کی نظر بنی عوف بن عمرو کی بستی قباء پر پڑی تو بولے کہ ''تمہارے شوہر اسی بستی میں ہیں، خدا کا نام لے کر چلی جاؤ۔''

یہ کہتے ہوئے وہ واپسی کیلئے مکہ کی طرف مڑ گئے۔ بچھڑے ہوئے ایک طویل عرصے کی جدائی کے بعد دوبارہ ہم ایک دوسرے سے ملے۔ حضرت اُم سلمہؓ کی آنکھیں اپنے شوہر کے دیدار سے ٹھنڈی ہوئیں، اور حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے دل کو اپنی بیوی اور بچے کو پا کر قرار و سکون نصیب ہوا۔ اس کے بعد واقعات اور حوادث تیزی سے گزرتے رہے۔

یہ غزوۂ بدر ہے جس میں حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ شریک ہوئے اور فتح یاب و ظفر مند ہو کر مسلمانوں کے ساتھ واپس لوٹے، اور یہ ہے معرکۂ اُحد۔ جنگ بدر کے بعد حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اس غزوہ میں بھی ایک بہادر کی طرح شریک ہوئے اور اس میں اپنی جرأت و شجاعت کے انمٹ نقوش چھوڑ آئے۔ جنگ سے واپس آئے تو ان کا جسم

Marfat.com

زخموں سے چُور تھا۔ وہ برابر زخموں کا علاج کرتے رہے اور بظاہر ایسا معلوم ہونے لگا کہ وہ زخم مندمل ہو چکے ہیں۔ مگر حقیقت میں ایسا نہیں تھا۔ وہ زخم بظاہر تو بھر گئے تھے مگر اندر ہی اندر خراب ہو گئے تھے۔ ایک دن اچانک پھٹ گئے اور حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بستر سے لگ گئے۔ اسی زمانے میں جب وہ اپنے زخموں کے ساتھ کشمکش میں مصروف تھے، ایک دن اپنی بیوی سے بولے کہ اُم سلمہ! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے:

لا یُصیبُ احدًا مُصیبةٌ فیسترجعُ عند ذالک یقول اللّٰهم عندک احتسِبُ مصیبَتی هٰذهٖ، اللّٰهم اخلفنی خیرًا منها، اِلّا اعطاه الله عزّ وجل.

"جو شخص کسی مصیبت میں مبتلا ہونے کے وقت اِنّا للّٰه وانا الیه راجعون پڑھے اور دعا کرے کہ خدایا! میں تجھ سے ہی اس مصیبت کا اجر چاہتا ہوں، الٰہی تو مجھے اس کا بہترین نعم البدل عطا فرما۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے تلافی ما فات کی بہترین صورت پیدا فرما دیتا ہے۔"

حضرت ابوسلمہ کئی روز تک بسترِ علالت پر پڑے رہے، اسی دوران ایک دن صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کیلئے تشریف لائے۔ آپ ﷺ دروازے میں داخل ہوئے اور ابھی اچھی طرح ان کو دیکھ بھی نہیں سکے تھے کہ انہوں نے زندگی کو خیر باد کہہ دیا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے ان کی آنکھوں کو بند کیا اور آسمان کی طرف نظریں اٹھاتے ہوئے ان کے لئے دعا کی:

اللّٰهم اغفر لِابی سلمة وارفع درجتهٗ فی المقرّبین واخلفهٗ فی عقبهٖ فی العابرین واغفرلنا ولهٗ یا ربّ العالمین وافسح لهٗ فی قبرهٖ ونوّر لهٗ فیه.

"اے اللہ! ابوسلمہ کی مغفرت فرما دے۔ مقربین میں ان کو بلند مرتبہ عطا کر اور ان کے پس ماندگان میں ان کا قائم مقام ہو جا۔ رب العالمین! ہماری اور ان کی مغفرت فرما، ان کی قبر کو کشادہ اور منور کر۔"

Marfat.com

ادھر جب حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو وہ دعا یاد آئی، جو حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بتائی تھی تو انہوں نے کہا:

اللّٰھم عندک احتسب مصیبتی ھذہ لیکن ان کا دل اللّٰھم اخلفنی فیھا خیرًا منھا کہنے پر آمادہ نہ ہو رہا تھا، وہ دل ہی دل میں کہہ رہی تھیں کہ ابوسلمہؓ سے بہتر کون ہو سکتا ہے جو نعم البدل کے طور پر طلب کیا جائے...... لیکن کچھ دیر بعد انہوں نے دعا مکمل کر دی۔

حضرت اُم سلمہؓ کی اس مصیبت پر مسلمانوں نے غیر معمولی صدمہ و افسوس کا اظہار کیا۔ انہیں ''ایم العرب'' کے لقب سے نوازا۔ کیونکہ مدینہ میں ان کے ننھے ننھے بچوں کے سوا ان کے اہل قبیلہ وخاندان میں سے ان کا کوئی قریبی سرپرست اور ہمدرد نہ تھا۔

مہاجرین وانصار دونوں نے بیک وقت اپنے اوپر حضرت اُم سلمہؓ کے حق کو محسوس کیا اور ان کی عدت وفات گزرتے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو نکاح کا پیغام دیا۔ مگر انہوں نے ان کا پیغام منظور نہیں کیا، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ نکاح کی پیش کش کی مگر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیغام کو بھی اسی طرح رد کر دیا جس طرح وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیغام کو نامنظور کر چکی تھیں۔ پھر جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے پیغام دیا تو حضرت اُم سلمہ نے کہا کہ:

''اے اللہ کے رسول! میرے اندر تین ایسی خصلتیں ہیں جو شاید آپ کو پسند نہ آئیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ میں انتہائی غیرت مند اور خوددار عورت ہوں مجھے اندیشہ ہے کہ میری کوئی بات آپ ﷺ کی طبع مبارک کو ناگوار گزر جائے گی اور آپ مجھ سے ناراض ہو جائیں تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھے سزا دے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں ایک سن رسیدہ عورت ہوں اور تیسری یہ کہ میں بال بچوں والی عورت ہوں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ باتیں سن کر ارشاد فرمایا کہ:

''یہ جو تم نے اپنی غیرت مندی اور خودداری کی بات کہی ہے تو میں اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ تمہارے اندر سے اس کو دور کر دے اور جہاں تک سن رسیدگی کی بات ہے تو اس میں میری حالت تم سے مختلف نہیں ہے اور یہ جو تم نے بال بچوں کا ذکر کیا ہے

Marfat.com

تو اس کے لیے کسی فکر کی ضرورت نہیں ہے، تمہارے بچے میرے بچے ہیں۔"

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُم سلمہؓ سے نکاح کر لیا اور ان کی وہ دعاء مجسم قبولیت بن کر سامنے آ گئی جو انہوں نے اپنے شوہر کے انتقال کے وقت کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ابو سلمہؓ کا نعم البدل عطا فرما دیا اور اس وقت سے ہند بنت ابی اُمیہ مخزومیہ صرف سلمہ کی ماں نہیں رہ گئیں بلکہ تمام مسلمانوں کی ماں ہو گئیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے چہرے کو جنت میں تر و تازہ اور بارونق رکھے، ان سے راضی رہے اور ان کو راضی رکھے۔ آمین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دو چکیاں، گھڑا اور چمڑے کا تکیہ جس میں خرمے کی چھال بھری تھی عنایت فرمایا، یہی سامان اور بیبیوں کو بھی عنایت ہوا تھا۔[1]

بہت حیادار تھیں۔ ابتداءً جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکان پر تشریف لاتے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرط غیرت سے لڑکی (زینب) کو گود میں بٹھا لیتیں۔ آپ یہ دیکھ کر واپس چلے جاتے۔ حضرت عمار بن یاسر ؓ کو جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی تھے معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئے اور لڑکی کو چھین کر لے گئے۔[2]

لیکن بعد میں یہ بات کم ہوتی گئی اور جس طرح دوسری بیبیاں رہتی تھیں وہ بھی رہنے لگیں۔ نکاح سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے ان کا ذکر کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بڑا رشک ہوا۔ ابن سعد میں ان سے جو روایت منقول ہے اس میں یہ فقرہ بھی ہے:

حزنت حزنا شديدا [3]......یعنی مجھ کو سخت غم ہوا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بے حد محبت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ (ایک موقع پر جب تمام ازواج مطہرات کو (سوائے حضرت عائشہؓ کے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ عرض کرنا تھا تو انہوں نے حضرت ام سلمہؓ ہی کو اپنا سفیر بنا کر حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ازواج مطہرات کے دو گروہ تھے۔ ایک میں حضرت عائشہ، حفصہ، صفیہ، سودہ رضی اللہ عنہن شامل تھیں دوسرے میں حضرت ام سلمہؓ اور باقی

---

(۱) مسند ج ۶ ص ۲۹۵ (۲) ایضاً (۳) مسند ج ۸ ص ۲۴۱

Marfat.com

ازواج تھیں۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کو زیادہ محبوب رکھتے تھے۔اس لئے لوگ ان ہی کی باری میں ہدیے بھیجتے تھے۔ حضرت ام سلمہ کی جماعت نے ان سے کہا، حضرت عائشہؓ کی طرح ہم بھی سب کی بھلائی کی خواہاں ہیں۔ اس بنا پر رسول اللہ ﷺ جس کے مکان میں بھی ہوں لوگوں کو ہدیہ بھیجنا چاہیے۔ حضرت ام سلمہؓ نے آپ ﷺ سے یہ شکایت کی تو آپ ﷺ نے دو مرتبہ اعراض فرمایا۔ تیسری مرتبہ کہا، ام سلمہؓ! عائشہؓ کے معاملہ میں مجھے اذیت نہ پہنچاؤ کیونکہ ان کے سواتم میں کوئی بیوی ایسی نہیں ہے جس کے لحاف میں میرے پاس وحی آئی ہو[1] حضرت ام سلمہؓ نے کہا **اتوب الی اللہ عز وجل من اذاک یا رسول اللہ!** میں آپ ﷺ کے اذیت پہنچانے سے پناہ مانگتی ہوں۔

حضرت ام سلمہؓ کے گھر میں آنحضرت ﷺ شب باش ہوتے تو ان کا بچھونا حضور ﷺ کی جانماز کے سامنے بچھتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نماز پڑھا کرتے اور یہ سامنے ہوتی تھیں۔[2]

آنحضرت ﷺ کے آرام کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ حضرت سفینہؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور غلام ہیں، دراصل حضرت ام سلمہؓ کے غلام تھے، ان کو آزاد کیا تو یہ شرط کی کہ جب تک آنحضرت ﷺ زندہ رہیں تم پر ان کی خدمت لازمی ہوگی۔[3]

عام حالات

حضرت ام سلمہؓ کے مشہور واقعات زندگی یہ ہیں۔ غزوۂ خندق میں اگرچہ وہ شریک نہ تھیں تاہم اس قدر قریب تھیں کہ آنحضرت ﷺ کی گفتگو اچھی طرح سنتی تھیں۔ فرماتی ہیں کہ مجھے وہ وقت خوب یاد ہے کہ جب سینۂ مبارک غبار سے اٹا ہوا تھا اور آپ ﷺ لوگوں کو اینٹیں اٹھا اٹھا کر دیتے اور اشعار پڑھ رہے تھے کہ دفعتاً عمارؓ بن یاسر پر نظر پڑی فرمایا (افسوس) ابن سمیہ تجھ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔[4]

محاصرہ بنو قریظہ (۵ھ) میں یہود سے گفتگو کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابولبابہؓ کو بھیجا تھا۔ اثنائے مشورہ میں ابولبابہؓ نے ہاتھ کے

(۱) صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳۲ (۲) مسند ج ۶ ص ۳۲۲ (۳) ایضاً ص ۳۱۶ (۴) ایضاً ص ۲۸۹

Marfat.com

اشارہ سے بتلایا کہ تم لوگ قتل کیے جاؤ گے لیکن بعد میں ان کو افشائے راز سمجھ کر اس قدر نادم ہوئے کہ مسجد کے ستون سے اپنے آپ کو باندھ لیا۔ چند دنوں تک یہی حالت رہی، پھر توبہ قبول ہوئی۔ آنحضرت ﷺ حضرت ام سلمہؓ کے مکان میں تشریف فرما تھے کہ صبح کو مسکراتے ہوئے اٹھے تو بولیں خدا آپ کو ہمیشہ ہنسائے، اس وقت ہنسنے کا کیا سبب ہے؟

فرمایا، ابولبابہ ﷺ کی توبہ قبول ہوگئی۔'' عرض کی تو کیا میں ان کو یہ مژدہ سنا دوں، فرمایا ہاں! اگر چاہو۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے حجرہ کے دروازہ پر کھڑی ہوئیں اور پکار کر کہا ''ابولبابہ، مبارک ہو تمہاری توبہ قبول ہوگئی'' اس آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام مدینہ امڈ آیا۔[1]

اسی سنہ میں آیت حجاب نازل ہوئی۔ اس سے پیشتر ازواج مطہرات بعض دور کے اعزہ واقارب کے سامنے آیا کرتی تھیں۔ اب خاص خاص اعزہ کے سوا سب سے پردہ کرنے کا حکم ہوا۔ حضرت ابن ام مکتوم قبیلہ قریش کے ایک معزز صحابی اور بارگاہ نبوی کے مؤذن تھے اور چونکہ نابینا تھے اس لئے ازواج مطہرات کے حجروں میں آیا کرتے تھے۔ ایک دن آئے تو آنحضرت ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ سے فرمایا ''ان سے پردہ کرو''۔ بولیں وہ تو نابینا ہیں۔ فرمایا ''تم تو نابینا نہیں ہو، تم تو انہیں دیکھتی ہو''۔[2]

صلح حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھیں۔ صلح کے بعد آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ لوگ حدیبیہ میں قربانی کریں۔ لیکن لوگ اس قدر دل شکستہ تھے کہ ایک شخص بھی نہ اٹھا۔ یہاں تک کہ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے، تین دفعہ بار بار کہنے پر بھی ایک شخص بھی آمادہ نہ ہوا (چونکہ معاہدہ کی تمام شرطیں بظاہر مسلمانوں کے سخت خلاف تھیں اس لئے تمام لوگ رنجیدہ اور غصہ سے بے تاب تھے) آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور حضرت ام سلمہؓ سے شکایت کی، انہوں نے کہا آپ ﷺ کسی سے کچھ نہ فرمائیں بلکہ باہر نکل کر خود قربانی کریں اور احرام اتارنے کے لئے بال منڈوائیں۔

آپ ﷺ نے باہر آ کر قربانی کی اور بال منڈوائے۔ اب جب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اس فیصلہ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی تو سب نے قربانیاں کیں اور احرام اتارا۔ ہجوم کا یہ

---

(۱) زرقانی ج ۲ ص ۱۵۳ وابن سعد ج ۲ ق ۱ ص ۵۴ (۲) مسند ج ۶ ص ۲۹۶

Marfat.com

حال تھا کہ ایک دوسرے پر ٹوٹا پڑتا تھا اور عجلت اس قدر تھی کہ ہر شخص حجامت بنانے کی خدمت انجام دے رہا تھا[1]

حضرت ام سلمہؓ کا یہ خیال علم النفس کے ایک بڑے مسئلہ کو واضح کرتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور کی فطرت شناسی میں ان کو کس درجہ کمال حاصل تھا۔

امام الحرمین فرمایا کرتے تھے کہ صنف نازک کی پوری تاریخ اصابت رائے کی ایسی عظیم الشان مثال نہیں پیش کر سکتی۔[2] غزوۂ خیبر میں شریک تھیں۔ مرحب کے دانتوں پر جب تلوار پڑی تو کرکراہٹ کی آواز ان کے کانوں میں آئی تھی۔[3]

۹ھ میں ایلاء کا واقعہ پیش آیا، حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو تنبیہ کی تو حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھی آئے وہ ان کی عزیز ہوتی تھیں ان سے بھی گفتگو کی، حضرت ام سلمہؓ نے جواب دیا:

عجبًا لک یا ابن الخطاب خلت فی کل شیء حتی تبتغی ان تدخل بین رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وازواجه.[4]

عمرؓ! تم ہر معاملہ میں دخل دینے لگے، یہاں تک کہ اب رسول اللہ ﷺ اور ان کی ازواج کے معاملات میں بھی دخل دیتے ہو۔

چونکہ جواب نہایت خشک تھا، اس لئے حضرت عمرؓ چپ ہو گئے اور اٹھ کر چلے آئے۔ رات کو یہ خبر مشہور ہوئی کہ آنحضرت ﷺ نے ازواج کو طلاق دے دی۔ صبح کو حضرت عمرؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور تمام واقعہ بیان کیا۔ جب حضرت ام سلمہؓ کا قول نقل کیا تو آپ ﷺ مسکرائے۔

حجۃ الوداع میں جو ۱۰ھ میں ہوا، اگرچہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا علیل تھیں، تاہم ساتھ آئیں۔ نبہان (غلام) اونٹ کی مہار تھامے تھا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب غلام مکاتب کے پاس اس قدر مال موجود ہو کہ وہ اس کو ادا کر کے آزاد ہو سکتا ہو تو اس سے پردہ ضروری ہو جاتا ہے۔[5]

---

(۱) صحیح بخاری ج ۶ ص ۳۸۰ (۲) زرقانی ج ۳ ص ۲۷۲ (۳) استیعاب ج ۲ ص ۸۰۳ (۴) صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۳۰ (۵) مسند ج ۶ ص ۳۰۸، ص ۲۸۹

طواف کے متعلق فرمایا کہ جب نماز فجر قائم ہو، تم اونٹ پر سوار ہو کر طواف کرنا چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا۔[1]

۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ علیل ہوئے، مرض نے طول کھینچا تو آنحضرت ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں منتقل ہو گئے۔ حضرت ام سلمہؓ اکثر آپ کو دیکھنے کے لئے جایا کرتی تھیں۔ ایک دن طبیعت زیادہ علیل ہوئی تو ام سلمہؓ چیخ اٹھیں، آنحضرت ﷺ نے منع کیا کہ یہ مسلمانوں کا شیوہ نہیں۔[2] ایک دن مرض میں اشتداد ہوا تو ازواج نے دوا پلانی چاہی، چونکہ گوارا نہ تھی، آپ ﷺ نے انکار فرمایا لیکن جب غشی طاری ہو گئی تو حضرت ام سلمہؓ اور اسماءؓ بنت عمیس نے دوا پلا دی۔[3]

(بعض روایتوں میں ہے کہ ان دونوں نے اس کا مشورہ دیا تھا) اسی زمانہ میں ایک روز حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جو حبشہ ہو آئی تھیں وہاں کے عیسائی معبدوں کا (جو غالباً رومن کیتھولک گرجے ہوں گے) اور ان کے مجسموں اور تصویروں کا تذکرہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا، ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مرتا ہے تو اس کے مقبرہ کو عبادت گاہ بنا لیتے ہیں اور اس کا بت بنا کر اس میں کھڑا کرتے ہیں۔ قیامت کے روز خدائے عزوجل کی نگاہ میں یہ لوگ بدترین مخلوق ہوں گے۔[4]

وفات سے پہلے آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کان میں باتیں کی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی وقت بے تابانہ پوچھنے لگیں لیکن حضرت ام سلمہؓ نے توقف کیا اور آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد پوچھا۔[5]

۶۱ھ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی حضرت ام سلمہؓ نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے ہیں، نہایت پریشان ہیں سر اور ریش مبارک غبار آلود ہے۔ پوچھا یا رسول اللہ (ﷺ) کیا حال ہے؟ ارشاد ہوا، "حسینؓ کے مقتل سے واپس آ رہا ہوں" حضرت ام سلمہؓ بیدار ہوئیں تو آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔[6]

---

(۱) صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱۹، ۲۲۰ (۲) طبقات ج ۲ ق ۲ ص ۱۳ (۳) صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۱ و طبقات ج ۲ ق ص ۳۲ (۴) صحیح بخاری و صحیح مسلم (۵) طبقات ج ۲ ق ۲ ص ۴۰ (۶) صحیح ترمذی ص ۲۲۴

Marfat.com

اسی حالت میں زبان سے نکلا، اہل عراق نے حسین ؓ کو قتل کیا خدا ان کو قتل کرے اور حسین ؓ کو ذلیل کیا خدا ان لوگوں پر لعنت کرے۔[1]

۶۳ھ میں واقعہ حرہ کے بعد شامی لشکر مکہ گیا جہاں ابن زبیر ؓ پناہ گزین تھے چونکہ آنحضرت ﷺ نے ایک حدیث میں ایسے لشکر کا تذکرہ فرمایا تھا۔ بعض کو شبہ ہوا اور حضرت ام سلمہؓ سے دریافت کیا، بولیں آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ ایک شخص مکہ میں پناہ لے گا اس کے مقابلہ میں جو لشکر آئے گا بیابان میں وہیں دھنس جائے گا۔ ام سلمہؓ سے پوچھا جو لوگ جبراً شریک کیے گئے ہوں گے وہ بھی؟ فرمایا ہاں! لیکن قیامت میں اپنی نیتوں کے مطابق اٹھیں گے (حضرت ابو جعفر ؓ) فرماتے تھے کہ یہ واقعہ مدینہ کے میدان میں پیش آئے گا۔[2]

وفات

جس سال حرہ کا واقعہ ہوا (یعنی ۶۳ھ) اسی سال حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا، اس وقت ۸۴ برس کا سن تھا۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ نے نماز جنازہ پڑھی اور بقیع میں دفن کیا۔[3] اس زمانہ میں ولید بن عتبہ (ابوسفیان کا پوتا) مدینہ کا گورنر تھا۔ چونکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے وصیت کی تھی کہ وہ میرے جنازہ کی نماز نہ پڑھائے، اس لیے وہ جنگل کی طرف نکل گیا اور اپنے بجائے حضرت ابو ہریرہ ؓ کو بھیج دیا۔[4]

اولاد

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر سے جو اولاد ہوئی، اس کے نام یہ ہیں:

سلمہ ؓ حبشہ میں پیدا ہوئے، آنحضرت ﷺ نے ان کا نکاح حضرت حمزہ ؓ کی لڑکی اُمامہ سے کیا تھا۔

عمر ؓ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت اُم سلمہؓ کا نکاح ان ہی نے کیا تھا۔ حضرت علی ؓ کے زمانۂ خلافت میں فارس اور بحرین کے حاکم تھے۔

---

(۱) مسند ج۶ ص ۲۹۸ (۲) صحیح مسلم ج۲ ص ۴۹۳، ۴۹۴ (۳) زرقانی ج ۳ ص ۲۷۶ (۴) طبری کبیر ج ۳ ص ۲۴۴۳

Marfat.com

دُرّہ۔ ان کا ذکر صحیح بخاری میں آیا ہے، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جو کہ ازواج مطہرات میں داخل تھیں، آنحضرت ﷺ سے کہا "ہم نے سنا ہے کہ آپ دُرّہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں؟" فرمایا، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر میں نے اس کو پرورش نہ بھی کیا ہوتا تو بھی وہ میرے لئے کسی طرح حلال نہ تھی کیونکہ وہ میرے رضاعی بھائی کی لڑکی ہے۔[۱]

زینبؓ۔ پہلے برّہ نام تھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رکھا۔[۲]

حلیہ

اصابہ میں ہے:

کانت ام سلمة موصوفة بالجمال البارع......

یعنی حضرت ام سلمہؓ نہایت حسین تھیں

ابن سعد[۳] نے روایت کی ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے حسن کا حال معلوم ہوا تو سخت پریشان ہوئیں، مگر یہ واقدی کی روایت ہے جو چنداں قابل اعتبار نہیں ہے۔[۴] حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بال نہایت گھنے تھے۔[۵]

فضل وکمال

علمی حیثیت میں اگرچہ تمام ازواج بلند مرتبہ تھیں۔ تاہم حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کا ان میں کوئی جواب نہ تھا چنانچہ محمود بن لبید کہتے ہیں۔

کان ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحفظن من حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم کثیراً ولا مثلاً لعائشة و ام سلمة.[۶]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج احادیث کا مخزن تھیں۔ تاہم عائشہ اور ام سلمہؓ کا ان میں کوئی حریف مقابل نہ تھا۔

مروان بن حکم ان سے مسائل دریافت کرتا اور اعلانیہ کہتا تھا:

کیف نسأل احدا وفینا ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔[۷]

(۱) صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶۴ (۲) زرقانی ج ۳ ص ۲۷۳ (۳) ابن سعد ج ۸ ص ۶۶ (۴) مسند ج ۶ ص ۲۸۹ (۵) طبقات ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۱۲۶ (۶) مسند ج ۶ ص ۳۱۷ (۷) ایضاً ص ۳۱۲

Marfat.com

آنحضرت ﷺ کی ازواج کے ہوتے ہوئے ہم دوسروں سے کیوں پوچھیں؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ دریائے علم ہونے کے باوجود ان کے دریائے فیض سے مستغنی نہ تھے۔[۱] تابعین کرام کا ایک بڑا گروہ ان کے آستانۂ فضل پر سر بر تھا۔

قرآن اچھا پڑھتیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز پر پڑھ سکتی تھیں۔ ایک مرتبہ کسی نے پوچھا آنحضرت ﷺ کیونکر قرأت کرتے تھے؟ بولیں، ایک ایک آیت الگ الگ کر کے پڑھتے تھے۔ اس کے بعد خود پڑھ کر بتلایا۔[۲]

حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ ان سے ۳۷۸ روایتیں مروی ہیں۔ اس بنا پر وہ محدثین صحابہؓ کے تیسرے طبقہ میں شامل ہیں۔

حدیث سننے کا بڑا شوق تھا۔ ایک دن بال گوندھوا رہی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے، زبان مبارک سے یا ایھا الناس (اے لوگو) کا لفظ نکلا تو فوراً بال باندھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں اور کھڑے ہو کر پورا خطبہ سنا۔[۳]

مجتہد تھیں۔ صاحب اصابہ نے ان کے تذکرہ میں لکھا ہے:

صاحب العقل البالغ و الرائی الصائب .[۴]

یعنی وہ کامل العقل اور صائب الرائے تھیں۔

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ ان کے فتاویٰ اگر جمع کیے جائیں تو ایک چھوٹا سا رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔ ان کے فتاویٰ کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ وہ عموماً متفق علیہ ہیں اور یہ ان کی دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی کا کرشمہ ہے۔ ان کی نکتہ سنجی پر ذیل کے واقعات شاہد ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ مروان نے پوچھا آپ یہ نماز کیوں پڑھتے ہیں؟ بولے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی پڑھتے تھے۔ چونکہ انہوں نے یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سلسلہ میں سنی تھی۔ مروان نے ان کے پاس تصدیق کے لئے آدمی بھیجا، انہوں نے کہا مجھ کو ام سلمہؓ سے یہ حدیث پہنچی ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آدمی گیا اور یہ قول نقل کیا، تو بولیں:

---

(۱) مسند ج۶ ص ۳۰۰،۳۰۲ (۲) ایضاً ص ۳۰۱ (۳) اصابہ ج۸ ص ۲۴۱ (۷) اعلام الموقعین ج۱ ص ۱۳
(۸) مسند احمد ج۶ ص ۲۹۹۔ یہ واقعہ صحیح بخاری میں بھی ہے ج۲ ص ۲۳۹۔

يغفر الله لعائشة لقد وضعت امری علی غير موضعه. [1]

یعنی خدا عائشہ کی مغفرت کرے۔ انہوں نے بات نہیں سمجھی۔

اولم اخبرها ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد نهٰى عنهما [1]

کیا میں نے ان سے یہ نہیں کہا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ رمضان میں جنابت کا غسل فوراً صبح اٹھ کر کرنا چاہئے ورنہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ایک شخص نے جا کر حضرت ام سلمہؓ اور حضرت عائشہؓ سے پوچھا دونوں نے کہا کہ خود آنحضرت ﷺ جنابت کی حالت میں صائم ہوتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے سنا تو رنگ فق ہوگیا۔ اس خیال سے رجوع کیا اور کہا کہ میں کیا کروں، فضل بن عباسؓ نے مجھ سے اسی طرح بیان کیا تھا لیکن ظاہر ہے کہ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت عائشہؓ کو زیادہ علم ہے۔ [2] (اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنا فتویٰ واپس لے لیا۔ [3])

ایک مرتبہ چند صحابہؓ نے دریافت کیا کہ (آنحضرت ﷺ کی اندرونی زندگی) کے متعلق کچھ ارشاد کیجئے۔ فرمایا آپ ﷺ کا ظاہر و باطن یکساں تھا۔ آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ سے واقعہ بیان کیا فرمایا تم نے بہت اچھا کیا۔ [4] حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جواب صاف دیتی تھیں اور کوشش کرتی تھیں کہ سائل کو تشفی ہو جائے۔ ایک دفعہ کسی شخص کو مسئلہ بتایا وہ ان کے پاس سے اٹھ کر دوسری ازواج کے پاس گیا۔ سب نے ایک ہی جواب دیا۔ واپس آ کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو یہ خبر سنائی تو بولیں نعم واشفیک ذرا ٹھہرو میں تمہاری تشفی کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق حدیث سنی ہے۔ [5]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو حدیث وفقہ کے علاوہ اسرار کا بھی علم تھا اور یہ وہ فن تھا جس کے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ عالم خصوصی تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے تو بولیں کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ بعض صحابی ایسے ہیں جن کو نہ میں اپنے انتقال کے بعد دیکھوں گا نہ وہ مجھ کو دیکھیں گے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ گھبرا

---

(۱) مسند احمد ج ۶ ص ۳۰۳ (۲) مسند احمد ج ۶ ص ۳۰۶، ۳۰۷۔ (۳) ایضاً ص ۳۰۶ (۴) ایضاً ص ۳۰۹
(۵) ایضاً ص ۳۰۹

کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان سے یہ حدیث بیان کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور کہا، خدا کی قسم سچ سچ کہنا کیا میں انہی میں ہوں؟ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا نہیں! لیکن تمہارے علاوہ میں کسی کو مستثنیٰ نہیں کروں گی۔[1] حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے جن لوگوں نے علم حدیث حاصل کیا ان کی ایک بڑی جماعت ہے۔ ہم صرف چند ناموں پر اکتفا کرتے ہیں۔

عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، اسامہ بن زیدؓ، ہندؓ بنت الحارث، الفراسیہ صفیہؓ بنت شیبہ، عمرؓ، زینبؓ (اولاد حضرت ام سلمہؓ) مصعبؓ بن عبداللہ (برادر زادہ) نبہان (غلام مکاتب) عبداللہؓ بن رافع، نافعؓ شعبہ، پسر شعبہؓ، ابوبکیرؓ، خیرہ والدہ حسن بصریؒ، سلیمانؓ بن یسار، ابوعثمانؓ الہندی۔ حمیدؓ، ابوسلمہؓ، سعید بن مسیب ابووائل صفیہ بنت محصن، شعبی عبدالرحمٰن ابن حارث بن ہشام، عکرمہ ابوبکر بن عبدالرحمان، عثمان بن عبداللہ ابن موہب، عروہ بن زبیرؓ، کریب مولی ابن عباسؓ، قبیصہ بن ذودیبؓ، نافع مولا ابن عمر، یعلی بن مملک۔[2]

اخلاق وعادات

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ ایک ہار پہنا جس میں سونے کا کچھ حصہ شامل تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اعتراض کیا تو اس کو توڑ ڈالا۔[3] ہر مہینہ میں تین دن (دوشنبہ جمعرات اور جمعہ) روزہ رکھتی تھیں۔[4] ثواب کی متلاشی رہتیں۔ ان کے پہلے شوہر کی اولاد ان کے ساتھ تھی اور وہ نہایت عمدگی سے ان کی پرورش کرتی تھیں۔ اس بنا پر آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ مجھ کو اس کا کچھ ثواب بھی ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔[5]

اچھے کاموں میں شریک ہوتی تھیں۔ آیت تطہیر انہی کے گھر نازل ہوئی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا و حسنین رضی اللہ عنہما کو بلا کر کمبل اوڑھایا اور کہا خدایا یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے ناپاکی کو دور کر اور ان کو پاک کر۔ حضرت ام سلمہؓ نے یہ دعا سنی تو بولیں یارسول اللہ! (ﷺ) میں بھی ان کے ساتھ شریک ہوں، ارشاد ہوا تم اپنی جگہ پر ہو اور اچھی ہو۔[6]

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پابند تھیں۔ نماز کے اوقات میں بعض امراء نے تغیر و تبدل کیا یعنی مستحب اوقات چھوڑ دیے تو حضرت ام سلمہؓ نے ان کو تنبیہ کی اور فرمایا کہ آنحضرت ﷺ

(۱) ایضاً ص ۲۹۷ (۲) مسند احمد ص ۳۰۷ ج ۶ (۳) ایضاً ج ۶ ص ۳۱۵ (۴) ایضاً ص ۲۸۹ (۵) صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۱۹۸ (۶) صحیح ترمذی ص ۵۳۰

Marfat.com

ظہر جلد پڑھا کرتے تھے اور تم عصر جلد پڑھتے ہو۔[1] ایک دن ان کے بھتیجے نے دو رکعت نماز پڑھی چونکہ سجدہ گاہ غبار آلود تھی وہ سجدہ کرتے وقت مٹی جھاڑتے تھے۔ حضرت ام سلمہؓ نے روکا کہ یہ فعل آنحضرت ﷺ کی روش کے خلاف ہے۔ آنحضرت ﷺ کے ایک غلام نے ایک دفعہ ایسا کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا "ترب وجھک اللہ" یعنی تیرا چہرہ خدا کی راہ میں غبار آلود ہو۔[2]

فیاض تھیں اور دوسروں کو بھی فیاضی کی طرف مائل کرتی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے آ کر کہا، اماں! میرے پاس اس قدر مال جمع ہو گیا ہے کہ اب بربادی کا خوف ہے۔ فرمایا بیٹا، اس کو خرچ کرو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بہت سے صحابہؓ ایسے ہیں جو مجھ کو میری موت کے بعد پھر کبھی نہ دیکھیں گے۔[3] ایک مرتبہ چند فقراء جن میں عورتیں بھی تھیں، ان کے گھر آئے اور نہایت الحاح سے سوال کیا۔ ام الحسن (رضی اللہ عنہا) بیٹھی تھیں انہوں نے ڈانٹا لیکن حضرت ام سلمہؓ نے کہا ہم کو اس کا حکم نہیں ہے۔ اس کے بعد لونڈی سے کہا کہ ان کو کچھ دے کر رخصت کرو، کچھ نہ ہو تو ایک ایک چھوہارا ان کے ہاتھ پر رکھ دو۔[4] آنحضرت ﷺ سے ان کو جو محبت تھی اس کا یہ اثر تھا کہ آپ موئے مبارک تبرکاً رکھ چھوڑے تھے۔ جن کی وہ لوگوں کو زیارت کراتی تھیں۔[5] آنحضرت ﷺ کو ان سے اس قدر محبت تھی کہ ایک مرتبہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ) اس کا کیا سبب ہے کہ ہمارا قرآن میں ذکر نہیں، تو آپ ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور یہ آیت پڑھی "ان المسلمین والمسلمات والمومنین والمومنات"۔[6]

مناقب

ایک مرتبہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھی تھیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور باتیں کرتے رہے۔ ان کے جانے کے بعد آپ ﷺ نے پوچھا ان کو جانتی ہو؟ بولیں دحیہ تھے۔ لیکن جب آپ ﷺ نے اس واقعہ کو اور لوگوں سے بیان کیا تو اس وقت معلوم ہوا کہ وہ جبرئیل تھے۔[7] (غالباً یہ نزولِ حجاب سے قبل کا واقعہ ہے)

---

(۱) مسند ج۶ ص۲۸۹ (۲) ایضاً ج۶ ص۳۰۱ (۳) ایضاً ص۲۹۰ (۴) استیعاب ج۲ ص۸۰۳
(۵) مسند احمد ج۶ ص۲۹۰ (۶) ایضاً ص۳۰۱ (۷) صحیح مسلم ج۲ ص۲۴۱ مطبوعہ مصر

Marfat.com

اُم المومنین

سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

نام ونسب

زینب نام، ام الحکم کنیت، قبیلہ قریش کے خاندان اس بن خزیمہ سے ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔ زینب بنت جحش بن رباب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن سعد بن خزیمہ۔ والدہ کا نام اُمیمہ تھا جو عبدالمطلب جدّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر تھیں۔ اس بنا پر حضرت زینبؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی زاد تھیں۔

اسلام

نبوت کے ابتدائی دور میں اسلام لائیں، اسد الغابہ میں ہے:

کانت قدیمة الاسلام .... قدیم الاسلام تھیں۔

(اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۳)

نکاح

آنحضرت ﷺ نے زید ؓ بن حارثہ کے ساتھ، جو آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام اور متبنیٰ تھے ان کا نکاح کر دیا۔ اسلام نے دنیا میں مساوات کی جو تعلیم رائج کی ہے اور پست و بلند کو جس طرح ایک جگہ پر لا کر کھڑا کر دیا اگرچہ تاریخ میں اس کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں لیکن یہ واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ان سب پر فوقیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس سے عملی تعلیم

Marfat.com

کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ قریش اور خصوصاً خاندان ہاشم کو تولیتِ کعبہ کی وجہ سے عرب میں جو درجہ حاصل تھا اس کے لحاظ سے شاہانِ یمن بھی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے لیکن اسلام نے محض تقویٰ کو بزرگی کا معیار قرار دیا اور فخر وادعاء کو جاہلیت کا شعار ٹھہرایا ہے۔ اس بنا پر اگر چہ حضرت زید رضی اللہ عنہ بظاہر غلام تھے، تاہم چونکہ وہ مسلمان اور مرد صالح تھے اس لئے آنحضرت ﷺ کو ان کے ساتھ حضرت زینبؓ کا عقد کر دینے میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ تعلیم مساوات کے علاوہ اس نکاح کا ایک مقصد اور بھی تھا جو اسد الغابہ میں مذکور ہے اور وہ یہ ہے:

تزوجها ليعلمها كتاب الله وسنة رسوله. [1]

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح زیدؓ سے اس لئے کیا تھا کہ ان کو قرآن وحدیث کی تعلیم دیں۔

تقریباً ایک سال تک دونوں کا ساتھ رہا لیکن پھر تعلقات قائم نہ رہ سکے اور شکر رنجی بڑھتی گئی۔ حضرت زیدؓ نے بارگاہِ نبوت میں شکایت کی [2] اور طلاق دے دینا چاہا۔

جاء زيد بن حارثة فقال يا رسول الله (صلى الله عليه وسلم) ان زينب اشتد على لسانها وانا اريد ان اطلقها. [3]

زید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ زینب مجھ سے زبان درازی کرتی ہیں اور میں ان کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔

لیکن آنحضرت ﷺ بار بار ان کو سمجھاتے تھے کہ طلاق نہ دیں، قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللّٰهَ. (الاحزاب: ۵)

لیکن یہ کسی طرح صحبت برآنہ ہو سکے اور آخر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دے دی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کی پھوپھی زاد تھیں اور آپ ﷺ ہی کی تربیت میں پلی تھیں۔ آپ ﷺ کے فرمانے سے انہوں نے یہ رشتہ منظور کر لیا تھا۔ جو ان کے نزدیک ان کے خلافِ شان تھا (چونکہ زید رضی اللہ عنہ غلام رہ چکے تھے۔ اس لئے حضرت زینبؓ کو یہ نسبت گوارا نہ تھی) بہر حال وہ مطلقہ ہو گئیں تو آپ ﷺ نے ان کی دل جوئی کے لئے خود

---

(۱) اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۳ (۲) صحیح ترمذی ص ۵۳۱ (۳) فتح الباری ج ۸ ص ۴۰۳ تفسیر سورۂ احزاب

ان سے نکاح کر لینا چاہا لیکن عرب میں اس وقت تک متبنیٰ اصلی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا، اس لئے عام لوگوں کے خیال سے آپ ﷺ تامل فرماتے تھے لیکن چونکہ یہ محض جاہلیت کی رسم تھی اور اس کا مٹانا مقصود تھا اس لئے یہ آیت نازل ہوئی:

وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ.

(احزاب: ۵)

اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپاتے ہو جس کو خدا ظاہر کر دینے والا ہے اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو، حالانکہ ڈرنا خدا سے چاہیے۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت زیدؓ سے فرمایا کہ تم زینبؓ کے پاس میرا پیغام لے کر جاؤ۔ زیدؓ ان کے گھر آئے تو وہ آٹا گوندھنے میں مصروف تھیں۔ چاہا کہ ان کی طرف دیکھیں لیکن پھر کچھ سوچ کر منہ پھیر لیا۔ اور کہا زینبؓ، رسول اکرم ﷺ کا پیغام لایا ہوں جواب ملا میں بغیر استخارہ کیے کوئی رائے قائم نہیں کرتی۔ یہ کہا اور مصلیٰ پر کھڑی ہو گئیں اور ادھر رسول اللہ ﷺ پر وحی آئی فلما قضی زید منها وطراً زوجناكها اور نکاح ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینبؓ کے مکان پر تشریف لائے اور بلا استیذان اندر چلے گئے۔

دن چڑھے دعوت ولیمہ ہوئی جو اسلام کی سادگی کی اصلی تصویر تھی اس میں روٹی اور سالن کا انتظام تھا۔ انصار میں حضرت ام سلیمؓ نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ اور حضرت انس ؓ کی والدہ تھیں مالیدہ بھیجا تھا۔ غرض سب چیزیں جمع ہو گئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس ؓ کو لوگوں کے بلانے کے لئے بھیجا۔ ۳۰۰ آدمی شریک دعوت ہوئے۔ کھانے کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس دس آدمیوں کی ٹولیاں کر دی تھیں باری باری آتے اور کھانا کھا کر واپس جاتے تھے۔

اسی دعوت میں آیت حجاب اتری جس کی وجہ یہ تھی کہ چند آدمی مدعو تھے کھا کر باتیں کرنے لگے اور اس قدر دیر لگائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرط مروت سے خاموش تھے۔ بار بار اندر جاتے اور باہر آتے تھے اسی مکان میں زینب بھی بیٹھی ہوئی تھیں اور ان کا منہ دیوار کی طرف تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد و رفت کو دیکھ کر بعضوں کو خیال ہوا اور اٹھ کر

Marfat.com

چلے گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دوسری ازواج کے مکان میں تھے اطلاع دی، آپ ﷺ باہر تشریف لائے تو وحی کی زبان اس طرح گویا ہوئی:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ (الاحزاب: ۷)

”اے ایمان والو! نبی کے گھروں پر مت جایا کرو، مگر جس وقت تم کو کھانے کے لئے اجازت دی جائے ایسے طور پر کہ تم اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو، لیکن جب تم کو بلایا جائے تب جایا کرو پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو اس بات سے نبی کو ناگواری پیدا ہوتی ہے۔ سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صاف بات کہنے سے لحاظ نہیں کرتا ہے اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر مانگو۔“

آپ نے دروازہ پر پردہ لٹکا دیا اور لوگوں کو گھر کے اندر جانے کی ممانعت ہوگئی یہ ذوالقعدہ ۵ھ کا واقعہ ہے۔

حضرت زینبؓ کے نکاح کی چند خصوصیتیں ہیں جو کہیں اور نہیں پائی جاتیں ان کے نکاح سے جاہلیت کی ایک رسم کہ متبنیٰ اصلی بیٹے کا حکم رکھتا ہے مٹ گئی۔ مساوات اسلامی کا وہ عظیم الشان منظر نظر آیا کہ آزاد و غلام کی تمیز اٹھ گئی، پردہ کا حکم ہوا۔ نکاح کے لئے وحی الٰہی آئی۔ ولیمہ میں تکلف ہوا، اسی بنا پر حضرت زینبؓ اور ازواج کے مقابلہ میں فخر کیا کرتی تھیں۔[۱]

ازواج مطہرات میں جو بیبیاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھیں ان میں حضرت زینبؓ خصوصیت کے ساتھ ممتاز تھیں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

”هي التي كانت تساميني منهن في المنزلة عند رسول الله صلى الله عليه وسلم.“ [۲]

---

[۱] ترمذی ص ۵۳۱ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۴) (۲) صحیح مسلم باب فضل عائشہ

ازواج میں سے وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں عزت و مرتبہ میں میرا مقابلہ کرتی تھیں۔

آنحضرت ﷺ کو بھی ان کی خاطر داری منظور رہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب چند ازواج نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو سفیر بنا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور وہ ناکام واپس آئیں تو سب نے اس خدمت (سفارت) کے لئے حضرت زینبؓ کا انتخاب کیا کیونکہ وہ اس خدمت کے لئے زیادہ موزوں تھیں۔ انہوں نے بڑی دلیری سے پیغام ادا کیا اور بڑے زور کے ساتھ یہ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس رتبہ کی مستحق نہیں ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چپ رہ کر سن رہی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کے چہرہ کی طرف دیکھتی جاتی تھیں۔ حضرت زینبؓ جب تقریر کر چکیں تو مرضی پا کر کھڑی ہوئیں اور اس زور شور کے ساتھ تقریر کی کہ حضرت زینبؓ لاجواب ہو کر رہ گئیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیوں نہ ہو، ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہے۔[1]

وفات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہراتؓ سے فرمایا تھا:

اسرعکن لحاقا بی اطولکن یدًا

تم میں مجھ سے جلد وہ ملے گی جس کا ہاتھ لمبا ہوگا

یہ استعارۃً فیاضی کی طرف اشارہ تھا۔ لیکن ازواج مطہراتؓ اس کو حقیقت سمجھیں۔ چنانچہ باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں۔ حضرت زینبؓ اپنی فیاضی کی بنا پر اس پیشین گوئی کا مصداق ثابت ہوئیں ازواج مطہراتؓ میں سب سے پہلے انتقال کیا۔ کفن کا خود سامان کر لیا تھا اور وصیت کی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی کفن دیں تو ان میں سے ایک کو صدقہ کر دینا۔ چنانچہ وصیت پوری کی گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اس کے بعد ازواج مطہراتؓ سے دریافت کیا کہ کون قبر میں داخل ہوگا، انہوں نے کہا وہ شخص جوان کے گھر میں داخل ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، محمد بن عبداللہؓ بن جحش، عبداللہ بن ابی، احمد بن جحش نے ان کو قبر میں اتارا اور بقیع میں سپرد خاک کیا۔[2]

---

(۱) صحیح مسلم فضل عائشہؓ (۲) صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۹۱، مسلم ص ۳۴۱ ج ۲، اسد الغابہ ص ۴۶۵ ج ۵

Marfat.com

حضرت زینبؓ نے ۲۰ھ میں انتقال کیا اور ۵۳ برس کی عمر پائی۔ واقدی نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس وقت نکاح ہوا۔ اس وقت ۳۵ سال کی تھیں۔ لیکن یہ عام روایت کے خلاف ہے۔ عام روایت کے مطابق ان کا سن ۳۸ سال کا تھا۔ حضرت زینبؓ نے مال متروکہ میں صرف ایک مکان یادگار چھوڑا تھا جس کو ولید بن عبدالمالک نے اپنے زمانہ حکومت میں پچاس ہزار درہم پر خرید کیا اور وہ مسجد نبوی میں شامل کر دیا گیا۔[1]

حلیہ

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کوتاہ قامت لیکن خوبصورت اور موزوں اندام تھیں۔[2]

فضل وکمال

روایتیں کم کرتی تھیں کتب حدیث میں ان سے صرف گیارہ روایتیں منقول ہیں۔ راویوں میں حضرت ام حبیبہؓ، زینبؓ بنت ابی سلمہؓ، محمد بن عبداللہ بن جحش (برادرزادہ) کلثوم بنت طلق اور مذکور (غلام) داخل ہیں۔

اخلاق

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كانت زينب صالحةً صوامة قوامة......[3]

یعنی حضرت زینبؓ نیک خو روزہ دار و نماز گزار تھیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

لم ار امرأة قط خيرا فى الدين من زينب واتقى الله واصدق حديثا واوصل للرحم واعظم صدقة واشد ابتذلا لنفسها فى العمل الذى تصديق به وتقرب به الى الله ما عدا سورة من حده كانت فيها تسرع منها الفيئة . [4]

(۱) طبری ص ۲۴۴۹ ج ۱۳ (۲) زرقانی ج ۳ ص ۲۸۳ (۳) زرقانی بحوالہ ابن سعد (۴) مسلم ج ۲ ص ۳۳۵ (فضل عائشہؓ)

Marfat.com

میں نے کوئی عورت زینبؓ سے زیادہ دیندار زیادہ پرہیز گار زیادہ راست گفتار، زیادہ فیاض، مخیرّ اور خدا کی رضا جوئی میں زیادہ سرگرم نہیں دیکھی فقط مزاج میں ذرا تیزی تھی جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہوتی تھی۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا زہد و تورّع میں یہ حال تھا کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اتہام لگایا گیا اور اس اتہام میں خود حضرت زینبؓ کی بہن حمنہ شریک تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اخلاقی حالت دریافت کی تو انہوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا:

ما علمت الا خیراً.......... مجھ کو حضرت عائشہؓ کی بھلائی کے سوا کسی چیز کا علم نہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے اس صدق وقرار حق کا اعتراف کرنا پڑا۔

عبادت میں نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ مصروف رہتی تھیں ایک مرتبہ آپ مہاجرین پر کچھ مال تقسیم کر رہے تھے۔ حضرت زینبؓ اس معاملہ میں کچھ بول اٹھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ڈانٹا آپ نے فرمایا، ان سے درگزر کرو یہ اواہ ہیں [1] (یعنی خاشع ومتضرع ہیں)

نہایت قانع اور فیاض طبع تھیں خود اپنے دست وبازو سے معاش پیدا کرتی تھیں اور اس کو خدا کی راہ میں لٹا دیتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا۔ تو مدینہ کے فقراء اور مساکین میں سخت کھلبلی پیدا ہوگئی اور وہ گھبرا گئے۔ [2]

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا سالانہ نفقہ بھیجا۔ انہوں نے اس پر ایک کپڑا ڈال دیا اور بزرہ بنت رافع کو حکم دیا کہ میرے خاندانی رشتہ داروں اور یتیموں کو تقسیم کردو، بزرہ نے کہا آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے؟

انہوں نے کہا کپڑے کے نیچے جو کچھ ہو وہ تمہارا ہے دیکھا تو پچاسی درہم نکلے جب تمام مال تقسیم ہو چکا تو دعا کی کہ خدایا اس سال کے بعد میں عمر رضی اللہ عنہ کے عطیہ سے فائدہ نہ اٹھاؤں۔ دعا قبول ہوئی اور اسی سال انتقال ہو گیا۔ [3]

❁❁❁❁

(۱) اصابہ ج ۸ ۹۳ (۲) اصابہ ۱۱۳ ج ۸ بحوالہ ابن سعد (۳) ابن سعد ج ۸ ص ۷۸

Marfat.com

ام المومنین

سیدہ جویریہ بنت الحارث الخزاعیہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

نام برہ (بعد میں حضور ﷺ نے جویریہ رکھا) بنت الحارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن جذیمہ بن سعد بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴۵)

سیدنا عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا نام برہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو تبدیل کر کے جویریہ رکھا۔ (مسلم حدیث نمبر ۲۱۴۰)

حریم نبوت میں داخلہ

آپ کا پہلا نکاح اپنے ہی قبیلہ کے ایک شخص مسافع بن صفوان سے ہوا تھا۔ مسافع اور آپ کا باپ حارث دونوں سخت دشمن اسلام تھے۔ مسافع بن صفوان المصطلقی تو حالت کفر میں قتل ہوگیا۔

سیدہؓ کے والد حارث نے قریش کے اشارہ سے یا خود مدینہ طیبہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں۔ چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ حارث بن ابی ضرار بنی المصطلق کے رئیس نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے بہت سی فوج جمع کی ہے۔ اس اطلاع کے ملنے پر سرکار دو عالم ﷺ نے تحقیق احوال کے لیے بریدہ بن حصیب اسلمیؓ کو بھیجا۔ بریدہ نے واپس آ کر خبر کی تصدیق کی' چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خروج کا حکم دیا۔

شعبان ۵ھ کو صحابہ کرامؓ کی ایک تعداد جس میں تیس گھوڑے تھے جن میں دس

Marfat.com

مہاجرین کے اور بیس انصار کے تھے، مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئی۔ مال غنیمت کی طمع میں منافقین کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد اس لشکر شامل ہوگئی جو اس سے پہلے کبھی کسی غزوہ میں شریک نہ ہوئی تھی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں سیدنا زید بن حارثہ ؓ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور ازواج مطہرات ؓ میں سے ام المومنین سیدہ عائشہ ؓ اور ام المومنین سیدہ ام سلمہ ؓ کو اپنے ساتھ لیا اور ۲ شعبان ۵ ھ کو یسیع کی طرف روانہ ہوگئے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴۵، زرقانی جلد ۲ صفحہ ۹۶)

تیز رفتاری کے ساتھ چل کر اسلامی لشکر نے ناگہاں اور اچانک ان پر حملہ کر دیا۔ اس وقت وہ لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے۔ حملہ کی تاب نہ لا سکے۔ دس آدمی ان کے قتل ہوئے۔ باقی مرد عورتیں، بچے اور بوڑھے سب گرفتار کر لیے گئے۔ مال واسباب لوٹ لیا گیا۔ دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں مال غنیمت میں ہاتھ آئیں اور دو سو گھرانے قید ہوئے۔ انہیں قیدیوں میں سردار بنی المصطلق حارث بن ابی ضرار کی بیٹی برہ تھی جس کا نام بعد میں جویریہ رکھا گیا۔

یہ روایت بخاری جلد ا صفحہ ۳۴۵ کی ہے لیکن سیر کی کتابوں میں ہے کہ حارث بن ابی ضرار کو یہ خبر کہ اسلامی لشکر حملہ آور ہونے والا ہے، پہلے ہی سے پہنچ چکی تھی اس لیے اس کی جمعیت جو اس نے جمع کی تھی، منتشر ہوگئی اور وہ خود بھی کسی طرف بھاگ گیا۔ لیکن مریسیع میں جو لوگ آباد تھے انہوں نے صف آرائی کی اور دیر تک جم کر تیر برساتے رہے۔ مسلمانوں نے دفعتاً ایک ساتھ حملہ کیا تو ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ دس آدمی مارے گئے اور باقی گرفتار ہو گئے جن کی تعداد چھ سو تھی۔ غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔ گرفتار شدگان میں سیدہ جویریہ ؓ بھی تھیں۔

مال غنیمت کی تقسیم میں سیدہ جویریہ ؓ سیدنا ابن قیس ؓ کے حصہ میں آئیں۔ انہوں نے سیدنا ثابت ؓ سے درخواست کی کہ مجھ سے مکاتبت کر لو یعنی مجھ سے کچھ روپیہ لے کر چھوڑ دو۔ ثابت نے ۹، اوقیہ سونے پر مکاتبت منظور کر لی، لیکن سیدہ جویریہ ؓ کے پاس سونا نہ تھا۔ انہوں نے چاہا کہ لوگوں سے چندہ مانگ کر یہ رقم ادا کر دیں۔

سیدہ جویریہ ؓ سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو معلوم ہے کہ میں برہ (جویریہ) سردار بنی المصطلق حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں۔ میری

Marfat.com

اسیری کا حال آپ پر مخفی نہیں۔ تقسیم میں ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئی ہوں' انہوں نے مجھے مکاتبت بنادیا ہے۔ بدل کتابت میں آپ کی خدمت میں اعانت کے لیے حاضر ہوئی ہوں۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔ میں تم کو اس سے بہتر چیز بتلاتا ہوں۔ اگر تم پسند کرو۔ وہ یہ کہ تمہاری طرف سے کتابت کی واجب الادا رقم میں ادا کر دوں اور آزاد کر کے تجھ کو اپنی زوجیت میں لے لوں۔ سیدہ جویریہؓ نے فرمایا: میں اس پر راضی ہوں۔

(ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۹۲ الدرر فی اختصار المغازی والسیر لابن عبدالبر صفحہ ۱۸۸)

سیدہ جویریہؓ کی خواہش تو پہلے ہی سے تھی کہ وہ آزاد ہو جائیں۔ اتفاق سے ان کے باپ حارث بھی آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں قبیلہ بنو المصطلق کا سردار ہوں' اس لیے میری بیٹی کنیز بن کر نہیں رہ سکتی۔ آپ اس کو آزاد فرمادیں۔ آپ نے فرمایا کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ میں اس معاملہ کو خود جویریہ کی مرضی اور اختیار پر چھوڑ دوں، حارث نے جویریہؓ سے جا کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملہ تیری مرضی پر چھوڑ دیا ہے لہٰذا ہمیں رسوانہ کرنا۔ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اختیار کرتی ہوں۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۱۱۸' وابن عساکر ۴۲ صحیح' الحافظ فی الاصابہ جلد ۷ صفحہ ۵۶۶)

عبداللہ بن زیاد سے مروی ہے کہ سیدہ جویریہؓ کے والد حارث بن ابی ضرار بہت سے اونٹ لے کر مدینہ طیبہ روانہ ہوئے تاکہ فدیہ دے کر اپنی بیٹی کو چھڑا لائیں۔ ان میں سے دو اونٹ جو نہایت عمدہ اور پسندیدہ تھے ان کو ایک گھاٹی میں چھپا دیا کہ واپسی میں ان کو لے لوں گا۔ مدینہ پہنچ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ اونٹ آپ کے سامنے پیش کئے' اور کہا'' اے محمد! تم نے میری بیٹی کو گرفتار کیا ہے یہ اس کا فدیہ ہے۔''

سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ وہ اونٹ کہاں ہیں جو تم فلاں گھاٹی میں چھپا آئے ہو۔ حارث نے کہا۔ اشھد انک رسول اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ کے سوا اور کسی کو اس کا علم نہ تھا۔ اللہ ہی نے آپ کو اس سے مطلع کیا ہے۔''

(عیون الاثر جلد ۲ صفحہ ۲۹۹' اصابہ جلد ۱ صفحہ ۲۸۱ ترجمہ حارث بن ابی ضرار' خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۶۳۰ للسیوطی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے اپنی

Marfat.com

زوجیت میں لے لیا صحابہ کرامؓ کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے بنی المصطلق کے تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے سرالی رشتہ دار ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی وجہ سے بنی المصطلق کے ۱۰۰ گھرانے آزاد کرا دیئے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

''میں نے جویریہ ﷺ سے زیادہ کسی عورت کو اپنی قوم کے حق میں با برکت نہیں دیکھا کہ جن کی وجہ سے ایک دن میں ۱۰۰ گھرانے آزاد ہوئے ہوں۔'' [1]

جویریہ سے آنحضرت ﷺ کے نکاح کی برکت

یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ حضرت جویریہ کے باپ کا اپنی بیٹی کا فدیہ لے کر آنا اس گذشتہ روایت کے ہر صورت میں خلاف ہے جس کے مطابق آپ نے بنی مصطلق کے چشمے پر ہی جویریہ سے شادی کر لی تھی۔ ادھر اس گزشتہ روایت میں اور اس روایت میں بھی موافقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے جس میں ہے کہ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جویریہ سے نکاح کر لیا ہے تو انہوں نے بنی مصطلق کے بارے میں کہا کہ اب یہ لوگ آنحضرت ﷺ کے سرالی ہیں۔ اور پھر بنی مصطلق کے جو قیدی بھی ان کے پاس تھے انہوں نے سب کو آزاد کر دیا۔

کتاب امتاع میں یہ عبارت ہے کہ جب مسلمانوں کو یہ خبر پہنچی کہ آنحضرت ﷺ نے جویریہ سے شادی کر لی ہے تو اس وقت وہ لوگ بنی مصطلق کے قیدیوں کو آپس میں تقسیم کر کے ان کے مالک بن چکے تھے اور ان میں جو عورتیں تھیں ان کے ساتھ ہم بستری کر چکے تھے۔ مگر اس خبر کے بعد انہوں نے کہا کہ اب یہ آنحضرت ﷺ کے سرالی ہو گئے ہیں لہٰذا جس کے پاس جو قیدی تھا اس نے اسے آزاد کر دیا۔

خود حضرت جویریہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے آزاد کر دیا اور

[1] مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۲۷۷' ابو داؤد حدیث نمبر ۳۹۳۱ (جلد ۲ صفحہ ۱۹۲) دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ صفحہ ۵۰' المعجم الکبیر جلد ۲۴ صفحہ ۶۱' مستدرک حاکم جلد ۴ صفحہ ۲۶۔۲۷ کاھم من طریق ابن اسحاق' طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۱۱۲ من طریق واقدی' مغازی الواقدی جلد ۱ صفحہ ۴۱۱' السیرۃ النبویہ جلد ۳ صفحہ ۲۹۴

Marfat.com

مجھ سے نکاح فرمالیا تو بھی خدا کی قسم میں نے آپ سے اپنی قوم کے قیدیوں کے متعلق بات نہیں کی بلکہ خود مسلمانوں نے ہی اس کے بعد ان قیدیوں کو چھوڑ دیا۔ مجھے اس بات کی خبر بھی اپنی چچازاد بہن سے ملی جس پر میں نے اللہ تعالیٰ کا شکرادا کیا۔

قیدیوں کی رہائی کیسے ہوئی

بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت جویریہ نے اپنی شب عروسی میں آنحضرت ﷺ سے اپنی قوم کے قیدیوں کی رہائی چاہی جو آپ نے منظور فرمالی۔ غالباً حضرت جویریہؓ کو آزاد کرکے ان سے نکاح کرنے سے پہلے کچھ قیدیوں کا فدیہ لیا گیا تھا مگر پھر جویریہ سے نکاح کے بعد آنحضرت ﷺ نے باقی قیدیوں کو یوں ہی چھوڑ دیا۔ لہٰذا یوں کہنا چاہئے کہ ان میں سے کچھ قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کیا گیا اور باقی دوسرے لوگوں کو یونہی بغیر فدیہ کے چھوڑ دیا گیا۔ قیدیوں کی تعداد بہرحال بہت کافی تھی کیونکہ وہ دو سو گھرانوں کے لوگ تھے۔

بعض علماء کے ایک قول سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے اس قول میں ہے کہ جو قیدی تھے ان میں کچھ وہ لوگ تھے جن کو آنحضرت ﷺ نے بلا فدیہ کے آزاد کرکے ان پر احسان کیا اور کچھ وہ تھے جن کا فدیہ لیا گیا۔ اسی بات کی تائید آگے حضرت عائشہؓ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ بلا فدیہ کے جن لوگوں کو رہائی ہوئی وہ ایک سو گھرانوں کے لوگ تھے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ سو گھرانوں کے لوگوں کو فدیہ لے کر چھوڑا گیا اور سو گھرانوں کو بغیر فدیہ کے آزاد کیا گیا۔

پیچھے حضرت جویریہ کا جو یہ قول گزرا ہے کہ میں نے اپنی قوم کے قیدیوں کے متعلق آپ ﷺ سے کوئی بات نہیں کی اس کا مطلب یہ ہوگا کہ فدیہ کے بدلے رہا ہونے والوں کے بعد جو قیدی رہ گئے تھے ان کے متعلق کوئی بات نہیں کی۔

ادھر یہ بات بھی واضح رہنی چاہئے کہ فدیہ کے سلسلے میں حضرت جویریہ کے والد کا آنا یا ان کے بھائی کا آنا یا بنی مصطلق کے ایک وفد کا آنا اس گزشتہ روایت کے خلاف ہے جس کے مطابق بنی مصطلق کے تمام ہی لوگ یعنی مرد اور عورتیں اور بچے گرفتار ہو گئے تھے اور ان میں سے ایک بھی بچ کر نہیں نکل سکا تھا۔ کیونکہ مسلمانوں کے ان لوگوں پر حملے کے وقت ان لوگوں کا قبیلے سے غائب ہونا خاص طور پر حضرت جویریہ کے والد کا غائب ہونا قرین

Marfat.com

قیاس نہیں ہے کیونکہ وہ یعنی حرث قوم کے سردار تھے۔ لہٰذا اگر ان تمام روایتوں کو درست مانا جائے تو ان سب کے درمیان موافقت پیدا کرنا ضروری ہے۔ واللہ اعلم

اسی سلسلہ میں امام بیہقی نے ایک روایت خود سیدہ جویریہ سے نقل کی ہے کہ سیدہؓ فرماتی ہیں: میں نے حضور ﷺ کی آمد سے تین رات قبل خواب میں دیکھا کہ چاند یثرب سے چلا آ رہا ہے اور وہ میری آغوش میں آ کر گرا۔ میں نے یہ بات لوگوں کو بتانا پسند نہ کی یہاں تک کہ رسول ﷺ تشریف لائے۔ جب ہم قیدی ہوئے تو میں نے اپنے اس خواب کی تعبیر کی امید لگائی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مجھے آزاد کر کے اپنی ازواج مطہراتؓ میں شامل فرمالیا۔ (دلائل النبوۃ جلد۴ صفحہ۵۰، مستدرک حاکم جلد۴ صفحہ۲۷، مغازی الواقدی جلد۱ صفحہ۴۱۱)

طبرانی میں ابن شہاب الزھری سے روایت ہے کہ سیدہ جویریہؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک میں تھیں۔ آپ نے انہیں آزاد فرمایا اور ان کی آزادی ہی کو ان کا مہر قرار دیا اور بنو المصطلق کے جتنے قیدی تھے ان سب کو رہا فرما دیا۔

امام طحاویؒ نے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے یہ روایت مرفوعاً بھی مروی ہے۔

وفات:

صحیح روایت کے مطابق سیدہؓ کا انتقال ربیع الاول ۵۰ھ میں ہوا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق ۵۶ھ میں آپ نے وفات پائی۔ سیدنا مروان بن الحکمؓ نے نماز جنازہ پڑھائی کیونکہ وہ اس وقت گورنر مدینہ تھے۔ جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ انتقال کے وقت سن مبارک ۶۵ سال تھا اور ایک دوسری روایت کے مطابق ۷۰ سال۔ [1]

جب سیدہؓ حضور کی زوجیت میں آئیں اس وقت ان کی عمر بیس سال تھی اور انتقال کے وقت ۶۵ سال۔ (زرقانی جلد۳ صفحہ۲۵۳، الاصابہ جلد۴ صفحہ۲۶۵ ترجمہ سیدہ جویریہؓ)

فضائل ومناقب

سیدہ جویریہؓ نے سرکار دو عالم ﷺ سے چند احادیث روایت کی ہیں۔ ان سے جن حضرات نے حدیث سنی ہے، ان کے نام یہ ہیں۔

(عیون الاثر جلد۲ صفحہ۳۹۹، تاریخ خلیفہ ۲۲۴، طبقات ابن سعد جلد۸ صفحہ۱۲۰، تہذیب النووی جلد۲ صفحہ ۳۳۶، السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد۳ صفحہ۲۸۹)

Marfat.com

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سیدنا جابرؓ ' سیدنا عبید بن السباق طفیل' ابوایوب المراغی' مجاہد' کریب' کلثوم بن المصطلق' عبداللہ بن شداد بن الھار۔

سیدہؓ کی زندگی نہایت زاہدانہ تھی۔ ایک روز صبح کو دعا کر رہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ گزرے اور دیکھتے ہوئے چلے گئے۔ جب آپ دوپہر کے قریب آئے تو اس وقت بھی آپ کو اسی حالت میں پایا۔ (ترمذی صفحہ ۵۹۰)

ایک جمعہ کو سرکار دو عالم ﷺ ان کے گھر تشریف لائے تو روزہ سے تھیں۔ چونکہ آپ ﷺ ایک روزہ رکھنا مکروہ سمجھتے تھے اس لیے آپ نے سیدہؓ سے پوچھا۔ کل بھی روزہ سے تھیں؟ بولیں: ''نہیں۔'' فرمایا: ''کل روزہ سے رہو گی؟'' جواب دیا: ''نہیں۔'' فرمایا تو پھر تم کو افطار کر لینا چاہیے۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۶۶)

ایک روایت میں جس کو امام مسلم نے نقل کیا ہے' سیدہ جویریہؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے۔ صبح کا وقت تھا۔ میں تسبیح میں مشغول تھی۔ پھر آپ دوپہر کے وقت تشریف لائے۔ میں اس وقت بھی تسبیح میں مصروف تھی۔ مجھے اس طرح دیکھ کر حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''تو ابھی تک بیٹھی ہوئی ہے؟'' سیدہؓ نے جواب دیا: ''ہاں'' فرمایا۔ میں تجھے کچھ کلمات ایسے نہ سکھا دوں جو وزن میں اس تمام تسبیح کے برابر ہوں جو تو ابھی پڑھ چکی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا وہ کلمات یہ ہیں۔

سبحان الله عدد خلقه (تین مرتبہ)

سبحان الله زينة عرشه (تین مرتبہ)

سبحان الله رضا نفسه (تین مرتبہ)

سبحان الله مداد كلماته (تین مرتبہ)

(مسلم: حدیث نمبر ۲۷۲۶' مسند احمد جلد ۶ ص ۳۲۴۔۳۲۵ زرقانی جلد ۳ ص ۲۵۵)

سرکار دو عالم ﷺ کو ان سے بڑی محبت تھی۔ ایک مرتبہ آپ ان کے گھر تشریف لائے اور پوچھا۔ کچھ کھانے کو ہے؟ عرض کی میری کنیز نے صدقہ کا گوشت دیا تھا وہی رکھا ہے اور کچھ نہیں۔ ارشاد فرمایا۔ وہی لے آؤ کیونکہ صدقہ جس کو دیا گیا تھا اس کو پہنچ گیا۔ (مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۰۰)

(امہات المومنین ؛ از حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی)

ام المومنین

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابی سفیان الأمویہ

نام ونسب:

نام رملہ' کنیت ام حبیبہ۔ نسب کا سلسلہ حسب ذیل ہے:

رملہ بنت ابی سفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف الاموبیہ والدہ کا نام صفیہ بنت ابی العاص بن امیہ۔ صفیہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں۔

(سیر اعلام النبلاء جلد ۲ صفحہ ۲۱۹)

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نام اکثر مورخین اور اصحاب سیر کے نزدیک رملہ تھا لیکن بعض نے ہند لکھا ہے۔[1]

سیدہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے ۱۷ سال قبل پیدا ہوئیں۔

الاصابہ جلد ۸ صفحہ ۸۴

حریم نبوت میں داخلہ

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ابتدا ہی سے مسلمان ہوئیں اور حبشہ کی طرف اپنے خاوند عبید اللہ بن جحش کے ساتھ ہجرت کی۔ یہ عبید اللہ بن جحش حرب بن امیہ کے حلیف تھے اور سیدہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح ان سے ہوا تھا۔ یہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے جو غزوہ احد میں شہید ہوئے۔

---

[1] مستدرک جلد ۴ صفحہ ۲۰' انساب الاشراف جلد ا صفحہ ۴۳۸' جامع السیرۃ وقال النووی فی تہذیبہ جلد ۲ صفحہ ۳۵۹' اسمھا رملہ وقیل ہند والصحیح المشہور رملہ وبہ قال الکثیر ون

Marfat.com

عبید اللہ بھی مسلمان ہوئے۔ اپنی بیوی کے ساتھ دوسری ہجرت حبشہ بھی کی لیکن پھر حبشہ ہی میں ان کے ہاں ایک لڑکی حبیبہ پیدا ہوئی جس کے نام پر سیدہؓ نے اپنی کنیت ام حبیبہؓ رکھی اور پھر اصل نام کی بجائے اسی کنیت سے مشہور ہوئیں۔ چند روز کے بعد عبید اللہ بن جحش تو اسلام سے مرتد ہو کر عیسائی ہو گیا لیکن ام حبیبہؓ برابر اسلام پر قائم رہیں۔

وابی اللّٰه عزوجل لام حبیبة ان تتنصر فاتم اللّٰه تعالی لها الاسلام والهجرة. (المستدرک جلد ۴ صفحہ ۲۰)

سیدہ ام حبیبہؓ فرماتی ہیں کہ عبید اللہ کے نصرانی ہونے سے پہلے میں نے اسے ایک نہایت بری شکل اور بھیانک صورت میں خواب میں دیکھا۔ میں بہت گھبرائی۔ جب صبح ہوئی تو میں نے دیکھا کہ وہ عیسائی ہو چکا ہے۔ میں نے یہ خواب اسے اس امید پر بتایا کہ شاید وہ متنبہ ہو جائے لیکن اس نے کوئی توجہ نہ کی اور شراب کباب میں برابر منہمک رہا حتی کہ اسی حالت میں وہ مر گیا۔ چند روز کے بعد میں نے خواب دیکھا کہ کوئی شخص ''یا ام المومنین'' کہہ کر مجھے آواز دے رہا ہے۔ میں بہت گھبرائی۔ جب میری عدت ختم ہوئی تو یکایک مجھے نجاشی کے واسطہ سے سرکار دوعالم ﷺ کا پیام پہنچا۔[1]

ابن حبان نے سیدہ عائشہؓ سے یہ روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن جحش نے ام حبیبہ بنت ابی سفیانؓ کے ساتھ حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ جب وہ سرزمین حبشہ پہنچے تو عبد اللہ بن جحش بیمار ہو گیا۔ جب اس کے انتقال کا وقت آیا تو اس نے رسول اللہ ﷺ کے لئے وصیت کی۔ پس آپ ﷺ نے اس وصیت کے پیش نظر ام حبیبہؓ سے نکاح کر لیا اور نجاشی نے سیدہؓ کو شرحبیل بن حسنہؓ کی معیت میں حبشہ سے مدینہ طیبہ روانہ کر دیا۔[2]

اس روایت میں دو اشکال ہیں۔

ا۔ ایک تو نام کا، وہ یہ کہ اس روایت میں نام عبد اللہ منقول ہے حالانکہ صحیح نام عبید اللہ ہے۔ معلوم نہیں ابن حبان نے عبد اللہ بن جحش نے بھی حبشہ کی پہلی ہجرت کی تھی لیکن سیدہ ام حبیبہؓ کا نکاح ان سے نہیں بلکہ عبید اللہ (تصغیر) کے ساتھ ہوا اور

---

[1] زرقانی جلد ۳ صفحہ ۲۴۲، طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۹۷، مستدرک حاکم جلد ۴ صفحہ ۲۰۔۲۲، اعلام النبلاء جلد ۲ صفحہ ۲۲۱ [2] ابن حبان حدیث نمبر ۱۲۸۳ من موارد الظمان وفیہ عبد اللہ

یہی بعد میں عیسائی ہوا تھا۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے عبداللہ بن جحشؓ اسلام پر قائم رہے تھے اور جنگ احد میں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہ! لہٰذا ابن حبان کی روایت میں عبداللہ بن جحش غلط لکھا گیا ہے۔ صحیح عبیداللہ بن جحش ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے جو پیام نکاح سیدہ ام حبیبہؓ کو بھیجا وہ سیدنا عثمانؓ کی وجہ سے تھا کیونکہ سیدہؓ کی والدہ صفیہ بنت ابی العاص سیدنا عثمان کی حقیقی پھوپھی اور ان کے والد عفان کی سگی بہن تھی اور یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سیدنا شرحبیل بن حسنہؓ لے کر گئے تھے۔ (المعجم الکبیر جلد ۲۳ صفحہ ۲۱۹، مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۲۵۰ و اسنادہ حسن)

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن امیہ الضمریؓ کو شاہ حبشہ نجاشی کے پاس یہ کہلا کر بھیجا کہ ام حبیبہؓ مجھ سے نکاح کرنا چاہیں تو تم بطور وکیل نکاح پڑھوا کر میرے پاس بھیج دو۔ نجاشی نے اپنی باندی ابرھ کو سیدہ ام حبیبہؓ کے پاس یہ کہلا کر بھیجا کہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ کا ایک والا نامہ اس مضمون کا (یعنی پیام آیا ہے۔ اگر تمہیں منظور ہو تو اپنی طرف سے کسی کو وکیل بنا لو۔ سیدہؓ نے حضور ﷺ کے اس پیام کو منظور کر لیا اور خالد بن سعید بن العاصؓ اموی کو اپنا وکیل مقرر کیا اور اس بشارت اور خوش خبری کے انعام میں ہاتھوں کے دو کنگن اور پیروں کی پازیب اور انگلیوں کے چھلے جو سب نقرئی تھے، ابرھہ باندی کو دے دیئے۔ جب شام ہوئی تو نجاشی نے سیدنا جعفر طیارؓ اور دوسرے تمام مسلمانوں کو اکٹھا کر کے خود خطبہ نکاح پڑھا۔ وہ خطبہ یہ تھا:

الحمد لله الملك القدوس السلام المومن المهيمن العزيز الجبار، اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله انه الذى بشر به عيسىٰ بن مريم صلى الله عليهما وسلم

اما بعد! فان رسول الله صلى الله عليه وسلم كتب الى عن ازوّجه ام حبيبه بنت ابى سفيان فاجبت الى ما دعا اليه رسول الله صلى الله عليه وسلم وقد اصدقتها اربع مائة دينار.

Marfat.com

"حمد وستائش ہے خداوند قدوس اور خدائے غالب اور عزیز وجبار کی۔
میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے برگزیدہ بندے اور رسول برحق ہیں اور آپ وہی نبی ہیں جن کی عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے بشارت دی ہے۔"

"اما بعد! رسول اللہ ﷺ نے مجھے تحریر فرمایا ہے کہ میں آپ ﷺ کا نکاح ام حبیبہ بنت ابی صفیانؓ سے کردوں۔ میں نے آپ کے ارشاد کے مطابق آپ کا نکاح ام حبیبہ سے کردیا اور چار سو دینار مقرر کیا۔"

اور اسی وقت چار سو دینار خالد بن سعید اموی کے حوالہ کردیئے گئے اس کے بعد خالد بن سعیدؓ کھڑے ہوئے اور یہ فرمایا:

"میں اللہ کی حمد وثنا کرتا ہوں اور اس سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ایک ہے، کوئی اس کا شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے برگزیدہ بندے اور اس کے رسول برحق ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور دین برحق دے کر بھیجا تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کردے اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہو۔"

اما بعد! میں نے سرکار دو عالم ﷺ کے پیام کو قبول کیا اور آپ سے ام حبیبہؓ کا نکاح کردیا۔ اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے۔

اسی طرح سے یہ نکاح انجام پذیر ہوا۔ نکاح کے بعد لوگوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو نجاشی نے کہا، ابھی بیٹھئے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی سنت یہ ہے کہ نکاح کے بعد ولیمہ بھی ہونا چاہئے۔ چنانچہ کھانا آیا اور دعوت ولیمہ سے فارغ ہو کر سب واپس ہوئے۔ مہر کی رقم جب سیدہ ام حبیبہؓ کے پاس پہنچی تو ابرھہ کو بلا کر پچاس دینار اور دیئے۔ ابرھہ نے یہ پچاس دینار اور وہ زیور جو پہلے دیا گیا تھا یہ کہ کر سب واپس کردیا کہ بادشاہ نے مجھ کو تاکید کردی ہے کہ آپ سے کچھ نہ لوں اور یقین کیجئے کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کی پیرو ہو چکی ہوں اور اللہ عزوجل کے لیے دین اسلام کو قبول کر چکی ہوں اور آج بادشاہ نے اپنی تمام بیگمات کو حکم دیا

Marfat.com

ہے کہ ان کے پاس جو خوشبو اور عطر ہو اس میں سے ضرور آپ کے پاس ہدیہ بھیجیں۔ چنانچہ دوسرے روز ابرھہ بہت ساعود اور عنبر لے آئی، سب رکھ لیا اور اپنے ساتھ سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں لائی۔ اس کے بعد ابرھہ نے کہا کہ میری ایک درخواست ہے وہ یہ کہ سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں میرا اسلام عرض کرنا اور یہ بھی عرض کرنا کہ میں آپ کے دین کی پیرو ہو گئی ہوں۔ میری روانگی تک ابرھہ کا یہ حال رہا کہ جب آتی تو یہی کہتی کہ دیکھو میری درخواست کو بھول نہ جانا۔ چنانچہ جب میں مدینہ طیبہ پہنچی تو یہ تمام حالات و واقعات آپ سے بیان کئے۔ آپ انہیں سن کر مسکراتے رہے۔ آخر میں جب میں نے ابرہہ کا سلام پہنچایا تو جواب میں آپ نے فرمایا، علیہا السلام ورحمۃ اللہ علیہ وبرکاتہ۔

(صفۃ الصفوۃ ابن الجوزی جلد ۲ صفحہ ۲۲، زرقانی جلد ۳ صفحہ ۲۴۳)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا شرجیل بن حسنہؓ کے ساتھ نجاشی نے سیدہ رضی اللہ عنہا کو سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور اپنی طرف سے انہیں جہیز بھی دیا اور یہ نکاح ۷ ھ میں ہوا۔ بعض نے ۶ ھ لکھا ہے۔ بعض روایات میں مہر کی رقم دو سو دینار مرقوم ہے اور بعض نے چار ہزار درہم لیکن صحیح چار سو دینار ہے۔

(نکاح کے بعد سیدہ ام حبیبہؓ جہاز میں روانہ ہوئیں اور مدینہ کے قریب اُتریں۔ سرکار دو عالم ﷺ اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے۔ اس وقت سیدہؓ کی عمر ۳۲۔۳۷ سال کی تھی اور یہ سن ۷ ہجری کا اور بقول بعض ۶ ہجری کا واقعہ ہے۔ (مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۴۲۷)

اس سلسلہ میں ایک روایت صحیح مسلم میں منقول ہے کہ لوگ ابوسفیان کو نظر اٹھا کر دیکھتے اور ان کے پاس بیٹھنا ناپسند کرتے تھے۔ اس وجہ سے انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ سے تین چیزوں کی درخواست کی جن میں ایک یہ بھی تھی کہ آپ میری بیٹی ام حبیبہؓ سے شادی فرمالیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ان کی یہ درخواست منظور فرمالی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیانؓ کے مسلمان ہونے تک سیدہ ام حبیبہؓ رسول اللہ ﷺ کے حبالہ عقد میں نہیں آئی تھیں، لیکن یہ راوی کا وہم ہے۔ سیدہ ام حبیبہؓ اس سے بہت پہلے حریم نبوت میں داخل ہو چکی تھیں اس میں ابوسفیان کا کوئی دخل نہیں ہے۔ چنانچہ ابن سعد، علامہ ابن الجوزی، ابن اثیر، بیہقی اور امام منذری نے اس کے خلاف روایتیں کی ہیں اور سب نے اس روایت

Marfat.com

کی تردید کی ہے۔ علاوہ ازیں جمہور کے قول کے مطابق سیدہ کا نکاح حبشہ میں ہوا یا دوسری روایت میں مدینہ طیبہ آنے پر ہوا۔ ان دونوں صورتوں میں ان کے باپ ابوسفیان کے اسلام لانے سے قبل یہ سرکار دو عالم ﷺ کے حبالہ عقد میں آچکی تھیں۔ تو مسلم کی یہ حدیث کہتی ہے کہ میں اپنی بیٹی آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں۔ اسی وجہ سے ابن حزم نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ [1]

اور دوسرے حضرات نے اس کو راوی کا وہم قرار دیا ہے۔ (کما نقلہ عنہ ابن القیم فی جلاء الافہام صفحہ ۱۹۱ وابن الاثیر فی اسد الغابہ جلد ۷ صفحہ ۱۱۲)

امام نووی نے اگرچہ ان چیزوں کو رد کر کے اس کی مختلف تاویلیں کی ہیں لیکن وہ تاویلیں بھی دل کو نہیں لگتیں۔ ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہ بعض راویوں کا وہم ہے۔ علامہ ابن القیم نے ان سب اقوال کو ذکر کر کے کہا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث غیر محفوظ ہے اور اس میں تخلیط واقع ہوئی ہے۔

(جلاء الافہام فی فضل الصلوۃ والسلام علی خیر الانام صفحہ ۱۸۶۔۱۹۵)

ابن خثیمہ نے اپنی تاریخ میں مصعب بن عبداللہ الزبیری سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے سیدہ ام حبیبہؓ سے نکاح کیا تو اس زمانہ میں ابوسفیان مشرک تھے اور سرکار دو عالم ﷺ سے برسر پیکار تھے ان سے کہا گیا کہ محمد ﷺ نے آپ کی بیٹی سے نکاح کر لیا ہے۔ یہ سن کر ابوسفیان نے کہا۔

فذاک الفحل' لا یقدع انفہ

جواں مرد ہیں ان کی ناک نہیں کاٹی جا سکتی یعنی وہ بلند ناک والے معزز ہیں ان کو ذلیل کرنا آسان نہیں اور ادھر ہماری لڑکی ان کے نکاح میں چلی گئی۔

(ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۹۹' الاستیعاب جلد ۴ صفحہ ۱۸۴۴)

وفات:

سیدہ ام حبیبہؓ نے ۴۴ ہجری میں مدینہ طیبہ میں انتقال فرمایا۔ اس وقت ان کے

[1] کما ذکر ذالک النووی فی شرحہ علی المسلم جلد ۱۶ صفحہ ۶۳ وابن القیم فی جلاء الافہام صفحہ ۱۸۷ وابن کثیر فی الفصول صفحہ ۲۴۸ ولم یقلہ ھذا احد قبلہ ولا بعدہ

بھائی سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ کا زمانہ خلافت تھا۔

(الاستیعاب جلد۴ صفحہ ۸۴۵ اصفۃ الصفوۃ جلد۲ صفحہ ۴۶ ٔ اسد الغابہ ۷ صفحہ ۱۱۶ ٔ ۳۱۶)

لیکن ابی خثیمہ کا بیان ہے کہ سیدہؓ کا انتقال سیدنا معاویہؓ کی وفات سے ایک سال قبل یعنی ۵۹ھ میں ہوا۔

(ذکرہ ابن ابی خثیمہ النووی فی تہذیبہ جلد۲ صفحہ ۳۵۹ ٔ مستدرک جلد۴ صفحہ ۲۰ ٔ ۱۱ المجر صفحہ ۸۹)

ابن حبان کا قول ہے کہ ۴۲ھ میں سیدہ نے انتقال فرمایا۔ (الاصابہ جلد ۷ صفحہ ۶۵۴)

لیکن زیادہ صحیح اور اثبت ۴۴ھ ہے۔ بلاذری نے یہی لکھا ہے۔

(انساب الاشراف جلد ۱ صفحہ ۴۴۰ ٔ عیون الاثر جلد۲ صفحہ ۴۰۱)

ابن عساکر کی بعض روایات میں ہے کہ سیدہؓ اپنے بھائی سے ملنے دمشق گئیں اور وہیں ان کا انتقال ہوا اور ان کی قبر دمشق میں ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ان کا انتقال مدینہ میں ہوا اور وہیں ان کی قبر ہے۔ وفات کے وقت ۷۳ برس کا سن ہے۔ قبر کے متعلق یہ آتا ہے کہ وہ سیدنا علیؓ کے مکان میں تھیں۔ چنانچہ سیدنا زین العابدینؒ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے مکان کا ایک گوشہ کھدوایا تو ایک کتبہ برآمد ہوا جس میں لکھا تھا۔ ''یہ رملہ بنت صخر کی قبر ہے۔'' چنانچہ میں نے اس کو اسی جگہ رکھ دیا۔ (الاستیعاب جلد۲ صفحہ ۷۵۰)

عبیداللہ بن جحش سے دو اولادیں ہوئیں۔ ایک عبداللہ اور دوسری حبیبہ۔ حبیبہ نے آغوش رسالت میں تربیت پائی اور عروہ بن مسعود ثقفی قبیلہ ثقیف کے رئیس اعظم کے بیٹے داؤد سے منسوب ہوئیں۔

فضائل ومناقب:

سیدہ ام حبیبہؓ کو سیرت وصورت کی خوبصورتی عطا فرمائی گئی تھی۔ چنانچہ خود ابو سفیانؓ کا بیان ہے۔

عندی احسن العتب واجلہ ام حبیبہ

''میرے نزدیک عرب کی حسین تر اور جمیل تر عورت ام حبیبہ ہیں۔''

سیدہ کی حدیث کی کتابوں میں ۶۵ روایات منقول ہیں۔ ان سے جن لوگوں نے حدیث روایت کی ہے ان کی تعداد بھی کم نہیں۔ ان میں بعض کے نام یہ ہیں۔

Marfat.com

حبیبہؓ (بیٹی)، معاویہؓ اور عتبہؓ ابوسفیان کے بیٹے اور سیدہؓ کے بھائی، عبداللہ بن عتبہؓ، ابوسفیان بن سعید ثقفی (خواہرزادہ) سالم بن سوار (غلام) ابوالجراح، صفیہ بنت شیبہ، زینب بن ام سلمہؓ عروہ بن زبیرؓ ابوصالح السمان، اور شہر بن جوشب۔

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ سے محبت تھی۔ اسی محبت ہی کا یہ اثر تھا کہ حبشہ میں جب ان کا شوہر عبداللہ بن جحش عیسائی ہو گیا تو وہ برابر اسلام پر ثابت قدم رہیں اور شوہر کے عیسائی ہونے کی کوئی پرواہ نہ کی۔

پھر ان کی زندگی کا یہ واقعہ بھی اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ سے محبت کا منہ بولتا ثبوت اور ان کے جوش ایمان کا قابل دید منظر ہے کہ جب فتح مکہ سے قبل سیدہؓ کے باپ ابوسفیان (جو کہ ابھی تک دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے) تجدید صلح کے لیے مکہ سے مدینہ روانہ ہوئے اور سرکار دو عالم ﷺ نے صحابہ کرام کو خبر دی کہ ابوسفیان مکہ سے صلح کو بڑھانے اور عہد کو مضبوط کرنے آ رہا ہے۔ چنانچہ ابوسفیان مدینہ پہنچے تو سب سے پہلے اپنی بیٹی سیدہ ام حبیبہؓ کے پاس گئے۔ جب ابوسفیان سرکار دو عالم ﷺ کے بستر پر بیٹھنے لگے تو سیدہ ام حبیبہؓ نے فوراً بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان نے برہم ہو کر پوچھا: بیٹی تو نے بستر کیوں لپیٹ دیا۔ کیا تو نے بستر کو میرے قابل نہ سمجھا یا مجھے بستر کے قابل نہ سمجھا؟ سیدہ نے جواب دیا: یہ سرکار دو عالم ﷺ کا بستر ہے، اس پر ایک مشرک جو شرک کی نجاست سے ملوث اور آلودہ ہو، نہیں بیٹھ سکتا۔ ابوسفیان نے جھلا کر کہا: ''خدا کی قسم تو میرے بعد شر میں مبتلا ہو گئی۔ سیدہؓ نے جواب دیا: شر میں نہیں بلکہ کفر کی ظلمت میں نکل کر اسلام کے نور اور ہدایت میں داخل ہو گئی۔ اور تعجب ہے کہ آپ سردار قریش ہو کر پتھروں کو پوجتے ہیں جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں۔ [1]

حدیث پر نہایت شدت سے عمل کرتی تھیں اور دوسروں کو بھی اس کی بہت تاکید کرتی تھیں۔ ان کے بھانجے ابوسفیان بن سعید بن المغیرہ آئے اور انہوں نے ستو کھا کر کلی کی تو بولیں۔ تم کو وضو کرنا چاہئے کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شے کو آگ پکا دے اس کے استعمال سے وضو لازم ہوتا ہے۔ (مسند احمد جلد صفحہ ۳۲۶)

---

[1] صفۃ الصفوہ جلد ۲ صفحہ ۴۶، طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۹۹ من طریق الواقدی زرقانی جلد ۲ صفحہ ۲۹۳

Marfat.com

سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ سیدہ ام حبیبہؓ کی وفات کے وقت انہوں نے مجھے بلایا اور کہا کہ مجھ میں اور تم میں وہ تعلقات تھے جو باہم سوکنوں میں ہوتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں کو معاف فرمائے اور تم سے درگزر فرمائے۔

سیدہ عائشہؓ نے جواب دیا۔ تم نے مجھ کو خوش کیا خدا تم کو خوش رکھے۔ اسی طرح سیدہ ام سلمہؓ کو بھی بلا کر کہا۔

(مستدرک حاکم جلد۴ صفحہ۲۲، صفۃ الصفوۃ جلد۲ صفحہ۴۲، طبقات ابن سعد جلد۸ صفحہ۱۰۰)

زینب بنت ابی سلمہؓ فرماتی ہیں کہ جب ابوسفیانؓ کا انتقال ہوا تو میں سیدہ ام حبیبہؓ کے ہاں گئی۔ انہوں نے اپنی لونڈی کے ہاتھ زرد رنگ کی خوشبو اپنے رخسار پر ملی۔ (یہ اس زمانہ میں عورتیں سوگ کا اظہار کرنے کے لیے ملتی تھیں) پھر فرمایا۔ مجھے تو اس خوشبو کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ آقائے نامدار ﷺ کا ارشاد ہے جو آپ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا۔ کہ

"کسی عورت کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی مرنے والے کا تین دن سے زیادہ سوگ کرے البتہ اپنے شوہر کے لیے چار ماہ دس روز سوگ کرنا چاہئے۔"

(بخاری حدیث نمبر۱۲۸۰، مسلم حدیث نمبر۱۴۸۶ جامع الاصول جلد۸ صفحہ۱۴۹)

سیدہ فطرتاً نہایت نیک مزاج تھیں۔ ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ سے عرض کیا کہ میری بہن سے نکاح فرمالیجیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ "کیا تمہیں یہ منظور ہے؟" جواب دیا۔ کیا مضائقہ ہے، میں اور کسی بہن کو بھلائی میں دیکھنے سے مانع نہیں ہونا چاہتی۔"

(بخاری، حدیث نمبر۵۱۰۷، مسلم: حدیث نمبر۱۴۴۹)

یہ سیدہ ام حبیبہؓ کی طبعی نیکی تھی کہ حضور ﷺ کو یہ بات کہ دی وگرنہ انہیں پتہ تھا کہ ایک نکاح میں دو بہنیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ (القرآن ۱۵:۷)

علامہ ابن کثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ سیدنا ابوسفیانؓ نے جو حضور ﷺ کو کہا تھا کہ آپ ﷺ میری بیٹی سے نکاح فرمالیجیے۔ (مسلم: حدیث نمبر۲۵۰۱)

وہ اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے جب حضور ﷺ کی دامادی میں اپنی عزت و

Marfat.com

وجاہت دیکھی تو انہوں نے چاہا کہ اپنی دوسری بیٹی بھی حضور ﷺ کے حبالۂ عقد میں دے دی جائے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے ام حبیبہؓ کا سہارا ڈھونڈا۔ لیکن تاویل دل کو لگتی نہیں ہے۔ بہر حال سیدہؓ کی نیک مزاجی اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے۔

(التعرض ابن کثیر فی کتاب الفصول صفحہ ۲۴۸ اقوال العلماء فی تاویل ماوقع فی ھذا الحدیث)

ایک اور حدیث میں ان کی دین سے محبت کا پتہ چلتا ہے۔ فرماتی ہیں کہ "میں نے سرکار دو عالم ﷺ سے سنا کہ جو شخص دن اور رات میں ۱۲ رکعت نماز نوافل ادا کرے اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جائے گا۔"

سیدہ فرماتی ہیں میں نے جب سے یہ حضور ﷺ سے سنا ان کو ہمیشہ پڑھا اور کبھی ترک نہیں کیا۔ (مسلم حدیث نمبر ۷۲۸)

سیدہ ام حبیبہؓ کے فضائل میں سے یہ بھی شمار ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کی یہ آیت ان کے حق میں نازل ہوئی۔

عسى الله ان يجعل بينكم وبين الّذين عاديتم منهم مودّةً.

(الممتحنه:۸)

"اور اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تمہاری عداوت ہے دوستی کر دے۔"

ترجمان القرآن سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سرکار دو عالم ﷺ سیدہ ام حبیبہؓ سے نکاح ہوا تو یہ آیت اس وقت نازل ہوئی۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۹۹ دلائل النبوہ جلد ۳ ص ۴۵۹ الدر المنثور ۸ جلد ۱۳۰)

(امہات المومنین، مصنفہ حکیم محمود احمد ظفر)

Marfat.com

حضرت اُم المومنین سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب

اصلی نام زینب تھا لیکن چونکہ وہ جنگ خیبر میں خاص آنحضرت ﷺ کے حصہ میں آئی تھیں اور عرب میں غنیمت کے ایسے حصہ کو جو امام یا بادشاہ کے لئے مخصوص ہوتا تھا، صفیہ کہتے تھے۔اس لئے وہ بھی صفیہ کے نام سے مشہور ہو گئیں۔یہ زرقانی کی روایت ہے۔

حضرت صفیہؓ کو باپ اور ماں دونوں کی طرف سے سعادت حاصل ہے، باپ کا نام حیی بن اخطب تھا۔ جو قبیلۂ بنو نضیر کا سردار تھا اور حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل میں شمار ہوتا تھا۔ ماں جس کا نام ضرد تھا سموال رئیس قریظہ کی بیٹی تھیں۔اور یہ دونوں خاندان (قریظہ اور نضیر) بنو اسرائیل کے ان تمام قبائل سے ممتاز سمجھے جاتے تھے جنہوں نے زمانۂ دراز سے عرب کے شمالی حصوں میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

نکاح

حضرت صفیہؓ کی شادی پہلے سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی تھی۔ سلام نے طلاق دی تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں جو ابورافع تاجر حجاز اور رئیس خیبر کا بھتیجا تھا۔ کنانہ جنگ خیبر میں مقتول ہوا۔ حضرت صفیہؓ کے باپ اور بھائی بھی کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئیں۔ جب خیبر کے تمام قیدی جمع کیے گئے تو دحیہ کلبیؓ نے آنحضرت ﷺ سے ایک لونڈی کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ نے انتخاب کرنے کی اجازت دی۔ انہوں نے حضرت صفیہؓ کو منتخب کیا۔لیکن ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں آ کر عرض کی کہ آپ نے

Marfat.com

رئیسہ بنو قریظہ کو دحیہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا وہ تو صرف آپ کے لئے سزاوار ہے۔ مقصود یہ تھا کہ رئیسہ عرب کے ساتھ عام عورتوں کا سا برتاؤ مناسب نہیں۔ چنانچہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے دوسری لونڈی عطا فرمائی اور صفیہ کو آزاد کر کے نکاح کر لیا۔[1] خیبر سے روانہ ہوئے تو مقام صہباء میں رسم عروسی ادا کی[2] اور جو کچھ سامان لوگوں کے پاس تھا اس کو جمع کر کے دعوت ولیمہ فرمائی۔ وہاں سے روانہ ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کو خود اپنے اونٹ پر سوار کر لیا اور اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا۔ یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ وہ ازواجِ مطہرات میں داخل ہو گئیں۔[3]

عام حالات

حضرت صفیہؓ کے مشہور واقعات میں حج کا سفر ہے جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایامِ محاصرہ میں جو ۳۵ھ میں ہوا تھا، حضرت صفیہؓ نے ان کی بے حد مدد کی تھی۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ضروریاتِ زندگی مسدود کر دی گئیں اور ان کے مکان پر پہرہ بٹھا دیا گیا، تو وہ خود خچر پر سوار ہو کر ان کے مکان کی طرف چلیں، غلام ساتھ تھا۔ اشتر کی نظر پڑی تو انہوں نے آ کر خچر کو مارنا شروع کیا۔ حضرت صفیہؓ نے کہا، مجھ کو ذلیل ہونے کی ضرورت نہیں میں واپس جاتی ہوں تم خچر کو چھوڑ دو، گھر واپس آئیں تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اس خدمت پر مامور کیا، وہ ان کے مکان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا اور پانی لے جاتے تھے۔[4]

وفات

حضرت صفیہؓ نے رمضان ۵۰ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ اس وقت ان کی عمر ۶۰ سال کی تھی۔ ایک لاکھ ترکہ چھوڑا اور ایک ثلث کے لئے اپنے یہودی بھانجے کے لئے وصیت کر گئیں۔[5]

حلیہ

کوتاہ قامت اور حسین تھیں۔[6]

---

[1] صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب مایذکر فی الفخذ صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۴۶ (۲) اصابہ ج ۸ ص ۱۲۶ (۳) طبقات ج ۸ جز نساص ۸۶ (۴) اصابہ ج ۱ ص ۱۲۷ بحوالہ ابن سعد (۵) زرقانی جلد ۳ ص ۲۹۶ (۶) صحیح مسلم جلد ۱ ص ۵۴۸

Marfat.com

فضل وکمال

حضرت صفیہؓ سے چند حدیثیں مروی ہیں جن کو حضرت زین العابدینؒ، اسحاق بن عبداللہ بن حارث، مسلم بن صفوان کنانہ اور یزید بن معتب وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

دیگر ازواج کی طرح حضرت صفیہؓ بھی اپنے زمانہ میں علم کا مرکز تھیں۔ چنانچہ حضرت صہیرہؓ بنت جیفر حج کر کے حضرت صفیہؓ کے پاس مدینہ آئیں تو کوفہ کی بہت سی عورتیں مسائل دریافت کرنے کی غرض سے بیٹھی ہوئی تھیں۔ صہیرہؓ کا بھی یہی مقصد تھا۔ اس لئے انہوں نے کوفہ کی عورتوں سے سوال کرائے، ایک فتویٰ نبیذ کے متعلق تھا۔ حضرت صفیہؓ نے سنا تو بولیں، اہل عراق اس مسئلہ کا اکثر پوچھتے ہیں۔[1]

اخلاق

حضرت صفیہؓ میں بہت سے محاسنِ اخلاق جمع تھے۔ اسد الغابہ میں ہے[2]

كانت عاقلة من عقلاء النساء ......وہ نہایت عاقلہ تھیں۔

زرقانی میں ہے[3]

كانت صفية عاقلةً حليمة فاضلةً ......وہ نہایت عاقلہ تھیں۔

حلم وتحمل ان کے باب فضائل کا نہایت جلی عنوان ہے۔ غزوۂ خیبر میں جب وہ اپنی بہن کے ساتھ گرفتار ہو کر آ رہی تھیں تو ان کی بہن یہودیوں کی لاشوں کو دیکھ کر چیخ اٹھی تھیں۔ حضرت صفیہؓ اپنے محبوب شوہر کی لاش سے قریب ہو کر گزریں لیکن اب بھی اسی طرح پیکر متانت تھیں اور ان کی جبین تحمل پر کسی قسم کی شکن نہیں آئی۔

ایک مرتبہ حضرت حفصہؓ نے ان کو یہودیہ کہا، ان کو معلوم ہوا تو رونے لگیں۔ حضرت صفیہؓ کے پاس ایک کنیز تھی جو حضرت عمرؓ سے جا کر ان کی شکایت کیا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک دن کہا کہ ان میں یہودیت کا اثر آج تک باقی ہے۔ وہ یوم السبت کو اچھا سمجھتی ہیں اور یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے تصدیق کے لئے ایک شخص کو بھیجا۔ حضرت صفیہؓ نے جواب دیا کہ یوم السبت کو اچھا سمجھنے کی کوئی ضرورت نہیں، اس کے

---

[1] مسند جلد ۶ ص ۳۷۷ (۲) اسد الغابہ جلد ۵ ص ۴۹۰ (۳) زرقانی جلد ۳ ص ۲۹۶

Marfat.com

بدلے خدا نے ہم کو جمعہ کا دن عنایت فرمایا ہے۔ البتہ میں یہود کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہوں وہ میرے خویش واقارب ہیں۔ اس کے بعد لونڈی کو بلا کر پوچھا کہ تو نے میری شکایت کی تھی؟ بولی ہاں! مجھے شیطان نے بہکا دیا تھا۔ حضرت صفیہؓ خاموش ہو گئیں اور اس لونڈی کو آزاد کر دیا۔[1]

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت ﷺ سے نہایت محبت تھی۔ چنانچہ جب آپ علیل ہوئے تو نہایت حسرت سے بولیں، کاش آپ کی بیماری مجھ کو ہو جاتی۔ ازواج نے ان کی طرف دیکھنا شروع کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا، یہ سچ کہہ رہی ہیں۔[2] (یعنی اس میں تصنع کا شبہ نہیں ہے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کے ساتھ نہایت محبت تھی۔ اور ہر موقع پر ان کی دل جوئی فرماتے تھے۔ ایک بار آپ سفر میں تھے۔ ازواجِ مطہراتؓ بھی تھیں۔ حضرت صفیہؓ کا اونٹ سوءِ اتفاق سے بیمار ہو گیا۔ حضرت زینبؓ کے پاس ضرورت سے زیادہ تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا، کہ ایک اونٹ صفیہؓ کو دے دو۔ انہوں نے کہا، کیا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دے دوں؟ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے تک ان کے پاس نہ گئے۔[3] ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے ان کے قد وقامت کی نسبت چند جملے کہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے یہ ایسی بات کہی ہے کہ اگر سمندر میں چھوڑ دی جائے تو اس میں مل جائے۔[4] (یعنی سمندر کو بھی گدلا کر سکتی ہے)

ایک بار آپ ﷺ حضرت صفیہؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ رو رہی ہیں، آپؐ نے رونے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہ عائشہؓ اور حفصہؓ کہتی ہیں کہ ہم تمام ازواج میں افضل ہیں۔ ہم آپ ﷺ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ ﷺ کی چچا زاد بھی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہارون علیہ السلام میرے باپ، موسیٰ علیہ السلام میرے چچا اور محمد (ﷺ) میرے شوہر ہیں، اس لئے تم لوگ کیونکر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو۔[5]

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۱۲۷۔ وزرقانی ج ۳ ص ۲۹۶ (۲) زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶ بحوالہ ابن سعد (۳) اصابہ ج ۸ ص ۱۲۶ بحوالہ ابن سعد وزرقانی ج ۳ ص ۲۹۶ (۴) ابوداؤد ج ۲ ص ۱۹۳ (۵) صحیح ترمذی ص ۶۳۸ باب فضل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

سفرِ حج میں حضرت صفیہؓ کا اونٹ بیٹھ گیا اور وہ سب سے پیچھے رہ گئی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرے تو دیکھا کہ زاروقطار رورہی ہیں۔ آپ ﷺ نے رداء اور دست مبارک سے ان کے آنسو پونچھے، آپ ﷺ آنسو پونچھتے جاتے تھے اور وہ بے اختیار روتی جاتی تھیں۔[1]

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سیر چشم اور فیاض واقع ہوئی تھیں۔ چنانچہ جب وہ ام المومنین بن کر مدینہ میں آئیں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ازواجِ مطہراتؓ کو اپنی سونے کی بجلیاں تقسیم کیں۔[2]

کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تحفۃً بھیجا کرتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کے گھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انہوں نے پیالہ میں جو کھانا بھیجا تھا اس کا ذکر بخاری اور نسائی وغیرہ میں آیا ہے۔

(۱) زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶ (۲) زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶

Marfat.com

ام المومنین سیدہ میمونہ بنت الحارث سلام اللہ علیہا

نام ونسب:

نام برہ، لیکن رسول اللہ ﷺ نے میمونہ نام رکھا۔ میمونہ یمن سے مشتق ہے اور اس کے معنی ہیں برکت اور میمون اور میمونہ کے معنی ہیں مبارک۔

(قالہ الامام النووی فی تہذیبہ جلد ۲ صفحہ ۳۵۲)

باپ کی طرف سے نسب نامہ حسب ذیل ہے:

میمونہ بن حزن بن بجیر بن ہزم بن رویبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ھوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن عیلان ...... الہلالیہ

ہلال بن عامر پر ان کا نسب بھی سیدہ زینب بنت خزیمہ سے جا ملتا ہے اس وجہ سے یہ بھی الھلالیہ ہیں۔ (عیون الاثر جلد ۲ صفحہ ۴۰۲)

والدہ کی طرف سے نسب نامہ یوں ہے:

ہند بنت عوف (نووی نے تہذیب جلد ۲ صفحہ ۳۵۶ میں عمرو لکھا ہے) ابن زھیر بن الحارث بن حماطہ بن حمیر۔

اس لحاظ سے والدہ کا تعلق قبیلہ حمیر سے تھا۔

سیدنا میمونہؓ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اور خالدؓ بن ولید کی حقیقی خالہ تھیں۔ کیونکہ ان کی بڑی بہن لبابہ الکبریٰ سیدنا عباسؓ کی زوجہ محترمہ تھیں جن کی کنیت ام الفضل تھی۔ جو سیدنا عباسؓ کے بیٹوں کی والدہ تھیں اور دوسری بہن لبابہ الصغریٰ جو عصماء بنت الحارث کے نام سے موسوم تھیں، ولید بن مغیرہ المخزومی کی بیوی تھیں اور خالدؓ بن ولید کی والدہ تھیں۔

Marfat.com

سیدنا میمونہ سلام اللہ علیہا کی کئی بہنیں تھیں۔ بعض تو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے تھیں اور بعض صرف ماں کی طرف سے۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ ام الفضل لبابہ الکبریٰ: یہ سیدنا عباسؓ بن عبدالمطلب یعنی رسول اللہ ﷺ کے چچا کی اہلیہ محترمہ تھیں اور سیدنا عبداللہ بن عباسؓ فضل بن عباسؓ وغیرھم کی والدہ تھیں۔

۲۔ لبابہ الصغریٰ: یہ ولید بن مغیرہ کی بیوی اور سیدنا خالد بن ولید کی والدہ تھیں۔

۳۔ عصماء بنت الحارث: (بعض حضرات کے نزدیک لبابہ الصغریٰ کا نام ہی عصماء بنت الحارث تھا۔ ملاحظہ ہو طبقات جلد ۸ صفحہ ۲۷۹' انساب الاشراف جلد ۱ صفحہ ۴۴۸ اور بعض کے نزدیک یہ سیدہ میمونہ کی الگ بہن تھیں) ان کا نکاح ابی بن خلف سے ہوا تھا۔

۴۔ عزہ بنت الحارث: یہ زیاد بن عبداللہ بن مالک الھلالی کی بیوی تھیں۔ یہ سب بہنیں سیدہ میمونہؓ کی حقیقی بہنیں تھیں یعنی ماں اور باپ دونوں کی طرف سے۔

سیدہ کی کچھ بہنیں صرف ماں کی طرف سے تھیں۔

۱۔ اسماء بنت عمیسؓ: ان کا پہلا نکاح سیدنا جعفرؓ بن ابی طالب سے ہوا تھا۔ ان سے سیدنا جعفر کے جو بچے پیدا ہوئے ان کے نام عبداللہؓ محمدؓ، عونؓ ہیں۔ سیدنا جعفر الطیار جب جنگ موتہ میں شہید ہوئے تو پھر سیدنا ابو بکر صدیقؓ سے انکا نکاح ہوا۔ ان سے ان کا ایک بیٹا محمد پیدا ہوا جو سیدنا علی کا ربیب تھا۔ سیدنا ابو بکرؓ کے انتقال کے بعد سیدنا علیؓ نے ان سے شادی کی اور ان سے ایک لڑکا یحییٰ پیدا ہوا۔ بلاذری نے ایک اور بچے کی ولادت کا بھی لکھا ہے جس کا نام عون تھا۔

(ملاحظہ ہو انساب الاشراف جلد ۱ صفحہ ۴۴۸' ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۱۵)

۲۔ سلمیٰؓ بنت عمیس: ان کی یہ بہن سید الشھداء حمزہؓ بن عبدالمطلب کی اہلیہ تھیں اور ان سے ان کی ایک بیٹی امامہ بنت حمزہؓ پیدا ہوئیں۔ بعض نے اس لڑکی کا نام امۃ اللہ اور بعض نے عمارہ اور بعض نے فاطمہ بتایا ہے۔ [1]

[1] الاستیعاب جلد ۴ صفحہ ۱۸۶۱' انساب الاشراف جلد ۱ صفحہ ۴۴۷' الاصابہ جلد ۷ صفحہ ۵۰۰' المحبر صفحہ ۶۴' ۱۰۷' طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۴۸' صفحہ ۲۸۵' مغازی الواقدی جلد ۲ صفحہ ۳۸۷

Marfat.com

جنگ احد میں سید الشہداء حمزہؓ کی شہادت کے بعد شدادؓ بن اسامہ بن الھاد اللیثی نے ان سے نکاح کیا اور ان سے ان کے دولڑکے عبداللہ اور عبدالرحمٰن پیدا ہوئے۔

۳۔ سلامہ بن عمیس: یہ عبداللہ بن کعب بن منبہ الخثعمی کے نکاح میں تھیں۔

۴۔ زینب بنت خزیمہؓ: (ام المومنین) ابوعمر کی روایت کے مطابق ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہ بھی سیدہ میمونہؓ کی ماں کی طرف سے بہن تھیں۔

(استیعاب جلد۴ صفحہ۱۸۵۳)

ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ یہ کہا جاتا تھا کہ پوری روئے زمین میں ہند بنت عوف سے زیادہ کوئی عورت اپنے دامادوں کے لحاظ سے بزرگ اور خوش قسمت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے دامادوں میں مندرجہ ذیل شخصیات تھیں۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ ان کے داماد تھے بلکہ طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق اس کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے حضور ﷺ کے نکاح میں تھیں۔

۲۔ سیدنا ابوبکر الصدیقؓ بھی اس کے داماد تھے۔

۳۔ سیدنا حمزہؓ بن عبدالمطلب اس کے داماد تھے۔

۴۔ سیدنا عباسؓ بن عبدالمطلب اس کے داماد تھے۔

۵۔ سیدنا جعفر الطیارؓ بن ابی طالب اس کے داماد تھے۔

۶۔ سیدنا علیؓ ابن ابی طالب اور

۷۔ شدادؓ بن الھاد اس کے داماد تھے۔ (المعارف صفحہ ۱۳۸)

حریم نبوت میں داخلہ:

روایات کے مطابق سیدہ میمونہ جاہلیت میں مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی کے نکاح میں تھیں لیکن کسی وجہ سے دونوں میں علیحدگی ہوگئی۔ (زرقانی جلد۳ صفحہ ۲۸۸، عیون الاثر جلد۲ صفحہ ۳۰۲)

بعد میں آپ نے ابورھم بن عبدالعزی بن ابی قیس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی سے نکاح کیا۔ ابورھم نے ۷ھ میں انتقال کیا تو شوال ۷ھ میں سرکار دوعالم ﷺ کے حبالہ عقد میں آئیں۔

Marfat.com

ایک روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے حرم میں آنے سے قبل آپ ابورھم کے نکاح میں نہ تھیں بلکہ سیرہ بن ابی رھم کے نکاح میں تھیں۔[1]

اگر سیرہ سے مراد ابوسبرہؓ صحابی ہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ ابوسبرہؓ السابقون الاولون میں سے ہیں۔ انہوں نے ہجرت حبشہ بھی کی اور تمام جنگوں میں بھی شرکت فرمائی اور خلافت عثمانی میں انتقال فرمایا اور کسی نے انہیں سیدہ میمونہ کا خاوند نہیں لکھا اور اس بات پر بھی تمام راویوں کا اتفاق ہے کہ سیدہ میمونہؓ اپنے خاوند کے انتقال کے بعد حضور ﷺ کے نکاح میں آئیں۔

روایات میں ہے کہ ذی قعد ۷ھ میں سرور کائنات ﷺ عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے تھے اسی احرام کی حالت میں سیدنا میمونہؓ سے نکاح ہوا۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۱۱)

لیکن روایات میں یہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ آپ کا یہ نکاح حالت احرام میں ہوا یا حلال (احرام نہ ہونے کی حالت) میں ہوا۔

قتادہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا میمونہؓ بنت الحارث سے نکاح فرمایا جب انہوں نے مکہ کی جانب روانگی کے لیے (عمرۃ القضاء کے موقع پر) احرام باندھا تو سیدہؓ نے اپنے آپ کو حضور ﷺ کے حضور نکاح کے لیے پیش کر دیا اور اسی بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، جس کا ترجمہ یہ ہے:

"اور اس مسلمان عورت کو بھی جو بلاعوض اپنے کو پیغمبر کو دے دے یعنی نکاح میں آنا چاہے بشرطیکہ پیغمبر اس کو نکاح میں لانا چاہے، یہ سب آپ کے لیے مخصوص کیے گئے ہیں نہ اور مومنوں کے لیے۔" (احزاب ۵۰)

پھر سیدہ میمونہؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہی مدینہ چلی آئیں۔[2]

ایک اور روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ جب خیبر سے فارغ ہوئے تو ۷ھ میں آپ عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور حبشہ سے سیدنا جعفرؓ بن ابی طالب

---

[1] فی الاستعاب جلد ۴ صفحہ ۱۹۱۶ انساب الاشراف جلد ۱ صفحہ ۴۴۴، والمعارف صفحہ ۱۳۷ عندابی سبرۃ وامافی اسد الغابہ جلد ۷ صفحہ ۲۷۲ والاصابہ جلد ۸ صفحہ ۱۲۶ عند سخیرہ [2] استیعاب جلد ۴ صفحہ ۱۹۱۷، اسد الغابہ جلد ۷ صفحہ ۲۷۴، الاصابہ جلد ۸ صفحہ ۱۲۷، الیسرۃ النبویہ ابن ہشام جلد ۴ صفحہ ۶۴۶

Marfat.com

تشریف لائے۔ پس انہوں نے میمونہ بنت الحارث الھلالیہ ؓ کو نکاح کا پیغام دیا کیونکہ ان کے ہاں ان کی بہن اسماء بنت عمیس ؓ تھیں۔ سیدہ ؓ نے اس کو قبول کر لیا اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکاح کے لیے سیدنا عباس ؓ کو اپنا اختیار دیا۔ چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ جب عمرہ سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ واپس تشریف لے جا رہے تھے تو مقام سرف پر جو مدینہ کے راستہ پر مکہ سے ۱۰ میل ہے، قیام فرمایا۔ آپ ﷺ کے غلام ابو رافع سیدہ میمونہ ؓ کو لے کر سرف پہنچے اور یہیں رسم عروسی ادا ہوئی۔ [1]

ابو خثیمہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ ؓ کو جب نکاح کا پیغام بھیجا تو انہوں نے اپنا اختیار اور ولایت اپنی بہن ام الفضل ؓ کو دے دیا۔ سیدہ ام الفضل ؓ نے یہ اختیار اپنے شوہر سیدنا عباس ؓ کو دیا اور انہوں نے پھر سیدہ ؓ کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کر دیا۔

ابن خثیمہ ہی سے ایک اور روایت ابو عمر نے نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ میمونہ ؓ سے نکاح عمرۃ القضاء میں کیا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ آپ عمرہ کے لیے طے شدہ شرائط کے مطابق مکہ مکرمہ میں تین روز ٹھہرے تو تیسرے روز حویطب بن عبد العزیٰ (جو اس وقت تک دولت ایمان سے مشرف نہیں ہوا تھا) قریش کے چند آدمیوں کے ساتھ آپ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ آپ کی مدت قیام ختم ہو چکی ہے لہٰذا آپ اب مکہ چھوڑ دیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اگر تم مجھے تھوڑا سا وقت قیام مکہ کے لیے اور دو تو میں تمہارے سامنے شادی کر لوں اور تمہیں (ولیمے کا) کھانا بھی کھلاؤں اور تم بھی اس شادی میں شریک ہو جاؤ۔ حویطب اور اس کے ساتھیوں نے جواب دیا ہمیں آپ کے کھانے کی کوئی ضرورت نہیں، لہٰذا آپ مکہ کو چھوڑ دیں۔ چنانچہ آپ مکہ سے سیدنا میمونہ ؓ اور صحابہ کرام ؓ کے ساتھ نکل آئے اور مقام سرف پر آپ نے سیدہ سے نکاح کیا۔

(السیرۃ النبویہ جلد ۴ صفحہ ۲۷۴، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ صفحہ ۳۳)

اس روایت سے یہ پتہ چلا کہ آپ نکاح کے وقت احرام میں نہ تھے بلکہ عمرہ کر کے احرام کھول چکے تھے۔ چنانچہ سیدہ ؓ خود فرماتی ہیں کہ

---

[1] الاستیعاب جلد ۴ صفحہ ۱۹۱۶، التمہید جلد ۳ صفحہ ۱۵۹، نسائی صفحہ ۵۱۳، تہذیب التہذیب جلد ۱۲ صفحہ ۴۵۳، طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۸۹

Marfat.com

"رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے مقام سرف پر نکاح فرمایا اس وقت ہم دونوں حلال تھے یعنی احرام نہ باندھے ہوئے تھے۔" [1]

اسی ابورافع کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا میمونہؓ سے نکاح فرمایا اس حالت میں کہ آپ بغیر احرام کے تھے یعنی حلال تھے اور میں اس وقت ان دونوں کے مابین سفیر کا فریضہ ادا کر رہا تھا۔ [2]

امام مسلمؒ نے سیدہ میمونہؓ سے روایت کی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے مجھ سے نکاح کیا تو آپ اس وقت حلال تھے۔ (مسلم حدیث نمبر ا صفحہ ۱۴۱۱)

ان تمام روایات کے برعکس سیدنا ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ آپ نے محرم ہونے کی حالت میں سیدہ میمونہؓ سے نکاح فرمایا۔ [3]

ان دونوں قسم کی روایات کے مابین تطبیق کی صورت یہ ہے کہ بقول علامہ ابن عبدالبر سیدہ میمونہ سے روایت کہ حضور ﷺ نے مجھے حلال ہونے کی حالت میں نکاح فرمایا متواتر کے درجہ تک پہنچ چکی ہے۔ پھر اس روایت کی مزید تائید ابورافع کی حدیث بھی کرتی ہے۔ علاوہ ازیں سعید بن المسیب' سلمان بن یسار' ابوبکر بن عبدالرحمٰن' ابن شہاب الزھری اور جمہور علمائے مدینہ کا مسلک یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حلال ہونے کی حالت میں یہ نکاح کیا اور سوائے سیدنا ابن عباسؓ کے صحابہ کرام میں سے کسی صحابی سے یہ مروی نہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے محرم ہوتے ہوئے سیدنا میمونہؓ سے نکاح فرمایا۔ اس لیے ایک فرد واحد کے مقابلے میں جماعت کی روایت کی طرف دل زیادہ مائل ہوتا ہے کیونکہ ایک شخص غلطی کے زیادہ قریب ہوتا ہے بمقابلہ ایک جماعت کے۔ علاوہ ازیں ابن عباسؓ کی حدیث کے اکثر احوال ہماری دوسری ذکر کردہ روایات سے متعارض ہیں۔ چنانچہ اس حالت میں سب روایات سے احتجاج ساقط ہوتا ہے۔ (اذا تعارضا تساقطا) لہٰذا ضروری ہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں کسی اور دلیل سے احتجاج کیا جائے۔ چنانچہ اس

[1] ابوداؤد حدیث نمبر ۱۸۴۳' ترمذی حدیث نمبر ۸۴۵' ابن ماجہ حدیث نمبر ۱۹۶۴' والحدیث عند مسلم ایضاً

[2] ترمذی حدیث نمبر ۸۴۱' تحفۃ الاشراف جلد ۹ صفحہ ۲۰۰' وعزاہ الی النسائی' التمہید لابن عبدالبر جلد ۳ صفحہ ۱۵۲

[3] بخاری حدیث نمبر ۱۸۳۷' ۴۲۵۹' مسلم حدیث ۱۴۱۰' ابوداؤد حدیث نمبر ۱۸۴۴' ترمذی حدیث نمبر ۸۴۲' نسائی جلد ۵ صفحہ ۱۹۱' ابن ماجہ حدیث نمبر ۱۹۶۵' مسند احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۲۴۵' ۲۵۲

Marfat.com

بارے میں سیدہ عثمان بن عفانؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے محرم کے نکاح سے منع فرمایا اور آپ نے یہ فرمایا کہ "محرم نہ خود نکاح کرے اور نہ اس کا نکاح کیا جائے۔"

چنانچہ اس غیر معارض روایت کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ امر محال ہے کہ حضور ﷺ خود ایک کام سے منع فرمائیں اور خود اس کو کریں۔ پھر خلافائے راشدین سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ اور سیدنا علیؓ کا عمل بھی اس کی تائید کرتا ہے اور سیدنا ابن عمرؓ اور اکثر اہل مدینہ کا قول بھی یہی ہے۔ (التمہید جلد ۳ صفحہ ۱۵۲-۱۵۳)

اس بارے میں حافظ ابن القیم نے بھی سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

"سیدنا عباس عبداللہ بن عباسؓ کو اس بارے میں وہم ہو گیا ہے کیونکہ ان دونوں کے مابین جو سفیر ابو رافع تھا وہ اس بات کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے علاوہ ازیں سیدنا ابن عباسؓ کی عمر بھی اس وقت دس سال یا اس سے کچھ زیادہ تھی اور وہ اس واقعہ میں موجود بھی نہ تھے بلکہ غائب تھے۔" (زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۱۱۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی حدیث ابن عباسؓ (حدیث نمبر ۵۱۱۴) کی شرح بیان کرتے ہوئے حدیث ابن عباسؓ کو خصائص نبوت پر محمول کیا ہے اور پھر وہی کہا ہے جو حافظ عبدالبرؒ نے کہا ہے۔ چنانچہ ان روایات پر فقہی حکم بھی یہی مرتب ہوا ہے کہ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ محرم کے لیے نکاح کرنا صحیح نہیں۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ، اور امام احمدؒ کا قول بھی یہی ہے البتہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک محرم کا نکاح جائز ہے۔

(المجموع جلد ۷ صفحہ ۲۸۷-۲۸۸، المغنی جلد ۳ صفحہ ۳۳۲، نیل الاوطار جلد ۵ صفحہ ۱۴)

ابن سعد نے لکھا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی سب سے آخری بیوی تھی۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۳۲، تفسیر القرطبی جلد ۱۴ ص ۱۶۷، زاد المعد جلد ۱ ص ۱۱۳)

واقدی کا بیان ہے کہ یہ نبی اکرم ﷺ کی وہ بیوی تھی جس کا سب سے آخر میں انتقال ہوا۔ [1]

---

[1] قالہ الواقدی کما فی الطبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۱۴۰ والبلاذری فی انساب الاشراف جلد ۱ صفحہ ۴۴۶)

Marfat.com

وفات:

یہ عجیب اتفاق ہے کہ سیدہ میمونہ ؓ کا نکاح مقام سرف میں ہوا اور سرف کے مقام پر ہی ان کا انتقال بھی ہوا۔ [1]

طبرانی نے بھی اپنی الاوسط میں اسی طرح نقل کیا ہے۔

(مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۲۴۹)

سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبر میں اتارا۔ بخاری میں ہے کہ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو سیدنا ابن عباس ؓ نے فرمایا۔ "یہ رسول اکرم ﷺ کی اہلیہ محترمہ ہیں لہٰذا جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو۔ ادب کے ساتھ آہستہ لے چلو۔

(بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۵۸)

سیدہ ؓ کے سال وفات میں اختلاف ہے بعض نے ۶۱ ھ لکھا ہے یہ واقدی کی روایت ہے۔ محمد بن اسحاق کی روایت ۶۳ ھ ہے۔ خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ صفحہ ۲۱۸ میں سن وفات ۱۵ ہجری دیا ہے اور امام نووی نے اپنی تہذیب جلد ۲ صفحہ ۳۵۶ میں اس کو ترجیح دی ہے اور دوسرے تمام سن وفات کا ابطال کیا ہے۔ بعض نے ۴۹ ھ دیا ہے۔ بسوی نے اپنی کتاب میں ۶۶ ھ سن وفات دیا ہے اور ابن عبدالبر نے بھی التمہید جلد ۳ صفحہ ۱۵۱ میں اسی کو اختیار کیا ہے لیکن ہمارے نزدیک صحیح ۵۱ ھ ہے اور تواریخ میں اسی کو ترجیح دی گئی ہے۔ [2]

فضائل واخلاق

سیدہ میمونہ ؓ سے ۴۶ احادیث نبوی مروی ہیں جن میں سے بعض سے ان کی فقہ دانی کا پتہ چلتا ہے۔ سیدہ ؓ سے جن حضرات نے روایت کی ہے' ان کے نام حسب ذیل ہیں:

سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ، سیدنا عبداللہ ؒ بن شداد بن الہاد' سیدنا عبدالرحمٰن ؒ بن السائب' سیدنا یزید بن اصم۔ (یہ سب ان کے بھانجے تھے)

---

[1] طبقات جلد ۸ صفحہ ۱۴۰' بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۱۱' مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۳۳۳' انساب الاشراف جلد ۱ صفحہ ۴۴۲

[2] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۱۴۰' انساب الاشراف جلد ۱ صفحہ ۴۴۶' الاصابہ جلد ۸ صفحہ ۱۲۸' تاریخ خلیفہ بن خیاط صفحہ ۲۱۸' بیسوی جلد ۳ صفحہ ۴۱۵' التمہید لابن عبدالبر جلد ۳ صفحہ ۱۵۱' تہذیب اللنووی جلد صفحہ ۳۵۶' المعجم الکبیر جلد ۲۳ صفحہ ۴۲۲' مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۲۴۹ وغیرھم

Marfat.com

عبیداللہ ابن خولانیؓ (یہ ربیب تھے) ندبہ (کنیز تھیں) عطاء بن یسار' سلمان بن یسار (غلام تھے) ابراھیم بن عبداللہ بن معبد بن عباسؓ' کریب (ابن عباسؓ کے غلام) عبیدہ بن سباق' عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ' عالیہ بنت سبیع وغیرھم۔

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مومن بہنیں یہ ہیں۔ حضور ﷺ کی زوجہ محترمہ سیدہ میمونہؓ' سیدہ ام الفضلؓ' (سیدنا عباسؓ کی زوجہ محترمہ) اور سلمٰی سیدنا حمزہؓ کی اہلیہ' اور ان کی ماں کی طرف سے بہن اسماء بنت عمیسؓ[1]

ایک دفعہ آپ کے بھانجے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ آپ کی خدمت میں اس حالت میں آئے کہ بال بکھرے ہوئے تھے۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا: بیٹا! پراگندہ ہونے کا کیا سبب ہے؟ جواب دیا ام عمارہؓ نسوانی امراض میں مبتلا ہے۔ وہی کنگھی کرتی تھیں۔ فرمایا: ''بہت خوب۔ سرکار دو عالم ﷺ ہماری گود میں سر رکھ کر لیٹتے اور قرآن پڑھتے تھے اور ہم اسی حالت میں ہوتی تھیں۔ اسی طرح چٹائی اٹھا کر مسجد میں رکھ آتی تھیں۔ بیٹا! کہیں ہاتھ میں بھی مرض ہوتا ہے۔'' (مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۳۳۱)

ایک دفعہ ایک عورت بیمار پڑی تو اس نے منت مانی کہ وہ شفایاب ہونے پر بیت المقدس جا کر نماز پڑھے گی۔ کچھ دنوں بعد وہ صحت یاب ہوگئی اور اپنی منت کے مطابق بیت المقدس جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جب رخصت ہونے کے لیے سیدہ میمونہؓ کے پاس آئیں تو سیدہؓ نے فرمایا تم یہیں مسجد نبوی میں جا کر نماز پڑھ لو کیونکہ اس مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مساجد کے ثواب سے گنا زیادہ ہے۔ (مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۳۳۳)

نبی اکرم کے احکام کی تعمیل ہر وقت ان کے پیش نظر رہتی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ ان کی کنیز بدیہ سیدنا ابن عباسؓ کے گھر گئی تو دیکھا کہ دونوں میاں بیوی کے بچھونے دور دور بچھے ہیں خیال ہوا کہ شاید کچھ رنجش اور لڑائی جھگڑا ہو گیا ہے لیکن دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ رنجش تو کوئی نہیں البتہ ابن عباس' امراض نسوانی کی حالت میں اپنا بستر الگ کر لیتے ہیں

---

[1] نسائی فی فضائل الصحابہ حدیث نمبر ۲۸۱' تحفۃ الاشراف جلد ۵ صفحہ ۲۰۰' المعجم الکبیر' جلد ۱۱ صفحہ ۴۱۵' مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۲۶۰' مستدرک حاکم جلد ۴ صفحہ ۳۲-۳۳ صحیح علی شرط المسلم ووافقہ الذہبی' طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۱۳۸' الاصابہ جلد ۸ صفحہ ۱۲۸

Marfat.com

اس کنیز نے واپس آ کر یہ بات سیدہ میمونہؓ سے بیان کی انہوں نے فرمایا ان سے جا کر کہو کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ سے اس قدر اعراض کیوں ہیں؟ آپ اس حالت میں ہم لوگوں کے بستروں پر آرام فرمایا کرتے تھے۔ (مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۳۳۲)

آپ کے ایک بھانجے (برزہ بنت الحارث) یزید بن اصم جو کہ تابعی اور بہت بڑے محدث تھے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے مجھے اور اپنے بھانجے سیدنا طلحہ بن عبید اللہ کے صاحبزادے سے فرمایا تھا۔

انها كانت من اتقانا لله واوصلنا للرحم.

میمونہ ہم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والی اور صلہ رحمی کرنے والی تھیں۔
(مستدرک حکم جلد ۴ صفحہ ۳۲ صحیح، ووافقہ الذھبی، طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۱۳۸، الاصابہ جلد ۸ صفحہ ۱۲۸)

آپ کو غلام آزاد کرنے کا بہت شوق تھا۔ ایک مرتبہ ایک لونڈی کو آزاد کیا تو سرکار دو عالم ﷺ نے بڑے ثواب کی نوید سنائی۔ (مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۳۳۲)

سیدہؓ کبھی کبھی قرض بھی لے لیتی تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ قرض لیا۔ رقم کچھ زیادہ تھی۔ کسی نے پوچھا آپ اس کو کس طرح ادا کریں گی۔ فرمایا: سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص قرض ادا کرنے کی نیت رکھتا ہو تو حق تعالیٰ خود اس کا قرض ادا فرما دیتے ہیں۔
(مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۳۳۲)

نوٹ:۔ یہ مضمون حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی کی کتاب ''امہات المومنین'' سے ماخوذ ہے۔

Marfat.com

سیدہ ماریہ مصریہ رضی اللہ عنہا

حضرت ماریہ مصریہ رضی اللہ عنہا ''ماریہ قبطیہ'' کے نام سے مشہور ہیں۔

آپ کے والد کا نام ''شمعون'' تھا جو ایک مصری قبطی تھے۔ حضرت ماریہؓ کی والدہ کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔ وہ ایک رومن خاتون تھیں۔

مدینہ میں دعوت اسلام کو چھ سال گزرنے کو تھے یہ سن ۶۲۷ء کی بات ہے۔ اس سال کے شروع ہونے سے پہلے کامیابی ومدد کے جھنڈے تقریباً جزیرہ عرب میں گاڑے جا چکے تھے۔ مشرکین مسلمانوں کی کامیابیوں پر افسوس وملال کی کیفیت میں تھے اوران کے پاس ایسی کوئی طاقت وقوت نہیں تھی جس کی بنا پر دعوت کے راستہ میں رکاوٹ ڈال سکیں، مدینہ اور اس کے اطراف کے یہودیوں سے کوئی معاہدہ، اتفاق رائے یا تحائف فائدہ نہ دے رہے تھے، اور سوائے باہمی قتال، انتقام اور باقیوں کو مدینہ سے نکالنے کے کوئی چارہ کار نہ تھا۔

شاہان عالم کو دعوت اسلام کے خطوط

حضور ﷺ نے رسالت کو مکمل کرنے کا ارادہ فرمایا اور دعوت کو جزیرہ عرب سے باہر نکالنے اور عالمی سطح پر اسے پھیلانے کا فیصلہ فرمایا، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حکم فرمایا:

وَمَآ أَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَنَذِيْرًا. (سبا: ۲۸)

''اور ہم نے آپ کو جو بھیجا تو سب لوگوں کو خوشی اور ڈر سنانے کے لئے۔''

حضور ﷺ ایک دن اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

''اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمت بنا کر بھیجا ہے، میں ہرقل، کسریٰ، نجاشی، مقوقس اور دوسرے بادشاہوں اور سرداروں کی طرف بھیجا گیا

ہوں، میں انہیں اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دیتا ہوں۔''

حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: ''وہ حضور ﷺ کے حکم پر لبیک کہنے والے اور آپ کے ارشاد کی اطاعت کرنے والے ہیں۔''

سونے چاندی کی ڈھلائی کا کام کرنے والے ایک شخص نے آپ ﷺ کے لئے چاندی کی ایک مہر نما انگوٹھی بنائی، جس پر مندرجہ ذیل تین کلمات تحریر تھے،

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ ''محمد اللہ کے رسول ہیں''۔

حضور ﷺ نے اپنے خطوط مسلمانوں کاتبوں سے لکھوائے اور ان پر مہر لگادی۔

جن بادشاہوں، سرداروں اور امراء کی طرف یہ خطوط بھیجے گئے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) ہرقل (شہنشاہِ روم) اسکی طرف دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا۔

(۲) کسریٰ (شاہِ ایران) اس کی طرف عبداللہ بن حزافہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا۔

(۳) نجاشی (شاہِ حبشہ) ان کی طرف عمرو بن امیہ ضمریؓ کی تشکیل کی گئی۔

(۴) حارث حمیری کی طرف مہاجر بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا۔

(۵) حارث غسانی کی طرف شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا۔

(۶) امیر عمان کی طرف عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا۔

(۷) امیر بحرین کی طرف علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا۔

(۸) امیر یمامہ کی طرف سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا۔

(۹) قبط (مصر) کے بادشاہ مقوقس کی طرف حاطب ابن ابی بلتعہ لخمی رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا۔

ان سرداروں، بادشاہوں اور حاکموں کی طرف سے مختلف قسم کے جوابات موصول ہوئے، لیکن اس موقع پر قبط کے شہنشاہ مقوقس کا موقف بیان کرنا چاہتے ہیں، جو مقوقس کی طرف بھیجا گیا اس کی عبارت یہ تھی۔

﴿ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ﴾

محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عظیم القبط مقوقس کی طرف......

ہدایت کی اتباع کرنے والے پر سلامتی۔

امابعد! میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام لے آ سلامتی میں رہے گا، اور

Marfat.com

تجھے دوگنا اجر دیا جائے گا، اگر تو روگردانی کرے گا تو قبط کا گناہ تجھ پر ہے، اے اہل کتاب، اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ سوائے اللہ کے اور کسی کی بندگی نہ کریں گے اور کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے، اور سوائے اللہ کے کوئی کسی کو رب نہ بنائے، پس اگر وہ پھر جائیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو فرمانبردار ہونے والے ہیں۔"

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ یہ خط لے کر مصر پہنچے، مقوقس اسکندریہ میں تھا، یہ وہاں گئے اور خط مقوقس کو پیش کیا۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "مقوقس نے کچھ دن مجھے اپنے پاس ٹھہرایا اور میری خوب خاطر مدارت اور مہمان نوازی کی، پھر اپنے کمانڈروں کو جمع کیا اور مجھے بلایا اور کہا: اے نوجوان! میں تجھ سے کچھ باتیں پوچھتا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ تو بات کو سمجھ لے، حاطب رضی اللہ عنہ نے اسے سوال کرنے کو کہا تو مقوقس نے پوچھا:

"مجھے اپنے ساتھی کے متعلق بتاؤ کیا وہ نبی نہیں ہیں؟"

"کیوں نہیں، وہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔"

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"اگر وہ نبی ہیں تو جب ان کی قوم نے انہیں ان کے علاقہ سے نکالا تھا تو انہوں نے قوم کے لئے بددعا کیوں نہ کی؟"

مقوقس نے دوسرا سوال کیا:

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے فرمایا:

"جب یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑا اور انہیں صلیب پر چڑھانے کا فیصلہ کیا تو انہوں نے یہود کی ہلاکت کی بددعا کی؟"

مقوقس ان کی یہ بات سن کر بڑا متاثر ہوا اور کہا: شاباش! تو باحکمت آدمی ہے اور یقیناً کسی باحکمت شخص کی طرف سے آیا ہے۔

مقوقس کی طرف سے نامہ مبارک کا جواب

مقوقس نے وہ خط دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا اور پھر اسے ہاتھی دانت کے بنے ہوئے

صندوق میں رکھوادیا، پھر حاطب رضی اللہ عنہ سے کہا:

''میں جانتا تھا کہ ایک نبی باقی ہے، اور میرا گمان تھا کہ وہ سرزمین شام میں مبعوث ہوگا، لیکن میرا خیال یہ ہے کہ جزیرہ عرب میں اس کی آمد ہوئی ہے، اگر روم کے بادشاہ کا خوف نہ ہوتا تو میں مسلمان ہوجاتا۔''

پھر مقوقس نے کاتب کو بلایا اور جواب میں مندرجہ ذیل بات اسے لکھوائی:

''امابعد! میں نے آپ کا خط پڑھا اور آپ کی ذکر کردہ بات کو سمجھا ہے، اور آپ کی دعوت کو حق مانا ہے اور آپ کے قاصد کا اکرام بھی کیا ہے، اور میں نے آپ کی طرف دو عظیم الشان قبطی باندیاں، لباس اور سواریاں بھیجی ہیں۔''

اور پھر حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا:

''یہ کچھ تحائف ہیں جو میں آپ کے ساتھ محمد ﷺ کی طرف بھیج رہا ہوں اور آپ کے ساتھ اس شخص کو بھی بھیج رہا ہوں جو آپ کو محفوظ ترین مقام تک پہنچائے گا۔''

اور پھر حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے رخصت کیا:

''اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ روم کا بادشاہ مجھ سے مصر کی بادشاہت چھین لے گا تو میں ایمان لے آتا اور ہدایت کو اختیار کر لیتا۔''

حضور ﷺ کی خدمت میں تحائف کی روانگی:

مقوقس نے حضور ﷺ کی خدمت میں مندرجہ ذیل تحائف بھیجے تھے:

(۱) ایک خوبصورت باندی جس کا نام ''ماریہ بنت شمعون'' تھا۔

(۲) حضرت ماریہ کی بہن ''سیرین'' نامی باندی۔

(۳) حبشی خادم جس کا نام ''مابور'' تھا۔

(۴) سفید پیشانی والا خچر، اس کا نام حضور ﷺ نے ''دلدل'' رکھا تھا، یہ اپنے سفید رنگ کی وجہ سے عرب میں ایک خاص یکتائی کا حامل تھا۔

(۵) زین ولگام سے مسلح عمدہ گھوڑا، حضور ﷺ نے اس کا نام ''سیمون'' رکھا تھا۔

(۶) بھورے رنگ کا حمار۔ آپ ﷺ اسے ''عفیر'' کے نام سے پکارتے تھے۔

(۷) ایک طبیب، جسے حضور ﷺ یہ فرماتے ہوئے واپس بھجوا دیا کہ ''ہمیں تیری کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ ہم اس وقت تک کھانا نہیں کھاتے جب تک بھوک نہ لگے، اور جب کھانا کھاتے ہیں تو سیر ہو کر نہیں کھاتے۔''

ان کے علاوہ اور بھی چند چیزیں تھیں جیسے خالص شہد، مصر کے بنے ہوئے کپڑے، اور مختلف قسم کی خوشبوئیں جیسے عود اور مشک وغیرہ۔

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کا خاندانی تعارف

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ ہجرت کے ساتویں سال کے شروع میں سارا ساز و سامان، تحائف اور غلام باندیاں لے کر مدینہ پہنچے، حال ہی میں حضور ﷺ قریش کے ساتھ صلح حدیبیہ کر کے واپس تشریف لائے تھے، حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو مقوقس کا جواب اور تمام تحائف پیش کر دیئے۔

ان تحائف میں ہمارے لئے سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ''سیدہ ماریہ مصریہ'' ہیں، جنہیں مورخین ''قبطیہ'' کے لقب سے یاد کرتے ہیں، حضرت ماریہ مصر کے ایک اعلیٰ خاندان ''حفن'' کی طرف منسوب ہیں، جس کا تعلق مصر کے علاقہ ''انصنا'' سے ہے، حضرت ماریہ کے والد کا نام ''شمعون'' ہے، جو کہ ایک مصری قبطی شخص تھے، جب کہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ایک رومن خاتون تھیں۔

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا نے اپنا بچپن اپنے گاؤں میں گزارا، پھر اپنی بہن کے ساتھ مقوقس کے محل میں منتقل ہو گئیں، یہ بات اہل تاریخ پر پوشیدہ ہے کہ آخر وہ کون سی چیز تھی جس نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو اپنا شہر چھوڑنے پر برانگیختہ کیا، کیونکہ اہل مصر کی عادت یہ ہے کہ وہ اپنا ملک نہیں چھوڑتے، اور دریائے نیل کی طرح مستقل مزاج ہوتے ہیں، البتہ اگر کوئی سخت مجبوری لاحق ہو تو اہل مصر اپنا ملک چھوڑنے پر بہر حال تیار ہو ہی جاتے ہیں......!

Marfat.com

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی خواہش تھی کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ اورحضرت اسماعیل کی والدہ حضرت حاجرہ علیہا السلام کی طرح ہو جائیں۔ان کے دل میں یہ خواہش کیسے پیدا ہوئی؟ اس میں مختلف احتمال ہیں، یا تو حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا نے کتب سابقہ مطالعہ کیا تھا،ان کتابوں میں پیغمبر دو عالم ﷺ کا تذکرہ تھا،جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِيْٓ اِسْرَائِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِيْ اسْمُهٗ أَحْمَدُ...... (الصف:٦)

''جب عیسیٰ بن مریم نے کہا:اے بنی اسرائیل!میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، اپنے سے پہلی کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا،اسکا نام ''احمد'' ہوگا۔''

یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ اورحضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت حاجرہ علیہا السلام کے قصہ اوران کے حالات کا مطالعہ کیا ہو۔

حضور ﷺ کا حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو اختیار کرنا

حضور ﷺ نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا،حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سرکار دو عالم ﷺ کو بھلی معلوم ہوئیں،لہٰذا آپ نے اپنے لئے ان کا انتخاب فرمالیا،حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا گوری رنگت اور خوبصورت بالوں کی حامل حسین وجمیل خاتون تھیں۔ حضور ﷺ چاہتے تھے کہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا حجروں میں نہ رہیں،لہٰذا آپ نے مدینہ کے ''عالیہ'' نامی خوبصورت علاقہ میں حضرت ماریہ کی رہائش کا انتظام کروایا'' یہ علاقہ خوبصورت وشاداب درختوں پر مشتمل تھا۔شاید کہ حضور ﷺ کی چاہت یہ تھی کہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو سرسبز جگہ رہائش دی جائے تاکہ یہ ان کے ملک مصر کے مشابہ ہو، کیونکہ مصر اپنی زرخیزی وشادابی میں ممتاز حیثیت کا حامل تھا۔آپ ﷺ کثرت سے حضرت ماریہ رضی

اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ بعض اوقات ان کے پاس کافی وقت گذار دیتے، حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضور ﷺ کے اس قلبی تعلق کی وجہ سے دوسری ازواج کو فطری افسوس لاحق تھا، لیکن انہیں اس بات سے تسلی ہو جاتی تھی کہ حضرت ماریہ عربی النسل نہیں ہیں۔

لیکن ایک غیر یقینی واقعہ رونما ہوا...... ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو حجروں کے پاس دیکھا، ایک حجرہ خالی تھا، اس حجرہ میں مقیم زوجہ محترمہ وہاں نہ تھیں، یہ حجرہ حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کا تھا۔ آپ ﷺ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو اس حجرہ میں لے گئے اور پردہ لٹکا دیا، جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا واپس آئیں تو انہوں نے پردہ لٹکا ہوا دیکھا، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ اندر ہیں اور ان کے ساتھ حضرت ماریہؓ بھی ہیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے باہر تشریف لانے کا انتظار کرنے لگیں، جب کافی دیر گذر گئی تو پردہ ہٹا، آپ ﷺ باہر تشریف لائے، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات ہوئی، عرض کیا: ''یا رسول اللہ! میرے دن اور میرے بستر پر......؟'' حضور ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی دل جوئی کے لئے فرمایا: ''ماریہؓ مجھ پر حرام ہے کہ میں اس کو ہاتھ لگاؤں'' اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے چاہت فرمائی کہ اس بات کو راز رکھیں اور کسی سے اس کا تذکرہ نہ کریں۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا جانتی تھیں کہ حضرت عائشہؓ کو بھی حضرت ماریہؓ پر بہت غصہ ہے جسے وہ ظاہر نہیں کرتیں، لہٰذا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا جلدی سے حضرت عائشہ کے ہاں گئیں اور ان سے کہا: ''اے عائشہ! کیا تجھے ایک خوشی کی بات سناؤں؟''

''کیا ہوا ہے؟'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت فرمایا۔

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے کمرہ میں حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ پایا، جب میں نے اس بارے میں حضور ﷺ سے شکوہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ ''ماریہ'' مجھ پر حرام ہے کہ اس کو ہاتھ لگاؤں'' اور مجھے کہا کہ ''اس بات کو چھپانا اور کسی کو اس کے متعلق نہ بتانا۔''

اس طرح حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے راز کو افشاں کر دیا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حلال چیز کے حرام کرنے پر تنبیہ فرمائی، اور مندرجہ ذیل آیات نازل

Marfat.com

فرمائیں:

یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللّٰہ لک تبتغی مرضات ازواجک واللّٰہ غفور رحیم O قد فرض اللّٰہ لکم تحلۃ أیمانکم واللّٰہ مولاکم وھو العلیم الحکیم O واذ اَسرَّ النبی الٰی بعضِ أزواجہٖ حدیثًا فلمّا نبّأَت بہٖ واظھرہ اللّٰہ علیہ عرَّفَ بعضَہٗ واعرض عن بعضٍ ط فلما نبّأَھا بہٖ قالت من أنبأکَ ھٰذا قال نبّأنِیَ العلیم الخبیر O (التحریم: ۱ تا۳)

"اے نبی آپ کیوں حرام کرتے ہیں جو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے آپ اپنی بیویوں کی خشنودی چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے اللہ نے تمہارے لئے اپنی قسموں کو توڑ دینا فرض کر دیا ہے اور اللہ ہی تمہارا مالک ہے اور وہی سب کچھ جاننے والا ہے اور جب نبی نے چھپا کر اپنی کسی بیوی سے ایک بات کہہ دی اور پھر جب اس بیوی وہ بات بتا دی اور اللہ نے اس کو نبی پر ظاہر کر دیا تو نبی نے اس پر اس میں سے کچھ بات جتلا دی اور کچھ ٹال دی پس جب پیغمبر نے اس کو وہ بات جتلا دی تو وہ بولی آپ کو کس نے یہ بات بتا دی آپ نے فرمایا مجھے خدائے علیم وخبیر نے بتلائی۔"

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیات

رسول کریم ﷺ نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا میں ایسی خصوصیات کا مشاہدہ فرمایا جو کسی دوسری زوجہ میں نہ تھیں، یہ مصری خاتون کی شان تھی، وہ اپنے معاملہ میں یکتا تھیں، لہٰذا انہوں نے کئی خصوصیات کو حاصل کیا، حضور ﷺ نے انہیں پردہ کروایا، ان کے پاس اکثر تشریف لے جاتے، آپ نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو حجروں سے دور رہائش عطا فرمائی لہٰذا ان کے لئے "عالیہ" نامی جگہ جو مدینہ کے ایک کونہ میں ہے، اقامت کا انتظام فرمایا۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا اچھی طرح جانتی تھیں کہ وہ یہاں اس لئے آئی ہیں تا کہ

خاتم الانبیاء والمرسلین محمد ﷺ کا دیدار کریں، جن کے بارے میں آسمانی کتابیں بھی خبر دیتی ہیں، حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی خواہش تھی کہ وہ کسی ایسے مسلمان سے شادی کریں جو اس نبی پر ایمان لایا ہو......لیکن خدا کی قدرت!......وہ خود نبی کریم ﷺ کے ساتھ مربوط ہو چکی تھیں، لہٰذا حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا نے اخلاق و آداب کو اختیار کیا جو انہیں اپنانے چاہئے تھے، وہ دوسری زوجات کے ساتھ جھگڑے، گفتگو یا لڑائی وغیرہ میں مشغول نہ ہوتیں، خاموشی کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتیں اور انسانیت کے رسول اور اپنے خاوند کے حقوق کی ادائیگی میں مصروف رہتیں۔

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے ہاں لڑکے کی پیدائش

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی خواہش تھی کہ کسی معجزہ کا ظہور ہو، اور حاملہ ہوں اور لڑکے کو جنم دیں تا کہ حضرت ہاجرہ مصریہ علیہا السلام کے مثل ہو جائیں۔ جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شادی فرمائی تھی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی خواہش کا پورا ہونا بظاہر ناممکن تھا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے اب تک کسی کے ساتھ یہ حالت پیدا نہ ہوئی تھی، حالانکہ حضور ﷺ کے ساتھ انہوں نے کئی سال گذار دیئے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی خواہش کو پورا فرمایا، وہ حاملہ ہو گئیں اور ان کے ہاں حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے متعلق بدگمانی اور حقیقت کا آشکارا ہونا

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا اس موقع پر بعض لوگوں کی بدگمانی سے محفوظ نہ رہ سکیں، مقوقس نے حضرت ماریہ اور ان کی بہن کے ساتھ مابور نامی ایک غلام کو بھی روانہ کیا تھا تا کہ ان دونوں کی ضروریات کی دیکھ بھال اور انتظام و انصرام کرے اور ان کی خدمت کرے لہٰذا مابور ان کے لئے لکڑیاں چنا کرتا تھا، پانی کے مشکیزے بھرتا اور ضروریات کا سامان خرید کر لا دیتا۔

لوگوں نے طرح طرح کی باتیں بنانی شروع کر دیں اور پردیسیوں کا خیال کیے بغیر ان کے بارے میں بدگمانی شروع کر دی اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ ''ایک غلام نے ایک

Marfat.com

باندی سے صحبت کی ہے۔"

یہ بات حضور ﷺ تک پہنچی، آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو دیکھا کہ غلام سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کے لئے پانی بھر رہا ہے، پھر اس نے پانی کا مشکیزہ پھینکا اور کھجور کے درخت پر چڑھ گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر مابور پر پڑی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ خصی نامرد تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ دوبارہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ عرض کیا، حضور ﷺ نے فرمایا تو درست رائے تک پہنچا ہے، حاضر وہ چیز دیکھ سکتا ہے جو غائب نہیں دیکھ سکتا۔" (طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۱۵۵)

حضور ﷺ کی وفات کے بعد ماریہ رضی اللہ عنہا کا طرز زندگی

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی زندگی اور آپ کی وفات کے بعد بھی حضور ﷺ کی باوفا اور ثابت قدم اہلیہ ثابت ہوئیں۔ لیکن حضرت ابراہیمؓ کی وفات کے بعد حضور ﷺ زیادہ عرصہ دنیا میں موجود نہ رہے، آپ کو مرض الوفات لاحق ہوا، آخری وقت میں تمام زوجات آپ کی خدمت میں حاضر تھیں...... یہاں تک کہ داعی اجل نے پکارا...... آپ نے اسے لبیک کہا.... اور جان جان آفریں کے سپرد کردی اور رفیق اعلیٰ سے جا ملے، حضرت ماریہ غموں میں ڈوب گئیں اور آپ کی وفات پر شدت الم سے آنسوؤں کی برسات ان کی انکھوں جاری تھی۔

حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ ہی میں رہنے کا فیصلہ کیا، مصر واپس جا کر اپنے خاندان والوں کے ساتھ مل جانے اور وہیں زندگی گذارنے کے بارے میں نہ سوچا اور نہ ہی اس کا ارادہ کیا۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا نے عبادت گزاری اور مکمل گوشہ نشینی کی زندگی گزاری، وہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی بیوی یعنی اپنی بہن سیرین کے علاوہ کسی سے نہ ملتی تھیں۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت ماریہؓ کی دیکھ بھال فرمایا کرتے تھے، ان کے نان نفقہ کی ذمہ داری بھی سنبھالی اور ان کے احوال و حاجات کا انتظام بھی اپنے ذمہ لیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے رفیق اعلیٰ سے وصال کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے، وہ بھی ان کی زیارت کرتے، ان کی

Marfat.com

ضروریات کو پورا کرتے اور ان کے لئے قیمتی عطایا کا انتظام فرماتے، ان کی زندگی عمدہ بنانے کی کوشش اور سعی فرماتے۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا نماز ادا کرنے کے لئے مسجد نبوی میں تشریف لے جاتیں، نماز کے بعد اپنا رخ روضۂ رسول کی طرف کر کے بیٹھ جاتیں، پھر ان دنوں کی یادوں میں گم ہو جاتیں جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گزارے تھے، لیکن انہیں اس بات سے تسلی ہو جاتی کہ وہ عنقریب جنت میں حضور ﷺ سے ملنے والی ہیں۔ اس شہر میں مقیم ہیں جس میں حضور ﷺ نے ان سے شرعی ملاقات فرمائی تھی اور وہ حضور ﷺ کے قریب ہی دفن ہوں گی۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کبھی کبھار جنت بقیع (قبرستان) میں تشریف لے جاتیں تاکہ اپنے بیٹے ابراہیمؓ کے قریب ہو جائیں پھر وہ ان سے سرگوشی کرتیں، پھر اپنے گھر واپس آ جاتی اور اپنی عبادت میں اضافہ کر دیتیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کا اس بات پر بہت شکر ادا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضور ﷺ کا پسندیدہ اور اختیار کردہ بنایا تھا۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہ نے خاموشی کو لازم پکڑ لیا تھا۔ انہوں نے حضور ﷺ کے حوالہ سے ایک حدیث بھی بیان نہیں کی اور نہ کوئی ایسا کلمہ روایت کیا جو حضور ﷺ کی زندگی سے متعلق ہو۔

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کا انتقال:

ہجرت کے سولہویں سال حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں حضرت ماریہ ؓ کا انتقال ہوا، جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کی خبر ہوئی تو آپ نے صحابہ کرام کو جمع فرمایا، حضرت ماریہؓ کی تجہیز و تکفین کا انتظام فرمایا اور انہیں جنت البقیع میں ان کے بیٹے حضرت ابراہیم کے قریب دفن کر دیا۔

Marfat.com

رسولِ اکرم ﷺ کی باندیاں

حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا

یہ یہودیوں کے قبیلہ بنی نضیر سے تھیں، ایک قول ہے کہ یہودیوں کے قبیلہ بنی قریظہ سے تھیں، آنحضرت ﷺ سے پہلے بنی قریظہ کے ایک شخص کی بیوی تھیں جس کا نام حکم تھا علامہ دمیاطی کہتے ہیں، اسی وجہ سے بعض راویوں نے حضرت ریحانہؓ کو بنی قریظہ سے شمار کیا ہے یہ بہت حسین وجمیل تھیں اور بنی قریظہ کے قیدیوں میں گرفتار ہو کر آئی تھیں، مالِ غنیمت میں سے آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنے لیے انتخاب فرمالیا، پھر آپ ﷺ نے ان کو اختیار دیا کہ وہ اپنے یہودی مذہب یا اسلام میں سے جس راستے پر چاہے چل سکتی ہیں، حضرت ریحانہ نے اسلام قبول کرلیا، آنحضرت ﷺ نے ان کو آزاد کر کے اپنے نکاح میں لے لیا، آپ ﷺ نے مہر میں بارہ اوقیہ اور ایک نش ان کو دیا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ صرف باندی ہونے کی حیثیت میں آنحضرت ﷺ کی ہم بستری میں رہتی تھیں، چنانچہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو اختیار دیا تھا کہ یا تو آپ ﷺ ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح فرمالیں یا یہ کہ وہ بیوی بننے کی بجائے آنحضرت ﷺ کی ملکیت میں رہیں، اب اس صورت میں ان کا شمار آنحضرت ﷺ کی باندیوں میں ہونا چاہیے بیویوں میں نہیں۔

علامہ دمیاطیؒ فرماتے ہیں کہ پہلی بات یعنی یہ کہ حضرت ریحانہؓ آپ ﷺ کی بیوی تھیں علماء کے نزدیک زیادہ ثابت ہے، مگر علامہ عراقیؒ کے نزدیک زیادہ صحیح دوسری بات ہے

Marfat.com

کہ یہ آپ ﷺ کی باندی تھیں، آنحضرت ﷺ نے ان کے حیض و ماہواری سے فارغ ہونے کے بعد ان کے ساتھ ہم بستری کی، یہ خلوت ام منذر سلمیٰ بنت قیس نجاریہ کے مکان میں ہوئی، یہ واقعہ ۶ ھ کا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے معاملے میں ان کو غیر معمولی طور پر غیرت اور رشک تھا آخر آپ نے ان کو طلاق دے دی، مگر جب یہ بہت زیادہ روئیں تو آپ ﷺ نے ان سے رجعت فرمالی۔ اس روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ریحانہؓ آپ ﷺ کی بیوی تھیں، ایک قول کے مطابق آنحضرت ﷺ کے حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت ان کا انتقال ہوا اور بقیع کے قبرستان میں دفن ہوئیں۔ (سیرۃ حلبیہ)

حضرت جمیلہ رضی اللہ عنہا

آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی تھیں، اور کسی لڑائی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی تھیں۔

حضرت جبیبہ رضی اللہ عنہا

آپ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی تھیں، اور کسی لڑائی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی تھیں۔

آپ کے علاوہ ایک اور باندی بھی تھیں جنہیں حضرت زینب رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا، ان کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

حضور ﷺ کے بیٹے اور بیٹیاں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزندان گرامی کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت قاسم رضی اللہ عنہ

(۲) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

(۳) حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ

حضور ﷺ کے تین بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں، اور ان میں سے ایک بیٹے حضرت ابراہیمؓ کے علاوہ سب کے سب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہاں پیدا ہوئے، جب کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ نے حضرت ماریہ کی کوکھ سے جنم لیا۔

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ ؓ بعث نبوی ﷺ سے پیدا ہوئے، انہیں کی وجہ سے حضور ﷺ کی کنیت ''ابوالقاسم'' ہے یہ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکے اور شیر خوارگی کے زمانے میں ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ان کے انتقال کا بہت زیادہ غم اور افسوس تھا' کیونکہ ان کی خواہش تھی کہ ان کے بطن سے محمد ﷺ بن عبداللہ کا کوئی بیٹا ہو' عرب معاشرہ شروع ہی سے بیٹوں کو بیٹیوں پر فوقیت دیتا تھا اور انہیں اہم خیال کرتا تھا اور انہیں سے نسب کو جاری کرتا تھا' اور لڑکا ان کی قوت اور اطمنان کا باعث تھا' جب اسلام آیا تو اس نے لڑکے کے بارے میں پائی جانے والی عصبیت کو کم کیا اور اس بات کو واضح کیا کہ حقیقی عطا کرنے والا اللہ ہی ہے' اسلام نے لوگوں کو اس بات کی تعلیم دی کہ دونوں جنسوں (مرد و عورت) میں کوئی فرق نہیں' لہٰذا وہ تفرقہ وفضیلت ختم ہو گئی جو زمانہ جاہلیت میں ہوا کرتی تھی۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر احسان فرمایا اور انہیں دوسرا بیٹا عطا فرمایا' جس کا نام ''عبداللہ'' اور لقب ''طاہر'' اور ''طیب'' قرار پایا' ان القابات کی وجہ یہ تھی کہ ان کی ولادت بعثت کے بعد ہوئی' پھر اللہ کی مشیت وارادت کا ظہور ہوا اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا انتقال طفولیت کے زمانہ میں ہو گیا' اس انتقال میں یقیناً اللہ کی کوئی حکمت ہے جو ہم سے پوشیدہ ہے۔ اگر رسالت اور نبوت محمد ﷺ کے بعد کسی کو ملتی تو آپ کی اولاد میں سے کسی کو ملتی' جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے بعد ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو نبوت ملی' لیکن محمد ﷺ تو خاتم الانبیاء والرسل ہیں' اور آپ کے بعد نبوت و رسالت کا سلسلہ بند ہو گیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ولادت بعد البعثت کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے:

''رسول اللہ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے۔ وہ اس بات پر رو رہی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی امانت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو واپس لے لیا تھا' اس وقت حضور ﷺ کی بعثت ہو چکی تھی۔ حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے عرض کیا:

''عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حصہ کا دودھ باقی ہے کاش وہ مدت رضاعت پوری ہونے تک زندہ رہتا تو اس میں میرے لیے بڑی تسلی اور اطمینان ہوتا۔''

حضور ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں مدت رضاعت پوری ہونے تک اس کے لیے انّا (مرضعہ) کا انتظام ہو چکا ہے۔''

''اگر میں اس بات کو بخوبی جان لوں تو میرے لیے بڑی آسانی ہو۔'' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔

''اگر تم چاہو تو میں تمہیں جنت میں اس کی آواز سنا سکتا ہوں۔'' حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''نہیں! بلکہ میں اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق کرتی ہوں۔'' (احمد (۴/ ۲۹۷، ۳۰۴)

اس بات کی تائید سورۂ کوثر کے مضمون سے ہوتی ہے اس سورت کا سبب نزول یہ ہے: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۞ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۞ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۞ (سورۃ الکوثر کاملہ)

''ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے' لہٰذا آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھیں اور قربانی دیں' بلاشبہ آپ کا دشمن ہی بے نام نشان رہے گا۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضور ﷺ کے بیٹے عبداللہ کی ولادت ہوئی' پھر کافی مدت تک ان کے ہاں اولاد نہ ہوئی' اس عرصہ میں ایک مرتبہ حضور ﷺ ایک آدمی سے گفتگو کر رہے تھے اور عاص بن وائل انہیں دیکھ رہا' اس آدمی نے عاص بن وائل سے پوچھا: ''یہ کون ہے؟'' عاص بن وائل نے جواب دیا: ''یہ بے اولاد اور بے نام ونشان رہنے والا شخص ہے۔'' اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے سورہ کوثر نازل فرمائی۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سورۂ کوثر کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ''تیرا دشمن اپنے اہل وعیال' مال و دولت اور ہر خیر سے محروم رہے گا اور اپنی موت کے بعد اچھے الفاظ سے یاد نہ کیا جائے گا' اس دشمن سے مراد عاص بن وائل سہمی ہے' (اے میرے حبیب) جب بھی میرا تذکرہ ہوگا تو اس میں تیرا ذکر خیر بھی ہوگا اور یہ اس وجہ سے ہے کہ لوگوں نے حضور ﷺ کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضور کو بے اولاد کہنا شروع کر دیا تھا۔''

علامہ زمخشری اپنی تفسیر ''الکشاف'' میں سورہ کوثر کی تفسیر فرماتے ہیں:

''یعنی آپ کا دشمن بے نام ونشان رہے گا نہ کہ آپ' اس لیے کہ قیامت تک پیدا ہونے والا ہر مومن آپ کی اولاد میں سے ہے اور آپ کا ذکر خیر

منبروں پر اور ہر عالم اور ذکر کرنے والے کی زبان پر ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ اللہ کے ذکر سے ابتداء کی جائے گی اور پھر آپ کا ذکر کیا جائے گا لہٰذا آپ جیسے شخص کو بے نام ونشان رہنے والا نہیں کہا جا سکتا' بے نام و نشان رہنے والا تو درحقیقت آپ کا دشمن ہے' جسے دنیا اور آخرت میں بھلا دیا جائے گا اور جب بھی اسکا تذکرہ ہوگا تو لعنت کے ساتھ ہوگا۔''

(الکشاف للزمخشری ج ۴ص ۲۳۷)

سورۃ الکوثر کی تفسیر میں بھی کہا گیا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی نعمت عطا فرمائی ہے جو اولاد سے بڑھ کر ہے' یعنی وہ نہر کوثر جو جنت میں بہتی ہے' اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے' لہٰذا آپ اس نعمت کے شکر میں اپنے رب کے لئے نماز پڑھیں اور قربانی دیں۔''

سورہ کوثر مکی ہے اور نزول کی تعریخ کی ترتیب کے اعتبار سے پانچویں سورت ہے' مکی سورتوں کی تعداد نواسی ہے' اس اعتبار سے یہ ابتدائی صورتوں میں سے ہے۔ ہمارے دعویٰ کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ جمہور مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ سورت عاص بن وائل سہمی کے بارے میں نازل ہوئی۔ جو ان سرداران مکہ میں سے ایک تھا جو حضور ﷺ کو دعوت حق سے روکنے کے لیے ابوطالب کے پاس گئے تھے۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ:

حضور ﷺ کے تیسرے بیٹے کا نام ''ابراہیم بن محمد ﷺ'' ہے، ان کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نہیں بلکہ حضرت ماریہ مصریہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی خواہش کی تکمیل:

جب حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا ''ابراہیم بن محمد'' کے حمل سے حاملہ ہوئیں تو آپ زیادہ عمر کی نہ تھیں' ان میں حمل کی علامات ظاہر ہوئیں لیکن آپ انہیں پہچان نہ سکیں اور خیال

Marfat.com

کیا کہ انہیں کوئی بیماری لاحق ہوئی ہے ان کی بہن سیرین ان کی دیکھ بھال کرنے لگیں' یہاں تک کہ ان کی ایک پڑوسن نے انہیں بغور دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو حمل کی علامات ہیں۔

یہ سن کر حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بہن کو سوال بھری نگاہوں سے حیرت کے ساتھ دیکھا کہ یہ حمل کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ حضور ﷺ کی باقی نو ازواج میں سے کوئی بھی حاملہ نہیں ہوئی' لیکن انہیں امید تھی کہ یہ بات صحیح بھی ہو سکتی ہے۔ اور خواہش پوری بھی ہو سکتی ہے کہ وہ نبی کے بیٹے کی ماں بن جائیں' جیسا کہ ہاجرہ مصریہ اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی ماں بنیں۔

یہ بات حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے سعادت اور خوش قسمتی کی انتہا تھی کہ انہیں وہ چیز حاصل ہوئی جو حضرت حاجرہ کو حاصل ہوئی' کیونکہ ان دونوں کے درمیان بہت مشابہت تھی' ایک یہ کہ دونوں مصریہ تھیں اور دوسری یہ کہ دونوں وقت کے نبی کو ہدیہ کی گئی تھیں۔ وہ اپنی امید کے پورا ہونے کے خیالات میں زندگی گزارنے لگیں' اور انہیں امید تھی کہ ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا اور ان کی تمنا کے پورا ہونے کا ذریعہ ثابت ہوگا۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی پیدائش:

حضور ﷺ نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی دیکھ بھال کا خصوصی انتظام فرمایا' ان کی بہن سیرین بھی ان کی خدمت کے لیے جاتی تھیں' یہاں تک کہ بچہ کی پیدائش کا وقت قریب آیا' رسول اللہ ﷺ نے ابورافع رضی اللہ عنہ کی بیوی سلمٰی (جو کہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی دائی تھیں) کو بلوایا' وہ ان کی خاطر مدارت اور دیکھ بھال کرنے لگیں اور یہاں تک کہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے ہاں بچہ کی پیدائش ہوئی' حضرت سلمٰی خوشی سے پھولے نہ سمائی اور بچہ کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں' آپ کو خوشخبری و مبارکباد دی' حضور ﷺ بھی مسرت سے سرشار ہوئے اور حضرت سلمٰی کا اعزاز و اکرام فرمایا' پھر حضور ﷺ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے' انہیں مبارکباد دی' اور بچے کو ان کے سامنے لٹا دیا' اللہ کی بڑائی بیان کی' اس کی حمد و ثناء کی' بچہ کے لیے برکت کی دعا فرمائی اور اپنے جد امجد کے نام پر اپنے بچہ کا نام ''ابراہیم'' طے فرمایا' پھر بچہ کے بالوں کے

برابر چاندی صدقہ فرمائی۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی رضاعت:

انصار مدینہ بچہ کو دودھ پلوانے کے انتظام میں رغبت کر رہے تھے اور ہر شخص چاہتا تھا کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو لے جائے اور ان کی رضاعت کا بندوبست کرے۔ اس اثنا میں بنونجار سے تعلق رکھنے والے صحابی براء بن اوس کی اہلیہ ام بردہ خولہ بنت منذر حاضر خدمت ہوئیں اور حضور ﷺ سے ان کے بیٹے کو دودھ پلانے کے سلسلے میں گفتگو کی۔ پھر وہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دودھ پلانے لگیں۔ ام بردہ رضی اللہ عنہا حضرت ابراہیم کو اپنے بیٹے کے حصہ کا دودھ پلایا کرتیں تھیں اور دودھ پلا کر بچہ کو اس کی ماں کے حوالہ کر دیتی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ نے انّا (مرضعہ) کو کھجور کا ایک درخت عطا کیا تھا اور انہیں سات بکریاں بھی عطا کی تھیں تاکہ وہ جب بچہ کی خوراک کو پورا نہ کرسکیں تو ان کے ذریعہ کمی پورا کر لیں۔ ام بردہ رضی اللہ عنہا بچہ کو مستقل طور پر دودھ پلانے کا انتظام نہ کرسکیں' لہٰذا ان کے بعد ام سیف رضی اللہ عنہا نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دودھ پلانے کی ذمہ داری سنبھال لی۔

حضور ﷺ کی اپنے بیٹے سے محبت:

حضور ﷺ اپنے بیٹے کو دیکھنے کے لیے ام سیف رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے۔

حضرت شیبان فرماتے ہیں: ''حضور ﷺ کہیں تشریف لے جا رہے تھے میں حضور ﷺ کے پیچھے چلنے لگا' یہاں تک کہ حضور ﷺ ابوسیف کے گھر کے پاس پہنچ کر رک گئے، ابوسیف اپنی دھونکنی میں پھونک رہے تھے' جس کی وجہ سے پورے گھر میں دھواں ہو رہا تھا' میں تیزی سے چل کر حضور ﷺ سے آگے نکل گیا اور ابوسیف کے پاس پہنچ کر ان سے کہا: اے ابوسیف! ٹھہر جائیں، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں۔'' ابوسیف ٹھہر گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم کو آواز دی اور اسے سینے سے لگا لیا اور وہ بات فرمائی جو اللہ نے چاہی۔''

Marfat.com

جب حضور ﷺ مدینہ میں ہوتے تو آپ ﷺ اپنے بیٹے سے ملاقات کرتے' اس کو گود میں اٹھاتے' اسے پیار کرتے اور اس میں انسیت' مسرت اور دلگی محسوس کرتے' کبھی حضور ﷺ اپنے بیٹے کو اٹھاتے اور انہیں اپنی ازواج کے پاس لے جاتے' بچہ ان کے حوالے بھی کر دیتے۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال اور تجہیز و تکفین

حضور ﷺ بچہ کی پرورش اور نشوونما کا مشاہدہ فرما رہے تھے' اس سے دل لگی اور گفتگو فرماتے۔ لیکن یہ سلسلہ زیادہ عرصہ جاری نہ رہا' جب حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ڈیڑھ سال کے ہوئے اور حضور ﷺ کے ان کے ساتھ قلبی تعلق میں اضافہ ہو گیا۔ تو مرض نے حضرت ابراہیم کو آ گھیرا۔ ان کی والدہ بے چین اور پریشان ہو گئیں' انہیں کچھ نہ سوجھ رہا تھا کہ کیا کریں۔ اپنی بہن سیرین کو مدد کے لیے بلایا' وہ دونوں بچہ کی دیکھ بھال اور تیمارداری کرنے لگیں' اس کے لیے دوائی تلاش کی۔ بچہ کو "نخیل العالیہ" لے گئے' لیکن مرض شدت اختیار کرتا گیا۔ دوا اور علاج معالجہ کسی کام نہ آیا۔ اچانک انہیں بچہ کا سانس اکھڑتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ تیزی سے بچہ کو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضور ﷺ کو ابراہیم رضی اللہ عنہ کی حالت کی خبر ہو چکی تھی۔ آپ عبدالرحمٰن بن عوف کے کندھے پر سہارے لگائے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ کے چہرے سے شدید غم کے آثار ظاہر ہو رہے تھے' پھر بچہ کی روح قفس عنصری سے جدا ہو گئی۔

حضور ﷺ کی مبارک آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری ہو گئی۔ آپ فرما رہے تھے کہ "اے ابراہیم! ہم امر الٰہی کے مقابلہ میں تیرے کسی کام نہیں آ سکتے۔" حضور ﷺ نے بچہ کی ماں اور خادمہ کو چیختے ہوئے سنا تو انہیں منع کیا اور اتنی بات فرمائی۔ "اے ابراہیم اگر موت امر حق اور سچا وعدہ نہ ہوتی اور یہ کہ ہمارے اگلوں کو پچھلوں کے ساتھ ملنا ہے تو ہم تجھ پر اس سے بھی زیادہ غم کرتے۔"

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

"آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں' دل غمگین ہے' لیکن ہم زبان سے وہی بات

Marfat.com

نکالیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو اور اے ابراہیم! ہم تیرے فراق پر بڑے دکھی ہیں۔"

جب مسلمانوں نے حضور ﷺ کو غمگین دیکھا تو مسلمان بھی حضور ﷺ کے غم میں غمگین ہو کر رونے لگے۔ اور بعض مسلمانوں نے حضور ﷺ کی تکلیف و پریشانی کو کم کرنے کی کوشش بھی کی اور رسول اللہ ﷺ کو وہ احکام یاد دلائے جو آپ نے فرمائے تھے تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میں نے تمہیں غمگین ہونے سے تو منع نہیں کیا بلکہ میں نے تو بلند آواز کے ساتھ رونے سے منع کیا ہے اور جو حالت تم میری دیکھ رہے ہو یہ تو دل کی محبت اور رحمت کا اثر ہے۔ اور جو شخص رحمت کو ظاہر نہیں کرتا' کوئی دوسرا بھی اس کے لیے رحمت کو ظاہر نہیں کرتا۔"

پھر حضور ﷺ نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا اور ان کی بہن سیرین کو تسلی دینے کے لیے فرمایا: "جنت میں ابراہیم کے لیے انا یعنی دودھ پلانے والی کا انتظام ہو چکا ہے۔"

ام بردہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو غسل دیا اور کھجور کی شاخوں کی چارپائی پر ڈال دیا' لوگوں نے انہیں اٹھایا اور ایک جگہ لے گئے' جہاں حضور ﷺ آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ اور بہت سے مسلمان موجود تھے' یہاں تک کہ وہ سب جنت البقیع پہنچے۔ حضور ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی' چار تکبیریں کہیں' فضل بن عباس اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما قبر میں اترے' حضور ﷺ قبر کے دہانے پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا: "ہم نے اسے اپنے ساتھی عثمان بن مظعون کے ساتھ دفن کر دیا۔" پھر آپ نے ایک اینٹ کا خلا دیکھا تو اسے بند کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: "ہم نے اسے اپنے اچھے نیک آدمی کے ساتھ دفن کر دیا ہے۔"

حضور ﷺ نے ان کے سرہانے علامت کے طور پر ایک پتھر رکھا اور فرمایا:

"یہ پتھر نفع نقصان نہیں دے سکتا' لیکن لوگوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا ذریعہ ہے اور آدمی جب نیک کام کرتا ہے تو اللہ پاک چاہتے ہیں کہ اسے اچھی طرح کرے۔"

پھر حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے قبر کی مٹی کو ہموار کیا اور فرمایا: "کوئی شخص پانی کا مشکیزہ لا سکتا ہے؟" ایک انصاری آدمی فوراً پانی کا مشکیزہ لے آیا۔ حضور ﷺ نے

Marfat.com

حکم دیا کہ اسے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر پر چھڑک دو۔
(طبقات ابن سعد ۱/۱/۹۱۔ وکنز العمال ۴۲۴۰۳)

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے انتقال کے وقت سورج گرہن کی حقیقت:

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی موت کے وقت سورج گرہن ہو گیا' لوگوں نے اسے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی کرامت خیال کیا اور کہا: ''سورج کو ابراہیم رضی اللہ عنہ کی موت کی وجہ سے گرہن لگا ہے۔'' جب حضور ﷺ نے یہ بات سنی تو فرمایا: ''سورج اور چاند اللہ کی دو نشانیاں ہیں' ان میں سے کسی کی زندگی یا موت کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا۔ جب تم ان میں اس حالت کو دیکھو تو فوراً نماز کے ذریعہ اللہ کے ذکر میں مصروف ہو جاؤ۔

محمد حسین ہیکل فرماتے ہیں:

''یہ ایک بہت بڑی نشانی ہے کہ محمد ﷺ مصیبت وغم کی المناک گھڑی کے اندر بھی اپنے منصب رسالت سے غافل نہیں ہوئے اس حدیث کو پڑھ کر مستشرقین (غیر مسلم علماء اسلام) نے بھی حضور ﷺ کی عظمت وجلالت کا اعتراف کیا اور وہ اپنی حیرانگی' حضور ﷺ کی عظمت اور اس بات کی معرفت کے اعلان کو نہیں چھپا سکے کہ وہ شخص یقیناً سچا ہے جو ایسے حالات میں بھی سچائی اور حق سے دستبردار ہونے پر راضی نہیں۔''

محمود فلکی نے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کا دن ۲۹ شوال ۱۰ ہجری بمطابق ۲۷ جنوری ۶۳۲ عیسوی بروز پیر بتایا ہے' اس دن مدینہ میں مکمل طور پر سورج گرہن ہوا تھا۔

رسولِ اکرم ﷺ کی صاحبزادیاں

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی پیدائش اور تربیت

حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی پہلی زوجہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے جنم لینے والی سب سے پہلی چشم و چراغِ خاندانِ نبوی ﷺ تھیں، آپ کی ولادت بعثتِ نبویؐ سے تقریباً دس سال قبل ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اس وقت تقریباً تیس سال اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۴۵ سال تھی۔ عربوں کی یہ عادت تھی کہ پہلے بچہ کی پیدائش پر بہت زیادہ خوشی کا اظہار کیا کرتے تھے، جب حضور ﷺ نے مبارک نکاح کے اس ثمرہ کو دیکھا تو اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور اللہ تعالیٰ کے اس عطیہ پر اس کا شکر ادا کیا۔

جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا لڑکی کی پیدائش پر اپنے خاوند ﷺ کو خوشی سے سرشار چہرہ کے ساتھ دیکھتیں تو خوشی سے سرشار ہو جاتیں ان کی یہ خوشی اس خاوند کی خوشی کی بنا پر تھی جن کے بارے میں انہوں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ اللہ ان کے ساتھ ان کے تعلق اور رشتہ کو دوام عطا فرمائے؛ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کا پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ اپنی بیٹی کی عربی معاشرہ کی فضا میں عمدہ ترین تربیت کریں گی، لہٰذا انہوں نے بچی کو ایک ایسی ''انا'' (مرضعہ) کے سپرد کیا جو بچی کو شہر کی فضا سے نکال کر دیہات کی خوشگوار فضا میں لے گئی اور اسے مکہ کی گرمی اور تپش سے دور لے گئی، عرب کے معزز اور اعلیٰ لوگوں کی عادت یہ تھی کہ وہ اپنے بچوں کو بدوی عورتوں کے سپرد کر دیتے تھے جو ان کی رضاعت کا انتظام کرتی تھیں، پھر دو سال یا اس سے کچھ زائد عمر میں ان کے گھر والوں کے حوالہ کر دیتی تھیں، اور

Marfat.com

خاص طور پر یہ معاملہ لڑکوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بھی واپس ان کی والدہ کے پاس لایا گیا، اب وہ ایک ایسی مربیہ کی نگرانی میں آگئیں جوان کی راحت کے لئے بیدار رہے، ان کی بڑھوتری کا خیال رکھے، ان کی صحت کی دیکھ بھال کرے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عمر دس سال کی ہوئی اور وہ لڑکپن میں داخل ہونے لگیں، ان کی خالہ ''ہالہ بنتِ خویلد'' نے ان میں دلچسپی لینا شروع کردی اور اس بات کی خواہش کی کہ وہ ان کے بیٹے ابوالعاص کی بیوی بن جائیں تاکہ ان کا تعلق ان کی بہن خدیجہ رضی اللہ عنہا سے مضبوط ہو جائے، ویسے بھی ہالہ بنتِ خویلد کبھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے جدا نہ ہوتی تھیں اور ہمیشہ ان کے پاس رہنے کی کوشش کرتی تھیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی ان کی غربت اور ناداری کی وجہ سے ان کی مالی امداد کیا کرتی تھیں۔

ابوالعاص سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح

ہالہ بنتِ خویلد نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ابوالعاص کے رشتۂ نکاح کا اشارہ نہ کیا بلکہ صراحت کے ساتھ ان سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنتِ محمد ﷺ کا رشتہ مانگا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بہن کی بات کو سنا اور اپنے خاوند محمد ﷺ سے اس سلسلہ میں گفت وشنید کی، ابوالعاص حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے، قریش خاندان سے تعلق رکھنے والے مکی شخص تھے، ان کا نسب تیسری پشت میں عبدمناف بن قصی تک پہنچ کر حضور ﷺ تک جا ملتا ہے، ان کا پورا نام ''ابوالعاص ابن الربیع بن عبدالعزیٰ بن عبدالشمس بن عبدامناف بن قصی'' ہے۔

ان کی والدہ کا نسب ان کے جداقرب ''خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ'' تک پہنچ کر زینبؓ بنت محمد ﷺ تک جا ملتا ہے، اس کے علاوہ ابوالعاص بچپن ہی سے عمدہ عادات وخصائل اور شریفانہ اخلاق کے مالک تھے، لہٰذا جونہی ابوالعاص اپنی خالہ کے شوہر محمد ﷺ کے پاس ان کی بیٹی کا رشتہ مانگنے گئے جیسا کہ عرب کا دستور تھا، کہ رشتہ کے لئے آدمی خود لڑکی کے باپ سے ملتا تھا، حضور ﷺ نے انہیں خوش آمدید کہا اور فرمایا ''بہترین داماد وہ ہے جو

Marfat.com

برابری والا ہو، اور اس میں کوئی عیب بھی نہیں اور یہ ان کے خاندان کا ہے اور وہ اس کے خاندان کے ہیں'' لیکن آپ ﷺ نے کچھ مدت طلب کی تا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی مرضی دریافت فرما سکیں اور آپ ﷺ نے کوئی قطعی فیصلہ نہ فرمایا، حضور ﷺ کو اپنی بیٹی کی موافقت حاصل ہوگئی، آپ ﷺ نے ابوالعاص کو مبارک باد دی، اور سب شادی کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

بعثت نبوی ﷺ کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے حالات

سب لوگوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ابوالعاص کی شادی کی تیاری کی، ان کی شادی کی خبر مکہ اور اس کے گرد و نواح میں پھیل چکی تھی، اہل و اقارب اور دوست احباب شادی میں شریک تھے، جانور ذبح کئے گئے، دستر خوان بچھائے گئے، شادی میں مکہ کے لوگوں کے ساتھ دوسرے علاقوں کے لوگ بھی شریک تھے، پھر حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے سسرال تشریف لے گئیں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا ابوالعاص کے ساتھ خوشگوار زندگی گزار رہی تھیں، ابوالعاص تجارت کیا کرتے تھے، وہ ثوق، حباشہ، سرزمین شام اور جزیرہ کے مختلف علاقوں کی طرف تجارتی سفر کیا کرتے تھے، اس دوران حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنی خالہ ہالہ ام ابی العاص کے ہاں ٹھہرتیں، اور کئی مرتبہ یہ دونوں خواتین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر چلی جاتیں۔

اس اثنا میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے میکے میں کچھ تبدیلیاں آنا شروع ہوئیں، ان کی والدہ ان کے والد محمد ﷺ عبادت اور غور و فکر کے لئے غارِ حرا میں گوشہ نشینی اختیار فرما چکے تھے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خود کو حضور ﷺ کی راحت و آسانی کے لئے فارغ کر لیا تھا، وہ حضور ﷺ کی آمد و رفت کی منتظر رہتیں، آپ ﷺ کے حالات معلوم کرنے کے لئے قاصد روانہ کرتیں، حضور ﷺ پر وحی کا نزول شروع ہوا اور آپ ﷺ کو اس امت کا نبی قرار دیا گیا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا اپنے خاوند کو دعوتِ اسلام دینا

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی چاروں بیٹیوں کو جمع فرمایا اور ان کے سامنے

آ

Marfat.com

حضور ﷺ کی دعوت کو پیش کیا، چاروں نیک بخت لڑکیوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور وہ سب کی سب اپنے والد کی دعوت اور اس کے حق ہونے پر ایمان لے آئیں اب حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کے ساتھ ایک نئی زندگی گزارنے لگیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے خاوند کو یقینی نبوت و دعوت کی خبر دی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا یہ گمان تھا کہ ابوالعاص اس دعوت کو سنتے ہی قبول کر لیں گے، کیونکہ وہ اپنے خاوند کے اخلاق و عادات اور خیر کے کاموں کی طرف ان کی دلچسپی سے اچھی طرح واقف تھیں، ابوالعاص خاموش کھڑے ہو گئے اور کوئی بات نہ کی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا ''آہ میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتے؟''

''کیا تو اپنے والد کے بارے میں مکہ والوں کے مؤقف کو جانتی ہے؟'' ابوالعاص نے پوچھا۔

''اے ابوالعاص! میرے والد کے بارے میں مکہ والوں کا مؤقف کیا ہے؟'' حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے استفسار کیا۔

''مکہ والے تیرے والد پر غضب ناک ہیں، ان کو تکلیف دے رہے ہیں یہاں تک کہ ایک آدمی نے ان سے بدکلامی بھی کی ہے۔''

''اب ہمیں کیا کرنا چاہیے، ظاہر ہے کہ ہمیں ان کی حمایت میں نکل کر ان کی مدد و حفاظت کرنی چاہیے۔'' حضرت زینب رضی اللہ عنہا گویا ہوئیں۔

یہ سن کر ابوالعاص کہنے لگے ''اس صورت میں میرے کاروبار کا کیا ہوگا، کیونکہ میرا کاروبار تو مکہ کے سرداروں اور ان کے دوسرے حمایتی لوگوں کے ساتھ ہے، کیا تو نہیں جانتی کہ میں ان کے ساتھ کاروبار کرتا ہوں؟ ان کو سامان بیچتا ہوں؟ اگر میں ان کی دشمنی پر اتر آیا تو میں کس کو سامان بیچوں گا؟ کس سے کاروبار کروں گا؟''

''تو کیا آپ اپنے سابقہ دین پر قائم رہیں گے''؟ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا۔

''جب تک میری مصلحت میں ہوا میں قریش کے دین پر قائم رہوں گا''۔ ابوالعاص نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''کیا ان لوگوں کی خاطر آپ میرے والد سے دشمنی کریں گے؟'' حضرت زینب

Marfat.com

رضی اللہ عنہا نے پوچھا۔

یہ سن کر ابوالعاص بولے:

''نہیں...... ہرگز نہیں، میں آپ کے والد سے دشمنی مول نہ لوں گا اور میری زبان سے کوئی ایسی بات نہ نکلے گی جو ان کو ناگوار محسوس ہو، میں ہمیشہ کی طرح ان کا ادب واحترام کرتا رہوں گا۔''

''جب قریش مکہ آپ سے اس بات کا مطالبہ کریں گے کہ آپ میرے والد کو تکلیف دیں تو آپ کیا کریں گے؟'' حضرت زینب رضی اللہ عنہا رنجیدہ خاطر ہو کر گویا ہوئیں۔

''وہ مجھ سے اس کام کا مطالبہ نہ کریں گے، ان کے لئے یہ کافی ہے کہ میں نبی ﷺ پر ایمان نہیں لایا، اور میں آپ کے والد کے ساتھ ابھی تک نہیں ملا'' ابوالعاص گویا ہوئے۔

''مجھے امید ہے کہ آپ اسلام قبول کر لیں گے'' حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنی امید کا اظہار کیا۔ ابوالعاص نے ان کے نکتۂ نظر کو ملاحظہ کیا تو کہنے لگے:

''عنقریب وہ وقت آئے گا جب میں حضور ﷺ کی تعلیمات پر ایمان لاؤں گا اور میرا خیال یہ ہے کہ ان کی دعوت عنقریب پھیل جائے گی!!''

''کیا آپ نہیں جانتے کہ میں ان کی تعلیمات پر ایمان لا چکی ہوں؟'' حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا۔

''ہاں میں جانتا ہوں، اس سلسلہ میں آپ کو مکمل آزادی ہے، جب تک اس سے ہمارے تعلقات پر کوئی اثر نہ پڑے۔'' ابوالعاص گویا ہوئے، یہ سن کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا:

''ہم اکٹھے رہیں گے اور وفاداری کریں گے، البتہ آپ جانتے ہیں کہ حضور ﷺ صادق الامین ہیں...... ان پر بہت سے لوگ ایمان لائے ہیں، جن میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، عثمان بن عفانؓ اور آپ کے ماموں زاد زبیر ابن عوام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی شامل ہیں۔''

بنو ہاشم کا بائیکاٹ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا طرزِ عمل

مقاطعت (باہمی قطع تعلق) کا زمانہ آیا، مکہ والوں نے بنو ہاشم کا کلی بائیکاٹ کیا

Marfat.com

اور انہیں شعبِ ابی طالب میں محصور کر دیا گیا، بہت سے مسلمانوں کو اس گھاٹی میں پناہ گزین ہونا پڑا، ان کے ساتھ نبی کریم، حضرت خدیجہؓ، حضرت ام کلثومؓ اور فاطمہ رضی اللہ عنہن بھی داخل ہوئے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ابو العاص سے کہا: ''اے ابو العاص! کیا آپ نہیں چاہتے کہ ہم بھی اپنے خاندان، والدین اور بھائیوں کے ساتھ ہوں؟''

ابو العاص نے جواب دیا ''نہیں اے زینب...... میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ لوگ میرے بارے میں کہیں کہ تیرے خاوند نے اپنی بیوی کی رضامندی کے لئے اپنی قوم کو رسوا کر دیا اور اپنے آباء کا انکار کر دیا''۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا خاموش ہو گئیں اور اپنے خاوند کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کر لیا، وہ اس بائیکاٹ کے متعلق اطلاعات کی تلاش میں رہتیں اور بنو ہاشم کو پیش آنے والی تکالیف کے بارے میں سن کر رنجیدہ، غمگین اور آبدیدہ ہو جاتیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو محاصرہ کی خبریں رشتہ داروں کے ذریعہ ہی معلوم ہوتیں، جو اس بات پر فخر کرتے تھے کہ انہوں نے مسلمانوں کو زندگی کی مشقت اور عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے، پھر اس مشقت کے بادل چھٹ گئے، محاصرہ ختم ہو گیا، بنو ہاشم شعبِ ابی طالب سے باہر نکل آئے، انہوں نے اپنی نئی زندگی شروع کی جو گھاٹی کی مشقتوں کی وجہ سے طرح طرح کے امراض پر مشتمل تھی۔

کفار کی سختیوں میں اضافہ ہو گیا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضور ﷺ کے چچا ابو طالب اکا انتقال ہو چکا تھا، مسلمانوں نے اپنے دین کی حفاظت کے لیے ہجرت کا راستہ اختیار کر لیا تھا اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھوڑے بہت مسلمان باقی رہے تھے۔

ایک بہت بڑا مشورہ عمل میں آیا، اور حضور ﷺ کے قتل کی سازش تیار ہوئی، اب ہجرت مدینہ کی طرف تھی، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اس بات سے بہت خوشی ہوئی جب انہیں سلامتی کے ساتھ حضور ﷺ کے یثرب پہنچنے کی اطلاع ملی تو وہ مطمئن اور پرسکون ہو گئیں، حضرت زینبؓ اکثر اپنے میکے جایا کرتی تھیں تا کہ ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہما کو

Marfat.com

دیکھ کر مانوسیت حاصل کریں اوران کی ضروریات کا انتظام کریں، یہاں تک کہ مدینہ سے ایک قاصد آیا اورام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہما اپنے والد سے جاملیں، اور حضرت زینب بھی ان کے اپنے والد کے پاس پہنچنے کی وجہ سے خوشی سے سرشار ہوگئیں، گھر تمام افراد سے خالی ہو چکا تھا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو چکا تھا، رقیہ رضی اللہ عنہا اپنے خاوند کے ساتھ مکہ سے حبشہ، پھر حبشہ سے مکہ، پھر مکہ سے مدینہ کی طرف جا چکی تھیں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے خاوند ابوالعاص اور اپنے بیٹے علی ابن ابوالعاص اور امامہ بنت ابی العاص کو دیکھ کر اطمینان وتسلی حاصل کر لیتی تھیں۔

مسلمانوں کا مشرکین سے انتقام اور غزوۂ بدر

مسلمان یثرب میں جانے کے بعد ان تکالیف کو فراموش نہ کر سکے تھے جو مشرکین مکہ کے ہاتھوں انہیں پہنچی تھیں، ان کے دل میں بدلہ کا جذبہ موجزن تھا اور مشرکین سے انتقام لینے کی فکر میں تھے، لہٰذا وہ مشرکین کی تاک میں تھے، اور وہ اس راستہ کے ذریعہ ممکن تھا جو شام اور مکہ کے درمیان تھا، کیونکہ مشرکین کے لئے مدینہ کے قریب اس راستہ سے گذرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا، لہٰذا وہ مشرکین کی تاک میں بیٹھ گئے کہ جیسے ہی انہیں موقع ملے گا سب اس کے لئے جمع ہو جائیں گے۔

بہرحال مسلمانوں کو اس کی اطلاع ہوئی کہ مکہ والوں کا یک قافلہ شام سے تجارتی مال لے کر آرہا ہے، عمرو بن خضرمی اس قافلہ کی قیادت کررہا تھا، مسلمانوں نے اس قافلہ پر حملہ کر دیا اور کافروں کے مال پر قبضہ کرلیا، بہت سے مردوں کو قیدی بنالیا اور ابن خضرمی کو قتل کر دیا، جب یہ اطلاعات مکہ والوں کو ملیں تو وہ غصہ اور افسوس سے لبریز ہو گئے وہ ان خبروں کی حقیقت وجھوٹ ہونے میں متردد تھے اچانک ضمضم بن عمرو غفاری کی آواز فضا کے پردے چیرتی ہوئی ان کی سماعت سے ٹکرائی:

''اے قریش کے لوگو!...... مشک بردار قافلہ کو بچالو، مشک بردار قافلہ کو بچالو...... تمہارے مال ابوسفیان کے ساتھ محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کے نشانہ میں ہیں اور میں تمہارے لئے ضروری سمجھتا ہوں کہ تم ان کو بچالو...... مدد، مدد!!''

Marfat.com

جنون اہلِ مکہ پر غالب آ گیا، کیا محمد (ﷺ) یہ جرأت کر سکتا ہے، حالانکہ وہ مکہ سے اس حال میں فرار ہوا ہے کہ نہ اس کے پاس مال تھا نہ لشکر؟ اب محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کے خلاف انتہائی قدم اٹھانے کا وقت آ گیا ہے۔ انہوں نے اپنے اسلحہ و جنگی ساز و سامان کو جمع کیا، لشکر تیار کیا، لڑائی کی مکمل تیاری کر لی، لیکن ابو سفیان کسی دوسرے راستے سے سلامتی کے ساتھ مکہ پہنچ گیا اور اہلِ اسلام کے خلاف ترتیب دیئے جانے والے لشکر میں شامل ہو گیا اور یثرب جانے والے لوگوں میں مل گیا، اور پھر اس عظیم الشان اور طاقت ور لشکر کا بدر کے مقام میں ایک چھوٹی سی جماعت سے مقابلہ ہوا جس کی قیادت محمد ﷺ کر رہے تھے۔

ابو العاص رضی اللہ عنہ کی غزوۂ بدر میں شرکت

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مکہ والوں کی اطلاعات پہنچ رہی تھیں وہ لوگوں کو مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے تیار کر رہے تھے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے والد اور ان کے ساتھیوں کی کامیابی کی دعا مانگ رہی تھیں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے شوہر ابو العاص کی شرکت پر بہت تعجب ہوا کہ وہ بھی مسلمانوں کے خلاف کفار کے ساتھ نبرد آزما ہونے کا مضبوط ارادہ کر چکے تھے، وہ اپنی عزت و مقام کی بنیاد پر جنگ میں شرکت کرنا چاہتے تھے...... ہمیں اس بات کے حقیقی سبب کا ادراک نہیں کہ آخر کس چیز نے انہیں جنگ میں شریک ہونے پر مجبور کیا، کیا انہیں غنیمت کی لالچ تھی؟ یا وہ مشرکین کے لشکر کو اسلحہ فراہم کرنا چاہتے تھے، کیونکہ وہ اسلحہ کے تاجر تھے، یا انہیں اپنی قوم کے لوگوں کی طرف سے ملامت اور عار دلائے جانے کا خوف تھا، یا اس بات کی فکر تھی کہ ان پر اپنی قوم کو شدت و سختی میں چھوڑنے کا الزام لگایا جائے گا اور اس سے مکہ کے سرداروں کے ہاں ان کا مقام و مرتبہ کم ہو جائے گا، یا ان کا خیال یہ تھا کہ مکہ والے محمد ﷺ پر غالب آ جائیں گے تو یہ ان کی سفارش کریں گے، کیونکہ وہ ان کے خالو اور سسر تھے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا رشتہ آپ ہی نے ابو العاص کو دیا تھا، یہ تمام باتیں ذہن کے دروازے پر دستک دیتی ہیں، لیکن ان میں سے کسی بات کو قطعی طور پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔

غزوۂ بدر کے موقع پر مسلمان غالب آ گئے اور ابو العاص کے خواب ہوا کی طرح

Marfat.com

بکھر گئے، قریشی سردار قتل کر دیئے گئے، بدر کے مقتولین کے نام جب کثرت کے ساتھ مکہ پہنچے تو اہلِ مکہ نے خیال کیا کہ ایک شخص بھی قتل سے محفوظ نہ رہ سکا۔

ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے انتقال کی افواہ

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے والد کی کامیابی کی خوشی تھی، لیکن یہ خوشی کامل درجہ کی نہ تھی، انہوں نے اپنے خاوند سے درخواست کی تھی کہ کفار کے ساتھ مسلمانوں سے مقابلہ کے لئے نہ جائیں، لیکن انہوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی اس بات کو نہ مانا، اب ان کا نام مقتولین کی فہرست میں تھا، ان کے دونوں بچے یتیم ہو چکے تھے، اس حال میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی خوشی کیسے کامل ہو سکتی تھی جب کہ ابوالعاص کا نام بدر میں قتل ہونے والوں کی فہرست میں شامل تھا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا غموں میں نڈھال حیرت سے سرشار تھیں، ان کی راتیں بغیر نیند کے گزر رہی تھیں، حتیٰ کہ عاتکہ بن عبدالمطلب نے ان کے دروازہ پر دستک دی، وہ تیزی سے ان کی جانب لپکیں، اور ان سے بلاساختہ گویا ہوئیں ''اے پھوپھی جان! کیا خبریں ہیں؟''۔

''زینب! ہر طرح سے خیر و عافیت ہے'' عاتکہ نے جواب دیا۔

''ابوالعاص کے بارے میں مطمئن ہوئے بغیر خیر مکمل نہیں ہو سکتی۔'' حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا۔

''تو پھر مطمئن ہو جائیں، کیا نکہ ابوالعاص خیریت سے ہیں'' عاتکہ گویا ہوئیں۔

یہ سن کر حضرت زینبؓ خوشی سے سرشار ہو گئیں اور حیرت بھرے لہجے میں دریافت کیا: ''اے پھوپھی جان! یہ کیسے ممکن ہے؟'' حضرت عاتکہ نے کہا: ''گھبراؤ نہیں...... وہ قتل نہیں ہوئے بلکہ جنگی قیدی بنا لیے گئے ہیں، عنقریب انہیں مدینہ لے جایا جائے گا''۔

''اب استراحت مکمل ہو گئی اور میرے والد کی فتح کی خوش خبری کی فرحت کامل ہو گئی۔'' حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے خوشی سے سرشار ہو کر ارشاد فرمایا۔

ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی قید سے آزادی

مشرکین کے وہ لوگ جو مسلمانوں کے ہاتھوں بچ نکلے اور قید و قتل سے محفوظ ہو

Marfat.com

گئے، انہوں نے مکہ پہنچ کر غزوۂ بدر کے حالات سنائے، مکہ والوں کو خبر ملی کہ مسلمان فدیہ کے بدلے قیدیوں کو آزاد کرنا چاہتے ہیں، ان قیدیوں میں ابو العاص بھی شامل تھے، حضور ﷺ نے انہیں دیکھا اور اپنے اصحاب کو یہ ارشاد فرمانے کے بعد انہیں اپنے ساتھ رکھا کہ ''قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو''۔ (کنز العمال ۱۱۰۳۶)

مسلمان چاہتے تھے کہ قیدیوں کے سلسلہ میں اپنا حق وصول کریں، لہٰذا وہ بہت زیادہ فدیہ کا مطالبہ کر رہے تھے، اہلِ مکہ نے مسلمانوں کے اس مطالبہ کو اپنے قیدیوں کو آزاد کروانے کی فکر میں قبول کر لیا تھا، کیونکہ اہلِ مکہ اپنے قیدیوں کو جلد از جلد آزاد کروانا چاہتے تھے تاکہ اس عار سے نکل سکیں جو ان کے مقدر میں لکھا جا چکا تھا۔

قیدیوں کو آزاد کروانے کے لئے آنے والوں میں ابو العاص کے بھائی بھی تھے، وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ''میں زینب رضی اللہ عنہا بنت محمد ﷺ کی طرف سے آیا ہوں اور میرے پاس ایک تھیلی ہے'' اس نے وہ تھیلی حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کی اور عرض کیا ''یہ میرے پاس ابو العاص کا فدیہ ہے'' جب حضور ﷺ نے اس تھیلی کو کھولا تو دیکھا تو حیران ہوئے اور فرمایا ''اے زینب! اللہ تیرا بھلا کرے یہ خدیجہ کا ہار ہے'' پھر خاموش ہو گئے اور فرمایا کہ ''یہ ہار زینب کی والدہ نے ان کی شادی کے موقع پر انہیں ہدیہ کیا تھا''۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاموش ہو گئے، انہوں نے معاملہ کی سنگینی کو بھانپ لیا، پھر حضور ﷺ گویا ہوئے اور فرمایا ''اگر تمہاری رائے ہو کہ زینب کے قیدی کو آزاد کر دو اور اس کے ہار کو بھی واپس کر دو تو ایسا کر لو'' سب نے یک زبان ہو کر کہا ''جی ہاں! یا رسول اللہ (ایسا کر لیجئے) .... (ابوداؤد ۲۶۹۲۔۔ واحمد ۶/۲۷۶)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شوہر سے جدائی

ابو العاص بن ربیع ؓ کو آزاد چھوڑ دیا گیا، انہوں نے حضور ﷺ سے ملاقات کی، دونوں نے کچھ دیر مختلف موضوعات پر گفت وشنید کی، پھر رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا کہ وہ زینب کو چھوڑ دیں کیونکہ دین کے مختلف ہو جانے کی وجہ سے زینب رضی اللہ عنہا ان کے لئے حلال نہیں، ابو العاص ؓ تاحال قریش کے دین پر تھے، جب کہ اسلام نے اس بات کو

Marfat.com

ممنوع قرار دے دیا کہ کوئی مشرک کسی مسلمان عورت سے شادی کرے، اور اگر ممانعت سے پہلے ان کی شادی ہوئی تو اسلام ان کے نکاح کے بقاء کو ممنوع قرار دیتا ہے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا تو اسلام کی دعوت کے ابتدائی وقت میں مسلمان ہو چکی تھیں، لہٰذا ابوالعاص نے وعدہ کیا کہ وہ مکہ جا کر مدینہ آنے کے لئے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا راستہ چھوڑ دیں گے، پھر حضور ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ وہ ایک انصاری صحابی کو ساتھ لے جائیں، وہ دونوں ''یاجج'' جگہ جا کر حضرت زینب کے گذرنے کا انتظار کریں، اور انہیں مدینہ خیر وعافیت سے پہنچا دیں۔

جب ابوالعاص بن ربیع مکہ پہنچے تو اپنی اہلیہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کہا کہ وہ اپنے والد کے قریب یعنی مدینہ جانے کی تیاری کرلیں، پھر اپنے بھائی کنانہ بن ربیع کو حکم دیا کہ ان کے لئے اونٹ تیار کریں، سیدہ زینب اونٹ پر سوار ہوگئیں، کنانہ نے اپنی کمان کو پکڑا، تلوار کو لٹکایا اور دن کے وقت اونٹ کی لگام پکڑے لوگوں کے سامنے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو کجاوہ میں بٹھا کر لے کر چل پڑے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی مدینہ روانگی

قومِ قریش کو اس واقعہ کی خبر ہو چکی تھی، ابوسفیان کی بیوی ہند بنتِ عتبہ کو بھی اس کی اطلاع پہنچی، غزوۂ بدر کے واقعات اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم رہے تھے اور جنگ کے مقتولوں کے چہرے اس کے تصورات میں چھائے ہوئے تھے، وہ روزانہ قریش کے محافل میں جاتی لوگوں کو مسلمانوں سے انتقام لینے پر برانگیختہ کرتی، کیونکہ انہوں نے اس کے باپ عتبہ بن ربیعہ، چچا شیبہ، اس کے بھائی ولید ابن عتبہ، اس کے چچا زاد عبیدہ اور عاص بن سعید بن العاص اور اس کے سوتیلے بیٹے حنظلہ بن ابی سفیان بن حرب کو قتل کر دیا تھا۔

ہند حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس آئی، حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس گفتگو کو بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں ''میں مکہ میں اپنے والد کے پاس جانے کی تیاری کر رہی تھی کہ ہند بنتِ عتبہ میرے پاس آئیں اور کہا: ''اے محمد کی بیٹی! میں نے سنا ہے کہ تو اپنے والد کے پاس جا رہی ہے، کیا واقعی ایسا ہے؟'' میں نے کہا کہ میرا کوئی ایسا ارادہ نہیں۔'' ہند

Marfat.com

نے کہا'' آپ ایسا نہ کریں......اگر آپ کو سفر میں ضرورت کو پورا کرنے کا سامان درکار ہو یا اپنے والد تک پہنچنے کے لئے مال کی ضرورت ہو تو میں آپ کی ضروریات پوری کرسکتی ہوں، آپ مجھ سے مت ڈریں کیونکہ جو دشمنی مردوں کے مابین ہے وہ عورتوں کے درمیان داخل نہیں ہو سکتی۔'' حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنی گفتگو ختم کرتے ہوئے فرمایا'' میرا یہی خیال ہے کہ اس نے یہ کام کرنے کی نیت سے ہی کہا تھا، لیکن مجھے اس سے کچھ خوف تھا، اس لئے میں نے اس کے سامنے ارادہ کا اظہار مناسب نہ سمجھا، پھر میں نے یثرب آنے کی تیاری کی اور چل پڑی۔''

کفار کی طرف سے مشکلات کا سامنا

کفار مکہ کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے مکہ سے نکلنے کا علم ہو گیا، لہٰذا انہوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا پیچھا کیا، سب سے آگے ہبار ابن الاسود اور نافع یا خالد بن عبد قیس تھے ہبار نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے اونٹ کو نوکدار مہمیز چبھوئی اور انہیں چٹان پر گرا دیا، ان دنوں حضرت زینب رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں اور آپ کے حمل کو چار ماہ گزر چکے تھے حمل ساقط ہو گیا، حمل کے ساقط ہونے کی وجہ سے انہیں ضعف اور مرض لاحق ہو گیا۔

ابوالعاص کا بھائی کنانہ (جو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھا) لوگوں سے لڑنے کو تیار ہوا لیکن وہ لوگ اس سے بہت دور تھے، ابوسفیان دور کھڑا ہوا کنانہ بن ربیع سے گفتگو کرنے لگا اور پکار پکار کر کہا'' ہم آپ سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں، اپنے اونٹکو روک لو'' ابوسفیان ان کے بالکل قریب آیا اور کہا'' اے کنانہ ابن الربیع! تو نے درست کام نہیں کیا، تو علی الاعلان اس عورت کو لوگوں کے سامنے لے کر نکلا حالانکہ تجھے اس مصیبت کا علم تھا، جو ہمیں لاحق ہوئی تھی، اور تجھے محمد ﷺ کے ہم پر حملہ کا علم بھی ہے، لوگ یہ خیال کر رہے ہیں کہ یہ مصیبت ہمیں بزدلی کی وجہ سے پہنچی ہے، اور اب ہم کمزور اور شکستہ دل ہو چکے ہیں، بخدا ہمیں زینبؓ کو اس کے والد کے پاس جانے سے روکنے کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن جب آوازیں ماند پڑ جائیں گی اور یہ لوگ باتیں کرنے لگیں گے کہ ہم نے اسے واپس کر دیا ہے تو خاموشی سے اسے لے جانا اور اس کے والد سے ملا دینا۔''

جب ہند بنتِ ربیعہ کو اس سارے واقعہ اور حضرت زینبؓ کی واپسی کا علم ہوا تو انہیں بہت دکھ ہوا، وہ اپنی قوم کا مذاق اڑانے لگی اور انہیں ملامت کرتے ہوئے کہا ''کیا ایک عورت کے خلاف معرکہ لڑ رہے ہو؟ یہ بہادری یوم بدر میں کیوں نہ تھی؟......''

افی السلم اعیار جفاء وغلظة

وفی الحرب اشباه النساء العوارک

''امن کے موقع پر سخت اور پچھاڑنے والے بہادر گدھے بن جاتے ہیں جب کہ لڑائی میں پردہ نشین عورتوں کے مثل ہو جاتے ہو۔''

یعنی امن کے موقع پر غصہ بہادری اور شجاعت کا مظاہرہ تو کرتے ہو، لیکن جنگ میں شریف عورتوں کی طرح شریف بن جاتے ہو۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا مقام ''ذی طویٰ'' تک پہنچ چکی تھیں لیکن ان کے خالہ زاد ربیع ابن کنانہ مجبور تھے کہ انہیں واپس مکہ لائیں، کیونکہ ان کا حمل بھی ضائع ہو چکا تھا اور کمزوری اور ناتوانی کا شکار تھیں، کچھ دن وہ گھر میں رہیں، آرام کیا پھر سفر شروع کیا، یہاں تک کہ مدینہ کے قریب زید بن حارثؓ اور ان کے ساتھ موجود صحابی سے ان کی ملاقات ہوئی اور آپ مدینہ پہنچ گئیں، یہ تمام حالات حضور ﷺ تک پہنچ چکے تھے، ان پر آپ غمگین بھی تھے اور غضب ناک بھی...... اور آپؐ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی تکلیف کا بدلہ لینے کا حکم بھی فرمایا۔

حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں:

''حضور ﷺ نے ایک سریہ روانہ کیا، میں بھی اس میں شامل تھا، آپ نے ہمیں حکم فرمایا کہ اگر تم ہبار ابن الاسود اور نافع بن عبدقیس کو پکڑ و تو ان دنوں کو جلا دو'' آپؐ نے اگلے دن ہمیں بلایا اور فرمایا ''میں نے تمہیں ان دنوں آدمیوں کے جلانے کا حکم دیا تھا، لیکن میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی کے لئے کسی کو آگ کا عذاب دینا ٹھیک نہیں، اگر تم ان دونوں کو پکڑ و تو قتل کر دو۔''

(ابن ابی شیبہ ۱۲/۳۸۹)

مدینہ میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے حالات زندگی

حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے بچوں کے ساتھ اپنے والد ﷺ کی سرپرستی میں

Marfat.com

زندگی گذارنے لگیں، حضور ﷺ ان سے ملاقات کرتے، اپنے نواسے اور نواسی کو پیار کرتے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی کبھی کبھی مسجد میں حاضر ہوتیں اور دیکھتیں کہ رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے امور میں مصروف ہیں، اور آپ ﷺ کی دعوت بجلی کی رفتار سے دنیا کے ملکوں میں پھیلتی جارہی ہے، لیکن مکہ اور مدینہ والوں کے درمیان دشمنی بڑھتی جارہی تھی، مسلمان ان تکالیف کو فراموش نہ کر سکے تھے جو انہیں قریش کے سرداروں کے ہاتھ سے پہنچتی تھیں، دشمنی بدستور قائم تھی اور انتقام کے موقع کا انتظار کیا جارہا تھا، مسلمان صحراؤں کا چکر لگایا کرتے تھے تاکہ شام سے آنے یا شام کی طرف جانے والے کسی کافر کو پکڑ لیں، اور مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے لشکر ان کے تاجروں اور قافلوں کی تلاش کرتے تھے تاکہ مکہ کے لوگوں کو پکڑ لیں اور ان کا سامانِ تجارت حاصل کرلیں۔

تجارتی قافلہ پر مسلمانوں کا حملہ اور ابوالعاص کا نقصان

اسی طرح ایک مرتبہ وہ صحرا کا چکر لگا رہے تھے کہ انہوں نے شام سے ایک قافلہ آتے ہوئے دیکھا، یہ اس کی گھات میں بیٹھ گئے پھر اس کو گھیر لیا، جو کچھ ان کے پاس تھا سارے کا سارا چھین لیا، اگر اس قافلہ کے افراد قتل کے خوف سے فرار نہ ہو جاتے تو مسلمان ان کو قیدی بنا لیتے، قافلہ کے افراد اپنے شہر مکہ پہنچے، سوائے ابوالعاص کے، کیونکہ وہ مستقبل کی منصوبہ سازی کر رہا تھا، بہت سے قریشی لوگوں نے اسے بہت سا سامان دے رکھا تھا، جس کی واپسی کا وہ ذمہ دار تھا، وہ کوئی ایسا حل سوچ رہا تھا جس کے ذریعہ سارا یا بعض مال واپس لینے کا انتظام ہو جائے، یا پھر کوئی ایسا کام کرے جس سے مکہ والوں کو معلوم ہو جائے کہ اس نے اپنے پاس موجود مال میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی، اور اس نے اس مال کی خاطر وہ سب کیا جو اس کی قدرت میں تھا۔

مال کی واپسی کے لئے ابوالعاص کا حیلہ

آخر ابوالعاص اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ اپنی خالہ زاد حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس جائے اور ان سے مال کی واپسی کا کوئی راستہ نکلوائے، جب رات ہوئی وہ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں مدینہ میں داخل ہوا، چلتے چلتے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچا، اس نے

Marfat.com

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو پناہ لینے کے لئے پکارا، حضرت زینبؓ نے اسے پناہ دے دی، صبح کی روشنی نمودار ہو چکی تھی، نمازی صبح کی تیاری کر رہے تھے، جب رسول اللہ ﷺ نے ''اللہ اکبر'' فرمایا اور باقی لوگوں نے بھی ''اللہ اکبر'' کہا، اچانک سب نے ایک آواز سنی، یہ حضرت زینبؓ کی آواز تھی، وہ کہہ رہی تھیں:

''اے لوگو!...... میں نے ابوالعاص کو پناہ دے دی ہے۔''

جب رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرا تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''اے لوگو!...... جو میں نے سنا ہے وہ تم نے سنا ہے؟''۔

لوگوں نے ہاں میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا، یہاں تک کہ میں نے بھی وہی سنا جو تم نے سنا ہے، مسلمانوں کا ادنیٰ ترین شخص بھی پناہ دے سکتا ہے، اور تحقیق جس کو زینبؓ نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی۔''

(البیہقی ۹/۹۵)

پھر رسول اللہ ﷺ اپنی بیٹی کے پاس تشریف لائے، حضرت زینب نے عرض کیا ''یا رسول اللہ ﷺ میں نے ابوالعاص کو پناہ دیدی ہے'' حضور ﷺ نے فرمایا ''اے میری بیٹی! اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو، لیکن وہ آپ کے بارے میں بے لوث نہ ہونے پائے کیونکہ اب آپ اس کے لئے حلال نہیں ہیں۔ (المستدرک ۳/۲۳۶)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ابوالعاص رضی اللہ عنہ پہ احسان

ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے حضرت زینبؓ کو ساری بات سنائی، کہ وہ مسلمان ہو کر نہیں آئے، بلکہ وہ تو کسی اور کام کے لئے آئے ہیں، یعنی صورت حال یہ ہے کہ وہ اپنے لئے اور اپنی قوم کے لئے تجارت کی غرض سے شام سے واپس آرہے تھے، ان کے ساتھ کچھ قریشی مرد بھی تھے اچانک مسلمانوں کی ایک جماعت نے ان پر حملہ کر دیا جس میں زید بن حارثؓ بھی تھے اور ان کے ساتھ ایک سو ستر آدمی تھے، انہوں نے قریشیوں سے سارا مال چھین لیا، اور قریشی قتل کے خوف سے اور یہ بھی ڈرتے ہوئے اپنی خالہ کی بیٹی کے گھر میں پناہ گزین

Marfat.com

ہوئے ہیں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا، میں اپنی خالہ کے بیٹے اور علی اور امامہ کے والد کو خوش آمدید کہتی ہوں۔"

جب سورج خوب روشن ہو گیا، حضور ﷺ نے ایک آدمی کو بھیجا جو ابوالعاص کو مسجد میں لے آئے، یہاں حضور ﷺ اپنے صحابہؓ کے ساتھ گفتگو فرما رہے تھے، ان کے ساتھ وہ آدمی بھی تھے جنہیں ابوالعاص رضی اللہ عنہ اور اس کے ساتھیوں کا مال حاصل ہوا تھا، حضور ﷺ نے ان سے کہا:

"اس آدمی کا جو مقام ہمارے نزدیک ہے وہ تم جانتے ہو، تمہیں اس کا مال حاصل ہوا ہے، اگر تم احسان کرو اور اس کا مال اس کو واپس کر دو تو تمہیں میری محبت حاصل ہوگی، اور اگر تم انکار کرو تو یہ اللہ کی طرف سے حاصل ہونے والا مال غنیمت ہے، اور تم اس کے حق دار ہو۔"

(المستدرک ۳/ ۲۳۷)

ایک صحابی نے ابو العاص کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "اے ابو العاص! تو مسلمان کیوں نہیں ہو جاتا اور اللہ کا شکر ادا کیوں نہیں کرتا کہ اس نے تیرا مال تجھے واپس کر دیا ہے" ابوالعاص نے جواب دیا "یہ تو اسلام شروع کرنے کا بہت برا طریقہ ہے کہ میں امانت میں خیانت کروں، اور مال ایک امانت ہے جس کا اس کے مالکوں کو واپس کرنا ضروری ہے۔"

صحابہ کرام حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ! ہم ابو العاص کا مال واپس کر رہے ہیں" اور وہ سب جلدی جلدی ان کا مال واپس کرنے لگے، یہاں تک کہ اگر کوئی ڈول، چھوٹا برتن یا پرانا مشکیزہ بھی لایا تھا، اسے بھی واپس کر دیا کسی نے اپنے پاس کچھ نہ چھوڑا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے انہیں یہ فرماتے ہوئے رخصت کیا "اس نے مجھ سے گفتگو کی، سچ بولا، مجھ سے وعدہ کیا اور وعدہ پورا کیا"

ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی قبولیت اسلام کا واقعہ

ابوالعاص قریش کے پاس ان کا سارے کا سارا مال لے کر پہنچے جس میں ایک

Marfat.com

چیز بھی کم نہ تھی، ہر ایک نے اپنا اپنا حصہ لے لیا، لوگوں نے انہیں کہا کہ بتا تو سہی کہ آخر کس طرح تو نے یہ سارا مال یثرب والوں سے واپس لے لیا، ابوالعاص نے جواب دیا ''تمہیں اس سے کوئی سروکار نہیں'' لوگوں نے کہا ''ہم خاموشی سے تیرا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ تو نے ہمارے مال پورے پورے واپس کر دیئے۔''

''ایک اور بات ہے'' ابوالعاص گویا ہوئے۔

''اے ابن الربیع! وہ کیا ہے؟ ہم نے آپ کو معزز وعدہ پورا کرنے والا پایا ہے'' لوگوں نے کہا، ابوالعاص نے کلمہ شہادت کی گواہی دی اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان کا اعلان کیا اور لوگوں سے کہا ''خدا کی قسم مجھے اسلام سے صرف اس بات نے روکا کہ تم میرے بارے میں بدگمانی کرو گے کہ میں نے اسلام کا ارادہ تمہارے مال کھانے کی غرض سے کیا ہے، جب اللہ نے تمہارے مال تمہیں ادا کر دیئے تو میں فارغ ہو گیا ہوں اور اسلام لایا ہوں......'' لوگ حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، پھر اپنے مالوں کے پاس آئے تا کہ اس بات کا یقین کر لیں کہ کہیں ابوالعاص نے مال میں کوئی کمی تو نہیں کی، اس لوگوں کے نزدیک ابوالعاص کا اسلام زیادہ اہمیت کا حامل نہ تھا، کیونکہ ان میں سے بہت سے لوگ اسلام قبول کرنے کے لیے یثرب کا سفر شروع کر چکے تھے۔

ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے اپنے مال وسامان وغیرہ کو جمع کیا اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے، مکہ میں موجود قریش کے باقی ماندہ سرداروں سے کوئی بات نہ کی، جب مسجدِ نبوی ﷺ میں پہنچے تو مسلمان انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور انہیں مبارک باد دی کہ انہوں نے مسلمانوں کی صفوں میں ملنے کا فیصلہ کر لیا ہے، وہ حضور ﷺ کے ہاتھ پر اسلام لائے، حضور ﷺ نے ان کی بہت تعریف فرمائی اور ابوالعاص کو لے کر اپنے گھر چل پڑے۔

حضرت زینبؓ کے نکاح کی تجدید اور وفات

حضور ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بلایا اور دو گواہوں اور ایک ولی کی موجودگی میں نکاح جدید کروایا...... بعض مؤرخین کے نزدیک پہلے نکاح کو ہی لوٹایا تھا۔

حضرت ابوالعاصؓ زینبؓ اور ان کے بچے علی اور امامہ جمع ہو گئے، اس تعلق کو ایک

Marfat.com

سال گزرا تھا کہ سن ۸ ہجری شروع ہو گیا، حضرت زینبؓ اس واقعہ سے ابھی تک متاثر تھیں جو انہیں پہلی مرتبہ مدینہ آتے ہوئے پیش آیا تھا، ان کا حمل ساقط ہو گیا تھا اور وہ چٹان پر گر گئی تھیں، وہ اس تکلیف کو محسوس کرتی رہیں، مرض بڑھتا رہا، کوئی علاج و معالجہ اور ابوالعاص کی تیمارداری و دیکھ بھال راس نہ آئی، حضرت زینبؓ بستر پر پڑی اللہ کے امر کا انتظار کرنے لگیں یہاں تک کہ آخری وقت آیا اور وہ دارِ آخرت کی طرف منتقل ہو گئیں۔

حضور ﷺ غمگین دل کے ساتھ تشریف لائے، ان کے لئے دعا کی، عورتوں کو نصیحت کی کہ ان کو طاق عدد میں غسل دیں اور آخر میں انہیں کافور خوشبو لگائیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ حضور ﷺ نے پڑھائی پھر مدینہ میں موجود صحابہ کرام نے انہیں آخری گھر میں منتقل کر دیا، اللہ تعالیٰ حضرت زینبؓ پر رحم کرے اور ان سے راضی ہو۔

حضرت زینبؓ کی اولاد کا اجمالی تعارف

ابوالعاصؓ نے حضرت زینبؓ کی وفات کے بعد چار سال مسلمانوں کے ساتھ گذارے، ان کی لڑائی میں دشمنوں کے خلاف برسرِ پیکار ہوئے، انہیں اپنے بچوں علی اور امامہ کو دیکھ کر حضرت زینبؓ کی جدائی کا افسوس ہوتا، اکثر اوقات وہ دونوں بچے اپنے نانا کے پاس جایا کرتے تھے، امامہ چھوٹی تھیں، حضور ﷺ انہیں اپنے ساتھ مسجد میں لے جایا کرتے تھے، حضور ﷺ کو امامہ میں حضرت زینبؓ کی صورت نظر آتی تھی، حضور ﷺ حضرت امامہؓ کو اپنے کندھے پر سوار کرتے، اسے نماز پڑھواتے، جب سجدہ کرتے تو انہیں اتار دیتے، جب سجدہ سے فارغ ہو جاتے تو پھر اٹھا لیتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: حضور ﷺ کو ایک تحفہ پیش کیا گیا جس میں عقیق یا سنگ سلیمانی کا نگینہ تھا، حضور ﷺ نے فرمایا ''میں اسے اپنے اہل میں سب سے زیادہ محبوب انسان کو دوں گا'' عورتوں نے کہا ''یہ بنت ابی قحافہ (حضرت عائشہؓ) کو ہی ملے گا''، لیکن حضور ﷺ نے امامہ بنت زینبؓ کو بلایا اور ان کے گلے میں ڈال دیا۔''

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ۱۳ ہجری ذوالحجہ کے مہینہ میں

Marfat.com

حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا، انہوں نے اپنی بیٹی امامہ کی وصیت اپنے ماموں زاد حضرت زبیر بن عوام ابو عبداللہ کے لئے کی تھی، علی بن ابو طالب نے امامہ کی خالہ حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد حضرت امامہؓ کا رشتہ طلب کیا، وہ ان کے ساتھ ہی رہیں، یہاں تک کہ وہ اللہ کے راستے میں شہید ہو گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات پر امامہؓ کو شدید غم و حزن لاحق ہوا، ان کے غم کی عکاسی ایک جلیل القدر صحابیہ ام ہیثم نخعیہؓ نے اس انداز میں کی ہے:

اشــاب ذئــوابتــی اذال رکبــی
امــامة حیــن فــارقــت القــریـنــا
تــطیف بــه لــحــاجتهــا الیــه
فلــمــا استسیــأ ست رفعت رهینا

''میرے بال سفید ہو گئے اور میرے کندھے جھک گئے، جب سے امامہ نے اپنے ساتھی سے جدائی اختیار کی، اور اپنی ضرورت کی وجہ سے اس کے گرد چکر لگاتی تھی، جب وہ مایوس ہوگئی تو اس کو رہن رکھوا دیا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے کچھ دیر پہلے حضرت امامہؓ کو فرمایا تھا ''اگر آپ کو کسی خاوند کی ضرورت ہو تو میں آپ سے مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبد المطلب کے بارے میں راضی ہوں۔''

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا، حضرت مغیرہؓ نے حضرت امامہؓ سے کہا:
''اگر آپ اپنا معاملہ میرے حوالے کر دیں؟''
''ٹھیک ہے'' حضرت امامہؓ نے جواب دیا۔
تو میں نے آپ سے شادی کر لی'' حضرت مغیرہ رضی اللہ نے جواب دیا۔

پھر حضرت امامہؓ کا انتقال ہو گیا اور انہوں نے کوئی اولاد نہ چھوڑی، باقی رہے حضرت علی بن زینب رضی اللہ عنہما...... تو ان کا انتقال صغر سنی میں ہو گیا تھا، حضرت علیؓ اور حضرت امامہؓ کی وفات کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی نسل آگے نہ بڑھ سکی۔

Marfat.com

حضرت رُقیّہ رضی اللہ عنہا

نام

سرورِ عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منجھلی صاحبزادی کا نام رقیہ ہے ان کی والدہ ماجدہ بھی حضرت خدیجہؓ بنت خویلد بن رسہ بن عبدالعزیٰ بن قصی ہیں۔ یعنی جناب زینبؓ کی حقیقی بہن ہیں۔

ولادت

نبوت سے سات سال قبل پیدا ہوئیں۔ ابن زبیر اور اُن کے چچا مصعب کا خیال ہے کہ حضرت رقیہ سب صاحبزادیوں میں چھوٹی تھیں چنانچہ جرجانی نسّاب نے اسی قول کو صحیح جانا ہے لیکن ان کے علاوہ اور لوگوں نے بھی یہ لکھا ہے کہ حضرت زینبؓ بڑی صاحبزادی تھیں اور منجھلی صاحبزادی رقیہ ابوالعباس محمد بن اسحاق سراج بروایت عبداللہ بن محمد بن سلیمان بن جعفر بن سلیمان الہاشمی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیس برس کے تھے جب حضرت زینبؓ پیدا ہوئیں اور تینتیسویں سال حضرت رقیہ کی ولادت ہوئی۔ بہرحال ارباب سیر نے حضرت رقیہ کو منجھلی صاحبزادی قرار دیا ہے۔

نکاح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے حضرت رقیہ کا پہلا عقد ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شرف نبوت پر فائز ہوئے تو قریش کی مخالفت اور زیادہ بڑھ گئی۔ قریش نے منجملہ اَور تکلیف پہنچانے کی یہ صورت بھی اختیار کی کہ حضرت ابوالعاص سے کہا کہ تم زینبؓ بنت محمد کو طلاق دے دو۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا۔

Marfat.com

جب قریش نے حضرت ابوالعاص سے یہ دنداں شکن جواب سنا تو اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ پھر عتبہ کے پاس گئے اُن سے بھی یہی کہا کہ تم رُقیہ بنت محمد کو طلاق دے دو۔ اور قریش کی جس لڑکی سے کہو شادی کرادیں عتبہ نے منظور کیا اور کہا کہ سعید ابن العاص کی لڑکی سے میرا نکاح کرادو اس پر قریش بخوشی راضی ہو گئے، اور کیوں نہ ہوتے یہ تو اُن کا عین منشا تھا کہ جس طریقہ سے ہو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی وجسمانی تکالیف پہنچائیں چنانچہ عتبہ نے حضرت رقیہؓ کو طلاق دے دی۔

لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درجۂ نبوت پر فائز ہوئے اور سورۃ تبت یدا ابی لھب نازل ہوئی تو ابولہب اور اُس کی بیوی ام جمیل (حمالۃ الحطب) نے کبیدہ خاطر ہو کر اپنے بیٹے عتبہ سے کہا کہ اگر تم نے رقیہ بنت رسول اللہ کو طلاق نہ دی تو میری زندگی، اور تمہارے ساتھ میرا اُٹھنا بیٹھنا حرام ہے۔ عتبہ نے بہ تعمیل حکم والدین حضرت رُقیہؓ کو طلاق دے دی۔

اس موقعہ پر یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ عتبہ سے صرف آپ کا عقد ہوا تھا۔ ہنوز رخصتی نہ ہونے پائی تھی کہ یہ طلاق وقوع میں آئی۔ اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اور اللہ تعالیٰ کا ایک مخصوص انعام تھا۔

اِسلام

اپنی والدہ محترمہ حضرت خدیجہؓ کے ساتھ اسلام لائیں اور بیعت اس وقت کی جب اور عورتوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف بیعت حاصل کی۔

حضرت عثمانؓ کا قبولِ اسلام اور حضرت رُقیہؓ سے عقد کا عجیب واقعہ

حضرت عثمان اپنے قبول اسلام اور شادی کا واقعہ خود بیان فرماتے ہیں کہ "میں خانۂ کعبہ کے صحن میں چند دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ دفعتہً کسی آدمی نے آکر مجھے یہ اطلاع دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کا عقد عتبہ بن ابی لہب سے کر دیا چونکہ حضرت رقیہ حسن و جمال اور اپنے قابل رشک اوصاف کے لحاظ سے امتیاز رکھتی تھیں اس لئے میرا رجحان خاطر ان کی طرف تھا جب یہ خبر میرے گوش گزار ہوئی تو

Marfat.com

حسرت و یاس کی کالی گھٹائیں دل پر چھا گئیں ہاتھ پاؤں پھول گئے اپنی شومی قسمت پر رنجیدہ ہوا۔لیکن سمجھ میں نہیں آیا کہ اب کیا تدبیر کروں جو مجھے منزلِ مقصود تک پہنچائے۔

اس خبر سے میں ایسا مضطرب ہو گیا کہ اُس جگہ نہ ٹھہرا اور گھر پہنچا ز ہے نصیب اتفاق سے گھر میں میری خالہ سعدہ تشریف رکھتی تھیں جو کہانت میں ماہر تھیں مجھے دیکھتے ہی بے ساختہ بولیں۔

ابشر وحييت ثلاثا وترا
ثم ثلاثا وثلاثا اخرىٰ
ثم بأخرىٰ كي تتم عشرا
لقيت خيرا ووقيت شراً
انكحت والله حصانا زاهراً
وانت بكر ولقيت بكرا
وافيتها بنت عظيم قدراً

"(اے عثمان) تمھیں مژدہ ہو اور تم پر تین مرتبہ سلام پہنچے پھر تین مرتبہ اور پھر تین مرتبہ۔ پھر ایک مرتبہ سلام پہنچے تاکہ دس پورے ہو جائیں۔ (خدا کرے) تم کو بھلائی نصیب ہو اور برائی سے بچائے جاؤ خدا کی قسم تم نے ایک عفت مآب حسینہ و جمیلہ خاتون سے نکاح کیا تم بھی تا کتخدا اور نا کتخدا ہی تم کو مل گئی۔ ایک بڑے عظیم القدر جلیل المرتبہ شخص کی بیٹی تم نے پائی۔"

مجھے اُن کی ایسی گفتگو سے سخت تعجب ہوا۔ میں نے پوچھا خالہ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ فرمایا:

عثمان یا عثمان یا عثمان
لک الجمال ولک الشان
هٰذا نبی معه البرهان
ارسلهٗ بحقه الديان

Marfat.com

وجـاءه التـنـزيـل والـفـرقـان
فـاتـبـعـه لا يـغـرنـك لا وثـان

''عثمان اے عثمان، تم صاحب جمال ہو اور صاحب شان۔ یہ نبی صاحب برہان ہیں وہ رسول برحق ہیں جن کو خدائے تعالیٰ نے بھیجا ہے اور اُن پر فرقان یعنی قرآن نازل ہوا ہے۔ اُن کی اتباع کرو اور بتوں کے فریب میں نہ آؤ۔''

میں اس مرتبہ بھی کچھ نہ سمجھا اور پھر میں نے کہا کہ ذرا تفصیل و تشریح کے ساتھ فرمایئے تو فرمایا:

ان محمدٌ بن عبدالله رسول اللّٰهمن عندالله جاء تبنزيل الله يدعوا بهالىٰ اللّٰه مصباحهٔ مصباح ودينهٔ فلاخ ما ينفع الصباح ولو وقع الذباح وسلت الصفاح ومرت الرماح.

''محمدؐ بن عبداللہ جو خدا کے رسول اور قرآن لے کر آئے ہیں خدا کی طرف بلاتے ہیں اس کا چراغ دراصل چراغ ہے اس کا دین ذریعہ فلاح ہے قتل و قتال شروع ہوگا اور تلواریں کھینچ کے جائیں گی اور برچھیاں تن جائیں گی۔ اس وقت شور و غل کوئی نفع نہ دے گا۔''

اُن کی یہ گفتگو میرے دل پر مؤثر ہوئی اور میں اُس کے مال کار پر غور و فکر کرنے لگا حضرت ابوبکرؓ کے پاس میں اکثر بیٹھا کرتا تھا دو روز کے بعد میں اُن کے پاس گیا اس وقت اُن کے نزدیک کوئی شخص نہ تھا میں متفکر و پریشان بیٹھا ہوا تھا کہ انہوں نے دریافت کیا کہ تم آج متفکر کیوں ہو، چونکہ وہ میرے رفیق تھے میں نے اُن سے اپنی خالہ کی گفتگو کا ماحصل بیان کیا۔ فرمایا کہ اے عثمان تم ایک سمجھ دار آدمی ہو اگر تم حق و باطل کی کوئی تمیز نہ کرو تو بے حد تعجب ہے، تمہاری قوم ان بتوں کی پرستش کرتی ہے۔ کیا یہ بُت پتھر کے نہیں ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان، میں نے کہا بے شک آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ بالکل صحیح ہے۔

Marfat.com

حضرت ابوبکر ﷛ نے فرمایا اے عثمان! بے شک خدا کی قسم تمہاری خالہ نے جو کچھ کہا وہ بالکل سچ ہے اور میں بھی یہی کہتا ہوں کہ محمدؐ بن عبداللہ خدا کے رسولؐ ہیں جنہیں خدا نے اپنا پیغام بندوں تک پہنچانے کے لئے بھیجا ہے۔ پس کیا حرج ہے اگر تم اُن کے پاس چلو اور جو کچھ وہ فرمائیں سنو، چنانچہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں گیا (ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس گفتگو کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی وہاں تشریف لے آئے) آپؐ نے فرمایا:

''اے عثمان خدائے تعالیٰ تم کو جنت کی طرف بلاتا ہے تم اس کو قبول کرو۔ میں خدا کا رسول ہوں جو تمہارے اور تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا۔''

خدا ہی جانے آپ کے جملوں میں کیا اثر تھا کہ میں بے قابو ہو گیا اور میں نے بے اختیار اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا لَّرَسُوْلُ اللّٰهِ، کہا اور مسلمان ہو گیا۔

اس واقعہ کے بعد مکہ میں حضرت رقیہؓ سے میرا عقد ہو گیا۔

ہجرت:

۵ ھ نبوت میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر حضرت عثمان ﷛ کے ہمراہ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

اسماء (ذات النطاقین) بنت ابی بکر سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ غار میں تشریف رکھتے تھے اور میں غار میں کھانا لے کر جایا کرتی تھی ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت طلب کی آپؐ نے حبشہ جانے کی اجازت دی اس لیے آپ حبشہ کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے۔ اس کے بعد میں نے کھانا لے کر گئی تو آنحضرتؐ نے استفسار فرمایا کہ عثمان اور رقیہؓ گئے یا نہیں میں نے عرض کیا کہ جی ہاں گئے آپ نے میرے والد ابوبکرؓ سے فرمایا:

''لوط اور ابراہیم کے بعد عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے کفار کی ایذا رسانی کے باعث مع اپنی بیوی کے وطن کو خیر باد کہہ کر ہجرت کی۔''

حضرت رقیہؓ حبشہ سے مکہ واپس آئیں لیکن مکہ کی حالت پہلے سے زیادہ خراب

Marfat.com

تھی وہاں قیام کرنا مناسب نہ سمجھا تو پھر حبشہ چلی گئیں۔

چونکہ وہاں ایک عرصہ تک قیام رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کی خیریت کے متعلق کوئی خبر نہ ملی اس لئے متفکر تھے کہ اتفاق سے ایک عورت حبشہ سے آئی۔ تو اُس سے آنحضرتؐ نے حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ کا حال دریافت فرمایا عورت نے کہا جی ہاں میں نے دونوں کو دیکھا ہے وہ خیریت سے ہیں۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کی جانب سے اطمینان ہوا تو فرمایا:

"رحمهما الله ان عثمان من هاجر باهله"

"خدا ان دونوں پر رحم فرمائے۔"

عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کی۔ باھلهٗ کے بعد صاحب اصابہ کہتے ہیں۔ یعنی مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّة، اس سے مراد یہ تھی کہ اُمت میں پہلے شخص ہیں۔ لیکن ان الفاظ کی تاویل مناسب نہیں ہے کیونکہ پہلی روایت مذکور ہو چکی ہے۔ لوطؑ اور ابراہیمؑ کے بعد عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی بیوی کو ہمراہ لے کر ہجرت کی۔

حبشہ میں ایک عرصہ تک قیام کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ نے مکہ کی طرف مراجعت کی اور بہت تھوڑے دن قیام کرنے کے بعد اپنے اہل وعیال کے ساتھ مدینہ منورہ چلے گئے۔

علالت ووفات

مدینہ منورہ پہنچ کر ۲ھ میں حضرت رقیہؓ کی صحت خراب ہوگئی۔ چیچک نکل آئی (صاحب تاریخ الخمیس صفحہ ۳۱۱ پر لکھتے ہیں کہ حضرت رقیہؓ کے کنکری لگ گئی تھی جس سے وہ بیمار ہوگئیں) بہرحال وہ اس قدر بیمار ہوئیں کہ صاحب فراش ہوگئیں چونکہ یہی زمانہ جنگ بدر کا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کی تیاری میں مشغول تھے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو اُن کی تیمارداری کے لئے مدینہ میں چھوڑ دیا۔ اور آپ خود جنگ بدر میں تشریف لے گئے۔

رمضان المبارک کا زمانہ تھا۔ ہجرت کو ایک سال سات مہینے گزر چکے تھے کہ

Marfat.com

حضرت رقیہؓ کا انتقال ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن عین اس وقت جبکہ حضرت رقیہؓ کی قبر پر مٹی ڈالی جا رہی تھی زید بن حارث فتح مکہ کی خوش خبری لے کر مدینہ میں داخل ہوئے اس لحاظ سے آپ کی وفات ۲ھ ہی میں ہوئی۔

اولاد

حبشہ کے دوران قیام میں حضرت رقیہؓ کے بطن سے ایک صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا نام عبداللہ تھا اور عبداللہ ہی کے نام سے حضرت عثمان کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔

اس ولادت سے قبل ہجرت اولی میں حضرت رقیہؓ کا ایک حمل ساقط ہو چکا تھا۔

عبداللہ کی ہنوز چھ سال کی عمر تھی کہ ایک مرغ نے اُن کی آنکھ میں چونچ ماردی جس سے تمام چہرہ ورم کر آیا۔ اور نظام جسم میں فساد پیدا ہو گیا آخر اسی صدمہ سے جمادی الاوّل ۴ھ میں انتقال ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حضرت عثمان نے قبر میں اُتارا۔ اس کے بعد حضرت رقیہؓ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

عام حالات

ابن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر حضرت رقیہؓ کی وفات کا حال بیان کیا گیا۔ تو آپؐ نے صبر وشکر کے ساتھ فرمایا "الحقی بسلفنا عثمان بن مظعون" عثمان بن مظعون پہلے جا چکے اب تم بھی اُن کے پاس چلی جاؤ۔ (عثمان بن مظعون ایک جلیل القدر اور مقتدر رکن ملت صحابی تھے مہاجرین میں سب سے پہلے مدینہ میں انتقال کیا تھا)۔ آنحضرتؐ کے اس ارشاد پر تمام عورتیں حضرت رقیہؓ کو یاد کر کے رونے لگیں۔ حضرت عمرؓ بھی آ گئے تھے عورتوں کو روتا ہوا دیکھ کر تنبیہ و تہدید فرمانے لگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لوگوں کو روتا ہوا چھوڑ دو کیونکہ جب رونے کا تعلق قلب اور آنکھ سے ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر مبنی ہوتا ہے اور اگر ہاتھ اور زبان تک نوبت پہنچے تو شیطان کی تحریک سمجھنا چاہیے۔

لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت رقیہؓ کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا:

الحمد لله دفن البنات المكرمات.

Marfat.com

''سب تعریفیں خدا کے واسطے ہیں بزرگ بیٹیاں دفن کی گئیں۔''

ایک روایت یہ بھی مذکور ہے کہ آنحضرت فاطمہؓ (حضرت رقیہؓ کی چھوٹی بہن) حضرت رقیہؓ کی قبر کے کنارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوئے مبارک میں بیٹھ کر رونے لگیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر کے گوشوں سے اُن کے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔

محمد بن سعد کہتے ہیں کہ اسی روایت کا ذکر میں نے محمد بن عمر سے کیا تو انہوں نے کہا کہ میرے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ حضرت رقیہؓ کی وفات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر میں تشریف رکھتے تھے۔ بوقت دفن شریک نہ تھے۔ پس گمان غالب یہی ہے کہ یہ روایت کسی دوسری صاحبزادی کے بارے میں ہوگی جس کے دفن میں آپ شریک ہوں گے راوی کو غلط فہمی ہوئی اور اگر کوئی مغالطہ نہیں ہوا تو یہ بہت ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے مراجعت فرما کر قبر پر تشریف لے گئے ہوں اور وہاں یہ واقعہ پیش آیا ہو۔

حُسن و جمال

حضرت رقیہؓ بہت خوب صورت اُور موزوں اندام تھیں دار المنثور میں لکھا ہے۔ کہ ''کانت ذات جمال بارع'' یعنی وہ بہت حسینہ و جمیلہ خاتون تھیں۔ حبشہ کا ایک گروہ آپ کے حسن و جمال سے تعجب کرتا تھا، اس گروہ نے آپ کو بہت اذیتیں پہنچائیں۔ آپ نے اُن لوگوں کے لیے بددعا کی اُور وہ سب لوگ ہلاک ہو گئے۔

حضرت عثمانؓ اپنی ہمدم، غمگسار، بیوی کے انتقال سے بہت مغموم و محزون رہنے لگے ان دونوں میں خاصی محبت تھی ''احسن الزوجین راء ھما الانسان رقیة وزوجھا عثمان''

یہ مقولہ اُن کی شان محبت میں بولا جاتا تھا جو عرب میں اب بطورِ ضرب المثل کے استعمال کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا

نام:

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحبزادی کا نام اُمّ کلثومؓ ہے آپ کی والدہ محترمہ حضرت زینبؓ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی تھیں۔

زبیرؒ کہتے ہیں اُمّ کلثوم حضرت رُقیہؓ اور حضرت فاطمہؓ سے بڑی تھیں۔ دیگر اربابِ سیر نے زبیرؒ کے اس قول کی مخالفت کی ہے لیکن صحیح اور قابلِ وثوق یہی ہے کہ حضرت رُقیہؓ سے چھوٹی تھیں اس لئے کہ جب حضرت رُقیہؓ کا انتقال ہو گیا تو رسول اکرمؐ نے حضرت اُمّ کلثومؓ کو حضرت عثمانؓ سے بیاہ دیا۔

اگر حضرت ام کلثوم حضرت رقیہؓ سے بڑی ہوئیں تو بالضرور پہلے حضرت ام کلثومؓ کا عقد حضرت عثمانؓ سے ہوتا نہ کہ حضرت رقیہؓ کا۔ غالباً ارباب سیر نے زبیر کے قول کی تردید اسی قول پر کی ہوگی۔

ولادت

آپ کا سال ولادت کسی کتب تواریخ وسیر میں مذکور نہیں ہے لیکن قیاس ہے کہ چھ سال قبل بعثت ولادت ہوئی ہوگی۔ اس لیے کہ حضرت رُقیہؓ کی ولادت سات سال قبل بعثت ہوئی اور حضرت فاطمہؓ کی ولادت پانچ سال قبل ہے۔ اور جب یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ حضرت رُقیہؓ سے حضرت ام کلثومؓ چھوٹی اور حضرت فاطمہؓ سے بڑی ہیں تو لامحالہ ان دونوں کی ولادت کے درمیان کا زمانہ اُن کی ولادت کے لیے تسلیم کرنا پڑے گا۔

آپ کے حالات طفولیت بھی کتب تواریخ وسیر میں مذکور نہیں اور حقیقۃ یہ ہے کہ

Marfat.com

وہ ایسا پُر آشوب زمانہ تھا کہ معمولی حالات کا تاریکی میں رہ جانا کچھ تعجب خیز نہیں۔ اس لئے آپ کے زمانۂ شادی کا حال لکھا جاتا ہے۔

نکاح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رُقیہؓ کا عقد ابولہب کے بیٹے عتبہ سے اور حضرت اُمّ کلثومؓ کا عقد ابولہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے قبل بعثت کر دیا تھا۔ لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرتبہ ورسالت پر فائز ہوئے اور سورۂ تبت یدا ابی لہب نازل ہوئی تو ابولہب نے اپنے ہر ایک بیٹے کو مخاطب کر کے کہا "راسی من راسک حرام ان لم تطلق ابنته" یعنی میری زندگی اور میرا اُٹھنا بیٹھنا تم لوگوں میں حرام ہے اگر تم نے اُس کی (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) بیٹی کو طلاق نہ دیا۔ (جیسا کہ حضرت رقیہؓ کے طلاق کا واقعہ اُن کے بیان میں لکھا جا چکا ہے) (اسی طرح) عتیبہ نے بھی اپنے باپ کے حکم کی تعمیل میں حضرت ام کلثومؓ کو طلاق دے دی اس لحاظ سے اب دونوں کی طلاق کا زمانہ اور سبب ایک ہی ہوا۔ لیکن ان دونوں بہنوں کی رخصتی ابھی تک نہیں ہوئی تھی کہ یہ طلاق وقوع میں آئی۔ اور یہ خدا کا مخصوص انعام واکرام تھا جو قبل رخصتی کے ایسا واقعہ پیش آیا۔

اس واقعہ کے بعد حضرت رقیہ کا عقد حضرت عثمان سے ہو گیا تھا جیسا کہ اُن کے بیان میں ذکر ہو چکا۔

جب ۲ھ میں حضرت رقیہؓ کا انتقال ہو گیا اور حضرت عثمانؓ اُس جانکاہ صدمہ سے بہت زیادہ مغموم ومحزون رہنے لگے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا کہ اے عثمان میں تم کو غم والم میں مبتلا پاتا ہوں، اس کا کیا سبب ہے حضرت عثمان نے عرض کیا یا حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم غمگین و پریشان نہ ہوں تو کیا کروں مجھ پر وہ مصیبت پڑی جو کبھی کسی پر نہ پڑی ہوگی حضورؐ کی صاحبزادی کا انتقال ہو گیا۔ اُن کی وفات سے میری کمر ٹوٹ گئی حضور سے جو رشتۂ قرابت وابستہ تھا منقطع ہو گیا اب کیا چارہ ہے۔ ابھی اُن کی گفتگو ختم نہ ہونے پائی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے یہ حکم پہنچایا ہے کہ میں اپنی بیٹی اُمِ کلثوم کو اُسی مہر پر جو رقیہ

Marfat.com

کا تھا تمہارے عقد میں دوں۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاوّل ۳ھ میں حضرت ام کلثومؓ کا عقد حضرت عثمان سے کر دیا۔

رخصتی:

نکاح کے دو مہینے بعد جمادی الآخر ۳ھ میں رخصتی عمل میں آئی۔

اسلام:

حضرت امِ کلثومؓ اپنی والدہ مکرمہ حضرت خدیجہؓ کے ساتھ اسلام لائیں۔ اور اپنی بہنوں کے ساتھ بیعت اس وقت کی، جب اور عورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شرف بیعت سے بہرہ اندوز ہوئیں۔

ہجرت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرما کر تشریف لے گئے، تو اہل و عیال مکہ ہی میں مقیم رہے۔ لیکن جب مکہ کی حالت زیادہ نازک اور خطرناک ہو گئی تو حضرت سودہؓ و حضرت فاطمہؓ مدینہ کی طرف ہجرت کر کے جانے لگیں تو حضرت اُمّ کلثوم بھی اُن کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ چلی گئیں۔

اولاد:

آپ کے کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی۔

وفات:

وفات تک مدینہ میں قیام رہا۔ شادی کے پانچ سال گزرنے کے بعد شعبان ۹ھ میں انتقال فرمایا۔ انصار کی عورتوں نے آپ کو غسل دیا اس میں اُمّ عطیہؓ بھی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ کی نماز پڑھائی حضرت ابوطلحہؓ، حضرت علیؓ بن ابی طالب اور حضرت فضلؓ بن عباس و اسامہ بن زیدؓ نے قبر میں اُتارا۔

Marfat.com

عام حالات:

انسؓ بن مالک سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت اُمّ کلثومؓ کی وفات سے سخت صدمہ پہنچا آپ قبر پر بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔

ایک روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت رُقیہؓ کا انتقال ہو گیا تو حضرت عمرؓ بن الخطاب نے حضرت عثمان سے کہا تم میری بیٹی حفصہ سے عقد کر لو لیکن حضرت عثمانؓ نے تامل کیا اور کوئی جواب نہیں دیا اس لئے کہ وہ سُن چکے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حفصہؓ سے عقد کرنے کا خیال فرماتے ہیں پھر جب رسول اکرم کو یہ خبر پہنچی تو آپؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کیا میں حفصہؓ کے لئے عثمانؓ سے بہتر شوہر اور عثمانؓ کے لیے حفصہؓ سے بہتر زوجہ تلاش کر دوں پھر آپؐ نے حضرت حفصہؓ کو اپنے دائرہ ازواج میں شرف بخشا، اور حضرت عثمانؓ کا عقد حضرت اُم کلثوم سے کر دیا۔

حضرت اُمّ کلثومؓ کے انتقال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری دس لڑکیاں ہوتیں تو ہر ایک لڑکی عثمانؓ ہی کے رشتۂ تزویج میں منسلک کرتا۔

دوسری روایت میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری سو لڑکیاں ہوتیں تو تین عثمانؓ کے عقد میں دیتا۔

حکیم محمود احمد ظفر ''امہات المومنین'' کے صفحہ ۸۲ پر لکھتے ہیں:

''کسی شخص کی سگی اولاد کے بارے یہ کہنا کہ وہ اس کی اولاد نہیں، اس سے بڑی اذیت اور کیا ہو سکتی ہے؟ لہٰذا رسول اللہ ﷺ کی سگی بیٹیوں کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ ان کی بیٹیاں نہیں تھیں، اس سے زیادہ تکلیف اور ایذاء پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے اور کوئی نہیں ہے۔

بعض حضرات یہ کہہ کر رسول اللہ ﷺ کو اذیت دیتے ہیں کہ سیدہ رقیہؓ اور سیدہ اُم کلثومؓ واقعی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیٹیاں تھیں لیکن آپ ﷺ نے انہیں (معاذ اللہ) ایک منافق اور فاسق کے ساتھ بیاہ دیا تھا۔ چنانچہ نعمت اللہ جزائری نے اپنی کتاب میں لکھا

Marfat.com

ہے کہ:

''اختلاف کا عثمانؓ کے نکاح میں ان دونوں صاحبزادیوں کے یکے بعد دیگرے آنے کا کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ عثمان ان لوگوں میں سے تھے جو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں بظاہر مسلمان اور بباطن منافق تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کے ظاہری احکام کے مکلّف تھے جیسا کہ ہم ہیں اور آپ منافقین کے دلی طور پر مومن ہو جانے کے خیال سے ان سے میل جول رکھتے تھے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی ایمان کا ارادہ فرماتے تو بہت تھوڑے لوگ خالص مومن نکلتے، کیونکہ صحابہ کی غالب اکثریت اس زمانے میں منافق تھی۔'' (انوار النعمانیہ ج اص ۸۰۔ایران)

میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد اور اُمت کے ذوالنورین کے بارہ اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے سے نہ صرف رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچی ہوگی بلکہ عرش الٰہی بھی کانپ گیا ہوگا۔ جب ہم اپنا داماد کسی منافق یا فاسق کو نہیں بنا سکتے تو طاہر و مطہر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹیوں کو نفاق و فسق کی گندگیوں میں کیسے دھکیل سکتا ہے؟ کیونکہ انہی حضرات کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ:

''نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنی پاک دامن بیٹی کا کسی فاسق کے ساتھ نکاح کرے، اس پر ہر روز ایک ہزار لعنت نازل ہوتی ہے اور اس کا کوئی عمل آسمان کی طرف نہیں چڑھتا اور نہ ہی اس کی کوئی دعا قبول ہوتی ہے اور نہ ہی اس سے کوئی فدیہ یا معاوضہ قبول کیا جاتا ہے۔''

(ارشاد القلوب ج اص ۱۷۴۔طبع بیروت)

Marfat.com

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب

فاطمہؓ نام، زہرا لقب تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سب سے کم سن تھیں۔ سنہ ولادت میں اختلاف ہے۔ ایک روایت ہے کہ ابعثت میں پیدا ہوئیں۔ ابن اسحٰق نے لکھا ہے کہ ابراہیم کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی تمام اولاد قبل نبوت پیدا ہوئی۔ آپ کی بعثت چالیس سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ اس بنا پر بعضوں نے دونوں روایتوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ سنہ ابعثت کے آغاز میں حضرت فاطمہؓ پیدا ہوئی ہوں گی اور چونکہ دونوں کی مدت میں بہت کم فاصلہ ہے، اس لئے یہ اختلاف روایت ہو گیا ہوگا۔ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ بعثت سے پانچ برس پہلے خانہ کعبہ کی جب تعمیر ہو رہی تھی پیدا ہوئیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ نبوت میں تقریباً ایک سال پیشتر پیدا ہوئیں۔

لقب:

آپ سیدۃ النساء عالم اور سردار نساء اہل جنت ہیں۔ آپ کے القاب، زہراء طاہرہ، مطرہ، زاکیہ، راضیہ، مرضیہ، بتول، ہیں۔

شیخ ابن حجر فاطمہ، بتول اور زہراء کی وجہ تسمیہ لکھتے ہیں کہ آپ کا نام فاطمہؓ اس وجہ سے ہے کہ خدائے تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے دوست رکھنے والوں کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھا۔

بتول کا لقب اس وجہ سے ہے کہ آپ اپنے زمانہ کی عورتوں سے فضل و دین اور

Marfat.com

حسب میں ممتاز تھیں۔

نکاح

حضرت فاطمہؓ جب مشہور روایت کے مطابق ۱۸ سال اور اگر سن ابعثت کو ان کا سالِ ولادت تسلیم کیا جائے تو پندرہ سال ساڑھے پانچ مہینہ کی ہوئیں تو ذی الحجہ ۲ھ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا۔

ابن سعد نے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی، آپؐ نے فرمایا کہ جو خدا کا حکم ہوگا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جرأت کی، ان کو بھی آپؐ نے کچھ جواب نہیں دیا بلکہ وہی الفاظ فرمائے لیکن بظاہر یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ابن سعد کی اکثر روایتیں حضرت فاطمہؓ کے حال میں روایت کی ہیں لیکن اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔

بہر حال حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب درخواست کی، تو آپؐ نے حضرت فاطمہؓ کی مرضی دریافت کی، وہ چپ رہیں یہ ایک طرح کا اظہارِ رضا تھا۔ آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر میں دینے کے لئے کیا ہے؟ بولے کچھ نہیں۔

آپؐ نے فرمایا اور وہ حطیمہ زرہ کیا ہوئی؟ (جنگ بدر میں ہاتھ آئی تھی)

عرض کی وہ تو موجود ہے۔

آپؐ نے فرمایا بس وہ کافی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اس کو ۴۸۰ درہم پر فروخت کیا اور قیمت لا کر آنحضرت ﷺ کے سامنے ڈال دی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ بازار سے خوشبو لائیں۔

زرہ کے سوا اور جو کچھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سرمایہ تھا، وہ ایک بھیڑ کی کھال اور ایک بوسیدہ یمنی چادر تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سب سرمایہ حضرت فاطمہ زہراؓ کے نذر کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اب تک آنحضرت ﷺ ہی کے پاس رہتے تھے۔ شادی کے بعد ضرورت ہوئی کہ الگ گھر لیں۔

حارثہ بن نعمان انصاریؓ کے متعدد مکانات تھے جن میں سے وہ کئی آنحضرت ﷺ کی نذر کر چکے تھے، حضرت فاطمہؓ نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ ان ہی سے کوئی مکان دلوا دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ کہاں تک، اب ان سے کہتے شرم آتی ہے۔

حارثہ رضی اللہ عنہ نے سنا تو دوڑے آئے کہ حضور میں اور میرے پاس جو کچھ ہے سب آپ کا ہے۔ خدا کی قسم میرا جو مکان آپ لے لیتے ہیں مجھ کو اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ وہ میرے پاس رہ جائے۔ غرض انہوں نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس میں اٹھ گئیں۔

شہنشاہِ مدینہ ﷺ نے سیدۂ عالمؓ کو جو جہیز دیا، وہ بان کی چارپائی، چمڑے کا گدا جس کے اندر روئی کے بجائے کھجور کے پتے تھے، ایک چھاگل، دو مٹی کے گھڑے، ایک مشک اور دو چکیاں۔ اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہی دو چیزیں عمر بھر ان کی رفیق رہیں۔

حضرت فاطمہؓ جب نئے گھر میں جا چکیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے، دروازہ پر کھڑے ہو کر اذن مانگا، پھر اندر آئے۔

ایک برتن میں پانی منگوایا دونوں ہاتھ اس میں ڈالے اور حضرت علی ؓ کے سینہ اور بازوؤں پر پانی چھڑکا۔ پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا، وہ شرم سے لڑکھڑاتی آئیں اور ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا کہ میں نے اپنے خاندان میں بہتر شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے۔

داغ بے پدری

حضرت فاطمہؓ کی عمر مشہور روایت کے مطابق ۲۹ سال کی تھی کہ جناب رسالت پناہ ﷺ نے رحلت فرمائی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کی محبوب ترین اولاد تھیں اور اب صرف وہی باقی رہ گئی تھیں، اس لئے ان کو صدمہ بھی اوروں سے زیادہ ہوا۔

وفات سے پہلے ایک دن آنحضرت ﷺ نے ان کو بلا بھیجا، تشریف لائیں تو ان سے کچھ کان میں باتیں کیں۔ وہ رونے لگیں۔ پھر بلا کر کچھ کان میں کہا تو ہنس پڑیں۔ حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا تو کہا، پہلی دفعہ آپؐ نے فرمایا کہ میں اسی مرض میں انتقال

Marfat.com

کروں گا۔ جب میں رونے لگی تو فرمایا کہ میرے خاندان میں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے آ کر ملوگی، تو ہنسنے لگی۔

وفات سے پہلے جب بار بار آپ ﷺ پر غشی ہوئی تو حضرت فاطمہؓ یہ دیکھ کر بولیں "وا کرب اباہ" ہائے میرے باپ کی بے چینی! آپؐ نے فرمایا، تمہارا باپ آج کے بعد بے چین نہ ہوگا۔

آپؐ کا انتقال ہوا تو حضرت فاطمہؓ پر ایک مصیبت ٹوٹ پڑی۔ اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ جب تک زندہ رہیں، کبھی تبسم نہیں فرمایا۔

بخاری میں لکھا ہے کہ جب صحابہ نعش مبارک کو دفن کر کے واپس آئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا تم کو رسول اللہ ﷺ پر خاک ڈالتے اچھا معلوم ہوا؟

آنحضرت ﷺ کے انتقال کے بعد میراث کا مسئلہ پیش ہوا۔ حضرت عباسؓ، حضرت علیؓ، ازواجِ مطہراتؓ یہ تمام بزرگ میراث کے مدعی تھے۔

حضرت فاطمہؓ کا بھی ایک قائم مقام موجود تھا چونکہ آنحضرت ﷺ کی جائیداد خالصہ جائیداد تھی اور اس میں قانونِ وراثت جاری نہیں ہوسکتا تھا۔

اس لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے اعزّہ کو اپنے اعزہ سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں لیکن دقت یہ ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ انبیاء جو متروکہ چھوڑتے ہیں وہ کل کا کل صدقہ ہوتا ہے اور اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ اس بنا پر میں اس جائیداد کو کیونکر تقسیم کرسکتا ہوں؟

البتہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں اہل بیت جس حد تک اس سے فائدہ اٹھاتے تھے اب بھی اٹھا سکتے ہیں۔

صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ اس گفتگو کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سخت قلق ہوا اور وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوئیں اور آخر وقت تک ان سے (اس موضوع پر) گفتگو نہیں کی۔ (طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ بعد کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے راضی ہوگئی تھیں)

وفات

آنحضرت ﷺ کے انتقال کو ۶ ماہ گزرے تھے کہ رمضان ۱۱ھ میں حضرت فاطمہؓ نے وفات پائی اور آنحضرت ﷺ کی یہ پیشین گوئی کہ میرے خاندان میں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے آکر ملوگی، پوری ہوئی۔ یہ منگل کا دن اور رمضان کی تیسری تاریخ تھی۔ اس وقت ان کا سن ۲۹ سال کا تھا۔

لیکن اگر دوسری روایتوں کا لحاظ کیا جائے تو اس سے مختلف ثابت ہوگا۔ چنانچہ ایک روایت میں ۲۴ سال ایک میں ۲۵ سال اور ایک میں ۳۰ سال مذکور ہے۔ زرقانی نے لکھا ہے کہ پہلی روایت ۲۹ سال زیادہ صحیح ہے اگر ۴۱ (محمدی) کو سال ولادت قرار دیا جائے تو اس وقت ان کا یہ سنہ نہیں ہوسکتا تھا البتہ اگر ۲۴ سال کی عمر تسلیم کی جائے تو اس سنہ کو سالِ ولادت قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے کہ پانچ برس قبل نبوت پیدا ہوئیں تو اس وقت ان کا سنہ ۲۹ سال کا ہوسکتا ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تجہیز و تکفین میں خاص جدت کی گئی۔ عورتوں کے جنازہ پر جو آج کل پردہ لگانے کا دستور ہے، اس کی ابتدا ان ہی سے ہوئی۔ اس سے پیشتر عورت اور مرد سب کا جنازہ کھلا ہو جاتا تھا۔ چونکہ حضرت فاطمہؓ کے مزاج میں انتہا کی حیا و شرم تھی اس لئے انہوں نے حضرت اسماءؓ بنت عمیسؓ سے کہا کہ کھلے جنازہ میں عورتوں کی بے پردگی ہوتی ہے جس کو میں ناپسند کرتی ہوں۔

اسماءؓ نے کہا جگر گوشۂ رسول، میں نے حبشہ میں ایک طریقہ دیکھا ہے۔ آپ کہیں تو اس کو پیش کروں۔ یہ کہہ کر خرمے کی چند شاخیں منگوائیں اور ان پر کپڑا تانا جس سے پردہ کی صورت پیدا ہوگئی۔ حضرت فاطمہؓ بے حد مسرور ہوئیں کہ یہ بہترین طریقہ ہے۔ حضرت فاطمہؓ کے بعد حضرت زینبؓ کا جنازہ بھی اسی طریقہ سے اٹھایا گیا۔

حضرت فاطمہؓ کی قبر کے متعلق بھی سخت اختلاف ہے۔ بعضوں کا خیال ہے کہ وہ بقیع میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے مزار کے پاس مدفون ہوئیں۔ ابن زبالہ نے یہی لکھا ہے اور مؤرخ مسعودی نے بھی اسی قسم کی تصریح کی ہے۔ مؤرخ موصوف نے ۳۳۲ھ

Marfat.com

میں بقیع کی ایک قبر پر ایک کتبہ دیکھا تھا جس میں لکھا تھا کہ یہ فاطمہ زہراؓ کی قبر ہے۔ لیکن طبقات کی متعدد روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دار عقیل کے ایک گوشہ میں مدفون ہوئیں۔

ایک روایت یہ ہے کہ وہ خاص اپنے مکان میں دفن کی گئیں۔ اس پر ابن شیبہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ پھر پردہ دار جنازہ کی کیا ضرورت تھی؟

لیکن طبقات کی ایک روایت سے اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ سلمٰی کے گھر میں بیمار ہوئی تھیں، وہیں انتقال کیا اور وہیں ان کو غسل دیا گیا۔ پھر حضرت علی ؓ جنازہ اٹھا کر باہر لائے اور دفن کیا۔

آج حضرت فاطمہؓ کی قبر متفقہ طور پر دار عقیل ہی میں سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ محمد لبیب بک تبونی نے جو ۱۳۲۷ھ میں خدیو مصر کے سفر حجاز میں ہمرکاب تھے اپنے سفرنامہ میں اس کی تصریح کی ہے۔

اولاد

حضرت فاطمہؓ کے پانچ اولادیں ہوئیں۔ حسنؓ، حسینؓ، محسنؓ، ام کلثومؓ، زینبؓ۔ محسنؓ نے بچپن ہی میں انتقال کیا۔ حضرت زینبؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور ام کلثومؓ اہم واقعات کے لحاظ سے تاریخ میں مشہور ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب سے نہایت محبت تھی اور حضرت علی ؓ اور حضرت فاطمہ ؓ بھی ان کو بہت محبوب رکھتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان سے آپ ﷺ کی نسل باقی رہی۔

حلیہ

حضرت فاطمہؓ زہرا کا حلیہ مبارک جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا جلتا تھا۔ حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گفتگو لب ولہجہ اور نشست و برخاست کا طریقہ بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا۔ اور رفتار بھی بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار تھی۔

Marfat.com

فضل وکمال

حضرت فاطمہؓ سے کتب حدیث میں ۱۸ روایتیں منقول ہیں۔ جن کو بڑے سے بڑے جلیل القدر صحابہؓ نے ان سے روایت کیا ہے۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ام کلثومؓ، حضرت سلمٰیؓ، اُمّ رافعؓ اور حضرت انسؓ بن مالک ان سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

تفقہ پر واقعات ذیل شاہد ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی سفر میں گئے تھے، واپس آئے تو حضرت فاطمہؓ نے قربانی کا گوشت پیش کیا، ان کو عذر ہوا۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا اس کے کھانے میں کچھ حرج نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دے دی ہے۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ ان کے ہاں گوشت تناول فرما رہے تھے کہ نماز کا وقت آ گیا، آنحضرت ﷺ اسی طرح اٹھ کھڑے ہوئے۔ چونکہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تھا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

اس لئے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دامن پکڑا کہ وضو کر لیجئے۔ ارشاد ہوا بیٹی وضو کی ضرورت نہیں ہے، تمام اچھے کھانے آگ ہی پر تو پکتے ہیں۔

حضرت فاطمہؓ آنحضرت ﷺ کی محبوب ترین اولاد تھیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے:

فاطمة بضعة منى فمن اغضبها فقد اغضبنى.

''فاطمہؓ میرے جسم کا ایک حصہ ہے، جو اس کو ناراض کرے گا مجھ کو ناراض کرے گا۔''

ابوجہل کی لڑکی کو حضرت علیؓ نے نکاح کا پیغام بھیجا تھا۔ بارگاہِ نبوت میں اطلاع ہوئی تو حضور ﷺ منبر پر چڑھے اور حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

ان بنى هشام بن مغيره استاذنونى فى ان ينكحوا ابنتهم على بن ابى طالب فلا اذن ثم لا اذن ثم لا اذن الا ان يريد ابن ابى طالب ان يطلق ابنتى و ينكح ابنتهم فانما هى بضعة منى يرينى ما رابها

Marfat.com

ویؤذینی ما اذاھا.

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۸۷)

آل ہشام علی بن ابی طالب سے اپنی بیٹی کا عقد کرنا چاہتی ہے اور مجھ سے اجازت مانگتی ہے لیکن میں اجازت نہ دوں گا اور کبھی نہ دوں گا۔ البتہ ابن ابی طالب میری بیٹی کو طلاق دے کر ان کی لڑکی سے نکاح کر سکتے ہیں۔ فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے جس نے اس کو اذیت دی مجھ کو اذیت دی۔

ان فاطمة منی و انا اتخوف ان تفتن فی دینها ثم ذکر صهرا ما من بنی عبد شمس فاثنٰی علیه فی مصاهرته ایاه قال حدثنی فصدقنی وعدنی فوفی لی وانی لست احرم حلالًا ولا احل حرامًا ولکن واللّٰه لا تجتمع بنت رسول الله وبنت عدو اللّٰه ابدًا. (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۳۸)

اس کے بعد ابوالعاص بن ربیع کا، جو آپ کے داماد تھے ذکر فرمایا، کہ اس نے مجھ سے جو بات کہی اس کو سچ کر کے دکھلا دیا اور جو وعدہ کیا وفا کیا اور میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے نہیں کھڑا ہوا۔ لیکن خدا کی قسم ایک پیغمبر اور ایک دشمنِ خدا کی بیٹیاں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔

اس کا یہ اثر ہوا کہ جناب سیدہؓ کی حیات تک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسری شادی نہیں کی۔

حضرت فاطمہؓ کا شمار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چند مقدس خواتین میں فرمایا ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک برگزیدہ قرار پائی ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

کفاک من نساء العالمین مریم بنت عمران و خدیجة بنت خویلد وفاطمة بنت محمد وآسیة امرأة فرعون .

(ترمذی کتاب المناقب)

"تمہاری تقلید کے لئے تمام دنیا کی عورتوں میں مریم بنت عمران، خدیجہؓ

Marfat.com

بنت خویلد، فاطمہؓ بنت محمد (ﷺ) اور آسیہؓ فرعون کی بیوی کافی ہیں۔"

زہد وورع کی یہ کیفیت تھی کہ گووہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین اولاد تھیں اور اسلام میں رہبانیت کا قلع قمع بھی کر دیا گیا تھا اور فتوحات کی کثرت مدینہ میں مال وزر کے خزانے لٹا رہی تھی، لیکن جانتے ہو کہ اس میں جگر گوشۂ رسول ﷺ (حضرت فاطمہؓ) کا کتنا حصہ تھا؟ اس کا جواب سننے سے پہلے آنکھوں کو اشک بار ہو جانا چاہیے۔

سیدۂ عالم کی خانگی زندگی یہ تھی کہ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے...... مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے سینے پر گھٹے پڑ گئے تھے...... گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو جاتے تھے...... چولھے کے پاس بیٹھتے بیٹھتے کپڑے دھوئیں سے سیاہ ہو جاتے تھے...... لیکن بایں ہمہ جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار گھر کے کاروبار کے لئے ایک لونڈی مانگی اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو ارشاد ہوا کہ جانِ پدر، بدر کے یتیم تم سے پہلے اس کے مستحق ہیں۔

ایک دفعہ آپ ﷺ حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لائے، دیکھا کہ انہوں نے ناداری سے اس قدر چھوٹا دوپٹہ اوڑھا ہے کہ سر ڈھانکتی ہیں تو پاؤں کھل جاتے ہیں اور پاؤں چھپاتی ہیں تو سر برہنہ رہ جاتا ہے۔

یوں کی ہے بسر اہل بیت مطہرؓ نے زندگی
یہ ماجرائے دخترِ خیرالانامؐ تھا
(شبلی)

صرف یہی نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ خود ان کو آرائش یا زیب وزینت کی کوئی چیز نہیں دیتے تھے۔ بلکہ اس قسم کی جو چیزیں ان کو دوسرے ذرائع سے ملتی تھیں، ان کو بھی ناپسند فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو سونے کا ہار دیا۔ آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا کیوں فاطمہ کیا لوگوں سے کہلوانا چاہتی ہو کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی لڑکی آگ کا ہار پہنتی ہے؟ حضرت فاطمہؓ نے اس کو فوراً بیچ کر اس کی قیمت سے ایک غلام خرید لیا۔

ایک دفعہ آپ ﷺ کسی غزوہ سے تشریف لائے۔ حضرت فاطمہؓ نے بطور خیر مقدم کے گھر کے دروازے پر پردے لگائے اور حضرت حسنؓ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو

Marfat.com

چاندی کے کنگن پہنائے۔ آپ ﷺ حسبِ معمول حضرت فاطمہؓ کے یہاں آئے تو اس دنیوی ساز و سامان کو دیکھ کر واپس چلے گئے۔ حضرت فاطمہ کو آپ کی ناپسندیدگی کا حال معلوم ہوا تو پردہ چاک کر دیا۔ اور بچوں کے کنگن نکال ڈالے۔

بچے آپ ﷺ کی خدمت میں روتے ہوئے آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، یہ میرے اہل بیت ہیں میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ ان زخارف سے آلودہ ہوں۔ اس کے بدلے فاطمہؓ کے لئے ایک عصیب کا ہار اور ہاتھی دانت کے کنگن خرید لاؤ۔

صدق و راستی میں بھی ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

"ما رأيت احدًا كان صدق بهجة من فاطمة الا ان يكون الذى ولدها صلى الله عليه وسلم."

"میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو صاف گو نہیں دیکھا۔ البتہ ان کے والد ﷺ اس سے مستثنیٰ ہیں۔"

حد درجہ حیادار تھیں، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کو طلب فرمایا تو وہ شرم سے لڑکھڑاتی ہوئی آئیں۔ اپنے جنازہ پر پردہ کرنے کی جو وصیت کی تھی وہ بھی اسی بنا پر تھی۔

آنحضرت ﷺ سے نہایت محبت کرتی تھیں۔ جب وہ خورد سال تھیں اور آپؐ مکہ معظمہ میں مقیم تھے، تو عقبہ بن ابی معیط نے نماز پڑھنے کی حالت میں ایک مرتبہ آپؐ کی گردن پر اونٹ کی اوجھ لا کر ڈال دی۔

قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ کسی نے جا کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خبر کی، وہ اگرچہ اس وقت صرف ۵/۶ برس کی تھیں، لیکن جوشِ محبت سے دوڑی آئیں اور اوجھ ہٹا کر عقبہ کو بُرا بھلا کہا اور بددعائیں دیں۔

آنحضرت ﷺ بھی ان سے نہایت محبت کرتے تھے، معمول تھا کہ جب کبھی سفر فرماتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاتے اور سفر سے واپس تشریف لاتے تو جو شخص سب سے پہلے باریابِ خدمت ہوتا وہ بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی ہوتیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے، ان کی پیشانی چومتے اور اپنی نشست سے ہٹ کر اپنی جگہ پر

Marfat.com

بٹھاتے۔

آپ ہمیشہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے تعلقات میں خوشگواری پیدا کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ میں کبھی کبھی خانگی معاملات کے متعلق رنجش ہوجاتی تھی، تو آنحضرت ﷺ دونوں میں صلح کرادیتے تھے۔

ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا، آپ ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور صفائی کرادی۔ گھر سے مسرور نکلے، لوگوں نے پوچھا، آپ ﷺ گھر میں گئے تھے تو اور حالت تھی۔ اب آپ اس قدر خوش کیوں ہیں؟ فرمایا، میں نے ان دو شخصوں میں مصالحت کرادی ہے جو مجھ کو محبوب تر ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان پر کچھ سختی کی، وہ آنحضرت ﷺ کے پاس شکایت لے کر چلیں۔ پیچھے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آئے۔

حضرت فاطمہؓ نے شکایت کی، آپ ﷺ نے فرمایا، بیٹی تم کو خود سمجھنا چاہئے کہ کون شوہر اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اس کا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے حضرت فاطمہؓ سے کہا، اب میں تمہارے خلافِ مزاج کوئی بات نہ کروں گا۔

باب پنجم

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے

سسرالی خاندان

Marfat.com

(۱) خویلد بن اسد

خویلد بن اسد نبی پاک کی محبوب زوجہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے والد ہیں۔ خویلد قریشی ہیں۔ ان کا سلسلۂ نسب قصی پر جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔ خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ۔

نسب کے لحاظ سے تمام قریشی سسرال کی نسبت خویلد بن اسد کا خاندان نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے قریب ہے۔ خویلد بن اسد کی اہلیہ یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام فاطمہ بنتِ زائدہ بن جندب بن حجر بن معیص بن عامر بن لؤی ہے۔

حضرت خدیجہ کے والد خویلد بن اسد اپنے قبیلے میں بہت اعلیٰ حیثیت کے مالک تھے۔ انہوں نے تجارت کو اپنا پیشہ بنایا اور پھر اس میں اتنی محنت کی کہ مکہ میں جو اشیاء بیرونی علاقوں اور ممالک دکھائی دیتیں۔ ان میں سے اکثر خویلد بن اسد کے تجارتی کارواں کی لائی ہوئی ہوتیں۔ خویلد کو اپنے چچازاد بھائی کے لڑکے ورقہ بن نوفل سے بہت محبت تھی۔ ورقہ بن نوفل تھے، بھی بہت نیک اور راست گو وہ اس دورِ جاہلیت میں بھی بتوں کی پرستش نہ کرتے بلکہ تورات وانجیل سے ہدایات اپنے سینے میں اتارتے۔ خویلد بن اسد کی خواہش تھی کہ اپنی بیٹی خدیجہ کی شادی ورقہ بن نوفل سے کر دیں مگر بوجوہ یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔

طبقاتِ ابنِ سعد میں بیان کیا جاتا ہے کہ خویلد بن اسد عام الفیل سے 20 برس بعد چھڑانے والی اس لڑائی میں قریش کے لشکر میں شامل تھے، جسے حرب فجار کہتے ہیں۔

Marfat.com

خویلد اس لڑائی میں قتل ہوئے۔ خویلد بن اسد جب قتل ہوئے تو اس وقت تک ان کا کاروبار بہت وسیع ہو چکا تھا۔ اس وسیع کاروبار کی دیکھ بھال ان کی بیٹی نے کرنا شروع کر دی۔ اس وقت تک حضرت خدیجہ کے دو نکاح ہو چکے تھے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا نکاح ہوا تو اس سے پہلے چونکہ والد فوت ہو چکے تھے لہٰذا آپ کے چچا عمرو بن اسد آپ کے ولی قرار پائے۔ آپ کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل نے حضرت ابو طالب کے خطبہ کے بعد خطبۂ نکاح پڑھا پھر آپ کے چچا عمرو بن اسد نے کہنا شروع کیا۔ اے قریش گواہ رہو کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کو محمد بن عبداللہ کے نکاح میں دے دیا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے خاندان سے بنو ہاشم کی یہ پہلی رشتہ داری نہیں بلکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عوام بن خویلد سے ہوئی، جن سے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

فاطمہ بنت زائدہ

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام ''فاطمہ بنت زائدہ بن الاصم بن عاصم بن لوی'' ہے اور ان کی نانی کا نام ''ہالہ بنت عبد مناف'' ہے۔

حضرت ہالہؓ بنتِ خویلد

یہ اُمُّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی حقیقی بہن تھیں، سلسلۂ نسب یہ ہے:
ہالہؓ بنتِ خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی۔

جمہور اہلِ سیَر کا بیان ہے کہ وہ شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئیں اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی وفات کے بعد تک زندہ رہیں۔

حافظ ابنِ عبد البرؒ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ وہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے

Marfat.com

کے لیے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ گئیں، آستانہ رسالت پر پہنچ کر انہوں نے اندر آنے کا اِذن چاہا۔ ان کی آواز اُمُّ المؤمنین خدیجۃ الکبریٰؓ کی آواز سے ملتی تھی۔ حضورؐ کے سمعِ مبارک تک آواز پہنچی تو آپ کو خدیجۃ الکبریٰؓ یاد آ گئیں اور آپ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا: ''(خدیجہؓ کی بہن) ہالہؓ ہوں گی۔'' پھر وہ اندر آئیں تو حضورؐ نے ان کی بے حد تعظیم و تکریم کی۔

حضرت ہالہؓ کا نکاح ربیع بن عبدالعزیٰ (بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی) سے ہوا تھا۔ ان کے صلب سے ابوالعاصؓ پیدا ہوئے جن سے حضورؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کی شادی ہوئی۔ اس طرح حضرت ہالہؓ کو حضورؐ کی سمدھن بننے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ ابوالعاصؓ (بھانجے) سے بے حد محبت کرتی تھیں اور ان کو اپنا فرزند سمجھتی تھیں۔

حضرت ہالہؓ کا سالِ وفات اور مزید حالات معلوم نہیں ہوئے۔ (تذکارِ صحابیات)

(۲) زمعہ بن قیس

زمعہ بن قیس ام المومنین حضرت سودہ کے والد ہیں۔ آپ قریش کے مشہور قبیلہ عامر بن لوی سے تھے۔ زمعہ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔

زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نضر بن مالک بن حسل بن عار بن لوی۔

زمعہ کی اہلیہ کا نام الشموس تھا اور وہ قیس بن زید بن عمرو بن لبید بن خداش بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار کی بیٹی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ساس حضرت عبدالمطلب کی والدہ سلمیٰ، بنتِ عمرو بن زید کے بھائی کی بیٹی یعنی بھتیجی تھیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد جب رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بچیوں کی دیکھ بھال اور پرورش میں دشواری کا سامنا ہونے لگا تو صحابی عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت خولہؓ بنت حکیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور انہیں سکران رضی اللہ عنہ کی بیوہ حضرت سودہ کے بارے میں بتایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا مندی کے بعد خولہ سودہ کے والد زمعہ کے پاس گئیں۔ وہ اس وقت بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ اُنہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے پیغام پر مرحبا کہا اور بولے ہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کریم کفو ہیں۔ حضرت سودہ کی رضا مندی کے بعد ان کے والد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا بھیجا۔ خود نکاح پڑھایا اور چار سو درہم مہر مقرر ہوا۔

نکاح کے وقت حضرت سودہ کے بھائی عبداللہ بن زمعہ کہیں گئے ہوئے تھے۔ واپسی پر جب انہیں نکاح کی خبر ہوئی تو وہ افسوس سے سر میں خاک ڈالنے لگے۔ یہ حرکت

Marfat.com

Marfat.com

(۳) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

نام و نسب

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے والد ہیں۔ آپ کا نام عبداللہ ہے جبکہ لقب آپ کا عتیق ہے۔ آپ کی کنیت ابوبکر ہے۔ آپ کا لقب عتیق ہے۔ عتیق کا مطلب آگ سے آزاد کیے ہوئے کے ہیں۔ آپ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے شرف کے باعث آپ کو صدیق کا لقب ملا۔ آپ کا سلسلہ نسب کچھ اس طرح ہے۔

عبداللہ بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب قرشی تیمی۔ مرہ بن کعب پر آپ کا نسب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ کا نام سلمیٰ بنت صخر بن عامر بن کعب تھا اور ان کی کنیت ام الخیر تھی۔ آپ کی والدہ آپ کے والد ابوقحافہ کی چچا زاد تھیں۔ (ابن عساکر)

ولادت باسعادت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ولادت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک سے دو سال دو ماہ بعد مکہ میں ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پرورش اور نشوونما مکہ میں ہوئی۔ آپ تجارت اور کاروبار کے امور کے سلسلے میں ہی ہمیشہ مکہ سے نکلے۔ اس کے علاوہ آپ کبھی مکہ سے نہ نکلے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے قبیلے کے انتہائی امیر

کبیر فرد تھے۔ آپ کی برادری میں مروت و احسان کے باعث آپ کو بہت معزز سمجھا جاتا تھا۔

زمانۂ جاہلیت میں آپ کی قدر و منزلت

زمانۂ جاہلیّت میں قریش آپ سے مختلف امور میں مشورہ لیا کرتے۔ وہ لوگ آپ کو تمام معاملات میں بہت اہمیت دیتے۔ دوسری طرف آپ خود بھی ان کے معاملات میں دلچسپی لیتے تھے۔ حضرت ابنِ زبیر کی روایت کے مطابق آپ قریش کے ان گیارہ افراد میں سے ہیں۔ جنہیں عہدِ جاہلیّت اور زمانہ اسلام دونوں میں معزز اور بزرگ شمار کیا جاتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں آپ خون بہا اور دیت کے مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے۔ قریش میں کوئی بادشاہ نہ تھا کہ اس قسم کے کاموں کا بندوبست کرے بلکہ ہر خاندان کا رئیس ایک کام کا ذمہ قرار دے دیا جاتا تھا۔ جس طرح بنو ہاشم حجاج کے امور کے منتظم تھے۔ اسی طرح خون بہا اور دیت کے احکام جاری کرنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کام تھا۔

بعض اوصاف اور حلیۂ مبارک

ابنِ عساکر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ خدا کی قسم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نہ زمانہ جاہلیّت میں کبھی کوئی شعر کہا اور نہ عہدِ اسلام میں۔ آپ نے اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت ہی میں شراب ترک کر دی تھی۔ ایک شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ہمیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حلیہ سے آگاہ فرمایئے۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ کا رنگ سفید تھا۔ اکہرا بدن دونوں رخسار اندر کو دبے ہوئے تھے۔ پیٹ اتنا بڑھا ہوا تھا کہ آپ کا ازار اکثر نیچے کھسک جاتا۔ پیشانی ہمیشہ عرق آلود رہتی چہرے پر زیادہ گوشت نہ تھا۔ نظریں ہمیشہ نیچی رکھتے تھے۔ پیشانی بلند تھی۔ انگلیوں کی جڑیں گوشت سے خالی تھیں۔ آپ مہندی اور کسم کا خضاب لگایا کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی صحابی کے بال سفید اور سیاہ مخلوط یعنی کھچڑی نہ تھے۔ چنانچہ آپ ان کھچڑی بالوں پر حنا اور کسم کا خضاب لگاتے۔

Marfat.com

قبولِ اسلام میں آپ کی سبقت

علامہ سیوطیؒ کے مطابق ابنِ عساکرؒ نے سعدؓ بن ابی وقاص کی زبانی بیان کیا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ کیا واقعی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا تو انہوں نے جواب دیا نہیں بلکہ ان سے پہلے پانچ ہستیاں اسلام کی حقانیت اور قبولیت کا اعلان کر چکی تھیں۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لانے والے اہلِ بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، آپ کے غلام زید رضی اللہ عنہ، زید کی زوجہ ام ایمن رضی اللہ عنہا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل۔

ابنِ عساکر عیسیٰ بن زید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں کعبہ کے سامنے بیٹھا تھا اور زید بن عمرو بن نفیل کھڑا ہوا تھا کہ اس دوران میں امیہ بن ابی خلف میرے پاس آیا اور میری خیریت پوچھی۔ میں نے کہا کہ ٹھیک ہوں پھر اس نے دینِ حنیف کے بارے میں ایک شعر پڑھا اور مجھ سے پوچھا کہ جس نبی کا زمانے کو انتظار ہے کیا وہ ہمارے خاندان میں پیدا ہوں گے یا آپ کے خاندان میں؟ امیہ کے سوال پر میں خاموش رہا کیونکہ میں نے اب تک اس نبی کے متعلق کچھ نہیں سنا تھا کہ وہ کب مبعوث ہوں گے لہٰذا آسمانی کتابوں کا گہرا علم رکھنے والے عالم ورقہ بن نوفل کے پاس گیا۔ ورقہ کے منہ سے اکثر ایسا کلام نکلتا کہ کوئی اس کا مطلب نہ سمجھ پاتا۔ میں نے تمام واقعہ انہیں سنایا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اے بھائی میں کتبِ آسمانی کا عالم ہوں اور ان علوم سے مجھے آگاہی ہے، یہ نبی ملک عرب کے وسط میں نسب کے لحاظ سے پیدا ہوں گے یعنی اس خاندان میں جو نسباً وسط عرب میں ہوگا اس میں پیدا ہوں گے۔ میں نے کہا کہ وہ کیا تعلیم دیں گے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ان کی تعلیم یہی ہوگی کہ ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو نہ کسی غیر پر اور نہ خود پر ظلم کرو۔ یہ سن کر میں واپس چلا آیا اور جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، میں نے فوراً اسلام قبول کرلیا

Marfat.com

اور آپ کی تصدیق کی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سابق الاسلام ہونے کا سبب یہ ہے کہ آپ نبوت کی نشانیاں پہلے ہی جانتے تھے لہٰذا جب آپ کو اسلام کی دعوت دی گئی تو آپ نے اسلام لانے میں سبقت کی۔ (بیہقی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ جب میں نے کسی کو اسلام کی دعوت دی تو اس کو تذبذب میں پایا اور اسے تردد ہوا سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کہ جب میں نے اسلام پیش کیا تو بغیر تذبذب کے انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

اسلام کے لئے آپ رضی اللہ عنہ کی خدمات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جس دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا آپ کے پاس چالیس ہزار دینار یا درہم موجود تھے۔ آپ نے یہ تمام مال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر خرچ کر دیا۔ ابنِ عساکرؒ نے ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے جس دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے اور جب آپ ہجرت کر کے مدینہ آئے تو اس مال میں سے صرف پانچ ہزار درہم باقی رہ گئے تھے۔ آپ نے یہ تمام مال 35 ہزار درہم مسلمانوں کے آزاد کرانے اور اسلام کی مدد میں خرچ کر ڈالا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سات ایسے مسلمانوں کو آزاد کرایا جن کے آقا صرف ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ان کو سخت اذیت دیتے تھے۔

ابنِ عساکر نے ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا اور وہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے اور وہ ایک ایسی قبا پہنے ہوئے تھے۔ جس کو انہوں نے اپنے سینے پر کانٹوں سے اٹکایا ہوا تھا۔ یعنی تسموں کے بجائے اس میں کانٹے لگے ہوئے تھے) پس اس وقت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور انہوں نے فرمایا۔ اے نبی ﷺ آج ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی قبا کو سینے پر کانٹوں سے کیوں اٹکائے ہوئے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا۔

انہوں نے اپنا تمام مال مجھ پر اسلام کی ترقی کے لئے خرچ کر دیا ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے ان پر سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ ان سے پوچھیں۔ اے ابوبکر کیا تم مجھ سے اپنے اس فقر میں راضی ہو یا ناخوش یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اپنے رب سے ناخوش کس طرح ہو سکتا ہوں، میں تو اس سے راضی ہوں۔ خوش ہوں بہت خوش ہوں۔ بہت راضی ہوں۔ محدثین اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔

ترمذیؒ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بحوالہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تحریر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ہر ایک کا احسان چکا دیا، سوائے ابوبکر کے احسان کے۔ ان کا احسان اتنا عظیم ہے کہ اس کا بدلہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی ان کو عطا فرمائے گا۔ مجھے اور کسی کے مال سے اتنا نفع نہیں پہنچا جتنا ابوبکر کے مال سے پہنچا۔ بزارؒ نے بروایت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تحریر کیا ہے کہ ایک روز میں اپنے والد ابوقحافہ کے ساتھ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا تو (میرے بوڑھے والد کو دیکھ کر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اپنے ضعیف والد کو (یہاں آنے کی) کیوں تکلیف دی، میں خود ان کے پاس آجاتا۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ آپ کا زحمت فرمانے کے بجائے ان کا آنا ہی ٹھیک ہے، اس پر ارشاد ہوا کہ ہمیں ان کے بیٹے یعنی (ابوبکر) کے احسانات یاد ہیں۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے سے کہا کہ وہ دنیا کو پسند کر لے یا آخرت کو اختیار کرے سو اس بندے نے اپنے لئے آخرت کو پسند کر لیا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اشکبار ہو گئے اور کہنے لگے کہ کاش یارسول اللہ ہم اپنے ماں باپ آپ پر قربان کر دیں۔ یہ کلمات سن کر ہم حاضرین کو تعجب ہوا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو محض ایک شخص کا ذکر فرما رہے تھے۔ جس کو یہ اختیار دیا گیا تھا اور اس میں حقیقت اور رمز یہ تھا کہ وہ صاحب اختیار خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی تھی۔ اس رمز کو فقط ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا علم ہی پا سکا۔ اسی ذکاوت فہم کے باعث وہ ہم میں سب سے زیادہ عالم تھے۔ (بخاری و مسلم)

Marfat.com

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ مجھ پر ایمان لائے ان میں ابوبکر کی صحبت اور ان کا مال مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔ اگر میں اللہ کے سوا کسی کو دوست بنا سکتا تو وہ ابوبکر کو دوست بناتا لیکن ان کی اخوت اسلامی مودت میرے دل میں باقی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمام دروازوں کے بند کر دینے کے باوجود ابوبکر کا دروازہ لازماً کھلا رہے گا۔ (یہ امام نوویؒ کا کلام ہے)

آپ رضی اللہ عنہ کا مقام بارگاہِ رسالت میں

آپ سب سے زیادہ احکامِ رسالت سے آگاہ تھے چنانچہ بارہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے امورِ سنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا ہے۔ آپ ایسی صورتوں میں ہمیشہ ان کے سامنے حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیش فرمایا کرتے تھے۔ آپ کو بکثرت احادیث یاد تھیں اور بوقتِ ضرورت آپ انہیں ارشاد فرمایا کرتے تھے اور آپ سے زیادہ حافظِ احادیث اور کون ہو سکتا تھا کہ آغازِ رسالت سے وصالِ مبارک تک آپ ہمیشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے۔ علاوہ ازیں آپ کی قوتِ حافظہ بھی بہت قوی تھی اور آپ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ ذکی اور ذی فہم تھے۔ حاکم نے ابن انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مجھے بنی مصطلق نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دریافت کرنے کے لئے بھیجا کہ آپ کے بعد ہم اپنے صدقات کس کے پاس بھیجیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس (بھیجنا) ابنِ عساکر نے حضرت ابن عباس رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ایک خاتون نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں جو آپ سے کچھ دریافت کرنا چاہتی تھیں۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ پھر آنا، انہوں نے کہا کہ اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم آؤ اور مجھ کو نہ پاؤ تو ابوبکر کے پاس جانا۔ کہ میرے بعد وہی خلیفہ ہوں گے۔ مسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اپنی علالت کے دوران میں فرمایا کہ تم اپنے والد اور بھائی کو بلا لو تا کہ میں کچھ انہیں لکھ کر دے دوں کیونکہ مجھے خوف ہے کہ میرے بعد کوئی خواستگار خلافت کھڑا ہو جائے پھر فرمایا رہنے دو، مت بلاؤ کیونکہ ابوبکر کو خلیفہ بنانے کا ہم کو حق ہے اور اللہ تعالیٰ اور مومنین ابوبکر کے سوا کسی اور کو خلیفہ

Marfat.com

نہیں مانیں گے احمد اور دوسرے محدثین نے اسی حدیث کو ان الفاظ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں ارشاد فرمایا کہ عبدالرحمٰن ابن ابی بکر کو بلا لو تا کہ میں ابوبکر کے لیے ایک وصیت (دستاویز) لکھ دوں تا کہ میرے بعد ان پر کوئی اختلاف نہ کرے پھر فرمایا اچھا رہنے دو خدا نہ کرے کہ ابوبکر کے معاملہ میں مومنین اختلاف کریں۔

آپ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے مصلّے پر

بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ کے مرض میں شدت ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ لوگو! ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ تا کہ وہ تم لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ (امامت کریں) یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے والد بہت رقیق القلب ہیں جس وقت وہ مصلّے پر آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو وہ نماز نہیں پڑھا سکیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ابوبکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پھر وہی کہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پھر فرمایا کہ جاؤ اور ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور فرمایا یہ عورتیں تو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کی عورتیں ہیں، اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے (ان کو بلایا گیا) اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہی میں نماز پڑھائی۔

حضور ﷺ کی وفات کے بعد بیعتِ خلافت

آفتابِ نبوت ظاہری طور پر دُنیا سے رُوپوش ہو چکا ہے، اب سوال یہ آ پڑا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ کون ہو، رؤسائے ''انصار'' سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں اور بربنائے اخلاص یہ سمجھ رہے ہیں کہ ''خلافتِ رسول'' کے سب سے زیادہ مستحق ہم لوگ ہیں، اِدھر مہاجرین بھی پہنچ چکے، یہ سمجھتے ہیں ''خلیفۂ رسول'' کوئی مہاجر منتخب ہو۔ بات یہاں تک پہنچی، کہ ایک امیر انصار سے ہو اور ایک مہاجرین سے، کہ اتنے میں ایک انصاری بزرگ

بشیر بن سعد کھڑے ہوگئے اور اپنی جماعتِ انصار کو مخاطب کر کے فرمانے لگے:

''اے جماعت انصار! اگر ہم نے اسلام کی خدمات میں حصہ لیا، تو خدا تعالیٰ کی رضاء اور اس کے رسول ؐ پاک کی اطاعت کیلئے لیا، اس میں کسی پر احسان جتانے کا کیا موقع ہے؟ اور اس کے عوض متاعِ دنیا طلب کرنا کہاں مناسب ہے؟'' (تاریخ ملت ص ۳۸ ج ۲)

یہ ہے اخلاص اور حق گوئی کی ایک مثال، جو لوگ اپنی خدمت کے معاوضہ کے لئے جدوجہد کرتے ہیں اور اپنی قومی خدمت کو دلیل بناتے ہیں، اسمبلی، کونسل اور حکومت کی کرسی حاصل کرنے کے لئے اُن کے لئے اس واقعہ میں بڑی عبرت و بصیرت ہے۔

بطور خلیفۃ المسلمین پہلا خطاب

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ متفقہ طور پر خلیفۂ رسول منتخب ہو گئے اور ''خلیفۂ اسلام'' کی حیثیت سے پہلا بیان دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اے لوگو! میں تمہارا حاکم بنا دیا گیا ہوں، حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر کوئی کام اچھا کروں تو میری مدد کرو، اور اگر غلطی کروں تو اصلاح کردو۔ دیکھو سچائی امانت ہے، اور جھوٹ خیانت۔ تم میں جو شخص کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے جب تک کہ میں اُسے اُس کا حق نہ دلا دوں ان شاء اللہ، اور تم میں جو شخص قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے جب تک کہ میں اُس سے دوسروں کا حق نہ لے لوں ان شاء اللہ! دیکھو جس قوم نے بھی اللہ کے راستے میں جہاد کرنا چھوڑ دیا، اللہ نے اُسے ذلیل کر دیا اور جس قوم میں بھی بدکاری پھیل جاتی ہے، خدا اُس میں مصیبت کو پھیلا دیتا ہے۔ دیکھو جب تک میں خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کروں، تم بھی میری اطاعت کرو، اور جب میں خدا اور اس کے رسول ؐ کی نافرمانی کروں تو تم بھی میری اطاعت سے آزاد ہو''۔

(تاریخ ملت۔ ص ۳۹ ج ۲)

Marfat.com

یہ اپنی منصبی اور دینی ذمہ داری کا احساس ہے، نہ خودستائی ہے کہ میں ملک میں دودھ کی نہر بہادوں گا، اور نہ تعلّی ہے کہ اب میں بہت زیادہ قابلِ احترام ہوں۔ ہاں غریبوں کی حمایت کا اعلان ہے کہ وہ بھی مرے نزدیک وہی حیثیت رکھتا ہے جوایک بڑا مال دار۔ اور اخلاق و اعمال کی اصلاح کے لئے دردمندانہ اپیل ہے۔ ہمارے اِس زمانہ میں جس کی کوئی وقعت نہیں حالانکہ ملک کی ترقی کا اسی پر دارومدار ہے۔

اہم دینی وقومی خدمات میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عزم

حضور ﷺ کا اِس دنیا سے تشریف لے جانا کوئی معمولی سانحہ نہیں تھا، مسلمانوں کے دل غم سے نڈھال تھے۔ منافقین فساد پر آمادہ ہو چکے تھے۔ اطرافِ مدینہ میں دشمنوں نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔ بہت سے قبائل جو ایمان میں پختہ نہ تھے مرتد ہونے لگے۔ جھوٹے مدعیانِ نبوت نے لوگوں کو ورغلانا شروع کر دیا، ہاشمی خاندان کے افراد صدمہ اور رنج والم کی وجہ سے فکر میں مبتلا ہو گئے اور ایک جگہ جمع ہو کر مستقبل سوچنے لگے۔ اسلامی سلطنت کا شیرازہ بکھر جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ زکوٰۃ دینے والوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، حضور ﷺ کی میراث کا مسئلہ زیر بحث آ گیا۔ ادھر یہود و نصاریٰ کی ریشہ دوانیاں شروع ہو چکی تھیں۔ ادھر مدینہ کی حفاظت کے لئے کوئی باضابطہ فوج نہیں تھی۔

غرض ہر طرف مشکلات ہی مشکلات تھیں۔ علاوہ ازیں سب سے اہم ترین مسئلہ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لشکر کی روانگی کا تھا، جو حضور ﷺ کے فرمان پر روم کی طرف نکلا ہی تھا کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا۔ اِن حالات میں بڑے سے بڑا مدبر سیاستدان بھی حواس کھو بیٹھتا ہے اور ایسے ہی وقت میں سیاسی حکمت عملی کا امتحان ہوتا ہے۔ لیکن خلیفہ بلافصل رضی اللہ عنہ نے اِن تمام مشکلات پر قابو پا کر دنیا کے دانشوروں کو وُرطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ اپنے اصولوں اور نظریات سے بال برابر بھی پیچھے نہ ہٹے۔ ملک خطرات میں گھرا ہوا ہے، دشمن گھات میں بیٹھا ہوا ہے لیکن جو فوج حضور ﷺ نے اُسامہ رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں روانہ کی تھی اُسے روانہ فرما رہے ہیں۔ اِس موقع پر چند حضرات نے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ بن زید رضی اللہ عنہ کی کم عمری پر اعتراض کیا اور کہا کہ اُسامہ رضی اللہ عنہ بن زید رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ نے محض محبت کی بنا پر

امیر لشکر مقرر فرمایا تھا، ان کا تجربہ اتنا وسیع نہیں ہے کہ اُن کو لشکر کی قیادت سونپی جائے۔ یہ وقت مسلمانوں کے لئے بہت نازک تھا۔ ادھر قبائلِ عرب مرتد ہو گئے تھے اُن کی بغاوت کے نتائج وعواقب سے نہ تو خلیفۂ بلافصلؓ بے خبر تھے اور نہ ہی مہاجرینؓ و انصارؓ اصحابِ رسولؐ۔ اب سوال یہ تھا کہ اِس موقع پر پہلے فتنۂ ارتداد کو کچلا جائے یا فرمانِ رسولؐ کی تعمیل میں حضرت اُسامہؓ کا لشکر روانہ کیا جائے۔ خلیفۂ بلافصلؓ نے اِس مشکل ترین وقت میں بھی فرمانِ نبوت کو نظر انداز نہ کیا اور سب سے پہلا حکم یہ دیا کہ لشکر اُسامہؓ کی قیادت میں لشکر شام روانہ ہو جائے، اور معترضین کو فرمایا:

"مجھے اُس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے، اگر مجھے یقین ہو کہ جنگل کے درندے مجھے اٹھا کر لے جائیں گے تو بھی میں اُسامہؓ کے لشکر کو نہیں روکوں گا۔"

جنگیں اور فتوحات

لشکر اُسامہؓ کی روانگی: خلیفۂ بلافصلؓ کے دور کی سب سے پہلی مہم لشکر اُسامہ کی شام کی طرف روانگی ہے۔ یکم ربیع الثانی ۱۱ھ کو لشکر اُسامہؓ کی روانگی ہوئی۔ عیسوی تاریخ ۲۴ رجون ۶۳۲ء ہے۔ روانگی کے وقت حضرت اُسامہؓ نے خلیفۂ بلافصلؓ سے اجازت لے کر حضرت عمرؓ کو اپنا مشیر مقرر کر لیا۔ جب لشکر روانہ ہونے لگا تو خلیفۂ بلافصلؓ نے حضرت اُسامہؓ کو ہدایات دیتے ہوئے فرمایا: "اپنا فرض ادا کرو، رسول اللہؐ نے جو کچھ کرنے کا حکم فرمایا تھا وہ سب کچھ کرنا، جنگ کی ابتدا "قضاعہ" سے کرنا۔ اِس کے بعد آبل آ جانا، رسول اللہؐ نے جو کام سپرد کیا ہے اُس میں کسی چیز کو حائل نہ ہونے دینا۔

پہلی فتح: حضرت اُسامہؓ اپنی فوج لے کر اُردن اور بلقاء کی وادیوں میں پہنچے اور رومی فوج کو شکستِ فاش دی، بے شمار مالِ غنیمت لے کر چالیسویں روز مدینہ منورہ پہنچے۔ اِس فتح سے شامی سرحدوں بلکہ ساری دنیا پر مسلمانوں کا رعب چھا گیا۔

منکرین زکوٰۃ سے جہاد: خلیفۂ بلافصلؓ کے سامنے ایک بہت بڑی مصیبت منکرین زکوٰۃ تھے۔ یہ لوگ کلمہ گو تھے، نماز بھی پڑھتے تھے لیکن زکوٰۃ کے منکر ہو گئے۔

Marfat.com

جب اُسامہؓ کا لشکر شام کی سرحد پر دادِ شجاعت دے رہا تھا، تو اِن کے وفود مدینہ منورہ آنے جانے لگے۔ لیکن خلیفۂ بلافصلؓ نے انہیں صاف کہا کہ نماز اور زکوٰۃ میں تفریق نہیں کی جا سکتی۔ جو مسلمان ہے اُسے زکوٰۃ بھی تسلیم کرنی پڑے گی۔ نیز فرمایا کہ میں زکوٰۃ کے معاملہ میں اونٹ کی رسی بھی معاف نہیں کر سکتا۔ اس پر منکرین زکوٰۃ نے مدینہ پر حملہ کر دیا۔ آپؓ نے پہلے حضرت طلحہؓ بن عبیدؓ کی قیادت میں ایک چھوٹا سا لشکر روانہ فرمایا، اس کے بعد بچے کھچے مسلمانوں کو لے کر خود محاذ پر پہنچے۔ کئی بار خونیں معرکے ہوئے۔ آپؓ مقام ''ذی القصہ'' سے بھی آتے تک چلے گئے اور منکرینِ زکوٰۃ اور مرتدین کی ساری قوت پامال کر دی۔

مرتدین سے جہاد: جو لوگ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد مرتد ہو گئے تھے۔ خلیفۂ بلافصلؓ نے اُن کے نام ایک طویل نصیحت نامہ تیار کروا کر اس کی بہت سی نقول الگ الگ قاصدوں کے ذریعہ بہت سارے قبائل کو بھیجیں۔ اور کچھ دن انتظار کرنے کے بعد گیارہ علَم تیار کروا کر گیارہ سالاروں کو دیئے اور انہیں درج ذیل ترتیب سے بھیجا:

(۱) پہلا علَم حضرت خالدؓ بن ولید کو دے کر طلیحہ بن خویلد جھوٹے مدعیٔ نبوت کے مقابلہ میں بھیجا اور فتح یابی کی صورت میں مالک بن نویرہ سے لڑنے کو کہا۔

(۲) دوسرا علَم عکرمہؓ بن ابی جہل کو دے کر مسیلمۂ کذاب کے مقابلے کے لئے بھیجا۔

(۳) تیسرا علَم حضرت شرحبیلؓ بن حسنہ کو دے کر حضرت عکرمہؓ کی امداد کے لئے روانہ فرمایا اور اس کے بعد بنو کندہ پر چڑھائی کا حکم دیا۔

(۴) چوتھا علَم حضرت خالدؓ بن سعید کو دے کر شام کی سرحدوں پر بھیجا۔

(۵) پانچواں علَم حضرت حذیفہؓ بن محسن کو دے کر عمان کی طرف بھیجا۔

(۶) چھٹا علَم حضرت عمروؓ بن العاص کو دے کر بنو قضاعہ کی طرف

(۷) ساتواں علَم حضرت عرفجہؓ بن ہرثمہ کو دے کر مہرہ والوں کی طرف

(۸) آٹھواں علَم حضرت طریفہؓ بن عاجز کو دے کر بنو سلیم اور بنو ہوازن کی طرف

(۹) نواں علَم حضرت سویدؓ بن مقرن کو دے کر تہامہ کی طرف

(۱۰) دسواں علَم حضرت علاءؓ بن الحضرمی کو دے کر بحرین کی طرف اور

(۱۱) گیارہواں علَم حضرت مہاجر بن ابی اُمیہ کو دے کر صنعاء روانہ فرمایا۔ اور ان سب

Marfat.com

کو ایک جیسی ہدایات دیں۔

مختصر نتائج: مذکورہ بالا تمام جیوش گئے اور فتح و نصرت نے ان کے قدم چومے۔ ساری مہمات کامیاب رہیں، کہیں چھوٹی اور کہیں بڑی جنگیں ہوئیں۔ سب سے بڑا معرکہ جھوٹے مدعیٔ نبوت مسیلمہ کذاب کے ساتھ یمامہ میں پیش آیا اور بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ لیکن بالآخر کامیابی اہلِ حق ہی کو ہوئی۔ حیرت کی بات ہے کہ خلافت کے ابتدائی ۷۵ ایام میں ہی یہ تمام لشکر روانہ کیے گئے تھے۔ لہٰذا ۱۱ھ ابھی ختم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ اسلامی سلطنت میں پھر مرکزیت قائم ہوگئی۔

تدوینِ قرآن: یمامہ کی جنگ میں ۷۰ حفاظ و قراءِ قرآن شہید ہوگئے، تو حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے خلیفۂ بلافصل رضی اللہ عنہ نے ملکِ شام سے کاغذ منگوا کر قرآن مجید لکھوایا۔ تدوینِ قرآن حضرت خلیفۂ بلافصل رضی اللہ عنہ کا بہت بڑا کارنامہ اور اُمت پر احسانِ عظیم ہے۔ اِس عظیم کام میں آپ نے پوری احتیاط سے کام لیا اور ایسے انتظام کیے کہ قرآن کے جمعِ کتابی میں کسی قسم کی سہو اور فروگذاشت کا احتمال باقی نہ رہے۔ جمعِ قرآن میں دو قاعدوں پر عمل کیا گیا:

(۱) ان لکھی ہوئی آیات کو جمع کیا جائے گا جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے سامنے لکھوائی ہوں اور دو عادل گواہوں کے ذریعے اس طرح لکھوانے کا ثبوت مہیا ہو جائے۔

(۲) دوم یہ کہ وہ آیات مکتوب ہونے کے علاوہ کثیر التعداد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سینوں میں محفوظ ہوں۔

اسلامی فتوحات: مرتدین و منکرینِ زکوٰۃ جب اپنے انجام کو پہنچ چکے اور عرب کے چپے چپے پر اسلامی حکومت کی عملداری قائم ہو چکی تو خلیفۂ بلافصل رضی اللہ عنہ کی توجہ اس مسئلہ پر مبذول ہوئی کہ اعلاءِ کلمۃ الحق کی اشاعت کے لئے مسلمانوں کو آئندہ کیا قدم اٹھانا چاہئے؟ روم کی طرف پیش قدمی سے نہ صرف آئندہ کے لئے عرب سے بغاوت کا خطرہ دور ہو سکتا تھا بلکہ مملکت روما کے طول و عرض میں اشاعتِ اسلام کا راستہ بھی ہموار ہو جاتا۔ لیکن اس کا دوسرا پہلو اتنا ہی خطرناک تھا کہ اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ یہ کہ اگر مسلمان رومیوں پر فتح یاب نہ ہو پاتے تو پھر رومی شاید اسلامی سلطنت کا قلع قمع کر ڈالتے۔ جہاں تک ایران کا تعلق تھا تو اس سے جنگ کا خیال بھی خلیفۂ بلافصل رضی اللہ عنہ کو نہ آ سکتا تھا اِس لئے

Marfat.com

کہ حجاز فارس سے متصل نہ تھا۔

ابھی خلیفۂ بلافصلؓ اسی سوچ میں تھے کہ اطلاع ملی کہ مُثنّٰی بن حارثہ شیبانی ایک قلیل فوج لے کر دجلہ و فرات کے کنارے تک پہنچ چکا ہے۔ یہ وہ شخص تھا جس نے حضرت علاءؓ بن الحضرمی کے ساتھ مل کر مرتدین کے خلافِ جنگ کی تھی۔ ابھی خلیفۂ بلافصل کوئی فیصلہ نہ کر پائے تھے کہ یہ خود خلیفہؓ کے پاس حاضر ہوا اور امداد چاہی۔ حضرت خالدؓ بن ولید ابھی یمامہ میں ہی تھے۔ خلیفۂ بلافصلؓ نے انہیں بلایا اور مُثنّٰی کی درخواست پر انہیں ایران پر حملہ کی اجازت دی اور بوقتِ ضرورت امداد کا وعدہ بھی کیا۔ چنانچہ مُثنّٰی نے اپنے قبیلہ کو ساتھ لے کر عراق پر ہلّہ بول دیا، اور پے در پے فتوحات حاصل کیں۔ خلیفۂ بلافصلؓ نے جب یہ منظر دیکھا تو دس ہزار فوج کی کمان خالدؓ کے ہاتھ دے کر انہیں روانہ کر دیا، اب لشکر کی کل تعداد اٹھارہ ہزار ہوگئی۔

عراق میں لڑی جانے والی جنگیں

عراق میں مسلمانوں نے بہت سی چھوٹی اور بڑی جنگیں لڑیں۔ اس مضمون میں چیدہ چیدہ جنگوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

جنگ کاظمہ: یہ جنگ محرم الحرام ۱۲ھ بمطابق اپریل ۶۳۳ء میں لڑی گئی۔ بعض مؤرخین نے اِسے جنگ سلال کا نام بھی دیا ہے۔ یہ عراق کی پہلی جنگ ہے جو خلیج فارس اور کاظمہ کے سرحدی شہر کے قریب لڑی گئی۔ اس میں کفار کو زبردست شکست ہوئی، ہزاروں کافر مارے گئے۔ اور مسلمانوں نے بہت سا مالِ غنیمت حاصل کیا۔

جنگِ دریا: یہ جنگ بھی اپریل ۶۳۳ء بمطابق صفر المظفر ۱۲ھ میں لڑی گئی۔ اِس لڑائی میں فارسی فوج کو ذلت آمیز شکست اور مسلم فوج کو شاندار فتح حاصل ہوئی۔ طبری کے قول کے مطابق ۳۰ ہزار کافر مارے گئے۔ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ مدینہ منورہ بھیجا گیا اور باقی مجاہدین میں تقسیم ہوا۔

جنگِ ولجہ: یہ جنگ صفر ۱۲ھ بمطابق مئی ۶۳۳ء میں لڑی گئی، اس میں بھی شاندار فتح حاصل ہوئی۔

Marfat.com

جنگِ الیس: یہ جنگ بھی صفر ۱۲ھ بمطابق مئی ۶۳۳ء میں لڑی گئی۔ اسلامی فوج کو زبردست فتح ہوئی۔

جنگِ حیرا: یہ جنگ ربیع الاوّل ۱۲ھ بمطابق مئی ۶۳۳ء لڑی گئی۔ حیرا کھلا شہر تھا، کچھ دیر لڑائی ہوئی۔ بعد میں سردارانِ حیرا نے صلح نامہ پر دستخط کر دیئے جس کی رُو سے اہلِ حیرا اسلامی سلطنت کو ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ ادا کرنے کے پابند تھے۔

انبار اور عین التمر پر قبضہ: مذکورہ علاقوں پر قبضہ جولائی ۶۳۳ء بمطابق جمادی الاولیٰ ۱۲ھ کو ہوا۔

دومۃ الجندل: دومۃ الجندل کی لڑائی اگست ۶۳۳ء بمطابق جمادی الثانی ۱۲ھ کو ہوئی۔ فتح و نصرت نے اسلامی لشکر کے قدم چومے۔

حصید خنافس اور مضیّح: (نومبر ۶۳۳ء، رمضان ۱۲ھ) اس جنگ میں دشمن کا زبردست نقصان ہوا۔ بہت سے قیدی بنائے گئے۔ سپہ سالار ربیعہ بن بجیر مارا گیا۔ اس کی خوبصورت بیٹی گرفتار ہوئی اور مدینہ پہنچائی گئی جس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نکاح فرمایا۔

فراض پر قبضہ: (جنوری ۶۳۴ء بمطابق ذیقعدہ ۱۲ھ) فراض، عراق اور شام کی سرحد پر انتہائی شمال میں واقع تھا۔ اس جنگ میں دشمن کے ایک لاکھ آدمی مارے گئے اور مسلمانوں کو زبردست فتح حاصل ہوئی۔ یہ عراق میں آخری جنگ تھی......اور عراق فتح ہو گیا۔

شام کی جانب پیش قدمی: جس طرح حضرت خلیفۂ بلافصل رضی اللہ عنہ نے فارس پر اِسلام کا پرچم لہرایا اسی طرح ان کی خواہش تھی کہ شام و روم کو بھی تسخیر کیا جائے۔ ادھر کفار کے دل عراق کی فتح کو دیکھ کر لرز رہے تھے، لیکن خلیفۂ بلافصل رضی اللہ عنہ نے شامی سرحد پر مقیم مسلمان امراء کو جن کی قیادت خالد رضی اللہ عنہ بن سعید کے ہاتھوں میں تھی حکم دے رکھا تھا کہ لڑائی میں پہل نہ کریں اور نہ ہی بغیر اجازت اپنی جگہ چھوڑیں۔ البتہ جن قبائل نے ارتداد اختیار کیا تھا ان کو چھوڑ کر دوسرے قبائل کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کریں۔ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن سعید نے ایسا ہی کیا اور چند دنوں میں ایک بہت بڑا لشکر تیار ہو گیا۔ جب ہرقل کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے بھی پورے زور شور سے جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت

Marfat.com

خالدؓ نے خلیفہؓ سے اجازتِ جہاد طلب کی۔ لہٰذا حملہ میں پہل نہ کرنے کی شرط پر انہیں جازت مل گئی۔ حضرت خالد بن سعیدؓ شامی سرحدوں میں داخل ہو گئے۔ لڑائی کے نتیجہ میں حضرت خالد ﷺ کو بہت جلد واپس پلٹنا پڑا۔ یہ صورت حال جب خلیفہ کو معلوم ہوئی تو انہوں نے اسلامی لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ ہر حصے میں سات ہزار سپاہی تھے۔ حضرت عمروؓ بن العاص، حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ، حضرت شرحبیلؓ بن حسنہ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو ایک ایک دستے کی قیادت سونپی اور مختلف مقابات سے حملے کا حکم دے کر بھیجا۔

لشکروں کی روانگی: مذکورہ لشکروں کی تعداد اٹھائیس ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ اپریل ۶۳۴ء بمطابق صفر ۱۳ھ میں اسلامی لشکر روانہ ہوا۔ یزیدؓ بن ابی سفیان وادیٔ عَرَبہ میں اُس وقت پہنچے جب عمرو بن العاص ﷺ ایلہ پہنچے۔ اِن حضرات کی دشمن سے چھوٹی موٹی جھڑپیں ہوئیں۔

جنگ اجنادین: مسلمانوں کے خلاف قیصر نے اجنادین کے مقام پر نوّے ہزار کا لشکر جمع کر رکھا تھا۔ اتنا بڑا لشکر فلسطین اور اُردن کسی بھی طرف مسلمانوں کی پیش قدمی کو روک سکتا تھا۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے خلیفۂ بلافصلؓ کو صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ چنانچہ خلیفہؓ نے عراق سے حضرت خالدؓ بن ولید کو نصف فوج لے کر شام کی طرف روانہ ہونے اور پوری فوج کی کمان سنبھالنے کا حکم دیا۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے ایسا ہی کیا اور اِسی مقام پر زبردست جنگ ہوئی۔ رومن افواج کو عبرتناک شکست ہوئی ...... اب فتحِ شام کے دروازے مسلمانوں کے لئے کھل چکے تھے۔

دمشق کا محاصرہ اور خلیفۂ بلافصل کی وفات

اجنادین کی فتح کے بعد حضرتِ خالدؓ دمشق کی جانب بڑھے اور شہر پر محاصرہ کر لیا۔ اِسی اثناء میں مدینۃ الرسولؐ میں خلیفۂ بلافصلؓ ۲۲/جمادی الثانی ۱۳ھ بمطابق ۲۲/اگست ۶۳۴ء کو اِس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اِس طرح خلیفۂ بلافصلؓ کی مدتِ خلافت ۸۰۷ دن قمری حساب سے ۲ سال ۳ ماہ، دس دن اور شمسی حساب سے ۲ سال ۲ ماہ اور ۱۶ دن بنتی ہے۔ اِس قلیل عرصہ میں اِسلامی

Marfat.com

سلطنت میں پچھتر ہزار آٹھ سو مربع میل کا اضافہ ہوا۔ اسے اگر ان کی خلافت کے ہر دن پر تقسیم کردیا جاتا ہے تو بھی ہر چوبیس گھنٹہ میں ڈیڑھ سو مربع کلومیٹر (یعنی ۹۴ میل) کا اسلامی مملکت میں اضافہ ہوتا رہا۔ یہ اُس زمانہ کے اعداد و شمار ہیں جب نقل و حمل اور رسائل و وسائل کا ذریعہ اونٹوں کے قدموں اور گھوڑوں کے سُموں کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ آتشیں اسلحہ، توپ خانے اور بموں کا ذکر ہی کیا۔ اِن محاربات میں منجنیقوں اور ہاتھیوں کا بھی استعمال نہیں ہوا۔

خلیفہؑ بلافصلؓ کا نظام مملکت

شورائی نظام: خلیفہؑ بلافصلؓ نے جس طرزِ حکمرانی کو رائج کیا وہ ایک جمہوری یا شورائی نظام تھا، جس میں احکامِ قرآنی کی روشنی میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ لازمی تھا۔ آپؓ کی خلافت بھی عوام کے مشورے سے منعقد ہوئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپؓ مشورے کے بغیر کوئی کام نہ کرتے تھے۔ مرتدین و منافقین کی سرکوبی ہو یا تدوینِ قرآن کا مسئلہ، ہر قدم مشورہ سے اٹھایا گیا تھا۔ آپؓ کی مجلس شوریٰ میں حضراتِ عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، معاذؓ بن جبل، اُبی بن کعبؓ اور زیدؓ بن ثابت جیسے صحابہ کرامؓ شامل تھے۔

صوبائی نظام اور حکام: وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ چونکہ اسلامی مملکت میں وسعت پیدا ہوتی چلی جا رہی تھی، لہٰذا خلیفہؑ بلافصلؓ نے مملکت کو بہت سے صوبوں میں تقسیم کردیا اور ان میں سے ہر ایک کے لئے جدا جدا حاکم مقرر فرمائے۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

صوبہ	گورنر	صوبہ	گورنر	صوبہ	گورنر
مکہ (حجاز)	حضرت عتاب بن اُسید	طائف	حضرت عثمان بن ابی العاصؓ	صنعاء (یمن)	حضرت مہاجرؓ بن اُمیہ
حضرموت	زیادؓ بن لبید انصاری	خولان	یعلی بن منیہ	زبید و رِمَع رر	ابوموسیٰ اشعریؓ
جند	معاذؓ بن جبل	بحرین	علاءؓ بن الحضرمی	نجران	جریرؓ بن عبداللہ
دومۃ الجندل	عیاض بن غنم	عراق	مثنیٰ بن حارثہ	جرش	عبداللہ بن ثور

Marfat.com

حمص (شام)	حضرت ابوعبیدہؓ	اُردن	شرحبیلؓ بن حسنہ	دمشق	یزیدؓ بن ابی سفیان

حکام کے فرائض: اسلام کے عہد اوّل میں گورنروں کو خودمختاری حاصل تھی مگر بعد میں اُن کے اختیارات محدود کردیئے گئے۔

(۱) مسجد میں نماز کی امامت اور جمعہ کی خطابت (۲) فوج کی نگرانی اور انتظام (۳) جملہ محصولات کا جمع کرنا (۴) درآمد و برآمد اشیاء کی نگرانی (۵) امنِ عامہ کا قیام (۶) عوام کی اخلاقی و مذہبی حالت کی نگرانی اور اصلاح (۷) جرائم کا انسداد (۸) منکرات و فواحش کا سدِ باب (۹) حدود اللہ کا اجراء (۱۰) فتنہ پرور عناصر کی سرکوبی (۱۱) مالِ غنیمت کو حسبِ قاعدہ تقسیم کرنا اور خمس مرکز کو بھیجنا (۱۲) حجاج کے کاروانوں کی حفاظت (۱۳) ضعیف العمر فوجیوں کی معاشی ضروریات کی تکمیل کا انتظام (۱۴) زرعی ترقی اور کسانوں کی فلاح کی کوشش (۱۵) قاضیوں کا تقرر

محکمۂ قضاء: خلیفۂ بلافصلؓ کے مبارک دور میں اگرچہ محکمۂ قضاء باقاعدہ طور پر منظم نہیں کیا جا سکا تھا، بلکہ اِس کی زیادہ ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی۔ طبری کا بیان ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ بنے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں آپ کی طرف سے عدالت کے فرائض سرانجام دوں گا۔ حضرت عمرؓ دو سال تک انتظار کرتے رہے مگر کوئی شخص بھی مقدمہ لے کر نہ آیا۔

محکمۂ افتاء: محکمۂ افتاء کے سربراہ کی خدمات بھی حضرت عمرؓ سرانجام دیتے رہے۔ اِس کام میں ان کے معاونین حضرت علیؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت اُبیؓ بن کعب، حضرت زیدؓ بن ثابت اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود جیسے فقیہہ صحابہ کرامؓ شامل تھے۔

ذرائع آمدنی

خلیفۂ بلافصلؓ کے دورِ خلافت میں ذرائع آمدنی حسبِ ذیل تھے:

(۱) عُشر: مسلمانوں کی مملوکہ اراضی کے ایک بڑے حصے کی سالانہ مال گزاری (۲) خراج: ذمیوں کی اراضی کی مال گزاری (۳) جزیہ: ذمیوں پر سالانہ مقررہ ٹیکس (۴) زکوٰۃ: مسلمانوں کے اموالِ نقود، اموالِ تجارت اور چوپایوں کے ریوڑوں پر مقررہ شرح سے

Marfat.com

لازمی انفاق (۵) صدقات: مسلمانوں کے اموال وغیرہ میں سے غیر مقررہ شرح سے انفاق (۶) فئی: جنگ کے بغیر حاصل شدہ مالِ غنیمت (۷) خمس: جنگ کے ذریعے حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ (۸) تجارتی اموال پر محصول۔

خمس، صدقات، زکوٰۃ، عشر وغیرہ ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی فقراء، مساکین، عاملین، مؤلفۃ القلوب، رِقاب، غارمین، اور ابن سبیل کے لئے خرچ ہوتی تھی۔ خراج، جزیہ، فئے وغیرہ ہر قسم کے وظائف، انتظامی ضروریات وغیرہ کے لئے خرچ ہوتے تھے۔

فوجی نظام: جنگ وجدل عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ لیکن باقاعدہ فوج کا محکمہ کہیں نہیں ہوتا تھا۔ سب سے پہلے حضور ﷺ نے اِس شعبۂ حیات کی تنظیم کی۔ بعد میں خلیفۂ بلافصل ؓ نے حضور ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق اِس شعبہ کو باقاعدہ طور پر منظّم کیا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ روم وایران کی سلطنتیں تسخیر ہورہی تھیں، اور کفر اپنا سر پیٹ رہا تھا۔ اِسلام کا پرچم بلند ہورہا تھا اور کفر کے ایوان تہ وبالا ہوچکے تھے۔

حضرت ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نام کی تحقیق نہیں ہوسکی۔ اپنی کنیت ''ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' سے ہی مشہور ہیں۔ والد کا نام عامر بن عویمر (بن عبدشمس) تھا جو بنو کنانہ کے خاندان فراس میں سے تھے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلا نکاح عبداللہ بن حارث سے ہوا اور انہیں کے ساتھ مکہ آکر سکونت پذیر ہوئیں۔ عبداللہ کے صلب سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام طفیل رکھا گیا۔ کچھ عرصہ بعد عبداللہ بن حارث نے وفات پائی چونکہ عبداللہ اپنی زندگی میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے حلیف بن گئے تھے اس لئے ان کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے خود نکاح کر لیا۔ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صلب سے ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ

Marfat.com

عنہ پیدا ہوئے جو تاریخ اسلام کی نہایت درخشاں ہستیاں ہیں۔

قبول اسلام

جب سرور کائنات ﷺ نے تبلیغ اسلام کا آغاز فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (بڑوں میں سب سے پہلے) صدائے رسالت ﷺ پر لبیک کہی۔ اوران کے ساتھ حضرت ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی شرف اسلام ہو کر سابقون اولون میں شمار ہوئیں۔

ہجرتِ مدینہ

ہجرت ۱۲ نبوی میں رسول کریم ﷺ نے مدینہ کو ہجرت فرمائی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ساتھ تھے۔ انہوں نے بھی حضور ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے اپنے اہل وعیال کو اللہ کے بھروسہ پر دشمنوں کے نرغہ میں چھوڑ دیا۔

جب مدینہ پہنچ کر کچھ اطمینان ہوا تو رسول کریم ﷺ نے حضرت زید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے اہل وعیال لانے کے لئے مکہ روانہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ان کے ساتھ حضرت عبداللہ بن اریقط کو دو تین اونٹ اور زادراہ دے کر مکہ بھیجا اور اپنے فرزند عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہلا بھیجا کہ اُم رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے ہمراہ مدینہ لے آئیں۔ چنانچہ ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا، اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا، عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ مدینہ روانہ ہوئیں۔ جس وقت یہ قافلہ منیٰ پہنچا۔ تو جس اونٹ پر حضرت ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیٹھی ہوئی تھیں بھاگ گیا۔ حضرت ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت مضطرب ہوئیں اور واویلا کرنے لگیں اللہ تعالیٰ نے رحم کیا کہ اونٹ پکڑا گیا اور حضرت ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تکلیف نہ پہنچی۔ مدینہ پہنچ کر ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے عزیزوں کے ہمراہ بنو حارث کے محلہ میں اتریں جہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مکان پہلے ہی سے لے رکھا تھا۔

Marfat.com

واقعہ افک

۶ ہجری میں افک کا افسوس ناک واقعہ پیش آیا۔ یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر منافقین مدینہ کی سازش سے ناپاک تہمت لگائی گئی، جس میں بعض سادہ دل مسلمان بھی شریک ہو گئے۔ اس کا مفصل ذکر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حالات میں آ چکا ہے۔ واقعہ کی صورت کچھ ایسی تھی کہ رسول اکرم ﷺ کی طبیعت مبارک بھی پُر ملال ہو گئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے اپنے آقا رسول اللہ ﷺ کا ملال قیامت سے کم نہ تھا۔ دکھیا بیٹیوں کی پناہ گاہ دامان مادر ہی ہوتی ہے۔ حضور ﷺ سے اجازت لے کر گرتی پڑتی اپنے والدین کے گھر تشریف لائیں یہ ایک دومنزلہ مکان تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوپر کی منزل میں تھے حضرت ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نیچے بیٹھی تھیں۔ بیٹی کو اس حالت میں دیکھ کر پوچھا ''میری بچی خیر تو ہے کیسے آئیں''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے واقعہ بیان کیا حضرت ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا ماں تھیں دکھ تو انہیں بہت ہوا لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دل رکھنے کے لئے کہا:

''بیٹی گھبراؤ نہیں، جو عورت اپنے خاوند کو زیادہ محبوب ہوتی ہے اسے شوہر کی نظروں سے گرانے کیلئے سوتیں حسد کی وجہ سے ایسا کرتی ہیں۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل پر بنی ہوئی تھی۔ انہیں ماں کے جواب سے تسکین نہ ہوئی اور فرط الم سے ان کی چیخ نکل گئی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بچی کی چیخ سن کر بالا خانے سے نیچے اترے۔ واقعہ سنا۔ رقیق القلب تو تھے ہی خود بھی رونے لگے۔ جب ذرا قرار آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا۔ ''بیٹی تم اپنے گھر جاؤ ہم ابھی آتے ہیں۔''

جب وہ چلی گئیں تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ہمراہ لے کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں پہنچے۔ ام المومنین رنج و غم کی شدت سے بخار میں مبتلا ہو گئی تھیں۔ حضرت ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہیں اپنی گود میں لٹایا۔

نماز عصر ادا کرنے کے بعد رسول کریم ﷺ گھر تشریف لائے۔ پھر فرمایا:

Marfat.com

''عائشہ! اگر واقعی تم سے گناہ سرزد ہو گیا ہے تو خدا سے توبہ کرو۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ماں باپ کی طرف دیکھا اور کہا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جواب دیں۔ لیکن وہ دونوں رحمتِ دو عالم ﷺ کے سچے شیدائی تھے اپنے آقا کو پر ملال دیکھ کر اپنی بیٹی کی حمایت کیسے کر سکتے تھے۔

کہنے لگے: ''ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔''

اب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی ''انمآ اشکوا بثّی وحزنی الی اللہ۔'' (یعنی میں اپنے دکھ اور غم کی شکایت اللہ تعالیٰ سے کرتی ہوں)

حضرت عائشہ صدیقہ کا یہ کہنا ہی تھا کہ تھوڑی ہی دیر میں حضور ﷺ پر وحی نازل ہوئی جس میں قطعی طور پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت کر دی گئی تو ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دل باغ باغ ہو گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا، ''بیٹی اٹھو اور اپنے آقا ﷺ کے قدم چوم لو۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا:

''اماں جان نہ میں ان کی ممنون ہوں نہ میں اپنے والدین کی۔ میں صرف اپنے اللہ کا شکریہ ادا کرتی ہوں جس نے میری بے گناہی کی شہادت دی۔''

تین مہمان

اسی سال کے آخر میں ایک یادگار واقعہ پیش آیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اصحاب صفہ میں سے تین بزرگوں کو اپنے گھر بطور مہمان لائے۔ پھر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں تشریف لے گئے وہاں کچھ زیادہ دیر ہو گئی جب گھر لوٹے تو حضرت ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا ''مہمانوں کو چھوڑ کر آپ کہاں چلے گئے تھے؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا ''میں اپنے آقا مولا ﷺ کی خدمت میں تھا تم مہمانوں کو کھانا کھلا دیتیں۔''

ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا۔ ''میں نے انہیں کھانا بھجوایا تھا لیکن ان لوگوں نے نہیں کھایا۔'' اب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود کھانا لے کر گئے

Marfat.com

اورتینوں بزرگوں کے کھلایا۔اس کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ تقریباً تین گنا کھانا برتنوں میں موجود رہا اور مہمان سیر ہوگئے۔ چنانچہ یہ سب کھانا اٹھوا کر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔

وصال مبارک

حضرت ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ۹ ہجری میں وفات پائی۔رحمتِ دو عالم ﷺ نے خود ان کو قبر میں اتارا اور فرمایا ''جو شخص عورتوں میں حور عین کو دیکھنا چاہے وہ ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھے۔''

اس کے بعد ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیلئے دعائے مغفرت فرمائی۔

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت ابوبکر صدیق

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام اسماء تھا،اور ذات النطاقین لقب

والد ماجد صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوبکر بن ابی قحافہ تھے۔ والدکا نام قتلہ بنت عبدالعزیٰ تھا۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نانا قریش کے ایک نامور رئیس تھے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سوتیلی بہن تھیں اور ان سے عمر میں چھوٹی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حقیقی بھائی تھے۔

ولادت باسعادت

ہجرت نبوی ﷺ سے ستائیس سال پہلے مکہ معظّمہ میں پیدا ہوئیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ روز اول سے نہایت پاکیزہ صفات کے حامل تھے۔ ظاہر ہے کہ اپنے پاکباز باپ کے زیر سایہ ان کی تربیت کیسی ہوئی ہوگی۔

قبولِ اسلام

قبول اسلام میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سابقون میں شمار ہوتی ہیں۔ جب چاروں طرف کفر وشرک کی بجلیاں کوندرہی تھیں اور صرف سترہ نفوس قدسی مخفی طور پر ایمان لائے تھے۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی نعمتِ اسلام سے بہرہ یاب ہوگئیں۔

شادی

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حواریٔ رسول ﷺ جناب زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا جو بڑے جلیل القدر صحابی تھے۔ اور نبی اکرم ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے صاجزادے تھے۔

ذات النطاقین

جب رسول کریم ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کا قصد فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جناب رسالت مآب کا رفیق سفر بننے کا شرف حاصل ہوا۔ شب ہجرت کو آپ ﷺ نے اپنے بستر مبارک پر اپنے جاں نثار بھائی علی کرم اللہ وجہہ کو سلایا۔ دشمنوں کو خدا نے اندھا کر دیا اور حضور ﷺ ان کے درمیان سے گذرتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر پہنچے۔ انہوں ن اپنی لخت جگر اسماء کے ساتھ مل کر سامان سفر درست کیا۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کے ارادہ سے پہلے ہی آگاہ تھے۔ دوتین دن کا کھانا حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تیار کر رکھا تھا۔ اسے اور پانی کے مشکیزہ کو باندھنے کی ضرورت ہوئی۔ رسی گھر میں اس وقت موجود نہ تھی اور وقت کا ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا کمر بند (نطاق) کھول کر اس کے دو ٹکڑے کئے۔ ایک سے کھانے کے برتن کا منہ باندھا اور دوسرے سے مشکیزہ کا منہ باندھا۔ سرور کائنات ﷺ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس خدمت سے بہت خوش ہوئے اور انہیں ذات النطاقین کا لقب عطا فرمایا۔

ایک اور روایت

بعض مورخین نے اس واقعہ کو ایک دوسری صورت میں بیان کیا ہے وہ یہ کہ ہجرت

Marfat.com

کی رات کو رسول کریم ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں مکہ سے نکل کر غار ثور میں مقیم ہو گئے۔ حضرت اسماء روزانہ رات کو اپنے بھائی عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیساتھ خفیہ طور پر غارِ ثور میں تشریف میں لیجاتیں اور حضور ﷺ اور اپنے والد ماجد کو کھانا کھلا کر واپس آتی تھیں۔ تیسری شب کو حضور ﷺ نے حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذریعہ شیر خدا علی کرم اللہ وجہہ کو پیغام بھیجا کہ تین اونٹ اور کوئی قابل اعتماد رہبر لے کر غار میں پہنچ جائیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چوتھی شب کو تین اونٹ اور ایک رہبر لیا اور غار ثور میں جا پہنچے۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا تین دن کا کھانا تیار کر کے ان کے ہمراہ گئیں اور حضور ﷺ کی روانگی کے وقت اپنے طاق کے دو ٹکڑے کر کے اس سے کھانے کے برتن اور پانی کی چھاگل کا منہ باندھا۔ نبی اکرم ﷺ نے خوش ہو کر انہیں ''ذات النطاقین'' کا لقب عطا فرمایا۔

ابوجہل کو جواب

جب ہجرت کی پہلی شب نے رخت سفر باندھا اور سپیدۂ سحر نمودار ہوا تو دشمنان دین حضور ﷺ کے بچ نکلنے پر غم و غصہ سے دیوانے ہو گئے۔ پہلے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو زدوکوب کیا پھر انہیں چھوڑ دیا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر آئے۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا باہر نکلیں۔ ابوجہل نے پوچھا۔

''لڑکی تیرا باپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کدھر ہے؟''

انہوں نے جواب دیا ''میں کیا بتا سکتی ہوں''

ابوجہل کو سخت غصہ آیا اس نے حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چہرۂ مبارک پر ایک بھرپور تھپڑ مارا جس سے ان کے کان کی بالی گر گئی''

اس کے بعد کفار جوش غضب کی آگ میں جلتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔

سمجھداری و دانشمندی

ان کے جانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نابینا والد ابی قحافہ (جو ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے) حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مخاطب ہو کر

Marfat.com

بولے۔ ”بیٹی ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمہیں دوہری مصیبت میں ڈالا ہے۔ خود بھی چلا گیا اور سارا مال بھی ساتھ لے گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ واقعی گھر میں رکھا ہوا تمام روپیہ ساتھ لے گئے تھے۔

لیکن حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ضعیف العمر نابینا دادا کا دل توڑنا مناسب نہ سمجھا۔ ایک کپڑے میں کچھ پتھر ڈالے اس اس گڑھے میں رکھ دیئے جہاں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا روپیہ رکھا ہوتا تھا۔ پھر ابوقحافہ کا ہاتھ پکڑ کر وہاں لو گئیں اور کہا دادا جان! ہاتھ لگا کر دیکھ لیں یہ کیا رکھا ہے؟ ابوقحافہ کو اطمینان ہو گیا۔ بولے ”ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اچھا کیا، تمہارے لئے کافی انتظام کر گیا۔ اس کے جانے کا چنداں غم نہیں۔“

ہجرتِ مدینہ

مدینہ پہنچ کر رسول کریم ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے اہل وعیال لانے کے لئے بھیجا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ان کے ہمراہ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن اریقط کو تین اونٹ دے کر روانہ کر دیا اور اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہلا بھیجا کہ اپنی بہنوں اور ماں کو ساتھ لے کر مدینہ آ جاؤ۔

چنانچہ رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا، عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ آ گئیں۔

بیٹے کی ولادت

مدینہ آنے کے بعد عرصہ تک کسی مہاجر کے ہاں اولاد نہ ہوئی۔ یہودیوں نے مشہور کر دیا کہ ہم نے اپنے سحر سے (یا دعا سے) مسلمانوں کی نسل منقطع کر دی ہے۔ دن تھے کہ اھ میں حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اللہ نے فرزند عطا کیا۔ مسلمانوں کو بیحد مسرت ہوئی، انہوں نے نعرہ ہائے تشکر و تکبیر بلند کیے کیونکہ یہود کے جھوٹ کو اللہ تعالیٰ نے ان کے منہ پر دے مارا تھا۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے نومولود فرزند کو گود میں لے کر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ ﷺ نے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گود میں

Marfat.com

ے کران کے میں ایک کھجور چبا کر ڈالی اور پھر انہیں دعائے خیر و برکت سے سرفراز فرمایا۔

اسلام سے محبت

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت راسخ العقیدہ مسلمان تھیں اور کفار کی سخت دشمن تھیں۔ ایک دفعہ ان کی ماں جو ابھی مشرک تھیں۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کچھ روپیہ مانگنے مدینہ آئیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روپیہ دینا درکنار انہیں اپنے گھر ٹھہرانا بھی گوارا نہ کیا۔ البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی معرفت حضور ﷺ سے دریافت کر بھیجا کہ "میری ماں مشرک ہیں ان سے کیا سلوک کروں؟" رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا "اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔"

گھر کا کام کاج کرنا

جب حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی وہ بہت مفلس اور تنگدست تھے۔ ان کی ساری متاع ایک گھوڑے اور ایک اونٹ پر مشتمل تھی۔

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا تین فرسخ کے فاصلہ سے کھجور کی گٹھلیاں جمع کر کے لاتیں، انہیں کوٹ کر اونٹ کو کھلاتیں گھوڑے کو کھلاتیں۔ گھوڑے کے لئے گھاس مہیا کرتیں اور ڈول کھینچتی تھیں۔ گھر کا تمام کام کاج بھی خود ہی سرانجام دیتیں۔ روٹی اچھی طرح نہ پکا سکتی تھیں۔ پڑوس میں چند انصاری خواتین تھیں جو نہایت محبت سے ان کی روٹیاں پکا دیتیں۔ ایک دن حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کھجور کی گٹھلیوں کا گٹھا سر پر لادے چلی آرہی تھیں کہ راستے میں رسول کریم ﷺ اپنے کچھ اصحاب کے ہمراہ مل گئے۔ رحمت دو عالم ﷺ نے اپنے اونٹ کو بٹھایا اور چاہا کہ اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس پر سوار ہو جائیں۔ حضرت اسماء شرم کی وجہ سے اونٹ پر نہ بیٹھیں اور گھر اپنے شوہر زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سارا قصہ بیان کیا۔ انہوں نے کہا "سبحان اللہ سر پر بوجھ لادنے سے شرم نہ آئی۔"

کچھ عرصے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں ایک غلام عطا کیا جس نے گھوڑے اور اونٹ کی نگہداشت سنبھال لی اور حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کی مصیبت کم ہوئی۔

اپنی عادت بدل دی

شروع شروع میں حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا افلاس کی وجہ سے ہر چیز ناپ تول کر خرچ کرتیں۔ سرکار دو عالم ﷺ کو معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا ''اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ناپ تول کرمت خرچ کیا کرو ورنہ خدا بھی ناپ کر روزی دے گا۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسی وقت اپنی عادت سے توبہ کی۔ خدا کی قدرت حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمدنی بڑھنے لگی اور کچھ عرصہ بعد ان کے گھر میں دولت کی ریل پیل ہوگئی۔

سادگی وقناعت

آسودہ حالی کے بعد بھی حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی سادہ وضع ترک نہ کی۔ معمولی کپڑا پہنتیں اور نان جویں سے شکم پری کرتیں۔ البتہ دولت کو خیر خیرات کے کاموں میں بے دریغ صرف کرتیں۔ جب کبھی بیمار ہوتیں تمام غلاموں کو آزاد کر دیتیں اور اپنے بچوں کو ہمیشہ ہدایت کیا کرتی تھیں کہ مال جمع کرنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ ضرورت مندوں کی مدد کے لئے ہوتا ہے۔ اگر تم بخل کرو گے تو خدا بھی تمہیں اپنے فضل وکرم سے محروم رکھے گا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنی ماں سے بڑھ کر کسی کو فیاض نہیں دیکھا۔

خاوند کی تابعداری

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک جائیداد ورثہ میں پائی جس کو انہوں نے ایک لاکھ درہم پر فروخت کر دیا، اور قاسم بن محمد اور ابن ابی عتیق کو جو ان کے قرابتدار تھے اور حاجتمند تھے دیدی۔ باوجود اتنی فیاضی کے شوہر کے گھربار کی حفاظت انتہائی دیانت داری سے کرتی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غیر حاضری میں ایک سوداگر آیا اور ان کے دروازے کے باہر کھڑے ہو کر التجا کی کہ اپنے گھر کی دیوار کے سایہ میں مجھے سودا بیچنے کی اجازت دیجئے۔ بولیں اگر میں اجازت دے دوں اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انکار

کردیں تو بڑی مشکل بن جائیگی زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں آکر سائل ہونا۔

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب گھر تشریف لائے تو سوداگر پھر آیا اور دوازے پر کھڑے ہوکر التجا کی ''اے ام عبداللہ میں مسکین آدمی ہوں۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دیوار کے سایہ میں کچھ سودا بیچنا چاہتا ہون اجازت مرحمت فرمائیں۔''

بولیں میرے گھر کے سوا تمہیں مدینہ میں اور کوئی گھر نہ ملا؟

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''تمہارا کیا بگڑتا ہے جو ایک مسکین کو بیع و شراء سے روکتی ہو۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسے فوراً اجازت دیدی کیونکہ ان کا دلی منشا بھی یہی تھا۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا

ایک دفعہ رسول کریم ﷺ نے مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں زیادہ مال صدقہ کرنے کا حکم دیا۔تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ارشاد نبوی ﷺ کی تعمیل کی۔صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے زیور اتار کر دے دیئے حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک لونڈی تھی۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسے فروخت کر دیا اور روپیہ لے کر دے دیا۔جب حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر تشریف لائے تو حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے وہ روپیہ مانگا۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔میں نے صدقہ کر دیا ہے۔'' حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش ہو گئے کیونکہ خدا اور رسول ﷺ کی خوشنودی کے بھی وہ طالب تھے۔

سخاوت کی عادت

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دست سخاوت بیحد کشادہ تھا۔لیکن حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزاج میں ذرا سختی تھی۔حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک دن نبی اکرم ﷺ سے پوچھا ''یا رسول اللہ ﷺ کیا میں شوہر کے مال سے ان کی اجازت کے بغیر یتیموں مسکینوں کو کچھ دے سکتی ہوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں دے سکتی ہو۔''

Marfat.com

زاہدہ وصابرہ

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کمال درجہ کی عابدہ زاہدہ اور صابرہ تھیں۔ایک دفعہ رسول کریم ﷺ کسوف کی نماز پڑھا رہے تھے۔متعدد صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن میں حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی شامل تھیں۔ان کی اقتدا میں نماز پڑھ رہی تھیں حضور ﷺ نے نماز کو کئی گھنٹے تک طول دیا۔حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طبیعت کچھ کمزور تھی، تھک کر چور چور ہو گئیں لیکن بڑے استقلال سے کھڑی رہیں۔ جب نماز ہوئی تو غش کھا کر گر پڑیں۔حضور ﷺ نے چہرہ اور سر پر پانی چھڑکا تو ہوش میں آئیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب کبھی دردسر ہوتا اپنے سر کو ہاتھ میں پکڑ کر کہتیں ''اے اللہ میں اگر چہ بہت خطا کار ہوں لیکن تیری رحمت اور تیرا فضل بے پایاں ہے۔'' اللہ تعالیٰ انہیں آرام دیدیتا۔

جبہ مبارک کی برکت

حضور رسول کریم ﷺ کا ایک جبہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھا۔ جب ان کا وقت وفات قریب آیا تو یہ جبہ مبارک حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سپرد کیا انہوں نے اسے سر آنکھوں پر رکھا اور جب تک زندہ رہیں اسے اپنی جان کے ساتھ رکھا۔اگر کبھی گھر میں کوئی علیل ہوتا تو اس بابرکت جبہ مبارک کو دھو کر اس کا پانی بیمار کو پلاتیں۔ان کے فضائل اور تقدس کی وجہ سے لوگ ان کی حد درجہ عزت کرتے اور ان سے برکت حاصل کرنے کے آرزومند رہتے۔دُور دُور سے آ کر ان سے اپنی تکالیف دور ہونے کی دعا کراتے۔اگر کوئی بخار کا مریض ان کے پاس آتا تو دعا بھی کرتیں اور اس کے سینے پر پانی بھی چھڑکتیں۔فرماتی تھیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے ''بخار نارِ جہنم کی گرمی ہے اسے پانی سے ٹھنڈا کرو۔''

شجاعت و دلیری کا جذبہ

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا شجاع بھی بہت تھیں۔ایک دفعہ مدینہ میں

چوریاں بہت ہونے لگیں بلکہ ڈاکے بھی پڑنے لگے حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے سرہانے خنجر رکھ کر سوتیں اور فرماتیں اگر کوئی چور یا ڈاکو ہمارے گھر آیا تو اس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔

طلاق کا واقعہ

طویل عرصہ کی ازدواجی زندگی کے بعد حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی میں ایک افسوسناک واقعہ رونما ہوا۔ یعنی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے انہیں طلاق دیدی۔ مورخین نے طلاق کی مختلف وجوہ بیان کی ہے۔ جن میں سب سے قرین قیاس یہ ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزاج میں سختی تھی۔ ایک دن کسی بات پر غصہ میں آگئے اور حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو زدوکوب کرنا چاہا۔ ان کے بڑے فرزند عبداللہ رضی اللہ عنہ اتفاق سے گھر میں موجود تھے حضرت اسماء نے ان سے مدد چاہی۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دخل اندازی سے منع کیا اور کہا اگر تم نے ماں کی حمایت کی تو اسے طلاق ہے۔ حضرت عبداللہ کو گوارا نہ ہوا کہ اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی بوڑھی ماں کو تشدد کا شکار ہوتا دیکھیں۔ آگے بڑھے اور ان کا بازو حضرت زبیر کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔ اس کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان ہمیشہ کے لئے علیحدگی ہو گئی۔ ان کے جلیل القدر فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زندگی کے آخری سانس تک ان کے کفیل رہے۔

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی فراخ حوصلہ اور نیک دل خاتون تھیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے علیحدگی کے بعد بھی وہ ہمیشہ انہیں عزت واحترام سے یاد کرتیں اور ان کی خوبیوں کی مدح وتوصیف کرتیں۔

جنگِ جمل کا واقعہ

۳۱ ہجری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان ''جنگِ جمل'' کا افسوسناک واقعہ پیش آیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جنگ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پرجوش حامیوں میں

Marfat.com

تھے۔ میدان جنگ سے لوٹتے وقت ایک شخص عمرو بن جرموز نے وادی سباع میں بے خبری کے عالم میں انہیں شہید کر دیا۔

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اشعار

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو بہت روئیں اور یہ اشعار زبان پر لائیں۔

"ابن جرموز نے لڑائی کے دن ایک شہسوار اور بلند ہمت سے دغا کی جب کہ وہ نہتا اور بے سروسامان تھا۔"

اے عمرو اگر تو اپنے ارادہ سے اس کو پہلے مطلع کر دیتا تو زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک نڈر اور بے خوف شخص پاتا۔

خدا تجھے غارت کرے کہ تو نے ایک مسلمان کو قتل کیا، خدا کا عذاب تجھ پر ضرور نازل ہوگا۔"

بیٹے کا بلند مرتبہ

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فرزند حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تاریخ اسلام میں بڑی اہم شخصیت کے مالک ہیں۔ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی المناک شہادت کے بعد بنی امیہ کی قاہر طاقت کا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس استقامت اور شجاعت کے ساتھ مقابلہ کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رفقاء جیسے چند ساتھ مل جاتے تو وہ بنی امیہ کی سلطنت کا تختہ الٹ کر رکھ دیتے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت تاریخ کا ایک دردناک باب ہے۔ اس موقع پر ان کی جلیل القدر والدہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جس حق پرستی، صبر و رضا اور جرأت ایمانی کا ثبوت دیا وہ ان کی کتاب زندگی کا سب سے تابدار ورق ہے ۳۰ھ یا ۳۱ھ ہجری میں حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا مستقل طور پر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہنے لگیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ

Marfat.com

عنہ ان کی بے حد تعظیم اور خدمت کرتے تھے اور اپنی شہادت کے سال ۲ ہجری تک انہوں نے مسلسل اپنی ضعیف ماں کی اطاعت اور رضا جوئی کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اپنے سعادت مند فرزند کے لئے ہر وقت دعا گو رہتیں۔ یہ انہی کی تربیت کا اثر تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم و فضل، زہد و اتقا، حق گوئی و بیباکی اور شجاعت و بےخوفی کا ایک مثالی پیکر بنے۔ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح انہوں نے بھی مرتے دم تک یزید کی بیعت نہ کی۔ اور پھر اس کی موت کے بعد بھی اس کے جانشینوں کے مقابلے پر ڈٹے رہے۔

خلیفہ منتخب کر لیا

۶۲ ہجری میں عراق اور عرب کے لوگوں نے انہیں متفقہ طور پر اپنا خلیفہ منتخب کیا۔ ۷۲ ہجری تک انہوں نے مکہ معظّمہ میں اپنا علم خلافت بلند رکھا۔ ان چھ سالوں میں انہیں دو محاذوں پر لڑنا پڑا ایک طرف مختار ثقفی کی زبردست جماعت تھی۔ دوسری طرف بنی امیہ کی قاہر قوت۔ وہ بڑے حوصلہ سے ان دونوں محاذوں پر لڑتے رہے۔ جب عبدالملک بن مروان مسند حکومت پر بیٹھا تو اس نے تہیہ کر لیا یہ وہ خلافت مکہ کو ختم کر کے چھوڑے گا اس مقصد کے لئے اس نے اپنے سفاک ترین جرنیل حجاج بن یوسف ثقفی کو مقرر کیا۔

مکہ مکرمہ کا محاصرہ

حجاج بن یوسف نے ایک زبردست فوج کے ساتھ یکم ذی الحجہ ۷۲ ہجری کو مکہ ک محاصرہ کر لیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بے مثال استقامت دکھائی اور چھ ماہ تک اموی فوج کو مکہ پر قابض نہ ہونے دیا۔ حجاج نے محاصرہ میں اتنی سختی برتی کہ مکہ میں اناج کا ایک دانہ بھی نہ پہنچ سکتا تھا۔ بیت اللہ کی عزت و حرمت کو بھی اس نے بالائے طاق رکھ دیا اور منجنیقوں سے کعبہ پر لگاتار پتھر برسائے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پتھروں کی بارش میں بھی اس انہماک سے نماز پڑھتے کہ کبوتر ان کے سر اور کندھوں پر آ کر بیٹھ جاتے۔ محاصرہ کی شدت اور خوراک

Marfat.com

کی قلت سے تنگ آ کر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اکثر ساتھی ان کا ساتھ چھوڑ کر حجاج بن یوسف سے جا ملے۔ حتیٰ کہ ان کے فرزندوں نے بھی بے وفائی کی اور حجاج کے پاس جا کر امان کے طالب ہوئے۔ لیکن اس بہتر سال کے بڈھے شیر نے بنی امیہ کے اقتدار کو تسلیم نہ کرنے کا حلف اٹھایا تھا۔

جب گنتی کے صرف چند ساتھی رہ گئے تو حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ''اے مادر محترم میرے ساتھیوں نے بیوفائی کی ہے اب سوائے چند جاں نثاروں کے کوئی بھی میرا ساتھ دینے پر آمادہ نہیں، آپ کی کیا رائے ہے، اگر ہتھیار ڈال دوں تو ہو سکتا ہے کہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو امان مل جائے۔

بیٹے کو جواب

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا ''اے میرے فرزند اگر تم حق پر ہو تو مردوں کی طرح لڑ کر رتبہ شہادت پر فائز ہو جاؤ اور کسی قسم کی ذلت برداشت نہ کرو اگر یہ تمہارا کام دنیا طلبی کے لئے تھا تو تم سے برا کوئی شخص نہیں جس نے اپنی عاقبت بھی خراب کی اور دوسرے لوگوں کو بھی ہلاکت میں ڈالا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا ''اے ماں میں نے آج تک جو کچھ کیا ہے خدا کی قسم سب حق کو سر بلند کرنے کے لئے تھا۔ فسق و فجور سے میں محترز رہا۔ عمال کا کڑا محاسبہ کیا اور اپنی حدود خلافت میں جہاں تک بن پڑا عدل جاری کیا۔ لوگوں سے خدا اور رسول ﷺ کے احکام کی تعمیل کرائی اور اعمال بد سے انہیں روکا۔ بخدا دین کے آگے دنیا کو ہیچ سمجھتا ہوں۔ صرف یہ اندیشہ ہے کہ اہل شام میری لاش کا مثلہ کریں گے اور آپ کو رنج پہنچے گا۔

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا ''اے بیٹے جب بکری ذبح ہو جاتی ہے پھر خواہ اس کی کھال کھینچیں یا اس کا قیمہ کریں، اس کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔ تو اگر لڑائی میں فتح یاب ہوا تو مجھے مسرت ہوگی۔ اور اگر راہ حق میں لڑتے ہوئے شہید ہو گیا تو صبر

کرلوں گی کہ یہ صبر میری عاقبت سنوانے کا باعث ہوگا، اب جاؤ اور اللہ کی راہ میں لڑو۔"

بیٹے کے لئے دعائے خیر

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زرہ پہنی ہتھیار لگائے اور آخری دفعہ ماں سے رخصت ہونے آئے حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کے لئے دعائے خیر کی اور پھر انہیں گلے لگا لیا۔ جب زرہ کی کڑیاں چبھیں تو پوچھا "یہ کیا ہے؟" حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا "اماں جان زرہ ہے۔"

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا "میرے فرزند شہادت کے آرزومند زرہ سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ اسے اتار دو، دامن کمر سے باندھو اور اللہ کا نام لے کر دشمن پر حملہ کرو۔"

بیٹے کی شہادت پر بے مثال صبر

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ماں کے حکم کی تعمیل میں زرہ اتار دی اور رجز پڑھتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ کافی دیر تک داد شجاعت دیتے رہے۔ آخر زخموں سے چور چور ہو کر حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ الوالعزم فرزند اپنے مولائے حقیقی سے جا ملا۔

علامہ شبلی نعمانیؒ کا منظوم خراج تحسین

حجاج نے ان کی نعش کو جون پر لٹکا دیا۔ جہاں تین شبانہ روز تک لٹکی رہی آخر حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی خادمہ کے ہمراہ تشریف لے گئیں اور اپنے پیارے بیٹے کی لاش کو اس حالت میں دیکھ کر فرمایا۔

"کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ یہ شہ سوار حرم گھوڑے سے اترے۔"

علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے آپؓ کی اس بے مثال جرأت کا نقشہ اپنی اس نظم میں کھینچا ہے:

شبلی نعمانیؒ نے حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کا واقعۂ شہادت اور حضرت اسماءؓ کی جرأتِ ایمانی اور صبر کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

Marfat.com

مسند آرائے خلافت جو ہوئے ابنِ زبیرؓ سب نے بیعت کیلئے ہاتھ بڑھائے یکبار
ابنِ مروان نے حجاج کو بھیجا پئے جنگ جس کی تقدیر میں تھا مرغانِ حرم کا شکار
حرمِ کعبہ میں محصور ہوئے ابنِ زبیرؓ فوج بے دین نے کیا کعبۂ ملت کا حصار
دامن عرش ہوا جاتا تھا آلودۂ گرد بارش سنگ سے اٹھتا تھا جو اُڑ اُڑ کے غبار
تھا جو سامانِ رَسَد چار طرف سے مسدود ہر گلی کوچہ بنا جاتا تھا ایک کنجِ مزار
جب یہ دیکھا کہ کوئی ناصر و یاور نہ رہا ماں کی خدمت میں گئے ابنِ زبیرؓ آخر کار
جا کے عرض کی کہ اے اختِ حریم نبوی نظر آتے نہیں اب حرمتِ دیں کے آثار
آپ فرمایئے اب آپ کا ارشاد ہے کیا کہ میں ہوں آپ کا اک بندۂ فرماں بردار
صلح کرلوں؟ کہ چلا جاؤں حرم سے باہر یا یہیں رہ کے اسی خاک پہ ہو جاؤں نثار
بولیں وہ پردہ نشینِ حرم سرّ عفاف حق پہ گر تو ہے تو پھر صلح ہے مستوجبِ عار
یہ زمیں ہے وہی قرباں گہِ اسمٰعیلی فدیۂ نفس ہے خود دینِ خلیلی کا شعار
ماں سے رخصت ہوئے یہ کہہ کے باآداب دنیاز آپ کے دودھ سے شرمندہ نہ ہوں گا زنہار
پہلے ہی حملہ میں دشمن کی الٹ دیں فوجیں جس طرف جاتے تھے یہ ٹوٹتی جاتی تھی قطار
منجنیقوں سے برستے تھے جو پتھر پیہم ایک پتھر نے کیا آ کے سر و رخ کو فگار
خون ٹپکا جو قدم پہ تو کہا از رہِ فخر یہ ادا وہ ہے کہ ہم ہاشمیوں کا ہے شعار
اس گھرانے نے کبھی پشت پہ کھایا نہیں زخم خون ٹپکے گا قدم پہ ہر بار
زخم کھا کھا کے لڑے جاتے تھے لیکن کب تک آخر الامر گرے خاک پہ مجروح و نزار
لاش منگوا کے جو حجاج نے دیکھی تو کہا اس کو سولی پہ چڑھاؤ کہ یہ تھا قابلِ دار
لاش لٹکی رہی سولی پہ کئی دن لیکن ان کی ماں نے نہ کیا رنج و الم کا اظہار
اتفاق سے اک دن جو ادھر جا نکلیں دیکھ کر لاش کو بے ساختہ بولیں یک بار

ہو چکی دیر کہ منبر پہ کھڑا ہے خطیب
اپنے مرکب سے اترتا نہیں اب بھی یہ سوار

Marfat.com

لاش کا حصول اور تجہیز و تکفین

ایک اور روایت میں ہے کہ جب عبدالملک بن مروان کو معلوم ہوا کہ حجاج نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو قتل کر کے ان کی لاش کو جون پر الٹا لٹکا دیا ہے تو اس نے حجاج کو ایک سخت خط لکھا اور حکم دیا کہ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش فوراً ان کی والدہ کے سپرد کر دو۔ چنانچہ شہادت کے چند دن بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش ان کی والدہ کو مل گئی۔ لاش کا جوڑ جوڑ الگ ہو چکا تھا۔ حضرت اسماء نے اپنے سعادت مند بیٹے کی کٹی پھٹی لاش کو نہایت صبر کے ساتھ غسل دیا، نہ روئیں نہ بین کیا۔

جرأت و بے باکی

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حجاج بن یوسف حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آیا اور ان سے کہا خدا نے تیرے لڑکے کو سزا دی۔ اس نے خدا کے گھر میں بے دینی پھیلائی تھی۔

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا "تو جھوٹا اور ظالم ہے، میرا بچہ بڑا خدا پرست، عابد زاہد اور نیکوکار تھا تو نے اس کی دنیا خراب کی اور اپنی آخرت۔ تو میرے بیٹے کو طنزاً ابنِ ذات النطاقین کہتا تھا۔ ہاں مجھے اس لقب پر فخر ہے لیکن سنو میں نے رسول کریم ﷺ سے ایک حدیث سنی ہے کہ قبیلہ ثقیف سے ایک کذاب اور ایک ظالم پیدا ہوگا۔ کذاب (مختار ثقفی) کو میں دیکھ چکی اور ظالم تو ہے حجاج یہ دندان شکن جواب سن کر خاموش ہو گیا۔

وصال مبارک

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا دعا مانگا کرتی تھیں کہ بار الٰہا جب تک میں عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معت نہ دیکھ لوں مجھے موت نہ دینا۔" ان کی دعا قبول ہوئی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی میت کو اپنے ہاتھوں سے سپرد خاک کیا اور اس کے چند دن بعد ہی تقریباً سو سال کی عمر میں خود بھی جنت الفردوس کو سدھاریں۔ آخر دم تک ہوش و

Marfat.com

حواس قائم تھے۔ تمام قوائے جسمانی دانتوں سمیت سلامت تھے۔ کئی مورخین کا بیان ہے کہ آخر عمر میں بصارت جاتی رہی تھی اس لئے عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ شہادت بچشم خود نہیں دیکھا۔ ٹٹول ٹٹول کر یا پوچھ پوچھ کر ہر کیفیت سے آگاہ ہوتی تھیں۔ ان کی وفات پر دوست دشمن سبھی روئے۔

حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے یہ فرزندان کی اہلیہ قتیلہ کے بطن سے تھے اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب اسلام قبول کیا تو عبداللہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ ہجرتِ مدینہ کے سلسلہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق کے ساتھ غارِ ثور میں مقیم تھے تو یہ خدمت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہی کے سپرد تھی کہ دن بھر کی قریش کی جو خبریں ہوتی تھیں وہ شام کو یہاں پہنچا دیتے تھے۔ عبداللہ بن اریقط جس نے ہجرتِ مدینہ کے وقت راہبری کی خدمت انجام دی تھی انہوں نے جب مکہ واپس پہنچ کر اطلاع دی کہ حضور ﷺ بخیر و عافیت مدینہ پہنچ گئے ہیں تو اب حضرت عبداللہ بن ابی بکر بھی حضرت اُم رومان، حضرت عائشہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہن کو لے کر مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ فتح مکہ اور حنین و طائف کے غزوات میں شریک رہے ہیں۔ اس آخری معرکہ (طائف) میں ہی ان کو ایک تیر آکر لگا جس سے شدید زخم پہنچا، علاج معالجہ کے بعد زخم مندمل ہو گیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چالیس روز بعد پھر پھوٹ پڑا اور وہ اس سے جان بر نہ ہو سکے۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ)

بیوی عاتکہ سے عبداللہ کی شدید محبت

عبداللہ رضی اللہ عنہ کی بیوی عاتکہ بنت زید ابن عمرو ابن نفیل تھیں انہوں نے عبداللہ کا مرثیہ بھی لکھا تھا۔ حضرت عبداللہ اپنی بیوی عاتکہ سے بے انتہا محبت کرتے تھے ایک مرتبہ جبکہ جمعہ کا دن تھا عبداللہ کے والد حضرت ابوبکر صدیقؓ جمعہ کی نماز کے بعد بیٹے یہاں آئے۔

Marfat.com

اس وقت حضرت عبداللہ اپنی بیوی کے ساتھ ہنسی دل لگی کر رہے تھے۔

عبداللہ اسی وقت اپنی بیوی سے پوچھ رہے تھے۔ کیا جمعہ کی نماز ہو چکی ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے ان کا جملہ سن لیا۔ انہوں نے فوراً کہا:

''کیا تمہاری بیوی نے تمہیں نماز سے بھی بے خبر کر دیا ہے۔ اب مجھے اس وقت تک چین نہیں آئے گا جب تک تم اس کو طلاق نہیں دے دو گے۔!''

باپ کے حکم پر بیوی کو طلاق

......چنانچہ حضرت عبداللہ نے والد کے حکم پر بیوی کو علیحدہ کر دیا۔ انہوں نے طلاق تو دے دی مگر اب بیوی کی جدائی ان پر بے حد شاق ہوئی ایک روز حضرت ابوبکرؓ پھر بیٹے کے یہاں آئے تو انہوں نے حضرت عبداللہ کو کچھ شعر پڑھتے ہوئے سنا جن میں سے ایک شعر یہ ہے۔

فَلَمْ اَرَمِثْلِی طَلَّقَ الْیَومَ مِثْلَهَا
وَلَا مِثْلُهَا فِی غَیرِ جَرمٍ تَطَلَّقُ

''مجھ جیسا بدنصیب کون ہوگا جس نے آج اس جیسی بیوی کو طلاق دے دی۔ اس جیسی بیوی کو بھی کوئی شخص بغیر کسی جرم کے طلاق دے سکتا ہے۔''

دردِ فراق اور رجعت

......حضرت ابوبکرؓ نے (بیٹے کے یہ پر درد شعر سنے تو) ان سے کہا کہ عبداللہ تم عاتکہ سے رجعت کر لو (رجعت کا مطلب یہ ہے کہ اگر بیوی کو صرف ایک طلاق دی اور پھر اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس کو بغیر دوسری مرتبہ نکاح کئے پھر اپنے گھر میں لایا جائے)

حضرت عبداللہ باپ کی طرف سے اجازت ملنے پر اس قدر خوش ہوئے کہ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ آپ ذرا اپنی جگہ ٹھہریئے۔ یہ کہہ کر انہوں نے فوراً اپنے غلام سے جوان کا ذاتی اور زرخرید غلام تھا، کہا:

''اللہ کے راستے میں تو آزاد ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں یعنی اعلان کرتا ہوں کہ میں نے عاتکہ سے رجعت کی!''

Marfat.com

غرض جب حضرت عبداللہ ابن ابوبکرؓ کا انتقال ہوا تو ان کی بیوی عاتکہ نے ان کا مرثیہ کہا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

الیت لاتنفک عینی حزینۃ
علیک ولا ینفک جلدی اغبرا

"میں نے عہد کیا ہے کہ تمہارے لئے میری آنکھیں ہمیشہ اشک آلود و غمگین رہیں گی اور اب میرے جسم سے کبھی گرد و غبار دور نہیں ہوگا۔"

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ

نام، نسب

عبدالرحمٰن نام، ابوعبداللہ کنیت، خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بڑے صاحبزادہ تھے۔ والدہ کا نام ام رومان تھا، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور یہ دونوں حقیقی بھائی بہن تھے۔

ابتدائی حالات

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تمام خاندان ابتدا ہی میں حلقہ بگوشِ اسلام ہوا، لیکن حضرت عبدالرحمٰنؓ اس سے مستثنیٰ تھے، وہ عرصہ تک اپنے قدیم مذہب کے حامی رہے، غزوۂ بدر میں مشرکین قریش کے ساتھ تھے، اثنائے جنگ میں انہوں نے آگے بڑھ کر "ھل من مبارزٍ" کا نعرہ لگایا، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں خون اتر آیا، انہوں نے خود بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا، لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کو اجازت نہ دی۔

غزوۂ اُحد میں بھی وہ مشرکین مکہ کے ساتھ تھے۔

اسلام

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ایمان لائے اور مدینہ پہنچ کر اپنے والد کے ساتھ رہنے لگے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نجی کے تمام کام اور

Marfat.com

ذاتی کاروبار زیادہ تر یہی انجام دیتے تھے، اور نہایت اطاعت شعاری کے ساتھ ان کے غیظ وغضب کو برداشت کرتے تھے، ایک مرتبہ شب کے وقت چند اصحابِ صفہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے یہاں مہمان تھے، انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو ہدایت فرمائی کہ:

"میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جاتا ہوں تم میرے واپس آنے سے پہلے ان کی مہمان نوازی سے فارغ ہو جانا۔"

حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حسبِ ہدایت وقت پر مہمانوں کے سامنے ماحضر پیش کیا لیکن انہوں نے صاحبِ خانہ کی غیر موجودگی میں کھانے سے انکار کر دیا، اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بہت دیر کے بعد تشریف لائے اور یہ معلوم کر کے کہ مہمان اب تک بھوکے بیٹھے ہیں، حضرت عبدالرحمٰنؓ پر نہایت برہم ہوئے اور گالی دے کر کہا "خدا کی قسم! اس کو کھانے میں شریک نہیں کرونگا" حضرت عبدالرحمٰنؓ ڈر سے مکان کے ایک گوشہ میں چھپ رہے تھے، وہ کسی قدر جرأت کر کے سامنے آئے اور بولے "آپ مہمانوں سے پوچھ لیجئے کہ میں نے کھانے کے لئے اصرار کیا تھا۔" انہوں نے تصدیق کی اور کہا "واللہ! جب تک آپ عبدالرحمٰن کو نہ کھلائیں گے ہم لوگ بھی نہ کھائیں گے، غرض اسی طرح ان کا غصہ فرو ہوا، اور دستر خوان بچھایا گیا، حضرت عبدالرحمٰنؓ فرماتے ہیں کہ اس روز کھانے میں اس قدر برکت ہوئی کہ ہم لوگ کھاتے جاتے تھے، لیکن وہ کسی طرح ختم نہیں ہوتا تھا، یہاں تک کہ میں اس میں سے کچھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھی لیکر حاضر ہوا جس کو آپ اور ان کے بہت سے اصحابؓ نے تناول فرمایا۔

شامی عربوں کے بادشاہ الجودی کی بیٹی لیلیٰ کے ساتھ آپ کا واقعہ

زبیر بن بکار بیان کرتے ہیں کہ محمد بن الضحاک الحزامی نے اپنے باپ کے حوالے سے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ اپنے دورِ جاہلیت میں شام میں تجارت کے لئے آئے تو آپ نے ایک عورت کو جسے لیلیٰ بنت الجودی کہا جاتا تھا، اپنی چٹائی پر دیکھا اور اس کے اردگرد اس کی لونڈیاں بھی تھیں وہ عورت آپ کو پسند آئی۔ ابن عساکر نے بیان کیا ہے کہ آپ نے اس عورت کو بصریٰ کے علاقے میں دیکھا

Marfat.com

اور اس کے بارے میں کہا:

"میں نے لیلیٰ کو یاد کیا اور سماوہ اس کے ورے تھا، پس الجودی کی بیٹی لیلیٰ کو اور مجھے کیا ہو گیا ہے اور میں نے ایک حارثیہ کی بیماری لے لی ہے جس سے میں بستر پر کروٹیں بدلتا رہتا ہوں جو بصری کو امان دیئے ہوئے ہے یا الحوابیا میں اُترے ہوئے ہے اور میں اسے ملنے والا ہوں اور شاید آئندہ سال لوگ حج کریں تو وہ مل جائے گا۔"

راوی بیان کرتا ہے جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو شام کی طرف بھیجا تو آپ نے امیر فوج سے فرمایا اگر تم بزورِ قوت لیلیٰ بنت الجودی پر قابو پاؤ تو اسے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو دے دینا۔ پس اس نے قابو پا کر اسے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو دے دیا تو آپ اس سے بہت خوش ہوئے اور اسے اپنی بیویوں پر ترجیح دی، حتیٰ کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس کی شکایت کرنے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو اس رویہ پر ملامت کی تو وہ کہنے لگے قسم بخدا میں اس کے دانتوں سے اَنار کے دانے چوستا ہوں۔

پس اسے ایک تکلیف ہو گئی جس سے اس کا منہ ناکارہ ہو گیا تو عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اس سے اعراض کر لیا حتیٰ کہ اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آپ کی شکایت کی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں کہا اے عبدالرحمٰن! تو نے لیلیٰ سے محبت کی تو اس میں افراط سے کام لیا اور تو نے اس سے نفرت کی تو اس میں بھی افراط سے کام لیا، یا تو تُو اس سے انصاف کر اور یا اسے اس کے اہل کے پاس بھجوا دے۔

زبیری نے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن نافع نے عن عبدالرحمٰن بن ابی الزناد عن ہشام بن عروہ عن ابیہ مجھ سے بیان کیا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو فتح دمشق کے وقت لیلیٰ بنت الجودی عطیۃً دی اور وہ دمشق کے بادشاہ کی بیٹی تھی۔ یعنی دمشق کے اردگرد رہنے والے عربوں کے بادشاہ کی بیٹی تھی۔ واللہ اعلم

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۲۱)

Marfat.com

غزوات

حضرت عبدالرحمٰنؓ فطرۃً نہایت شجاع و بہادر تھے، خصوصاً تیراندازی میں کمال رکھتے تھے، واقعہ، حدیبیہ کے بعد عہدِ نبوت میں جس قدر معرکے پیش آئے وہ ان میں سے اکثر میں جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے۔

جنگِ یمامہ

یمامہ کی خونریز جنگ میں حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اپنی تیراندازی کا غیر معمولی کمال دکھایا، انہوں نے اس جنگ میں غنیم کے سات بڑے جانباز افسروں کونشانہ بنا کر واصل جہنم کیا۔

قلعہ یمامہ کی دیوار ایک جگہ سے شق ہوگئی تھی، مسلمان اس راستہ سے اندر گھسنا چاہتے تھے، لیکن دشمن کا ایک سردار محکم بن طفیل نہایت جانبازی کے ساتھ اس جگہ اڑا ہوا تھا حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے تاک کر اس کے سینہ پر ایک ایسا تیر مارا کہ وہیں تڑپ کر ڈھیر ہو گیا اور مسلمان اس کے ساتھیوں کو ریلتے ہوئے اندر گھس گئے۔

یزید کی بیعت سے انکار

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی جانشینی کے لئے اپنی زندگی ہی میں کوشش شروع کر دی تھی، ایک دفعہ ان کے ایماء سے مروان بن حکم والی مدینہ نے مسجد نبویؐ میں لوگوں کو جمع کر کے یزید کے لئے بیعت لینا چاہا، اس وقت جن لوگوں نے اس کی مخالفت میں صدا بلند کی ان میں ایک حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بھی تھے، انہوں نے مروان سے غضب آلود لہجہ میں کہا ”کیا تم لوگ خلافت کو موروثی بادشاہت بنا دینا چاہتے ہو۔“

مروان نے برہم ہو کر کہا ”صاحبو! یہ وہی ہے جس کی نسبت قرآن میں آیا ہے ”وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَا“ (یعنی والدین کی اطاعت نہ کرنے پر خدا نے ان کی مذمت کی ہے) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے حجرہ میں یہ گفتگو سن رہی تھیں، وہ غضبناک ہو کر بے اختیار بول اٹھیں ”نہیں! واللہ نہیں!! عبدالرحمٰنؓ کے متعلق

Marfat.com

نہیں ہے، اگر چاہوتو میں اس کا نام لے سکتی ہوں جس کی نسبت یہ آیت نازل ہوئی تھی۔''

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی مخالفت کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے ان کو خوش کرنے کے لئے ان کے پاس ایک لاکھ درہم کے توڑے بھیج دیئے، لیکن حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے غایتِ بے نیازی کے ساتھ واپس کر دیا اور فرمایا ''واللہ! میں دین کو دنیا کے عوض فروخت نہیں کر سکتا۔

وفات

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے بعد مدینہ چھوڑ کر مکہ چلے آئے، اور شہر سے تقریباً ۱۰ میل کے فاصلہ پر ''حبشی'' نام ایک مکان میں اقامت پذیر ہوئے۔ یہاں تک کہ ۵۳ھ میں ایک روز ناگہانی طور پر اسی گوشۂ عزلت میں واصل بحق ہوئے، بیان کیا جاتا ہے کہ پہلے سے ان کو اپنی صحت کے متعلق کسی قسم کی کوئی شکایت نہ تھی، وفات کے دن حسب معمول سوئے مگر ایسی نیند سوئے کہ پھر نہ اٹھ سکے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل میں اس ناگہانی حادثہ کے باعث شبہ ہوا کہ کسی نے زہر وغیرہ دے کر مار ڈالا، لیکن کچھ دنوں کے بعد ایک عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئی، بظاہر توانا و تندرست تھی، ایک مرتبہ سجدہ کیا اور ایسا سجدہ کہ پھر اس سے سر نہ اٹھایا، اس واقعہ کے بعد سے ان کا شک جاتا رہا۔

(مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۴۷۶)

آپ کا انتقال ۵۳ھ میں ہوا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے انتقال کی خبر ملی تو وہ حج کی نیت سے مکہ آئیں اور بھائی کی قبر پر کھڑی ہو کر بے اختیار روئیں، اس وقت ان کی زبان پر یہ اشعار تھے:

وکنا لندمانی جذیمة حقبة
من الدهر حتّی قیل لن یتصدعا
فلمّا تفرقنا کانّی ومالکا
لطول اجتماعٍ لم نبت لیلةً معا

Marfat.com

''ہم کچھ عرصہ جذیمہ کے دو بادہ نوشوں کی طرح ساتھ رہے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے کہا کہ یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے اور جب میں اور مالک جدا ہوئے تو باوجود طویل عرصہ تک اکٹھا رہنے کے، یوں معلوم ہوتا تھا کہ ہم نے ایک رات بھی اکٹھے بسر نہیں کی۔''

پھر مرحوم بھائی کی روح سے مخاطب ہو کر بولیں ''بخدا! اگر میں تمہاری وفات کے وقت موجود ہوتی تو اس قدر نہ روتی اور تم کو اسی جگہ دفن کرتی جہاں تم نے وفات پائی تھی۔''

محمد بن ابی بکر

یہ اولادِ ذکور میں سب سے چھوٹے تھے۔ حجۃ الوداع کے سال ماہِ ذی قعدہ کے اواخر میں بمقام ذوالحلیفہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ان کے ایک بیٹے کا نام قاسم تھا۔ اسی نسبت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی کنیت ابوالقاسم رکھ دی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب ان کی والدہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شادی کر لی تو اس تقریب سے محمد بن ابی بکر کو آغوش مرتضوی میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خونِ ناحق کے دھبوں سے محمد بن ابی بکر کا دامن بھی پاک نہیں تھا۔ لیکن حافظ ابن عبدالبر نے اس کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ لم یند محمد بن ابی بکر من دم عثمان بشیء ''حضرت عثمان کے خون سے محمد بن ابی بکر کا دامن ذرا بھی تر نہیں ہوا۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب یہ کہا کہ محمد! اگر تیرا باپ تجھ کو اس حالت میں دیکھتا تو ہرگز اسے پسند نہ کرتا، تو محمد بن ابی بکر فوراً باہر نکل گئے۔

وفات نہایت اندوہناک طریقہ پر ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ۳۷ھ میں مصر کا والی بنا کر بھیجا تھا۔ جب یہ مصر پہنچے تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کر دیا، دونوں میں جنگ ہوئی، محمد بن ابی بکر شکست کھا

Marfat.com

گئے اور سپرِ دِ تیغ کر دیئے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خبر ہوئی تو بے حد ملال ہوا اور ان کے بیٹے قاسم کو اپنی تربیت میں لے لیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تربیت کا یہ اثر تھا کہ حضرت قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اپنے عہد کے فقہائے سبعہ میں ہوتا ہے۔

حضرت اُمّ کلثوم بنت ابی بکر رحمہا اللہ

ابتدائی حالات، شرف اور فضائل

حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا جلیل القدر صحابی، خلیفہ اول، رسول اللہ ﷺ کے رفیق غار، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی اور نبی کریم ﷺ کی سب سے چہیتی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمشیرہ تھیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہ جلیل القدر صحابیہ ہیں جن میں اتنی خوبیاں جمع ہو گئیں تھیں جو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تمام ہم عصر خواتین میں دکھائی نہیں دیتی تھیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دادی ام الخیر سلمٰی بنت صخر ہیں جنہیں صحابیہ ہونے اور شروع میں اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمشیرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، صدیق اکبر کی بیٹی، رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ، تمام امت کی خواتین میں سے زیادہ عالمہ، فاضلہ اور فقیہہ تھیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دوسری ہمشیرہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں جنہیں ''ذات النطاقین'' ہونے کا انتہائی منفرد اعزاز حاصل ہے آپ کے بھائی عبدالرحمان، عبداللہ اور محمد جرنیل اور بہادر صحابہ کرام میں سے تھے۔ آپ کے خاوند رسول پاک ﷺ کے دلدادہ، اسلام میں سبقت کی سعادت حاصل کرنے والے، لسان رسالت سے جنت کی بشارت پانے والے، مخیرّ سخی، سیدنا طلحہ بن عبید اللہ ہیں۔ یہ جلیل القدر اور عظیم المرتبت تابعیہ ام کلثوم بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کی والدہ حبیبہ بنت خارجہ الانصاریہ الخزرجیہ تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے شادی کی۔

Marfat.com

حضرت ام کلثوم بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابھی اپنی والدہ کے بطن میں ہی تھیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی لاڈلی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا ''بیٹا اپنی نومولود بہن کا خیال رکھنا اور اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رضائے الٰہی سایہ فگن تھی کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیٹی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نام وہ زمین ہبہ کردی جو حضور پاک ﷺ نے آپ کو مدینہ منورہ کی بالائی جانب عطا کی تھی اور آپ نے اسے قابل کاشت بنایا اور اس میں درخت لگائے، نیز کھیتی باڑی کی۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ کی زوجہ محترمہ حبیبہ بنت خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حالت حمل میں تھیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوچا کہ مال ورثا کو لوٹا دیا جائے۔ ان کے دل میں یہ شدید خواہش کارفرما تھی کہ دنیا سے اپنے تمام معاملات صاف کر کے رخصت ہوا جائے اور اپنے اللہ سے ملاقات اس حالت میں کی جائے کہ کوئی بات ایسی نہ رہ جائے کہ جس سے اللہ کے ہاں مواخذے کا اندیشہ ہو۔ لہٰذا اپنی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے پاس بلایا اور ان سے کہا۔

''میری بیٹی! میرے بعد تونگری اور مال و دولت کے اعتبار سے تو مجھے سب لوگوں سے زیادہ منظور نظر اور عزیز ہے اور فقر و افلاس کے اعتبار سے بھی مجھے سب لوگوں سے زیادہ عزیز از جان ہے۔ تم جانتی ہو کہ میں نے تمہیں زمین عطا کی تھی جس پر تم ہمیشہ کیلئے قابض رہنا تو نہیں چاہتیں۔ بیٹا میری دلی خواہش ہے کہ تم وہ زمین مجھے واپس کر دو تاکہ میں اسے اللہ کی کتاب قرآن پاک کی روشنی میں ورثا میں تقسیم کردوں۔ یہ دراصل وارثوں کا مال ہے۔ یہ تیرے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ''میری ایک بہن اسماء تو ہیں۔ یہ دوسری بہن کون سی ہیں۔؟'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''مجھے القاء ہوا ہے کہ حبیبہ بنت خارجہ کے بطن میں جو ہے وہ لڑکی پیدا ہوگی۔ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیسے کہا تھا ویسے ہی ہوا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جنم لیا۔

خلیفہ دوئم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جزیرہ عرب، ایران اور مصر فتح ہو چکے تھے۔ اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ میں مسند خلافت پر رونق افروز تھے۔ آپ کی گھریلو زندگی اس قدر سادہ تھی کہ صرف اتنی چیز پر گزارہ کرتے جس سے جسم و جان کا رشتہ قائم رہے۔ غذا اور لباس میں بہت ہی تھوڑی چیز پر قناعت کرتے اور زیادہ کی حسرت اور تمنا دل میں موجود ہی نہ تھی۔ ہر کوئی مرد و زن ایسی زندگی کی تمنا و خواہش ہرگز نہیں رکھتا۔ ایسے حالات و واقعات کی روشنی میں یہ کوئی تعجب اور حیرت کی بات نہیں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی خاتون کو نکاح کا پیغام دیں اور وہ صاف انکار کر دے جیسا کہ ام البنین بنت عتبہ بن ربیعہ کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے نکاح کا پیغام دیا گیا تو اس نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ وہ تو ایک ایسا شخص ہے جسے آخرت کی فکر نے دنیا ہی فراموش کرا دی ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے وہ اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ کچھ ایسی ہی صورتحال حضرت ام کلثوم بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیساتھ پیش آئی۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا پیغام نکاح

ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ شادی کا پیغام ان کی بہن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچایا۔ انہوں نے فرمایا، ٹھیک ہے"۔ پھر اپنی بہن حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ کہنے لگیں مجھے ضرورت نہیں میں ان سے شادی نہیں کروں گی، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا۔" ارے تم امیر المومنین کو ٹھکراتی ہو"! اس نے کہا:" ہاں وہ معاشی طور پر خشک اور بیویوں کے ساتھ سخت گیر ہیں اور میں اس طرز معیشت اور معاشرت میں نباہ نہیں کر سکتی"۔

اس موقع پر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صاف انکار کرنے سے گریز فرمایا۔ انہوں نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صورتحال سے آگاہ فرمایا اور یہ معاملہ ان کے حوالے کر دیا گیا۔ اور فرمایا کہ آپ اس معاملے کو زیادہ خوش اسلوبی سے نپٹ سکتے ہیں، حسنِ تدبیر سے کام لیں۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آپ بے فکر رہیں۔ میں اسے

Marfat.com

اچھے انداز سے نپٹا دوں گا۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے کہا کہ امیر المومنین مجھے ابھی ایک اطلاع ملی ہے اور میں خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ کو بچا سکوں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ''وہ کیا؟'' انہوں نے کہا، ''مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ نے ام کلثوم بنت ابی بکر کو نکاح کا پیغام بھیجوایا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ہاں کیا بات ہے؟ کیا تم مجھے اس سے منحرف کرانے کیلئے آئے ہو یا اسے مجھ سے بے رغبتی اختیار کرنے کی تدبیر لے کر آئے ہو۔ انہوں نے کہا: ان دونوں میں کوئی بات نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ ایک نوعمر ہے۔ اور امیر المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نگرانی میں بڑے ناز ونعم کے ماحول میں پرورش پائی ہے۔ آپ سخت گیر ہیں اور ہم بھی آپ سے ڈرتے ہیں۔ ہم آپ کی ان عادات کو بدل نہیں سکتے۔ اگر اس نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کسی بات کو ماننے سے انکار کر دیا اور آپ نے غصے میں آ کر اس کی پٹائی کر دی تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلا کے ذہین شخص تھے۔ وہ سمجھ گئے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی طرف سے یہ باتیں نہیں کر رہے بلکہ ضرور یہ کسی کا واسطہ ہے۔ میری اور اس کی یہ نمائندگی کر رہے ہیں۔ یہ کسی طرف سے کوئی رکاوٹ کھڑی کی گئی ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا (گویا اس رکاوٹ کو وہ بھانپ گئے تھے) ''کیا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ نے بات کی ہے۔'' عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ ''امیر المومنین انہی کی تو میں نمائندگی کر رہا ہوں۔ میں آپ کو اس سے بہتر رشتہ بتاتا ہوں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب کا رشتہ طلب کریں۔ اس طرح آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نسبتی تعلق رسول اللہ ﷺ سے قائم ہو جائے گا۔ بعد میں ایسا ہی ہوا۔

علمِ حدیث وفقہ میں خدمات

ایک اہم بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ورثاء میں آپ

Marfat.com

کے والد ابو قحافہ، دونوں بیویاں اسماء بنت عمیس اور حبیبہ بنت خارجہ، اولاد میں عبدالرحمان، محمد، عائشہ صدیقہ، اسماء اور ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے باپ کی وصیت کا خوب خیال رکھا اور اپنی بہن ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہت اچھی طرح حفاظت کی۔ جب ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا جوان ہوئیں تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک شفیق ماں کی طرح ان کا خیال رکھا تا کہ کوئی تکلیف اور پریشانی ان کے قریب نہ آئے۔ ان کو علم و عرفان کی تلقین فرمائی اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیث اور فقہ کا علم حاصل کیا اور ان سے حدیث روایت کرنے کا عمدہ شرف بھی حاصل ہوا۔ انہیں حدیث رسول اللہ ﷺ کی حافظہ ہونے کا فیض حاصل ہوا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ثقہ خواتین میں سے ایک ہیں جن سے احادیث روایت کی گئیں۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کثیر تعداد میں اہل علم و فضل نے احادیث روایت کیں۔ جن میں مشہور و معروف جلیل القدر صحابی حضرت جابر بن عبداللہ انصاری کا نام سر فہرست ہے۔ یہ عمر میں حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑے تھے اور یہ ان تابعات میں سے ہیں جن سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے احادیث روایت کیں۔

حضرت ام کلثوم بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ان کے بیٹے ابراہیم بن عبدالرحمان بن عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی نے روایت کیا ہے۔ علاوہ ازیں طلحہ بن یحییٰ بن طلحہ، مغیرہ بن حکیم صنعانی اور جیر بن حبیب نے روایت کیا۔ امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی صحیح میں، امام ترمذی نے اپنی سنن میں حضرت ام کلثوم بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایات کو نقل کیا ہے جسے ام کلثوم بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا۔ وہ فرماتی ہیں۔ "ایک رات حضرت پاک ﷺ نے عشاء کی نماز میں تاخیر کی۔ یہاں تک کہ رات کا کافی حصہ بیت گیا۔ اہل مسجد سو گئے۔ پھر آپ ﷺ حجرے سے نکلے، نماز ادا کی اور کہا۔ اس کا وقت ہے اگر میں اپنی امت کے لئے دشواری نہ سمجھتا تو اس کا یہی وقت مقرر کر دیتا۔

ازدواجی زندگی

حضرت ام کلثوم بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی حضرت طلحہ بن عبیداللہ

Marfat.com

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی۔ اور ان سے زکریا، یوسف اور عائشہ بنت طلحہ پیدا ہوئے۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے شوہر کے ساتھ ایک مومنہ اور عابدہ کے روپ میں خوشگوار زندگی بسر کی۔ یہ ایک بہترین بیوی اور بچوں کے حق میں ایک بہترین ماں ثابت ہوئیں۔ لوگ کسی خاتون کی بیٹی، بیوی یا والدہ ہونے کی حیثیت سے جب تعریف کرتے ہیں تو ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہر روپ میں ایک مثالی خاتون نظر آتی ہیں۔ یہ ان کا حق معلوم ہوتا ہے کہ ان کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد......!

حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۳۶ ہجری میں اپنے خاوند کے ساتھ جنگ جمل میں شریک ہوئیں۔ وہ اس جنگ میں قتل کر دیئے گئے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقی رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہیں اپنے ساتھ مکہ معظمہ لے گئیں اور وہاں حج ادا کیا۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کے بعد حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی عبد الرحمان بن عبد اللہ ابی ربیعہ مخزومی کے ساتھ ہوئی جو مشہور و معروف شاعر عمر بن ابی ربیعہ کے چچا تھے۔ ان کے ہاں عثمان، ابراہیم، ام حمید اور اُم عثمان پیدا ہوئے۔

وفات

حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مدینہ منورہ میں اپنی ہمشیرہ کے زیر سایہ نہایت علمی ماحول میں اپنی زندگی گزاری۔ تاریخ کے تناظر میں یہ حتمی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کب اور کہاں ہوئی۔ قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی۔ ظاہری طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات اپنی ہمشیرہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد ۵۸ ہجری میں ہوئی۔ یوں یہ جلیل القادر اور بلند اخلاق خاتون ام کلثوم بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کتاب زندگی مکمل ہوئی۔ وہ ہر لحاظ سے ایک بہترین بیٹی، بہترین بیوی، بہترین ماں، بہترین شاگردہ، بہترین معلمہ اور حدیث کی نہایت عظیم المرتبت راویہ ہوئیں۔ تمام خواتین کے لئے آپ اسلامی زندگی کا ایک شاندار نمونہ ہیں۔

Marfat.com

(۴) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

ولادت باسعادت

خلیفۂ دوم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ۵۹۰ء میں اس دنیا میں تشریف لائے۔ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پیدائش عربوں کی دوسری بڑی لڑائی ''فجار اعظم'' کے آغاز سے چار سال قبل ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوحفص یعنی ابوالاسد ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ فاروق کے لقب سے شہرت یافتہ ہوئے اور مستند روایات کے مطابق یہ لقب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو عطا کیا تھا۔ اس لقب کا مطلب ہے ''حق و باطل میں انصاف کرنے والا۔''

سلسلۂ نسب

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلسلۂ نسب اس طرح سے ہے:

عمر بن خطاب بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن قیراط بن عدی بن کعب بن لوی۔

آپ چونکہ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے والد بھی ہیں اس لحاظ سے اپ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سسر ہونے کا مقدس شرف بھی حاصل ہے۔ بعثتِ نبوی کے سال میں ۲۵ سالہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روئیں تن، قوی الجثہ اور دلاور جوانِ قریش تھے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک متوسط الحال قریشی نوجوان کی سہولیات تو حاصل تھیں لیکن ناز و نعم سے سابقہ نہ ہوا تھا۔ اپنی جوانی کے ابتدائی دور میں اپنے حد درجہ شعلہ

Marfat.com

مزاج والد کی سختیوں کا شکار ہونا پڑا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ سے قریب ایک جگہ ضجنان سے گزر رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ دن بھی کبھی تھے کہ میں اس جگہ اپنے والد خطاب کے اونٹ چرایا کرتا تھا اور اس کام کے انجام دینے میں مجھ سے زیادہ صاحبِ اقتدار نہیں۔''

قبولِ اسلام

عبداللہ بن ثعلبہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ۴۵ مردوں اور اکیس خواتین کے بعد مسلمان ہوئے۔ آپ بہت مضبوط ڈیل ڈول کے مالک تھے۔ لوگوں کے درمیان چلتے تو یوں محسوس ہوتا جیسے کسی پہ سوار ہوں۔ آپ بعثتِ نبوی کے چھٹے سال میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپ کا اسلام لانا بجائے خود ایک فتح و نصرت کا واقعہ تھا۔ آپ کا مدینہ جانا اسلام کے لئے زبردست اعانت ثابت ہوا۔ مدینہ میں آپ نے خود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور مسلمانوں کا سب سے بڑا خیر خواہ اور خیر اندیش ثابت کیا۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بحوالہ مسلم لکھا ہے کہ ہم سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے قبولِ اسلام کا واقعہ اس طرح خود فرمایا ہے کہ میں حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت ترین دشمن تھا۔ گرمی کا موسم تھا، میں مکہ کی ایک گلی سے گزر رہا تھا کہ ایک آدمی مجھے ملا اور مجھ سے کہا کہ ''اے عمر! بڑی حیرانی کی بات ہے کہ تم تو بہت کچھ سمجھتے ہو اور تمہارے گھر میں وہ کام ہو جائے جس کی تم کو خبر تک نہ ہو۔'' میں نے اس آدمی سے پوچھا کہ ایسی کون سی وہ بات ہے جس کو عمر نہیں جانتا۔ اس شخص نے کہا کہ تمہاری بہن تو مسلمان ہوگئی ہے۔ یہ سننا ہی تھا کہ میں غصے کے عالم میں واپس پلٹا اور سیدھا بہن کے گھر کی طرف چل پڑا اور اپنی بہن کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے آواز آئی، کون ہے؟ میں نے کہا، عمر ہوں۔ اندر جو افراد موجود تھے وہ گھبرا گئے اور مجھ سے خوفزدہ ہو گئے اور وہ ایک کتاب پڑھ رہے تھے۔ جلدی میں وہ کتاب اٹھانا بھول گئے اور وہ باہر ہی پڑی رہ گئی۔ میری بہن نے دروازہ کھولا، اسے دیکھتے ہی میں نے کہا کہ ''اے دشمنِ جاں! تو کیوں بے ایمان ہوگئی؟'' اور بھی میں نے سخت زبان استعمال کی اور غصے کے عالم میں اپنی بہن کو ڈانٹا اور کہا کہ تو دین سے ہٹ گئی

Marfat.com

ہے۔ کچھ مورخین کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ڈنڈا اور کچھ مورخین کے مطابق آپ کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ روایت ہے کہ انہوں نے تلوار اپنی بہن کے سر میں ماری اور سر سے خون جاری ہوگیا۔ (تلوار سے مراد تلوار کا دستہ ہوسکتا ہے) بہن نے روک کر مجھ سے کہا کہ عمر! میں بے دین ہوگئی یا جو کچھ بھی ہوگئی، جو کچھ میری سمجھ میں آیا وہ میں نے کرلیا۔ یہ سن کر میں اندر گیا اور تخت پر جا کر بیٹھ گیا۔ وہاں پر میں نے ایک کتاب رکھی ہوئی دیکھی۔ میں نے بہن سے کہا کہ یہ کیا ہے؟ میرے پاس لاؤ۔ بہن نے جواب دیا کہ تم اس کو ہاتھ لگانے کے اہل نہیں۔ اس کو پاک لوگ ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ میں نے اصرار کیا، وہ اصرار پر مجبور ہو کر وہ کتاب میرے پاس لے آئی۔ میں نے اس کتاب کو کھولا تو شروع میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' لکھا ہوا تھا۔ خدائے بزرگ و برتر کے نام کی ہیبت سے میں کانپ گیا اور وہ مقدس کتاب ہیبت کے باعث میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔

جب کچھ دیر کے بعد میرے اوسان بحال ہوئے تو میں نے پھر اسے اٹھا کر پڑھا۔ اس مرتبہ میری نظر اس آیت کریمہ پر پہنچی: (ترجمہ) ''جو کچھ زمین و آسمان میں ہے سب اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں) مجھ پر لرزہ طاری ہوگیا۔ تیسری مرتبہ جب میں نے اسے پڑھا اور جب میں اس آیت پر پہنچا، امنوا باللہ و رسولہ (اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ) تو بے اختیار میری زبان سے نکلا ''اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ'' یہ سن کر تمام لوگ جو گھر میں موجود تھے، میری طرف دوڑے اور سب نے زور سے تکبیر کہی اور مجھے مبارک باد دی۔ پیر کے دن نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے ہی دعا فرما چکے تھے کہ اے اللہ رب العزت! اپنے دین کے ان دو دشمنوں ابوجہل بن ہشام یا عمر بن الخطاب میں سے جسے تو چاہے اس کے ذریعے اپنے دین کو غلبہ عطا فرما۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت کوہِ صفا کی وادی کے مکان میں تشریف رکھتے تھے۔ یہ لوگ مجھے وہاں لے گئے۔ میں ن ے وہاں جا کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے پوچھا ''کون ہے؟'' میں نے عرض کیا کہ ''میں عمر ہوں''۔ چونکہ سارے لوگ میری دشمنی اور عداوت سے واقف تھے لہٰذا میرا نام سن کر کسی نے دروازہ کھولنے کی ہمت نہ کی۔ یہاں تک کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دروازہ کھول دو۔'' لوگوں نے دروازہ کھول دیا اور

Marfat.com

دو افراد نے میرے بازو پکڑ لئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہیں چھوڑ دو۔ پھر آپ نے میرا دامن پکڑا اور مجھے اپنی طرف کھینچا اور فرمایا کہ عمر مسلمان ہو جاؤ۔ الٰہی! عمر کو ہدایت دے۔ میں نے فوراً کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمانوں نے اس زور سے تکبیر کہی کہ مکہ کی گلیوں میں اس تکبیر کی آواز پہنچی۔ لوگ ڈر گئے اور مجھ سے مار پیٹ کی کسی میں ہمت نہ ہوئی۔ جب میں باہر نکلا تو کچھ دھینگا مشتی ضرور ہوئی لیکن میں کسی بھی چوٹ سے محفوظ رہا۔ یہاں سے میں اپنے ماموں ابوجہل بن ہشام کے پاس گیا اور میں نے اس کے دروازے پر دستک دی۔ اس نے پوچھا کہ کون ہے؟ میں نے کہ میں عمر ہوں۔ اور میں نے تیرا دین چھوڑ دیا ہے۔ اس نے کہا کہ عمر ایسا مت کہنا اور پھر خوف کے باعث اندر سے دروازہ بند کر لیا اور میں اسی طرح باہر کھڑا رہا۔ پھر میں نے اس سے کہا کہ اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ کی شخصیت

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے متعلق ایک بات بہت اہم ہے کہ آپ کی شخصیت بیک وقت سخت گیری اور رقت و نرمی کا مرقع تھی۔ ہمیں اس بارے میں علم نہیں کہ جاہلیت میں آپ کبھی روئے ہوں۔ لیکن اسلام کے بعد جلد گریہ طاری ہو جاتا۔ قبیلہ قریش کی سفارت کے فرائض بھی آپ رضی اللہ عنہ کے ذمہ تھے۔ قبیلوں کے باہمی فیصلے کرنے اور جھگڑے نمٹانے کے لئے آپ رضی اللہ عنہ کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ بلاشبہ فصاحت و بلاغت میں کوئی آپ رضی اللہ عنہ کا ثانی نہ تھا۔ مردانگی اور رعب و ہیبت کا یہ عالم تھا کہ ہجرت کا سفر بھی چھپ کر نہ کیا بلکہ پہاڑی پر چڑھ کر قریش کے سرداروں کو بانگِ دہل پکار کر کہا: ''اسلام کے دشمنو! جان لو کہ عمر مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت کر رہا ہے۔''

اولین خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے مرض وفات کے زمانہ میں ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین یعنی خلیفہ راشد دوم مقرر فرما دیا تھا۔ ان کی وفات کے بعد اگلی صبح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (روایات کے مطابق) منبر پر چڑھے اور فرمایا کہ ''عربوں کی مثال ایسی ہے جیسے نکیل میں بندھا ہوا اونٹ جو اپنے قائد

Marfat.com

کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ لہٰذا قائد کا یہ فرض ہے کہ سوچ سمجھ کر قیادت کرے اور قسم ہے ربّ کعبہ کی، ان کو سیدھے راستے پر لے چلوں گا۔''

آپ جب خلیفہ دوم مقرر ہوئے تو مسلمان آپ کو اس طرح پکارتے تھے۔ ''اے خلیفۂ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ! آپ نے فرمایا کہ اس طرح خطاب بہت طویل ہو جائے گا، تم مومنین ہو اور میں تمہارا امیر ہوں۔ اس طرح آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''امیر المومنین'' پکارا جانے لگا۔ ابن سعد رحمہ اللہ، ذکوان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام فاروق کس نے رکھا؟ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔ ابن ماجہ و حاکم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا کہ ''اے محمد! آسمان والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔''

ابن سعد اور طبرانی رحمہ اللہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ گویا اسلام کی فتح تھی۔ آپ کی ہجرت نصرت تھی اور آپ کی امامت رحمت تھی۔ ہم میں یہ ہمت و طاقت نہ تھی کہ ہم بیت اللہ شریف میں نماز پڑھ سکیں لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو آپ نے مشرکین سے اس قدر جلال و قتال کیا کہ عاجز آ کر انہوں نے ہمارا پیچھا چھوڑ دیا اور ہم بیت اللہ شریف میں اطمینان سے نماز ادا کرنے لگے۔ اسی طرح طبرانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جس نے سب سے اوّل اپنا اسلام علی الاعلان ظاہر کیا وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایمان لائے تب اسلام ظاہر ہوا، (ورنہ لوگ اپنا اسلام لانا ظاہر نہ کرتے تھے) اسلام کی طرف لوگوں کو کھلم کھلا بلایا جانے لگا اور ہم کعبہ کے گرد بیٹھے، طواف کرنے، مشرکین سے بدلہ لینے اور ان کا جواب دینے کے قابل ہوئے۔

Marfat.com

آپ بحیثیت خلیفہ راشد

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پالیسی کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ تمام انسانوں کو سچا اور بے لاگ انصاف مل سکے۔ خلافت کا بار سنبھالنے پر اور جنگ و صلح کے دور کے مسائل سے نبرد آزما ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بعض ایسی صفات ظاہر ہوئیں جو اس سے پہلے کسی کو معلوم نہ تھیں۔ ابھی تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تلوار تھے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب چاہتے بے نیام فرماتے۔ ایسے ہی خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی آپ رضی اللہ عنہ ایک ایسی شمشیر خلافت تھے جسے ضرورت کے وقت بے نیام کیا جا سکتا تھا، لیکن بارِ خلافت سنبھالتے ہی آپ نے ایک ایسا احساسِ ذمہ داری اپنے اوپر مسلط پایا جو احاطہ تحریر میں آئی ہوئی عالمی تاریخ کا کوئی خلیفہ یا حاکم اپنے اندر پیدا نہ کر سکتا تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جس سے خداوند عزّ وجلّ سب سے اول مصافحہ فرمائیں گے اور سلام بھیجیں گے اور ہاتھ پکڑ کر جنت داخل کریں گے وہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو ایک کنویں پر دیکھا جس پر ڈول پڑا ہوا تھا، چنانچہ میں نے کنویں سے کئی ڈول کھینچے۔ پھر بھرا ہوا ایک ڈول ابوبکر نے کھینچا لیکن اس کام میں انہوں نے کچھ ضعف محسوس کیا (اللہ ان پر اپنا کرم فرمائے) پھر عمر آئے اور انہوں نے کئی ڈول کھینچے اور اس طرح کھینچے کہ کسی جوان مرد کو میں نے اس طرح ڈول کھینچتے ہوئے نہ دیکھا۔ پھر چاروں طرف سے پیاسے لوگ آئے اور خوب سیراب ہوئے۔

دریائے نیل......اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا خط

اسی طرح ابن حجاج کی روایت ہے کہ جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر فتح کیا تو بہت سے لوگ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ہماری کھیتی باڑی کا انحصار دریائے نیل کے پانی پر ہے۔ جب دریائے نیل

خشک ہو جاتا ہے تو ایک قدیم طریقے (ٹوٹکے) کے بغیر اس میں پانی نہیں چڑھتا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ وہ قدیم طریقہ کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ جب چاند کی گیارہ تاریخ آتی ہے تو ہم ایک کنواری لڑکی کا انتخاب کر کے اس کے والدین کی رضامندی سے اسے اعلیٰ درجے کے کپڑے اور زیورات پہنا دیتے ہیں اور پھر اس کو دریائے نیل کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ پس اس مرتبہ بھی دریا میں پانی نہیں ہے لہٰذا ہمیں بھینٹ چڑھانے کی اجازت دی جائے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ تمام لغو اور بے سروپا باتیں ہیں۔ اسلام تو ان تمام باطل باتوں اور واہموں کو مٹانے آیا ہے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے اجازت نہ دی اور دریائے نیل بالکل خشک ہو گیا۔ بہت سے لوگ ترکِ وطن پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے تمام واقعہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو آگاہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ خط پڑھا تو آپ نے ان کو جواب میں لکھا کہ تم نے مصریوں کو بہت اچھا جواب دیا۔ اسلام ان تمام لغو باتوں کو مٹانے آیا ہے، میں اس خط کے ہمراہ ایک رقعہ ملفوف کر رہا ہوں۔ اس کو دریائے نیل میں ڈال دینا۔ جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس وہ خط آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس رقعہ کو پڑھا اس میں لکھا تھا کہ:

> ''اللہ تعالیٰ کے بندے عمر امیر المومنین کی طرف سے دریائے نیل کو معلوم ہو کہ اگر تو خود بخود جاری ہوتا ہے تو مت جاری ہو، اور اگر تجھے اللہ تبارک وتعالیٰ جاری فرماتا ہے تو میں اللہ واحد وقہار ہی سے استدعا کرتا ہوں کہ تجھے جاری کر دے۔''

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس رقعہ کو صلیب ستارہ کے طلوع ہونے سے قبل ہی دریائے نیل میں ڈال دیا۔ جب اہل مصر صبح خواب سے بیدار ہوئے تو دیکھا کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح جاری کر دیا ہے کہ معمول سے سولہ گز پانی زیادہ چڑھ گیا ہے اور اسی دن سے اہل مصر میں مذموم اور جاہلانہ رسوم ورواج کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بہ حیثیت ایک حکمران جو سب سے بڑی صفت تھی وہ یہ کہ آپ رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھا رکھی تھی کہ عوام کے ساتھ ناانصافی اور ظلم کرنے

Marfat.com

والے سے قصاص حاصل کریں گے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہم بیت المال سے مسلمانوں کو کھلاتے رہیں گے اور جب دیکھیں گے کہ بیت المال خالی ہو چکا ہے تو محتاجوں کو حسبِ حیثیت دولت مندوں کے گھروں میں داخل کر دیں گے تا کہ کوئی مسلمان بھوکا نہ رہے۔
لیکن شعبہ مالیات میں آپ کی نظریں ایک اور مساواتی راستہ بھی دیکھ رہی تھیں جس پر آپ کافی دور تک چل چکے تھے۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کچھ عرصہ مزید دنیا میں رہتے تو تاریخ اسلامی ہمیں حیرت انگیز واقعات سے لبریز نظر آتی۔ ایک واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک مرتبہ زلزلہ آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے خدا کی حمد و ثنا کرنے کے بعد زمین پر درہ مارا اور فرمایا۔ "تو کیوں کانپتی ہے۔ عمر نے تجھ پر عدل و انصاف نہیں کیا۔" اور زلزلہ ختم ہو گیا۔

آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہ جلیل القدر ہستی ہیں کہ آپ کے دل میں کبھی یہ خیال تک نہ گزرا کہ آپ اس قدر وسیع و عریض سلطنت چلا رہے ہیں جو اپنے اندر غیر معمولی فتوحات رکھتی ہے۔ وہ تو اس بات کو ایک حیرت خیال کرتے اور تنہائی میں اپنے نفس کو یاد دلاتے تھے کہ "اے خطاب کے لڑکے! آج تو امیر المومنین بن گیا ہے، کل تک اسلام سے قبل تو ایک چرواہا تھا، لوگ ابھی یہ نہیں بھولے۔"
لیکن پھر وہ وقت بھی آیا جب اس عظیم منتظم، بے مثال فقیہ، عادل اعظم اور انسانی مساوات کے جلیل القدر علمبردار، فقید المثال کردار کے حامل حکمران نے اس دنیا سے رخصت ہونا تھا۔ ۲۶/ذی الحجہ ۲۳ ہجری (۶۴۷ء) کی صبح فجر کی نماز پڑھانے سے قبل آپ رضی اللہ عنہ صفیں درست کروا رہے تھے کہ مسجد کے گوشے میں چھپے ہوئے ابولولؤ نامی ایک شخص نے آپ پر خنجر سے حملہ کر دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے۔ لوگوں نے اس حملہ آور کو پکڑنے کی کوشش کی تو اس نے مزید ۱۲، افراد کو زخمی کر دیا۔ قابو آ جانے پر اس نے خود ہی اپنا خاتمہ کر لیا۔ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زخمی حالت میں اٹھا کر گھر لا رہے تھے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ فرماتے رہے: "اللہ کے احکامات معین وقت

Marfat.com

میں نافذ ہوتے ہیں۔“

پھر آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ تحقیق کرنے کیلئے بھیجا کہ معلوم کریں حملہ آور کون تھا۔ انہوں نے جب آ کر بتایا کہ ابولولؤ مغیرہ بن شعبہ کا غلام ہے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”شکر ہے، یہ مکروہ فعل کسی غیر مسلم سے سرزد ہوا۔“

اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو بھیجا کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جا کر ان کی یہ خواہش بتائیں کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جوار میں دفن ہونے کی اجازت چاہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ”بخدا یہ جگہ میں نے اپنے لئے منتخب کر لی تھی، لیکن آج کے دن میں اسے قربان کیے دے رہی ہوں۔“

اجازت ملنے پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اللہ کا شکر ہے، میرے لئے سب سے اہم چیز یہی تھی۔“

اس مہم کے سر ہونے کے بعد آپ نے خلافت کے معاملہ کو چھ افراد کی ایک کونسل کے سپرد کر دیا جو حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت زبیر بن العوام اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر مشتمل تھی۔ پھر آپ کو بیت المال کا قرض واپس کرنے کی فکر لاحق ہوئی اور فرمایا کہ میری وفات کے بعد میری آل اولاد یہ قرض چکا دے۔ اگر پھر بھی قرض باقی رہ جائے تو میرے قبیلہ بنی عدی سے رجوع کیا جائے اور اس کے بعد اہل قریش سے۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ قرض انہیں واپس کرنے کو کہا تھا بلکہ یہ اس تمام رقم کا مجموعہ تھا جو انہوں نے اپنے اور اپنی اولاد کی کفالت کیلئے بیت المال سے لی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کو ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ رقم ادا ہو گئی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ادائیگی کی رسید لے لی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے کو یہ بھی ہدایت کی تھی کہ ان کے کفن کا کوئی خاص اہتمام نہ کریں کیونکہ آخرت میں صرف نیکیاں کام آئیں گی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی وصیت فرمائی۔

عکرمہ بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی

Marfat.com

اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ایک روز عرض کیا کہ اگر آپ عمدہ غذا کھائیں تو خلافت کے امور زیادہ مستعدی سے انجام دیں گے اور امر حق پر بھی اور زیادہ قوی ہو جائیں گے۔ آپ نے فرمایا: ''بچو! اس مشورے کا شکریہ، لیکن میں نے اپنے دونوں دوستوں یعنی حضور پاک ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک خاص طریقہ کا پابند دیکھا ہے کہ اگر میں ان کی روش اور دستور کے مطابق عمل نہیں کروں گا تو ان کی منزل کس طرح حاصل کر سکوں گا۔ لوگوں کا بیان ہے کہ قحط سالی میں جو ایک سال تک جاری رہی، ایک سال تک متواتر آپ رضی اللہ عنہ نے گھی اور گوشت تناول نہیں فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہ اکثر صوف کا لباس پہنتے تھے جس میں چمڑے کا پیوند لگا ہوتا حالانکہ آپ رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد (امیر المومنین) تھے اور اسی لباس میں درّہ لیے ہوئے بازار تشریف لے جاتے اور اہل بازار کو ادب و تنبیہ فرماتے تھے۔

ابن عساکر سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ طویل قامت اور فربہ اندام شخص تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے بال بہت زیادہ جھڑے ہوئے تھے۔ رنگ گورا چٹا تھا جس میں سرخی جھلک مارتی تھی۔ گال اندر کو دھنسے ہوئے تھے اور مونچھیں بہت لمبی تھیں اور ان کے اطراف میں بھی سرخی تھی۔ ابن عساکر کی تاریخ موجود ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ ابوجہل کی بہن تھیں (اس رشتہ سے ابوجہل آپ رضی اللہ عنہ کا ماموں تھا) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت ہی میں ماہِ جمادی الآخر ۱۳ ہجری کو خلافت کے لئے نامزد ہو گئے تھے۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جس روز انتقال ہوا، آپ رضی اللہ عنہ اسی روز منتخب ہو گئے تھے یعنی بروز سہ شنبہ ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ ہجری۔

جنگوں اور فتوحات کا اجمالی خاکہ

آپ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بے حد فتوحات ہوئیں۔ ۱۴ ہجری میں دمشق صلح اور جنگ سے فتح ہوا، اس کے بعد حمص، بعلبک پر قابض ہوئے۔ اسی سال بصرہ اور ابلیہ فتح ہوئے۔ ۱۵ ہجری میں اردن اور طبریہ فتح ہوا۔ یرموک و قادسیہ پر زبردست جنگیں

Marfat.com

ہوئیں۔ اسی سال حضرت سعد نے کوفہ کا شہر بسایا۔ ۱۴ ہجری میں اہواز اور مدائن بھی فتح ہوئے۔ اسی سال قزوین اور سروج اور حلب انطا کیہ اور منبج بھی فتح ہوئے۔ اسی سال قرقسیا مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ ۱۸ ہجری میں نیشا پور اور حلوان مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے۔ اسی سال سحاط، حران، نصیبین اور بعض جزائر فتح ہوئے۔ موصل اور اس کے اطراف کے علاقے جنگ سے فتح ہوئے۔ ۱۹ ہجری میں قیساریہ قبضہ میں آیا۔ ۲۰ ہجری میں مصر جنگ کے بعد فتح ہوا۔ ۲۱ ہجری میں اسکندریہ اور نہاوند فتح ہوئے۔ ان تمام فتوحات کے بعد عجم کے ممالک میں کوئی سرکشی باقی نہ رہی اور ایک عظیم الشان سلطنت مسلمانوں کے زیر نگیں آ گئی۔

شہادت کے وقت لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ یا امیر المومنین آپ کو وصیتیں کرنا ہیں تو کر دیجئے اور کسی کو خلافت کیلئے منتخب کرنا چاہیں تو اس کی نشاندہی کر دیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس کام کیلئے ماسوائے ان چھ شخصیات کے جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم راضی اور خوش رہ کر دنیا سے تشریف لے گئے ہیں کسی اور کو حق دار نہیں سمجھتا ہوں۔ پھر آپ نے ان چھ شخصیات (جن کا ذکر ہو چکا ہے) کے نام لئے اور فرمایا کہ مجلس شوریٰ کے انتظام میں عبداللہ ابن عمر ہاتھ بٹائیں گے لیکن خلافت سے انہیں کوئی سروکار نہ ہو گا۔ اگر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ منتخب ہو جائیں تو وہ اس کا استحقاق رکھتے ہیں وگرنہ ان چھ میں سے جس کو چاہیں منتخب کر لیں اور میں نے سعد کو کسی خیانت، کسی عجز کی بنا پر (امارت سے) معزول نہیں کیا تھا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا کہ میں اپنے بعد منتخب ہونے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور تمام مہاجرین وانصار اور تمام رعایا کے ساتھ نیکی سے کام لے اور اس قسم کی بے شمار وصیتیں فرمائیں اور پھر اپنی جان اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دی۔

روایت ہے کہ جب آپ رضی اللہ عنہ کا جنازہ تیار ہو گیا اور لوگ جب آپ کا جنازہ اٹھا کر روانہ ہوئے تو اس وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضری دی اور سلام عرض کرنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے جوار میں دفن کرنے کی اجازت مانگی۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اجازت مرحمت فرما دی۔ چنانچہ عمر فاروق رضی اللہ

Marfat.com

عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔
آپ رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک پر آخری الفاظ یہ تھے:

''اللہ نے اگر مجھے نہ بخشا تو میرے اور میری ماں کیلئے وبال ہی وبال ہے۔''

وفات کے وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر ۵۷ سال تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ دنیا سے ایک پُر امید انسان کی طرح تشریف لے گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی مدتِ خلافت ۱۰ سال ۵ ماہ اور ۲۱ دن ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنتِ مظعون

ان کا تعلق بنو جُمح سے تھا۔ ابنِ اثیر نے شجرۂ نسب یوں لکھا ہے:
زینب رضی اللہ عنہا بنت مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جُمح بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لؤی بن غالب۔

کعب بن لؤی پر ان کا سلسلۂ نسب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ سے مل جاتا ہے۔ سیدنا حضرت عمر بن خطاب سے نکاح ہوا اور غالباً انہی کے ساتھ (۶ نبوی میں) نہایت نامساعد حالات میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئیں۔

اپنے جلیل القدر شوہر کے ساتھ ہی ۱۳ نبوی میں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ اس کا ثبوت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ملتا ہے جس میں وہ اپنے فرزند حضرت عبداللہ کی نسبت فرماتے ہیں کہ ''ان کو تو ان کے والدین نے اپنے ساتھ لے کر ہجرت کی تھی۔''

فقیہ اسلام حضرت عبداللہ بن عمر اور اُم المومنین حضرت حفصہ بنتِ عمر (رضی اللہ عنہم)، حضرت زینب بنتِ مظعون ہی کے بطن سے تھے۔ ان کے تین بھائیوں حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عبداللہ بن مظعون اور حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہم کا شمار جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ تینوں سابقین اوّلین اور اصحاب بدر میں سے ہیں۔

Marfat.com

حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنتِ مظعون کے سالِ وفات کا پتہ نہیں چلتا۔ ایک روایت میں ہے کہ وفات کے وقت وہ مکہ معظّمہ میں تھیں۔ واللہ اعلم بالصواب

(تذکارِ صحابیات)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

نام ونسب

عبداللہ نام، ابوعبدالرحمٰن کنیت، آبائی سلسلۂ نسب یہ ہے: عبداللہ بن عمر بن خطاب ابن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر، ماں کا نام زینب تھا، نانہالی نسب نامہ یہ ہے، زینب بنت مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمع بن عمرو بن حصین۔

ولادت

یہ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ غزوۂ اُحد میں جو ۳ھ میں پیش آیا، چودہ برس کے تھے، اس حساب سے اُن کی پیدائش کا تخمینی زمانہ بعثت کا دوسرا سال ہے اور ۶ نبوی میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے تو ابن عمر کا سن تقریباً پانچ برس کا ہوگا۔

اسلام

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ہوش سنبھالا ہی تھا کہ اپنے گھر کے در و دیوار پر اسلام کو پرتو فگن دیکھا اور اسلام ہی کے دامن میں ان کی نشوونما ہوئی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ وہ اپنے والد بزرگوار سے پہلے مشرف باسلام ہوئے تھے، مگر صحیح یہ ہے کہ انہوں نے اپنے والد بزرگوار کے ساتھ اس طرح اسلام قبول کیا تھا، جس طرح خاندان کے بڑے بزرگ کے تبدیل مذہب کے گھر کے کمسن بچے بھی غیر شعوری طور سے اپنے مذہب کو بدل ڈالتے ہیں، جن غیر معتبر راویوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا

Marfat.com

واقعہ نقل کیا ہے، درحقیقت ان کو بیعتِ رضوان کے واقعہ کے ساتھ التباس ہوا ہے۔ صحیح بخاری میں خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی زبانی منقول ہے کہ جب میرے باپ مسلمان ہوئے تو میں چھوٹا بچہ تھا۔ ظاہر ہے کہ ایک چھوٹا بچہ حق و باطل کی تمیز کی وہ دِقت نگاہ نہیں رکھتا جو اس زمانہ میں اس کو کسی مذہب کے بذاتِ خود ردّ و قبول پر آمادہ کر سکے۔

ہجرت

انوار اسلام کی چمک کے ساتھ ساتھ مشرکین کے ظلم وطغیان کی گرج بھی برابر بڑھتی گئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کا خاندان بھی ان کی ستم کیشیوں سے محفوظ نہ رہا، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کی۔

غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد اور غزوۂ خندق میں شمولیت کا جذبہ

ہجرت کے بعد حق و باطل کی پہلی آویزش غزوۂ بدر ہے، اس وقت ابن عمر کی عمر کل ۱۳ سال تھی، تاہم جانبازی کے شوق میں شرکت کی درخواست کی، صغیر السن ہونے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ فرمائی۔

اس کے ایک سال بعد، دوسرا معرکہ اُحد میں ہوا۔ اس میں بھی انہوں نے اپنا نام پیش کیا مگر چونکہ چودہ سال سے متجاوز نہیں ہوئے تھے، اس لیے اس مرتبہ بھی ان کی درخواست مسترد ہوگئی۔

اُحد کے دو سال بعد ۵ھ غزوۂ خندق میں ان کی عمر پندرہ سال پوری ہو چکی تھی چنانچہ یہی وہ سب سے پہلا معرکہ ہے جس میں ان کو سرکارِ رسالت مآب سے شرکت کی اجازت ملی۔

بیعتِ رضوان

۶ھ میں صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب ہوئے اور بیعتِ رضوان کا بھی شرف حاصل کیا اور حسنِ اتفاق یہ کہ یہ شرف اپنے پدر عالی قدر سے پہلے حاصل کر لیا، اس کی صورت یہ پیش آئی کہ حدیبیہ کے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

عبداللہ کو ایک انصاری کے پاس گھوڑا لانے کے لیے بھیجا تھا کہ جہاد میں وہ اس پر سوار ہو سکیں۔ عبداللہ باہر نکلے تو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے بیعت لے رہے ہیں، چنانچہ انہوں نے پہنچ کر پہلے خود بیعت کی اور اس کے بعد گھوڑا لے کر گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دی۔ انہوں نے بھی جا کر بیعت کا شرف حاصل کیا۔

غزوۂ خیبر

اس کے بعد غزوۂ خیبر میں بھی وہ مجاہدانہ شریک ہوئے اور اس سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال وحرام کے جو بعض خاص احکام جاری فرمائے وہ ان کے راوی ہیں۔

فتح مکہ

قریش اور اسلام کی فتح وشکست کا آخری معرکہ فتح مکہ تھا۔ اس وقت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی عمر ۲۰ سال کی تھی۔ پورے جوان ہو چکے تھے اور ایک سرفروش مجاہد کی حیثیت سے دوسرے مجاہدین کے دوش بدوش تھے، سامانِ جنگ میں ایک تیز رفتار گھوڑا اور ایک بھاری نیزہ تھا جسم پر ایک چھوٹی سی چادر تھی اور خود اپنے ہاتھ سے گھوڑے کے لیے گھانس کاٹ رہے تھے اس حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑی تو تعریف کے لہجے میں فرمایا کہ ''عبداللہ ہے عبداللہ'' فتح کے بعد خانہ کعبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے داخل ہوئے، چنانچہ ان کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سوار مکہ کے بالائی حصہ کی طرف سے داخل ہوئے تھے۔ اُسامہ بن زید ان کے ساتھ سوار تھے، عثمان بن طلحہؓ اور بلالؓ جلو میں تھے، خانہ کعبہ کے صحن میں اونٹ بٹھا کر کنجیاں منگوائیں اور کعبہ کھول کر تینوں ایک ساتھ داخل ہوئے، ان لوگوں کے بعد سب سے پہلا داخل ہونے والا میں تھا۔

غزوۂ حنین

فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین میں بھی صف آراء تھے۔ چنانچہ حنین کی واپسی کے بعد کے واقعات کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ جب ہم غزوۂ حنین سے لوٹے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعتکاف کی نذر کے متعلق پوچھا جو جاہلیت کے زمانہ میں مانی تھی۔ آنحضرت صلی

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم نے اس کے پورا کرنے کا حکم دیا۔

محاصرۂ طائف

اس کے بعد طائف کا محاصرہ ہوا، اس محاصرہ میں بھی ابن عمر رضی اللہ عنہ پیش پیش تھے۔ چنانچہ اس محاصرے کے واقعات بیان کرتے تھے کہ جب محاصرہ میں مسلمانوں کو کامیابی نہ ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان شاء اللہ کل محاصرہ اٹھا کر واپس ہو جائیں گے۔ یہ ارشاد لوگوں پر گراں گزرا، انہوں نے عرض کیا، کیا بغیر فتح کیے ہوئے لوٹ چلیں؟ آپ نے فرمایا اچھا کل پھر لڑلو۔ چنانچہ دوسرے دن لڑے اور فتح کے بجائے الٹے زخمی ہو گئے۔ آپ نے پھر فرمایا کہ ان شاء اللہ کل واپس جائیں گے۔ اس مرتبہ لوگوں نے بخوشی منظور کرلیا، اس پر آپ مسکرا دیئے۔

حجۃ الوداع

حجۃ الوداع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حج تھا، اس میں مسلمانوں کا جم غفیر آپ کے ہمرکاب تھا۔ حضرت ابن عمر بھی اس شرف میں شریک تھے۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے واقعات میں ان کا بیان ہے کہ حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہؓ نے بال منڈائے تھے اور بعضوں نے صرف ترشوانے پر اکتفا کی تھی۔

غزوۂ تبوک

۹ھ میں غزوۂ تبوک پیش آیا۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳۰ ہزار کی جمعیت کے ساتھ رومیوں کے مقابلہ کے لئے تبوک کا رُخ کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اس میں بھی شریک تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجر کی طرف گزرے تو فرمایا، ان لوگوں کے مسکن میں داخل نہ ہو، جنہوں نے (خدا کی نافرمانی کرکے) اپنے اوپر ظلم کیا کہ مبادا تم بھی اس عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ جس میں وہ مبتلا ہوئے، اگر گزرنا ہے تو خشیت الٰہی سے روتے ہوئے گزر جاؤ۔

غرض غزوۂ خندق سے لے کر آخر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کوئی

Marfat.com

ایسی بڑی مہم نہ تھی جس میں انہوں نے شرکت نہ کی ہو۔

ابن عمر عہد صدیقی میں کہیں نہیں نظر آتے...... البتہ عہد فاروقی کے بعض فتوحات میں شریک رہے۔لیکن محض ایک سرفروش مجاہد کی حیثیت سے۔نافع کا بیان ہے کہ جب ابن عمر رضی اللہ عنہ نہاوند کی جنگ میں شریک ہوئے اور بیمار پڑ گئے تو پیاز کو تاگے میں پرو کر دوا میں پکاتے تھے، جب اس میں پیاز کا مزہ آ جاتا تھا تو اس کو نکال کر کے دوا پی لیتے تھے۔شام اور مصر کی فتوحات میں بھی شرکت کا پتہ چلتا ہے لیکن ان فتوحات میں ان کا کوئی نمایاں کارنامہ نہیں ہے اور اس زمانہ میں سلطنت کے انتظامی امور میں بھی انہوں نے کوئی حصہ نہیں لیا، غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے عزیزوں کو اس میں پڑنے نہ دیتے تھے۔تاہم جہاں امت کے نفع ونقصان کا کوئی سوال پیش آ جاتا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنے والد بزرگوار کی سخت گیری کے خطرہ کو برداشت بھی کر لیتے تھے۔چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وقت آخر ہوا اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی بہن اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی زبانی معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی کو اپنا جانشین نامزد کرنے کا خیال نہیں رکھتے، جس سے اُن کے خیال میں آئندہ مشکلات پیش آنے کا خطرہ تھا تو ڈرتے ڈرتے باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کا بیان ہے کہ میں یہ جرأت تو کر گیا مگر مارے خوف کے معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑ اٹھا رہا ہوں۔میں پہنچا تو پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے حالات پوچھتے رہے، پھر میں نے جرأت کر کے عرض کی کہ میں لوگوں کی چہ میگوئیاں گوش گزار کرنے حاضر ہوا ہوں، ان کا خیال ہے کہ آپ کسی کو اپنا جانشین منتخب نہ فرمائیں گے، فرض کیجئے کہ وہ چرواہا جو آپ کی بکریوں اور اونٹوں کو چراتا ہے، اگر گلہ چھوڑ کر آپ کے پاس چلا جائے تو شر کا کیا حشر ہوگا؟ ایسی حالت میں انسانوں کی گلہ بانی کا فرض تو اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس معقول استدلال کو پسند کیا، پھر کچھ سوچ کر بولے، خدا خود اپنے گلہ کا نگہبان ہے، اگر میں کسی کو اپنا جانشین نامزد نہ کروں تو کوئی مضائقہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نامزد نہیں فرمایا تھا اور اگر کر جاؤں تو بھی کوئی حرج نہیں کہ ابوبکرؓ نامزد کر گئے تھے۔ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام لیا تو

Marfat.com

میں سمجھ گیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر کسی کو ترجیح نہ دیں گے اور کسی کو اپنا جانشین خود نہ بنا جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بعد اپنی جانشینی کا مسئلہ مسلمانوں کی ایک جماعت کے سپرد کر دیا۔ جس میں متعدد اکابر صحابہ شامل تھے۔

عہد عثمانی

ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد سب سے پہلے انتخاب خلیفہ کی مجلس شوریٰ میں نظر آتے ہیں، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ خلیفہ کے انتخاب میں عبداللہ بحیثیت مشیر شریک ہوں، مگر صرف مشورہ دے سکتے ہیں خلیفہ نہیں نامزد کیے جا سکتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ان کو ملکی معاملات میں حصہ لینے کا موقع ملا، مگر انہوں نے اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قضاء کا عہدہ پیش کیا، انہوں نے معذرت کر دی کہ ''میں نہ دو شخصوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہوں اور نہ دو شخصوں کی امامت کرتا ہوں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں، ایک جاہل جس کا ٹھکانا دوزخ ہے، دوسرا عالم مائل الی الدنیا، اس کا مستقر بھی دوزخ ہے۔ تیسرا جو اجتہاد کرتا ہے اور صحیح رائے قائم کرتا ہے، اس کے لیے نہ عذاب ہے نہ ثواب۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہارے باپ تو فیصلے کرتے تھے، بولے یہ صحیح ہے لیکن جب ان کو کسی پیچیدہ بات میں دشواری پیش آتی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے تھے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دشواری ہوتی تھی تو جبریل سے دریافت فرماتے تھے۔ میں کس کی طرف رجوع کروں گا؟ کیا آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا کہ جس نے خدا کی پناہ مانگی اس نے پناہ کی جگہ پناہ مانگی، اس لیے خدارا مجھ کو کہیں کا عامل نہ بنائیے۔ ان کے انکار پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زیادہ اصرار نہیں کیا، البتہ یہ عہد لے لیا کہ اس کا تذکرہ کسی سے نہ کرنا۔

مگر ملکی انتظام سے اس کنارہ کشی کے باوجود جہاد فی سبیل اللہ میں برابر شریک

Marfat.com

ہوتے رہے۔ چنانچہ ۲۷ھ میں افریقیہ (تونس، الجزائر، مراکش) کی مہم میں شریک ہوئے۔ پھر ۳۰ھ میں خراساں اور طبرستان کے معرکوں میں سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے۔ جب فتنہ وفساد شروع ہوا تو بالکل کنارہ کش ہو گئے اور پھر کسی چیز میں حصہ نہیں لیا۔ اسی احتیاط کی بنا پر خلافت کے اعزاز سے بھی انکار کر دیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد لوگوں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ امیر ابن امیر ہیں، ہم سب آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو آمادہ ہیں۔ فرمایا، جہاں تک میرے امکان میں ہے اپنے لیے ایک پچھنے کے برابر بھی خون نہ بہنے دوں گا، لوگوں نے دھمکی دی کہ اگر آپ اس بارِ گراں کو نہیں سنبھالتے تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے، لیکن انہوں نے اس دھمکی کی بھی مطلق پرواہ نہ کی اور خلافت جیسے رفیع اعزاز سے جو اس وقت فتنوں کا مرکز بن گیا تھا، اپنے آپ کو بچائے رکھا۔

البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ ابن عمر نے حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما میں سے کس کی خلافت تسلیم کی۔ ابن حجر کا بیان ہے کہ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارہ میں مسلمانوں کا اختلاف تھا، اس لئے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی، کیونکہ ان کی رائے تھی کہ جب تک کسی شخص پر لوگوں کا اجماع نہ ہو جائے اس وقت اس کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنی چاہئے۔

لیکن مستدرک نے غسان بن عبدالحمید کی روایت نقل کی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس شرط پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی کہ وہ اُن کے ساتھ خانہ جنگی میں نہ شریک ہوں گے اور جنابِ امیر نے ان کو اس کی اجازت بھی دے دی تھی۔ ہمارے نزدیک مستدرک کی روایت زیادہ صحیح اور قرین قیاس ہے کیونکہ ابن حجر نے جس اصول کی بناء پر ابن عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت علی کی خلافت سے دست کش ہونا بتایا ہے، اس سے ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے، گو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام مسلمانوں کا اتفاق نہیں ہوا تھا، تاہم اسلام کے اربابِ حل وعقد یعنی مہاجرین وانصار کی اکثریت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی اور ان کی نہایت ہی مختصر جماعت آپ سے الگ رہی۔ البتہ یہ مسلّم ہے کہ انہوں نے جنگ جمل اور صفین میں کسی کا ساتھ نہیں دیا اور ان کے ہاتھ سے کسی مسلمان کا ایک قطرہ خون نہیں گرا، لیکن ضمیر حق پرست تھا اس لیے جنگ

Marfat.com

میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہ دینے پر آخر دم تک متاسف رہے، فرماتے تھے کہ گو میں نے اپنا ہاتھ آگے نہیں بڑھایا، لیکن حق پر مقاتلہ افضل ہے۔

جنگ صفّین کے بعد جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو حَکم بنایا گیا تو ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے خلافت کے لیے ابن عمر رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا تھا۔ مگر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس سے اختلاف کیا۔ حَکم کے فیصلہ سناتے وقت آپ بھی عام مسلمانوں کے ساتھ امتِ مسلمہ کی قسمت کا فیصلہ سننے کے لئے دومۃ الجندل آئے تھے۔

ان واقعات کے بعد مسلمانوں میں دو نئے فرقے پیدا ہو گئے تھے۔ ایک وہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بُرا سمجھتا تھا، دوسرا وہ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی برائیاں بیان کرتا تھا کہ وہ اُحد میں بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ اس بارہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی رائے پوچھی تو فرمایا کہ عثمان ﷛ کو اللہ نے معاف کیا (قرآن پاک میں اس کی آیت ہے) مگر تم معاف کرنا نہیں چاہتے اور علی ﷛ ...... تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی اور آپ کے داماد تھے اور دیکھو کہ وہ گھر ان کا ہے جہاں تم دیکھ رہے ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت تسلیم کر لی اور اس عہد کے بعض معرکوں میں شریک ہوئے، چنانچہ قسطنطنیہ کی مہم میں شریک تھے۔

خلافتِ یزید

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد جب یزید تختِ حکومت پر بیٹھا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے محض اختلافِ اُمت کے فتنہ سے بچنے کیلئے اس کی بیعت کر لی اور فرمایا اگر یہ خیر ہے تو ہم اس سے راضی ہیں اور اگر شر ہے تو ہم نے صبر کیا۔

کچھ دنوں کے بعد جب مدینہ والوں نے فسخ بیعت کیا تو آپ نے اسی فتنہ سے بچنے کی خاطر اپنے اہل وعیال کو بُلا کر فرمایا کہ میں نے اس شخص کے ہاتھ پر خدا اور رسول کی بیعت کی ہے اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ قیامت کے دن ہر دھوکہ باز کا ایک ایک جھنڈا کھڑا کیا جائے گا کہ یہ فلاں کی فریب کاری ہے اور سب سے بڑا

فریب یہ ہے کہ خدا کے ساتھ شرک کیا جائے کہ ایک شخص کسی کے ہاتھ پر خدا اور رسول کیلئے بیعت کر لے اور پھر اس کو فسخ کر دے۔ اس لیے تم میں سے کوئی شخص فسخ بیعت میں حصہ نہ لے اگر کسی نے حصہ لیا تو میرے اور اس کے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔

یزید کی بیعت آپ نے کسی لالچ یا خوف کی بنا پر نہیں کی تھی، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب یزید کو ولی عہد بنانا چاہا تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس ان کا عندیہ لینے کیلئے بھیجا تھا، انہوں نے جا کر دبی زبان سے اس کا اظہار کیا اور اس کے عوض ایک رقم خطیر پیش کرنا چاہی، رشوت کا نام سن کر وہ غصہ سے کانپ اٹھے اور اسی وقت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو کھڑے کھڑے نکال دیا۔

معاویہ بن یزید، مروان بن حکم اور عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت

یزید کے بعد اس کا بیٹا معاویہ خلیفہ ہوا، مگر اس کی خلافت صرف تین مہینہ رہی، اس کے بعد وہ خود خلافت سے دست بردار ہو گیا۔ اب اس کی وفات کے بعد ایک طرف مکہ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے خلافت کا دعویٰ کیا اور عراق حجاز و یمن کے لوگوں نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی، دوسری طرف شام میں مروان نے اپنی بیعت لی، گو اکثر اسلامی ممالک ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف مائل تھے، لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ان کے دعویٰ خلافت کو بازیچۂ اطفال سے زیادہ وقعت نہ دیتے تھے۔ چنانچہ ان ہی کے زمانہ میں جب فریقین میں جنگ برپا تھی تو ایک شخص نے ان سے آ کر کہا کہ خدا فرماتا ہے کہ فتنہ کو روکنے کے لئے لڑو، انہوں نے جواب دیا تھا کہ جب فتنہ تھا تو ہم لڑے، فتنہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو کفار اس کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ اپنے خدا کی عبادت کر سکیں، اب یہ خانہ جنگی جہاد نہیں بلکہ بادشاہی کے لیے لڑائی ہے۔ مگر بایں ہمہ جب عبدالملک کی طرف سے حجاج، ابن زبیر ؓ سے لڑنے کیلئے مکہ معظمہ گیا اور خانہ کعبہ کے ایک حصہ کو اپنے گولوں کا نشانہ بنایا تو وہ سخت برہم ہوئے اور اپنی برہمی کو قابو میں نہ رکھ سکے۔

خلافتِ عبدالملک

مروان کے بعد جب عبدالملک کی خلافت پر بیعت ہوئی تو آپ نے بھی تحریری

بیعت نامہ بھیج دیا جس کا مضمون یہ تھا کہ ''خدا اور رسول کی سنت پر میں اور میرے لڑکے امیر المومنین عبداللہ الملک کی سمع و طاعت کا بقدر استطاعت عہد کرتے ہیں۔'' عبدالملک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بڑا احترام کرتا تھا اور مذہبی معاملات میں ان کی اقتدا کرتا تھا اور حج کے موقع پر ارکان میں آپ کی اقتدا کا فرمان جاری کرتا تھا۔

علالت اور وفات

۷۴ھ میں تراسی چوراسی برس کی عمر میں وفات پائی۔ وفات کا واقعہ یہ ہے کہ حج کے زمانہ میں ایک شخص کے نیزہ کی نوک جو زہر میں بجھی ہوئی تھی ان کے پاؤں میں چبھ گئی۔ یہ زہر ان کے جسم میں سرایت کر گیا اور یہی زخم اُن کی موت کا باعث ہوا۔ عام طور سے خیال کیا جاتا ہے کہ یہ کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا، بلکہ حجاج کے اشارہ سے اس طرح زخمی کیے گئے تھے۔ البتہ اس کی تفصیل میں اختلاف ہے۔ مستدرک کی روایت ہے کہ حجاج نے جب خانہ کعبہ میں منجنیق نصب کرائی اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کرایا تو اس کا یہ فعل شنیع ابن عمر رضی اللہ عنہ کو بہت ناپسند ہوا۔ آپ نے اس کو بہت بُرا بھلا کہا، حجاج برافروختہ ہو گیا اور اس کے اشارے سے شامیوں نے زخمی کر دیا۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ عبدالملک نے حجاج کو ہدایت کی تھی کہ وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت نہ کرے، یہ حکم اس پر بہت شاق گزرا لیکن عدول حکمی بھی نہیں کر سکتا تھا، اس لیے دوسرا طریقہ اختیار کیا اور آپ کو زخمی کرا دیا۔

ابن سعد کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حجاج خطبہ دے رہا تھا، اس میں اس نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر یہ اتہام لگایا کہ انہوں نے نعوذ باللہ کلام اللہ میں تحریف کی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی تردید کی اور فرمایا تو جھوٹ بولتا ہے۔ نہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ میں اتنی طاقت ہے نہ تجھ میں یہ مجال ہے۔ مجمع عام کے سامنے ان کی یہ ڈانٹ اس کو بہت ناگوار ہوئی، لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ علانیہ کوئی بُرا برتاؤ نہیں کر سکتا تھا اس لیے خفیہ انتقام لیا۔

ابن خلقان اور اسد الغابہ میں اس کے علاوہ دو روایتیں نقل کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ ایک دن حجاج خطبہ دے رہا تھا، اس کو اس قدر طول دیا کہ عصر کا وقت تنگ ہو گیا۔ آپ نے

Marfat.com

فرمایا کہ آفتاب تیرا انتظار نہیں کر سکتا۔ حجاج نے کہا جی میں آتا ہے کہ "تمہاری آنکھیں پھوڑ دوں" فرمایا تجھ کوتاہ بین سے یہ بھی کچھ بعید نہیں۔ دوسری روایت یہ ہے کہ عبدالملک نے فرمان جاری کیا کہ تمام حجاج مناسکِ حج میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کریں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حجاج کے عرفات اور دوسرے مواقف سے بغیر حجاج کا انتظار کیے بڑھ جاتے تھے، حجاج کی فرعونیت کب اس کو گوارا کر سکتی تھی، مگر عبدالملک کے حکم سے مجبور تھا، اس لیے آپ کی جان کا خواہاں ہو گیا۔

ابن عبدالبر نے استیعاب میں بھی یہی دونوں روایتیں نقل کی ہیں، اگرچہ ان روایتوں کی صورتِ واقعہ میں اختلاف ہے مگر تضاد نہیں۔ اس لیے ان میں سے کسی کو غلط نہیں کہا جا سکتا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ تمام واقعات یکے بعد دیگرے آتے رہے، مگر حجاج ضبط کرتا رہا، لیکن جب اس نے دیکھا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اس کی پیش نہیں چلتی اور وہ اس کو مطلق دھیان میں نہیں لاتے تو اخیر میں آپ کا قصہ ختم کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن علی الاعلان وہ آپ پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا۔ اس لیے یہ صورت نکالی کہ اپنے آدمیوں میں سے کسی کو حکم دیا کہ وہ حج کے موقع پر جب لوگوں کا اژدھام ہوتا ہے، مسموم نیزہ سے آپ کے پاؤں میں خراش دیدے، اس اژدھام میں زخمی کرنے والا گرفتار بھی نہ ہو سکے گا، اور زہر کے اثر سے آپ کا کام بھی تمام ہو جائے گا، اور یہی ہوا۔ جب آپ بیمار ہوئے تو حجاج عیادت کو آیا اور مزاج پرسی کے بعد کہا کہ کاش مجھ کو ملزم کا پتہ چل جاتا تو میں اس کی گردن اڑا دیتا۔ آپ نے فرمایا تم ہی نے یہ سب کچھ کیا اور پھر کہتے ہو کہ میں مجرم کو قتل کر دیتا۔ نہ تم حرم میں اسلحہ باندھنے کی اجازت دیتے نہ یہ واقعہ پیش آتا، یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں وفات پانے کی بہت تمنا تھی، چنانچہ جب آپ کی حالت نازک ہوئی تو دعا کرتے تھے کہ خدایا مجھ کو مکہ میں موت نہ دے، اور اپنے صاحبزادہ سالم سے وصیت بھی کی کہ اگر میں مکہ ہی میں مر جاؤں تو حدودِ حرم کے باہر دفن کرنا کیونکہ جس زمین سے ہجرت کی پھر اسی میں پیوندِ خاک ہوتے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ وصیت کے چند دنوں بعد سفر آخرت کیا اور علم و عمل کا یہ آفتابِ تاباں ہمیشہ کیلئے روپوش ہو گیا۔

Marfat.com

تجہیز و تکفین

وفات کے بعد وصیت کے مطابق لوگوں نے حرم کے باہر دفن کرنا چاہا، مگر حجاج نے مداخلت کی اور خود ہی نماز جنازہ پڑھا لی۔ مجبوراً "فخ" مہاجرین کے قبرستان میں سپردِ خاک کیے گئے۔
(سیر الصحابہ جلد سوم)

حضرت عبدالرحمٰن الاکبر بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ

عبدالرحمٰن الاکبر کی والدہ زینبؓ ہیں جو کہ اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی بھی والدہ ہیں۔ اِن کی کنیت ابوعیسیٰ تھی۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں جن دنوں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بصرہ کے گورنر تھے، ایک لشکر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دو صاجزادے عبداللہ بن عمر اور عبدالرحمٰن بن عمر رضی اللہ عنہما شریک ہو کر گئے تھے۔ بصرہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، انہوں نے مبارکباد اور مرحبا کہہ کر ان حضرات کو اپنے پاس ٹھہرایا اور کہا کہ میں آپ حضرات کو کوئی نفع تو نہیں پہنچا سکتا۔ البتہ یہ کر سکتا ہوں کہ مجھے امیرالمومنین کی خدمت میں بیت المال کے لیے کچھ رقم بھیجنا ہے آپ اسے لیتے جائیں۔ اصل رقم امیرالمومنین کے حوالہ کر دیں اور آپ کو اس سے کچھ تجارتی مال کے ذریعہ نفع حاصل ہو جائے تو وہ نفع حاصل کر لیں۔ صاجزادوں نے رقم لے لی اور تجارتی سامان خرید لیا۔ مدینہ آ کر اصل رقم جو بیت المال کی تھی اور جتنا گورنر کے خط میں لکھا تھا اسے امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کچھ قصہ معلوم ہو چکا تھا اس لیے دریافت کیا کہ جس طرح تمہارے حوالہ یہ رقم کی گئی تھی کیا اسی طرح دوسرے اہل لشکر کو بھی بیت المال کی رقم دی گئی تھی؟ انہوں نے کہا ہر شخص اعتبار و بھروسہ میں یکساں حیثیت تو نہیں رکھتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں یہ کچھ سننا نہیں چاہتا۔ محض امیرالمومنین کی صاجزادگی کی وجہ سے تمہارے ساتھ یہ خصوصیت برتی گئی ہے۔ اس لیے میرا حکم ہے کہ مال مع نفع میرے حوالے کر دو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فی الفور مال اور نفع دونوں

حوالہ فرما دیا۔ لیکن حضرت عبدالرحمٰن بن عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اگر اصل رقم تلف ہو جاتی یا کسی طرح گم ہو جاتی تو ہم ضامن بھی تو تھے۔ آخر بعض دوسرے اجلہ صحابہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہ کی مداخلت و مشورہ سے یہ طے پایا کہ یہ رقم ''مضاربت'' کے طور قرار دی جائے۔ اس طرح اصل رقم اور نصف منافع بیت المال کے لیے صاحبزادوں سے وصول کیا گیا۔ (مؤطا مع مسوی جلد۲ص ۲۶۶ منتخب کنز العمال جلد۶ ص ۱۶۷)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو مفصل لکھنے کے بعد فرمایا کہ اس کی سند و روایت بہت صحیح ہے۔ (اصابہ جلد۳ص ۷۶)

حضرت عبید اللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے یہ فرزند نہایت بہادر اور گرجوش مجاہد تھے۔ دورِ نبوی میں پیدا ہوئے، ان کی والدہ کا نام اُم کلثوم بنتِ جرول تھا۔ حضرت عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کے زمانہ خلافت میں جہاد میں بھرپور حصہ لیا۔

جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو ابولولؤ مجوسی نے قتل کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ عبید اللہ نے مغلوب الغضب ہو کر قاتل کی لڑکی اور ہرمزان کو قتل کر دیا۔ ان کے خیال میں یہ سب لوگ قتل کی سازش میں شریک تھے کیونکہ جس ہتھیار سے اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا اس کو شہادت والی رات کو ہرمزان کے پاس ابولولؤ نے پیش کیا تھا جس کے گواہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر تھے۔ مسعودی نے مروج الذہب میں یہ بھی لکھا ہے کہ ابولولؤ ہرمزان کا ارض عجم میں قدیمی غلام تھا۔

اصابہ میں ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے کل ہرمزان اور ابولولؤ کو ایک جگہ رازدارانہ مشورہ کرتے ہوئے دیکھا تھا، مجھے دیکھ کر یہ لوگ منتشر ہونے لگے تو ابولولؤ کے ہاتھ سے دو طرفہ پھل والا ایک خنجر گرا تھا۔ ان کی اسی نشاندہی کے مطابق شہادت والے دن ابولولؤ کا خنجر برآمد ہوا تھا۔ اسی بنا پر عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ہرمزان کو شریکِ سازش سمجھ کر قتل کر دیا تھا۔

Marfat.com

بہر حال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو سب سے پہلے یہی مقدمہ سامنے آیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو قصاص میں عبید اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کا فتویٰ دیا، لیکن اکثر و بیشتر جمہور صحابہ اس کے خلاف تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا چونکہ ہرمزان کا کوئی وارث نہیں ہے اس لیے بحیثیت امیر المومنین میں اس کا ولی ہوں اور قتل کی بجائے دیت پر راضی ہوں۔ اس کے بعد خود اپنے ذاتی مال سے دیت کی رقم دے دی۔

(مروج الذہب ص ۳۸۸ و اشہر مشاہیر الاسلام جلد اول ص ۲۹۸ و اصابہ جلد ۳ ص ۷۷)

اس طرح فتنہ و فساد پیدا نہ ہونے پایا اور ایک نفس انسانی کا احترام بھی ملحوظ ہو گیا۔ ورنہ کل حضرت عمر رضی اللہ عنہ قتل کیے گئے تھے اور آج ان کا لڑکا قتل کیا جاتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبیلہ عدی کے افراد اس کو کبھی برداشت نہ کر سکتے اور فتنہ و فساد کی آگ بپا ہو جاتی اور نفس انسانی کی ممکن رعایت الگ ضائع ہو جاتی۔ بلاشبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مقدمہ کا جس عمدگی سے فیصلہ کیا اس سے بہتر کوئی دوسرا فیصلہ ممکن نہ تھا۔

اصابہ میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مزید نقل کیا کہ حضرت عبید اللہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے گرفتار کرا کے ہرمزان کے لڑکے قماذیان کے سپرد کر دیا تھا۔ وہ قتل کے بدلہ قتل کرنا چاہتا تھا۔ کچھ لوگوں نے اس سے سفارش کی اور دیت پر راضی کرنا چاہا۔ اس نے کہا کہ اگر میں قتل ہی کرنا چاہوں تو کیا آپ میں سے کوئی صاحب مجھے روک سکتے ہیں؟ سب نے کہا نہیں، تم کو اس کا پورا حق حاصل ہے۔ تب اس نے کہا کہ میں نے معاف کر دیا لیکن بایں ہمہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے دیت بھی ادا فرما دی۔

(اصابہ جلد ۳ ص ۷۷)

حضرت عبید اللہ رضی اللہ عنہ ۳۶ھ میں جنگِ صفین میں شہید کر دیے گئے۔

عبد الرحمٰن الاوسط

ان کی والدہ کا نام فکیہ (اُم الولد) ہے۔ یہ ابو شحمہ رضی اللہ عنہ کی کنیت سے مشہور ہوئے۔ نہایت نیک، متقی، بہادر نوجوان تھے۔ اپنے والد رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں انہوں نے مصر

میں ایک اور ساتھی کے ساتھ مل کر نبیذ پی، جس نے نشہ کی کیفیت طاری کر دی۔ حالانکہ لاعلمی میں یہ واقعہ پیش آیا تھا، لیکن گورنرِ مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوئے، جنہوں نے شراب نوشی کی حد جاری کی۔ مگر کوڑے ذرا آہستگی سے لگائے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو انہوں نے فوراً مدینہ پہنچنے کا حکم دیا۔ صاحبزادے مدینہ پہنچے تو حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے تادیباً ازسرِ نو حد جاری کی، جس سے بیمار پڑ گئے، اور کچھ دنوں کے بعد اس صدمے سے انتقال کر گئے۔

حضرت عبدالرحمٰن الاصغر

ان کی کنیت ابو عبدالرحمٰن تھی۔۔ یہ اور عبدالرحمٰن الاوسط دونوں نے ایک ہی ماں کے پیٹ سے جنم لیا تھا۔

حضرت زید الاکبر رحمۃ اللہ علیہ

انہوں نے حضرت اُم کلثوم بنت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے شکم اطہر سے جنم لیا۔ ان کے دیگر حالات حضرت اُم کلثوم بنت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مضمون میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ ۶ھ میں پیدا ہوئے، بڑے خلیق انسان تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے: ''میں اور میرا بھائی عاصم کسی کی غیبت نہیں کرتے۔'' بڑے لمبے اور موٹے تازے تھے۔ لوگ کہا کرتے تھے: ''ہر شخص کے منہ سے کچھ ایسی باتیں نکل جاتی ہیں جو وہ کہنا نہیں چاہتا مگر عاصم ابن عمر اس عیب سے محفوظ ہیں۔''

ان کی والدہ کا نام جمیلہ تھا۔

آپ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے نانا تھے، واقعہ یہ ہوا کہ حضرت عمر رضی

Marfat.com

اللہ عنہ لوگوں کو پانی میں دودھ ملانے سے منع کیا کرتے تھے۔ ایک رات آپ چوکیداری کرتے ہوئے مدینے کے اطراف میں نکل گئے۔ ساتھ حضرت اسلم بھی تھے۔ رات گئے جب تھک کر چُور ہو گئے تو ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ اندر سے آواز آئی کہ ایک عورت اپنی لڑکی سے کہہ رہی تھی: ''اٹھ دودھ میں پانی ملا دے۔'' وہ بولی: ''ماں تجھے معلوم نہیں کہ امیر المومنین نے شدت سے منع کیا ہے۔'' بوڑھی نے کہا: ''بیٹی امیر المومنین نے کیا کہا ہے؟'' وہ بولی: ''منادی کرائی ہے کہ دودھ میں پانی نہ ملاؤ۔'' بوڑھی نے کہا: ''بیٹی! دودھ میں پانی ملا دے، تو ایسی جگہ ہے جہاں تجھے عمر یا عمر کا منادی نہیں دیکھ رہا۔'' وہ بولی: ''ماں اگر عمر نہیں جانتا تو عمر کا خدا تو جانتا ہے، خدا کی قسم مجھے پسند نہیں کہ مجمع میں اس بات کو مانوں اور تنہائی میں نہ مانوں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ ساری گفتگو سن رہے تھے۔ ان کے دل میں یہ بات گھر کر گئی، فرمایا: ''اے اسلم دروازے پر نشان لگا دے اور اس مقام کو اچھی طرح پہچان لے۔'' پھر آپ چوکیداری میں مصروف ہو گئے۔ جب صبح ہوئی تو کہا: ''اے اسلم! اُسی مقام پر جا اور دیکھ کہنے والی کون تھی اور جس سے کہہ رہی تھی وہ کون تھی، اور آیا ان دونوں کے شوہر ہیں یا نہیں؟'' حضرت اسلم وہاں گئے، دیکھا کہ وہ لڑکی بیوہ ہے اور اس کی ماں بھی بیوہ ہے۔ لہٰذا آپ کو آ کر اطلاع دے دی۔ آپ ﷺ نے اپنے بیٹے عبداللہ، عبدالرحمٰن اور عاصم کو بلا کر کہا: ''کیا تم میں سے کسی کو کسی عورت کی ضرورت ہے کہ میں اس کی شادی کرا دوں؟ اگر تمہارے باپ کو عورت کی طرف رغبت ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی اُس لڑکی کے ساتھ شادی نہ کر سکتا۔''

حضرت عبداللہ ﷺ نے کہا: ''میرے پاس تو بیوی ہے۔''

حضرت عبدالرحمٰن بولے: ''میرے پاس بھی۔''

حضرت عاصم نے کہا: ''ابا! میرے پاس کوئی بیوی نہیں، مجھ سے شادی کرا دیجئے۔''

آپ ﷺ نے لڑکی کو بلا بھیجا اور حضرت عاصم رحمہ اللہ سے شادی کرا دی، ان سے ایک لڑکا محمد اور ایک لڑکی اُم عاصم پیدا ہوئی۔ اُم عاصم سے عبدالعزیز بن مروان نے شادی کر لی اور ان سے عمر بن عبدالعزیز پیدا ہوئے۔ حضرت عاصم رحمہ اللہ کا ۷۰ھ میں

Marfat.com

ربذہ میں انتقال ہوا۔

عیاض بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ

ان کی والدہ کا نام عاتکہ بنت زید ہے۔

رقیہ

ان کی ماں اُم کلثوم تھیں اور بھائی زید الاکبر تھے۔ مزید حالات حضرت اُم کلثوم بنت علی المرتضیٰؓ کے تذکرے میں ملاحظہ فرمائیں۔

فاطمہ

ان کی ماں اُم حکیم تھیں۔

صفیہ

نبی علیہ السلام کے ساتھ جنگ خیبر میں شریک تھیں۔

زینب

ان کی ماں فکہیہ (اُم ولد) تھیں۔ یہ عبدالرحمٰن الاصغر کی بہن تھیں۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سب سے چھوٹی اولاد تھیں۔

Marfat.com

(۵) خزیمہ بن حارث

خزیمہ بن الحارث اُم المومنین حضرت زینب بنتِ خزیمہ کے والد ہیں۔ ان کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے:

خزیمہ بن الحارث بن عبداللہ بن عمر بن عبدالمنافؒ بن ہلال بن عامر بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن حفصہ بن خنیس بن عیلان الہلالی

خزیمہ بن حارث کے بیٹے اور حضرت زینبؓ کے بھائی حضرت ابن ابی خثیمہ تھے۔

(نبی کریم ﷺ کے عزیز و اقارب)

☆

(۶) ابی اُمیّہ سہیل بن المغیرہ

سہیل بن المغیرہ اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے باپ ہیں۔ سہیل بن المغیرہ بنو مخزوم کے معزز فرد تھے جو قریش کا مشہور خاندان تھا۔

سہیل بن المغیرہ کا سلسلۂ نسب یوں ہے: ابی اُمیہ سہیل بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم۔

سہیل بن المغیرہ کی زوجہ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ساس کا نام عاتکہ بنتِ

Marfat.com

عامر ہے اوران کا تعلق بنوفراس سے ہے۔

ابواُمیہ سہیل مکہ کے مشہور مخیر اور سخی تھے۔ ابواُمیہ کے بارے مشہور ہے کہ یہ جب کبھی سفر کرتے تو اگر قافلے کے ساتھ ہوتے تو تمام قافلے والوں کا خرچ جو راستے میں آتا خود اٹھاتے۔ ابواُمیہ چند لوگوں کے ساتھ سفر میں بھی اپنے ہمراہیوں کی کفالت کرتے۔ ابواُمیہ صاحبِ ثروت آدمی تھے۔ ان کی سخاوت کے باعث لوگوں نے انہیں ''زادالراکب'' کا لقب دے رکھا تھا۔ ابواُمیہ کی لاڈلی بیٹی ہند جن کی کنیت اُم سلمہ تھی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن عبدالاسد سے بیاہی گئی تھیں۔

ہجرتِ مدینہ کے وقت اُم سلمہ کو ان کے گھر والوں نے روک لیا پھر جب حضرت اُم سلمہ کو اجازت ملی تو انہوں نے ہجرت کی تھی۔ اور راستے میں جب لوگوں کو بتاتیں کہ وہ مشہور سخی ابواُمیہ کی بیٹی ہیں تو لوگ حیران رہ جاتے کہ اتنے امیر اور سخی آدمی کی بیٹی اکیلے سفر کررہی ہے۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ پہنچ کر جب اپنے والد کو اپنی خیریت کا رقعہ حج کیلئے جانے والوں کے ہاتھ بھیجا تو لوگوں کو پھر یقین آیا کہ آپ ابواُمیہ کی بیٹی ہیں۔

مشہور صحابی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی ہیں۔ بعض روایتوں کے مطابق عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اُم سلمہ کے ماں کی طرف سے بھائی تھے۔ ابواُمیہ سہیل کے فرزند عبداللہ بن سہیل کے بیٹے مصعب بن عبداللہ ؓ نے اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے کئی احادیث روایت کی ہیں۔ (نبی کریم ﷺ کے عزیز واقارب)

Marfat.com

(۷) جحش بن رباب

جحش بن ریاب اُم المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے والد ہیں۔
آپ قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ کے فرزند تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے:
جحش بن ریاب بن یعمر بن صبرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ

جحش بن ریاب کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اُمیمہ سے ہوا۔ اس طرح سسر کے علاوہ جحش بن ریاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھا بھی تھے۔ محمد ابن اسحاق کا کہنا ہے کہ اُمیمہ اسلام نہیں لائی تھیں جبکہ ابن سعد کا کہنا ہے کہ وہ مسلمان ہو گئی تھیں۔ جحش بن یارب کے دو بیٹوں عبداللہ بن جحش اور عبیداللہ بن جحش رضی اللہ عنہما نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کے ہاں اپنے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا پیغام بھیجا تو حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی نے انکار کر دیا، جس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی یہ آیت نازل کی کہ:

"کسی مومن اور مومنہ کیلئے یہ مناسب نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر دے تو اس پر راضی نہ ہوں۔"

اس آیت کے نزول کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی عبداللہ رضی اللہ عنہ نے رضامندی ظاہر کر دی، تاہم طبیعت میں موافقت پیدا نہ ہونے کے باعث آخر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے طلاق دے دی اور نبی کریم ﷺ نے انہیں نکاح میں لے لیا۔

جحش بن ریاب کے ایک بیٹے ابواحمد بن جحش کا ذکر بھی ملتا ہے کہ انہوں نے آسمانی نکاح کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ظاہری نکاح پڑھایا۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔

نسب نامہ یہ ہے: عبداللہ جحش بن ریاب بن یعمر بن صبرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ

ان کی والدہ محترمہ حضرت اُمیمہ بنت عبدالمطلب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی تھے۔ ان کی ہمشیرہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ اور امہات المومنین میں تھیں۔ وہ پہلے شخص تھے جن کو اسلام میں کسی فوجی مہم کی قیادت سونپی گئی۔ ان سب کے علاوہ وہ پہلے آدمی، جن کو امیر المومنین کے لقب سے پکارا گیا، وہ بزرگ اور محترم صحابی حضرت عبداللہ بن جحش اسدی رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دارِ ارقم میں داخل ہونے سے قبل مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ ان کا شمار سابقین اولین میں ہوتا تھا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی اذیت رسانیوں سے بچنے کیلئے اور اپنے دین کی حفاظت کے لئے صحابہ کرام کو ہجرتِ مدینہ کی اجازت مرحمت فرمائی تو قافلۂ مہاجرین میں صرف ایک شخص ان سے آگے تھا، ان سے پہلے اس شرف کی طرف سوائے حضرت ابو سلمہؓ کے کسی اور نے سبقت نہیں کی تھی۔

خدا کے لیے ہجرت کرنا اور اس کی راہ میں گھر بار اور اہل وعیال سے جدائی اختیار کرنا حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے لیے کوئی نیا تجربہ نہ تھا اس سے پہلے وہ اور ان کے گھرانے کے کچھ لوگ حبشہ کی طرف ہجرت کر چکے تھے لیکن اب کی بار ان کی ہجرت نہایت مکمل اور وسیع ہجرت تھی۔ اس بار ان کے اہل وعیال، ان کے متعلقین اور اہل خاندان سب نے ہجرت میں ان کا ساتھ دیا۔ ان میں سے مرد، عورتیں، بچے، بچیاں اور بوڑھے، جوان سبھی ان کے شریکِ سفر تھے کیونکہ ان کا گھر اسلام کا گھر اور ان کا خاندان ایمان کا خاندان تھا۔

Marfat.com

جب یہ لوگ مکہ چھوڑ کر نکل گئے تو ان کے مکانات رنج و ملال اور حزن و افسردگی کی تصویر پیش کر رہے تھے۔ ان کے اوپر اس طرح ویرانی اور اُداسی مسلط ہوگئی اور زندگی کی رونق اور چہل پہل کے آثار اس طرح وہاں سے مٹ گئے جیسے پہلے وہاں کوئی رہتا ہی نہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل خانہ کو ہجرت کیے ہوئے ابھی تھوڑی ہی مدت گزری تھی کہ ایک دن سردارانِ قریش یہ معلوم کرنے کیلئے مکہ کے محلوں اور آبادیوں میں گشت کرنے نکلے کہ مسلمانوں میں سے کون کون سے لوگ مکہ چھوڑ کر جا چکے ہیں اور کون سے لوگ ابھی تک یہاں سکونت پذیر ہیں۔ ان گشت کرنے والوں میں ابو جہل بھی تھا اور عتبہ ابن ربیعہ بھی۔ عتبہ ابن ربیعہ نے دیکھا کہ بنو جحش کے مکانات میں گرد و غبار اڑاتی ہوئی ہوائیں نوحہ کرتی پھر رہی ہیں اور ان کے دروازوں کے کھلے ہوئے پٹ آپس میں ٹکرا ٹکرا کر بڑی بھیانک آواز پیدا کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر اس نے کہا کہ بنو جحش کے مکانات ویران ہو گئے ہیں اور یہ اپنے مکینوں کے فراق میں رو رہے ہیں۔ یہ سن کر ابو جہل نے کہا کہ یہ کیسے لوگ تھے کہ ان کی جدائی کے صدمے سے ان کے مکانات تک رو رہے ہیں۔ پھر ابو جہل نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے مکان پر قبضہ کر لیا اور اس پر اور اس میں باقی ماندہ سامان و اسباب پر مالکانہ طور پر تصرف کرنے لگا۔ جب اپنے مکان پر ابو جہل کے قبضے کی خبر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ہوئی اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ عبداللہ! کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے عوض تم کو جنت میں مکان عطا فرمائے؟ انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں! اے اللہ کے رسول، میں اس پر راضی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کو اس کے بدلے جنت میں اس سے عمدہ اور عالی شان مکان ملے گا۔ یہ سن کر ان کا جی خوش ہو گیا اور ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اپنی دونوں ہجرتوں کی مشقتیں جھیلنے کے بعد ابھی مدینہ میں قرار و سکون کی دو گھڑیاں بھی نہیں گزار پائے تھے، قریش مکہ کے ہاتھوں دُکھ اور اذیت برداشت کرنے کے بعد ابھی انصارِ مدینہ کے زیرِ سایہ اور ان کے حفظ و امان میں رہ کر وہ سکھ چین کے چند لمحات بھی نہیں بتا سکے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت نے انہیں ان کی زندگی کی سب سے کڑی آزمائش اور ان کے اسلام لانے کے بعد سب سے تلخ تجربے سے

دوچار کردیا۔

ہوا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی اولین فوجی مہم کے لیے آٹھ صحابہ کرام کو جن میں حضرت عبداللہ بن جحش اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے، طلب فرمایا اور کہا کہ میں تمہارا امیر اس شخص کو مقرر کروں گا جو بھوک پیاس کی شدت سب سے زیادہ برداشت کرسکتا ہو۔ پھر آپ نے اس دستے کی قیادت حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی، اس طرح حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سب سے پہلے مسلمان تھے جن کو مسلمانوں کے کسی فوجی دستے کی قیادت سونپی گئی۔

روانگی سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے سمتِ سفر کا تعین فرمایا اور ایک خط ان کے حوالے کرتے ہوئے یہ ہدایت کی کہ وہ دن کی مسافت طے کرنے سے پہلے اس کو نہ پڑھیں۔ حسبِ ہدایت جب انہوں نے اس خط کو کھولا تو اس میں یہ ہدایت درج تھی:

> ”میرے اس خط کو پڑھنے کے بعد آگے بڑھ کر طائف اور مکہ کے درمیان ”نخلہ“ کے مقام پر پڑاؤ ڈالو اور وہاں ٹھہر کر قریش کی ٹوہ لگاؤ اور ان کے حالات سے واقفیت حاصل کرو۔“

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے خط پڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں مقام نخلہ پر پہنچ کر وہاں خفیہ طور پر قریش پر نظر رکھوں اور ان کے حالات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کروں۔ انہوں نے مجھے تم میں سے کسی کو زبردستی اپنے ساتھ لے جانے سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے تم میں سے جو شخص شہادت کا طالب اور اس کا آرزومند ہو وہ میرے ساتھ چلے اور جس کا جی چاہے بلاخوفِ ملامت واپس چلا جائے لیکن سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے حکم کو بسر و چشم قبول کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو جہاں جانے کا حکم دیا ہے، چلیے...... ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔

وہ لوگ وہاں سے آگے بڑھے اور نخلہ کے مقام پر پہنچ کر قریش کے حالات معلوم کرنے کے لئے مختلف راستوں پر چکر لگانے لگے۔ اس تلاش و جستجو کے دوران ان کی

نظر دور سے آتے ہوئے قریش کے ایک تجارتی قافلے پر پڑی جو چار آدمیوں عمرو بن حضرمی، عمر بن کیسان، عثمان ابن عبداللہ اور اس کے بھائی مغیرہ بن عبداللہ پر مشتمل تھا۔ ان لوگوں کے ساتھ قریش کا سامانِ تجارت تھا جس میں کھال اور کشمش وغیرہ وہ چیزیں تھیں جن کی وہ تجارت کرتے تھے۔

وہ تاریخ ماہِ حرام (رجب) کی آخری تاریخ تھی۔ صحابہؓ نے آپس میں اس بات پر مشورہ کیا کہ قافلے کے ساتھ کون سا طرزِ عمل اختیار کیا جائے۔ اگر ہم انہیں قتل کرتے ہیں تو ماہِ حرام میں جنگ و خونریزی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس صورت میں ماہِ حرام کی حرمت پامال ہوگی اور ہم اہل عرب کی ناراضی اور اُن کی ملامت کا ہدف بن جائیں گے اور اگر انہیں آج کی تاریخ گزرنے تک مہلت دے دیں تو یہ حدودِ حرم میں داخل ہو کر ہماری پہنچ سے باہر ہو جائیں گے اور خود کو ہماری گرفت سے محفوظ کرلیں گے۔ وہ دیر تک اس مسئلے پر غور و فکر کرتے رہے آخر کار وہ ان کے اوپر حملہ کرنے، انہیں قتل کرنے اور ان کے مال و اسباب کو بطورِ غنیمت لے لینے پر متفق الرائے ہو گئے اور پھر...... تھوڑی دیر میں وہ ان میں سے ایک کو قتل اور دو کو گرفتار کر چکے تھے۔ البتہ چوتھا شخص بھاگ کر اپنی جان بچا لینے میں کامیاب ہو گیا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی دونوں اسیروں اور سامانِ تجارت سے لدے ہوئے اونٹوں کو لیے ہوئے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی کاروائی سے آگاہ ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کے اس فعل پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور ان سے کہا:

> "خدا کی قسم میں نے تمہیں جنگ کی اجازت نہیں دی تھی، میں نے تو تم کو صرف قریش کے حالات معلوم کرنے کا حکم دیا تھا اور یہ ہدایت کی تھی کہ ان کی نقل و حرکت پر خفیہ طور پر نظر رکھو۔"

آپ ﷺ نے قیدیوں کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا بلکہ ان کے معاملے کو فی الحال ملتوی کر دیا۔ آپ ﷺ نے مالِ غنیمت سے بھی اعراض فرمایا اور اس میں سے کچھ نہیں لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو سخت صدمہ پہنچا اور انہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی

Marfat.com

خلاف ورزی کے مرتکب ہو کر مکمل طور پر تباہی و بربادی کا سامنا کر رہے ہیں۔ مزید برآں ان پر یہ بات بھی شاق گزری کہ ان کے مسلمان بھائی انہیں ملامت کرنے لگیں، جب بھی ان کا گزر مسلمانوں کی کسی ٹولی کی طرف سے ہوتا وہ یہ کہتے ہوئے ان کی طرف سے منہ پھیر لیتے کہ "یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی ہ ے۔" اور انہیں اس وقت اور زیادہ صدمہ پہنچا جب ان کو یہ بات معلوم ہوئی کہ قریش نے ان کی اس حرکت کو رسول اللہ ﷺ پر اعتراض کرنے اور ان کو قبائل میں بدنام کرنے کا ایک ذریعہ بنالیا ہے۔ مشرکین مکہ یہ کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرتے پھر رہے تھے کہ "محمد ﷺ نے حرام مہینے کو حلال کرلیا، اس میں خونریزی کی، مال لوٹا اور آدمیوں کو گرفتار کیا۔" پھر نہ پوچھیے کہ حضرت عبداللہ بن جحش ؓ اور ان کے رفقاء کو اپنی اس فروگذاشت پر کتنا گہرا رنج اور صدمہ ہوا اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی شرمندگی اور ندامت لاحق ہوئی کیونکہ ان کی اس کاروائی کی وجہ سے آپ ﷺ سخت ذہنی کوفت واذیت میں مبتلا ہو گئے تھے۔ جب ان لوگوں کی بے چینی اور پریشانی حد سے متجاوز اور ان کی قوت برداشت سے باہر ہوگئی تو اچانک ایک شخص نے آ کر انہیں یہ مژدۂ جانفزا سنایا کہ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہوگیا اور اس نے اس سلسلے میں اپنے نبی پر قرآن نازل کیا ہے۔ یہ سن کر انہیں ناقابلِ بیان مسرت حاصل ہوئی۔ لوگ قرآن کی اس آیت کو پڑھتے ہوئے انہیں خوشخبری سناتے، انہیں مبارکباد دیتے اور ان کے ساتھ معانقہ کرتے:

یسئلونک عن الشّھر الحرام قتالٍ فیہِ قل قتالٌ فیہ کبیرٌ وصدٌّ عن سبیلِ اللّٰہ وکفرٌ بہٖ والمسجد الحرام واخراجُ اھلہٖ اکبر عنداللّٰہ والفتنۃ اکبر من القتل۔ (البقرہ:۲۱۷)

"لوگ پوچھتے ہیں ماہِ حرام میں لڑنا کیسا ہے؟ کہو اس میں لڑنا بہت بُرا ہے مگر راہِ خدا سے لوگوں کو روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام کا راستہ خدا پرستوں پر بند کرنا اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بُرا ہے۔ اور فتنہ تو خونریزی سے شدید تر ہے۔"

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جی خوش ہوگیا۔ آپ نے

Marfat.com

قافلے کا مال قبول کر لیا اور دونوں قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا فرما دیا۔ پھر آپ ﷺ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء سے بھی راضی ہو گئے۔ کیونکہ ان کا یہ غزوہ مسلمانوں کی زندگی میں ایک بہت بڑے اور عظیم واقعے کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس غزوہ میں حاصل ہونے والا مالِ غنیمت اسلام میں سب سے پہلا مالِ غنیمت تھا، اس میں قتل ہونے والا شخص پہلا مشرک تھا، جس کا خون مسلمانوں نے بہایا، اس میں گرفتار ہونے والے قیدی پہلے قیدی تھے جو مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ اس کا جھنڈا پہلا جھنڈا تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک نے باندھا اور اس کے امیر حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص تھے جن کو امیر المومنین کے لقب سے پکارا گیا۔

پھر بدر کا معرکہ پیش آیا۔ اس میں حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے شجاعت و مردانگی کے وہ جوہر دکھائے جو اُن کے ایمان کے شایانِ شان تھے۔

پھر غزوۂ اُحد پیش آیا، جس میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے دوست حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے مابین ایک یادگار اور ناقابل فراموش واقعہ پیش آیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنے اور اپنے دوست کے واقعے کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"غزوۂ اُحد کے موقع پر عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ مجھ سے ملے اور بولے: کیا تم اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرو گے؟" میں نے جواب دیا: کیوں نہیں۔ پھر ہم دونوں ایک طرف خلوت میں چلے گئے اور میں نے دعا کی: "میرے رب! جب دشمن سے میری مُڈبھیڑ ہو تو میرا مقابلہ کسی ایسے شخص سے کرانا جس کی گرفت نہایت سخت اور جس کا غیظ و غضب انتہائی شدید ہو، میں اس سے لڑوں، وہ مجھ سے لڑے، پھر تو مجھے اس کے اوپر غلبہ و کامرانی عطا فرما، حتیٰ کہ میں اسے قتل کر کے اس کے اسلحے کو اپنے قبضے میں کر لوں۔

عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے میری اس دعا پر آمین کہی، پھر انہوں نے دعا کی: "خدایا، میدانِ جنگ میں میرا مقابلہ ایسے شخص سے کرانا جو انتہائی غضبناک اور سخت گیر ہو۔ میں تیری راہ میں اس سے جنگ کروں اور وہ مجھ سے لڑے پھر وہ میرے اوپر غالب آ جائے اور میری ناک اور

Marfat.com

میرے کان کاٹ لے اور جب قیامت کے دن میں تیرے سامنے حاضر ہوں تو تُو مجھ سے پوچھے کہ میرے بندے! تیری ناک اور تیرے کان کیوں کاٹے گئے؟ تو میں کہوں کہ خدایا، تیری اور تیرے رسولؐ کی راہ میں، اور تو کہے کہ تو نے سچ کہا۔"

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی دعا میری دعا سے اچھی تھی، میں نے دن کے آخری حصے میں دیکھا کہ انہیں قتل کر کے ان کا مُثلہ کر دیا گیا ہے اور ان کی ناک اور کانوں کو ایک دھاگے کے ذریعہ درخت پر لٹکا دیا گیا ہے۔

اللہ نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی دعا قبول فرمالی اور انہیں شہادت کی نعمت سے نوازا جیسا کہ ان کے ماموں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کو نوازا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کیا۔ اس وقت آپ ﷺ کے مقدس آنسو ان کی قبر کو تر کر رہے تھے جو شہادت کی خوشبو سے معطر ہو رہی تھی۔

حضرت ابواحمد بن جحش اسدی رضی اللہ عنہ

آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور برادر نسبتی لگتے ہیں۔

عبد نام تھا اور "ابواحمد" کنیت تھی۔ انہوں نے اپنی کنیت ہی سے شہرت پائی۔ ان کا تعلق بنو اسد بن خزیمہ سے تھا۔ اس خاندان کو بنی غنم بن دودان بھی کہا جاتا ہے۔ نسب نامہ یہ ہے:

ابواحمد عبد بن جحش بن ریاب بن یعمر بن صبرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر۔

والدہ کا نام اُمیمہ بنت عبدالمطلب تھا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں، اس نسبت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابواحمد کے ماموں زاد بھائی تھے۔

اُم المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا حضرت ابواحمد کی حقیقی بہن اور جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ (شہیدِ اُحد) ان کے حقیقی بھائی تھے۔

Marfat.com

حضرت ابواحمد کا خاندان زمانۂ جاہلیت میں، مکہ میں حرب بن اُمیہ (یا بنی عبدشمس) کا حلیف تھا۔ حرب بن اُمیہ بنی عبدشمس ہی کا ایک فرد تھا۔

حضرت ابواحمد رضی اللہ عنہ نورِ بصارت سے محروم تھے مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں نورِ بصیرت کی نعمت عطا کر دی تھی۔ چنانچہ وہ دعوتِ حق کے بالکل ابتدائی زمانے میں اپنے بھائیوں (عبداللہ اور عبیداللہ) کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ معتبر روایات کے مطابق وہ دعوتِ توحید کے ابتدائی تین سالوں کے اندر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک دارِ ارقم میں تشریف نہیں لے گئے تھے...... اس طرح ان کو اَلسّابقون الاوّلون کی مقدس جماعت میں امتیازی مقام حاصل ہو گیا...... کہا جاتا ہے کہ وہ نابینا ہونے کے باوجود مکہ کے بالائی اور زیریں حصہ میں بغیر کسی رہبر کے چکر لگایا کرتے تھے۔ وہ ایک خوشگو شاعر بھی تھے۔

ابن اثیرؒ نے ''اسد الغابہ'' میں حضرت ابواحمد عبد کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ جن لوگوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی ان میں سے یہ بھی ہیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش کے ترجمہ میں بھی انہوں نے یہی بات دہرائی ہے۔ ان کے تتبع میں مولانا حاجی معین الدین ندویؒ نے سیر الصحابہ جلد دوم (مہاجرین حصہ اول) میں حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں یہ عبارت لکھی ہے:

> ''انہوں (حضرت عبداللہ بن جحش) نے دو دفعہ سرزمین حبش کی طرف ہجرت فرمائی۔ آخر سفر میں تمام خاندان یعنی دو بھائی ابواحمد، عبیداللہ اور تین بہنیں زینبؓ، اُم حبیبہ، حمنہ بنت جحش نیز عبیداللہ کی بیوی اُم حبیبہ بنتِ ابوسفیان ساتھ تھیں۔ عبیداللہ نے حبش میں نصرانیت اختیار کر لی اور وہیں پیوندِ خاک ہوا۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اپنے بقیہ خاندان کو پھر مکہ واپس لائے اور یہاں سے اپنے قبیلہ یعنی بنی غنم بن دودان کے تمام ممبروں کو جو سب کے سب دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے، ساتھ لے کر مدینہ پہنچے۔''

یہ روایت اس اعتبار سے محلِ نظر ہے کہ ابن ہشامؒ نے سیرۃ میں امام ابن اسحٰقؒ کے

Marfat.com

حوالے سے اور حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ میں مہاجرین حبشہ کی جو فہرست دی ہے اس میں پہلی ہجرت حبشہ (۵ نبوی) کے مہاجرین میں بنی اسد بن خزیمہ کے کسی بھی فرد کا نام شامل نہیں ہے البتہ دوسری ہجرتِ حبشہ کے مہاجرین میں اس گھرانے کے ان تین افراد کے نام شامل ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن جحش

(۲) عبیداللہ بن جحش

(۳) اس کی بیوی اُمّ حبیبہ بنتِ ابی سفیان (عبیداللہ کے مرنے کے بعد انہیں اُم المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔)

مہاجرین حبشہ کی اس فہرست میں نہ حضرت ابواحمد کا نام شامل ہے اور نہ اُن کی کسی بہن کا۔ اکثر دوسرے اربابِ سِیَر نے بھی ان کو مہاجرین حبشہ میں شامل نہیں کیا۔ اس لیے ہمارے نزدیک صحیح یہی ہے کہ حضرت ابواحمدؓ نے حبش کی طرف ہجرت نہیں کی اور ہجرتِ مدینہ تک مکہ ہی میں مقیم رہے۔ حبش کی طرف ہجرت نہ کرنے کا ظاہری سبب یہ تھا کہ وہ نابینا تھے اور مشرکین قریش نے ان پر کبھی دستِ تظلّم دراز نہیں کیا تھا۔ ایک اور سبب یہ بھی تھا کہ ان کی بیوی فارعہ سردارِ قریش ابوسفیانؓ کی بیٹی تھیں، اس رشتہ کی بناء پر بھی مشرکین ان پر ہاتھ اٹھانے سے گریز کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ حبش میں چند سال قیام کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت الی المدینہ سے پہلے مکہ واپس آ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ہجرتِ مدینہ کا اِذن دیا تو حضرت عبداللہ اپنے بھائی حضرت ابواحمدؓ اور خاندان کے دوسرے تمام افراد کو ساتھ لے کر مدینہ پہنچ گئے۔ مشہور روایت کے مطابق ان سب کو حضرت عاصمؓ بن ثابت افلح انصاری نے اپنا مہمان بنایا۔ (طبقات ابن سعد، اُسد الغابہ)

ایک اور روایت کے مطابق حضرت ابواحمدؓ نے مہاجرین میں سے سب سے آخر میں (الگ) ہجرت کی اور مدینہ میں ان کے میزبان حضرت مبشر رضی اللہ عنہ بن عبدالمنذر انصاری تھے۔ واللہ اعلم (حیاۃ الصحابہ جلد اول و مہاجرین حصہ دوم)

اربابِ سِیَر کا بیان ہے کہ اس خاندان نے اس طرح ہجرت کی کہ ان کا محلہ

Marfat.com

ویران ہو گیا اور بہت سے گھروں پر تالے پڑ گئے۔

حضرت ابو احمدؓ کی اہلیہ کی مرضی تھی کہ مدینہ کی بجائے کسی دوسرے شہر کی طرف ہجرت کریں مگر حضرت ابو احمد رضی اللہ عنہ نے اس سے اتفاق نہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق مدینہ کی طرف ہی ہجرت کی۔ ان کے خسر ابو سفیان کو ان کی ہجرت بہت ناگوار گزری (وہ ابھی ایمان نہ لائے تھے) انہوں نے حضرت ابو احمد رضی اللہ عنہ کے جانے کے بعد ان کا مکان ابنِ علقمہ عامری کے ہاتھ بیچ ڈالا۔

فتح مکہ (رمضان المبارک ۸ھ) کے موقع پر حضرت ابو احمدؓ سرورِ عالم ﷺ کے ہمرکاب تھے مگر کسی دوسرے غزوے میں ان کا ذکر نہیں آتا۔ شاید نابینا ہونے کی وجہ سے لڑائی میں عملاً حصہ لینا ان کے لیے ممکن نہ تھا۔ حضرت ابو احمدؓ کی ہجرت کے بعد ایک دفعہ ابو جہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، حویطب بن عبد العزّٰی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب کا گزر اُن کے مکان کی طرف ہوا۔ اس مکان کی ویرانی کو دیکھ کر عتبہ بن ربیعہ نے ٹھنڈی سانس بھری اور یہ شعر پڑھا:

وکل دارٍ وان طالت سلامتُها
یوماً ستُدرِکُها النکباء والحوبُ

"ہر مکان اگرچہ ایک مدت تک آباد رہا ہو ایک نہ ایک دن اس پر ویرانی آتی ہے اور ہوا کے جھکڑ چلتے ہیں۔"

اس موقع پر ابو جہل نے حضرت عباسؓ سے مخاطب ہو کر اپنی کینہ توزی کا اظہار اس طرح کیا...... "یہ سب تمہارے بھتیجے کا کیا دھرا ہے۔"

فتح مکہ کے دن حضرت ابو احمد رضی اللہ عنہ نے سب کے سامنے اپنے مکان کا مطالبہ کیا لیکن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے چپکے سے کچھ کہلا دیا۔ انہوں نے حضور ﷺ کا ارشاد حضرت ابو احمدؓ کے گوش گزار کیا تو وہ خاموش ہو گئے اور پھر عمر بھر اس مکان کا نام تک بھی زبان پر نہ لائے۔ بعد میں ان کے اہل خاندان سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ فرمایا تھا کہ تم اس مکان کا خیال چھوڑ دو، تم کو اس کے عوض خُلدِ بریں میں محل ملے گا۔ حضرت ابو احمد رضی اللہ

Marfat.com

عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ۲۰ ہجری سے پہلے کسی وقت وفات پائی، اولاد کوئی نہیں چھوڑی۔

حضرت ابو احمد رضی اللہ عنہ ایک خوش گو شاعر تھے۔ انہوں نے اپنی ہجرت کے بارے میں ایک طویل نظم کہی تھی، اس کے ابتدائی چار شعر یہ ہیں:

ولمّا رأتنی اُمُّ احمدَ غادیًا
بذِمَّة من اخشٰی بغیبٍ وارهبُ
تقول فامَّا کنتَ لابُدَّ فاعلًا
فیمَّمُ بنا البُلدان ولتنأ یثربُ
فقلت لها ما یثرب بمظِنَّةٍ
وما یشاء الرحمٰن فالعبدُ یرکبُ
اِلی اللّٰه وجهِی والرَّسولِ ومن یَّقُمْ
اِلی اللّٰه یومًا وجههُ لا یَحیبُ

''جب میری اہلیہ اُم احمد نے مجھے دیکھا کہ اس ذات کے بھروسے پر جس سے میں خلوت میں بھی ڈرتا ہوں، میں نے سفر کا ارادہ کیا ہے۔
کہنے لگی، اگر تمہیں یہ کام کرنا ہی ہے اور تمہارے لیے یہ سفر ضروری ہے تو ہم لوگوں کو لے کر اور شہروں کا ارادہ کرو اور یثرب نہ جاؤ۔
میں نے اس سے کہا، یثرب کوئی بُری جگہ نہیں ہے اور جو اللہ نے چاہا ہے بندہ وہی کرتا ہے۔
اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف میرا ارادہ ہے اور جو ایک دن کے لیے بھی اللہ کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہے وہ رُسوا نہیں کیا جاتا۔''

مدینہ منورہ میں جب انہیں معلوم ہوا کہ ابوسفیانؓ نے ان کا گھر بیچ ڈالا ہے تو انہوں نے ایک نظم میں اس کی شکایت لکھی۔ اس کے دو شعر یہ ہیں:

اقطعت عقدِک بیننَا
والجاریاتِ اِلی ندامهٗ

دار ابنِ عمّک بَعثتہا
تشری بِہا عنک النّدامہ

(الاستیعاب)
(ایک سو پچاس چراغ...... مصنف طالب الہاشمی)

حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نام تھا۔ جحش بن رباب کی بیٹی تھیں۔ جو قبیلہ قریش کے کاندان اسد بن حزیمہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ امیمہ بنت عبدالمطلب تھیں جو رسول کریم ﷺ کی حقیقی پھوپھی تھیں۔

ام المومنین کی بہن

مشہور جان نثار رسول ﷺ حضرت عبداللہ بن جحش آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حقیقی بھائی اور ام المومنین حضرت زینبؓ بنت جحش آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حقیقی بہن تھیں۔

قبول اسلام

حضرت حمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح جلیل القدر صحابی حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عمیر سے ہوا۔ وہ سابقون الاولون میں تھے۔ حضرت حمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی انہی کے ساتھ دعوتِ حق پر لبیک کہا۔ اس کے بعد اپنے شوہر کے ہمراہ ہجرت کا شرف حاصل کیا۔

غزوۂ اُحد میں شرکت

۳ھ میں حضرت حمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جنگ احد میں شرکت کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دوسری خواتین کے ہمراہ زخمیوں کی تیمار داری

کرتیں، مجاہدین کو پانی پلاتیں اور بوقت ضرورت زخمیوں کو ان کے گھر پہنچاتی تھیں۔

خاوند کی شہادت

جنگ احد میں ان کے شوہر حضرت مصعب بن عمیر ﷺ نے نہایت جانبازی سے لڑ کر شہادت پائی حضرت مصعب بن عمیر ﷺ بہت خوبرو اور خوش لباس تھے۔ رسول کریم ﷺ نے ان کی لاش پر کھڑے ہو کر فرمایا۔

''میں نے تم کو مکہ میں دیکھا تھا جہاں تمہارے جیسا حسین اور خوش لباس کوئی نہ تھا لیکن آج دیکھتا ہوں کہ تمہارے بال الجھے ہوئے ہیں اور جسم پر صرف ایک چادر ہے بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ قیامت کے دن تم بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو گے۔''

دوسرا نکاح

حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عمیر نے اپنی یادگار ایک لڑکی زینب چھوڑی مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا جو رسول اللہ ﷺ کے محبوب صحابی تھے اور حضور ﷺ نے انہیں جنتی ہونے کی بشارت دی تھی۔ محمد (سجاد) اور عمرو دو لڑکے ان سے پیدا ہوئے۔

حضرت حمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چند دوسرے سادہ لوح مسلمانوں کی طرح واقعہ افک میں منافقین کے فریب میں آ گئیں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر لگائی گئی جھوٹی تہمت کی تائید کی۔ بارگاہ خداوندی سے جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بریت ہوئی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی توبہ کی۔ اگرچہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کی شرکت افک کا ہمیشہ قلق رہا۔

وصال مبارک

حضرت حمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ۲۰ ہجری کے بعد کسی سال انتقال کیا۔ جنت المعلیٰ میں مدفون ہیں۔

Marfat.com

حضور ﷺ کے ہم زلف

حضرتِ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

نام ونسب

مصعب نام، ابومحمد کنیت، والد کا نام عمیر، اور والدہ کا نام حناس بنتِ مالک تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے ''مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار بن قصی القرشی۔'' (اسد الغابہ تذکرہ مصعب بن عمیرؓ)

ابتدائی حالات

حضرت مصعبؓ مکہ کے ایک نہایت حسین وخوش رو نوجوان تھے، ان کے والدین ان سے نہایت شدید محبت رکھتے تھے، خصوصاً ان کی والدی حناس بن مالک نے مالدار ہونے کی وجہ سے اپنے لختِ جگر کو نہایت ناز ونعمت سے پالا تھا، چنانچہ وہ عمدہ سے عمدہ پوشاک، اور لطیف سے لطیف خوشبو جو اس زمانہ میں میسر آسکتی تھی استعمال فرماتے تھے، آنحضرت ﷺ کبھی ان کا تذکرہ کرتے تو فرماتے مکہ میں مصعبؓ سے زیادہ کوئی حسین، خوش پوشاک اور پروردۂ نعمت نہیں ہے۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جزءِ ثالث ص ۸۲)

اسلام

خدائے پاک نے حسن ظاہری، سلامت ذوق اور طبعِ لطیف کے ساتھ آئینۂ دل کو بھی نہایت شفاف بنایا تھا، صرف ایک عکس کی دیر تھی کہ توحید کے دلربا خدوخال نے شرک سے متنفر کردیا اور آستانۂ نبوت پر حاضر ہوکر اس کے شیدائیوں میں داخل ہوگئے، یہ وہ زمانہ

Marfat.com

تھا کہ آنحضرت ﷺ ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں پناہ گزین تھے اور مسلمانوں پر مکہ کی سر زمین تنگ ہو رہی تھی، اس بنا پر حضرت مصعب بن عمیر نے ایک عرصہ تک اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا اور چھپ چھپ کر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے، لیکن ایک روز اتفاقاً عثمان بن طلحہؓ نے نماز پڑھتے دیکھ لیا اور ان کی ماں اور خاندان والوں کو خبر کر دی، انہوں نے سنا تو محبت نفرت سے مبدّل ہو گئی اور مجرم توحید کے لئے شرک کی عدالت نے قیدِ تنہائی کا فیصلہ سنایا۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث)

ہجرتِ حبشہ

حضرت مصعب ایک عرصہ دراز تک قید کے مصائب برداشت کرتے رہے، لیکن زنان خانہ کی تلخ زندگی نے بالآخر ترکِ وطن پر مجبور کر دیا، اور متلاشیانِ امن وسکون کے ساتھ سرزمینِ حبش کی راہ لی، اس ناز پروردہ نوجوان کو اب نہ تو نرم ونازک کپڑوں کی حاجت تھی، نہ نشاط افزا عطریات کا شوق اور دنیاوی عیش وتنعم کی فکر تھی، صرف جلوۂ توحید کے ایک نظارہ نے تمام فانی ساز وسامان سے بے نیاز کر دیا، غرض ایک مدت بعد حبش سے پھر مکہ واپس آئے ہجرت کے مصائب سے رنگ وروپ باقی نہ رہا تھا، تو ان کی ماں کو اپنے نورِ نظر کی پریشان حالی پر رحم آ گیا اور مظالم کے اعادہ سے باز آ گئی۔ (اسد الغابہ تذکرہ مصعب بن عمیرؓ)

تعلیمِ دین واشاعتِ اسلام

اس اثنا میں خورشیدِ اسلام کی ضیا پاش شعائیں کوہ فاران کی چوٹیوں سے گذر کر وادیٔ یثرب تک پہنچ چکی تھیں اور مدینہ منورہ کے ایک معزز طبقے نے اسلام قبول کر لیا تھا انہوں نے دربارِ نبوت میں درخواست بھیجی کہ ہماری تعلیم وتلقین پر کسی کو مامور کیا جائے۔ حضور سرورِ کائنات ﷺ کی نگاہِ جوہر شناس نے اس خدمت کے لئے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا اور چند زریں نصائح کے بعد مدینہ منورہ کی طرف روانہ فرمایا۔

(طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۸۲)

حضرتت مصعبؓ مدینہ منور پہنچ کر حضرت اسعد بن زرارہؓ کے مکان پر فروکش ہوئے اور گھر گھر پھر کر تعلیم قرآن اور اشاعتِ اسلام کی خدمت انجام دینے لگے، اس طرح

Marfat.com

رفتہ رفتہ جب کلمہ گویوں کی ایک جماعت پیدا ہو گئی تو نماز و تلاوتِ قرآن کے لئے کبھی حضرت اسعد کے مکان پر اور کبھی بنی ظفر کے گھر پر سب کو جمع کر لیا کرتے تھے، ایک روز حضرت مصعبؓ حسبِ معمول بنی ظفر کے گھر میں چند مسلمانوں کو تعلیم دے رہے تھے کہ قبیلہ عبدالاشہل کے سردار (حضرت) سعد بن معاذ نے اپنے رفیق (حضرت) اسید بن حضیر سے کہا اس داعی اسلام کو اپنے محلّہ سے نکال دو جو یہاں آ کر ہمارے ضعیف الاعتقاد اشخاص کو گمراہ کرتا ہے اگر اسعد میزبانِ حضرت مصعب سے مجھ کو رشتے داری کا تعلق نہ ہوتا تو میں تم کو اس کی تکلیف نہ دیتا، یہ سن کر حضرت اسید نے نیزہ اٹھایا اور حجرت مصعب و اسعد کے پاس آ کر چشم آلود لہجہ میں کہا ''تمہیں یہاں کس نے بلایا ہے کہ ضعیف رائے والوں کو گمراہ کرو؟ اگر تم کو اپنی جانیں عزیز ہیں تو بہتر یہ ہے کہ ابھی یہاں سے چلے جاؤ'' حضرت مصعب نے نرمی سے جواب دیا ''بیٹھ کر ہماری باتیں سنو اگر پسند آئیں قبول کرو ورنہ ہم یہاں سے خود چلے جائیں گے'' حضرت اسیدؓ نیزہ گاڑ کر بیٹھ گئے اور غور سے سننے لگے، حضرت مصعبؓ نے چند آیات کریمہ تلاوت کر کے اس خوبی کے ساتھ عقائد و محاسنِ اسلام بیان فرمائے کہ تھوڑی ہی دیر میں حضرت اُسیدؓ کا دل نورِ ایمان سے چمک اٹھا اور بیتاب ہو کر بولے ''کیسا اچھا مذہب ہے، کیسی بہتر ہدایت ہے، اس مذہب میں داخل ہونے کا طریقہ کیا ہے؟'' حضرت مصعبؓ نے فرمایا ''پہلے نہا دھو کر پاک کپڑے پہنو پھر صدقِ دل سے ''لاالہ الااللہ محمدٌ رّسول اللّٰہ'' کا اقرار کرو، انہوں نے فوراً اس ہدایت کی تعمیل کی اور کلمہ پڑھ کر کہا ''میرے بعد ایک اور شخص ہے جس کو ایمان پر لانا ہوگا، اگر وہ اس دائرہ میں داخل ہو گیا تو تمام قبیلہ عبدالاشہل اس کی پیروی کرے گا میں ابھی اس کو آپ کے پاس بھیجتا ہوں''

حضرت اسید ﷺ غیض و غضب کے عوض عشق و محبت کا سودا خرید کر اپنے قبیلہ میں واپس آئے تو حضرت سعب بن معاذؓ نے دور ہی سے دیکھ کر فرمایا ''خدا کی قسم اس شخص کی حالت میں ضرور کچھ انقلاب ہو گیا ہے'' اور جب قریب آئے تو پوچھا ''کہو کیا کر آئے''؟ بولے ''خدا کی قسم وہ دونوں ذرا بھی خوفزدہ نہ ہوئے میں نے ان کو منع کیا تو وہ بولے کہ ہم وہیں کریں گے جو تم پسند کرو گے، لیکن مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ بنی حارثہ اس

Marfat.com

وجہ سے اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے نکلے ہیں کہ وہ تمہارا خالہ زاد بھائی ہے تا کہ اس طرح تمہاری تذلیل ہو، چونکہ بنی حارثہ اور عبدالاشہل میں دیرینہ عداوت تھی اس لئے حضرت اسید کا افسوں کارگر ہوگیا، حضرت سعد بن معاذ جوشِ غضب سے اٹھ کھڑے ہوئے اور تخالفِ مذہبی کے باوجود اسعد کی مدد کے لئے دوڑے لیکن جب یہاں پہنچ کر بالکل سکون و اطمینان دیکھا تو سمجھ گئے کہ اسید نے ان دونوں سے بالمشافہ گفتگو کرنے کے لئے محض اشتعال دلایا ہے، غرض نسبی ترحم فوراً مذہبی تعصب سے مبدّل ہوگیا اور خشمگیں لہجہ میں بولے ''ابوامامہ خدا کی قسم اگر رشتے داری کا پاس نہ ہوتا تو میں تمہارے ساتھ نہایت سختی کے ساتھ پیش آتا تمہیں کیونکر ہمارے محلے میں علانیہ ایسے عقائد پھیلانے کی ہمت ہوئی جس کو ہم سخت ناپسند کرتے ہیں، حضرت مصعبؓ نے نرمی سے جواب دیا کہ پہلے ہماری باتیں سنو اگر پسند آئیں تو قبول کرو ورنہ ہم خود تم سے کنارہ کش ہو جائیں گے، حضرت سعدؓ نے اس کو منظور کرلیا تو انہوں نے ان کے سامنے بھی اس خوبی سے اسلام کا نقشہ پیش کیا کہ حضرت سعد کا چہرہ نورِ ایمان سے چمک اٹھا اسی وقت مسلمان ہوئے اور جوش میں بھرے ہوئے اپنے قبیلہ والوں کے پاس آئے، اور ببانگِ بلند سوال کیا ''اے بن اشہل! بتاؤ میں تمہارا کون کون ہوں'' انہوں نے کہا ''تم ہمارے سردار اور سب سے زیادہ عاقل اور عالی نسب ہو'' ۔''بولے خدا کی قسم تمہارے مردوں اور تمہاری عورتوں سے گفتگو کرنا مجھ پر حرام ہے جب تک تم خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان نہ لاؤ''

اس طرح عبدالاشہل کا تمام قبیلہ حضرت سعد بن معاذ کے اثر سے اسلام کا حلقہ بگوش ہوگیا۔ (سیرتِ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۳۹ و خلاصۃ الوفا و ص ۹)

حضرت مصعبؓ ایک عرصہ تک حضرت اسعد بن زرارہؓ کے مہمان رہے لیکن جب بن نجار نے ان پر تشدد شروع کیا تو حضرت سعد بن معاذ کے مکان پر اٹھ آئے اور یہیں سے اسلام کی روشنی پھیلاتے رہے، یہاں تک کہ خطمہ وائل اور واقف کے چند مکانات کے سوا عوالی اور مدینہ کے تمام گھر روشن ہوگئے۔

(سیرتِ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۳۹ و خلاصۃ الوفا و ص ۹)

Marfat.com

مدینہ میں جمعہ قائم کرنا

مدینہ منورہ میں جب کلمہ گو حضرات کی ایک معتدبہ جماعت پیدا ہوگئی، تو حضرت مصعبؓ نے دربارِ نبوت سے اجازت حاصل کر کے حضرت سعد بن خثیمہؓ کے مکان میں جماعت کے ساتھ نمازِ جمعہ کی بنا ڈالی، پہلے کھڑے ہو کر ایک نہایت مؤثر خطبہ دیا، پھر خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھائی، اور بعد نماز حاضرین کی ضیافت کے لئے ایک بکری ذبح کی گئی، اس طرح وہ شعارِ اسلامی جو عبادتِ الٰہی کے علاوہ گفتہ میں ایک دفعہ برادرانِ اسلام کو بغل گیر ہونے کا موقع دیتا ہے، خاص حضرت مصعب بن عمیر کی تحریک سے قائم کیا گیا۔

(طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۸۳)

بیعتِ عقبہ ثانیہ

عقبہ کی پہلی بیعت میں صرف بارہ انصار شریک تھے، لیکن حضرت مصعبؓ نے ایک ہی سال میں تمام اہلِ یثرب کو اسلام کا فدائی بنا دیا چنانچہ دوسرے سال تہتر اکابر واعیان کی پرعظمت جماعت اپنی قوم کی طرف سے تجدید بیعت اور رسول اللہ ﷺ کو مدینہ میں مدعو کرنے کے لئے روانہ ہوئی، ان کے معلمِ دین حضرت مصعبؓ بن عمیر بھی ساتھ تھے، انہوں نے مکہ پہنچتے ہی سب سے پہلے آستانہ نبوت پر حاضر ہو کر اپنی حیرت انگیز کامیابی کی مفصل داستان عرض کی، آنحضرت ﷺ نے نہایت دلچسپی کے ساتھ تمام واقعات سنے اور ان کی محنت وجانفشانی سے بے حد محظوظ ہوئے۔

(طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۸۳)

حضرت مصعبؓ کی ماں نے بیٹے کے آنے کی خبر سنی تو کہلا بھیجا "اے نافرمان فرزند کیا تو ایسے شہر میں آئے گا، جس میں میں موجود ہوں اور تو مجھ سے پہلے ملنے نہ آئے" انہوں نے جواب دیا "میں رسول اللہ ﷺ سے پہلے کسی سے ملنے نہیں جاؤں گا" حضرت مصعبؓ جب رسول خدا ﷺ سے شرفِ ملاقات حاصل کر چکے تو اپنی ماں کے پاس آئے اس نے کہا "میں سمجھتی ہوں کہ تو اب تک ہمارے مذہب سے برگشتہ ہے، بولے "میں رسول اللہ ﷺ کے دینِ برحق اور اس اسلام کا پیروکار ہوں جس کو خدا نے خود اپنے لئے اور اپنے

Marfat.com

رسول کے لئے ناپسند کیا ہے" ماں نے کہا" کیا تم اس مصیبت کو بھول گئے جو تم کو ایک دفعہ سرزمینِ حبش میں برداشت کرنی پڑی اور اب یثرب میں سہنا پڑتی ہے، افسوس دونوں دفعہ تم نے غم خواری کا شکریہ ادا نہ کیا، حضرت مصعبؓ سمجھ گئے کہ شاید پھر مجھ کو قید کرنے کی فکر میں ہے، چلا کر بولے، کیا تو جبراً کسی کو اس کے مذہب سے پھیر سکتی ہے؟ اگر تیرا منشاء یہ ہے تو پھر مجھ کو قید کر دے تو پہلا شخص جو میری طرف بڑھے گا اس کو یقیناً قتل کر ڈالوں گا، ماں نے یہ تیور دیکھے تو کہا، بس تو میرے سامنے سے چلا جا، اور یہ کہہ کر رونے لگی، حضرت مصعبؓ اس کیفیت سے متاثر ہوئے اور کہنے لگے، اے میری ماں! میں تجھے خیر خواہی و محبت سے مشورہ دیتا ہوں کہ تو گواہی دے کہ خدا ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسکے بندہ اور رسول برحق ہیں، اس نے کہا" چمکتے ہوئے تاروں کی قسم! میں اس مذہب میں داخل ہو کر اپنے آپ کو احمق نہ بناؤں گی، جا میں تجھ سے اور تیری باتوں سے ہاتھ دھوتی ہوں، اور اپنے مذہب سے وابستہ رہوں گی۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۸۲)

ہجرتِ مدینہ

حضرت مصعب ﷺ نے مکہ آنے کے بعد ذی الحجہ محرم اور صفر کے مہینے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خدمت میں بسر کیے، اور پہلی ربیع الاول کو سرورِ کائنات ﷺ سے بارہ دن پہلے مستقل طور پر ہجرت کر کے مدینہ کی راہ لی۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۸۴)

غزوات

سنہ ۲ھ سے حق و باطل میں خونریز معرکوں کا سلسلہ شروع ہوا، حضرت مصعب بن عمیر ﷺ میدانِ فصاحت کی طرح عرصہ وغا میں بھی نمایاں رہے، غزوۂ بدر میں جماعتِ مہاجرین کا سب سے بڑا علم ان کے ہاتھ میں تھا، غزوۂ احد میں بھی تمغائے شرف انہیں کو ملا۔

شہادت

اس جنگ میں ایک اتفاقی غلطی نے جب فتح و شکست کا پانسہ پلٹ دیا اور فاتح مسلمان ناگہانی طور پر مغلوب ہو کر منتشر ہو گئے تو اس وقت بھی یہ علمبردارِ اسلام یکہ و تنہا

Marfat.com

مشرکین کے نرغہ میں ثابت قدم رہا، کیونکہ لوائے توحید کو پیچھے کی طرف جنبش دینا اس فدائی ملت کے لئے سخت عار تھا، غرض اس حالت میں مشرکین کے شہسوار ابن قمیہ نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا جس سے داہنا ہاتھ شہید ہو گیا لیکن بائیں ہاتھ نے فوراً علم پکڑ لیا اس وقت ان کی زبان پہ یہ آیت تھی:

وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل. (آل عمران ع ۱۵)

ابن قمیہ نے دوسرا وار کیا تو بایاں ہاتھ بھی قلم تھا، لیکن اس دفعہ دونوں بازوؤں نے حلقہ کر کے علم کو سینہ سے چمٹا لیا، اس نے جھنجھلا کر تلوار پھینک دی اور زور سے نیزہ تاک کر مارا کہ اس کی انی ٹوٹ کر سینہ میں رہ گئی اور اسلام کا سچا فدائی اس آیت کا عادہ کرتے ہوئے فرشِ خاک پر دائمی نیند سو رہا تھا، لیکن اسلامی پھریرا سرنگوں ہونے کے لئے نہیں آیا تھا، ان کے بھائی ابوارومؓ بن عمیر نے بڑھ کر ان کو سنبھالا اور آخر وقت تک شجاعانہ مدافعت کرتے رہے۔

تجہیز و تکفین

لڑائی کے خاتمہ پر آنحضرت ﷺ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی لاش کے قریب کھڑے ہوئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

"من المؤ منین رجالٌ صدقوا ما عاهدوا الله علیه "

"مؤمنین میں چند آدمی ہیں جنہوں نے خدا سے جو کچھ عہد کیا تھا اس کو سچا کر دکھایا"

پھر لاش سے مخاطب ہو کر فرمایا "میں نے تم کو مکہ میں دیکھا جہاں تم جیسا حسین و خوش پوشاک کوئی نہ تھا، لیکن آج دیکھتا ہوں کہ تمہارے بال الجھے ہوئے ہیں اور جسم پر صرف ایک چادر ہے، پھر ارشاد ہوا "بے شک خدا کا رسول گواہی دیتا ہے کہ تم لوگ قیامت کے دن بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہو گے۔"

اس کے بعد غازیانِ دین کو حکم ہوا کہ کشتگانِ راہِ خدا کی آخری زیارت کے کر کے سلام بھیجیں اور فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ روزِ

قیامت تک جو کوئی ان پر سلام بھیجے گا وہ اس کا جواب دیں گے۔

(طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۸۵)

اس زمانہ میں غربت و افلاس کے باعث شہیدانِ ملت کو کفن تک نصیب نہ ہوا، حجرت مصعب بن عمیرؓ کی لاش پر صرف ایک چادر تھی جس سے سر چھپایا جاتا تو پاؤں برہنہ ہو جاتے اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر کھلا تا، بالآخر چادر سے چہرہ چھپایا گیا، پاؤں پر اذخر کی گھاس ڈالی گئی۔ (بخاری باب غزوۂ احد ص ۵۷۸)

اور ان کے بھائی حضرت ابوالروم بن عمیرؓ نے حضرت عامر بن ربیعہؓ اور حجرت سویبط بن سعدؓ کی مدد سے سپردِ خاک کیا۔ "انا للہ و انا الیہ راجعون"

فضل وکمال

حضرت مصعب بن عمیرؓ نہایت ذہین، طباع اور خوش بیان تھے، یثرب میں جس سرعت کے ساتھ اسلام پھیلا اس سے ان کے اوصاف کا اندازہ ہو سکتا ہے، قرآن شریف جس قدر نازل ہو چکا تھا اس کے حافظ تھے، مدینہ میں نمازِ جمعہ کی ابتداء ان ہی کی تحریک سے ہوئی اور یہی سب سے پہلے امام مقرر ہوئے۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۸۳)

اخلاق

اخلاق پایہ نہایت بلند تھا، ظلم کے مکتب نے مزاج میں صرف متانت ہی پیدا نہ کی تھی بلکہ مصائب برداشت کرنے کا خوگر بنا دیا تھا، خصوصاً ملک حبش کی صحرا نوردیوں نے جفا کشی، استقلال و استقامت کے نہایت زریں اسباق دیئے تھے، اور اچھی طرح سکھا دیا تھا، کہ دشمنوں میں رہ کر کس طرح اپنا مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول خدا ﷺ نے نومسلموں کی تعلیم و تربیت اور اشاعتِ اسلام جیسی اہم خدمات پر ان کو مامور فرمایا تھا۔

مزاج قدرتاً نہایت لطافت پسند تھا، اسلام قبول کرنے سے پہلے عمدہ سے عمدہ پوشاک، اور بہتر سے بہتر عطریات استعمال فرماتے، حضرمی جوتا جو صرف اس زمانہ میں صرف امراء کے لئے مخصوص تھا وہ ان کے روزمرہ کے کام آتا، غرض ان کے وقت کا اکثر حصہ آرائش، زیبائش اور زلفِ مشکیں کے سنوارنے میں کام آتا تھا، لیکن جب اسلام لائے تو

Marfat.com

شرابِ توحید نے کچھ ایسا مست کر دیا کہ تمام تکلفات بھول گئے ایک روز دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے کہ جسم پر صرف ستر پوشی کے لئے صرف ایک کھال کا ٹکڑا تھا جس میں جا بجا پیوند لگے ہوئے تھے، صحابہ کرامؓ نے دیکھا تو سب نے عبرت سے گردنیں جھکا لیں، آنحضرت نے فرمایا "الحمد للہ! اب دنیا اور تمام اہلِ دنیا کی حالت بدل جانا چاہیے، یہ وہ نوجوان ہے جس سے زیادہ مکہ میں کوئی ناز پروردہ نہیں تھا، لیکن نیکوکاری کی رغبت اور خدا اور رسول کی محبت نے اس کو تمام چیزوں سے بے نیاز کر دیا۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۸۲)

حلیہ

حلیہ تھا میانہ قد، چہرہ حسین نرم و نازک اور زلفیں نہایت خوبصورت تھیں۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۸۶)

اہل و عیال

حضرت مصعبؓ کی بیوی کا نام حمنہ بنتِ جحش تھا جس نے زینب نام کی ایک لڑکی یادگار چھوڑی۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۸۱)

حضرت اُم حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا

حضرت اُم حبیبہ بنتِ جحش، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اُمیمہ بنتِ عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں۔ اور اُم المومنین حضرت زینبؓ بنت جحش، حضرت حمنہ بنت جحش اور شہید اُحد حضرت عبداللہ بن جحش "المجدع فی الله" (گوش بریدۂ راہِ خدا) کی حقیقی بہن تھیں۔ اپنے بہن بھائیوں کی طرح وہ بھی دعوتِ توحید کے ابتدائی زمانے میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئیں اور مدتوں راہِ حق میں ہر قسم کے مصائب جھیلتی رہیں تا آنکہ ہجرتِ مدینہ کا اِذن ہوا اور ہجرتِ نبوی سے کچھ عرصہ پہلے انہوں نے سرزمینِ مکہ کو الوداع

Marfat.com

کہہ کر یثرب میں بُود و باش اختیار کر لی۔ حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح عظیم المرتبت صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (یکے از اصحاب عشرہ مبشرہ) سے ہوا۔

صحیح مسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اپنی بہن اُم المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے بہت محبت تھی اور دن میں کئی مرتبہ ان کے گھر آیا کرتی تھیں۔ بعض روایتوں میں حضرت اُم حبیبہ کی کنیت اُمِ حبیب درج ہے۔

مزید حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمزلف ہیں۔

- ...... آپ اُن آٹھ خوش نصیب ہستیوں میں سے ایک تھے جو سب سے پہلے ایمان لائے۔
- ...... آپ ان دس نیک بخت اشخاص میں سے ایک تھے جنہیں جنت کی بشارت سے نوازا گیا۔
- ...... آپ ان چھ اصحابِ شوریٰ میں سے ایک تھے جنہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ کا انتخاب کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔
- ...... آپ ان مخصوص علماء صحابہ میں سے ایک تھے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں فتویٰ دینے کا مجاز قرار دیا گیا تھا۔
- ...... زمانۂ جاہلیت میں ان کا نام عبدِ عَمرو تھا۔ مگر قبولِ اسلام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبدالرحمٰن رکھ دیا۔
- ...... آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دارِ ارقم میں داخل ہونے سے قبل اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کے صرف دو دن بعد مشرف بہ اسلام ہوئے اور خدا کی راہ میں ابتلاء و آزمائش کے ان سارے مراحل سے گزرے جن سے السابقون الاوّلون کو گزرنا پڑا تھا۔

Marfat.com

آپ اپنے دین کو کفارِ قریش سے بچانے اور آزادی کے ساتھ اس پر عمل کرنے کے لیے حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے اور بعد میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم ملا تو وہ مسلمانوں کے اس پہلے قافلے میں شامل تھے جس نے اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہجرت کا قصد کیا تھا۔

مدینہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے درمیان مؤاخاۃ کا رشتہ قائم کیا، اور اس موقع پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو حضرت سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ رشتۂ اخوت میں منسلک کیا تو حضرت سعد بن ربیع نے ان سے کہا:

''میرے بھائی! میں مدینہ کا سب سے مالدار شخص ہوں، میرے پاس اس وقت دو باغ اور دو بیویاں ہیں۔ تم دیکھ لو کہ دونوں میں سے کون سا باغ تمہیں پسند ہے، تاکہ میں اس سے تمہارے حق میں دست بردار ہو جاؤں اور دونوں میں سے کس عورت کو اپنے حبالۂ عقد میں لینا چاہتے ہو تاکہ میں تمہارے لیے طلاق دے کر اُس سے الگ ہو جاؤں۔''

جواب میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنے انصاری بھائی سے کہا:

''اللہ تعالیٰ آپ کے مال و دولت اور اہل و عیال میں برکت دے......
آپ صرف مدینہ کے بازار تک میری راہ نمائی فرما دیں۔''

چنانچہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے ان کو بازار کا راستہ دکھا دیا اور انہوں نے وہیں سے اپنی تجارت کا آغاز کر دیا۔ وہ ضرورت کی چیزیں خریدتے اور بیچتے رہے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کاروبار میں انہیں نفع حاصل ہوتا رہا اور وہ اس میں سے کچھ نہ کچھ پس انداز کرتے رہے۔ اور کچھ ہی دنوں کے بعد ان کے پاس اتنی رقم جمع ہو چکی تھی جس کو بطورِ مہر ادا کر کے وہ کسی عورت سے نکاح کر سکیں۔

نکاح کے بعد جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اُن کے کپڑوں پر شادی کے موقع پر استعمال کی ہوئی خوشبو کے اثرات اور اس کے داغ دھبوں کو دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا:

''مهيم يا عبدالرحمن؟'' ......عبدالرحمٰن یہ کیا ہے؟

Marfat.com

"اے اللہ کے رسول! میں نے شادی کرلی ہے۔" انہوں نے عرض کیا

"ما اعطیت زوجک من المھر؟" بیوی کو مہر کیا دیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا۔

"ایک نواۃ سونا، اے اللہ کے رسول!" انہوں نے جواب دیا

"اَوْلِمْ ولو بشاۃٍ، بارک اللّٰہ فی مالِکَ." "ولیمہ کرو، چاہے ایک بکری ہی کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ تمہارے مال میں برکت دے۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "اس کے بعد دنیا اپنی پوری برکات وفوائد کے ساتھ اس طرح میری طرف متوجہ ہوگئی اور میری تجارتی کامیابیوں کا حال یہ ہوگیا کہ اگر میں کسی پتھر کو اٹھاتا تو مجھے اس بات کی توقع ہوتی تھی کہ اس کے نیچے مجھے سونے یا چاندی کا کوئی ٹکڑا ملے گا۔"

غزوۂ بدر میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جہاد فی سبیل اللہ کا پورا پورا حق ادا کردیا۔ انہوں نے دشمنِ خدا عمیر بن عثمان کعبی کو اس کے کیفر کردار تک پہنچایا۔ اور غزوۂ اُحد کے موقع پر جب بہت سے لوگوں کے پاؤں اُکھڑ گئے تھے اور انہوں نے راہِ فرار اختیار کرلی تھی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پائے استقلال میں جنبش تک نہیں ہوئی اور وہ پوری ثابت قدمی کے ساتھ میدانِ کارزار میں ڈٹے رہے۔ اور جب معرکۂ جنگ سے سرخرو اور کامران واپس لوٹے تو ان کے جسم پر بیس سے زیادہ زخم تھے جن میں سے بعض اتنے گہرے تھے کہ ان میں آدمی کا ہاتھ چلا جاتا تھا۔

لیکن دیکھا جائے تو ان کا جہاد بالنفس ان کے جہاد بالمال کے سامنے ہیچ نظر آتا ہے۔ ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک فوجی دستہ تیار کرنا چاہتے ہیں، اس کے لئے صحابہ کرامؓ سے مالی تعاون کی اپیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

تصدَّقوا فاِنّی اُریدُ اَن ابعثُ بعثًا.

"میں ایک فوجی دستہ بھیجنا چاہتا ہوں، تم لوگ اس کے لیے مالی تعاون پیش کرو۔"

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف فی الفور اپنے گھر جاتے ہیں اور بہ سُرعت واپس آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے ہیں:

''اے اللہ کے رسول! میرے پاس چار ہزار کی رقم ہے، میں اس میں سے دو ہزار اپنے رب کو قرض دے رہا ہوں اور باقی دو ہزار میں نے اپنے اہل وعیال کے لیے چھوڑ دیا ہے۔''

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

بارک اللّٰہ لک فیما اعطیتَ...... وبارک اللّٰہ لک فیما ترکتَ......!

''جو کچھ تم نے دیا ہے، اللہ تعالیٰ اس میں تم کو برکت دے اور جو کچھ تم نے بچوں کے لئے چھوڑا ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ تم کو برکت سے نوازے۔''

اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کا قصد فرمایا...... جو آپ کی زندگی کا آخری غزوہ تھا...... تو اس وقت جس طرح افرادی قوت کی ضرورت تھی، مالی وسائل کی احتیاج اس سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ کیونکہ ایک طرف رومی فوج کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی اور وہ ہر قسم کے جنگی ساز وسامان سے لیس تھی اور دوسری طرف مدینہ میں قحط کا زمانہ تھا، مسافتِ طویل اور سامانِ سفر قلیل تھا۔ خصوصاً سواریوں کی تو ایسی قلت تھی کہ بہت سے مسلمانوں نے جو غزوہ میں شریک ہونا چاہتے تھے مگر ان کے پاس سواریاں نہیں تھیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر نہایت پُرسوز الفاظ میں بڑی حسرت کے ساتھ سواری کے لیے درخواست کی اور آپ سے عرض کیا کہ ہم کو بھی اپنے ساتھ لے لیں اور آپ ﷺ نے ان کو صرف اس وجہ سے واپس کر دیا کہ آپ کے پاس زائد سواریاں نہیں تھیں جو ان کو دیتے، تو وہ مجبوراً واپس گئے اور حال یہ تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور انہیں اس بات کا بڑا رنج تھا کہ وہ اپنے خرچ پر شریکِ جہاد ہونے کی مقدرت نہیں رکھتے۔ ان لوگوں کا نام ''بکّائین'' اور اس لشکر کا نام ''جَیش العسرۃ'' پڑ گیا۔

اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ وہ اللہ سے اجر وثواب پانے کی نیت سے اس کی راہ میں مال خرچ کریں۔ مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

کی اس اپیل پر لبیک کہنے کے لیے تیزی سے لپکے۔ خود حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ان معاونین کی صفِ اول میں شامل تھے۔ انہوں نے دوسو اوقیہ کی خطیر رقم بارگاہِ رسالت میں پیش کی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''میں سمجھتا ہوں کہ عبدالرحمٰنؓ بن عوف ایسا کر کے ایک گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے اہل وعیال کی ضروریات کے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑا ہے۔'' اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے دریافت فرمایا کہ:

هل تركتَ شيئاً لِأهلِك يا عبدالرحمٰن؟

''عبدالرحمٰن! تم نے اپنے بچوں کیلئے کچھ چھوڑا ہے؟''

توانہوں نے عرض کیا:

نعم، تركتُ لهم اكثر وأطيبَ.

''ہاں، میں نے ان کے لئے جو کچھ چھوڑا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ اور بہتر ہے جو میں نے خرچ کیا ہے۔''

آپ ﷺ نے دوبارہ سوال کیا:

کم...... کتنا؟

توانہوں نے جواب دیا:

ما وعد الله ورسولهُ من الخير والأجرِ.

''خیر اور اجر کا وہ وعدۂ برحق جو اللہ اور اس کے رسول نے کیا ہے۔''

لشکر تبوک روانہ ہوا، قیامِ تبوک کے دوران اللہ عزّ وجل نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ایک ایسے شرف سے نوازا جو تمام مسلمانوں میں سے صرف انہی کے لئے مخصوص تھا۔ ہوا یہ کہ نماز کا وقت ہو گیا تھا اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت موجود نہیں تھے۔ آخر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی امامت میں نماز کھڑی ہو گئی۔ ابھی پہلی رکعت ختم نہیں ہوئی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور نمازیوں کے ساتھ شامل ہو گئے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز ادا فرمائی۔

Marfat.com

کیا اس سے بڑھ کر بھی کسی فضل وشرف کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ کوئی شخص سرورِ عالم، امام الانبیاء حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کے شرف سے مشرف ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اُمہات المومنین کی ذاتی ضروریات اور ان کے نجی کاموں کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ وہ ان کی تمام حاجتیں پوری کرتے، جب وہ لوگ سفر میں نکلتیں تو یہ اُن کے ہمرکاب ہوتے، جب وہ لوگ حج کے لیے جاتیں تو یہ اُن کے ہمراہ ہوتے۔ ان کے کجاوں اور ہودجوں پر قیمتی طیلسان کے پردوں کا نظم کرتے اور ان کی پسندیدہ جگہوں پر ان کے قیام کا بندوبست کرتے تھے۔ امہات المومنین رضی اللہ عنہ کی دل وجان سے خدمت کرنا اور ان کے نزدیک پورے طور پر ان کا قابلِ اعتماد ہونا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی وہ خصوصیت ہے جس پر وہ جتنا بھی فخر وناز کریں، کم ہے۔

عامۃ المسلمین اور امہات المومنین کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے حسنِ سلوک اور برّ واحسان کا یہ حال تھا کہ ایک بار انہوں نے اپنی ایک زمین چالیس ہزار دینار میں فروخت کی اور وہ ساری رقم انہوں نے بنو زُہرہ، ضرورت مند مسلمانوں، مہاجرین اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں تقسیم کر دی۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حصے کی رقم ان کے پاس پہنچی تو انہوں نے دریافت کیا کہ یہ رقم کس نے بھیجی ہے؟ جب ان کو بتایا گیا کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے، تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

لا یَحنُوا علیکن من بعدی اِلّا الصّابرون.

''میرے پیچھے تم لوگوں کی نگہداشت نہیں کریں گے مگر صابرین۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے لیے اللہ تعالیٰ سے خیر وبرکت کی جو دعا فرمائی تھی وہ زندگی بھر ان کے اوپر سایہ فگن رہی۔ یہاں تک کہ وہ صحابہ کرامؓ میں سب سے زیادہ مالدار آدمی ہو گئے۔ ان کا تجارتی کاروبار برابر ترقی کرتا اور اس کا دائرہ لگاتار وسعت اختیار کرتا رہا۔ ان کے تجارتی قافلوں کی آمد ورفت کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا جو دوسرے شہروں سے اہلِ مدینہ کے لئے گیہوں، آٹا، کپڑے، برتن

Marfat.com

اور خوشبو وغیرہ اشیاءِ ضرورت لے کر مدینے پہنچتے اور وہاں کی پیداوار کا وہ فاضل حصہ دوسرے علاقوں میں لے جاتے تھے جو اُن کی ضرورت سے بچ رہتا۔

ایک باران کا ایک تجارتی قافلہ...... جو سات سو اونٹوں پر مشتمل تھا...... مدینہ پہنچا۔ جی ہاں، وہ قافلہ سات سو اونٹوں پر مشتمل تھا جن کی پیٹھوں پر خوراک کے ذخیرے، ضروریاتِ زندگی کے سامان اور وہ تمام چیزیں لدی ہوئی تھیں جن کی ضرورت لوگوں کو اکثر پڑتی ہے۔ جیسے ہی وہ قافلہ مدینے میں داخل ہوا، پوری زمین دہل گئی، گلیاں گونج اٹھیں اور ہر طرف چیخ و پکار اور شور وغل سنائی دینے لگا۔ شور سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ یہ کیسا ہنگامہ ہے؟ جب ان کو بتایا گیا کہ عبدالرحمٰن بن عوف کا سات سو اونٹوں پر مشتمل ایک تجارتی قافلہ گندم، آٹا اور سامانِ خوراک لے کر پہنچا ہے تو انہوں نے فرمایا:

بارک اللّٰہ لهٗ فیمآ اعطاه فی الدُّنیا، ولثواب الاٰخرة اعظمُ فلقد سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول: یدخل عبد الرّحمٰن بن عوفٍ الجنة حبوًا.

''اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں جو کچھ دیا ہے اس میں برکت دے۔ یقیناً آخرت کا ثواب بہت بڑا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ گھٹتے ہوئے جنت میں جائیں گے۔''

اونٹوں کے بیٹھنے سے پہلے کسی نے اُم المومنین کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے یہ الفاظ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تک پہنچاتے ہوئے ان کو جنت کی خوشخبری سنا دی۔ یہ مژدۂ جاں فزا سنتے ہی وہ اُڑ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پہنچے اور ان سے دریافت کیا:

''اماں! کیا خود آپ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا؟''

تو انہوں نے فرمایا: ''ہاں''۔

یہ سن کر وہ بے حد خوش ہوئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے بولے:

''اماں جان! اگر ہو سکا تو میں کھڑا ہو کر جنت میں داخل ہونے کی کوشش

Marfat.com

کروں گا۔ میں آپ کو اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں یہ پورا قافلہ اس کے اوپر لدے ہوئے مسلمانوں، اس کے کجاؤں اور ٹاٹوں سمیت اللہ کی راہ میں دے رہا ہوں۔''

اس روشن، تابناک اور مبارک دن سے...... جس دن سے ان کو دخولِ جنت کی خوشخبری دی گئی تھی......حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مال کمانے اور اسے خدا کی راہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کی طرف غیر معمولی شوق اور جذبے کے ساتھ متوجہ ہو گئے۔ چنانچہ اب وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے خفیہ اور علانیہ، دائیں اور بائیں ہر طرف مال خرچ کرنے لگے۔ انہوں نے چالیس ہزار درہم صدقہ کے طور پر دیے۔ پھر دو سو اوقیہ سونا خیرات کیا۔ پھر مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے پانچ سو گھوڑے اور دوسرے مجاہدین کے لئے ڈیڑھ ہزار اونٹ فراہم کیے۔ اور جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے غلاموں اور لونڈیوں کی ایک بڑی تعداد کو غلامی کے بندھن سے آزاد کر دیا، اور اس وقت اصحابِ بدر میں سے جتنے صحابہ کرامؓ زندہ تھے ان میں سے ہر ایک کے لئے چار چار سو دینار کی وصیت کی۔ چنانچہ ان حضرات نے وصیت کے مطابق وہ رقم لے لی۔ اس وقت ان کی تعداد ایک سو تھی، اور انہوں نے امہات المومنین میں سے ہر ایک کیلئے کثیر رقم کی وصیت کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اکثر اُن کے لیے دعاء کرتے ہوئے فرماتی تھیں:

سقاہ اللہ مِن مَآءِ السَّلْسَبِیل.

''اللہ تعالیٰ ان کو چشمہ سلسبیل سے سیراب کرے۔''

انہوں نے اپنے ورثاء کے لیے اس قدر مال چھوڑا کہ اعداد ان کا شمار کرنے سے قاصر ہیں۔ انہوں نے ایک ہزار اونٹ، سو گھوڑے اور تین ہزار بکریاں چھوڑیں۔ وفات کے وقت موجود ان کی چار بیویوں میں سے ہر ایک کو کل ترکے کا ۱/۳۲ ملا جس کی مالیت اسّی ہزار تھی۔ انہوں نے سونے اور چاندی کے جو ڈھیر ترکے میں چھوڑے انہیں وارثوں کے درمیان تقسیم کرنے کے لیے کلہاڑیوں سے کاٹنا پڑا۔ اور کاٹنے والوں کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔

یہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کی وجہ سے تھا جو آپ ﷺ نے

Marfat.com

ان کے مال میں برکت کے لئے کی تھی لیکن یہ مال نہ تو ان کو کسی قسم کے مالی فتنے میں مبتلا کر سکا نہ ان کے رویّے میں کسی تبدیلی کا سبب بن سکا۔ لوگ جب ان کو ان کے غلاموں کے درمیان دیکھتے تو اُن کے اور غلاموں کے درمیان تمیز نہیں کر پاتے تھے۔ ایک دن ان کے سامنے کھانا لایا گای...... اس روز وہ روزے سے تھے...... تو انہوں نے کھانے کو دیکھ کر بڑی حسرت کے ساتھ کہا:

”جب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے، اور وہ مجھ سے بہتر تھے...... تو ان کو کفن دینے کے لئے ہم لوگوں کو صرف اتنا کپڑا میسر آ سکا کہ جب اس سے ان کا سر چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور جب پاؤں کو چھپایا جاتا تو سر کھلا رہ جاتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو غیر معمولی خوش حالی اور فراخی سے نوازا۔ مجھے تو اس بات کا ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں ہمارے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں نہ دے دیا گیا ہو۔“

یہ کہہ کر وہ زار و قطار رونے لگے اور کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی خیر و سعادت سے معمور اور انتہائی قابلِ رشک تھی۔

صادق و مصدوق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی۔

آخری آرام گاہ تک لے جاتے ہوئے ان کے جنازے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کندھا دیا۔

ان کی نماز جنازہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

اور ان کے جنازے کی مشایعت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کی اور ان الفاظ میں ان سے اپنی عقیدت کا اظہار فرمایا:

لقد اَدرَ كتَ صَفوَها، وسبقتَ زيفَها، يرحَمُكَ الله.

”آپ نے دنیا میں سے اس کے عمدہ حصے کو اپنایا اور اس کے خراب حصے کو چھوڑ کر گزر گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو غریقِ رحمت کرے۔“

Marfat.com

(۸) حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ

آپؓ اُم المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے:

حارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن حذیمہ بن سعد بن عمرو بن ربیعہ الخزاعی۔

آپ قبیلہ بنو مصطلق کے رئیس تھے اور اسلام کے سخت دشمن تھے۔ شعبان ۵ ہجری میں اس اطلاع پر کہ حارث نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کیلئے فوجیں اکٹھی کر رکھی ہیں، صحابہ کرام ایک چھوٹا سا لشکر لے کر ان کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے اور ان کے علاقے میں پہنچ کر ان پر ناگہانی حملہ کر دیا۔ آن کی آن میں بنو مصطلق کے دس آدمی مارے گئے۔ حارث کی بیٹی برّہ سمیت قبیلے کے بہت سے مرد و زن گرفتار ہوئے۔

حضرت عبداللہ ابن زیاد سے روایت ہے کہ غزوہ بنی مصطلق میں آنحضرت ﷺ کو جویریہ بنت حارث مال غنیمت میں حاصل ہوئیں۔ جب آنحضرت ﷺ مدینے واپس آ گئے تو جویریہ کا باپ اپنی بیٹی کا فدیہ لے کر مدینے کے لئے روانہ ہوا (اس فدیہ میں بہت سے اونٹ تھے) جب حرث عقیق کے مقام پر پہنچا تو اس نے فدیہ کے اونٹوں پر ایک نظر ڈالی۔ ان میں سے دو اونٹ بہت عمدہ تھے۔ ان کے بارے میں حرث کی نیت بدل گئی اور اس نے ان دو اونٹوں کو وہیں ایک گھاٹی میں چھپا دیا اور باقی اونٹ لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا:

Marfat.com

''اے محمد تم نے میری بیٹی کو پکڑ لیا ہے۔''

ایک روایت میں یوں ہے کہ:

''یا رسول اللہ! معزز گھرانے کی بیٹی قیدی نہیں بنائی جاسکتی۔ یہ اس کا فدیہ ہے۔!''

آپ نے فرمایا:

''اور وہ اونٹ کہاں ہیں جنہیں تم عقیق کی ایک گھاٹی میں چھپا آئے ہو۔''

حارث نے یہ سنتے ہی کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس بات کی خبر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں تھی۔ یہ کہہ کر وہ مسلمان ہو گئے۔

غرض اسی وقت آنحضرت ﷺ نے حرث سے کہا کہ وہ اپنی بیٹی کو ہی اس بات کا اختیار دے دیں کہ وہ واپس اپنی قوم میں جانا چاہتی ہیں یا یہیں رہنا چاہتی ہیں۔

حارث نے اس بات کو پسند کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے صحیح بات کی اور انصاف کا معاملہ کیا۔ پھر انہوں نے اپنی بیٹی سے کہا: ''بیٹی! اپنی قوم کو شرمندہ نہ کرنا۔!''

اس پر حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے اپنے لئے اللہ اور اس کے رسول کو پسند کر لیا۔

مختصر یہ کہ حارث نے اسلام قبول کر لیا اور بحمد اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر ہونے کے علاوہ شرفِ صحابیت بھی حاصل کیا، آخر تک اسلام پر قائم و دائم رہے۔

عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ

آپ حضرت جویریہ اُم المومنین رضی اللہ عنہا کے سگے بھائی ہونے کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نسبتی بھائی (سالہ) بنتے ہیں۔

علامہ ابن عبدالبرؒ نے کتاب استعیاب میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بیوی حضرت جویریہ کے بھائی عبداللہ ابن حرث اپنی قوم یعنی بنی مصطلق کے قیدیوں کا فدیہ لے کر آئے تھے۔ مگر راستے میں انہوں نے ان سب جوان اونٹوں اور ایک حبشی باندی کو ایک

Marfat.com

مقام پر چھپا دیا۔ اس کے بعد عبداللہ نے آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر قیدیوں کے فدیہ کے متعلق بات کی۔ آپ نے فرمایا:

"ہاں۔ مگر تم فدیہ کے لئے کیا لے کر آئے ہو۔"

انہوں نے کہا کہ میں تو کچھ بھی نہیں لایا۔

آپ نے فرمایا اور وہ ذود یعنی جوان اونٹ اور سیاہ فام باندی کہاں ہیں جن کو تم نے فلاں جگہ چھپا دیا ہے۔

یہ سنتے ہی عبداللہ نے فوراً کلمہ شہادت پڑھا اور کہا کہ اس وقت میرے ساتھ کوئی نہیں تھا جبکہ میں نے فدیہ کے اس مال کو چھپایا تھا اور نہ ہی اس واقعہ کے بعد مجھ سے پہلے آپ تک کوئی دوسرا شخص پہنچا ہے (جس نے آپ کو یہ خبر سنائی ہو)۔ غرض اس کے بعد وہ مسلمان ہو گئے۔

پھر آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم یہاں سے برک غماد تک چلے جاؤ۔

اس روایت میں جوان اونٹوں کے لئے ذود کا لفظ استعمال ہوا ہے جو تین سے لے کر دس سال تک کی عمر کے اونٹوں کے لئے بولا جاتا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ صرف یہ جوان اونٹ اور ایک سیاہ فام باندی ہی فدیہ کے لئے لے کر آئے تھے مگر پھر انہوں نے سوچا کہ لاؤ پہلے بغیر کسی مال کے ہی قیدیوں کی رہائی کے لئے بات کر دیکھوں۔ چنانچہ انہوں نے ان جوان اونٹوں اور اس باندی کو اس لالچ میں چھپا دیا کہ ممکن ہے رسول اللہ ﷺ صرف اس بنیاد پر ہی قیدیوں کو چھوڑ دیں کہ عبداللہ کی بہن آپ کے پاس ہیں (یعنی حضرت جویریہ کے بدلے میں ہی سب قیدیوں کی رہائی ہو جائے)۔

مگر یہ احتمال بھی ہے کہ اس روایت کے الفاظ میں اختصار ہو اور آنحضرت ﷺ کے سوال کی اصلی تفصیل اس طرح ہو کہ۔ اور فدیہ کا وہ باقی مال کہاں ہے جو اس کے علاوہ تھا جو تم لے کر آئے ہو۔

گویا فدیہ کا مال صرف وہ جوان اونٹ اور ایک سیاہ فام باندی ہی نہ رہی ہوں بلکہ اور مال بھی ہو اور یہ دونوں چیزیں اس مال کا صرف ایک حصہ رہی ہوں۔

Marfat.com

اس پر عبداللہ ﷺ نے جو یہ کہا کہ میں کچھ نہیں لایا تو اس کا مطلب یہ ہو کہ جو کچھ آپ کے سامنے لے کر آیا ہوں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اس احتمال کو اس لئے پیش کیا گیا کہ بغیر مال کے قیدیوں کو چھڑانے کے لئے آنا قرین قیاس نہیں بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

حضرت عمرہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا

آپ حضرت ام المومنین سیدہ جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کی ہمشیر ہونے کی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی لگتی ہیں۔ سعادتِ اسلام اور شرفِ صحابیت سے مالا مال ہوئیں۔ استیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے آپ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث روایت کی ہے:

الدُّنیا خضرۃٌ حُلوۃٌ ......

اس کے علاوہ آپ کے مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔

Marfat.com

(۹) حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ

نام ونسب

صخر نام، ابوسفیان کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے: صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف قرشی اموی، ابوسفیان کا خاندان بنی امیہ قریش کی نہایت مقتدر شاخ تھی، اور عقاب یعنی قریش کے قومی نشان کا حامل یہی خاندان تھا، علمدار اسی خاندان کے نوجوان بنائے جاتے تھے۔

ظہور اسلام کے وقت اس عہدہ پر ابوسفیان ممتاز تھے، جب قریش میں کوئی جنگ چھڑنے والی ہوتی تھی، تو معززین قریش جمع ہو کر علمدار کے ہاتھ میں علم دیتے تھے۔

اسلام سے پہلے

ظہور اسلام کے وقت اس کی سب سے زیادہ مخالفت ان ہی لوگوں کی جانب سے عمل میں آئی جو قریش کے سب سے بااثر رئیس تھے، اور جن کا اثر واقتدار نسلاً بعد نسل چلا آتا تھا۔

ابوسفیان بھی رؤسائے قریش میں تھے، اور بنی ہاشم کے حریف تھے، اس لئے اسلام اور پیغمبر ﷺ اسلام کے ساتھ انہیں دوہری مخالفت تھی۔

چنانچہ وہ آنحضرت ﷺ کی ایذارسانی، مسلمانوں کی مخالفت، اور اسلام کے

Marfat.com

استیصال میں سب سے پیش پیش رہتے تھے اسلام کے مٹانے میں انہوں نے اپنی پوری قوتیں صرف کردیں۔

آغاز دعوتِ اسلام سے لیکر فتح مکہ تک اسلام کی مخالفت اور اس کی بیخ کنی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، دعوتِ اسلام کے آغاز میں قریش کا جو وفد آنحضرت ﷺ کے چچا ابو طالب کے پاس آپ ﷺ کی شکایت لیکر گیا تھا، اسکے ایک رکن ابوسفیان بھی تھے۔

پھر آنحضرت ﷺ کے قتل کرنے کی جو سازش ہوئی تھی، جس کے سبب آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی تھی، اس میں بھی ابوسفیان کا ہاتھ شامل تھا، کفر و اسلام کا سب سے پہلا مقابلہ بدر میں ہوا، اس میں ابوسفیان نہ شریک ہو سکے، اس وقت وہ کاروان تجارت لے کر گئے ہوئے تھے۔

بدر میں بڑے بڑے معززین قریش مارے گئے تھے، اس لئے سارا قریش جذبۂ انتقام میں دیوانہ ہو رہا تھا، ابوجہل اور عتبہ بن ربیعہ مارے جا چکے تھے، ان کے بعد قریش کی مسند ریاست پر ابوسفیان بیٹھے تھے، اس لئے بحیثیت سردار قوم کے مقتولین بدر کا انتقام ان کا پہلا فرض تھا، اس کے علاوہ خود ان کا ایک لڑکا حنظلہ مارا گیا تھا، اس لئے یہ انتقام اور زیادہ مؤکد ہو گیا تھا، اور انہوں نے حلف لے لیا تھا کہ:

> ''جب تک محمد (ﷺ) سے بدر کا انتقام نہ لے لیں گے، اس وقت تک عورتوں کو نہ چھوئیں گے۔''

اس حلف کے بعد دو سو سواروں کا ایک دستہ لیکر مدینہ پہنچے، یہاں کے یہود مسلمانوں کے خلاف تھے، اس لئے ابوسفیان ایک یہودی رئیس حی بن اخطب کے پاس گئے، رات کا وقت تھا، گھروں کے دروازے بند ہو چکے تھے، ابوسفیان نے حیی کا دروازہ کھٹکھٹایا، مگر اس نے دشمن کے خوف سے نہ کھولا۔

اس لئے ابوسفیان اس کے دروازہ سے لوٹ آئے اور ایک دوسرے ممتاز یہودی اور بنی نضیر کے سردار اور خزانچی اسلام بن مشکم کے پاس پہنچے، اس نے نہایت پرتپاک استقبال کیا، اور بڑی خاطر تواضع کی، کھانا کھلایا، شراب پلائی، اور ابوسفیان کی مہم کے متعلق

بہت سی راز کی باتیں بتائیں۔

صبح کو ابوسفیان نے مدینہ کے قریب عریض پر حملہ کر کے کھجور کے باغوں کی ٹہنیاں جلا ڈالیں، اور ایک انصاری اور ان کے حلیف کو قتل کر کے لوٹ آئے، آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی، تو آپ نے تعاقب کیا...... قرقرۃ الکدر میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ابوسفیان بہت آگے نکل چکا ہے، اس لئے واپس تشریف لے آئے۔

اس واقعہ سے ایک حد تک ابوسفیان کی قسم پوری ہوگئی، لیکن ابھی مقتولینِ بدر کا انتقام باقی تھا، اور جن جن لوگوں کے اعزہ واقربا مارے گئے تھے، وہ انتقام کے لئے بے چین تھے۔

چنانچہ ابوجہل کا لڑکا عکرمہ، عبداللہ بن ربیعہ، صفوان بن امیہ، اور جن جن لوگوں کے اعزہ واقربا مارے گئے تھے، ابوسفیان کے پاس پہنچے، اور کہا آپ لوگ اپنے کاروانِ تجارت (یہ وہی کارواں تجارت ہے، جو بدر کے زمانہ میں سامان تجارت لے کر گیا تھا) کا نفع ہم کو دے دیجئے کہ اس کے ذریعہ ہم لوگ محمد (ﷺ) کے مقابلہ کا سامان کریں، ابوسفیان نے کہا میں اپنا حصہ سب سے پہلے دیتا ہوں، اس کے علاوہ قریشی خاندان کے ہر ممبر نے نہایت فراخ دلی کے ساتھ چندہ دیا۔

غرض قریش تیاریاں کر کے بڑے سروسامان سے مسلمانوں کے استیصال کے لئے نکلے، اور مدینہ کے پاس کوہ احد میں فوجیں اتاریں، آنحضرت ﷺ سات سو جانثاروں کی مختصر جماعت لیکر مدافعت کے لئے تشریف لے گئے، احد پر دونوں کا مقابلہ ہوا، مسلمانوں کی جانفروشی نے کفر کے ٹڈی دل کو پسپا کر دیا۔

آنحضرت ﷺ نے صف بندی کے وقت مسلمانوں کا ایک دستہ پشت پر حفاظت کیلئے متعین کر دیا تھا، کہ مخالفین عقب سے حملہ آور نہ ہوسکیں۔

مشرکین کی پسپائی کو دیکھ کر اس دستہ نے مالِ غنیمت کی طمع میں اپنا مرکز چھوڑ دیا، خالد بن ولیدؓ مشرکین کے دستہ کو لئے ہوئے منڈلا رہے تھے۔

انہوں نے میدان خالی پا کر عقب سے حملہ کر دیا، مسلمان اس ناگہانی حملہ کی

Marfat.com

تاب نہ لا سکے، اور بہت بری طرح پیچھے ہٹے، بہت سے مسلمان اس پسپائی میں شہید ہو گئے۔

آنحضرت ﷺ کا چہرۂ انور زخمی اور دندان مبارک شہید ہوئے، آپ ﷺ کے پاس چند جان نثاروں کے علاوہ کوئی باقی نہ رہ گیا تھا، ہر شخص اپنی جگہ بدحواس ہو رہا تھا، اس لئے آپ ﷺ کی شہادت کی خبر اڑ گئی۔

ابوسفیان یہ خبر سن کر فرطِ مسرت سے پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اور فاتحانہ غرور میں با آواز بلند پوچھا محمد ہیں؟

آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو منع کر دیا کہ جواب نہ دیا جائے۔

جب ابوسفیان کے سوال کا کوئی جواب نہ ملا، تو سمجھا نصیبِ دشمناں، محمد (ﷺ) کا کام تمام ہو گیا۔

دوسری آواز لگائی ''ابن ابی قحافہ (حضرت ابوبکرؓ) ہیں؟''

اس سوال پر بھی کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔

تیسری مرتبہ اس نے حضرت عمرؓ کو پکارا، اس مرتبہ بھی جواب نہ دیا، یہ خاموشی دیکھ کر وہ سمجھا کہ سب ختم ہو گئے۔ حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا، آپ پکار اٹھے، ''او دشمنِ خدا تیرے رسوا کرنیوالوں کو خدا نے زندہ رکھا ہے۔''

یہ سن کر اس نے ہبل کی جے پکاری ''اعل ھبل'' ہبل بلند رہ......

صحابہ نے آنحضرت ﷺ کے حکم سے جواب میں کہا:

''اللّٰہ اعلیٰ و اجل''

''خدا برتر اور بڑا ہے۔''

یہ جواب سن کر ابوسفیان بولا:

''لنا عزّٰی ولا عزّٰی لکم''

ہمارے پاس ہمارا معبود عزیٰ ہے'' وہ تمہارے پاس نہیں ہے۔

صحابہؓ نے جواب دیا:

Marfat.com

"اللہ مولنا ولا مولیٰ لکم"

خدا ہمارا مولا ہے، اور تمہارا کوئی نہیں ہے۔

ابوسفیان کامیابی کے نشہ میں مخمور تھا، بولا آج کا دن بدر کا جواب ہے، لوگوں نے بغیر میرے حکم کے مسلمان لاشوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ لئے ہیں، لیکن مجھے اس کا کوئی افسوس بھی نہیں ہے۔

بروایت ابن اسحٰق، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا، ہمارے شہداء جنت میں ہیں اور تیرے مقتولین جہنم میں، ابوسفیان نے حضرت عمرؓ کی آواز سنی تو پاس بلا کر پوچھا سچ سچ بتاؤ محمد (ﷺ) کا کام تمام ہو گیا یا زندہ ہیں! آپ نے فرمایا خدا کی قسم زندہ ہیں، اور تمہاری گفتگو سن رہے ہیں۔

یہ سن کر ابوسفیان نے کہا ابن قمیہ نے کہا تھا کہ میں نے محمد کا کام تمام کر دیا، لیکن میں تم کو اس سے زیادہ سچا سمجھتا ہوں۔

اختتام جنگ کے بعد آنحضرت ﷺ نے احتیاطاً قریش کے تعاقب میں ستر آدمی بھیجے تاکہ وہ دوبارہ نہ لوٹ سکیں، دوسرے دن خود بہ نفس نفیس مقام حمراء اسد تک تعاقب میں تشریف لے گئے، آپ کا خطرہ صحیح تھا۔

ابوسفیان یہ خیال کر کے کہ ابھی مسلمانوں کا پورا استیصال نہیں ہوا ہے، مقام روحار سے دوبارہ واپسی کا قصد کر رہا تھا، کہ اس دوران میں قبیلہ خزاعہ کے رئیس معبد سے جو مسلمانوں کی شکست کی خبر سن کر تصدیق کے لئے آیا تھا اور اب واپس جا رہا تھا، ملاقات ہوئی، اس سے ابوسفیان نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

اس نے کہا میں ابھی اپنی آنکھوں سے دیکھتا چلا آ رہا ہوں، محمد ﷺ اس سروسامان کے ساتھ آ رہے ہیں کہ ان کا مقابلہ سخت دشوار ہے، یہ خبر سن کر ابوسفیان نے ارادہ بدل دیا۔

احد کے بعد یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف تحریک شروع کی، ابوسفیان اس میں بھی پورے طور سے معاون ومددگار رہتے، ۵ھ میں جب تمام عرب قبائل نے مسلمانوں کے استیصال کے لئے مدینہ پر ہجوم کیا، تو قریش بھی ابوسفیان کی قیادت میں

Marfat.com

جمع ہوئے، لیکن یہ طوفان ہوا کی طرح اڑ گیا، یہی متحدہ اجتماع جنگِ خندق کے نام سے مشہور ہے۔

۶ھ میں جب آنحضرت ﷺ نے قرب و جوار کے تمام امراء اور فرمانرواؤں کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے، تو ایک خط ہرقل کے نام بھی بھیجا، وہ صحیح عیسوی مذہب کا پیرو اور حق کا متلاشی تھا، اس لئے اس نے آنحضرت ﷺ کے حالات معلوم کرنے چاہے، اتفاق سے اس وقت قریش کا کاروانِ تجارت شام آیا ہوا تھا، اس میں ابوسفیان بھی تھا، ہرقل نے آنحضرت ﷺ کے حالات دریافت کرنے کے لئے اس قافلہ کو ایلیا طلب کیا، اور تمام ارکان سلطنت کے روبرو ترجمان کے ذریعہ سے سوالات شروع کئے، سب سے پہلے پوچھا، تم میں سے کون اس شخص سے جو اپنے کو نبی سمجھتا ہے، زیادہ قریبی تعلق رکھتا ہے؟

ابوسفیان نے اپنے کو پیش کیا کہ میں اس کا قریب تر عزیز ہوں، ہرقل نے اسے قریب بلایا، اور دوسرے قریشیوں سے کہا کہ میں اس سے اس شخص (آنحضرت ﷺ) کے متعلق سوالات کروں گا، جہاں وہ غلط جواب دے تم لوگ فوراً ٹوک دینا۔

ابوسفیان کا بیان ہے کہ اگر اس وقت مجھ کو اپنے ہمراہیوں کی تردید کرنے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں جھوٹ بول دیتا، اس اہتمام کے ساتھ سوالات و جوابات شروع ہوئے:

ہرقل: قریش میں اس شخص کا نسب کیسا ہے؟

ابوسفیان: قریش کا عالی نسب آدمی ہے۔

ہرقل: اس سے پہلے تم میں سے کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: شرفاء و معززین اس کے پیرو ہیں یا کمزور ناتواں؟

ابوسفیان: ناتواں و کمزور۔

ہرقل: ان کی تعداد بڑھتی جاتی ہے یا گھٹتی ہے؟

ابوسفیان: بڑھتی جاتی ہے۔

Marfat.com

ہرقل: کوئی شخص اس مذہب کو قبول کرنے کے بعد اس سے بیزار ہو کر مرتد بھی ہوتا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: کبھی اس نے دھوکہ اور فریب دیا ہے؟

ابوسفیان: نہیں البتہ اس دوران میں حال معلوم نہیں۔ (ابوسفیان کا بیان ہے کہ اس سوال کے علاوہ اور کسی بات میں مجھے اپنی طرف سے ملانے کا موقع نہیں ملا۔)

ہرقل: تمہاری اس شخص سے اور اس کی تم لوگوں سے کبھی جنگ بھی ہوئی ہے؟

ابوسفیان: ہاں،

ہرقل: اس کا کیا نتیجہ رہا؟

ابوسفیان: کبھی ہم غالب رہے اور کبھی وہ۔

ہرقل: وہ تم کو کس چیز کا حکم دیتا ہے؟

ابوسفیان: وہ کہتا ہے، تنہا خدائے واحد کی عبادت کرو، اس میں کسی کو شریک نہ کرو، اور اپنے آباؤ اجداد کے مذہب کو چھوڑ دو، نماز پڑھو، خیرات کرو، صلہ رحمی کرو، پاک دامن رہو۔

اس گفتگو کے بعد ہرقل کو آنحضرت ﷺ کی صداقت اور آپ کی نبوت کا پورا یقین ہو گیا، اور اس نے بطارقہ کے سامنے علی الاعلان آپ کی رسالت کا اعتراف کیا۔

بنی خزاعہ اور بنی بکر کے قبائل مدتوں سے حریف چلے آرہے تھے، لیکن اسلام کے مقابلہ میں دونوں متحد ہو گئے تھے۔

صلح حدیبیہ کے زمانہ میں بنی خزاعہ مسلمان کے اور بنی بکر قریش کے حلیف ہو گئے، لیکن متضاد عقائد نے پھر دونوں کو ایک دوسرے کے خلاف کر دیا، اور بنی بکر نے عین حرم میں بنی خزاعہ پر حملہ کر کے انہیں قتل کیا۔

بنی خزاعہ کے ارکان آنحضرت ﷺ کے پاس فریاد لیکر پہنچے، بنی خزاعہ آپکے

Marfat.com

حلیف تھے، اس لئے صلح حدیبیہ کی رو سے ان پر قریش یا ان کا کوئی حلیف حملہ نہیں کرسکتا تھا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے قریش کے پاس ضمرہ کو یہ پیام دیکر بھیجا کہ یا بنی خزاعہ کے مقتولین کا خون بہا ادا کیا جائے یا قریش ان کی حمایت سے الگ ہو جائیں، ورنہ اعلان کردیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا، یہ شرائط سن کر قرظ بن عمر نے کہا ہم کو تیسری صورت منظور ہے۔

ضمرہ نے آکر آنحضرت ﷺ کو یہ جواب سنادیا، قرظ نے جواب تو دیا، لیکن بعد میں جب قریش نے اس جواب اور اس کے نتائج پر غور کیا، تو بہت نادم ہوئے، اور اسی وقت ابوسفیان کو حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید کے لئے مدینہ بھیجا۔

انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جا کر کہا کہ ہم حدیبیہ کے موقع پر موجود نہ تھے، اس لئے چاہتے ہیں، کہ تم دوبارہ ہمارے سامنے اس معاہدہ کی تجدید کردو، اور اس کی مدت میں اضافہ کردو۔

آپ نے پوچھا کیا تم مخصوص اسی کے واسطے آئے ہو، انہوں نے کہا، ہاں، تو فرمایا اس درمیان میں کوئی جدید واقعہ تو نہیں پیش آیا، ابوسفیان نے کہا پناہ بخدا، ہم لوگ سابق معاہدہ پر قائم ہیں، اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

آنحضرت ﷺ اصل حقیقت سے واقف تھے، اس لئے تجدید معاہدہ پر راضی نہ ہوئے، لیکن ابوسفیان کسی نہ کسی طرح قریش کی غلطی کی تلافی چاہتا تھا۔

اس لئے آنحضرت ﷺ سے جواب پانے کے بعد حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو درمیان میں ڈالنا چاہا، لیکن ان دونوں بزرگوں نے انکار کیا، ان کے انکار کے بعد وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا، اور ان سے کہا، اگر اس وقت حسن درمیان میں پڑ کر محمد (ﷺ) سے کہہ دے تو ہمیشہ کے لئے عرب کا سردار کہلائیگا۔

لیکن اس پر فاطمہ زہرا رضامند نہ ہوئیں، ان سب سے مایوس ہوکر مہاجرین و انصار کے پاس جا کر کہا، لیکن سب نے صاف انکار کردیا، ہر جگہ مایوس ہونے کے بعد آخر میں حضرت علی ؓ کے مشورہ سے مسجد نبوی ﷺ میں کھڑے ہوکر خود سے تجدید معاہدہ کا

Marfat.com

اعلان کر کے مکہ لوٹ گیا۔

فتح مکہ

۸ھ میں جب آنحضرت ﷺ نے تطہیر کعبہ کے لئے مکہ پر فوج کشی کا ارادہ کیا، تو گو اسے مخفی رکھنے کا اہتمام کیا تھا، مگر مکہ میں آپ کی آمد کی خبریں پہنچ گئیں، اس وقت وہ مشرکین اور جبارۂ قریش جنہوں نے آپ کو نہایت بے کسی کی حالت میں اس ارض مقدس سے جلاء وطن کیا تھا، اپنے انجام سے بہت گھبرائے کہ اب اسلام کے سیلاب کو روکنا ان کے بس سے باہر ہو چکا تھا۔

آنحضرت ﷺ نے مکہ کے قریب پہنچ کر مرظہران میں قیام فرمایا، ابوسفیان حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء تحقیقات کے لئے نکلے تھے، دور سے دیکھا کہ مرظہران کا میدان رات کی تاریکی میں روشنی کی کثرت سے وادی ایمن بنا ہوا ہے، ابوسفیان نے کہا یہاں عرفہ کی جیسی روشنی کیسے ہو رہی ہے، بدیل نے کہا بنی عمرو آگ روشن کئے ہوئے ہیں، ابوسفیان نے اعتراض کیا کہ ان کی تعداد اتنی کہاں ہے۔

گو قریش نے مسلمانوں پر بڑی ستم آرائیاں کی تھیں، پھر بھی وہ رسول اللہ ﷺ اور اور اکثر اکابر صحابہ کے ہم خاندان تھے، اور ان میں ان کے اعزہ واقربا بھی موجود تھے، اس لئے حضرت عباسؓ کے دل میں خیال آیا کہ اگر آنحضرت ﷺ مکہ میں داخل ہو گئے، اور قریش نے پہلے سے جان و مال کی امان نہ لیلی، تو سب تباہ ہو جائینگے۔

چنانچہ وہ اس تلاش میں نکلے کہ اگر مکہ جانے والا کوئی آدمی مل جائے، تو اس کی زبانی قریش سے کہلا بھیجیں، کہ رسول اللہ ﷺ مرظہران تک پہنچ چکے ہیں وہ لوگ آکر جان بخشی کرالیں۔

اتفاق سے حضرت عباسؓ اسی سمت گئے، جدھر ابوسفیان اور بدیل تھے۔

ابوسفیان کی آواز سن کر حضرت عباسؓ نے اس کو پکارا، اس نے آواز پہچان کر کہا ابوالفضل!

حضرت عباسؓ نے فرمایا، ہاں میں ہوں۔

ابوسفیان بولا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں تم یہاں کہاں؟

فرمایا رسول اللہ ﷺ اور مسلمان آگئے ہیں۔

ابوسفیان نے سراسیمہ ہوکر کہا پھر کوئی تدبیر بتاؤ۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھیوں کو لوٹا دیا، اور انہیں عفوِ تقصیر کیلئے اپنے ساتھ سوار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے چلے۔

حضرت عباس ﷺ ابوسفیان کو لے تو چلے، مگر وہ اشتہاری مجرم تھا اور تمام مسلمان اس سے خار کھاتے تھے، روشنی کی کثرت اور بھی راز فاش کئے دیتی تھی، قدم قدم پر لوگ سوال کرتے کون ہے؟ لیکن پھر رسول اللہ ﷺ کا اونٹ اور حضرت عباسؓ کو دیکھ کر سمجھ جاتے کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کی نظریں بچاتے ہوئے آرہے تھے، لیکن وہ حضرت عمرؓ کی فرودگاہ کے سامنے سے گذرے تو انہوں نے ابوسفیان کو پہچان لیا، اور جوشِ غضب میں بیتاب ہوکر چلائے، او دشمن خدا، خدا کا شکر ہے کہ اس نے بلا کسی عہد و پیمان اور ذمہ داری کے تجھ پر قابو دیدیا، مگر حضرت عباسؓ ساتھ تھے، اس لئے حضرت عمر ﷺ سیدھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے، لیکن حضرت عباس ﷺ ان سے پہلے پہنچ چکے تھے۔

حضرت عمر ﷺ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ ابوسفیان ہے، خدا نے اس کو بغیر کسی عہد و پیمان کے ہمارے حوالے کر دیا ہے۔ اجازت دیجئے کہ اس دشمنِ خدا کی گردن اڑا دوں، حضرت عباس ﷺ نے فرمایا، یا رسول اللہ! میں نے ان کو امان دیدی ہے، اور ساتھ ہی ابوسفیان کا سر پکڑ کے بیٹھ گئے۔

حضرت عمر ﷺ برابر ابوسفیان کے قتل پر مصر تھے، ان کا اصرار دیکھ کر حضرت عباسؓ نے فرمایا عمرؓ اگر تمہارے قبیلہ کا کوئی شخص ہوتا تو تم ہرگز اتنا اصرار نہ کرتے لیکن تم کو بنی عبد مناف کی کیا پرواہ؟ حضرت عمرؓ نے اس طنز کے جواب میں کہا، عباسؓ! خدا کی قسم مجھ کو

تمہارے اسلام کی اتنی خوشی ہوئی، کہ اپنے باپ خطاب کے اسلام لانے سے نہ ہوتی۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا، اس وقت اسے لیجا کر اپنے پاس سلاؤ، صبح کو فیصلہ کیا جائے گا۔

اس ارشاد پر حضرت عباسؓ ابوسفیان کو ساتھ لے گئے، رات بھر پاس رکھا اور صبح کو حسبِ ہدایت بارگاہ نبوی ﷺ میں لا کر حاضر کیا، اس وقت اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن آنحضرت ﷺ کے خون کا پیاسا، جس نے آپ کی تحقیر و تذلیل اور جان لینے میں کوئی تامل نہ کیا تھا، مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتیں دی تھیں، اسلام کے استیصال میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا، بے کس ولاچار اور بے حامی و مددگار بارگاہِ رسالت میں حاضر تھا، اور رحمۃ للعالمین ﷺ کے دامنِ عفو و کرم کے علاوہ دنیا میں اس کیلئے کوئی جائے پناہ نہ تھی۔

بارگاہ رسالت ﷺ سے اس سنگین مجرم کیلئے قتل کی سزا نہیں تجویز ہوتی، قید خانہ کی چار دیواری میں بند نہیں کیا جاتا، جلائے وطن کا حکم نہیں ملتا، بلکہ ''وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین'' کی عملی تفسیر ہوتی ہے۔

فرماتے ہیں، ابوسفیان افسوس کا مقام ہے کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ خدا کی وحدانیت کا اقرار کرو؟ اس سوال پر وہ زبان جو معلوم نہیں کتنی مرتبہ، رسول اللہ ﷺ کے دل پر تیر و نشتر لگا چکی تھی، یوں گویا ہوتی ہے:

> ''میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ کتنے بڑے شریف اور کتنے بڑے صلہ رحمی کرنے والے ہیں، خدا کی قسم اگر خدا کے سوا کوئی اور معبود ہوتا، تو آج میرے کام نہ آتا۔''

پھر ارشاد ہوتا ہے:

> ''ابوسفیان تمہاری حالت قابل افسوس ہے، کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم مجھے خدا کا رسول مانو''

جاہلی حمیت اور قومی عصبیت اب بھی اعترافِ رسالت کی اجازت نہیں دیتی، جواب ملتا ہے:

''میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ کس قدر حلیم، کس قدر شریف اور کس قدر صلہ رحمی کرنے والے ہیں خدا کی قسم ابھی تک مجھ کو اس میں شک ہے۔''

حضرت عباس ﷛ یہ جاہلی حمیت سن کر ڈانٹتے ہیں:

''ابوسفیان اس سے پہلے کہ سرتن سے جدا ہو، لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کہہ لو۔''

حضرت عباس ﷛ کی ڈانٹ پر کلمۂ توحید پڑھتے ہیں، اور سرکش جو جاہلی رعونت سے خدا کے سامنے بھی نہ جھکتا تھا، آستانِ نبوی ﷺ پر خم ہو جاتا ہے، اور آنحضرت ﷺ نہ صرف ابوسفیان کی جان بخشی کا اعلان فرماتے ہیں، بلکہ ان کے اس گھر کو جس میں بارہا مسلمانوں کے خلاف سازشیں ہو چکی تھیں، رسول اللہ ﷺ کے قتل کے مشورے ہو چکے تھے، ''من دخل دار ابی سفیان فھو اٰمن'' کے اعلان کرم سے بیت الامن قرار دیتے ہیں۔

قبول اسلام کے بعد جب حضرت عباسؓ ان کو لے کر لوٹنے لگے، تو آنحضرت نے ان سے ارشاد فرمایا کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لیجا کر کھڑا کر دو کہ افواج الٰہی کا جلال اور مسلمانوں کی شوکت وعظمت کا تماشہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، اس ارشاد پر حضرت عباسؓ نے انہیں لیجا کر کھڑا کر دیا، تھوڑی دیر کے بعد دریائے اسلام میں تلاطم پیدا ہوا، ہر قبیلہ کے پرچم گذرنے لگے۔

پہلے غفار کا پرچم نظر آیا، پھر جھینہ ندیم اور سلیم یکے بعد دیگرے ہتھیاروں میں ڈوبے تکبیر کے نعرے لگاتے ہوئے گذرے، سب سے آخر میں انصار کا قبیلہ اس شان سے پرچم لہراتا ہوا نکلا کہ ابوسفیان متحیر ہو گئے، اور پوچھا یہ پرچم کس کا ہے، حضرت عباس ﷛ نے بتایا۔

دفعۃً سردارِ فوج حضرت سعد بن عبادہؓ ہاتھ میں علم لئے ہوئے برابر سے گذرے، ابوسفیان کو دیکھ کر پکار اٹھے:

Marfat.com

الیــوم یــوم الـمـلـحـمة

الیــوم تستـحـل الـکـعبة

''آج گھمسان کا دن ہے، آج کعبہ (قتل وقتال کیلئے) حلال کر دیا جائے گا۔''

سب سے آخر میں کبۂ رسالت نمودار ہوا، حضرت زبیر بن عوامؓ کے ہاتھوں میں علم تھا، آنحضرت ﷺ ابوسفیان کے قرب سے گذرے اور جمال مبارک پر ان کی نظر پڑی، تو با آواز بلند پکار کر کہا:

آپ کو معلوم ہے، ابھی سعد بن عبادہؓ کیا کہہ گئے ہیں؟......

پوچھا کیا؟

ابوسفیان نے بتادیا۔

ارشاد فرمایا، غلط ہے، آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے، آج اس پر غلاف چڑھایا جائے گا۔

غزوات

قبول اسلام کے بعد ابوسفیان ؓ سب سے اول غزوۂ حنین میں شریک ہوئے، آنحضرت ﷺ نے حنین کے مالِ غنیمت سے انہیں سو اونٹ مرحمت فرمائے، حنین کے بعد طائف کے محاصرہ میں شرکت کی، جب طائف کے محصورین مسلمانوں پر لوہے کی گرم سلاخیں برسانے لگے، تو اس کے جواب میں مسلمانوں نے ان کی انگور کی ٹہنیوں کو نذر آتش کرنا شروع کیا، قریش کی بہت سی لڑکیاں قبیلہ ثقیف میں بیاہی ہوئی تھیں، خود ابوسفیان کی لڑکی آمنہ عروہ بن مسعود ثقفی کے عقد میں تھی۔

اس لئے ابوسفیان اور مغیرہ بن شعبہ ثقیف سے گفتگو کرنے کے لئے گئے، جنگ چھڑی ہوئی تھی، اس لئے عورتوں نے گرفتاری کے خوف سے ملنے سے انکار کر دیا، ابن الاسود ثقفی اپنے قبیلہ کے نہایت متمول شخص تھے۔

انہوں نے آ کر کہا اگر محمد ﷺ نے ہمارے سرسبز اور شاداب باغوں کی تاراج

Marfat.com

کر دیا، تو پھر وہ کبھی آباد نہ ہو سکیں گے، اس لئے تم دونوں جا کر میرے لئے محمد ﷺ سے جان بخشی کا پروانہ حاصل کرلو، میری اور ان کی قرابت دیرینہ ہے، اس لئے انہیں خدا اور صلہ رحمی کے واسطہ سے چھوڑ دینا چاہئے، آنحضرت ﷺ نے ان کی درخواست منظور کرلیں، اس غزوہ میں ابوسفیان کی ایک آنکھ جاتی رہی اور جہاد فی سبیل اللہ کا پہلا تمغہ ملا۔

طائف کے بعد مغیرہ بن شعبہ کے ساتھ بنی ثقیف کا صنم کدہ ڈھانے پر مامور ہوئے، ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے نجران کا عامل بھی بنایا تھا، اور آپ کی وفات کے وقت وہ یہیں تھے، لیکن واقدی اس کا منکر ہے۔

جنگ یرموک میں شرکت

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں شام کی فوج کشی میں اپنے پورے کنبہ کولیکر شریک ہوئے، خود ان کے بیٹے یزید، معاویہ اور ان کی بیوی ہندہ سب شریک تھے، یرموک کی جنگ میں انہوں نے بڑا نمایاں حصہ لیا، جب مسلمانوں پر رومیوں کا ریلا زیادہ ہوا، تو ابوسفیان بارگاہ ایزدی میں فتح ونصرت کی دعا کرتے جاتے تھے، اور مسلمانوں کو ابھارتے جاتے تھے کہ اللہ اللہ تم لوگ عرب کا ہالہ اس کا خلاصہ اور اسلام کے دست وبازو ہو، اور تمہارے حریف روم کا ہالہ اس کا خلاصہ اور مشرکین کے مددگار ہیں۔

خدایا آج کا دن تیرا دن ہے، اپنے عاجز بندوں کی مدد فرما، ان کی بیوی ہندہ مردانہ ہمت کے ساتھ مسلمانوں کو للکارتی تھی کہ مسلمانو! غیر مختونوں کو لینا، اس غزوہ میں ابوسفیان کی دوسری آنکھ بھی جاتی رہی، اور وہ خدا کی راہ میں ظاہری بینائی سے محروم ہو گئے۔

وفات

حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت ۳۱ھ سے لیکر ۳۴ھ تک کسی میں وفات پائی، اس وقت اٹھاسی سال کی عمر تھی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی، بعض روایتوں کے مطابق خود امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی تھی۔

Marfat.com

حلیہ

حلیہ یہ تھا قد بلند و بالا، سر بڑا رنگ گندم گوں، دونوں آنکھیں راہ خدا میں جاتی رہی تھیں، اس لئے غلام کے سہارے چلتے تھے۔

اولاد

اولاد میں یزید رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ دو نامور بیٹے تھے، دونوں نے تاریخ اسلام میں بڑا نام پیدا کیا، یزید نے شام کی فتوحات میں کارہائے نمایاں کیے، اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تاریخ اسلام کے مشہور بادشاہ ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ مشہور اموی عامل عبیداللہ کا باپ زیاد ابوسفیان سے زمانہ جاہلیت کی ناجائز اولاد تھا۔

ذریعہ معاش

ابوسفیان قریش کے رئیس تھے، ان کا تجارتی کاروبار نہایت وسیع پیمانہ پر تھا، ان کا تجارتی مال شام تک جاتا تھا۔

ایک ضروری بحث

کچھ بنی امیہ ہاشم کی خاندانی چشمک اور کچھ ابوسفیان کے قبل از اسلام کے کارناموں نے ان کے متعلق عجیب وغریب روایتیں مشہور کردی ہیں، کہ وہ دل سے کبھی مسلمان نہیں ہوئے، فتح مکہ میں محض جان کے خوف سے اسلام قبول کرلیا تھا، لیکن ان کے دل میں کبھی اسلام راسخ نہیں ہوا، اور ان کی زندگی شروع سے آخر تک منافقانہ رہی، اور ان کے نفاق کے ثبوت میں بعض واقعات بھی بیان کیے جاتے ہیں۔

ان میں سب سے زیادہ مشہور واقعہ پیش کیا جاتا ہے، کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تو ابوسفیان نے حضرت علیؓ کے پاس جاکر کہا کہ قریش کا سب سے کمزور گھرانہ تمہارے ہوتے ہوئے، خلافت پر قابض ہوگیا، اگر تم کہو تو میں پیادوں اور سواروں کا دریا بہادوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم ہمیشہ اسلام کے دشمن رہے لیکن تمہاری دشمنی اس کو ذرہ برابر بھی نقصان نہ پہنچاسکی، ہم لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو

خلافت کا اہل سمجھتے ہیں، اس کے بعد جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے، تو ان سے آکر کہا بنی تمیم اور بنی عدی کے بعد اب تمہارے ہاتھوں میں خلافت آئی اس لئے بنی امیہ کو بڑھانا چاہئے، لیکن حضرت عثمانؓ نے ڈانٹ کر خاموش کر دیا۔

اولاً تو اس قسم کے جس قدر واقعات ہیں، کوئی بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتے چنانچہ علامہ ابن عبدالبر ان واقعات کے متعلق لکھتے ہیں، "له اخبار من نحو هذا رویة ،یعنی ابوسفیان کے متعلق اس قسم کے جس قدر واقعات ہیں، وہ لغو اور مہمل ہیں، صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں، نقل عنه من هذا الجنس اشياء كثيرة لا تثبت یعنی ابوسفیان کے اس قبیل کے بہت سے واقعات بیان کئے جاتے ہیں مگر کوئی بھی ثابت نہیں ہیں۔

لیکن بالفرض اگر اس قسم کے واقعات کو صحیح بھی مان لیا جائے، تو ان سے ان کی اسلام دشمنی ثابت نہیں ہوتی، بلکہ زیادہ سے زیادہ ان کی خاندانی عصبیت کا ثبوت ملتا ہے، اور اس سے انکار نہیں کہ بنی امیہ میں خاندانی تعصب موجود تھا۔

قبول اسلام سے پہلے ابوسفیان کی اسلام دشمنی کے بارہ میں جو کچھ بھی کہا جائے سب صحیح ہے، لیکن قبول اسلام کے بعد کی ان کی زندگی کے واقعات خود ان کے مومن کامل ہونے کا ثبوت ہیں، طائف میں ایک آنکھ کھوئی شام کی لڑائیوں میں مع بیوی بچوں کے شریک ہوئے اور دوسری آنکھ بھی نذر کی۔

(سیر الصحابہؓ سے ماخوذ)

Marfat.com

سیدنا معاویہؓ بن ابوسفیانؓ

ولادت باسعادت

حضرت معاویہؓ حضرت ابوسفیانؓ کے فرزند ارجمند تھے، بعثت نبوی سے پانچ سال قبل آپ کی ولادت ہوئی۔ بچپن ہی سے آپ میں اولوالعزی اور بڑائی کے آثار نمایاں تھے چنانچہ ایک مرتبہ جب آپ نوعمر تھے، آپؓ کے والد ابوسفیانؓ نے آپ کی طرف دیکھا اور کہنے لگے:

''میرا بیٹا بڑے سر والا ہے اور اس لائق ہے کہ اپنی قوم کا سردار بنے۔''

آپ کی والدہ ہند نے یہ سنا تو کہنے لگیں:

''فقط اپنی قوم کا؟ میں اس کو روؤں اگر یہ پورے عالم عرب کی قیادت نہ کرے۔''

اسی طرح ایک بار عرب کے ایک قیافہ شناس نے آپ کو جھپٹنے کی حالت میں دیکھا تو بولا:

''میرا خیال ہے کہ یہ اپنی قوم کا سردار بنے گا۔

ماں باپ نے آپ کی تربیت خاص طور پر کی اور مختلف علوم وفنون سے آپ کو آراستہ کیا اور اس دور میں جبکہ لکھنے پڑھنے کا رواج بالکل نہ تھا اور عرب پر جہالت کی گھٹاٹوپ تاریکی چھائی ہوئی تھی۔

آپ کا شمار ان چند گنے چنے لوگوں میں ہونے لگا جو علم وفن سے آراستہ تھے اور لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

قبولِ اسلام

آپؓ ظاہری طور پر فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے مگر درحقیقت آپ اس سے قبل ہی اسلام قبول کر چکے تھے لیکن بعض مجبوریوں کی بناء پر ظاہر نہ کیا تھا، مشہور مورخ واقدی کہتے ہیں:

''آپ صلح حدیبیہ کے بعد ہی ایمان لے آئے تھے مگر آپ نے اپنے اسلام کو چھپائے رکھا اور فتح مکہ کے دن ظاہر کیا۔''

اپنے اسلام کو چھپائے رکھنے اور فتح مکہ کے موقع پر ظاہر کرنیکی وجہ خود حضرت معاویہؓ نے بیان کی چنانچہ فاضل مورخ ابن سعد کا بیان ہے کہ:

''حضرت معاویہ ؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں عمرۃ القضا سے پہلے اسلام لے آیا تھا، مگر مدینہ جانے سے ڈرتا تھا کیونکہ میری والدہ کہا کرتی تھیں کہ اگر تم گئے تو ہم ضروری اخراجات زندگی دینا بھی بند کر دیں گے''

اس عذر اور دوسری مجبوریوں کی بناء پر آپؓ نے اپنے والد کے ہمراہ فتح مکہ کے موقع پر اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بدر، احد، خندق اور غزوۂ حدیبیہ میں آپ کفار کی جانب شریک نہ ہوئے حالانکہ اس وقت آپ جوان تھے۔ آپ کے والد ابوسفیان سالار کی حیثیت سے شریک ہو رہے تھے اور آپ کے ہم عمر جوان بڑھ چڑھ کر مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ لے رہے تھے، ان تمام باتوں کے باوجود آپ کا شریک نہ ہونا ظاہر کرتا ہے کہ اسلام کی حقانیت ابتداء ہی سے آپ کے دل میں گھر کر چکی تھی۔

آنحضرت ﷺ کے ساتھ تعلق

اسلام لانے کے بعد آپ مستقلاً آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لگے رہے اور آپ

اس مقدس جماعت کے ایک رکن رکین تھے جسے آنحضرت ﷺ نے کتابت وحی کے لئے مامور فرمایا تھا، چنانچہ جو وحی آپ پر نازل ہوتی اسے قلمبند فرماتے اور جو خطوط و فرامین، سرکارِ دو جہاں ﷺ کے دربار سے جاری ہوتے انہیں بھی تحریر فرماتے، وحی خداوندی لکھنے کی وجہ سے ہی آپ کو کاتبِ وحی کہا جاتا ہے۔

علامہ ابن حزمؒ لکھتے ہیں کہ:

''نبی کریم کے کاتبین میں سب سے زیادہ حضرت زید بن ثابتؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہے اور اس کے بعد دوسرا درجہ حضرت معاویہؓ کا تھا۔ یہ دونوں حضرات دن رات آپ ﷺ کے ساتھ لگے رہتے اور اس کے سوا کوئی کام نہ کرتے تھے۔

حضور ﷺ کے زمانے میں کتابت وحی کا کام جتنا نازک تھا اور اس کے لئے جس احساسِ ذمہ داری، امانت و دیانت اور علم و فہم کی ضرورت تھی وہ محتاجِ بیان نہیں، چنانچہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں مسلسل حاضری، کتابت وحی، امانت و دیانت اور دیگر صفاتِ محمودہ کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے متعدد بار آپ کیلئے دعا فرمائی۔''

حدیث کی مشہور کتاب جامع الترمذی میں ہے کہ ایک بار نبی کریم ﷺ نے آپ کو دعا دی اور فرمایا:

اللّٰھُمَّ اجعَلہُ ھَادیا مھدیا و اھد بِہٖ۔

''اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا دیجئے۔ اور اس کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت دیجئے''

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے آپ کو دعا دی اور فرمایا:

اللّٰھم علِّمْ معَاویۃ الکتاب و الحسَاب وقہ العذاب.

اے اللہ معاویہؓ کو حساب کتاب سکھا اور اس کو عذاب جہنم سے بچا۔

مشہور صحابی حضرت عمرو بن العاص بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ

فرماتے سنا:

اللّٰھُمَّ علّمهُ الکتاب ومکّن له فی البلاد وقهِ العذاب

اے اللہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو کتاب سکھلا دے اور شہروں میں اس کے لئے ٹھکانہ بنا دے اور اس کو عذاب سے بچا لے۔

نبی کریم ﷺ نے آپ کی امارت وخلافت کی اپنی حیات میں ہی پیشن گوئی فرمادی تھی اور اس کے لئے دعا بھی فرمادی تھی جیسا کہ مذکورہ حدیث سے ظاہر ہے۔

نیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خود بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں نبی کریم ﷺ کے واسطے وضو کا پانی لے کر گیا۔ آپ ﷺ نے پانی سے وضو فرمایا اور وضو کرنے کے بعد میری طرف دیکھا اور فرمایا:

"اے معاویہ! اگر تمہارے سپرد امارت کی جائے (اور تمہیں امیر بنا دیا جائے) تو تم اللہ سے ڈرتے رہنا اور انصاف کرنا۔"

اور بعض روایات میں ہے کہ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص اچھا کام کرے اس کی طرف توجہ کر اور مہربانی کر اور جو کوئی برا کام کرے اس سے درگزر کر۔"

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"مجھے آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کے بعد خیال لگا رہا کہ مجھے ضرور اس کام میں آزمایا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا (مجھے امیر بنا دیا گیا) ان روایات سے صاف واضح ہے کہ حضرت معاویہؓ کو دربار نبوی میں کیا مرتبہ حاصل تھا؟ اور آپ ان سے کتنی محبت فرماتے تھے؟"

نیز ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم سواری پر سوار ہوئے اور حضرت معاویہؓ کو اپنے پیچھے بٹھایا تھوڑی دیر بعد آپ نے فرمایا:

اے معاویہ! تمہارے جسم کا کون سا حصہ میرے جسم کے ساتھ مل رہا ہے؟

انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرا پیٹ (اور سینہ) آپ ﷺ

Marfat.com

کے جسم مبارک کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ یہ سن کر آپ نے دعا دی:

اللّٰھُمَّ املاہ عِلْمًا......

''اے اللہ اس کو علم سے بھر دے۔''

جب آپ کے والد اسلام لے آئے تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:

''یارسول اللہ ﷺ! میں اسلام لانے سے قبل مسلمانوں سے قتال کرتا تھا اب آپ مجھے حکم دیجئے کہ میں کفار سے لڑوں اور جہاد کروں۔''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

ضرور! جہاد کرو۔ چنانچہ اسلام لانے کے بعد آپؓ اور آپ کے والد نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ مختلف غزوات میں شرکت کی اور کفار سے جہاد کیا۔ آپؓ نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ غزوۂ حنین میں شرکت کی اور رسول کریم ﷺ نے آپ کو قبیلہ ہوازن کے مالِ غنیمت میں سے سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔

یہاں ایک واقعہ کا ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جس سے حضرت معاویہؓ کی اپنے بڑوں کے مقابلے میں اطاعت شعاری اور حضرت عمرؓ کی اپنے گورنروں اور مخصوصین پر کڑی نگرانی ظاہر ہوتی ہے۔

علامہ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب الاصابہ میں نقل کیا کہ ایک بار حضرت معاویہؓ، حضرت عمر فاروقؓ کے پاس آئے، حضرت معاویہؓ نے اس وقت ایک سبز رنگ کا جوڑا پہنا ہوا تھا، صحابہ کرامؓ نے حضرت معاویہؓ کی طرف دیکھنا شروع کر دیا، حضرت عمرؓ نے یہ دیکھا تو کھڑے ہوئے اور دُرّہ لیکر حضرت معاویہؓ کی طرف بڑھے اور مارنے لگے حضرت معاویہؓ پکارتے رہے: اللہ اللہ، اے امیر المومنین! آپ کیوں مارتے ہیں؟ مگر حضرت عمرؓ نے کچھ جواب نہ دیا۔ یہاں تک کہ واپس اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئے، صحابۂ کرامؓ، حضرت عمرؓ سے کہنے لگے آپ نے اس جوان (حضرت

Marfat.com

معاویہ ؓ) کو کیوں مارا؟ حالانکہ ان جیسا آپ کی قوم میں ایک بھی نہیں!

حضرت عمرؓ نے جواب دیا: میں نے اس شخص میں بھلائی کے علاوہ کچھ نہ پایا اور اس کے متعلق مجھے صرف بھلائی کی ہی خبر ملی ہے، لیکن میں نے چاہا کہ اس کو اتاروں اور یہ کہہ کر آپ نے حضرت معاویہ ؓ کے لباس کی جانب اشارہ کیا۔ (ابن حجر: الاصابہ ص ۴۱۴ ج ۳)

نیز آپ کے متعلق حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے: تم قیصر کسریٰ اور ان کی سیاست کی تعریف کرتے ہو حالانکہ خود تم میں معاویہ ؓ موجود ہیں۔

حضرت عمرؓ کی نظر میں آپ کا مرتبہ اور مقام اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے آپ کے بھائی یزید بن ابی سفیانؓ کے انتقال کے بعد آپ کو شام کا گورنر مقرر کیا، دنیا جانتی ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے گورنروں اور والیوں کے تقرر کے معاملہ میں انتہائی محتاط تھے اور جب تک کسی شخص پر مکمل اطمینان نہ ہو جاتا اسے کسی مقام اور علاقہ کا امیر مقرر نہ کرتے تھے، پھر جس شخص کو گورنر بناتے اس کی پوری نگرانی فرماتے اور جب کبھی معیار مطلوب سے فروز محسوس ہوتا اسے معزول فرما دیتے تھے، ان کا آپ کو شام کا گورنر مقرر کرنا اور آخر حیات تک انہیں اس عہدے پر باقی رکھنا ظاہر کرتا ہے۔ انہیں آپؓ پر مکمل اعتماد تھا۔

حضرت عمر فاروقؓ کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کا دور آیا، وہ بھی آپ پر مکمل اعتماد کرتے تھے اور تمام اہم معاملات میں آپ سے مشورہ لیتے اور اس پر عمل کیا کرتے تھے انہوں نے بھی آپ کو شام کی گورنری کے عہدہ پر نہ صرف باقی رکھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ آس پاس کے دوسرے علاقے اردن، حمص، قنسرین اور فلسطین وغیرہ بھی آپ کی ماتحت گورنری میں دے دیے۔

اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ شہید کر دیئے گئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ مسلمانوں کی ایک جماعت نے بیعت کر لی اور آپ خلیفہ ہو گئے، اور آپ کے اور

حضرت معاویہؓ کے درمیان قاتلینِ عثمانؓ سے قصاص لینے کے بارے میں اختلاف پیش آیا جس نے بڑھ کر قتال کی صورت اختیار کرلی اور مسلمانوں کے درمیان تفرقہ کی بنیاد پڑ گئی، مگر جیسا کہ ہر ہوشمند جانتا ہے کہ اس میں دونوں جانب اختلاف کا منشا دین ہی تھا، اس لئے فریقین ایک دوسرے کے دینی مقام اور ذاتی خصائل واوصاف کے قائل تھے اور اس کا اظہار بھی فرماتے تھے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت علی ؓ جب جنگِ صفین سے واپس لوٹے تو فرمایا:

''اے لوگو! تم معاویہ کی گورنری اور امارت کو ناپسند مت کرو، کیونکہ اگر تم نے انہیں گم کردیا تو دیکھو گے کہ سر اپنے شانوں سے اس طرح کٹ کٹ کر گریں گے جس طرح حنظل کا پھل اپنے درخت سے ٹوٹ کر گرتا ہے۔''

حضرت عمیر بن سعدؓ کا قول حدیث کی مشہور کتاب ترمذی میں نقل کیا گیا ہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ نے عمیر بن سعد ؓ کو حمص کی گورنری سے معزول کردیا اور ان کی جگہ حضرت معاویہ ؓ کو مقرر کیا تو کچھ لوگوں نے چہ میگوئیاں کیں، حضرت عمیرؓ نے انہیں سختی سے ڈانٹا اور فرمایا:

''معاویہؓ کا صرف بھلائی کے ساتھ ذکر کرو، کیونکہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ان کے متعلق یہ دعا دیتے سنا ہے: اے اللہ اس کے ذریعہ سے ہدایت عطا فرما۔''
(جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۴۷)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے: کہ میں نے معاویہؓ سے بڑھ کر سرداری کے لائق کوئی آدمی نہیں پایا۔

سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی آپس کی جنگوں میں غیر جانب دار رہے، فرمایا کرتے تھے کہ:

''میں نے حضرت عثمانؓ کے بعد کسی کو معاویہؓ سے بڑھ کر حق کا فیصلہ کرنے والا نہیں پایا۔''
(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۵ مطبوعہ مصر)

Marfat.com

ان چند روایات سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ صحابۂ کرامؓ آپ کے متعلق کیا رائے رکھتے تھے؟ اوران کی نگاہ میں آپؓ کا مرتبہ کیا تھا؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تابعین کی نظر میں

تابعین کرام میں آپؓ کی حیثیت کیا تھی؟ اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے دورِ خلافت میں کبھی کسی کو کوڑوں سے نہیں مارا، مگر ایک شخص جس نے حضرت معاویہؓ پر زبان درازی کی تھی، اس کے متعلق انہوں نے حکم دیا کہ اسے کوڑے لگائے جائیں۔

حافظ ابن کثیرؒ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ جو مشہور تابعین میں سے ہیں، ان سے کسی نے حضرت معاویہؓ کے بارے میں پوچھا تو حضرت ابن المبارکؒ جواب میں کہنے لگے:

> ''بھلا میں اس شخص کے بارے میں کیا کہوں؟ جس نے سرکارِ دوجہاں ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی ہو اور جب سرکار ﷺ نے سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو انہوں نے جواب میں ربنا لک الحمد کہا ہو۔''

انہی عبداللہ ابن المبارکؒ سے ایک مرتبہ کسی نے سوال کیا کہ:

یہ بتلایئے کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ میں سے کون افضل ہیں؟

سوال کرنے والے نے ایک جانب اس صحابی کو رکھا جس پر طرح طرح کے اعتراضات کئے گئے تھے، اور دوسری طرف اس جلیل القدر تابعی کو، جس کی جلالت شان پر تمام امت کا اتفاق ہے۔

یہ سوال سن کر عبداللہ ابن المبارکؒ غصہ میں آ گئے اور فرمایا:

> ''تم ان دونوں کی آپس میں نسبت پوچھتے ہو، خدا کی قسم! وہ مٹی جو نبی کریم ﷺ کے ہمراہ جہاد کرتے ہوئے حضرت معاویہؓ کی ناک کے سوراخ میں چلی گئی، وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہے۔''

(البدایہ والنہایہ ص ۱۳۹ ج ۸)

سوانح

آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد آپ شام وغیرہ کے علاقوں میں مصروفِ جہاد رہے، اسی دوران آپؓ نے جنگ یمامہ میں شرکت کی، بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کو آپ ہی نے قتل کیا تھا، مگر صحیح یہ ہے کہ حضرت وحشیؓ نے نیزہ مارا تھا اور آپ نے اس کے قتل میں مدد کی تھی۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۱۷)

پھر حضرت عمرؓ کا دور آیا اور ۱۹ھ میں انہوں نے حضرت معاویہؓ کے بھائی، یزید بن ابی سفیانؓ کو جو اس وقت شام کے گورنر تھے، حکم دیا کہ قیساریہ کو فتح کرنے کے لئے جہاد کریں، قیساریہ، روم کا مشہور شہر اور رومیوں کی فوجی چھاؤنی تھی، چنانچہ یزید بن ابی سفیانؓ نے شہر کا محاصرہ کرلیا، یہ محاصرہ طول کھینچ گیا تو یزید بن ابی سفیانؓ آپ کو اپنا نائب مقرر کر کے دمشق چلے گئے۔

حضرت معاویہؓ نے قیساریہ کا محاصرہ جاری رکھا یہاں تک کہ شوال ۱۹ھ میں یزید بن ابی سفیانؓ، طاعون کی مہلک مرض میں وفات پا گئے، حضرت عمرؓ کو ان کی موت کا بہت صدمہ ہوا اور کچھ عرصہ بعد آپ نے ان کے بھائی حضرت معاویہؓ کو شام کا گورنر بنا دیا، اور آپ کا وظیفہ ایک ہزار درہم ماہانہ مقرر فرمایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں آپ نے چار سال شام کے گورنر کی حیثیت سے گذارے اس عرصے میں آپ نے روم کی سرحدوں پر جہاد جاری رکھا اور بہت سارے شہر فتح کیے۔

حضرت عمر فاروقؓ کی وفات کے بعد حضرت عثمان غنیؓ نے آپ کو اس عہدہ پر نہ صرف باقی رکھا، بلکہ آپ کے حسنِ انتظام، تدبر اور سیاست سے متاثر ہوتے ہوئے، حمص، قنسرین، اور فلسطین کے علاقے بھی آپ کے ماتحت کر دیئے، حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں کل بارہ سال یا اس سے کچھ زائد آپ نے گورنر کی حیثیت سے گذارے، اس عرصے میں بھی آپؓ، اعلاء کلمۃ اللہ کے واسطے جہاد میں مصروف رہے۔

۳۵ھ میں آپ نے روم کی جانب جہاد کیا اور عموریہ تک جا پہنچے اور راستے میں

Marfat.com

فوجی مرکز قائم کیے۔

قبرص بحیرہ روم میں شام کے قریب ایک نہایت ذرخیز اور خوب صورت جزیرہ ہے اور یورپ اور روم کی طرف سے مصر وشام کی فتح کا دروازہ ہے اس مقام کی بہت زیادہ اہمیت تھی کیونکہ مصر وشام جہاں اب اسلام کا پرچم لہراہا تھا، ان کی حفاظت اس وقت تک نہ ہو سکتی تھی جب تک کہ بحری ناکہ مسلمانوں کے قبضے میں نہ آئے اسی وجہ سے حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ ہی سے آپ کی اس زرخیز، حسین اور اہم جزیرہ پر نظر تھی اور ان کے دور خلافت میں آپ ان سے قبرص پر لشکر کشی کی اجازت طلب کرتے رہے مگر حضرت عمرؓ نے سمندر کی مشکلات اور دوسری وجوہات کی بناء پر اجازت نہ دی۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو آپ نے ان سے اجازت طلب کی اور اصرار کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت دیدی اور آپؓ نے مسلمانوں کی تاریخ میں پہلی بار بحری بیڑہ تیار کرایا اور صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے ہمراہ ۲۸ھ میں قبرص کی جانب روانہ ہوئے۔

مسلمانوں کی تاریخ میں بحری بیڑہ کی تیاری اور بحری جنگ کا یہ پہلا واقعہ تھا: ابن خلدون لکھتے ہیں:

''حضرت معاویہؓ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے بحری بیڑہ تیار کرایا اور مسلمانوں کو اس کے ذریعے جہاد کی اجازت دی، پہلی بار بحری بیڑہ تیار کرانا حضرت معاویہؓ کی محض ایک تاریخی خصوصیت ہی نہیں ہے بلکہ اس لحاظ سے نہایت عظیم سعادت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پہلا بحری جہاد کرنے والوں کے حق میں جنت کی بشارت دی تھی، چنانچہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد نقل فرمایا ہے:

اوّل جيشٍ من اُمتي يغزون البَحر قد اوجبوا.

میری امت کے پہلے لشکر نے جو بحری لڑائی لڑے گا۔ اپنے اوپر جنت واجب کر لی ہے۔ (ابن خلدون ص ۳۹)

Marfat.com

۲۸ھ میں آپ اس کی طرف اپنا بحری بیڑہ لے کر روانہ ہوئے اور ۲۸ھ میں وہ آپ کے ہاتھوں فتح ہو گیا۔ (ص ۴۰) اور آپ نے وہاں کے لوگوں پر جزیہ عائد کیا۔

۳۳ھ میں آپؓ نے افرنطینہ، ملطیۃ، اور روم کے کچھ قلعے فتح کیے۔

۳۵ھ میں غزوۂ ذی خشب پیش آیا، اور آپؓ نے اس میں امیر لشکر کی حیثیت سے شرکت فرمائی۔

۳۶ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، اور اس کے بعد جنگ صفین و جمل کے مشہور واقعات پیش آئے، آپ کا موقف اس سلسلہ میں یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کو ظلماً شہید کیا گیا ہے اس لئے قاتلوں سے قصاص لینے میں کسی قسم کی نرمی نہ برتی جائے، اور قاتلوں سے جو نرمی برتی جا رہی ہے، ان کو عہدوں پر مامور کیا جا رہا ہے اور وہ خلافت کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں، اس سلسلہ کو ختم کیا جائے۔

چنانچہ "البدایۃ والنہایہ" میں مذکور واقعہ سے آپ کے اس موقف کی مکمل وضاحت ہوتی ہے اور اس بے بنیاد الزام کی قلعی کھل جاتی ہے کہ آپ اقتدار کی خواہش کے لئے ایسا کر رہے تھے۔

> علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ مختلف سندوں سے ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت علیؓ اور معاویہؓ کے اختلاف کے دوران، حضرت ابو مسلم خولانیؒ لوگوں کی ایک جماعت کے ہمراہ حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچے تاکہ ان کو حضرت علیؓ کی بیعت پر آمادہ کر سکیں، اور جا کر حضرت معاویہؓ سے کہا: تم علیؓ سے جھگڑ رہے ہو، کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ تم علم و فضل میں اس جیسے ہو؟ حضرت معاویہؓ نے جواب دیا: خدا کی قسم! میرا یہ خیال نہیں، میں جانتا ہوں کہ علیؓ مجھ سے بہتر ہیں، افضل ہیں اور خلافت کے بھی مجھ سے زیادہ مستحق ہیں، لیکن کیا تم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ عثمانؓ کو ظلماً شہید کیا گیا ہے اور میں ان کا چچا زاد بھائی ہوں اس لئے مجھے ان کے خون کا قصاص اور بدلہ لینے کا زیادہ حق ہے؟

Marfat.com

تم جا کر حضرت علیؓ سے یہ بات کہو کہ قاتلین عثمانؓ کو میرے سپرد کر دیں، میں خلافت کو ان کے سپرد کر دوں گا۔ یہ حضرات حضرت علیؓ کے پاس آئے، ان سے اس معاملہ میں بات کی، لیکن انہوں نے (ان معقول دلائل واعذار کی بناء پر جو ان کے پاس تھے)، قاتلین کو ان کے حوالہ نہیں کیا اس موقعہ پر اہل شام نے حضرت معاویہ ؓ کے ساتھ لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس واقعہ کے بعد اس شبہ اور بہتان کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ حضرت معاویہؓ ذاتی نام ونمود اور اقتدار کی خواہش کے لئے ایسا کر رہے تھے۔

اس بات کا اندازہ اس ایمان افروز خط سے لگایا جا سکتا ہے جو حضرت معاویہؓ نے ان ہی اختلافات کے دوران قیصر روم کو تحریر فرمایا تھا، روم کے بادشاہ قیصر نے عین اس وقت جب کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا اختلاف شباب پر تھا اور قتل وقتال کی نوبت آرہی تھی، ان اختلافات سے فائدہ اٹھانا چاہا اور شام کے سرحدی علاقوں پر لشکر کشی کرنے کا ارادہ کیا، حضرت معاویہ ؓ کو اس کی اطلاع مل گئی، آپ نے اسے ایک خط بھجوایا اور اس میں لکھا:

> "مجھے اس بات کا علم ہوا ہے کہ تم سرحد پر لشکر کشی کرنا چاہتے ہو، یاد رکھو! اگر تم نے ایسا کیا تو میں اپنے ساتھی (حضرت علیؓ) سے صلح کر لوں گا۔ اور ان کا جو لشکر تم سے لڑنے کیلئے روانہ ہوگا، اس کے ہراول دستے میں شامل ہو کر قسطنطنیہ کو جلا ہوا کوئلہ بنا کر رکھ دوں گا۔"

جب یہ خط قیصر روم کے پاس پہنچا تو وہ اپنے ارادہ سے باز آگیا اور لشکر کشی سے رک گیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ لوگ کفر کے مقابلہ میں اب بھی ایک جسم وجان کی طرح ہیں اور ان کا اختلاف، سیاسی لیڈروں کا سا اختلاف نہیں ہے۔

بہر حال یہ افسوسناک اختلاف اور قتال پیش آیا، اور دراصل اس میں بڑا ہاتھ ان مفسدین کا تھا جو دونوں جانب غلط فہمیاں پھیلاتے اور جنگ کے شعلوں کو ہوا دیتے رہے۔

۳۸ھ میں صفر کے مہینہ میں واقعہ صفین پیش آیا اس جنگ میں حضرت معاویہؓ کے ہمراہ ستر ہزار آدمی شریک ہوئے۔ جس میں صحابہؓ اور تابعین شامل تھے۔ آپ کے اور حضرت علیؓ کے

Marfat.com

درمیان جنگ چار پانچ سال تک جاری رہی۔

اس کے بعد حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ شہید کر دیئے گئے، آپؓ پر بھی قاتلانہ حملہ کیا گیا اور آپؓ کو زخم آئے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلح

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے سیّدنا حسنؓ خلافت پر متمکن ہوئے جو ابتداء ہی سے صلح جو اور مسلمانوں کے آپس کے قتال سے سخت متنفر تھے، شروع میں مفسدین نے انہیں بھی بڑھکایا مگر وہ ان کے کہنے میں نہ آئے اور ۴۱ھ میں انہوں نے حضرت معاویہؓ سے صلح کر کے خلافت آپ کے سپرد کی، آپؓ نے ان کے لئے سالانہ دس لاکھ درہم وظیفہ مقرر کر دیا۔

حضرت حسن بصریؒ، حضرت معاویہؓ اور حضرت حسنؓ کے درمیان صلح کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

> ”سیدنا حسن پہاڑ جیسے لشکر لے کر حضرت معاویہؓ کے مقابلہ پر سامنے آئے تو حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت معاویہؓ سے کہنے لگے:
>
> میں لشکروں کو دیکھ رہا ہوں کہ بغیر قتلِ عظیم کے واپس نہ لوٹیں گے۔ (یعنی قتالِ عظیم ہوگا، تو حضرت معاویہؓ فرمانے لگے:
>
> بتلاؤ! اگر انہوں نے انہیں قتل کیا اور ان لوگوں نے ان کو قتل کیا تو مسلمانوں کے معاملات کی دیکھ بھال کون کرے گا؟ ان کی عورتوں کی رکھوالی کی ضمانت کون دے گا؟ اور یتیم بچوں اور مال ومتاع کا ضامن کون ہوگا؟

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کے دل میں قوم وملت کی کتنا درد تھا اور وہ مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی کو کتنی بری نگاہ سے دیکھتے تھے، اس کے علاوہ علامہ ابن خلدون نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت معاویہؓ نے حضرت حسنؓ سے صلح کا ارادہ کیا تو ایک سفید کاغذ منگوایا اور اس کے آخر میں اپنی مہر لگائی اور کاغذ حضرت حسنؓ کے پاس روانہ فرما کر کہلا بھیجا

کہ یہ سفید کاغذ آپ کی طرف بھیج رہا ہوں اور اس کے آخر میں، میں نے اپنی مہر لگا دی ہے، آپ جو چاہیں شرطیں تحریر فرما دیں مجھے منظور ہیں۔ (ص ۵۰)

چنانچہ حضرت حسنؓ نے کچھ شرطیں لکھ دیں اور اس طرح ۴۱ھ میں آپؓ کے اور حضرت حسنؓ کے درمیان صلح ہوگئی اور تمام مسلمانوں نے متفقہ طور پر آپ کو خلیفہ مقرر کر کے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرلی، اس سال کو تاریخ عرب میں عام الجماعۃ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے کہ یہ وہ سال ہے کہ جس میں امت کا منتشر شیرازہ پھر مجتمع ہوگیا اور دنیا بھر کے مسلمانوں نے ایک خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ: جب حضرت حسنؓ صلح کر کے مدینہ تشریف لائے تو ایک شخص نے حضرت معاویہؓ سے صلح کرنے پر آپ کو برا بھلا کہا تو آپ نے فرمایا:

”مجھے برا بھلا مت کہو، کیونکہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رات اور دن کی گردش اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک کہ معاویہؓ امیر نہ ہو جائیں گے۔“

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے امیر المومنین ہو جانے کے بعد جہاد کا وہ سلسلہ از سر نو شروع ہوگیا، جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بند ہوگیا تھا، آپ نے اہلِ روم سے جہاد کیا، آپ نہ اہلِ روم کے خلاف سولہ جنگیں لڑیں، آپ نے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا، ایک حصہ کو آپ گرمی کے موسم میں جہاد کے لئے روانہ فرما دیتے تھے، پھر جب سردیوں کا موسم آتا تو آپ دوسرا تازہ دم حصہ جہاد کے لئے بھیجتے تھے، آپ کی آخری وصیت بھی یہ تھی:

شدّ خناق الروم...... ”روم کا گلا گھونٹ دو۔“ (ص ۵۲)

۴۹ھ میں آپ نے قسطنطنیہ کی جانب زبردست لشکر روانہ کیا جس کا سپہ سالار، سفیان بن عوفؓ کو مقرر کیا۔ اس لشکر میں اجلّہ صحابہ کرامؓ شریک تھے، اور یہی وہ غزوہ ہے جس کی نبی کریم ﷺ نے اپنی حیات میں ہی پیشین گوئی فرما دی تھی، اور اس میں شریک ہونے والوں کے متعلق فرمایا تھا:

اول جیش یغزو القسطنطنیة مغفور لھم

Marfat.com

''پہلا لشکر جو قسطنطنیہ کا جہاد کرے گا ان کو بخش دیا جائے گا۔''

آپ ہی کے دورِ خلافت میں صقلیہ کے عظیم الشان جزیرہ پر مسلمانوں نے فوج کشی کی اور کثیر تعداد میں، مالِ غنیمت مسلمانوں کے قبضہ میں آیا تھا، نیز آپ ہی کے زمانے میں سجستان سے کابل تک کا علاقہ فتح ہوا، اور سوڈان کا پورا ملک اسلامی حکومت کے زیرِ نگیں آ گیا۔

ذیل میں ان غزوات کا ایک انتہائی اجمالی خاکہ پیش خدمت ہے جو حضرت معاویہؓ کے عہد حکومت میں پیش آئے۔ یہ صرف ان غزوات پر مشتمل ہے جو جنگ صفین کے بعد ہوئے اس سے قبل حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں حضرت معاویہؓ ایک طویل عرصہ تک شام کے گورنر رہے، اس دوران انہوں نے رومی نصرانیوں کے خلاف بہت سے جہاد کیے، وہ سب ان کے علاوہ ہیں۔

سنہ	غزوات
۲۷ھ	اس سال آپ بحری بیڑے لے کر قبرص کی جانب بڑھے، مسلمانوں کی تاریخ میں پہلی بحری جنگ تھی۔
۲۸ھ	قبرص کا عظیم الشان جزیرہ مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو گیا۔
۳۲ھ	اس سال حضرت معاویہؓ نے قسطنطنیہ کے قریب کے علاقوں میں جہاد جاری رکھا۔
۳۳ھ	افرنطیہ، ملطیہ، اور روم کے کچھ قلعے فتح ہوئے۔
۳۵ھ	آپؓ کی قیادت میں غزوہ ذی خشب، پیش آیا۔
۴۲ھ	غزوۂ سجستان پیش آیا اور سندھ کا کچھ حصہ مسلمانوں کے زیرِ نگین آ گیا۔
۴۳ھ	ملک سوڈان فتح ہوا اور سجستان کا مزید علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔
۴۴ھ	کابل فتح ہوا۔ اور مسلمان ہندوستان میں قندابیل کے مقام تک پہنچ گئے۔
۴۵ھ	افریقہ پر لشکر کشی کی گئی اور ایک بڑا حصہ مسلمانوں کے زیرِ نگین آیا۔
۴۶ھ	صقلیہ (سسلی) پر پہلی بار حملہ کیا گیا اور کثیر تعداد میں مالِ غنیمت مسلمانوں کے قبضے میں آیا۔

Marfat.com

۴۷ھ افریقہ کے مزید علاقوں میں غزوات جاری رہے۔

۵۰/۵۱ھ غزوۂ قسطنطنیہ پیش آیا، یہ قسطنطنیہ پر مسلمانوں کا پہلا حملہ تھا۔

۵۴ھ مسلمان نہر جیجون کو عبور کرتے ہوئے بخارا تک جا پہنچے۔

۵۶ھ غزوۂ سمرقند پیش آیا۔

سیرت

آپؓ ایک وجیہہ اور خوبصورت انسان تھے، رنگ گورا تھا اور چہرہ پر وقار اور بُردباری تھی۔ حضرت مسلمؒ فرماتے ہیں کہ معاویہؓ ہمارے پاس آئے اور وہ لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت اور حسین تھے۔ اس ظاہری حسن و جمال کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سیرت کی خوبیوں سے بھی نوازا تھا، چنانچہ ایک بہترین عادل حکمران میں جو اوصاف ہو سکتے ہیں وہ آپ کی ذات میں موجود تھے

حکمراں کی حیثیت سے

حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے میں مسلمانوں کی طاقت میں اضافہ ہوا، حضرت عثمانؓ کے زمانے سے باہمی خانہ جنگی کی وجہ سے فتوحات کا سلسلہ رک گیا تھا، آپ کے عہد حکومت میں یہ سلسلہ پوری قوت کے ساتھ جاری ہو گیا، حضرت معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کے زمانے ہی میں بحری فوج قائم کر لی تھی اور عبداللہ بن قیس حارثی کو اس کا افسر مقرر کیا تھا، اپنے عہد حکومت میں انہوں نے بحری فوج کی بہت ترقی دی، مصر و شام کے ساحلی علاقوں میں بہت سے جہاز سازی کے کارخانے قائم کیے چنانچہ ایک ہزار سات سو جنگی جہاز رومیوں کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار رہتے تھے، بحری فوج کے کمانڈر جنادہ بن ابی امیہ تھے، اس عظیم الشان بحری طاقت سے آپ نے قبرص، روڈس جیسے اہم یونانی جزیرے فتح کیے اور اسی بحری بیڑہ سے قسطنطنیہ کے حملہ میں بھی کام لیا۔

- ...... ڈاک کا محکمہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں قائم ہو چکا تھا آپ نے اس کی تنظیم و توسیع کی اور تمام حدودِ سلطنت میں اس کا جال پھیلا دیا۔
- ...... آپ نے ایک نیا محکمہ دیوانِ خاتم کے نام سے بھی قائم کیا۔

Marfat.com

◉ ...... نیز آپ نے خانہ کعبہ کی خدمت کے لئے متعدد غلام مقرر فرمائے اور دیبا دحریر کا بہترین غلاف بیت اللہ پر چڑھایا۔

◉ ...... آپ اکتالیس سال امیر رہے۔ حافظ ابن کثیرؒ آپ کے عہدِ حکومت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آپ کے دورِ حکومت میں جہاد کا سلسلہ قائم رہا، اللہ کا کلمہ بلند ہوتا رہا اور مالِ غنیمت، سلطنت کے اطراف سے بیت المال میں آتا رہا، اور مسلمانوں نے راحت و آرام اور عدل وانصاف سے زندگی بسر کی۔''

آپ تالیفِ قلب، عدل وانصاف اور حقوق کی ادائیگی میں خاص احتیاط برتتے تھے۔ اسی وجہ سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ:

''میں نے حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت معاویہؓ سے بڑھ کر کسی کو حق فیصلہ کرنے والا نہ پایا۔''

حضرت ابواسحٰق السبیعیؒ فرمایا کرتے تھے:

''اگر تم حضرت معاویہ ؓ کو دیکھتے یا ان کا زمانہ پالیتے تو (عدل و انصاف کی وجہ سے) تم ان کو مہدی کہتے۔''

اور حضرت مجاہدؒ سے بھی منقول ہے کہ وہ فرماتے:

''اگر تم معاویہؓ کے دور کو پالیتے تو کہتے کہ مہدی تو یہ ہیں۔''

اسی طرح ایک بار امام اعمشؒ کی مجلس میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کا تذکرہ ہوا تو امام اعمش فرمانے لگے:

''اگر تم حضرت معاویہ ؓ کے زمانے کو پالیتے تو تمہیں پتہ چل جاتا لوگوں نے پوچھا ان کے حلم اور بردباری کا؟ فرمایا: نہیں! بلکہ ان کے عدل وانصاف کا۔

آپ کی ان ہی خوبیوں کی وجہ سے حضرت امام اعمشؒ آپ کو

Marfat.com

"المصحف" کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ (ص ۶۷)

آپ کا دورِ حکومت ہر اعتبار سے ایک کامیاب دور شمار کیا جاتا ہے۔ آپ کے دور میں مسلمان خوش حال رہے اور انہوں نے امن وچین کی زندگی گذاری، آپ نے رعایا کی بہتری اور دیکھ بھال کے لئے متعدد اقدامات کئے جن میں سے ایک انتظام آپ نے یہ کیا کہ ہر قبیلہ اور قصبہ میں آدمی مقرر کئے جو ہر خاندان میں گشت کر کے یہ معلوم کرتے کہ کوئی بچہ تو پیدا نہیں ہوا؟ یا کوئی مہمان باہر سے آ کر تو یہاں نہیں ٹھہرا؟ اگر کسی بچے کی پیدائش یا کسی مہمان کی آمد کا علم ہوتا تو اس کا نام لکھ لیتے اور پھر بیت المال سے اس کے لئے وظیفہ جاری کر دیا جاتا تھا۔

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب الادب المفرد میں بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا تھا کہ دمشق کے غنڈوں اور بدمعاشوں کی فہرست بنا کر مجھے بھیجی جائے۔

اس کے علاوہ آپ نے رفاہِ عامہ کے لئے نہریں کھدوائیں، جو نہریں بند ہو چکی تھیں انہیں جاری کروایا مساجد تعمیر کرائیں اور عامۃ المسلمین کی بھلائی اور بہتری کے لئے اور کئی دوسرے اقدامات کئے۔ آپ کے ان اقدامات کی وجہ سے عوام بھی آپ سے محبت کرتے تھے اور آپ پر جان نثار کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنی فوج سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"کیا یہ عجیب بات نہیں کہ معاویہؓ اکھڑ جاہوں کو بلاتے ہیں وہ بغیر عطیہ اور داد و دہش کے اس کی پیروی کرتے ہیں اور سال میں دو تین بار جدھر چاہیں ادھر انہیں لے جاتے ہیں اور میں تمہیں بلاتا ہوں، حالانکہ تم لوگ عقل مند ہو، اور عطیات پاتے رہتے ہو مگر تم میری نافرمانی کرتے ہو، میرے خلاف کھڑے ہو جاتے ہو، اور میری مخالفت کرتے رہتے ہو۔"

آپ کی رعایا کے آپ پر فدا ہونے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ آپ رعایا کے ایک ادنیٰ فرد کی مصیبت اور اس کی تکلیف کو اپنی تکلیف محسوس کرتے تھے اور ان کی تکلیف دور

Marfat.com

کرنے میں کسی قسم کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑتے تھے چنانچہ ایک واقعہ سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت ثابت جو ابوسفیانؓ کے آزاد غلام تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں روم کے ایک غزوہ میں حضرت معاویہؓ کے ساتھ شریک تھا، جنگ کے دوران ایک عام سپاہی اپنی سواری سے گر پڑا، اور اٹھ نہ سکا تو اس نے لوگوں کو مدد کیلئے پکارا سب سے پہلے جو شخص اپنی سواری سے اتر کر اس کی مدد کو دوڑا وہ حضرت معاویہؓ تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے روزمرہ کے معمولات

مشہور مورخ مسعودی نے آپ کے دن بھر کے اوقات کا تفصیلی نقشہ کھینچا ہے۔ مسعودی لکھتے ہیں:

آپ فجر کی نماز ادا کر کے زیرِ سلطنت ممالک سے آئی ہوئی رپورٹیں سنتے پھر قرآن حکیم کی تلاوت فرماتے اور تلاوت کے بعد گھر تشریف لے جاتے اور وہاں ضروری احکامات جاری کرتے، پھر نماز اشراق ادا کر کے باہر تشریف لاتے اور خاص خاص لوگوں کو طلب فرماتے اور ان کے ساتھ دن بھر کے ضروری امور کے متعلق مشورہ کرتے، اس کے بعد ناشتہ لایا جاتا جو رات کے بچے ہوئے کھانے میں سے ہوتا پھر آپ کافی دیر تک مختلف موضوعات پر باتیں کرتے رہتے اور اس کے بعد گھر تشریف لے جاتے۔ تھوڑی دیر بعد باہر تشریف لاتے اور مسجد میں مقصورہ سے کمر لگا کر کرسی پر بیٹھ جاتے، اس وقت میں عام مسلمان جن میں کمزور، دیہاتی بچے، عورتیں سب شامل ہوتے، آپ کے پاس آتے اور اپنی ضرورتیں تکلیفیں بیان کرتے تھے، آپ ان سب کی دل دہی کرتے، ضرورتیں پوری فرماتے، اور ان کی تکلیفوں کو دور کرتے تھے۔

جب تمام لوگ اپنی حاجتیں بیان کر لیتے اور آپ ان کے متعلق احکام جاری فرما دیتے اور کوئی باقی نہ بچتا تو آپ اندر تشریف لے جاتے اور وہاں خاص خاص لوگوں معززین اور اشرافِ قوم سے ملاقات فرماتے، آپ ان سے کہتے:

''حضرات! آپ کو اشراف قوم اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ اس مجلس

Marfat.com

خصوصی میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہے، لہٰذا آپ کا فرض ہے کہ جو لوگ یہاں حاضر نہیں ہیں ان کی ضرورتیں بیان کریں۔“

وہ ضرورتیں بیان کرتے اور آپ ان کو پورا فرماتے پھر دوپہر کا کھانا لایا جاتا اور اس وقت کاتب بھی حاضر ہوتا وہ آپ کے سرہانے کھڑا ہو جاتا اور بار باب ہونے والوں کو ایک ایک کر کے پیش کرتا اور جو کچھ وہ اپنی مشکلات اور معروضات تحریر کر کے لاتے، آپ کو پڑھ کر سناتا رہتا آپ کھانا کھاتے جاتے اور احکام لکھواتے جاتے تھے اور ہر بار باب ہونے والا شخص جب تک حاضر رہتا کھانے میں شریک رہتا، پھر آپ گھر تشریف لے جاتے اور ظہر کی نماز کے وقت تشریف لاتے، ظہر کی نماز کے بعد خاص مجلس ہوتی جس میں وزراء سے ملکی امور کے متعلق مشورہ ہوتا اور احکامات جاری ہوتے۔ یہ مجلس عصر تک جاری رہتی، آپ عصر کی نمان کے بعد امراء سے امور سلطنت پر گفتگو ہوتی۔ یہ گفتگو ختم ہوتی تو علمی مباحث چھڑ جاتے اور یہ سلسلہ رات گئے تک جاری رہتا۔ (مروج الذهب)

حلم، بردباری اور نرم خوئی

آپ اس درجہ کے حلیم اور بردبار تھے کہ آپ کا حلم ضرب المثل بن گیا، اور آپ کے تذکرہ کے ساتھ حلم کا تصور اتنا لازم ہو گیا کہ بغیر اس کے آپ کا تذکرہ نامکمل ہے، آپ کے مخالفین آپ کے پاس آتے اور بسا اوقات انتہائی نازیبا اور سخت کلامی کے ساتھ پیش آتے، مگر آپؓ اسے ہنسی میں ٹال دیتے، یہی وہ رویہ تھا جس نے بڑے بڑے سرداروں اور آپ کے مخالفوں کو آپ کے سامنے سر جھکانے پر مجبور کر دیا، چنانچہ حضرت قبیصہ بن جابر کا قول ہے کہ:

”میں نے حضرت معاویہؓ سے بڑھ کر کسی کو بردبار نہیں پایا“

ابن عون کا بیان ہے کہ حضرت معاویہؓ کے زمانے میں ایک آدمی کھڑا ہوتا اور ان سے کہتا: اے معاویہؓ! تم ہمارے ساتھ ٹھیک ہو جاؤ ورنہ ہم تمہیں سیدھا کر دیں گے، اور سیدنا معاویہؓ فرماتے ہیں: اچھا پھر ہم ٹھیک ہو جائیں گے۔

آپ کے حلم اور بردباری کے واقعات، کتب تاریخ میں بھرے پڑے ہیں، منہ

Marfat.com

پھٹ لوگ اور مخالفین آتے اور جس طرح منہ میں آتا، شکایتیں پیش کرتے مگر آپ انتہائی بردباری سے کام لیتے، ان کی شکایات سنتے، ان کی تکلیفوں کو حتی الامکان دور کرتے اور ان کو انعامات سے نوازتے تھے، اسی کا نتیجہ تھا کہ جب وہ آپ کی مجلس سے اٹھتے تو آپ کے گرویدہ ہو کر مجلس سے باہر آتے، خود حضرت معاویہؓ کا قول ہے:

غصہ کے پی جانے میں جو مزہ مجھے ملتا ہے وہ کسی شے میں نہیں ملتا۔

مگر یہ سب حلم اور بردباری اس وقت تک ہوتی جب تک کہ دین اور سلطنت کے امور پر زد نہ پڑتی ہو اسی وجہ سے اگر کہیں سختی کرنے کا موقعہ ہوتا تو سختی بھی فرماتے اور اصولوں پر کسی قسم کی مداہنت برداشت نہ کرتے۔ ایک موقعہ پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اصولِ سیاست بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جہاں میرا کوڑا کام دیتا ہے وہاں تلوار میں نہیں لاتا، جہاں زبان کام دیتی ہے وہاں کوڑا کام میں نہیں لاتا، اگر میرے اور لوگوں کے درمیان بال برابر فاصلہ ہو تو میں اس کو قائم رکھتا ہوں۔"

آپ کے پاس حضور ﷺ کے چند ناخن اور بال مبارک تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت وصیت کی کہ انہیں میری ناک کان اور آنکھوں میں رکھ کر مجھے دفنا دیا جائے۔

اسی طرح وہ چادر جو نبی کریم ﷺ نے حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کو ان کا قصیدہ سن کر مرحمت فرمائی تھی اسے آپ نے رقم دے کر حاصل کیا تھا۔

آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہی اسی تعلق کی وجہ سے آپکی بہت سی اداؤں میں سرکار دو عالم ﷺ کی اداؤں کی جھلک پائی جاتی تھی، چنانچہ حضرت ابوالدرداء فرمایا کرتے تھے:

میں نے نماز پڑھنے میں کسی کو آنحضرت ﷺ کیساتھ اتنا مشابہ نہیں پایا جتنے حضرت معاویہؓ آپ ﷺ سے مشابہ تھے۔ یہی عشق رسول تھا جس کی وجہ سے آپ ﷺ کے ہر قول و فعل کو دل و جان سے قبول کرتے تھے۔

خشیتِ باری تعالیٰ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں جن میں

Marfat.com

سے آپ کے خوف وخشیت اور فکرِ آخرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے آپ مؤاخذۂ قیامت کے خوف سے لرزہ براندام رہتے تھے، اور اس کے عبرت آموز واقعات سن کر زار وقطار روتے تھے۔

علامہ ذہبیؒ نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہ ؓ ایک جمعہ کو دمشق کی جامع مسجد میں خطبہ دینے کے لئے تشریف لائے اور فرمایا:

"جو کچھ مال ہے وہ سب ہمارا ہے اور جو کچھ مالِ غنیمت ہے وہ سبھی صرف ہمارا ہے، ہم جس کو چاہیں گے دیں گے اور جس سے چاہیں گے روک لیں گے۔"

آپ نے یہ بات کہی، کسی نے اس کا جواب نہ دیا، اور بات آئی گئی ہوگئی، دوسرا جمعہ آیا اور آپ خطبہ کے لئے تشریف لائے تو آپ نے پھر یہی بات دہرائی، پھر کسی نے جواب نہ دیا اور خاموشی طاری رہی، تیسرا جمعہ آیا اور آپ نے پھر یہی فرمایا تو ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہنے لگا:

ہرگز نہیں! مال ہمارا ہے اور مالِ غنیمت کا مال بھی ہمارا ہے جو ہمارے اور اس کے درمیان حائل ہوگا ہم تلواروں کے ذریعہ اللہ تک اس کا فیصلہ لے جائیں گے، یہ سن کر آپ منبر سے اتر آئے اور اس آدمی کو بلا بھیجا اور اندر لے گئے، لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں، آپ نے حکم دیا کہ سب دروازے کھول دیئے جائیں اور لوگوں کو اندر آنے دیا جائے، لوگ اندر گئے تو دیکھتے ہیں کہ وہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔

حضرت معاویہؓ نے فرمایا: اللہ اس شخص کو زندگی عطا فرمائے اس نے مجھے زندہ کر دیا میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا تھا، آپ ﷺ فرماتے تھے: میرے بعد کچھ حکمران ایسے آئیں گے جو (غلط) بات کہیں گے اور ان پر نکیر نہیں ہوگی اور ایسے حکمران جہنم میں جائیں گے تو میں نے یہ بات پہلے جمعہ کہی اور کسی نے جواب نہ دیا تو میں ڈرا، کہیں میں بھی ان حکمرانوں میں سے نہ ہو جاؤں، پھر دوسرا جمعہ آیا اور اس میں بھی یہی واقعہ پیش آیا تو مجھے اور فکر ہوگئی، یہاں تک کہ تیسرا جمعہ آیا اور اس شخص نے میری بات پر نکیر کی اور مجھے ٹوکا تو مجھے امید ہوئی کہ میں ان حکمرانوں میں سے نہیں ہوں۔ (تاریخ الاسلام علامہ ذہبیؒ ج ۲۲ ص ۲۳)

Marfat.com

سادگی اور فقر و استغناء

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخالفین نے اس بات کا پروپیگنڈہ بڑی شد و مد کے ساتھ کیا ہے کہ آپ ایک جاہ پسند انسان تھے، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔

حضرت ابومجلزؒ سے روایت ہے: وہ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت معاویہؓ کو کسی مجمع میں جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں جو لوگ موجود تھے وہ احتراماً آپ کے لئے کھڑے ہو گئے، مگر آپ نے اس کو بھی ناپسند کیا اور فرمایا:

ایسا مت کیا کرو! کیونکہ میں نے نبی کرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہو کہ لوگ اس کے واسطے کھڑے ہوا کریں وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

آپ کی سادگی کا عالم یہ تھا کہ یونس بن میسرہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دمشق کے بازاروں میں دیکھا، آپ کے بدن پر پیوند لگی ہوئی قمیص تھی اور آپ دمشق کے بازاروں میں چکر لگا رہے تھے۔

اسی طرح ایک مرتبہ لوگوں نے آپ کو دمشق کی جامع مسجد میں خطبہ دیتے ہوئی دیکھا کہ آپ کے کپڑوں پر پیون لگے ہوئے تھے۔

یہ تو آپ کی طبعی سادگی اور استغناء کی شان تھی مگر شام کی گورنری کے دوران آپؓ نے ظاہری شان و شوکت کے طریقے بھی اختیار کئے اور اس کی وجہ یہ تھی یہ علاقہ سرحدی علاقہ تھا، اور آپ چاہتے تھے کہ کفار کے دلوں پر مسلمانوں کی شان و شوکت کا دبدبہ قائم رہے، شروع شروع میں حضرت عمر فاروقؓ کو آپ کی یہ ظاہری شان و شوکت ناگوار بھی ہوئی اور انہوں نے آپ سے اس کے متعلق باز پرس کی، آپ نے جواب میں کہا: اے امیر المومنین ہم ایک ایسی سرزمین میں ہیں جہاں دشمن کے جاسوس ہر وقت کثیر تعداد میں رہتے ہیں لہٰذا ان کو مرعوب کرنے کے لئے یہ ظاہری شان و شوکت دکھانا ضروری ہے اسی میں اسلام اور اہل اسلام کی بھی عزت ہے۔

اس موقعہ پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی حضرت عمر فاروقؓ کے ہمراہ تھے وہ آپ کے اس حکیمانہ جواب سن کر کہنے لگے: امیر المومنین! دیکھئے کس بہترین طریقے سے

Marfat.com

انہوں نے اپنے آپ کو الزام سے بچالیا۔

حضرت عمر فاروقؓ نے جواب دیا: اسی لئے تو ہم نے ان کے کاندھوں پر یہ بار گراں ڈالا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج۸ ص ۱۲۵)

علم وتفقہ

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو علومِ دینیہ میں کامل دسترس اور کمالِ تفقہ عطا فرمایا تھا۔

ابن حزم لکھتے ہیں: آپؓ کا شماران صحابہؓ میں سے ہے جو صاحب فتویٰ ہونے کی حیثیت سے ہیں۔ نیز ابن حجرؒ نے بھی آپؓ کو ان صحابہؓ کے متوسط طبقے سے شمار کیا ہے جو مسائل شرعیہ میں فتویٰ دیتے تھے۔

حضرت ابن عباس ﷺ آپ ﷺ کے متعلق فرمایا کرتے تھے انہٗ فقیہٌ یعنی حضرت معاویہ ﷺ یقیناً فقیہ ہیں۔

آپ ﷺ سے نبی کریم ﷺ کی ایک سو تریسٹھ احادیث مروی ہیں، اور آپؓ سے احادیث روایت کرنے والوں میں حضرت ابن عباسؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت معاویہؓ بن خدیج، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت سائب بن یزیدؓ، حضرت نعمان بن بشیرؓ، جیسے صحابہؓ اور محمد بن سیرینؒ سعید بن المسیبؒ، علقمہ بن وقاصؒ، ابوادریس الخولانیؒ اور عطیہ بن قیسؒ وغیرہ جیسے تابعین شامل ہیں۔ آپؓ اعلیٰ پائے کے خطیب تھے، اور آپؓ کے خطبات عربی ادب میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں، اسی طرح وہ حکیمانہ اقوال جو آپؓ سے منقول ہیں، نہایت اہمیت کے حامل ہیں اور علم وحکمت میں اپنی مثال آپ ہیں، آپ نے اپنے دور میں علم وحکمت کی سرپرستی کی، تاریخ اسلام میں آپؓ کے دور تک فنِ تاریخ کے اوراق بالکل سادہ تھے، سب سے پہلے آپؓ نے اس زمانے کے ایک ممتاز اخباری عبید بن شریہ سے تاریخ قدیم کی داستانیں، سلاطین عجم کے حالات، اور زبانوں کی ابتداء اور اس کے پھیلنے کی تاریخ لکھائی، یہ مسلمانوں میں تاریخ کی سب سے پہلی کتاب تھی۔

ظرافت

آپ ایک ہنس مکھ اور خوش اخلاق انسان تھے، ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی سے بغیر کسی

Marfat.com

خوف کے ملتا اور آپ سے ہر قسم کی فرمائش کر دیتا، آپ سے اگر ممکن ہوتا تو پورا کر دیتے ورنہ ٹال دیتے، ایک بار ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا میں ایک مکان بنا رہا ہوں، آپ اس میں میری مدد کر دیجئے اور بارہ ہزار درخت عطا کر دیجئے۔

آپ نے پوچھا گھر کہاں ہے؟

کہنے لگا بصرہ میں!

آپ نے پوچھا! لمبائی چوڑائی کتنی ہے۔

کہنے لگا دو فرسخ لمبائی ہے اور دو ہی فرسخ چوڑائی،

آپ نے مزاحاً فرمایا:

لا تقل داری بالبصرة ولكن قل البصرة فی داری.

”یہ مت کہو کہ میرا گھر بصرہ میں ہے بلکہ یوں کہو کہ بصرہ میرے گھر میں ہے۔“

وفات

آپ ﷺ کی پوری زندگی علم و عمل کی زندگی تھی، آپ سے جتنا کچھ بن پڑ سکا آپ نے مسلمانوں اور عوام الناس کی اصلاح اور بہبود کیلئے کام کیا اور اس کے لئے اپنی پوری زندگی خرچ کر دی، مگر اس کے باوجود جب مخالفین آپؓ پر بے سروپا الزامات لگاتے اور آپؓ کو طرح طرح کے اعتراضات کا نشانہ بناتے تو آپؓ کو اس کا افسوس ہوتا، چنانچہ حضرت معاویہؓ سے کسی نے پوچھا:

کیا بات ہے؟ آپؓ پر بڑھاپا بہت جلد آ گیا ہے؟

تو جواب میں فرمایا:

”کیوں نہ آئے؟ جب دیکھتا ہوں اپنے سر پر ایک اکھڑ جاہل آدمی کو کھڑا پاتا ہوں جو مجھ پر قسم قسم کے اعتراضات کرتا ہے اگر اس کے اعتراضات کا ٹھیک ٹھیک جواب دے دیتا ہوں تو تعریف کا کہیں سوال نہیں! اور اگر جواب دینے میں مجھ سے ذرا سی چوک ہو جائے تو وہ بات چہار عالم میں پھیلا دی جاتی ہے۔“

۶۰ھ میں جب کہ آپؓ کی عمر کی اٹھترویں منزل سے گزر رہے تھے، آپؓ کی

طبیعت کچھ ناساز ہوئی اور پھر طبیعت خراب ہوتی چلی گئی اور طبیعت کی ناسازی مرض وفات میں تبدیل ہوگئی۔ اس مرض وفات میں آپؐ نے خطبہ دیا جو آپ کا آخری خطبہ تھا۔ اس میں اور باتوں کے علاوہ آپؐ نے فرمایا:

[illegible]

خاموش رہتا تو حلم و بردباری کی وجہ سے خاموش رہتا تھا۔ جسے دیتا اسے غنی کر دیتا، جس لڑتا اسے فنا کر ڈالتا۔''

آپ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت پر ایک شیعہ مورخ کا تبصرہ

مضمون کے آخر میں اس تبصرہ کو نقل کر دینا غیر مناسب نہ ہوگا جو ساتویں صدی ہجری کے مشہور مورخ ابنؒ طباطبا نے اپنی کتاب الفخری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے دور حکومت پر کیا ہے اس تبصرہ کی اہمیت اس لئے بھی زیادہ ہے کہ یہ تبصرہ ایسے مورخ نے کیا ہے جو شیعہ ہے اور اثناء عشری طبقے سے تعلق رکھتا ہے، اگر چہ اس تبصرہ میں کہیں کہیں، انہوں نے جانبداری سے بھی کام لیا ہے مگر بحیثیت مجموعی اس میں تعصب کم اور حقیقت کا عنصر زیادہ غالب ہے ابن طباطبا اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دنیوی معاملات میں بہت ہی دانا تھے، فرزانہ و عالم تھے حلیم اور باجبروت فرمانروا تھے، سیاست میں کمال حاصل تھا، اور دنیاوی معاملات کو سلجھانے کی اعلیٰ استعداد رکھتے، دانا تھے، فصیح و بلیغ تھے، حلم کے موقع پر حلم اور سختی کے موقع پر سختی بھی کرتے تھے، لیکن حلم بہت غالب تھا، سخی تھے، مال خوب دیتے تھے، حکومت کو پسند کرتے تھے بلکہ اس سے دلچسپی تھی، رعایا کے شریف لوگوں کو انعامات سے نوازتے رہتے تھے، اس لئے قریشی شرفاء مثلاً عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن جعفر طیارؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، ابان بن عثمان بن عفانؓ، اور خاندانِ ابو طالب کے دوسرے لوگ دمشق کا سفر کر کے ان کے پاس جاتے تھے اور (حضرت) معاویہؓ خاطر تواضع اور مہمان نوازی کے علاوہ ان کی ضروریات پوری کرتے رہتے۔ یہ لوگ ہمیشہ ان سے سخت کلامی کرتے اور نہایت ناپسندیدہ انداز سے پیش آتے لیکن یہ کبھی تو اسے ہنسی میں اڑا دیتے اور کبھی سنی ان سنی کر دیتے اور جب ان حضرات کو رخصت کرتے تو بڑے اعلیٰ تحائف اور انعامات دیکر رخصت کرتے،

Marfat.com

ایک بار انہوں نے ایک انصاری کے پاس پانچ سو دینار یا درہم بھیجے، انصاری نے بہت کم خیال کیا اور اپنے بیٹے سے کہا کہ یہ رقم لے جاؤ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے منہ پر مار کر واپس کر دو، پھر اس سے قسم دے کر کہا کہ جیسا میں نے بتایا ہے اسی طرح کرے، وہ رقم لے کر (حضرت) معاویہؓ کے پاس پہنچا اور کہا:

اے امیر المومنین! میرے والد گرم مزاج اور جلد باز ہیں، انہوں نے قسم دیکر ایسا حکم دیا ہے اور میں ان کے خلاف کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، یہ سن کر (حضرت) معاویہؓ نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا کہ تمہارے والد نے جو کچھ حکم دیا ہے اسے پورا کر لو مگر اپنے چچا کے (یعنی میرے) ساتھ نرمی بھی ملحوظ رکھو (یعنی زور سے نہ مارو) وہ صاحبزادے شرما گئے اور رقم ڈال دی، حضرت معاویہؓ نے رقم دوگنی کر کے انصاری کو بھجوا دی۔"

ان کے لڑکے یزید کو جب خبر ہوئی تو غصہ میں اپنے والد کے پاس آیا اور کہا: آپ حلم میں مبالغہ سے کام لینے لگے ہیں، اندیشہ ہے کہ لوگ اسے آپ کی کمزوری اور بزدلی پر محمول کرنے لگیں گے، انہوں نے جواب دیا کہ بیٹے! حلم میں نہ کوئی ندامت کی بات ہے نہ برائی کی، تم اپنا کام کرو اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، اسی قسم کے کردار نے (حضرت) معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ عالم بنا دیا اور مہاجرین وانصار میں ہر وہ شخص ان کے آگے جھک گیا جو اپنے آپ کو ان سے زیادہ حقدارِ خلافت سمجھتا تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مدبر ترین انسان تھے (حضرت) عمر بن خطابؓ نے ایک بار اہلِ مجلس سے فرمایا:

"تم لوگ قیصر وکسریٰ اور ان کی سیاست کی تعریف کرتے ہو حالانکہ تمہارے اندر معاویہ رضی اللہ عنہ موجود ہے۔"

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کئی حکومتوں کے مربی، کئی امتوں کی سیاست چلانے والے، اور کئی ملکوں کے راعی تھے، حکومت میں انہوں نے بعض ایسی چیزیں بھی ایجاد کیں جو ان سے پہلے کسی نے نہیں کی تھیں، مثلاً انہوں نے سب سے پہلے فرمانرواؤں کے لئے باڈی گارڈ مقرر کئے جو ان کے سامنے ہتھیار تانے رہتے تھے، اور جامع مسجد میں انہی نے مقصورہ

Marfat.com

تیار کرایا جس میں فرمانروا اور خلیفہ، لوگوں سے الگ الگ ہو کر تنہا نماز ادا کر سکے۔

امیر المومنین رضی اللہ عنہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے ساتھ جو کچھ پیش آیا اسی کے خوف سے (حضرت) معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا..... اور انہی نے سب سے پہلے برید (ڈاک) کا وہ طریقہ اختیار کیا جس سے جلد جلد خبریں مل جایا کریں، برید سے مراد یہ ہے کہ مختلف جگہوں پر نہایت چست شہ سوار متعین کر دیئے جائیں تا کہ جہاں ایک تیز رفتار خبر رساں پہنچے اور اس کا گھوڑا تھک چکا ہو تو دوسرا شہ سوار دسرے تازہ دم گھوڑے پر آگے روانہ ہو جائے اور اسی طرح ایک چوکی سے دوسری چوکی تک تیزی کے ساتھ خبر پہنچ جائے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ملکی معاملات میں ایک نیا محکمہ جسے دیوانِ خاتم کہتے ہیں (یعنی مہریں ثبت کرنے کا محکمہ) یہ دوسرے قابل اعتبار محکموں میں سے ایک تھا، بنی عباس تک یہ طریقہ جاری رہا پھر بعد میں ترک کر دیا گیا۔

دیوانِ خاتم کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک محکمہ تھا جس میں کئی ملازمین ہوتے جب کسی معاملہ میں خلیفہ کے دستخطوں سے کوئی حکم صادر ہوتا تو وہ پہلے اس محکمہ میں لایا جاتا اور اس کی ایک کاپی یہاں نتھی کر لی جاتی اور اسے موم (لاکھ) سے سربمہر کر دیا جاتا، اس کے بعد اس محکمہ کے افسر اعلیٰ کی مہر لگا دی جاتی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ معاملاتِ دنیوی کو حل کرنے میں ہمیشہ مصروف کار رہتے تھے ان کی فرمانروائی بڑی مستحکم تھی اور پیچیدہ معاملہ ان کے لئے آسان تھا۔

عبدالملک بن مروان کو دیکھئے وہ اس مضمون کو کس خوبی سے ادا کرتے ہیں یہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی قبر پر گئے اور ان کے لئے دعائے خیر کرنے لگے تو ایک شخص نے پوچھا کہ:

اے امیر المومنین! یہ کس کی قبر ہے؟

''انہوں نے جواب دیا کہ جہاں تک میرا علم اس شخص کے بارے میں ہے وہ یہ ہے کہ صاحب قبر پوری واقفیت کے بعد بولتا تھا اور حلم کی وجہ سے خاموش رہتا تھا، جسے دیتا اسے غنی کر دیتا، اور جس سے لڑتا اسے فنا کر ڈالتا تھا (حضرت) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جو بڑے نقاد تھے کہتے ہیں کہ:

Marfat.com

''ریاست فرمانروائی کی طرف توجہ دینے میں (حضرت) معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ لائق میں نے اور کسی کو نہیں دیکھا۔'' ☆

(ابن طباطبا: الفخری ص ۱۲۹، مطبوعہ لاہور)

حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

نام ونسب

یزید نام، ابوخالد کنیت، خیر لقب، نسب نامہ یہ ہے: یزید بن ابی سفیان بن حرب بن اُمیہ بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی قرشی اُموی۔ ماں کا نام زینب تھا، یزید حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوتیلے بھائی، اور ابوسفیان کی اولاد میں سب سے زیادہ نیک اور سلیم الطبع تھے، اس لئے یزید الخیر لقب ہو گیا تھا۔

اسلام وغزوات

فتح مکہ میں اپنے اہل خاندان کے ساتھ مشرف باسلام ہوئے، غزوات میں سب سے اوّل حنین میں شرکت کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے مالِ غنیمت سے چالیس اوقیہ (سونا یا چاندی) اور سو اونٹ مرحمت فرمائے، اور بنی فراس کا امیر بنایا۔

منصبِ کتابت

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں کا جہاں اہلِ سیرت ذکر کرتے ہیں، وہاں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو بھی کاتبِ نبوی شمار کرتے ہیں۔

چنانچہ ابن حزم نے ''جوامع السیرۃ'' میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں کے نام جہاں ذکر کیے ہیں وہاں ان کا نام آٹھویں مقام پر زید بن ثابت اور امیر معاویہ

☆......نوٹ:۔ یہ مضمون شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کی کتاب ''حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق'' کے آخری باب میں موجود مولانا محمود اشرف عثمانی مدظلہ کے مضمون کی تلخیص ہے۔ اصحاب ذوق مکمل مضمون اور حوالہ جات دیکھنے کے لئے اصل کتاب سے رجوع فرمائیں۔ شکریہ

Marfat.com

رضی اللہ عنہما کے اسماء سے قبل ذکر کیا ہے۔

اسی طرح علی بن برہان الدین الحلبی نے اپنی ''سیرۃ حلبیہ'' میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کاتبین نبوی میں شمار کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ:

معاویۃ بن ابی سفیان واخوہُ یزید.

یعنی ''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ دونوں کاتب نبوی تھے۔''

دینی اعتماد کے سلسلہ میں کاتبِ نبوی ہونا اس شخص کے لئے وثاقت کی دلیل اور صداقت کا بہترین نشان ہے اور یہ شرف خاص خاص لوگوں کو ہی حاصل تھا۔

منصبِ امارت

جناب یزید بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی طبعی صلاحیتوں کی بناء پر بڑے مستعد کارکن تھے۔ چنانچہ جس طرح نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے برادر خورد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مختلف امور پر عامل بنا کر روانہ فرمایا تھا، اسی طرح ان کو بھی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے علاقہ ''تیماء'' پر امیر بنا کر روانہ فرمایا۔

چنانچہ مورخین نے لکھا ہے کہ:

یزید بن ابی سفیان امرہُ (نبی اقدس ﷺ) علی تیماء.

اور ایک دیگر مقام پر مورخین نے لکھا ہے کہ:

''جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو قبیلہ بنی فراس (جو آپ کے ننھیالی رشتہ دار تھے) کے صدقات پر عامل بنا کر روانہ فرمایا۔''

دورِ نبوت میں بفرمانِ نبوی ﷺ کسی علاقہ کا امیر بنایا جانا یا بعض قبائل کے حصولِ صدقات پر عامل مقرر کیا جانا خاص دینی اعتماد و اخلاصِ عمل پر ہوتا تھا۔ ہر شخص اس منصب کا اہل نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ فضل و شرف بھی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوا اور امیر و عامل بنائے گئے۔

Marfat.com

اعتمادِ نبوی ﷺ

علاقہ یمن سے ایک شخص ہانی ابو مالک جو الکندی قبیلہ کے ایک معزز فرد تھے، جناب نبی اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جناب نبی کریم ﷺ نے ان پر خصوصی شفقت فرمائی اور ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے برکت کی دعا فرمائی اور انہیں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے ہاں ٹھہرایا۔ جناب ھانی رضی اللہ عنہ نے یزید کے ہاں کچھ عرصہ قیام کیا اور پھر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یزید کو ملکِ شام کی طرف امیر جیش مقرر فرما کر روانہ کیا تو ھانی رضی اللہ عنہ یزید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ملکِ شام چلے گئے اور پھر وہیں مقیم ہو گئے۔

روایتِ حدیث کا شرف

جناب نبی اقدس ﷺ سے دیگر صحابہ کرام کی طرح یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے بھی حدیث نقل کی ہے اور یہ شرف اُن کو دوسرے رواۃ حضرات کی طرح حاصل ہے اور پھر ان سے دیگر صحابہ کا روایتِ نبوی نقل کرنا بھی ثابت ہے۔ فلہٰذا ان کو راوی اور مروی ہونے کے دونوں شرف نصیب ہوئے۔

شام کی فوج کشی اور امارت

یزید نہایت شجاع اور بہادر تھے، لیکن بہت آخر میں اسلام لائے تھے، اس لیے عہد نبوی میں انہیں کارگزاری دکھانے کے کم مواقع ملے، عہد صدیقی سے ان کے کارناموں کا آغاز ہوتا ہے۔ چنانچہ جب شام پر فوج کشی ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یزید کو شرف امارت عطا کیا، اور روانگی کے وقت کچھ دور تک پیادہ پا رخصت کرنے کے لئے نکلے، یزید نے خلیفۂ رسول اللہ کو پیادہ دیکھ کر عرض کیا، یا آپ بھی سوار ہو جائیے یا مجھے پیدل چلنے کی اجازت مرحمت ہو، فرمایا نہ مجھ کو سوار ہونے کی ضرورت ہے نہ تم کو اُترنے کی۔ میں جتنے قدم رکھتا ہوں ان کو راہِ خدا میں شمار کرتا ہوں، رخصتی کے وقت فرمایا: تم کو شام میں تارک الدنیا راہب ملیں گے، ان سے اور ان کی رہبانیت سے تعرض نہ کرنا، تم کو جنگ میں ایسے

Marfat.com

لوگوں سے واسطہ پڑے گا جو بیچ سے سر منڈاتے ہیں، اسی حصہ پر تلوار مارتے ہیں۔ میں تم کو دس نصیحتیں کرتا ہوں، ان کا ہمیشہ خیال رکھنا۔ عورتوں، بچوں، اور بوڑھوں کو نہ مارنا، پھلے پھولے درختوں کو نہ کاٹنا، آبادیاں نہ ویران کرنا، بکری اور اونٹ کھانے کے علاوہ بے کار ذبح نہ کرنا، درخت نہ جلانا، پانی میں نہ ڈبانا، خیانت اور بزدلی نہ کرنا۔

ان زریں ہدایات کو لے کر یزید رضی اللہ عنہ شام روانہ ہوئے اور ارضِ شام میں پہنچنے کے بعد سب سے پہلے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ بصریٰ پر حملہ آور ہوئے۔ بصری والوں نے صلح کر لی، بصریٰ کے بعد فلسطین کا رُخ کیا۔ اجنادین میں رومیوں کا مقابلہ ہوا، ان کو شکست دی۔ اردن کی فتح کے بعد حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے یزید کو ساحلی علاقہ کی طرف روانہ کیا، انہوں نے عمرو بن العاص کے ساتھ مل کر اس کو زیر نگیں کیا۔

(فتوح البلدان بلاذری ص ۱۲۳)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا ایک مکتوب

مورخین نے لکھا ہے کہ رومیوں کے بادشاہ ہرقل کو جب اسلامی افواج کے بارے معلوم ہوا کہ وہ روم میں داخل ہو رہی ہیں تو اس نے اپنی اقامت گاہ چھوڑ کر انطاکیہ شہر کا رُخ کیا۔ امیر افواج یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے پیش آمدہ حالات سے مطلع کرنے کے طور پر مرکز میں امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف ایک مراسلہ تحریر کیا جو کتاب فتوح الشام میں منقول ہے۔

مکتوب کا مفہوم اس طرح ہے:

یزید بن ابی سفیان نے بسم اللہ کے بعد اس طرح ذکر کیا کہ شاہِ روم کو جب ہماری اس کی طرف پیش قدمی معلوم ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں اہل اسلام کا رعب ایسا ڈالا کہ وہ اپنے مقام سے چل کر انطاکیہ کے مقام پر نازل ہوا اور مدائن شام پر اپنے لشکر کے امراء کو مقرر کر کے ہمارے ساتھ قتال کا انہیں حکم دیا......الخ

ان حالات میں اے امیر المومنین! اپنے حکم اور اپنی رائے سے ہمیں جلد مطلع فرمائیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم اس پر عمل درآمد کریں گے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی نصرت

Marfat.com

اور فتح طلب کرتے ہیں اور مسلمانوں کی عافیت کے طلب گار ہیں۔
آپ پر سلام اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔

امیر المومنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف سے مکتوب کا جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مرکز کی طرف سے لکھا کہ:
آپ کا مرسلہ خط ہمیں پہنچ گیا ہے اس میں درج ہے کہ ملک روم نے انطاکیہ کی جانب کوچ کیا اور مسلمانوں کی اجتماعی قوت سے اس کے قلب میں اللہ تعالیٰ نے خوف ڈالا ہے۔ اللہ تعالیٰ (ہمیں کافی ہے) اور اسی کے لیے حمد وثنا ہے۔

ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ہوتے تھے اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرماتا تھا، اور اپنے ملائکہ کرام کے ذریعے ہماری خصوصی نصرت فرماتا تھا۔

یہ وہ دین ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے رعب ڈالا ہے اور وہی دین ہے جس کی آج ہم لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مجرموں کی طرح نہیں بنائے گا۔ (بلکہ اہل اسلام کو غالب کر دے گا)

جب ان کفار کے ساتھ آمنا سامنا ہو تو اپنے معاونین سمیت ان کے خلاف قتال کرو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو رسوا نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کئی بار قلیل جماعت کثیر جماعت پر باذن اللہ غالب رہتی ہے۔

پھر اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ملکِ شام کی طرف فوج بعد از فوج روانہ فرمانے لگے۔

جنگ یرموک میں جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی ہدایات

جنگ یرموک دشمنانِ اسلام کے خلاف (علی اختلاف الاقوال) ۱۳ھ یا ۱۵ھ میں لڑی گئی اور اسلام میں یہ جنگ نہایت اہم تھی۔

اس جنگ میں جناب یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر کے ایک حصہ یعنی میسرہ پر امیر جیش تھے اور آپ کے والد گرامی ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ ضعف و پیری کے

Marfat.com

باوجود شریک ہوئے اور دوسری آنکھ کی بھی قربانی پیش کر کے نابینا ہو گئے اور بصارت چشمی سے معذور ہو گئے۔ اس موقع پر مسلمانوں کو شدید قتال کا سامنا کرنا پڑا، مگر جناب یزید رضی اللہ عنہ نے دیگر صحابہ کرام کی طرح نہایت ثابت قدمی اور جرأت کا مظاہرہ کیا۔ دورانِ جنگ بعض دفعہ جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ اپنے فرزند جناب یزید رضی اللہ عنہ کو تاکید فرماتے تھے کہ: "اے بیٹے! (صرف) اللہ تعالیٰ سے خوف کیجئے۔ آپ کے ساتھیوں میں سے کوئی فرد جنگی معاملہ کے متعلق اجر و ثواب میں آپ سے زیادہ راغب نہ ہو، اور دشمنانِ اسلام کے خلاف آپ سے زیادہ کوئی جرأت مند نہ ہو، تو جناب یزید رضی اللہ عنہ نے اپنے والد گرامی کے فرمان کے جواب میں عرض کیا: ان شاء اللہ تعالیٰ میں آپ کی نصیحت پر عمل کروں گا۔

چنانچہ جناب یزید رضی اللہ عنہ نے نہایت شدید قتال کیا اور فتح مندی سے ہمکنار ہوئے۔

ایک اہم معرکہ میں فتح

ملک شام کے علاقہ میں مختلف مقامات پر اہل اسلام کو دشمن کے ساتھ قتال کرنے اور معارضہ کے بہت مواقع پیش آئے۔ چنانچہ الطبری نے ان ایام میں ایک جنگی معارضہ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ:

"مخالفین کی افواج میں ایک توذرانامی شخص بڑا جنگو بہادر تھا۔ اس کے ساتھ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا شدید مقابلہ ہوا پھر عام جنگ شروع ہو گئی۔ قتال کے دوران ہی پیچھے سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ آپہنچے اور اہل اسلام نے مخالفین کے ساتھ سخت قتال کیا اور وہاں سے بھاگ جانے والوں کے بغیر، دشمن کے لشکریوں کو قتل کر ڈالا اور ان میں سے کوئی بچ کر نہیں گیا۔ اس موقعہ پر مسلمانوں کو مالِ غنیمت (سواریاں، لباس اور دیگر مال و متاع) بے شمار حاصل ہوا۔

پھر اس تمام مالِ غنیمت کو یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے اپنے مجاہدین رفقاء اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں حسبِ دستور تقسیم کر دیا۔

غنائم کی تقسیم کے بعد یزید بن ابی سفیان دمشق کی طرف اور خالد بن الولید اپنے امیر جیش حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

Marfat.com

دمشق

شہر دمشق کے محاصرہ کے موقع پر مورخین نے لکھا ہے کہ صورت ذیل میں اکابر حضرات محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ مدینہ دمشق کے باب الشرق پر خالد بن الولید، باب توما پر عمرو بن العاص، باب الفرادیس پر شرحبیل بن حسنہؓ، باب الجابیہ پر ابوعبیدہ بن الجراح اور باب الصغیر جسے کیسان کہتے تھے اس پر یزید بن ابی سفیان محاصرہ کیے ہوئے تھے۔

اور جناب یزید بن ابی سفیان ﷺ نے فلسطین اور اُردن کے علاقہ جات میں بہت فتوحات حاصل کیں، عمان اور بصری وغیرہ کو صلح کے ساتھ فتح کیا۔

فتوحاتِ سواحلِ دمشق

نیز دمشق کے علاقہ کی فتوحات کے سلسلہ میں مورخ ابن اثیر نے الکامل میں لکھا ہے کہ جب فتح مدینہ دمشق تمام ہوگئی تو اسلامی عساکر کے امیر الامراء جناب عبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان ﷺ کو امیر دمشق مقرر فرمایا، اور خود مقامِ فحل کی جانب روانہ ہوئے۔

جناب یزید بن ابی سفیان ﷺ سواحلِ دمشق کے مقامات کی طرف اپنے لشکر سمیت عازم سفر ہوئے۔ صیدا، عرقہ جبیل اور بیروت وغیرہ یہ دمشق کے سواحل پر شمار ہوتے تھے۔ جناب یزید موصوف کے لشکر کے مقدمۃ الجیش پر ان کے برادر خورد حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ امیر ونگران مقرر تھے۔ مذکورہ کئی مقامات کے لوگوں کو وقتی مصلحت کے تحت وہاں سے نکال کر جلاوطن کیا اور سواحل کے دیگر مواضع کو فتح کر کے اسلام کے زیرنگین کر دیا، اور خصوصاً عرقہ وغیرہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید موصوف ﷺ کی نگرانی وتولیت کے تحت خود فتح کیا۔

تین صحابہ کرام کا طلب کیا جانا

ملکِ شام میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ جاری تھا کہ حضرت صدیق اکبرؓ ۱۳ھ میں انتقال فرما گئے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ان کے بعد خلیفہ منتخب ہوئے۔

Marfat.com

اس دور میں کثرت فتوحات کی بنا پر دینی مسائل کی تعلیم کی ضرورت بڑھ گئی تو اس وقت جناب یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مکتوب ارسال کیا کہ:

یعنی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ارض شام میں کثرت سے اسلام پھیلا ہے اب یہاں ان کو قرآنی تعلیم اور دینی مسائل سمجھانے کی ضرورت درپیش ہے اس مقصد کیلئے کم از کم تین حضرات روانہ فرما کر ہماری اعانت کیجئے، تو حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی جانب سے اس کام کے لیے تین انصاری صحابہ حضرات معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، ابودرداء رضی اللہ عنہ اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو شام بھیجا گیا تھا۔ ان حضرات نے علاقہ شام میں پہنچ کر دینی تعلیمات بڑے احسن طریقہ سے سرانجام دیں اور ملک کے مختلف جوانب واطراف میں ملی خدمات کا فریضہ ادا کیا۔ اور مذہبی تعلیم عام کر کے اسلام کے فروغ کا باعث ہوئے۔

یہ تمام پروگرام جناب یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں پورا ہوا۔

ایک مراسلۂ فاروقی رضی اللہ عنہ

جناب یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ جس دور میں شام کے علاقے میں فتوحات کے سلسلہ میں مقیم تھے اس زمانے میں مرکز اسلام مدینہ طیبہ سے حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی جانب سے مختلف احکامات اور ہدایات جاری ہوتے تھے۔ اسی ضمن میں صاحب کنز العمال علی متقی الہندی نے ایک فاروقی مکتوب کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ جناب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو ایک مراسلہ ارسال کیا اور ہدایت فرمائی کہ:

> ''حسبِ دستور ایک اسلامی لشکر روانہ کیجئے اور ربیعہ کے قبیلہ سے ایک شخص کو اس کا امیر جیش بنا کر اس کو پرچم دیجئے، کیونکہ میں نے ایک بار جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جیش شکست نہیں کھائے گا جس کا جھنڈا ربیعہ قبیلہ کے شخص کے ہاتھ میں ہوگا۔''

Marfat.com

• چنانچہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ہدایات کی روشنی میں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے عمل درآمد کیا، اور مجاہدانہ کارنامے سرانجام دیئے اور فروغِ اسلام کی خاطر مساعی کیں۔

شربِ خمر کا واقعہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جناب یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ملک شام میں اپنی فتوحات کے سلسلہ میں علاقہ دمشق کے والی اور حاکم تھے۔

ان کی امارت کے ایام میں اہل شام کے بعض لوگ شراب خوری کے مرتکب ہوئے اور ساتھ ہی یہ دعویٰ کرنے لگے کہ یہ فعل ہمارے لیے حلال ہے اور قرآن مجید کی آیت "لیس علی الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت جناحٌ فیما طعموا اِذا ما اتّقوا" الخ (پ ۷) سے اپنے اس فعل کا غلط جواز پیدا کرنے کے لیے اس میں تاویل کرنے لگے۔ اس صورت حال سے جناب یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بذریعہ مکتوب مطلع کیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواباً حکم نامہ ارسال فرمایا کہ اس سے قبل کہ یہ لوگ کسی فساد کا باعث بنیں انہیں ہماری طرف بھیج دیں۔

چنانچہ جب یہ لوگ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیے گئے تو اس مسئلہ کے متعلق آپ رضی اللہ عنہ نے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب فرمایا، تو صحابہ کرامؓ نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ اے امیر المومنین! ہماری رائے میں ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کی غلط تاویل کرتے ہوئے تکذیب کی ہے اور دین میں ایسی چیز کو مشروع قرار دیا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں فرمایا۔ پس ان کی گردن اڑا دینی چاہیے۔

اس موقعہ پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، مگر خاموشی اختیار کیے ہوئے تھے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے ابوالحسن! آپ کی اس مسئلہ میں کیا رائے ہے؟ تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ:

میری رائے یہ ہے کہ انہیں پہلے اس فعل سے رجوع اور توبہ کرنے کا موقعہ فراہم کیا جائے اگر یہ لوگ اپنے اس فعل سے توبہ کرلیں تو ان کو شراب خوری کی بنا پر اَسّی اَسّی

دُرّے لگائے جائیں اور اگر یہ اپنے موقف سے توبہ ہی نہ کریں تو ان کی گردن اڑا دی جائے، کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کی تکذیب کی ہے، اور اپنے دین میں انہوں نے ایسی چیز کو مشروع کیا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں فرمایا۔

چنانچہ ان لوگوں سے توبہ کرنے کا مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے اپنے موقف سے رجوع کر کے توبہ کر لی اور پھر انہیں شراب خوری کی سزا کے طور پر اسّی اسّی دُرّے لگوائے گئے۔

مقام سرغ میں ملاقات

ملکِ شام کی فتوحات کی طرف حضرت عمر فاروق ؓ کی خاص توجہ تھی۔ وہاں اسلامی جیوش کے امراء بڑی محنت کے ساتھ کام پر لگے ہوئے تھے اور فتوحات کا سلسلہ شروع تھا۔ پھر ان حالات میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وہاں خود تشریف لے جانا بعض دفعہ ضروری ہو جاتا تھا۔

اس سلسلہ میں مورخین نے تصریح کی ہے کہ کم وبیش چار دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ملکِ شام میں تشریف لے گئے۔ دوبار ۱۶ھ میں اور دوبار ۱۷ھ میں، مورخ طبری نے اس مسئلہ کو بعبارت ذیل ذکر کیا ہے۔

فاتي عمر الشام اربع مرّات مرتين في سنة ستة عشر و مرّتين في سنة سبع عشرة...... الخ

چنانچہ ۱۷ھ میں ایک دفعہ حضرت فاروق اعظم ؓ شام کی طرف عازم سفر ہوئے متعدد مہاجرین وانصار حضرات شریک سفر اور ہم رکاب تھے۔ ''سرغ'' کے مقام پر جا کر فروکش ہوئے۔ علاقہ کے امراء الجیوش کو اطلاع ملی تو ذیل حضرات جناب فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی ملاقات کے لیے حاضر خدمت ہوئے۔ ابوعبیدہ بن الجراح ؓ یزید بن ابی سفیان ؓ شرحبیل بن حسنہ ؓ یہ حضرات جیوش کے امراء تھے اور حضرت ابوعبیدہ امیر الامراء تھے۔

ان اکابرین حضرات رضی اللہ عنہم کے اجتماع ہذا میں علاقہ کے اہم حوائج اور احوال امیر المومنین حضرت عمر فاروق کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ اس ضمن میں ان

حضرات نے اطلاع دی کہ:

فاخبروه ...... ان الارض سقيمه

یعنی جس علاقہ کی طرف جناب تشریف لے جانا چاہتے ہیں وہاں کی فضا خراب ہے اور بیماری پھیلی ہوئی ہے۔

اس موقعہ پر مختلف مشورے پیش ہوئے اور آگے سفر جاری رکھنے یا یہاں سے واپس ہونے میں بحث تمحیث ہوئی۔ آخر کار بقول مورخین عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے مشورہ کو ترجیح دی گئی اور حضرت عمر واپس مدینہ طیبہ تشریف لائے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ذیل فرمانِ نبوی ﷺ سب حضرات کے سامنے بیان کیا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی شہر یا علاقہ میں بیماری کی وبا معلوم کرو تو اس مقام میں مت جاؤ اور جہاں تم مقیم ہو وہاں وبا پھیل جائے تو وہاں سے بھاگ کر مت نکلو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث مبارک سن کر فرمایا:

فلِلّٰه الحمد . انصرفوا ايّها النّاس ، فانصرف بهم.

مختصر یہ ہے کہ اس مسئلہ پر جناب عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے قول پر فیصلہ ہو جانے کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم سفر حضرات مدینہ طیّبہ کی طرف واپس تشریف لائے اور لشکروں کے امراء حضرات اپنے اپنے علاقہ جات کی طرف حسبِ موقعہ ہدایات لے کر واپس ہوئے۔ واقعہ ہذا کے ذریعہ سے واضح ہوا کہ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اپنے منصب کے لحاظ سے ایسے اہم مراحل میں شامل ہوتے اور ضروری مجالس میں شرکت کرتے تھے اور ملی خدمات سرانجام دینے میں پیش پیش رہتے اور فروغِ اسلام کے لیے ہمہ وقت مصروف رہتے تھے۔

وفات

یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ملکِ شام کے بعض علاقوں کا والی مقرر فرمایا تھا۔ جیسا کہ ماقبل میں بیان ہوا۔ اپنے عہدِ

Marfat.com

ولایت کے دوران دیگر صحابہ کرامؓ کی معیت اور رفاقت کے ساتھ بہت سے علاقوں کو فتح کیا۔ یرموک، اجنادین، اردن، فلسطین، حمص اور قیساریہ وغیرہ مقامات میں ان کے فاتحانہ کارنامے ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔

ان ایام میں دمشق کو فتح کر کے اسے اپنا مرکز قرار دیا ہوا تھا اور وہاں اقامت پذیر تھے۔ اتفاق سے اس علاقے میں طاعون (عمواس) کی وبا پھیل گئی جس میں متعدد صحابہ کرامؓ حضرت ابوعبیدہؓ اور معاذ بن جبلؓ وغیرہم کا انتقال ہوا اور یزید بن ابی سفیان ﷺ نے بھی دمشق میں اسی مرض سے ۱۸ھ میں وفات پائی، اور بعض مورخین نے اس طرح بھی لکھا ہے کہ یزید بن ابی سفیان ﷺ کا انتقال دمشق میں فتح قیساریہ کے بعد ۱۹ھ میں ہوا، اور ان سے آگے ان کی نسل نہیں جاری ہوئی۔

حنظلہ بن ابوسفیان

حضور ﷺ کا سالا اور حضرت ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ اور خال المسلمین حضرت امیر معاویہؓ کا سگا بھائی، غزوۂ بدر میں کفار کیطرف سے لڑتا ہوا مارا گیا۔

عمرو بن ابوسفیانؓ

حضرت امیر معاویہؓ کا بھائی ابوسفیانؓ کا بیٹا، غزوۂ بدر میں کفار کی طرف سے شریک ہوا۔ اسلام کی فتح کے بعد سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ نے اسے گرفتار کیا۔

لوگوں نے ابوسفیانؓ سے کہا کہ اپنے بیٹے کا فدیہ دے کر اسے رہا کرالو۔ تو ابوسفیانؓ نے کہا:

''اس کا مطلب ہے کہ ان کے یعنی مسلمانوں کے ذمہ میرا ایک خون بھی باقی رہے اور اب میں ان کو فدیہ کی رقم بھی دوں۔ انہوں نے حنظلہ یعنی ابوسفیانؓ کے بیٹے کو قتل کیا۔ جو ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کا سگا بھائی تھا۔

Marfat.com

اور اب میں دوسرے بیٹے عمرو کے لئے ان کی فدیہ کی رقم دوں اسے ان کے ہاتھوں میں رہنے دو جب تک جی چاہے قید رکھیں!''

اسی دوران میں اچانک ابوسفیانؓ نے سعد ابن نعمان کو دیکھا جو مدینہ سے عمرہ کرنے کے لئے مکہ آئے تھے۔ یہ مدینے کے خاندان بنی عمرو ابن عوف سے تعلق رکھتے تھے۔ ابوسفیانؓ نے جیسے ہی سعد کو دیکھا اس نے جھپٹ کر ان پر حملہ کیا اور ان کو اپنے بیٹے کے بدلے میں پکڑ کر قید کر لیا۔

بنی عمرو ابن عوف کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ کو سعد ابن نعمان کے واقعہ کی اطلاع دے کر آپ سے درخواست کی کہ عمرو ابن ابوسفیانؓ کو ہمارے حوالے کر دیا جائے تا کہ ہم اس کو چھوڑ کر اس کے بدلے میں سعد کو رہا کرائیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے عمرو کو بنی عمرو ابن عوف کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے اپنے آدمی کے ساتھ عمرو کو مکے بھیجا جس پر ابوسفیانؓ نے سعد کو آزاد کر دیا۔

ان قیدیوں میں جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے اس میں اس عمرو کا نام نہیں آتا۔ بظاہر یہ کفر و شرک کی حالت میں ہی مرا ہے۔

زینب بنت ابی سفیان

عروہ بن مسعود الثقفی کی بیوی، ابی سفیان بن حرب کی بیٹی......اور رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ اُمّ حبیبہؓ کی بہن۔

ابوسفیان جب یمن سے واپس لوٹے تو قریش کے لوگ، بنی اُمیہ کے سردار اور اس عظیم الشان تاجر سے ملنے اور اپنے اپنے سامان تجارت کے بارے میں دریافت کرنے کے لئے اُمڈ پڑے... اور پھر جب محمد ﷺ تشریف لائے... تو اس وقت ھند بنت عتبہ اپنے شوہر کے ساتھ بیٹھی اپنے تینوں بیٹوں معاویہ، یزید اور عتبہ کو کھلا رہی تھیں رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کو سلام کیا اور ان سے ان کے سفر اور قیام کی تفصیلات معلوم کیں۔ مگر اپنے سامان تجارت کے بارے میں کچھ نہ پوچھا اور پھر آپ ﷺ وہاں سے اٹھ گئے... تو ابوسفیان اپنی

Marfat.com

بیوی ھند بنت عتبہ کی طرف متوجہ ہو کر بولے......

قسم خدا کی... یہ شخص مجھے بہت بھاتا ہے قریش کے جتنے لوگوں کا میرے پاس سامان سب نے اپنے اپنے سامان کے بارے میں دریافت کیا مگر اس نے اپنے سامان کے بارے میں کچھ بھی نہ پوچھا۔

تو ھند بنت عتبہ اپنے بچوں کو کھلاتے ہو بولیں....

کیا آپ کو اس کے بارے میں کچھ پتہ چلا ہے؟

تو ابوسفیان حیرت سے بولے...

کس بارے میں؟

ھند بنت عتبہ بولیں...

وہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے!

تو ابوسفیان اپنا سر ہلاتے ہوئے بولے:

یہ تو بالکل بیکار بات ہے وہ تو بہت عقل مند شخص ہے پھر کیسے ایسا دعویٰ کر سکتا ہے؟

ھند بنت عتبہ بولیں:

خدا کی قسم وہ واقعی یہ سب کچھ کہتا ہے...... بلکہ لوگوں کو اسکی طرف دعوت بھی دیتا ہے......کئی لوگ اس کے دین میں اس کے ساتھی بن چکے ہیں......ابوبکر بن ابی قحافہ، علی بن ابی طالب، زید بن حارث، عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبیداللہ، عبدالرحمٰن بن عوف، خباب، صہیب، عمار اور بلال سب کے سب اس پر ایمان لے آئے ہیں۔

یہ سب باتیں سن کر ابوسفیان غصہ میں بولے:

یہ سراسر غلط اور باطل ہے:

کیونکہ ابوسفیان اپنی قوم کے سردار ہیں......اس لئے وہ یہ کیسے گوارا کر سکتے ہیں کہ وہ اسلام لا کر محمد ﷺ کے تابع ہو جائیں اسی لئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو جھٹلایا اور اس کے خلاف آواز بلند کی۔ ادھر عروہ بن مسعود نے بھی خوب خوب مذاق اڑایا کہ کیا قرآن دونوں شہر مکہ اور طائف کے اسی عظیم آدمی پر نازل ہونے کو رہ گیا تھا؟

Marfat.com

اس پر اللہ جلالہ، نے یہ آیات نازل فرمائیں:

وقالوا لو لا نزل هذا القراٰن علٰى رَجُلٍ مِّنَ القريتَيْنِ عظيم O اهم يقسمون رحمت ربك ط نحن قسمنا بينهم معيشتهم فى الحيٰوة الدنيا ورفعنا بعضهم فوق بعضٍ درجاتٍ لِّيَتَّخِذَ بعضهم بعضا سخريا. (زخرف: ۳۱، ۳۲)

اور جب عروہ بن مسعود نے یہ دیکھا کہ محمد بن عبداللہ ﷺ کی یہ دعوت اس کی قوم کے کسی بڑے سردار کی حکومت اور رعب ودبدبہ کا خاتمہ کر دے گی تو اس نے ان کی اتباع کرنے سے انکا کر دیا۔

حدیبیہ کے روز قریش نے محمد ﷺ اور ان کے صحابہ کرام کو حرم میں داخل ہونے سے روک دیا.....اور پہلے بدیل بن ورقاء الخزاعی کو ان کے پاس بھیجا...... پھر مکرز بن حفص کو، پھر الحلیس بن علقمۃ حبشیوں کے سردار کو اور پھر جب عروہ بن مسعود کو بھیجنے کا ارادہ کیا تو وہ بولے:

اے قریش کے لوگو! میں نے دیکھا کہ محمد ﷺ کے پاس بھیجے گئے لوگوں میں سے جب بھی کوئی واپس تمہارے پاس آتا ہے تو تم لوگ کتنی بُری طرح پیش آتے ہو اور بُرا بھلا کہتے ہو اور تم لوگ جانتے ہو کہ تم لوگ میرے بزرگ ہو اور میں تمہارے اولاد کی جگہ ہوں جب مجھے پتہ چلا کہ تمھارے ساتھ کیا ہو رہا ہے تو میں نے اپنی قوم کے چند ہم خیال لوگوں کو جمع کیا اور تمہارے پاس چلا آیا۔

تو سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابی جہل اور حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن حفص بولے کہ تم نے سچ کہا ہم تم پر کوئی الزام نہیں رکھتے۔ پھر عروہ بن مسعود وہاں سے نکل پڑے اور محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا محمد ﷺ تم نے ادھر اُدھر سے لوگ جمع کیے اور یہاں چلے آئے؟

اے محمد.....تم نے اپنی قوم کو چھوڑا اور ان سے ناطہ توڑ لیا کیا اس سے پہلے عرب قوم میں کسی نے ایسا کیا ہے؟ اور تمہیں نہیں پتہ کہ قریش کے لوگ کتنی تیاریوں کے ساتھ نکلے ہیں۔ انہوں نے چیتے کی کھالیں پہن رکھی ہیں اور اللہ سے عہد کر رکھا ہے کہ وہ

تمہیں زبردستی مکہ میں کبھی نہیں داخل ہونے دیں گے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ جو ادھر ادھر کے لوگ تمہارے ارد گرد جمع ہیں یہ تمہیں چھوڑ کر بھاگ جائیں گے اور قسم خدا کی مجھے ایسا لگتا ہے کہ وہ سب کے سب کل تک تمہارا ساتھ چھوڑ جائیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے بیٹھے تھے فوراً بولے:

غارت ہو جالات کے پجاری کیا ہم انہیں چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟

ایکدم عروہ کو غصہ آیا کیونکہ لات طائف کے لوگوں کا معبود ہے.....اور وہ خود بنی ثقیف کا سردار تھا اور ان الفاظ سے اس کی اور اس کے معبود کی شان میں گستاخی ہو رہی تھی...... فوراً بھنا کر بولا....

محمد... یہ کون ہے؟

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یہ ابن ابی قحافہ ہے:

تو عروہ بن مسعود نے صدیق اکبر سے کہا....

اگر تمھارا مجھ پر ایک احسان نہ ہوتا تو میں ضرور اس بات کا بدلہ چکا تا۔

پھر عروہ رسول اللہ ﷺ سے بات کرتے ہوئے ان کی ریش مبارک سے کھیلنے لگا یعنی بار بار چھونے لگا....اور یہ عرب کی عادات میں شامل تھا کہ اگر کوئی شخص کسی سے دوستانہ انداز میں گفتگو تھا وہ اس کی داڑھی سے ہلکے ہلکے کھیلتا رہتا تھا اور اسے چھوتا رہتا تھا۔

ادھر مغیرہ بن شعبہ جو کہ عروہ کے بھتیجے تھے۔ حضور ﷺ کے پیچھے کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے وہ اس وقت زرّہ بکتر پہنے ہوئے تھے اور ان کے ''خود'' نے ان کا تقریباً پورا چہرہ چھپا رکھا تھا ان کی صرف آنکھیں ہی نظر آرہی تھیں۔ جس سے وہ پہچانے نہیں جا رہے تھے جب انہوں نے اپنے چچا کو رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک کو بار بار چھوتے دیکھا جب کہ نبی کریم ﷺ ایسا نہیں کر رہے تھے تو ہر دفعہ ان کے ہاتھ اپنی تلوار کا دستہ مارتے اور کہتے کہ یا رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک چھونا بند کریں کیونکہ ایک مشرک کو اس چیز کی اجازت نہیں۔

تو عروہ ان کی طرف متوجہ ہو کر غصہ سے بولا:

کتنے بدتمیز انسان ہو تم! پھر رسول اللہ ﷺ سے بولے کاش میں اپنے ساتھ

Marfat.com

بدتمیزی کرنے والے آپ کے اس ساتھی کو سبق سکھا سکتا۔ قسم خدا کی میں نہیں سمجھتا کہ آپ کے ساتھیوں میں اس سے زیادہ بے سمجھ کوئی اور ہوگا...!!

تو رسول اللہ ﷺ بے ساختہ مسکرا کر بولے:

یہ تمہارا ہی بھتیجا مغیرہ بن شعبہ ہے۔

عروہ بن مسعود بولا: اے غدار میں نے کل ہی عکاظ میں تیری غداری پر پردہ ڈالا ہے تو نے ہمیشہ کیلئے ثقیف سے ہماری دشمنی کرا دی ہے...

پھر رسول اللہ ﷺ عروہ کو سمجھانے لگے کہ وہ جنگ کی نیت سے یہاں نہیں آئے۔ یہاں پر عروہ بن مسعود نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آپ ﷺ کے ساتھی آپ کے ساتھ کس طرح سے پیش آتے ہیں.... جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے ہیں تو وہ اپنی آوازیں نیچی کر لیتے ہیں اور اگر آپ ﷺ کے موئے مبارک میں سے کوئی ایک نیچے گر جاتا تو وہ فوراً اسے اٹھا لیتے ہیں... اور بوجہ ادب واحترام کے ان سے نظریں نہیں ملاتے۔

پھر عروہ بن مسعود قریش کے پاس واپس گئے اور بولے:

قریش کے لوگو! میں نے کئی سلطنتیں دیکھیں .... میں کسریٰ کے پاس بھی گیا ... قیصر کے پاس گیا اور نجاشی کے پاس بھی گیا.... مگر قسم خدائے پاک کی میں نے کسی بادشاہ کو اپنی قوم کے درمیان ایسا نہیں پایا جیسا کہ محمد ﷺ کو اپنے ساتھیوں کے درمیان پایا ہے۔ اور میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو ان کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑتے.... تو تمہارے لئے بہتر یہی ہوگا کہ تم لوگ اپنی رائے بدل ڈالو وہ تمہیں رشد و ہدایت کی دعوت دے رہے ہیں ان کی دعوت قبول کر لو... میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور مجھے ڈر ہے کہ تم ان پر قابو نہیں پا سکتے۔

تو قریش کے سردار بولے: ایسی باتیں مت کرو اے ابو یعفور... ہم انہیں اس سال واپس لوٹائیں گے وہ لوگ چاہیں تو اگلے سال یہاں آ جائیں۔

تو عروہ بن مسعود نے کہا... مجھے لگتا ہے کہ تم پر ایک ناگہانی آفت ہی ٹوٹے گی اس کے بعد عروہ اور اس کے ساتھی واپس طائف لوٹ گئے۔

پھر جب رسول اللہ ﷺ نے "حنین" میں مشرکین مکہ کو شکست دے کر مکہ فتح

Marfat.com

کرلیا تو وہ طائف کی جانب چلے اور اس کا محاصرہ کرلیا... اس وقت عروہ بن مسعود طائف میں نہیں تھے۔

اور جب رسول اللہ ﷺ واپس مدینہ کیلئے روانہ ہوگئے... عروہ بن مسعود ان کے پیچھے پیچھے نکل پڑے.... حتیٰ کہ انہیں مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی پالیا...... اور اسلام لے آئے اور پھر عروہ بن مسعود کو احساس ہوا کہ مال و دولت کے ساتھ ساتھ انہیں ایمانِ صادق...... اور عزت و بلند مرتبہ کی دولت بھی حاصل ہوگئی ہے۔

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

عرض علی الانبیاء علیهم السلام فاذا موسیٰ ضرب من الرجال کانه من رجال شنوء ة ورأیت عیسیٰ بن مریم فاذا اقرب من رأیت به شبها عروة بن مسعود ورأیت ابراهیم علیه السلام فاذا اقرب من رایت به شبها صاحبکم یعنی نفسه ﷺ ورأیت جبریل علیه السلام فاذا اقرب من رایت به شبها دحیة الکلبی۔

فرمایا آپ ﷺ نے:

"میرے سامنے انبیاء علیہم السلام کو پیش کیا گیا تو موسیٰ علیہ السلام تو ایسے تھے جیسے کہ وہ شنؤۃ کے آدمیوں میں سے ہوں ...... میں نے عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا اور میں نے ابراھیم علیہ السلام کو دیکھا تو ان کی شباہت سے قریب ترین شخص میں نے اپنے آپ کو پایا...... اور میں جبریل علیہ السلام کو دیکھا تو ان کی شباہت سے قریب ترین شخص میں نے دحیہ کلبی کو دیکھا"۔

عروہ بن مسعود اپنی قوم میں بڑے محبوب اور ہر دل عزیز تھے ان کی قوم ان کی فرمانبردار تھی...... ان کی دس بیویاں تھیں...... تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ ان میں سے صرف چار چُن لو...... تو ان چاروں میں سے جو انہوں نے چنیں...... زینب بنت ابی سفیان بھی شامل تھیں۔

Marfat.com

جب عروہ بن مسعود نے اپنے لوگوں میں واپس جانے کی اجازت طلب کی......

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا......

مجھے ڈر ہے کہ وہ لوگ تمہیں قتل کر ڈالیں گے۔

تو عروہ بن مسعود بولے:

یا رسول اللہ! میری قوم مجھ سے محبت کرتی ہے میں اگر انہیں سوتا ہوا ملتا ہوں تو مجھے جگاتے نہیں...... میں انہیں ان کی آنکھوں سے زیادہ عزیز ہوں...... رسول اللہ ﷺ انہیں اجازت دیدی...... اور وہ طائف کیلئے روانہ ہو گئے......

اور پھر انہوں نے اپنی چار بیویوں کو اسلام کی دعوت دی تو زینب بنت ابی سفیان اور باقی تینوں بیویاں بھی ایمان لے آئیں۔

عروہ بن مسعود کہتے ہیں:

میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا:

"لقنوا موتاکم لا الٰہ الا اللّٰہ فانھا تھدم الخطایا"

"اپنے مرنے والوں کو لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کیا کرو کیونکہ اس سے گناہ مٹ جاتے ہیں۔"

اور پھر عروہ بن مسعود نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی، انہیں نصیحتیں کیں، سمجھایا...... مگر انہوں نے نافرمانی کی اور انہیں طرح طرح کی اذیتیں دی۔

ایک دن صبح صادق کے وقت عروہ بن مسعود جو اپنے گھر میں تھے اٹھے اور اذان دینے لگے...... کہ اتنے میں ثقیف کے کسی آدمی نے ان پر تیر چلا دیا...... اوس بن عوف یا وھب بن جابر اس آدمی کا نام تھا۔ تیر کھا کر وہ زمین پر گر گئے...... تو ان سے کہا گیا کہ آپ کو اپنے خون میں کیا نظر آتا ہے؟

تو عروہ بن مسعود نے جواب دیا:

عزت ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کی اور شہادت کی مرتبہ پر فائز کیا مجھ میں ان شہیدوں سے بڑھ کر کچھ نہیں جو "حصارِ طائف" کے روز نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے اور شہید کر دیئے گئے تھے...... مجھے بھی ان کیساتھ دفن کر دینا۔

Marfat.com

تو جب عروہ بن مسعود انتقال فرما گئے...... تو انہیں رسول ﷺ کے شہید ساتھیوں کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ اور جب رسول اللہ ﷺ تک ان کی شہادت کی اطلاع پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

مثل عروة مثل صاحب یاسین دعا قومه الی الله فقتلوه.

"عروہ کی مثال صاحب کی سی ہے جس نے اپنی قوم کو اللہ کی طرف دعوت دی جواب میں انہوں نے اُسے قتل کر دیا۔"

حضرت عزّہ بنتِ ابی سفیان رضی اللہ عنہ

قریش کے خاندان بنواُمیہ سے تھیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

عزّہ بنتِ ابی سفیان صخر بن حرب بن اُمیہ بن عبد شمس بن عبد مناف اُم المومنین حضرت اُمّ حبیبہؓ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیر تھیں۔

اہلِ سیَر نے ان کے قبول اسلام کے زمانہ کی تصریح نہیں کی تاہم ان کی سعادت اندوزیٔ اسلام پر سب کا اتفاق ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ اُم المومنین حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: "یا رسول اللہ! میری خواہش ہے کہ آپ میری بہن عزّہ کو بھی شرفِ زوجیت سے سرفراز فرمائیں۔"

(غالباً اس وقت حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کو معلوم نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے کی ممانعت کر دی ہے)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم اس بات کو پسند کرتی ہو کہ تمہاری بہن تمہاری سوت بنے؟"

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! میں اکیلی ہی تو آپ کی زوجہ نہیں ہوں۔ حضور کی اور ازواج بھی ہیں، میرا جی چاہتا ہے کہ میری بہن بھی حضور ﷺ کے شرفِ زوجیت سے بہرہ یاب ہو۔"

Marfat.com

حضور ﷺ نے فرمایا: ''ایسا کرنا جائز نہیں۔''

ایک اور روایت میں حضور ﷺ سے یہ الفاظ منسوب ہیں:

''عزّہ میری سالی ہے اور بیوی کی زندگی میں اس کی بہن سے نکاح جائز نہیں۔''

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، ہم نے تو سنا ہے کہ آپ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ رکھتے ہیں۔

حضور ﷺ نے (تعجب اور حیرت سے) فرمایا: ابوسلمہ کی بیٹی سے؟

حضرت اُم حبیبہؓ نے کہا: جی ہاں،

حضور ﷺ نے فرمایا: ''وہ اگر میری ربیبہ نہ ہوتی تو بھی مجھ پر حلال نہ تھی۔ وہ تو میری رضاعی بھتیجی ہے کیونکہ میں نے اور (اس کے باپ) ابوسلمہؓ نے ثویبہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پیا ہے۔''

- حضرت عزّہ کے مزید حالات دستیاب نہیں ہوئے۔

Marfat.com

(۱۰) حُیَی ابن اخطب

حُیَی بن اخطب اُم المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا والد تھا۔ یہ مدینہ میں یہودیوں کے طاقتور قبیلے بنونضیر کا سردار تھا۔ یہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھا۔ اس کی زوجہ کا نام ضرّہ تھا۔ بعض نے برّہ بنت شموال لکھا ہے۔ حُیَی بن اخطب نے اپنے علماء اور بزرگوں سے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیوں کو بہت اچھی طرح یاد کر رکھا تھا۔ حُیَی بن اخطب اور اس کا بھائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت دیکھنے گئے، جب آپ نے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے قباء میں قیام کیا مگر پہچاننے کے باوجود وہ آپ پر ایمان نہ لائے۔

ایک روایت میں حضرت صفیہ بیان کرتی ہیں کہ میرے چچا ابو یاسر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری پر آپ کے پاس گئے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کا کلام سنا اور آپ سے باتیں کیں۔ اس کے بعد جب وہ اپنی قوم کے پاس واپس آئے تو یہودیوں سے بولے:

> ”اے میرے قوم کے لوگو! میرے بات مانو اور میری اطاعت کرو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس اس نبی کو بھیج دیا ہے جس کا تم انظار کرتے تھے۔ اب تمہیں چاہئے کہ ان کی پیروی و اطاعت کرو ان کی مخالفت ہرگز مت کرو۔“

اس کے بعد میرے باپ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے انہوں نے بھی

Marfat.com

آنحضرت ﷺ کی باتیں سنیں اور اسے کے اپنی قوم میں واپس آئے اور ان سے کہنے لگے:

''میں ابھی اسی شخص کے پاس سے آرہا ہوں خدا کی قسم میں ہمیشہ اس کا دشمن رہوں گا!''

اس پر ان کے بھائی ابو یاسر نے ان سے کہا:

''میرے ماں جائے! کم از کم اس معاملے میں تم میرے بات مان لو۔ اس کے علاوہ اور ہر معاملہ میں تم میری مخالفت کر لینا۔ اس طرح تم ہلاکت اور تباہی کے غار میں گرنے سے بچ جاؤ گے۔''

یہود کی دریدہ دہنیوں پر آیات قرآنی کا نزول

مگر میرے والد نے کہا خدا کی قسم ہم ہرگز تمہاری بات نہیں مانیں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آخر ابو یاسر بھی بھائی کے تیور دیکھ کر اس کے ساتھ ہو گیا اور اس کے بعد یہ دونوں کے دونوں یہودیوں میں آنحضرت ﷺ کے سب سے بڑے دشمن بنے اور جہاں تک ان سے بن پڑتا تھا یہ دونوں اپنی قوم کے لوگوں کو اسلام سے بچانے کی کوششیں کرتے رہتے تھے۔ اس پر حق تعالیٰ نے ان دونوں اور ان کے دوسرے ہم نواؤں کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

ودَّ کثیرٌ من اهل الکتاب لو یردونکم کفارا حسدا من عند انفسهم من بعد ما تبین لهم الحق. (البقرہ:۱۰۹)

''ان اہل کتاب یعنی یہود میں سے بہتیرے دل سے یہ چاہتے ہیں کہ تم کو تمہارے ایمان لائے پیچھے پھر کافر کر ڈالیں محض حسد کی وجہ سے جو کہ خود ان کے دلوں ہی سے جوش مارتے مارتا ہے حق واضح ہوئے پیچھے۔''

غزوہ بنو نضیر کے موقع پر جو شخص یہودیوں کی سربراہی کر رہا تھا وہ حُیی ابن خطاب تھا جو ام المومنین حضرت صفیہ کا باپ تھا اور بنی نضیر کا سردار تھا۔ بنی نضیر کے ایک دوسرے سردار یعنی سلام ابن مشکم نے حُیی کو اس سرکشی سے روکا اور کہا:

''حُیی! خدا کی قسم اپنے سرکش ارادہ سے باز رہو کیونکہ ابن ابی کی بات اور وعدے کا کوئی

Marfat.com

بھروسہ نہیں ہے وہ صرف چاہتا ہے کہ تمہیں محمد ﷺ سے لڑا کر ہلاکت میں ڈال دے اور خود بیٹھ کر تماشہ دیکھے۔ دیکھتے نہیں اس نے بنی قریظہ کے سردار کعب ابن اسد قرظی کے پاس پیغام بھیجا تھا کہ بنی قریظہ کے لوگوں کو اس موقعہ پر تمہاری یعنی بنی نضیر کے یہودیوں کی مدد کرنی چاہیے مگر کعب نے جواب دے دیا ہے کہ ہم میں سے ایک شخص بھی مسلمانوں کے ساتھ کئے ہوئے اپنے معاہدے کو نہیں توڑے گا۔ اس پر وہ بنی قریظہ سے مایوس ہو گیا۔ جیسا وعدہ اس نے تم سے کیا ہے ایسا ہی وعدہ بنی قینقاع کے اپنے حلیفوں سے بھی کیا تھا (چنانچہ بنی قینقاع کے لوگ اس کی بتوں میں آ گئے اور) انہوں نے محمد ﷺ سے بھی جنگ کی اور معاہدہ توڑ کر اپنے آپ کو قلعہ بند کر لیا اور ابن ابی اور اس کی مدد کا انتظار کرنے لگے مگر وہ اپنے گھر میں چھپا بیٹھا رہا اور محمد (ﷺ) اپنا لشکر لے کر بنی قینقاع کی سرکوبی کے لئے پہنچ گئے، یہاں تک کہ محمد (ﷺ) کے حکم پر بنی قنقاع کو جلاوطنی اختیار کرنی پڑی۔ اب خود سوچ لو جب ابن ابی نے ان لوگوں کی مدد نہیں کی جو اس کے حلیف اور دوست تھے اور جو اس کے دشمنوں سے اس کی حفاظت کرتے تھے تو ہم ان لوگوں میں سے ہیں جو ہمیشہ سے قبیلہ اوس کی حمایت میں قبیلہ خزرج سے لڑتے آرہے ہیں۔

کیونکہ قبیلہ اوس قبیلہ خزرج کے درمیان جب کبھی جنگ ہوئی تھی تو بنی قینقاع کی یہودی تو قبیلہ خزرج کی حمایت میں میدان میں نکلتے تھے اور بنی نضیر اور بنی قریظہ کے یہودی قبیلہ اوس کی حمایت میں نکلتے تھے۔ غرض یہ سب کہنے کے بعد سلام نے حیی سے کہا۔ اب تم خود سوچ لو کہ ابن ابی کی بات پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

"ہمارے سامنے محمد ﷺ کی دشمنی اور انسے جنگ کے سوا اور کوئی مقصد نہیں ہے۔

سلام نے کہا۔

> "تو پھر خدا کی قسم اس کا نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ ہم اپنے وطن سے بے وطن کر دیے جائیں گے، ہمارا مال و دولت اور عزت و اعزاز فنا ہو جائیگا، ہمارے گھر والے قیدی اور غلام بنائے جائیں گے اور ہمارے جنگ آزما نوجوان قتل ہو جائیں گے....."!

مگر حیی آنحضرت ﷺ سے جنگ کرنے پر تلا رہا۔ ادھر بنی نضیر کے یہودیوں

Marfat.com

نے اس سے کہا:

"ہمارا معاملہ تمہارے تابع ہے۔ ہم کسی حال میں تمہاری مخالفت نہیں کریں گے"!

چنانچہ حیی نے رسول ﷺ کے پاس وہ پیغام بھیج دیا کہ ہم اپنا وطن ہرگز نہیں چھوڑیں گے اس لئے جو تمہارے جی میں آئے کر دیکھو۔ اس پیغام پر مسلمان جنگ کی تیاریوں میں لگ گئے۔ جب تمام مسلمان جمع ہو گئے تو آنحضرت ﷺ کے ساتھ بنی نضیر کے مقابلے کے لئے کوچ فرمایا اس موقعہ پر آپ نے مدینے میں حضرت ابن ام مکتوم کو اپنا قائم مقام بنایا۔ جنگی پرچم حضرت علی ابن ابو طالب نے اٹھایا۔ آنحضرت ﷺ مسلم لشکر کے ساتھ آگے بڑھے یہاں تک کہ شام کے قریب آپ نے بنی نضیر کی بستی میں پہنچ کر پڑاؤ ڈالا اور ان کے چوک میں عصر کی نماز ادا فرمائی۔ ادھر یہودی اپنی حویلیوں میں قلعہ بند ہو گئے تھے اور چھتوں پر سے تیر اور پتھر برسانے لگے۔

یہودی کہہ رہے تھے:

"اے محمد ﷺ صدموں پر صدمے دیکھنے پڑ رہے ہیں اور ایک کے بعد دوسرے پر رونا پڑ رہا ہے۔ روتے روتے ہماری آنکھیں خشک ہو چکی ہیں۔ مگر اب تم اپنی فکر کر لو۔!"

غرض آپ نے یہودیوں سے فرمایا:

"تم لوگ یہاں سے نکل جاؤ اور مدینہ خالی کر دو۔!"

یہود نے کہا:

"ہمارے نزدیک اس سے کہیں زیادہ آسان بات یہ ہے کہ ہم اپنی جانیں دے دیں......!"

اس کے بعد یہودیوں نے جنگ شروع کر دی۔

حیی کی دشمن سے ساز باز

بنی نضیر کے یہودیوں کا سردار اور اللہ کا دشمن حیی ابن اخطب جب قریش کو

Marfat.com

مدینے پر سے چڑھائی کرانے کے لئے لے کر چلا تو ان سے کہنے لگا کہ میری قوم بنی قریظہ تمہارے ساتھ ہے ان لوگوں کے پاس بہت بڑی تعداد میں ہتھیار اور اسلحہ ہیں۔ اس قبیلہ میں ساڑھے سات سو لڑنے والے جانباز ہیں۔ یہ سن کر ابو سفیان کہنے لگا:

''تم ان لوگوں کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ اس معاہدہ امن کو توڑ دیں جو ان کے اور محمد (ﷺ) کے درمیان قائم ہے!''

بنی قریظہ پر حُیَی کا دباؤ

چنانچہ حُیَی اسی وقت روانہ ہوا اور کعب ابن اسد قرظی کے پاس آیا جو بنی قریظہ کا سردار تھا جو اس معاہدہ کا ذمہ دار تھا جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہوا تھا۔ اور جس نا جنگ معاہدہ کی تفصیل گزشتہ قسطوں میں بیان ہو چکی ہے۔ غرض کعب کے مکان پر پہنچ کر حُیَی نے اس کے دروازے پر دستک دی مگر کعب نے حُیَی کو دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا۔ حُیَی نے اصرار کیا تو کعب نے کہا۔ درو ہو تیرا ناس ہو حُیَی۔ تو بہت ہی منحوس آدمی ہے۔ میں محمد ﷺ کے ساتھ جو معاہدہ کر چکا ہوں اسے ہرگز نہیں توڑوں گا۔ اور پھر محمد ﷺ کی طرف سے میں نے وفا اور سچائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا.....!

کعب کا عہد شکنی سے انکاری

اُبی نے پھر کہا کہ تیرا ناس ہو دروازہ تو کھول مجھے تجھ سے بات کرنی ہے کعب نے کہا میں نہیں کھولوں گا ساتھ ہی کعب حُیَی کو برا بھلا کہنے لگا۔ اس حُیَی نے کہا۔ خدا کی قسم! تو نے اپنا دروازہ میرے لئے اس ڈر سے بند کیا ہے۔ کہ میں کہیں تیرا آٹے کا حلوا کھانے میں شریک نہ ہو جاؤں۔!''

یہ سنتے ہی کعب نے دروازہ کھول دیا۔ حُیَی نے اندر آ کر کہا:

''خدا کی مار کعب میں تو تیرے لئے دنیا و جہان کی سربلندی لے کر آیا ہوں۔ میں نے قریش کو تمہارے گھروں تک لے آیا اور انہیں لا کر مجمع اسیال میں فرد کش کرا دیا۔ ادھر غطفانیوں کو لے کر آیا اور انہیں احد کے دامن میں لا کھڑا کیا۔ ان لوگوں نے مجھ سے عہد و پیمان کیا ہے کہ ہم اس

Marfat.com

وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو نیست ونابود نہیں کرلیں گے۔

کعب نے اس کے باوجود یہ کہا:

''خدا کی قسم! تو میرے پاس دنیا جہان کی ذلت ورسوائی لے کر آیا اور ہر وہ بات پیش کر رہا ہے جس سے ڈر لگتا ہے کیونکہ میرے نزدیک محمد ﷺ کی طرف سے سوائے ایمانداری اور وفا کے کوئی بات سامنے نہیں آئی۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ تو میرے پاس ایسی گھٹا اور بدلیاں لے کر آیا ہے جن میں پانی نہیں ہے جن میں سوائے گھور گرج اور بجلی کے کڑاکوں کے اور کچھ نہیں ہے۔ تجھ پر افسوس ہے حُیَی میرا پیچھا چھوڑ میں اس کے لئے تیار نہیں ہوں۔!''

کعب کی سپر اندازی

مگر حُیَی نے کعب کا پیچھا نہ چھوڑا (اور اس کو مجبور کرتا رہا) یہاں تک کہ کعب نے اللہ کے نام پر اس کے عہد دیا کہ اگر قریش اور غطفان کے لوگ محمد ﷺ کو قتل کیے بغیر یہاں سے لوٹ گئے تو بھی میں تمہارے ساتھ تمہاری حویلی میں قلعہ بند رہوں گا اور جو نقصان بن پڑے گا محمد ﷺ کو پہنچاؤں گا۔ اس کے ساتھ ہی کعب نے معاہدہ توڑ دیا اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے درمیان جو سمجھوتہ تھا اس کو ختم کر کے معاہدہ کی تحریر پاڑ ڈالی۔

قوم میں عہد شکنی کا اعلان

اسکے بعد کعب نے اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کی جن میں زبیر ابن مطاؔ، شاس ابن قیس، عزال ابن میمون اور عقبہ ابن زید شامل تھے۔ کعب نے ان کے سرداروں کو بتلایا کہ میں معاہدہ توڑ چکا ہوں اور وہ پر امن سمجھوتہ جو محمد ﷺ نے لکھا تھا میں اس کو چاک کر چکا ہوں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی ہلاکت کا جو ارادہ فرمایا اس کا راستہ انہوں نے خود صاف کیا۔ حُیَی ابن اخطب یہودیوں میں اپنی حرکتوں کے لحاظ سے قریش کو ابو جہل کے مشابہ تھا۔

حُیَی کا آخری کلام

آخر کار اس بدنصیب کا وقت آخر آ گیا۔ غزوہ بنو قریظہ میں یہود کے جن لوگوں کو قتل کے لایا گیا ان میں حُیَی ابن اخطب بھی تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ گردن پر رکھ کر رسی سے بندھے ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو دیکھا تو فرمایا کہ اے خدا کے دشمن کیا اللہ تعالیٰ نے تجھے ہمارے قابو میں نہیں ڈالا؟ حُیَی نے کہا بے شک اللہ کو یہی منظور تھا کہ میں آپ کے قابو میں آ جاؤں مگر خدا کی قسم میں آپ کی دشمنی کے لئے اپنے آپ کو ملامت نہیں کر سکتا البتہ یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو رسوا اور خوار کرنا چاہے وہ خوار ہو کر رہتا ہے۔

علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے حُیَی سے فرمایا کہ کی اللہ نے تجھ پر ہمیں کامیاب نہیں کر دیا تو حُیَی نے کہا بے شک ہم نے ہر طرح کوشش کر کے دیکھ لی مگر حقیقت یہ ہے کہ جو آپ کو رسوا کرنا چاہے وہ خود رسوا ہو جاتا ہے۔

غرض اس کے بعد حُیَی لوگوں کے طرف متوجہ ہو کر بولا کہ لوگو! کچھ مضائقہ نہیں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لئے جو سزا مقرر فرمائی تھی اور جو تباہی اس کا مقدر بن چکی تھی وہ پوری ہو گئی۔ اس کے بعد حُیَی بیٹھ گیا اور اس کی گردن ماردی گئی۔

Marfat.com

(۱۱) حارث بن حزن (سسر)

ہند بنت عوف (ساس)

حارث بن حزن اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے والد ہیں۔ ان کا سلسلۂ نسب یوں ہے: حارث بن حزن بن بجیر بن ہزم بن روبیہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن عیلان الھلالی۔

ہلال بن عامر پر اُم المومنین زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کا اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نسب مل جاتا ہے۔ حارث بن حزن کا نکاح ہند بنتِ عوف بن زہیر بن الحارث بن حماطہ بن حمیر سے ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سسرال اپنے دامادوں کے معاملے میں بہت خوش قسمت سمجھا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت شداد رضی اللہ عنہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات حارث اور ہند کے دامادوں میں شامل ہیں۔ اس خاندان کو عمرۃ القضا کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سسرال بننے کا شرف حاصل ہوا۔ اس نکاح کے بعد رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں کافی کمی آ گئی کیونکہ ان کے سسرال کے جن خاندانوں سے رشتہ داریاں تھیں، وہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

Marfat.com

بارے میں نرم رویہ رکھنے لگے اور ان میں اسلام نفوذ کرنے لگا۔

حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت حارث

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام لبابہ اور کنیت ام الفضل تھی۔ باپ کا نام حارث بن حزن اور ماں کا نام ہند بنت عوف تھا۔

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت حارث ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حقیقی بہن تھیں حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت عمیس آپ کی اخیافی بہن تھیں۔ یعنی دونوں ایک ہی ماں کے بطن سے تھیں۔ البتہ باپ الگ تھے۔

نکاح

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا پہلے حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں تھیں ان کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں آئیں اور جب انہوں نے وفات پائی تو حضرت علی کرم اللہ وجہ سے آخری نکاح ہوا۔ آپ کی ایک تیسری بہن سلمٰی کی شادی حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی۔

خود حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا عم رسول ﷺ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبدالمطلب سے بیاہی گئیں۔ حضرت ام الفضل کی والدہ ہند بن عوف پر لوگ رشک کرتے تھے کہ سمدھیانے کے لحاظ سے کوئی عورت ان کے ہم پلہ نہیں ہوئی۔

شرف وسعادت

خواتین میں جس خاتون کو سب سے پہلے رسول کریم ﷺ پر ایمان لانے کا شرف حاصل ہوا وہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں دوسرے نمبر پر حضرت ام الفضل کو اس نعمت عظمٰی کے حصول کا شرف حاصل ہوا۔ اس لئے وہ سابقون الاولون میں بھی نہایت ممتاز درجہ رکھتی ہیں۔

حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے شوہر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کے قبول اسلام کے بعد مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت پرہیزگار اور عبادت گذار تھیں۔ ہر سوموار اور جمعرات کو روزہ رکھتیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رشتہ

حضور رسول کریم ﷺ کی رشتہ میں چچی تھیں اور ان سے بہت محبت وعقیدت رکھتی تھیں نبی کریم ﷺ ان کے گھر اکثر تشریف لے جاتے۔ دوپہر کا وقت ہوتا تو وہاں ہی آرام فرماتے۔ حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول کریم ﷺ کا سر مبارک اپنی گود میں رکھ کر حضور ﷺ کے بال صاف کرتیں اور کنگھی پھیرتیں۔

مومنہ بہنیں

ایک دن رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا، سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اسماء چاروں مومنہ بہنیں ہیں۔ ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت مسرور ہوئیں کہ آقائے دوجہاں ﷺ نے خود اپنی زبان مبارک سے انہیں مؤمنات میں شامل فرمایا۔

خواب کی تعبیر

ایک دفعہ حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خواب میں دیکھا کہ رسول کریم ﷺ کے اعضائے مبارک میں سے ایک عضو اُن کے گھر میں ہے۔ انہوں نے اپنا خواب رسول کریم ﷺ سے بیان کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ میری لختِ جگر فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرزند عطا کرے گا اور تم اس کو اپنا دودھ پلاؤ گی۔ یہی اس خواب کی تعبیر ہے۔''

کچھ عرصہ بعد حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے فرزند عطا کیا۔ یہ شہید کربلا سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہیں اپنا دودھ پلایا اور ان کی کفیل بن گئیں۔ اس لئے سارا خاندان نبوت حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہت عزت وتکریم کرتا تھا۔

ایک دن ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو اپنی گود میں لئے ہوئے

رسول کریم ﷺ کے پاس تشریف لائیں۔ حضور ﷺ نے اپنے پیارے نواسے رضی اللہ عنہ کو ان کی گود سے لے لیا اور پیار کرنے لگے۔ ننھے حسین رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی گود میں پیشاب کر دیا۔ حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فوراً حضور ﷺ کی گود سے لے لیا اور جھڑک کر کہا:

''ارے ننھے یہ تو نے کیا کیا کہ اپنے بابا جان کی گود میں پیشاب کر دیا۔''

رسول کریم ﷺ کو ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اتنا جھڑکنا بھی گوارا نہ ہوا اور فرمایا۔ ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو نے میرے بچے کو یونہی جھڑکا جس سے مجھے تکلیف ہوئی۔ اس کے بعد پانی منگا کر لباس مبارک کا پیشاب آلودہ حصہ دھلوایا۔

حج کی سعادت

حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رسول کریم ﷺ کے ساتھ حج کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ عرفہ کے دن بعض لوگوں نے خیال کیا کہ حضور ﷺ روزہ سے ہیں۔ جب حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان لوگوں کا یہ خیال معلوم ہوا تو انہوں نے ایک دودھ کا پیالہ رسول کریم ﷺ کو بھیجا۔ حضور ﷺ نے اسے نوش فرما لیا۔ اس سے لوگوں کا شک دور ہو گیا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے صلب سے اللہ نے حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چھ لڑکے اور ایک لڑکی عطا کی جن کے اسماء یہ ہیں:

فضل، عبداللہ، سعد، عبیداللہ، قثم، عبدالرحمٰن اور ام حبیبہ۔

وصال مبارک

حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں اپنے شوہر کے سامنے ہی وفات پائی۔ نماز جنازہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔ حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تیس احادیث مروی ہیں۔

حضور ﷺ کے چند ہمزلفوں کا بیان

1 ...... ام المومنین سیدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کی ایک بہن حضرت اُم الفضل

رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ہوا، اس لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ چچا بھتیجا ہونے کے علاوہ ہمزلف بھی ہوئے۔

❷ ...... حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی اخیافی بہن حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ اس لحاظ سے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے چچازاد بھائی ہونے کے علاوہ ہمزلف بھی ہوئے۔

❸ ...... حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی غزوۂ موتہ میں شہادت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں، اس لحاظ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے سسر ہونے کے علاوہ ہمزلف بھی ہوئے۔

❹ ...... حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں، اس لحاظ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے چچازاد بھائی، داماد اور ہمزلف بھی ہوئے۔

❺ ...... حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ایک بہن سلمٰی بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے ہوا، اس لحاظ سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہونے کے علاوہ ہمزلف بھی ہوئے۔

حضرت لبابۃ الصغریٰ

ام المومنین حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی والدہ۔ ان کا تعلق قبیلہ قیس بن عیلان سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

لبابہ (صغریٰ) بنتِ حارث بن حزن بن بجیز بن ہزم بن روبہ (یا زویبہ) بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس عیلان

Marfat.com

والدہ کا نام ہند بنتِ عوف بن زہیر بن حارث بن حماطہ الحمیر یہ تھا۔ ان کی شادی ولید بن مغیرہ مخزومی سے ہوئی۔ اس کے صلب سے باختلافِ روایت ان کے سات یا دس یا تیرہ بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ ان میں سے تین بیٹوں خالد، ولید اور ہشام اور دونوں بیٹیوں فاطمہؓ اور فاختہ کو اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

علامہ ابن سعدؒ اور حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حضرت لبابۃ الصغریٰ بھی شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئی تھیں۔ ان کے فرزند حضرت ولید بن ولید نے عمرۃ القضاء کے بعد وفات پائی تو ان کو شدید صدمہ پہنچا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ناگفتہ بہ حالت دیکھی تو انہیں ولید کے ماتم میں مرثیہ کہنے کی بطور خاص اجازت مرحمت فرمائی تاکہ اپنے دل کی بھڑاس نکال سکیں۔ چنانچہ وہ نہایت دل دوز لہجے میں مرثیہ پڑھتی تھیں جس کا ایک شعر یہ ہے:

یا عین فابکی للولید بن الولید بن المغیرہ

کان الولید بن الولید ابو الولید فتی العشیرہ

"اے آنکھو! اس ولید کی یاد میں آنسو بہاؤ جو شجاعت اور دلاوری میں اپنے باپ کی طرح خاندان کا ہیرو تھا۔"

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مرثیہ سنا تو فرمایا، تم اس کی بجائے قرآن کی یہ آیت تلاوت کرو:

وجآءت سکرۃُ الموتِ بالحقّ ذالک ما کنت منہ تحید O

(قٓ: ع ۲)

"اور موت کی بے ہوشی ضرور آ کر رہے گی (اسوقت کہا جائے گا کہ) یہ وہ ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔"

اہلِ سِیَر نے حضرت لبابہ صغریٰ کے سالِ وفات کی تصریح نہیں کی۔ البتہ حافظ ابن حجر نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک زندہ رہیں۔ (تذکارِ صحابیات)

Marfat.com

حضور ﷺ سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا رشتہ

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی والدہ عصماء بنت الحارث المعروف بہ لبابۃ الصغریٰ حضرت ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں۔ اس لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے خالو ہوئے۔ جبکہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا باپ ولید بن مغیرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ہمزلف ہوا۔ کیونکہ لبابۃ الصغریٰ کی بڑی بہن لبابۃ الکبریٰ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں۔ عصماء بنت الحارث کو لبابۃ الصغریٰ سے الگ بہن تسلیم کیا جائے تو ایک روایت کے مطابق اِن عصماء بنت الحارث کا نکاح مشہور دشمنِ اسلام اُبی بن خلف سے ہوا، اس لحاظ سے اُبی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمزلف ہوا۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ایک اور بہن عزّہ بنت الحارث کی وجہ سے اُس کا خاوند عبداللہ بن مالک الہلالی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمزلف ہوا۔

Marfat.com

(۱۲) حضرت سیرین رضی اللہ عنہا

حضرت سیرینؓ اور ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہما حقیقی بہنیں تھیں۔ ان کو مقوقس شاہِ مصر نے بارگاہِ رسالت میں ہدیۃً بھیجا تھا، حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا تو حرمِ نبوی میں داخل ہوئیں، اور حضرت سیرینؓ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ مشہور صحابی وشاعر کے حبالۂ عقد میں آئیں، جن کے بطن سے حضرت عبدالرحمٰن بن حسانؓ پیدا ہوئے۔ حضرت سیرینؓ بڑی صابر اور شاکر تھیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا جو حضرت ماریہؓ کے بطن سے تھے، انتقال ہوا تو حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا لختِ جگر کی جدائی سے بے قابو ہو کر رونے لگیں۔ حضرت سیرین رضی اللہ عنہا کو اگرچہ اپنی محبوب بہن کے بچے کے مرنے کا غم کم نہ تھا، لیکن انہوں نے اپنے جذبات پر قابو رکھا اور حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو سمجھاتی رہیں۔ (ابن سعد ج ۸ ص ۱۵۵)

حضرت ماریہ اور حضرت سیرین رضی اللہ عنہما کے متعلق اگرچہ رجال اور سِیَر کی کتابوں میں اس کی تصریح نہیں ملتی کہ وہ عیسائی تھیں، لیکن بعض قرائن کی بنا پر انہیں اہل کتاب صحابیات کے زمرہ میں لے لیا گیا ہے۔

پہلا قرینہ یہ ہے کہ وہ قبطی تھیں، اور معلوم ہے کہ مصر کے قبطی عموماً عیسائی تھے، چنانچہ زرقانی نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں قبطی کے لفظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

نسبۃ الی القبط ای نصاریٰ مصر...... (قبطی مصر کے عیسائی تھے)

دوسرا یہ کہ ان کے ساتھ ان کے ایک بھائی مابور بھی آئے تھے، اربابِ سِیَر و رجال لکھتے ہیں کہ بہنوں نے تو اسلام قبول کر لیا، لیکن یہ اُس وقت اپنے قدیم دین پر قائم رہے اور کچھ دن کے توقف کے بعد مسلمان ہوئے۔ ہمارا خیال ہے کہ دین سے نصرانیت ہی کی طرف اشارہ ہوگا۔

Marfat.com

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ

آپ اُم المومنین حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی بہن سیرین کے خاوند ہونے کی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمزلف لگتے ہیں۔

نام ونسب

حسان نام، ابوالولید کنیت، شاعرِ رسول اللہ لقب، سلسلہ نسب یہ ہے، حسان ابن ثابت بن منذر بن حرام بن عمرو بن زید مناۃ بن عدی بن عمر بن مالک بن نجار ابن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج، والدہ کا نام فریعہ بنتِ خالد بن خنیس بن لوذان بن عبدوو ابن زید بن ثعلبہ بن خزرج بن کعب بن ساعدہ تھا، قبیلہ خزرج سے تھیں اور سعد ابن عبادہ سردارِ خزرج کی بنت عم ہوتی تھیں (صحیح بخاری ص ۵۹۵) حسانؓ نے ایک شعر میں ان کا نام ظاہر کیا ہے۔

امسی الجلابیب قد غزوا وقدر کثروا

وابن الفریعة امسی بیضة البلد

(اصابہ ص ۱۶۶ ج ۸)

وہ اسلام اور بیعت کے شرف سے مشرف ہوئیں، حضرت حسانؓ کے اجداد اپنے قبیلہ کے رئیس تھے، فارغ کا قلعہ جو مسجد نبوی کی جانب غرب باب الرحمت کے مقابل واقع تھا، انہی کا سکونت گاہ تھا، حسان کہتے ہیں:

ارقت لتوما من البروق اللوامع

ونحن نشاوی بین سلع و فارغ

(خلاصۃ الوفاء ۲۹)

سلسلہ اجداد کی چار پشتیں نہایت معمر گزریں، عرب میں کسی خاندان کی چار پشتیں مسلسل اتنی طویل العمر نہیں مل سکتیں، حرام کی عمر جو حضرت حسان کے پردادا تھے ۱۲۰ سال کی

تھی، ان کے بیٹے منذر اور ثابت بن منذر اور حسان بن ثابت سب نے یہی عمر پائی۔

(اسد الغابہ ص ۷ ج ۲)

اسلام

حضرت حسان حالتِ ضعیفی میں ایمان لائے، ہجرت کے وقت ساٹھ برس کا سن تھا۔

غزوات

دل کے فطرۃ کمزور تھے، اس لئے کسی غزوہ میں شریک نہ ہو سکے، حضرت ابن عباس کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوات میں شرکت کی تھی، حافظ ابن بن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

قيل لابن عباس قدم حسان اللعين فقال ابن عباس ماهر بلعين قد جاهد مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بنفسه ولسانه.[1]

لیکن عام تذکرے اس کے خلاف ہیں، غزوۂ خندق میں عورتوں کے ساتھ قلعہ میں تھے، آنحضرت ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب بھی اسی قلعہ میں تھیں ایک یہودی نے قلعہ کے گرد چکر لگایا، حضرت صفیہ کو اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر یہودیوں کو اطلاع ہوگئی تو بڑی مشکل پیش آئے گی، کیونکہ آنحضرت ﷺ جہاد میں مشغول تھے، انہوں نے حسانؓ سے کہا اس کو مارو ورنہ یہودیوں کو جا کر خبر کر دے گا۔

انہوں نے جواب دیا تمہیں معلوم ہے کہ میرے پاس اس کا کوئی علاج نہیں، حضرت صفیہؓ نے یہ جواب سن کر خود خیمہ کی چوب اٹھائی، اور مردانہ وار مقابلہ کیا، اور یہودی کو قتل کر کے حضرت حسانؓ سے کہا اب جا کر اس کا سامان اتار لاؤ کہ مجھے اس کی ضرورت

---

[1] (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۴۸) افک یعنی حضرت عائشہؓ پر تہمت تراشی کے واقعہ میں حضرت حسانؓ بھی منافقین کے فریب میں آکر شریک ہو گئے تھے، اس لئے بعض اصحاب حب رسول میں ان کے متعلق سخت الفاظ استعمال کر جاتے تھے، اس واقعہ میں غالباً ملعون کہنے کا یہی سبب ہے۔)

Marfat.com

نہیں ۔ (اسد الغابہ ج ۲ ص ۶)

حضرت حسانؓ جان کی بجائے زبان سے جہاد کرتے تھے، چنانچہ غزوۂ بنو نضیر میں جب آنحضرت ﷺ نے بنو نضیر کے درخت جلائے تو انہوں نے یہ شعر کہا:

فهان على سراة بنى لوئى

حريق بالبويرة مستطير

بنو نضیر اور قریش میں باہم نصرت و مدد کا معاہدہ تھا، اس بناء پر قریش کو غیرت دلاتے ہیں، کہ تم بنو نضیر کی جس وقت مسلمان اک باغ جلا رہے تھے کچھ مدد نہ کر سکے، یہ شعر مکہ پہنچا تو ابو سفیان ابن حارث نے جواب دیا۔

اذام الله ذالک من صنيع

وحرق فى نواحيها السعير

ستعلم اينا منها بنزه

وتعلم اى ارضينا نضير

''یعنی خدا تم کو ہمیشہ اسی کی توفیق دے، یہاں تک کہ آس پاس کے شعلوں سے خود مدینہ خاکستر ہو جائے اور ہم دور سے بیٹھے تماشا دیکھیں۔''

(صحیح بخاری ص ۵۹۵ ج ۲)

سن ۵ ہجری میں غزوۂ مریسیع سے واپسی کے وقت منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اتہام لگایا، عبداللہ بن ابی ان سب میں پیش پیش تھا، مسلمانوں میں بھی چند آدمی اس کے فریب میں آگئے، جن میں حسان، مسطح بن اثاثہ، اور حمنہ بنت جحش شامل تھیں، جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت میں آیتیں اتریں تو آنحضرت ﷺ نے اتہام لگانے والوں پر عفیفہ عورتوں پر تہمت لگانے کی قرآن کی مقرر کردہ حد جاری رکھی۔

(اصابہ ص ۱۶۶ ج ۸)

گو حضرت حسان حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے والوں میں سے تھے، لیکن اس باوجود جب ان کے سامنے حسانؓ کو کوئی برا کہتا تو منع کرتیں اور فرماتیں، کہ وہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے کفار کو جواب دیا کرتے تھے اور آپ کی مدافعت کیا کرتے تھے۔ (خلاصۃ الوفا

Marfat.com

(۲۹

ایک مرتبہ حضرت حسان ﷛ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو شعر سنا رہے تھے کہ مسروق بھی آ گئے اور کہا، آپ ان کو کیوں آنے دیتی ہیں، حالانکہ خدا نے فرمایا ہے کہ افک میں جس نے زیادہ حصہ لیا اس کے لئے بڑا عذاب ہے، فرمایا یہ اندھے ہو گئے ہیں اس سے زیادہ کیا عذاب ہوگا، پھر فرمایا بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے مشرکین کی ہجو کرتے تھے۔ (اسد الغابہ ص ۷ ج ۲)

سن ۹ ہجری میں بنو تمیم کا وفد آیا، جس میں زبرقان بن بدر نے اپنی قوم کی فضیلت میں چند اشعار پڑھے، آنحضرت نے حضرت حسان ؓ کو حکم دیا کہ تم اٹھ کر اس کا جواب دو، انہوں نے اسی ردیف و قافیہ میں برجستہ جواب دیا۔ (استیعاب ص ۱۳۱ ج ۱)

ان الذوائب من نهر واخواتهم
قد بينوا للناس تتبع
يرضى بها كل من كانت سريرة
تقوىٰ الا لذو وبالامر الذى شرعو
قوم اذا حاربوا ضربوا عدوهم
اوحالوا النفع فى اشياعهم نفعوا
سجية تلك منهم غير محدثة
ان الخلائق فاعلم شرها البدع
لو كان فى الناس سباقون بعدهم
فكل سبق لادنى سبقهم تبع
لا يرفع الناس ما اوهت اكفهو
عند الدقاع ولا يرهون ما رفعوا
اعفة ذكرت للناس عصتهم
لا يبخلون ولا يرديهم طمع

Marfat.com

خذ منهم ما اتوا عفوا اذا اعطفوا

ولايكن همك الامر الذى منعوا

فان مربهم فاترل عداوتهم

شرا بحاض اليه الصاب والسلع

اكرم بقوم رسول الله شيقهم

اذا تفوقت الا هواع والشيخ

سن ۱۱ ہجری میں آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا، مسلمانوں کے لئے اس بڑھ کر کوئی غم نہیں ہوسکتا تھا، چنانچہ حضرت حسانؓ نے کئی پردرد مرثیے لکھے جو ابن سعد نے طبقات میں نقل کئے ہیں، ہم صرف ان کے مطلعوں پر اکتفا کرتے ہیں، پہلے مرثیہ کا مطلع یہ ہے:

اليت حلفه بر غير ذى دخل

منى الية غير افتاد

بالله ما حملت انثىٰ ولا وضعت

مثل النبى بنى الرحمة الهاد

آگے چل کر لکھتے ہیں:

امسىٰ مسأک عطلن البيوت فما

يضربن خلف فقاستر ياد تاد

مثل الرواهب يلبس المسوح وقد

القين بالئيوس بعد النعمة البادیٰ

دوسرے مرثیے میں جس مطلع:

مابال عينک لا تنام کانما

کحلت مافيها مابکحل الارمد

ہے، اپنی مصیبت اور رنج وغم کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

جنبى يقيت النر بلهفى ليتنى

Marfat.com

کنت المغیب فی الضریح الملحد

پھر کہتے ہیں

اقیم بعدک بالمدینة بینهم

بالهف نفسی بینهم لیتنی لم اولد

تیسرا مرثیہ اس مطلع سے شروع ہوتا ہے:

یاعین جودی بدمع منک اسبال

ولا تملن من سح واعوال

چوتھے مرثیے کا پہلا شعر ہے:

نب المساکین ان الخیر فاوقهم

مع الرسول تولی عنهم سحراً

(طبقات ابن سعد ص ۹۰ و ۹۱ و ۹۲ ج ۲ قسم ۲)

آنحضرت ﷺ کے بعد عرصہ تک زندہ رہے

وفات

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وفات پائی ۱۲۰ برس کا سن تھا، بعض لوگوں نے لکھا ہے ۴۰ سے بیشتر انتقال کیا، لیکن یہ صحیح نہیں۔

اہل وعیال

بیوی کا نام سیرین تھا، جو ماریہ قبطیہ حرم رسول کی ہمشیرہ تھیں ان سے عبدالرحمٰن نام کا ایک لڑکا پیدا ہوا، اس بناء پر عبدالرحمٰن اور حضرت ابراہیمؓ بن رسول اللہ ﷺ کے حقیقی خالہ زاد تھے۔ (اسد الغابہ ص ۶ ج ۲)

مکان

جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں ان کا آبائی مسکن فارع کا قلعہ تھا، لیکن جب ابوطلحہؓ نے بیرحا کو صدقہ کر کے اپنے اعزہ پر تقسیم کر دیا، اور ان کے حصہ میں بھی ایک باغ آیا تو

یہاں سکونت اختیار کر لی، یہ مقام بقیع کے قریب تھا، امیر معاویہؓ نے ان سے خرید کر کے یہاں ایک قصر بنوایا تھا، جو قصر بنی حدیلہ کے نام سے مشہور تھا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان کو یہ زمین آنحضرت نے ان صلہ میں دی تھی کہ انہوں نے صفوان بن معطل کا وار برداشت کیا تھا، لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ اول تو وہ کبھی میدان جنگ میں شریک ہی نہیں ہوئے دوسرے خود اس روایت کی سند مشتبہ ہے ہم نے جو لکھا ہے اس کی تائید صحیح بخاری ہوتی ہے۔ (کتاب مذکور ص ۲۵۴)

فضل وکمال

آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں، راویوں میں حضرت براء بن عازبؓ، سعید بن میتبؒ، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؒ، عرہ بن زبیرؒ، ابوالحسن مولیٰ بن نوفلؒ، خارجہ بن زید بن ثابتؒ، یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطبؒ اور دیگر حضرات شامل ہیں۔

شاعری

حضرت حسانؓ کی سیرت میں شاعری ایک مستقل عنوان ہے، شعر وسخن عرب کا مذاق تھا اور چند قبائل خصوصیت کے ساتھ شعروں کے معدن تھے، مثلاً قیس، ربیعہ، مضر، یمن، مؤخر الذکر قبیلہ میں اوس وخزرج کا شمار تھا جن سے حضرت حسان کا آبائی سلسلۂ نسب ملتا ہے۔ ان قبائل میں بھی چند مخصوص خاندان تھے، جن کے ہاں شاعری ابا عن جد وراثت کے طور پر چلی آرہی تھی، حضرت حسانؓ بھی ان ہی میں سے تھے، ان کے باپ دادا اور وہ خود اور ان کے بیٹے عبدالرحمٰن اور پوتے سعید بن عبدالرحمٰن سب شاعر گذرے ہیں۔

ان شاعروں میں کچھ لوگ ''اصحاب مذہبات'' کے نام سے مشہور ہیں، مذہبات ذہب سے مشتق ہے، جس کے معنیٰ سونا ہیں، کیونکہ بعض شاعروں کے منتخب اشعار سونے کے پانی سے لکھے گئے تھے، اس لئے مذہبہ کہلاتے ہیں، بعد میں ہر شاعر کے سب سے بہتر شعر کو مذہبہ کہا جانے لگا، حضرت حسان کے مذہبہ کا مطلع یہ ہے:

لعمر ابیک الخیر حقا لما نبا

علی لسانی فی الخطوب ولا یدی

Marfat.com

حضرت حسانؓ شاعری کے لحاظ سے جاہلیت کے بہترین شاعر تھے، اصمعی کہتا ہے "شعر حسان فی الجاہلیت من اجود الشعر" ایک مرتبہ کعب بن زہیر نے فخریہ کہا:

فمن للقوافی فی شانها من یجولها
اذا ما مضی کعب وفوز جرول

تو مرزو (برادر شماخ شاعر مشہور) نے فوراً ٹوکا:

فلست کحسان الحسام بن ثابت

آبادی کے لحاظ سے عرب کے باشندے دو حصوں پر منقسم ہیں، اہل وبر (دیہات والے) اور اہلِ مدر (شہر والے) اہل مدر میں مکہ، مدینہ، طائف کے باشندے شامل تھے، باقی تمام ملک دیہات وقصبات سے بھرا پڑا تھا، شعراء عموماً انہیں دیہاتوں کے تھے، لیکن چند شاعر شہروں میں بھی پیدا ہوئے، ان سب میں حضرت حسان کو فوقیت شامل ہے۔ (کتاب الاحد ص ۵۶ اور اسد الغابہ ص ۶ ج ۲)

خصوصیاتِ شاعری

شعر کے اگرچہ مختلف اصناف اور قسمیں ہیں، لیکن ان میں صرف اصولی حیثیت صرف چار کو حاصل ہے، رغبت، رہبت، طرب، غضب، چنانچہ رغبت میں مدح، شکر، رہبت میں معذرت، طلب، رافت، طرب میں شوق، تغزل اور غضب میں ہجو، عتاب وچشم داخل ہیں۔ (کتاب العمدہ ص ۷۷، ۸۷ ج ۱) حضرت حسانؓ کا کلام ان میں ہر رنگ میں موجود ہے، اگرچہ ہجو کا رنگ ان سب سے زیادہ تند وتیز ہے۔

خصوصیات شاعری حسب ذیل ہیں۔

۱ جدت، استعارات، اگرچہ عربوں کی شاعری تمدن کی پروردہ نہیں تاہم ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تمدن سے متاثر ضرور تھی، تمدن عرب کی حقیقی صبح صادق قرآن مجید اور آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات سے طلوع ہوئی، قرآن مجید فصاحت وبلاغت کا سب سے بڑا معجزہ ہے اس نے بڑے بڑے زبان آوروں کو اپنے سامنے خاموش کر دیا تھا، اس بنا پر جو شاعر مذہب اسلام میں داخل ہوئے ان میں فصاحت وبلاغت کی ایک نئی روح پیدا

Marfat.com

ہوئی، حضرت حسان ان میں سے سب سے زیادہ تھے۔

قرآن مجید میں صحابہؓ کی تعریف میں لکھا ہے ''سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود'' حسان اس کو استعارہ بنا کر حضرت عثمانؓ کے قاتلین کا ذکر کرتے ہیں:

ضحوا باشمط عنوان السجود بہ

یقطع اللیل تسبیحا وقرآنا

(کتاب العمدص ۱۸۶ج ا)

لوگوں نے اس کچے پکے بالوں والے کی قربانی کردی جس کی پیشانی میں سجدہ کا نشان تھا، اور تمام رات تسبیح وقرآن کانی میں گذرتی تھی۔

دیکھو اس شعر میں چہرہ کو ''عنوان السجود بہ'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، جو بالکل جدید استعارہ ہے۔

۲ اشارہ کی لطافت، اشارہ ایک قسم کی تبیع یا تجاوز ہے جس کے معنیٰ یہ ہیں جس چیز کا شاعر ذکر کرنا چاہتا ہے، لیکن پھر اسے عمداً گریز کرتا ہے اور ایک ایسا صفت بیان کرتا ہے جس میں وہ چیز صاف طور پر جھلکتی نظر آتی ہے۔

عرب میں سینکڑوں قبیلے صحراؤں اور بیابانوں میں اقامت گزین تھے، جو ہمیشہ خانہ بدوش پھرا کرتے تھے، جہاں کہیں پانی مل جاتا طرح اقامت ڈال دیتے اور جب ختم ہوجاتا تو کسی اور طرف رخ کردیتے، شاعروں نے اسی مضمون کو مختلف طور سے باندھا ہے، لیکن حضرت حسانؓ نے جس طرز سے ادا کیا ہے، وہ بالکل اچھوتا اور نہایت ہی لطیف ہے۔

اولا رجفنة حول قبرا بیھم

قبرا بن ماریتہ الکریم المفصل

جفنہ کی اولاد اپنے باپ ابن ماریہ کی قبر کے گرد رہتی ہے جو نہایت سخی اور فیاض تھا، ممدوح چونکہ عرب کی نسل تھا، اس بنا پر اس کی تعریف کے ساتھ ایک ملیح اشارہ کریدا کہ یہ لوگ خانہ بدوش نہیں بلکہ بادشاہ ہیں اور بے خوف وخطر اپنے باپ کی قبر ے ارد گرد رہتے ہیں ان کا مقام سکونت نہایت سرسبز وشاداب ہے اس بنا پر ان کو مارے مارے پھرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

Marfat.com

۳ کنایہ کی بداعت، عرب شاعر بعض صفات کو کنایہ اور تعریض کی شکل میں پیش کرتا ہے، مثلاً اگر کہنا ہو کہ ممدوح نہایت ذی رتبہ اور فیاض ہے تو وہ کہے گا "المجد بین ثوبیہ والکرام فی برویہ" یعنی یہ اوساف اس کے کپڑوں کے اندر ہیں، حضرت حسان اس کو بالکل نئے انداز سے ادا کرتے ہیں:

بنی المجد بیتا فاستقرت عمارہ
علینا فاعی الناس ان تیحولا

مقصود یہ ہے کہ ہم نہایت بلند مرتبہ ہیں، اس کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ مجد بزرگی نے ہمارے ہاں ایک گھر بنایا ہے اور اس کے ستون اس قدر مضبوط گاڑے ہیں کہ لوگ ہٹانا چاہیں تو نہیں ہٹا سکتے، اس میں مجد کا ایک گھر بنانا، پھر اس کے ستون اپنے یہاں قائم کرنا اور لوگوں کو اس کا ہٹانہ سکنا، یہ بالکل جدید اندازِ بیان ہے۔

۴ وزن کی خوبی، اس کا مدعا یہ ہے کہ وزن لے لحاظ سے ہلکا ہو، ذیل کے اشعار کس درجہ سبک اور ڈھلے ہوئے نکلے ہیں۔ (نقد اشعر اقدامہ ابن جعفر ص ۱۰)

ماھاج حسان رسوم المقام
ومظن الحی ومبنی الخیام
والنویٰ قد ھدم اعضارہ
تقاوم العھد بوار نھار
قد ادرک الوشون ما املوا
والجبل من شعثاء رث المام
کان فاھا نغب بارد
فی رصف تحت ظلال الغمام

۵ قافیہ کی خوبی، اس میں الفاظ کی نشست، جملوں کی ترکیب اور کلام کی سلامت درروانی کے ساتھ ساتھ یہ صفت ہوتی ہے کہ بیت اول کے پہلے مصرع کا مقطع قصیدہ کا قافیہ بن سکتا ہے۔

Marfat.com

اس میدان میں صرف امراء القیس ہے، تاہم اور شاعروں نے بھی کوشش کی ہے، حضرت حسان نے ایک قصیدہ لکھا ہے جا کا مطلع یہ ہے:

الـم تسـال الـربـع الجديد التكلما
بـمـدقـع اشـدخ فـرقة اكـلـمـا

اس کے بعد کا شعر یہ ہے:

ابـى رسـم وارالـحـى ان يتكلمـا
انيـطـق بـالمعروف من كان ابكما

(نقد الشعراء قدامہ بن جعفر ص ۱۵)

۶ الفاظ کا حاوی اور جامد ہونا، اس کے معنی یہ ہیں کہ شاعر ایک مفہوم ادا کرتا ہے جس میں وہ تمام چیزیں بیان کر دیتا ہے جس میں اس مفہوم کے پورے طور پر ادا ہونے کو دخل ہے، مثلاً یہ شعر:

لـم تـفتهـا شـمـس النهار بشیٔ
غيـر ان لاشبـاب ليـس يـدوم

(نقد الشعراء قدامہ بن جعفر ص ۵۰)

۷ قلت مبالغہ، حضرت حسان عہد اسلام کی شاعری مبالغہ سے بالکل خالی ہے، ظاہر ہے جو شعر مبالغہ سے خالی ہو، وہ بالکل پھیکا اور بے مزہ ہوگا وہ خود کہتے ہیں کہ اسلام جھوٹ سے منع کرتا ہے اس بنا پر میں افراط ہو جو جھوٹ کی ایک قسم ہے بالکل چھوڑ دیا ہے۔

(اسد الغابہ ص ۵ ج ۲)

جاہلیت کی شاعری میں بھی مبالغہ کا کم عنصر شامل تھا نابغہ نے ان کے حسب ذیل شعر:

سـنـا الـجـفـنات الغربلين بالضحیٰ
واسيـافـنـا يـقـطـرن مـن بجدة وما

میں اسی خیال سے نقطہ چینی کی ہے، ان کے نزدیک ''غر'' کی بجائے ''بیض''، ضحیٰ کی جگہ وحی اور یقطرن کے مقام پر ''بجرین'' کہنا چاہیے تھا۔

Marfat.com

لیکن دراصل یہ خیال صحیح نہیں، کیونکہ حضرت حسان کو شعر میں پیالوں کی سفیدی بیان کرنا مقصود نہیں، بلکہ صرف شہرت اور نباہت کا اظہار مدنظر ہے اور غر سے مشہور چیز کا نام لینا تمام عرب میں عام تھا، مثلاً یوم اغر، اور ید غراو غیرہ۔

اسی طرح ''ضحیٰ'' کی بجائے ''دجیٰ'' صحیح نہیں، کیونکہ دن میں وہی چیزیں زیادہ چمکتی ہیں جن کی روشنی نہایت تیز اور شدید ہو اور رات کو ہر چھوٹی چیز دگندلی اور نمایاں ہو جاتی ہے، مثلاً ستارے جو دن کو بھی موجود رہتے ہیں، لیکن ان کی روشنی آفتاب کی وجہ سے ماند رہتی ہے یا چاغ تاریکی میں درندوں کی آنکھیں تک چمک اٹھتی ہیں اور ایک قسم کی مکھی جس کو عربی میں براع اور فارسی میں کمنچہ کہتے ہیں بالکل آگ کا شعلہ معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح یقطرن کی بجرین، محاورۂ عرب کے خلاف ہے عرب میں جب کسی بہادر اور جانباز کی تعریف کی جاتی ہے تو کہتے ہیں ''سیفہ یقطر دما'' یہ کوئی نہیں کہتا کہ ''سیفہ دما بجری''۔

دفاعی نظمیں

حضرت حسانؓ کی اسلامی شاعری کا موضوع مدافعت عن الدین یا ہجو کفار ہے، انہوں نے بہت سے کفار کی ہجو لکھی ہے لیکن اس کے باوجود ان کا کلام فحاشی سے بالکل پاک ہے، عربوں کے نزدیک ہجو کی غرض محض اپنے قبیلہ کی مدافعت ہوتی تھی، اس بناء پر وہ اپنے اشعار صحیح صحیح واقعات میں نہایت موزوں اور مناسب پیرایہ میں نظم کرتے ہیں، چنانچہ زہیر نے تجاہل کے طور پر یہ اشعار لکھے ہیں۔ (کتاب العمدہ ص ۱۳۹ ج ۲)

وما ادری وسوف اخال ادری

اقوم آل حصنٍ ام نساء

''مجھے معلوم نہیں اور عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ آل حصن مرد ہیں یا عورت''

فان تکن النساء مخبئات

فحق کل محصنة هداء

''اگر یہ عورتیں ہیں تو ان کو ہدیہ کرنا چاہیے''

Marfat.com

لوگوں کو نہایت گراں گذرا کہ عرب میں سب سے سخت ہجو لکھی گئی تھی، حضرت حسان کی ہجو سب وشتم پر مشتمل نہ تھی، بلکہ مدافعت تھی، اور وہ بھی بطریق احسن و بہ پیرایہ مناسب، صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں۔ (اسد الغابہ ج ۲ ص ۵)

"کان حسان و کعب یعارضا نهم مثل قولهم فی الواقع والایام والماثر ویذکرون مثالبهم"

"حضرت حسانؓ کی ہجو گوئی کا شان نزول یہ ہے کہ مشرکین میں ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب، عبداللہ بن زبعری، عمرو بن عاص، ضراء بن خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتے تھے، لوگوں نے جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ آپ ان کے جواب میں ہجو لکھیں، فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہو تو میں امادہ ہوں، آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو فرمایا "علی اس کام کے لئے موزوں نہیں اس کام کو انصار کریں گے، جنہوں نے تلوار سے میری مدد کی ہے" حضرت حسانؓ نے زبان پکڑ کر کہا کہ میں اس کام کے لئے بخوشی امادہ ہوں۔

ارشاد ہوا کہ قریش کی ہجو کس طرح کرو گے حالا مکہ میں بھی انہیں میں سے ہوں، عرض کی:

"لاسلنک منهم کما تسئل الشعرة من العجین"

"میں آپ کو اس طرح نکالوں گا جیسے آٹے سے بال نکالا جائے"

فرمایا تو تم نسب ناموں میں ابوبکر سے مدد لینا ان کو قریش کے نسب سے اچھی طرح واقفیت ہے۔ (اسد الغابہ ج ۲ ص ۵)

حضرت حسانؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس جاتے اور ان سے دریافت کرتے تھے حضرت ابوبکر فرماتے کہ فلاں فلاں عورتوں کو چھوڑ دینا کہ حضور ﷺ کی دادیاں ہیں باقی فلاں فلاں عورتوں کا تذکرہ کرنا ابوسفیان بن حارث کی ہجو میں یہ اشعار لکھے۔

وان سنام المجد من آل هاشم

بنو بنت مخدوم ووالدت العبد

Marfat.com

ومـن ولـدت ابـن ء زهـرة منهـم
كـرام ولـم لقريب عجائزك المجد
ولسـت كـعبـاس ولا بـن امـه
ولـكـن لـئيـم لا تـقـام لـه زنـد
وان ارع اكـانـت سمية امـه
وسـمـراء مـغـو اذا بـلـغ الـجـمـد
وانـت بـنـى نيـط فى آل هـاشـم
كما نيط خلت الراكب القدح الفرد

تو بولا کہ ان شعروں میں ابوبکر کا حصہ ضرور ہے، اس میں انہوں نے حضرت عبداللہ اوحاب، زبیر، حضرت حمزہ، حجرت صفیہ حضرت عباس، اورضرار بن عبدالمطلب کو مستثنٰی کر کے ابوسفیان کی ماں سمیہ اوراس کے باپ حارث کی ماں سمراء پر طنز کیا ہے۔
(اسدالغابہ ص۵ ج۲)

اسی ابوسفیان کی ہجو میں کہتے ہیں:

هـجـوت مـحـمـد افـاجـبـت عنـه
وعـنـدالـلـه فى ذاك الـجـزاء
هـجـوت مـطـهـرا ابـا حـنيـفـا
امـيـن الـلـه شـمـيـة الـوقـاء
اتهـجـوه ولسـت لـه بـنـد
فشـر كـمـا الـخيـر لـمـا افـداء
فـان ابـى ووالـده وعـرضـى
لـعـرض مـحـمـد منكـم وفـاء

آنحضرت ﷺ اس مدافعت سے نہایت خوش ہوتے تھے ایک مرتبہ فرمایا:

”حسان احب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم ايده بروح القدس“

”اے حسانؓ! میری طرف سے جواب دے، خداوند روح القدس کے ذریعہ سے اس کی تائید کر“

ایک مرتبہ ارشاد ہوا: ”اھجھم و جبریل معک“ یعنی تو مشرکین کی ہجو کر جبرئیل تیرے ساتھ ہے۔

مشرکین پر ان کے شعروں کا جو اثر پڑتا تھا، اس کو آنحضرت نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

”ان قوله فیهم اشد من وقع النبل“ (استعاب ص۱۲۹ ج۱) حسان کا شعران میں تیر و نشتر کا کام کرتا ہے، اب ہم ہجو کے چیدہ اشعار لکھتے ہیں:

اتھجوہ ولست له بند

فشر کما لخیر لما الفداء

”تو بایں ہمہ کہ آنحضرت کا کفو نہیں، ان کی ہجو کرتا ہے، پس تم میں کا برا اچھے پر قربان ہے“۔

اس شعر کا اخیر مصرعہ اس قدر مقبول ہوا کہ ضرب المثل کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

واشھد ان لک من قریش

کال السقب من ولد النعام

”میں جانتا ہوں کہ تیری قرابت قریش سے ہے لیکن اس طرح جیسے اونٹ کے بچہ کی شتر مرغ کے بچہ سے ہوتی ہے“۔

ابن مضرغ نے انہی کا پہلا مصرع اڑا کر امیر معاویہ کی ہجو لکھی تھی۔

واشھد ان الک من زیاد

(طبقات الشعر والشعراء ص۲۱۲)

وامک سوداء موروتة

کان نا مدھا الحنطب

(دیوان حسان ص۲۰)

”تیری ماں کالی حبشن ہے، اور بے انتہا پستہ قد ہے، اور پورو گویا حطب (ایک

Marfat.com

چھوٹا جانور ہے) ہیں"۔

مدح

مدح اچھی لکھتے تھے، آل غسان کی تعریف میں جو اشعار لکھے ہیں ان میں سے بعض اس مقام پر ہم نقل کرتے ہیں:

یسقون من ورد البریص علیهم
بروی یصفق بالرحیق السلسل

"جو ان کے ہاں جاتا ہے وہ اس کو بروی (نہر کا نام ہے) کا پانی صاف شراب میں ملا کر پلاتے ہیں"۔

مصعب بن زبیر کی مدح میں ابن قیس نے ایک شعر اسی کے قریب قریب کہا ہے، لیکن جو مضمون اس میں ادا ہوا ہے اس میں ادا نہیں ہوا۔ (کتاب العمدص ۱۰۴ ج ۲)

اسی طرح یہ شعر:

یغشون حتی ماتهم کلابهم
لا یسئون عن السواد المقبل

اس بات میں اختلاف ہے کہ مدح کا سب سے بہتر شعر کون ہے، تین شاعروں کے تین شعر اس باب میں سب سے بہتر ہیں، لیکن ان میں بھی ترجیح کس کو ہے، یہ امر ناقابل انفصال ہے، حطیہ حضرت حسانؓ کے شعر کو ترجیح دیتا ہے، اور لوگ اب الطحان اور نابغہ کے شعروں کو بہتر بتاتے (کتاب العمدص ۱۱۰ ج ۲) عبدالملک بن مروان کہ اہل زبان اور زبان کا حاکم تھا اس کہ فیصلہ یہ ہے کہ:

"ان امدح بیت قالة العرب بیت حسان هذا" (استیعاب ص ۱۳۰ ج ۱)

"عرب نے جتنے مدح میں اشعار لکھے، ان میں سب سے بہتر حسان کا شعر ہے"۔

اگر مضمون کے لحاظ سے دیکھا جائے تو واقعی عجیب جدت ہے شاہان غسان کے جودوسخا کو اس پیرایہ میں بیان کرتے ہیں کہ ان کے یہاں مہمانوں کی اتنی کثرت رہتی ہے کہ کتے تک مانوس ہو گئے ہیں اور ان کو دیکھ کر نہیں بھونکتے۔

Marfat.com

یہ جاہلیت کے اشعار تھے، آنحضرت ﷺ کی مدح میں جو شعر لکھے ہیں اب ان کو بھی سننا چاہیے:

مستی میبد فی الدجی الیھم جبینه
یلح مثل مصباح الدجی المتوقد

''جب آنحضرت ﷺ کی پیشانی اندھیری رات میں نظر آتی ہے تو اس کی چمک نہایت روشن چراغ کی طرح ہوتی ہے''۔

فمن کان او من قد یکون کاحمد
نظام لحق او لکان لملحد

''پس آنحضرت ﷺ کا مثل کہ حق کا نظام اور ملحد کو عذاب جان ہیں، کون پیدا ہوا اور کون آئندہ ہوسکتا ہے''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کا ذکر کیا تو فرمایا کہ آپ ایسے ہی تھے جیسا کہ حسانؓ نے کہا ہے۔ (استیعاب ص۱۳۰ ج۱)

آنحضرت ﷺ مسجد میں ممبر رکھوا دیتے تھے حضرت حسانؓ اس پر کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ کی مدح کرتے تھے اور آپ نہایت مسرور ہوتے تھے۔ (استیعاب ص۱۳۰ ج۱)

بنوتمیم کا وفد آیا اور حضرت حسانؓ نے قریش کی مدح میں شعر پڑھے تو سب کے سب بول اٹھے کہ محمد ﷺ کا خطیب ہمارے خطیب سے اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے بہتر ہے۔ (استیعاب ص۱۳۱ ج۱)

حصان رذانَ ماترن بریبة
وتصبیح عرثی من لحوم الغوافل

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مدح میں ہے، ان کو سنایا تو بولیں خیر میں تو ایسی ہوں لیکن تم ایسے نہیں۔ (صحیح بخاری ص۵۹۷ ج۲)

حسب ذیل اشعار فخر میں ہیں

اھدی لھم مدما قلب موازره

فیما احب لسان حائک صنع

(دلائل الاعجاز ص۲۹۵)

''میں ممدوح کی ایسی مدح کرتا ہوں جس میں قلب کی اعانت شامل ہوتی ہے اور جس کو شعر درست کرنے والی اور ماہر زبان پسند کرتی ہے''۔

اس میں انہوں نے زبان کو صنعت کلام کا ماہر قرار دیا ہے۔

الیک ارضا عازب الشعر بعد ما
تمهل فی روض المعانی العجائب

''ممدوح کے پاس وہ شعر بھیجے ہیں جو نہایت بعید المعنیٰ ہیں اور جو معانی کے گلشن میں قیام کر چکے تھے''۔

غرائب لاقت فی فنائک انسها
من المجد فهی الآن غیر غرائب

''جو نو وارد تھے، تمہارے ہاں عزت سے ایسے مانوس ہوئے کہ اب اجنبی نہیں رہے ہیں''۔

مقصد یہ ہے کہ میرے اشعار نہایت بلند معنیٰ رکھتے ہیں اور ان کو اکابر شعراء کے علاوہ دوسرا شخص نہیں باندھ سکتا ہے، یہ ممدوح کی قدردانی ہے جو اس کی مدح میں شعر نکلتے ہیں، ورنہ وہ گلستان معانی میں مقیم ہو گئے ہیں کیونکہ کسی کو اپنا اہل نہیں پاتے۔

وقافیة مثل السنان رزئتها
فناولت من جو السماء نزولها

''اور ایک قافیہ جو تیر کی طرح ہے کیا خوب ہے آسمان سے اس کو اڑا لایا ہوں''۔ (طبقات الشعر والشعراء ص۳۱۳)

مرثیہ

حضرت حسانؓ نے مرثیے لکھے ہیں جن کا ہر ہر شعر یکسر سوز و گداز ہے، آنحضرت ﷺ کے مرثیے ہم اوپر نقل کر چکے ہیں یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

Marfat.com

اخلاقی نظمیں

ایک تجربہ کار شاعر، ایک سن رسیدہ بزرگ اور سب سے بڑھ کر ایک مقدس صحابی ہونے کی حیثیت سے حضرت حسانؓ کا موضوع شاعری وعظ و پند اور اعلیٰ اخلاق کی طرف قوم کو رغبت دلاتا ہے، چنانچہ ادب کے متعلق فرماتے ہیں۔ (حماسہ ابوتمام ص ۵۸و۵۹ ج ۲)

اصون عرضی بمال الا ادنسہ

لا بارک اللہ بعد العرض فی المال

''میں اپنی آبرو مال کے ذریعہ بچاتا ہوں، جس مال سے آبرو حاصل نہ ہو وہ اچھا نہیں''۔

احتال للمال ان اودی ناکیسہ

ولست للعرض ان اودی بمحتال

''مال اگر نہ رہے تو پھر حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن آبرو بار بار حاصل نہیں ہو سکتی''۔

نرم و گرم ہونے کے متعلق کہتے ہیں:

وانی لحلو تعترینی مرارۃ

وانہ لتر ال لما لم اعود

(حماسہ تجری ص ۱۱۲)

''میں شیریں ہوں لیکن مجھے تلخی پیش آجاتی ہے اور میں جس چیز کا عادی نہیں ہوں اس کو چھوڑ دیتا ہوں''

ظلم کا انجام برا ہوتا ہے:

فدع السوال عن الامر وربحثھا

ولرب حافر حفرۃ ھو یصرع

(..........ص ۱۱۳)

''ہم کسی بات کو کھود کرید کر نہیں پڑھتے کیونکہ گڑھا کھودنے والا بسا اوقات اسی میں پچھاڑا جاتا ہے''۔

آدمی کو ہمیشہ ایک سا رہنا چاہیے، امیر ہو کر آپے سے باہر اور غریب ہو کر غمگین نہیں ہونا چاہیے:

فلا المال نیسینی حیائی و حفظی
ولا وقعات الدھر لغل میردی

(ایضاً ص ۱۱۹)

''مال ہوتا ہے تو حیا اور حفاظت کو ہاتھ سے نہیں دیتا اور مصیبت آتی ہے تو آرام میں خلل نہیں ڈالتا ہے''

اپنی موت کو بلانا:

فلا تک کالشاۃ التی کان حنفھا
بحفر ذراعیھا تثیر و تحفر

''تم اس بکری کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنے کھر سے زمین کھود کر موت بلائی تھی''

بڑے لوگوں کے کینوں اور بغض کی حالت:

وقوم من البغضاء زور کانما
باجوافھم معا تجن لنا الحجر

(ایضاً ص ۲۵۰)

''بہت سے آدمیوں کے پیٹ میں انگارے بھرے رہتے ہیں''

یجیش بما فیھا لنا الغلی مثل ما
تجیش نما فیھا لم اللھب القدر

''ان کے اندر کینے اس طرح جوش مارتے ہیں جس طرح انگارے پر

Marfat.com

دیگ کا دکھانا''

تصد اذا ما وجهتي خدودهم

لدى محفل حتى كانهم صعر

''جب تم محفلوں میں ان کے متکبرانہ چہرے دیکھتے ہو تو ٹھٹھک کر رہ جاتے ہو''

بات کا پورا کرنا:

واني اذا ما قلت قولا فعلته

واعرض هما ليس قلبي بفاعل

(حماسہ تجری ص ۱۴۳)

میں جب کوئی بات کہتا ہوں تو کر گذرتا ہوں اور جس کام کو دل نہیں چاہتا ہے اس سے اعراض کرتا ہوں''

ومن مكرمي ان اشئت الا اقوله

ومنع خليل مذهب غير طائل

''اگر میں نہ کہوں تو کوئی زبردستی کرنے والا نہیں اور دوست کا کسی بات سے انکار کرنا بیکار نہیں ہوتا''

غدر اور خیانت میں برائی

ياجار! ميں يغدر مذمة جاره

منكم فان محمد الم يغدر

(ایضاً ص ۱۳۸)

''اے پڑوسی! تم میں جو ہمسایہ سے دھوکہ کرتا ہے، سن لے کہ محمد ﷺ دھوکہ نہیں کرتے''

ان تغدر وافا لغدر منكم شمية

Marfat.com

والغدر ینبت فی اصول السنجر

''اگر تم دھوکہ کرتے ہو تو وہ تمہارا شیوہ ہے، دھوکہ سنجر کی جڑوں سے نکلتا ہے''

وامانہ المری حیث لقیتہ

مثل الزجاجۃ صدعھا لم یجبر

''مری کی امانت تم جہاں پاؤ اس شیشے کی طرح ہوگی جس کا شگاف درست نہیں ہوسکتا''

بری باتوں سے درگزر:

اعرض عن العوراء حیث سمعتھا

واصفح کانک غافل لا تسمع

(ایضاً ص۱۷۲)

''بری بات سن کر اعراض کیا کرو اس طرح کہ اس کو تم نے سنا نہیں''

ذلت کی زندگی بسر کرنا:

کرھوا الموت فاتسبیح حماھم

واقاموا فعل اللئیم الذلیل

(ایضاً ص۲۶)

''انہوں نے موت کو ناپسند کیا اس بنا پر ان کی آبروریزی ہوئی''

امن الموت تھربون فان الموت

موت الھزل غیر جمیل

''اگر تم موت سے بھاگتے ہو تو کمزوری کی موت اچھی نہیں ہوتی''

متفرق چیدہ کلام

حضرت حسان کے متفرق چیدہ اشعار حسب ذیل ہیں:

قوم اذا حاربوا ضروا عدوھم

Marfat.com

او حالوا النفع فی اشیاعهم نفع
سجیة تلک منهم غیر محدثة
ان الخلائق فاعلم شرها البدع

علم معانی میں بدیع کی ایک قسم نہایت لطیف ہے جا بالکل وجدانی ہے وہ یہ کہ کلام کے تمام اجزا متحد اور ایک دوسرے میں داخل ہوں، ہر لفظ کا ربط نہایت شدید ہو، یہاں تک کہ پورا جملہ موتی کی ایک لڑی معلوم ہو، مذکورہ بالا شعر اسی صفت کا ہے اور اس میں تقسیم نے اور بھی لطف زیادہ کر دیا ہے۔ (دلائل الاعجاز ص ۷۴)

وان سنام المجد من آل هاشم
بنو بنت مخزوم ووالدک العبد

مقصود یہ ہے کہ جس کی ہجو کی ہے اس کو غلام ثابت کریں اور یہ بیان کر کہ اس کا غلام ہونا سب پر روشن ہے اس کو "العبد" کے الف لام نے ظاہر کر دیا ہے، اگر والدک عبد کہتے تو صرف خبر معلوم ہوتی، غلامی کا آشکار و ہویدا ہونا سمجھ میں نہ آ سکتا۔ (دلائل الاعجاز ص ۱۴۰)

"اهوی حدیث الندمان فی فلق الصبح وصوت المغرد والغرد"

یہ شعر اس درجہ مؤثر ہے کہ بعض اہل مدینہ کا بیان ہے کہ جب میں پڑھتا ہوں جذبات وشجاعت برانگیختہ ہو جاتے ہیں۔ (ایضاً)

دیوان

حضرت حسانؓ کے اشعار عرصہ تک لوگوں کی زبانوں اور سینوں میں محفوظ رہے لیکن بعد میں زینت دہ سفینہ بن گئے، ابو سعید سکری نے ان کو جمع کر کے ان کی تشریح کی، اصابہ میں اس کے حوالے جا بجا موجود ہیں (اصابہ ص ۲۱۴) بعد میں کسی دوسرے شخص نے ان کی شرح لکھی، ان کا دیوان ہندوستان اور تونس میں طبع ہوا ۱۹۱۰ء میں انگلستان کے مشہور ادارے گپ میموریل سیرز نے لندن، برلن، پیرس اور سینٹ پٹرسبرگ کے متعدد قلمی نسخوں سے مقابلہ کر کے اہتمام سے اس کو چھاپا۔

Marfat.com

لیکن بایں ہمہ اس کی صحت کے متعلق قطعی رائے نہیں دی جا سکتی، احادیث، لغت اورادب کی کتابوں میں جو اشعار منقول ہیں وہ بے شبہ صحیح ہیں، باقی اشعار کے متعلق اطمینان مشکل ہے۔

حضرت علیؓ کے دیوان میں پہلا شعر

الناس فی صورة الشبه افکا
ابوهم آدم والام حواء

ہے لیکن عبدالقاہر جرجانی کہ ادب کے امام اور علم معانی وبیان کے موجد تھے اسرار البلاغہ میں لکھتے ہیں کہ یہ اشعار محمد بن ربیع موصلی کے ہیں۔ (اصابہ ص ۸۷ ج ۳)

دیوان حسانؓ کو بھی اسی پر قیاس کیجئے صاحب استیعاب لکھتے ہیں: (استیعاب ص ۱۳۰ ج ۱)

"قال الاصمعی حسان احد فحول الشعراء فقال له ابو حاتم یاتی له اشعار لینة فقال الاصمعی تنسب الیه اشیائه تصح عنه"

"اصمعی نے کہا کہ حسانؓ نہایت زبردست شاعر تھے، ابو حاتم بولے بعض اشعار تو بہت کمزور کہتے تھے، اصمعی نے کہا بہت سے اشعار ان کے نہیں بلکہ لوگوں نے ان سے منسوب کر دیے ہیں"

اصمعی دوسری صدی ہجری میں تھا، اور تیسری صدی میں انتقال کیا، جب تیسری صدی میں اس قدر آمیزش ہوگئی تھی تو تیرہ صدیاں گزرنے پر خدا جانے کتنے انقلاب ہوئے ہوں گے۔

اخلاق وعادات

ان کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ وہ دربارِ نبوی کے شاعر تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کفار کی مدافعت میں اشعار کہتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی کہ "خدایا روح القدس سے ان کی مدد کر" اس بنا پر بارگاہِ رسالت میں ان کو خوص تقرب حاصل تھا، طبیعت کی کمزوری کے باوجود اخلاقی جرأت موجود تھی، ایک مرتبہ مسجد نبوی میں شعر پڑھ رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منع کیا تو جواب دیا کہ میں تم سے بہتر شخص کے سامنے پڑھا کرتا تھا۔ (صحیح بخاری ص ۹۰۹ ج ا مسند ص ۲۲۲ ج ۵)

جاہلیت میں شراب پیتے تھے لیکن جب مسلمان ہوئے تو قطعی پرہیز کیا ایک مرتبہ ان کے قبیلہ کے چند نوجوان مے نوشی میں مصروف تھے حضرت حسانؓ نے دیکھا تو بہت لعنت ملامت کی، جواب ملا یہ سب آپ ہی کا فیض ہے آپ کا شعر ہے:

وفشربها تتمر کنا مملوکاً

واسد ما ینهنها اللقاء

ہم اسی کے بموجب پیتے ہیں، فرمایا یہ جاہلیت کا شعر ہے خدا کی قسم جب سے مسلمان ہوا شراب منہ نہ لگائی۔ (استیعاب ص ۱۲۹ ج ۱)

Marfat.com

باب ششم

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے
داماد،
نواسے اور نواسیاں

Marfat.com

حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ

نام ونسب

ابوالعاص کے نام میں بڑا اختلاف ہے، بعض لقیط، بعض مہشم اور بعض ہشم بتاتے ہیں، ابوالعاص کنیت ہے، نسب نامہ یہ ہے، ابوالعاص بن ربیع بن عبدالعزیٰ بن عبدشمس بن عبدمناف ابن قرشی۔

ابوالعاصؓ حضرت خدیجہؓ کے بھانجے تھے، وہ انہیں بہت محبوب رکھتی تھیں، اور اپنا لڑکا تصور کرتی تھیں، وہ نہایت متمول آدمی تھے، زمانہ جاہلیت میں ان کا نہایت وسیع تجارتی کاروبار تھا، ان کی دیانت اور امانت بھی بہت مشہور تھی، ان اوصاف کی وجہ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو نے آنحضرت ﷺ سے خواہش کی کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن حضرت زینبؓ کو ان کے ساتھ بیاہ دیا جائے آپ ﷺ نزول وحی سے پہلے کسی معاملہ میں حضرت خدیجہؓ کی مخالفت نہ کرتے تھے، اس لئے ان کی خواہش کے مطابق زینبؓ کی شادی ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ کردی۔

آنحضرت ﷺ کے دعوی نبوت کی سب سے اول حضرت خدیجہؓ نے تصدیق کی، آپ کے ساتھ آپ کی تمام صاحبزادیاں جن میں حضرت زینبؓ بھی شامل تھیں، نور اسلام سے مستنیر ہوئیں، لیکن زینبؓ کے شوہر ابوالعاصؓ اپنے آبائی دین پر قائم رہے، اسی لئے جب ہجرت کا حکم ملا تو وہ ہجرت نہ کرسکیں۔

غزوۂ بدر میں ابوالعاصؓ مشرکین مکہ کے ساتھ تھے، اور مشرکین کے شکست کھانے کے بعد وہ بھی دوسرے قیدیوں کے ساتھ گرفتار ہوئے، جن جن لوگوں کے اعزہ گرفتار

ہوئے تھے وہ سب فدیہ لیکر انہیں چھڑانے کیلئے آئے، گو حضرت زینبؓ مسلمان ہو چکی تھیں، اور ابو العاصؓ مشرک تھے، تاہم وہ اب تک شوہر کے ساتھ تھیں، اور ان کا دل انکی محبت سے معمور تھا، شوہر کو قید و بند کی حالت میں نہ دیکھ سکیں، آنحضرت ﷺ عام قانون سے انہیں مستثنیٰ نہیں کر سکتے تھے، اس لئے حضرت زینبؓ نے کچھ نقدی اور ایک ہار جو انہیں مرحومہ ماں نے جہیز میں دیا تھا، شوہر کے فدیہ میں بھیجا۔

آنحضرت ﷺ کے سامنے یہ ہار پیش ہوا، تو آپ ﷺ نے پہچان لیا، اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یاد میں بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تو آپ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا، اگر تم لوگ بغیر اس ہار کے لئے ہوئے ابو العاصؓ کو چھوڑ سکتے ہو، تو چھوڑ دو اور ہار واپس کر دو، مسلمانوں نے نہایت خوشی کے ساتھ منظور کر لیا، اور ابو العاصؓ رہا کر دیئے گئے، مگر یہ وعدہ لے لیا گیا کہ وہ زینب رضی اللہ عنہا کو جو اَب تک مکہ میں تھیں، مدینہ پہنچا دیں، اور آنحضرت ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو چند انصاری بزرگوں کے ساتھ زینبؓ کو لانے کے لئے بھیجا۔

جب یہ لوگ زینبؓ کو ساتھ لیکر چلنے لگے، تو قریش میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں، انہوں نے زینبؓ کا مدینہ سے چلا جانا اپنی سبکی تصور کیا، اور چند آدمیوں نے جن میں ہبار بن اسود بہت پیش پیش تھا، روکنا چاہا، اور حضرت زینبؓ کو نیزہ دکھا کر دھمکایا، اس کی اس گستاخی پر ابو العاصؓ کے بھائی کنانہ کو جو حضرت زینبؓ کیساتھ تھے غصہ آ گیا، انہوں نے تیر نکال کر کہا خدا کی قسم جس نے آگے قدم بڑھایا وہ اس کا نشانہ بنے گا، یہ شور و غل سن کر ابو سفیان پہنچ گیا، اور کنانہ سے کہا تم نے بھی تو کمال کیا، محمد (ﷺ) کی وجہ سے ہم لوگوں کو جو ذلتیں اٹھانی پڑی ہیں، وہ تم کو معلوم ہیں، اس لے باوجود تم ان کی لڑکی کو علانیہ ہمارے یہاں سے لے جا رہے ہو، خواہ مخواہ لوگ اپنی ذلت محسوس کریں گے، اگر تم کو لیجانا تھا تو خفیہ لے جاتے ہم کو روکنے کی ضرورت نہیں تھی، ابھی لوگ برہم ہیں، اس لئے کچھ توقف کرو، جب لوگوں کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا، تو چپکے سے لیکر چلے جانا، ابو سفیانؓ کی اس سنجیدہ رائے پر دو تین دن کے لئے حضرت زینبؓ کا سفر ملتوی ہو گیا، جب لوگوں کا جوش فرد ہو گیا، تو ایک دن شب و خفیہ مکہ سے لے کر نکل آئے، اور بچھڑی ہوئی لختِ جگر آغوش پدر میں پہنچ گئی۔

قریش کے پر جوش شرارت پسند اشخاص ابوسفیانؓ کے سمجھانے بجھانے سے رک تو گئے تھے، اور حضرت زینبؓ کے لیجانے میں مزاحم نہیں ہوئے، لیکن اس واقعہ پر سخت پیچ وتاب کھارہے تھے، بدر کے بعد آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں گویا یہ دوسری شکست تھی، اس لئے اس کے انتقام میں حضرت زینبؓ کی روانگی کے بعد ابوالعاصؓ کے پاس قریش کا ایک وفد پہنچا اور ان سے کہا تم اپنی بیوی کو چھوڑ دو، اس کے بدلہ میں قریش کی جس عورت کو پسند کرو، اس کے ساتھ تمہاری شادی کردی جائیگی، ابوالعاصؓ گو اپنے مذہب پر قائم تھے، لیکن ان کا دل بیوی کی محبت سے معمور تھا، اس لئے انہوں نے جواب دیا، خدا کی قسم میں ہرگز اپنی بیوی کو نہیں چھوڑ سکتا، قریش کی کوئی عورت ان کا بدل نہیں ہوسکتی، اس کا یہ صاف جواب سن کر قریش لوٹ گئے۔

ابوالعاصؓ رہائی کے بعد پھر اپنے تجارتی مشاغل میں مصروف ہو گئے تھے، فتح مکہ سے کچھ دنوں بیشتر قریش کا سامان تجارت لے کر شام گئے، وہاں سے واپسی میں راستہ میں مسلمانوں نے روک کر ان کا کل مال متاع چھین لیا، جب مسلمان لوٹ گئے، تو ابوالعاصؓ اپنا مال حاصل کرنے کے لئے خفیہ حضرت زینبؓ کے پاس پہنچے، حضرت زینبؓ اب تک ان سے ہی محبت تھی، انہوں نے ان کو اپنے دامنِ حمایت میں لے لیا، اور صبح کو جب مسلمان نماز پڑھنے کے لئے گئے، تو زینبؓ نے باآواز بلند اعلان کیا کہ مسلمانو! میں نے ابوالعاصؓ کو پناہ دیدی ہے، آنحضرت ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد فرمایا لوگو تم نے کچھ سنا، سب نے عرض کیا ہاں، آپ ﷺ نے ان کی بدگمانی دور کرنے کیلئے فرمایا، اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ محمد ﷺ کی جان ہے، اس سے پہلے مجھے اس واقعہ کا کوئی علم نہ تھا، ابوالعاصؓ مسلمانوں سے پناہ کا خواہاں ہے، اس کے بعد آپ ﷺ کا شانۂ اقدس پر تشریف لائے، اور حضرت زینبؓ سے فرمایا، جانِ پدر اپنے شوہر کی خاطر و مدارات میں کوئی کمی نہ کرو، مگر تم قانون اسلام کی رو سے ان پر حرام ہو، حضرت زینبؓ کو یہ ہدایت دے کر باہر تشریف لائے، اور مسلمانوں سے فرمایا کہ تم لوگ میری اور ابوالعاصؓ کی قرابت سے واقف ہو، ان کو جو مال تمہارے قبضہ میں ہے، اگر اس کو احسان کر کے واپس کردو تو زیادہ بہتر ہے، اور اگر نہ واپس کرو تو وہ خدا کا عطیہ اور تمہارا حق ہے، مجھ کو کوئی اعتراض و اصرار نہیں ہے، اس کے جواب میں سب نے ایک

زبان ہوکر عرض کیا، یارسول اللہ ہم سب واپس کرنے کو تیار ہیں، چنانچہ ابوالعاصؓ کو ان کا کل مال بجنسہٖ واپس مل گیا، اور اس میں کوئی معمولی چیز بھی باقی نہ رہی، وہ یہ مال لے کر مکہ گئے، اور جن جن لوگوں کا جو سامان تھا، سب کو پہنچا دیا، اور حساب و کتاب چکانے کے بعد پوچھا، اب کو کسی کا مال باقی نہیں ہے، سب نے کہا نہیں خدا تم کو جزائے خیر دے ہم نے تم کو وعدہ وفا کرنے والا اور کریم پایا۔

اسلام

سب کو مطمئن کرنے کے بعد کلمۂ شہادت پڑھ کر بانگ دہل اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا، اور کہا میں مدینہ ہی میں مسلمان ہوگیا ہوتا لیکن محض اس خیال سے کہ تم لوگوں کو یہ بدگمانی نہ ہو کہ میں تمہارا مال ہضم کرنے کیلئے اسلام قبول کیا ہے، اب تک رکا رہا، اب جب کہ خدا نے مجھ کو تمہارے حساب و کتاب اور تمہارے بار سے سبکدوش کردیا، اس وقت میں نے اسلام ظاہر کیا۔

مکہ میں اسلام کا اعلان کر کے مدینہ واپس آئے، اور یہاں باقاعدہ مشرف باسلام ہوئے، ان کے قبول اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت زینبؓ کے ساتھ ان کے نکاح کی تجدید نہیں کی بلکہ گزشتہ نکاح برقرار رکھا، لیکن بعض روایتوں کی رو سے تجدید فرمائی تھی۔

مکہ کی واپسی اور غزوات

ابوالعاص رضی اللہ عنہ کا تجارتی کاروبار مکہ میں تھا، اس لئے وہ مدینہ میں قیام نہ کرسکتے تھے، چنانچہ قبول اسلام کے بعد وہ آنحضرت ﷺ سے اجازت لیکر پھر مکہ لوٹ آئے مکہ قیام کی وجہ سے انہیں غزوات میں شرکت کا موقع نہ مل سکا، صرف ایک سریہ میں جو ۱۰ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں بھیجا تھا، شریک ہوسکے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے واپسی میں انہیں یمن کا عامل بنایا تھا۔

وفات

حضرت زینبؓ کا انتقال آنحضرت ﷺ کی حیات ہی میں ہو چکا تھا، ابوالعاصؓ بھی

Marfat.com

ان کے بعد زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہے، اور ذلحجہ ۱۳ھ میں انتقال کر گئے۔

اولاد

حضرت زینبؓ کے بطن س ابوالعاصؓ کے دو اولادیں ہوئیں، علی اور امامہ، علی کا انتقال سفرسنی میں ہو گیا تھا، امامہ زندہ رہیں، مرحومہ بیٹی کی اس یادگار سے آنحضرت ﷺ کو والہانہ محبت تھی، اس کو آپ جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے، ہر وقت پاس رکھتے تھے نماز کی حالت میں آپ اس کو گود میں لیے رہتے تھے، رکوع کرتے وقت بٹھا دیتے تھے، اور کھڑے ہوتے وقت پھر اٹھا لیتے تھے، حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد حضرت علیؓ نے اس لڑکی سے شادی کر لی تھی۔

عام حالات

ابوالعاصؓ کو ظہورِ اسلام کے بعد بہت دنوں تک شرک کی تاریکی میں مبتلا رہے، لیکن ان کو اسلام اور مسلمان سے کوئی عناد نہ تھا، اور رسول اللہ ﷺ کو ہر حالت میں ان سے یکساں ب محبت رہی، چنانچہ اس زمانہ میں بھی جب کہ ابوالعاصؓ اسلام نہیں لائے تھے، آپ ﷺ ان کا تذکرہ بھلائی ہی کے ساتھ کرتے تھے۔

Marfat.com

حضرت اُمامہؓ بنت ابوالعاص رضی اللہ عنہ

نام ونسب

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام اُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا۔ والد کا نام ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ربیع اور والدہ کا نام حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، گویا اُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی نواسی تھیں۔

ولادت باسعادت

حضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد بابرکات میں پیدا ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بہت محبت فرماتے تھے۔ ایک دفعہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے ایک انگوٹھی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے میں اس کو دوں گا جو مجھے بہت محبوب ہے۔'' سننے والوں نے خیال کیا کہ یہ شرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حاصل ہوگا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلایا اور ان کی انگلی میں انگوٹھی پہنا دی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نواسی سے محبت

حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح اپنے دوسرے نواسوں سے محبت تھی اسی طرح حضرت اُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بہت پیار تھا۔ کئی دفعہ اوقاتِ نماز میں بھی انہیں اپنے ساتھ مسجد میں لے جاتے۔ ایک دن اسی حالت میں تشریف لائے کہ حضرت

اُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شانۂ مبارک پر سوار تھیں۔انتہائے محبت سے انہیں شانہ مبارک سے نہ اُتارا اور اسی حالت میں نماز پڑھنی شروع کی۔ جب رکوع میں جاتے تو اُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آہستہ سے اُتار دیتے، جب کھڑے ہوتے پھر شانہ مبارک پر سوار کر لیتے۔اسی طرح پوری نماز ادا فرمائی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح

جب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو حضرت اُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سنِ شعور کو پہنچ چکی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے کچھ عرصہ بعد جب سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وفات پائی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے حضرت اُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح پڑھالیا، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عوام کی سرپرستی میں تقریبِ نکاح انجام پائی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت

40 ہجری میں جب حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ابن ملجم کے ہاتھوں شدید زخمی ہوئے، جانبری کی کوئی اُمید نہ رہی تو آپ نے مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن نوفل کو وصیت کی کہ میرے بعد اُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کر لینا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والیِ شام نے حضرت اُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے فوراً امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اجازت لے کر حضرت اُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح پڑھالیا۔

وصال مبارک

مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن نوفل کے صلب سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام یحییٰ تھا۔ حضرت اُمامہ نے مغیرہ بن نوفل کی زندگی میں ہی ان کے گھر وفات پائی۔ وفات کی تاریخ اور زندگی کے دیگر حالات معلوم نہیں ہیں۔

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

سید نا عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد اور مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ راشد ہیں۔ ذوالنورین آپ کا لقب تھا۔

نام ونسب

عثمان بن عفان بن ابی العاص بن اُمیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی تھا، ان کی والدہ اروئی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی تھیں، جن کا نام البیضاء بنت عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف تھا۔ ان کا خاندان بنواُمیہ قریش کی ایک شاخ ہے جس کا بانی فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ تھا، قریش اسی فہر کا خطاب تھا۔ بعثتِ نبویؐ کے وقت مکہ معظّمہ اور قرب و جوار میں قریش کے یہ گیارہ خاندان موجود تھے۔ (۱) بنو ہاشم (۲) بنواُمیہ (۳) بنو تمیم (۴) بنو عدی (۵) بنو عبدالدار (۶) بنو اسد (۷) بنو مخزوم (۸) بنو زہرہ (۹) بنو سہم (۱۰) بنو جمح (۱۱) بنو عبدالعزیٰ

ان متذکرہ خاندانوں میں بنو ہاشم اور بنو اُمیہ جنہیں ہاشمی اور اُموی کہتے ہیں اقتدار اور دنیاوی وجاہت کے اعتبار سے زیادہ مشہور تھے۔ خاندان بنو اُمیہ ریاست، شرافت اور عزت کے لحاظ سے عرب میں امتیازی حیثیت کا حامل تھا بنو ہاشم اور بنو اُمیہ آپس میں ہمسر تھے جیسے ہی آفتابِ رسالت جلوہ افروز ہوئے تو ان کے سامنے بنو اُمیہ کا چراغ ماند پڑ گیا بنو ہاشم کا پلہ بھاری ہو گیا اسی وجہ سے بنو اُمیہ بنو ہاشم سے بغض و حسد و عناد رکھنے لگے لیکن جب فتح مکہ کے دن کفر کا بت پاش پاش ہوا تو چار دانگ عالم میں آفتابِ رسالتؐ کی کرنیں پھیل گئیں تو اس وقت بنو اُمیہ بھی قریش کے ساتھ مشرف باسلام ہوئے۔

Marfat.com

پیدائش

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ واقعہ فیل کے چھ سال بعد متولد ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عالی نسب اور نجیب الطرفین تھے۔ یہ ایسے خوش نصیب انسان ہیں کہ انہیں سرکارِ رسالت کے ساتھ ماں اور باپ دونوں طرف سے قرابت داری کا شرف حاصل ہے ان کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں ہادیٔ کائنات ﷺ کے ساتھ مل جاتا ہے۔

قرابت داری

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے دوہرے داماد اور پھوپھی زاد بہن (اروی بنت کریز) کے فرزند تھے، ان کی نانی اُم الحکیم البیضاء حضور ﷺ کی سگی پھوپھی تھیں۔ ان کے بچپن کے حالات پردۂ اخفا میں مستور ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابنائے زمانہ میں حسین تھے لوگوں نے ان کے حسن و جمال کو اپنے اپنے خیال کے مطابق دنیا کی حسین ہستیوں کے ساتھ تشبیہہ دینے کی کوشش کی ہے، ان کا حسن ان کی سیرت کے ساتھ جمع تھا۔ باوجود اس بات کے کہ ان کے چہرہ پر چیچک کے معمولی داغ تھے مگر پھر بھی یہ اپنی مثال آپ تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ جبرئیل امین علیہ السلام نے آقائے دو جہاں ﷺ سے فرمایا کہ اگر آپ چاہیں کہ آپ کی نظر کسی ایسے چہرے پر پڑے جو حسن و جمال میں یوسف علیہ السلام کے مشابہ ہو تو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا قد درمیانہ اور ریش مبارک گھنی تھی۔ دانتوں کو مضبوطی کیلئے سونے کے تار سے بندھوا رکھا تھا، کبھی سیاہ قمیض اور کبھی مطرف خز پہنتے، محاسن پر ورس اور زعفران کا خضاب کرتے۔

عام روش کے خلاف یہ آغازِ شباب میں ہی اپنے آبائی پیشہ تجارت میں مشغول ہو گئے تھے۔ امانت داری اور شرافت کی وجہ سے بہت جلد مالدار ہو گئے۔ ابھی اپنی زندگی کی چونتیس بہاریں ہی دیکھ پائے تھے کہ توحید کے نغمے گونجنے لگے، صحرائے عرب کے لحاظ سے یہ صدا نامانوس سی تھی لیکن بارگاہِ الٰہی سے ان میں ایسی فطری استعداد ودیعت رکھ دی گئی تھی کہ یہ اس غیر معمولی استعداد سے اپنی تشنگی کو بجھائیں۔

Marfat.com

قبولِ اسلام

ایامِ جاہلیت میں حضرت ابوبکرؓ سے ارتباط تھا، ان سے ملنے گئے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی دعوت کا تذکرہ کر کے انہیں سفینۂ اسلام میں داخلے کی دعوت دی تو حضرت عثمانؓ نے دیدۂ دل فراخ کئے، اس دعوت پر لبیک کہی۔

ابھی یہ دربارِ رسالت کو چلنے کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ تاجدارِ رسالت ﷺ وہاں آ جلوہ افروز ہوئے اور عثمانؓ کو دیکھ کر زبان سے حرکت ہوئی، لسانِ نبوت سے نکلنے والے الفاظ عثمانؓ کے سینے میں گھر کر گئے۔ ایک لمحہ دیر کیے بغیر عثمانؓ نے نبوت کے ہاتھ پر بیعت کی اور حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ یہ خاندانِ اموی کے پہلے چشم و چراغ تھے جو اپنی خاندانی مخالفت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے شمعِ نبوت کے پروانہ بنے اور والسابقون الاوّلون کا مصداق بن کر جنت کے مہمان بنے۔

قبولِ اسلام پر ابتلاء و آزمائش

پیغمبر ﷺ کا دامن تھاما ہی تھا کہ چچا ابوالعاص جو ابھی زندہ تھا، نے حضرت عثمانؓ کو ایک رسی سے باندھ دیا اور کہا کہ تو اپنے بزرگوں کے دین سے پھر گیا ہے، تیرے لئے بہتر یہ ہے کہ اس دین کو چھوڑ دے ورنہ میں تمہیں کبھی نہ کھولوں گا۔ ظلم و تشدد کا سلسلہ شروع ہو گیا، ادھر خاندان کی محبت اِدھر پیغمبر ﷺ سے عشق اُدھر مال و زر کے ڈھیر اِدھر فقر و تنگدستی اُدھر دنیاوی ساز و سامان ادھر اللہ سے تعلق، آخر جب ظلم و ستم حد سے بڑھا اور سب و شتم زیادہ شدت اختیار کر گیا تو اتنا فرمایا کہ واللہ میرے جسم کے ٹکڑے کر دیئے جائیں میں پھر بھی اسلام سے کبھی منہ نہ موڑوں گا جب الحکم نے اپنے دین میں ان کی سختی دیکھی تو انہیں چھوڑ دیا۔

حضور سرورِ کونین ﷺ کی چار بیٹیاں تھیں۔ سیّدہ زینب، سیدہ رقیہ، سیدہ ام کلثوم اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہن۔ آپ ﷺ کی منجھلی شاہزادیاں رقیہ، اُم کلثوم جبکہ عقد نکاح کے بارے میں مسلم اور غیر مسلم کے بارے کوئی شرعاً تمیز نہ تھی تو ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے بیاہی گئی تھیں۔

Marfat.com

صغر سنی کی حالت تھی اور ابھی تک رخصتی کی نوبت نہ آئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو اسلام کی برملا تبلیغ وتوضیح کا حکم ہوا۔ آپ ﷺ نے بت پرستی کی مذمت کی اسی سبب آپ ﷺ کے چچا ابولہب مخالفت میں اتر آئے اور پیغمبر دو جہاں ﷺ سے انتقام لینے کے لئے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم محمد ﷺ کی بیٹیوں کو طلاق دے دو، چنانچہ دونوں صاحبزادیوں کو طلاق دے دی گئی۔

اس واقعہ سے قبل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مشرف با اسلام ہو چکے تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں درخشاں گوہر سے نوازتے ہوئے سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان سے کر دیا۔ جب سرورِ دو عالم ﷺ نے میدانِ بدر میں جانے کا قصد کیا تو اس وقت سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا علیل تھیں۔ تو اس لئے آپ ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو ان کی تیمارداری کے لئے پیچھے چھوڑ گئے۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا یہ مرض دراصل سفرِ آخرت کا پیغام تھا اس وقت پریشان حال غم گسار سرتاجِ رقیہ کی کوئی کوشش وجدوجہد کارگر نہ ہوئی اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نے اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ یہ سانحہ ارتحال ہجرتِ مدینہ کے سترہ ماہ بعد پیش آیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بوقتِ رحلت سیدہؓ کی عمر ۲۰ برس تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جو رسول اللہ ﷺ سے مہری قرابت تھی وہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی رحلت پر ٹوٹ گئی۔ اس وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہر وقت افسردہ اور کبیدہ خاطر رہتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمانے لگے کہ تقدیر کا فیصلہ کسی طرح بھی ٹل نہیں سکتا، اس قدر رنج، حزن وملال درست نہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اپنی محرومی قسمت پر جتنا افسوس کروں اتنا کم ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن تمام نسب اور سبب منقطع ہو جائیں گے سوائے اس قرابت کے جو کسی کو مجھ سے ہو گی۔ پس افسوس ہے کہ اب خاندانِ نبوت سے میری قرابت کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ حضور ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نہ صرف حلم وحیا، تقویٰ و طہارت، انفاق فی سبیل اللہ وغیرہ خصائل کے پیش نظر وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے بلکہ آپ ﷺ اس شفقت آمیز سلوک سے بھی خوش تھے جو سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی نسبت ظہور میں آیا۔ یہی وہ خصوصیات تھیں جن کی بناء پر پیغمبر ﷺ نے ۳ھ میں سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ

عنہا کو ان کے نکاح میں دے دیا جس سے ان کا تعلق از سر نو خاندانِ نبوت سے جڑ گیا۔
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر نبی کریم ﷺ کی دو صاجزادیاں آئیں، اس لئے اس دن سے ذوالنورین (دونور والے) کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

گزمین خواجہ کونین بودہ
بداہا دلیش ذوالنورین بودہ

سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا ساڑھے چھ سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رفاقت میں رہ کر شعبان ۹ ھ کو داغِ مفارقت دے گئیں۔ ان کے انتقال کے بعد حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح کر دو، اگر میری کوئی اور بیٹی ہوتی تو ضرور عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دیتا۔ حضور سید کونین ﷺ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ذات پر کامل وثوق تھا۔ آپ ان کو بہت محبوب رکھتے تھے ان کے حلم، تقویٰ، شرافت، جذبۂ شرم وحیا اور محاسنِ اخلاق کی وجہ سے ان کا بڑا اکرام کرتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسلامی مفاد اور مسلمانوں کی نصرت کیلئے اپنے خزانے کی تجوریاں کھلی رکھا کرتے تھے۔ صلہ رحمی اور قبیلہ پروری حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خاص پیشہ تھا۔ ان کے حیا کا یہ عالم تھا کہ جس ہاتھ سے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی تھی پھر مرتے دم تک اس سے شرمگاہ کو نہیں چھوا، اور زندگی بھر کبھی کپڑا اتار کر غسل نہیں کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھر میں لیٹے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کی پنڈلی مبارک سے کپڑا ہٹا ہوا تھا۔ اتنے میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اندر آنے کی اجازت طلب کی، نبی کریم ﷺ نے انہیں اجازت مرحمت فرمائی لیکن آپ ﷺ اپنی اسی حالت پر بیٹھے رہے اور باتیں کرتے رہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، اجازت طلب کی آپ ﷺ نے انہیں بھی اجازت دے دی لیکن اسی طرح لیٹے رہے اور باتیں کرتے رہے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی تو رسول اللہ ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے، کپڑے درست کئے، پھر اجازت مرحمت فرمائی۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے آپ اپنی جگہ سے نہیں ہلے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے پھر بھی آپ اپنی جگہ پر رہے اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے درست کیے، تو

اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کیا میں ایسے شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔ (مسلم شریف)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی ابتدا کچھ اسی طرح تھی کہ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ۴ محرم کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بعد نمازِ ظہر منبر پر چڑھے اور بہت دیر تک چپ چاپ کھڑے دعا کرتے رہے پھر ایک مختصر مگر نہایت پُر اثر خطبہ دے کر فرمایا کہ بہت سے لوگوں سے مشورے کئے اور بہت کچھ غور کیا کہ ان دو (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ و حضرت علی رضی اللہ عنہ) برگزیدگانِ ملت میں سے کون صاحب قابلِ ترجیح ہیں، پس میں دیکھتا ہوں کثرت رائے عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے منبر پر بیٹھ گئے، اب چاروں طرف سے لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھے اور بیعت کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیعت کرنا ہی تھا کہ تمام ہاشمی اور دوسرے حضرات جو اَب تک آگے نہیں بڑھے تھے بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔ سب سے پہلی نماز جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد پڑھائی وہ عصر کی نماز تھی۔ اس وقت ان کی عمر ۷۰ برس تھی۔

اعمش کا بیان ہے کہ جب لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے تفویضِ خلافت میں اعلیٰ و افضل سے انحراف نہیں کیا۔

شہادتِ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ حالات و واقعات کی روشنی میں

۳۵ھ میں بصرہ، کوفہ اور مصر میں ''کالی کے بیٹے'' عبداللہ بن سبا کی سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف سلگائی ہوئی آگ کی چنگاریاں بہت زیادہ اثر دکھا رہی تھیں اور یہ خطرہ پیدا ہو چلا تھا کہ باغی منظم طریقے سے حرم مدینۃ الرسولؐ میں شب خون مار کر امیر المومنین کے وجود مسعود سے قمیضِ خلافت نوچ لیں گے۔ جب شورش بہت زیادہ ہوگئی اور نت نئی خبریں اہل مدینہ کے کانوں سے ٹکرانے لگیں تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ امیر المومنین، دامادِ رسول، پیکرِ حلم و حیا، صاحبِ جود و سخا نے ایک گشتی مراسلہ تحریر فرما کر اس کی نقول محمد بن مسلمہ کے

Marfat.com

ذریعے کوفہ، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے ذریعے بصرہ، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ذریعے مصر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعے شام کی طرف روانہ فرمائیں جن میں عوام اور شرپسند عناصر کو دعوت دی گئی تھی کہ جنہیں حضرت امیرالمومنین اوران کے حکام سے کوئی شکایات ہوں، وہ حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں امیرالمومنین سے ملیں اوراپنے حقوق وصول کریں۔

حضرت امیرالمومنین کے اس مراسلے کی تحریر سوز و گداز سے اس قدر معمور تھی، مذکورہ شہروں کے عوام اسے سن کر دھاڑیں مار مار کر روئے اور امیرالمومنین کے حق میں دعاؤں کے دامن پھیلائے۔ ساتھ ہی امیرالمومنین نے اپنے حاکموں کو ایوانِ خلافت میں طلب فرمالیا۔ چنانچہ عبداللہ بن عامر بن کریز (بصرہ) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (گورنر شام) اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح (گورنر مصر) حاضر ہوئے ان کے علاوہ عمرو بن العاص اور سعید بن العاص کو بھی مشورہ میں شریک کیا گیا۔ حضرت امیرالمومنین رضی اللہ عنہ نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا:

''بہت افسوس کا مقام ہے کہ میں تمہارے بارے میں شکایات سن رہا ہوں، یہ تمہارے بارے میں کیسی کیسی باتیں مشہور ہو رہی ہیں۔ بخدا مجھے اندیشہ ہے کہ جو باتیں تمہارے بارے میں کہی جارہی ہیں وہ کہیں سچ ہی ثابت نہ ہوں اگر ایسا ہوتو ان سب باتوں کو میری طرف منسوب کیا جائے گا۔''

ان حضرات نے جواب میں کہا کہ آپ نے حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے جو وفود بھیجے تھے کیا انہوں نے آپ کو یہ رپورٹ نہیں دی کہ ہر جگہ خیریت ہے؟ باقی یہ فسادی لوگ تو جھوٹ بولتے ہیں، آپ براہِ کرم ایسی بے بنیاد باتوں پر کان نہ دھریں۔

لیکن ملک میں بڑھتے ہوئے انتشار کے پیش نظر امیرالمومنین مطمئن نہ ہوئے اور پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ سعید بن العاص نے کہا کہ چند آدمی پوشیدہ طور پر غلط باتیں مشہور کر کے باخبر اور سیدھے سادے عوام کو ورغلا رہے ہیں، باغیوں کا علاج یہ ہے کہ ان کو بلا کر ان کے سرغنہ کا سر قلم کر دیں۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے کہا، آپ نے ان لوگوں پر انعامات کی بارش کر رکھی ہے اب ان لوگوں سے اپنے اس حق کا مطالبہ بھی تو کیجئے جو اُن کے ذمہ ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بولے، آپ نے جن لوگوں پر مجھے گورنر بنایا ہے، ان

Marfat.com

سے آپ خیر کے علاوہ کسی چیز کی توقع نہ کریں۔اب حضرت امیر المومنین نے حضرت عمرو بن العاص سے رائے پوچھی تو انہوں نے کہا ’’آپ فتنہ پردازوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کر رہے ہیں اور بہت زیادہ ڈھیل دے رہے ہیں، میری رائے یہ ہے کہ آپ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی طرح سختی کی جگہ سختی اور نرمی کی جگہ نرمی کو اپنا معمول بنا لیں‘‘۔اب حضرت امیر المومنین خود کھڑے ہوئے اور حمد وثنا کے بعد فرمایا:

’’جو فتنہ امت کو پیش آنے والا ہے اس کا دروازہ نرمی سے ہی بند کیا جا سکتا ہے۔وہ تو خدا کی قسم ضرور کھلے گا مگر میرے اوپر کوئی شخص الزام نہیں لگا سکتا۔اللہ علیم وخبیر ہے کہ میں نے لوگوں کے ساتھ اور اپنے ساتھ بھلائی کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔فتنہ کی چکی تو گھومے گی ہی مگر عثمان بڑا خوش نصیب ہو گا کہ اگر وہ اس چکی کو حرکت دیئے بغیر مر جائے۔پس آپ حضرات لوگوں کو فتنہ پردازی سے روکیں اور ان کے حقوق ادا کرنے میں غفلت سے کام نہ لیں‘‘۔

حضرت امیر المومنین ﷺ کے مذکورہ بالا گشتی مراسلے اور اس مشاورت اور تازہ ترین ہدایات کا ملک میں بہت اچھا اثر پڑا۔یہاں تک کہ لوگوں کا خیال تھا کہ کم از کم ۳۵ھ تو امن وسکون کے ساتھ گزر ہی جائے گا لیکن مشیت ایزدی کے تحت اچانک کوفہ میں ایک نیا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔

ایک ناگہانی افتاد

کوفہ کے گورنر سعید بن العاص قریشی خاندان سے تعلق رکھنے والے نہایت لائق و فاضل اور مجاہد نوجوان تھے۔ایک محفل میں ان کی زبان سے یہ جملہ نکل گیا کہ ’’کوفہ قریش کا چمن ہے‘‘۔اس مجلس میں مختلف قبیلوں کے لوگوں کے علاوہ ’’اشتر نخعی‘‘ بھی موجود تھا جو قریش سے سخت کینہ اور عداوت رکھتا تھا اپنے دل کی چنگاری کو دبا نہ سکا اور سعید بن العاص ﷺ پر برس پڑا کہ قریش میں وہ کون سی خصوصیت ہے کہ کوفہ ان ہی کا چمن ہو وہ تو سب مسلمانوں کا ہے‘‘۔پولیس کا ایک اعلیٰ افسر بھی وہاں موجود تھا جو گورنر کے سامنے اشتر نخعی کا یہ لب ولہجہ نہ

برداشت کرسکا اور لوگوں سے کہنے لگا کہ گورنر کے سامنے مہذب لہجہ استعمال کریں اور اشتر نخعی چونکہ اپنے قبیلے کا سربراہ تھا، لہٰذا اس کے اشارے پر لوگ اس پولیس افسر پر پل پڑے اور مار مار کر اسے بے ہوش کر ڈالا اسی پر بس نہیں کی بلکہ سعید بن العاص اور قریش کو برا بھلا کہنے لگے۔ نیز گورنر کی معذولی اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو نیا گورنر مقرر کرنے پر اصرار کرنے لگے۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین نے دفع شر کے طور پر حضرت ابوموسیٰ اشعری کو گورنر مقرر کر کے بھیج دیا۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے جب ان لوگوں میں امیر المومنین کے خلاف بغاوت کے جذبات دیکھے تو انہیں سمجھانے کی کوشش کی بلکہ پُر زور تلقین کی لیکن ان لوگوں کا اصل مقصد تو فتنہ وفساد اور امیر المومنین کے خلاف بغاوت کی راہ ہموار کرنا تھا۔ لہٰذا ان پر الٹا اثر پڑا ان کے حوصلے بڑھ گئے ان کی دیکھا دیکھی بصرہ اور مصر کے لوگوں کو بھی خلافت کے خلاف عملی اقدام کی جرأت ہوگئی۔ چنانچہ ان لوگوں نے آپس میں مشورے کے بعد عامر بن عبداللہ تمیمی کو اپنا نمائندہ بنا کر دربارِ خلافت میں بھیجا۔ اس شخص نے لوگوں کی طرف سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت چھوڑ دینے کا مطالبہ کیا اور بدتمیزی سے پیش آیا۔

امیر المومنین کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مشورہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جو امیر المومنین کی مذکورہ بالا مشاورت میں شرکت کی غرض سے مدینہ منورہ آئے ہوئے تھے جب واپس جانے لگے تو حالات میں رزبروز باغیانہ تبدیلی کے عمل کو بھانپتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ سے عرض گزار ہوئے کہ آپ میرے ساتھ شام چلیئے۔ وہاں کے حالات ٹھیک ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چاہے میری گردن اڑ جائے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف وقرب ہمسائیگی نہیں چھوڑ سکتا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ پھر آپ مجھے یہ اجازت عطا فرمائیں کہ میں شام سے ایک لشکر بھیج دوں وہ مدینہ منورہ کے عقب میں رہے گا تاکہ اگر کوئی حادثہ پیش آئے تو وہ آپ کی اور اہل مدینہ کی مدد کرسکے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز بھی یہ فرما کر مسترد کردی کہ ''میں فوج کے قیام کی وجہ سے رسول اکرم ﷺ کے پڑوسی اہل مدینہ کو پریشانی میں مبتلا کردوں، مجھ

Marfat.com

سے ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ امیر معاویہ ؓ بولے، تو پھر (باغیوں کی طرف سے) آپ کے ساتھ غداری اور خیانت کا معاملہ کیا جائے گا۔ آپ ؓ نے جواب دیا، حسبی اللہ ونعم الوکیل...... اس گفتگو کے بعد حضرت معاویہ ؓ اجازت لے کر شام روانہ ہو گئے۔

باغیوں کی روانگی

باغیوں نے امیر المومنین کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے اور خفیہ سازشوں کا جال جب کامیابی سے پھیلا لیا تو اب اگلا مرحلہ ان پر حملے اور خلافت چھیننے کا رہ جاتا تھا۔ اس کام کے لئے سب سے بہتر موقع ایام حج کا تھا۔ ایک تو اس لئے کہ یہ لوگ حج کے بہانے سے گروہوں کی شکل میں نکلتے اور کسی کو شک وشبہ تک نہ ہوتا۔ دوسرے اس لئے کہ حج کے دنوں میں مدینہ کی آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ حج کے لئے مکہ مکرمہ چلا جاتا ہے جس کی وجہ سے مدینہ منورہ میں بڑے پیمانہ پر مزاحمت کا خطرہ ٹل جاتا تھا۔ چنانچہ خفیہ اور منظم تدبیر کے تحت شوال المکرّم کے مہینے میں مصر، کوفہ اور بصرہ سے باغی جماعتیں مدینہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ مصریوں کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی۔ یہ لوگ چار ٹولیوں میں بٹ کر چل رہے تھے۔ یہ جماعت اس خاموشی سے روانہ ہوئی کہ کسی کو کانوں کان اصل عزائم کی خبر نہ ہوئی۔ لوگوں نے یہ سمجھا کہ حجاج کا قافلہ جا رہا ہے۔ ابن السوداء عبداللہ بن سبا بھی اسی جماعت میں شامل تھا۔

پھر کوفہ کے لوگ بھی تقریباً ایک ہزار کی تعداد میں چار ٹولیوں میں تقسیم ہو کر نکلے۔ بصرہ کے باغی بھی اس تعداد اور انداز میں چلے، پھر راستے میں اور باغی بھی ان کے ساتھ شامل ہوتے رہے۔ مدینہ سے تین کوس کے فاصلے پر پہنچ کر یہ لوگ تین حصوں میں بٹ گئے۔ اہل بصرہ نے ذوخشب میں قیام کیا، کوفہ اور مصر کے کچھ لوگوں نے اغواص میں پڑاؤ ڈالا اور کچھ لوگ ذوالمروہ میں ٹھہرے۔ یہاں پہنچ کر قافلہ سالاروں کی میٹنگ ہوئی جس میں یہ طے پایا کہ آگے بڑھنے سے قبل اہل مدینہ کے خیالات، احساسات اور حالات کا جائزہ لینا چاہئے۔

اکابر صحابہ کرامؓ سے ملاقاتیں

چنانچہ دو نمائندے زیاد بن النضر اور عبدالاصیم مدینہ بھیجے گئے۔ جنہوں نے

Marfat.com

ازواج مطہراتؓ کے علاوہ حضرات طلحہ، زبیر وعلی رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی اور آمد کا مقصد بتایا کہ وہ امیر المومنین سے استعفیٰ لینا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر تمام حضرات نے ان لوگوں کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ ہم تم کو مدینہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ چنانچہ دونوں نے واپس جا کر اہل مدینہ کے جواب سے انہیں آگاہ کیا۔ اب ان لوگوں نے یہ چال چلی کہ اہل مصر، اہل بصرہ اور اہل کوفہ بالترتیب الگ الگ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ملے۔ اور ہر ایک کو یہ کہا کہ ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے آپ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں۔ لیکن ان لوگوں کی خوشامد کا ان حضرات پر کوئی اثر نہ ہوا اور یہ حضرات ان وفود پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ صلحاء امت کو معلوم ہے کہ رسول اللہ نے ذی المروہ، اعوض اور ذی خشب کے لشکروں پر لعنت بھیجی ہے۔ لہٰذا تم واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ ان اکابر صحابہ کی ڈانٹ پھٹکار سننے کے بعد باغیوں نے وہاں سے واپسی کا ارادہ کیا۔ اور اپنے لشکر کے پاس جا کر اس وقت کا انتظار کرنے لگے کہ اہل مدینہ مطمئن ہو کر حج کے لئے روانہ ہوں اور کچھ اِدھر اُدھر ہو جائیں تو پھر حملہ کیا جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مشورہ اور امیر المومنین کا خطاب

ان کے چلے جانے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کے خلاف عوام میں چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ بہتر ہو گا کہ آپ ایک تقریر کے ذریعے انہیں مطمئن کیجئے چنانچہ آپؓ باہر تشریف لائے اور حمد وثنا کے بعد ارشاد فرمایا: ''میرا دروازہ ہر وقت ہر شخص کے لئے کھلا ہے جس کسی کو کوئی شکایت ہو، وہ بے تکلف میرے پاس آئے اور اپنی شکایت بیان کرے، یہی نہیں بلکہ جب میں منبر سے اتروں تو آپ لوگوں میں سربرآوردہ اور بلند مرتبہ حضرات ہیں وہ میرے پاس آئیں اور زیر بحث معاملات میں مجھے اپنے مشورہ اور رائے سے مطلع فرمائیں''۔ اس خطبہ کی بلاغت اور سوز و گداز کی بنا پر حاضرین کی ہچکی بندھ گئی۔ اہل مدینہ کو اطمینان حاصل ہوا اور خوشی ہوئی کہ اب شور وشر ختم ہو جائے گا لیکن باغی یہ طے کر چکے تھے کہ بہر حال اہل مدینہ کا چین وسکون غارت کرنا اور خلیفہ کو شہید کرنا ہے۔

Marfat.com

کاشانۂ خلافت کا محاصرہ

چنانچہ چند دن ہی گزرے تھے کہ اچانک باغیوں کے مدینہ میں گھسنے کا چرچا ہو گیا جنہوں نے آتے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ نے فوراً مدینہ کے بہت سے دیگر افراد کو ساتھ لیا اور بصرہ، کوفہ اور مصر کے وفود سے الگ الگ ملاقات کی۔ اور ان سے پوچھا کہ جب تم واپس چلے گئے تھے دوبارہ کیوں آ گئے ہو؟ تو تینوں وفود نے یہ جواب دیا کہ واپس جاتے ہوئے راستہ میں ہمیں امیر المومنین کا ایک ایلچی ملا، ہم نے اس کی جامہ تلاشی لی تو اس سے امیر المومنین کا ایک خط برآمد ہوا جس میں مصر کے گورنر کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ مصری وفد کے سرغنہ کو قتل کر دو۔ بصرہ اور کوفہ کے لوگوں نے کہا کہ ہم بھی یہ حکم نامہ دیکھ کر اپنے مصری بھائیوں کی مدد کے لئے آ گئے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ بیان سرتاپا جھوٹا ہی تھا اور آپس کے ایک سمجھوتے پر مبنی تھا۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ اے بصرہ اور کوفہ کے لوگو! تم تو واپسی کے وقت مصریوں سے کوسوں آگے نکل چکے تھے، پھر اچانک تم پیچھے ہماری طرف کیوں مڑے؟ اگر مصر کے وفد نے واقعی امیر المومنین کا کوئی ایلچی اور حکم نامہ پکڑا بھی ہے تو تمہیں اس کا علم کیسے ہوا؟ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ سارا منصوبہ تم نے اسی وقت بنا لیا تھا جب تم یہاں آئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس معقول جرح سے باغی لاجواب ہو گئے اور کھسیانے ہو کر بولے "اچھا جیسا آپ سمجھیں" اور محاصرے پر ڈٹے رہے۔

امیر المومنین سے ملاقات

محاصرہ شروع میں قدرے نرم تھا امیر المومنین مسجد میں آتے جاتے اور امامت کراتے تھے اور باغی بھی آپ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ پھر ایک دن اس گروہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور محمد بن مسلمہ سے درخواست کی کہ وہ ان کی موجودگی میں خلیفہ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں چنانچہ ظہر کے بعد ان حضرات کی معیت میں یہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے لیکن اس طرح سلام نہیں کیا جس طرح ایک خلیفہ کو کرنا چاہئے تھا۔ گفتگو شروع ہوئی تو انہوں نے گورنر مصر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور دیگر علاقوں کے گورنروں کی معزولی

Marfat.com

اور اپنے پسندیدہ آدمیوں کو گورنر مقرر کرنے کا مطالبہ کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ فرما کر یہ مطالبہ مسترد کر دیا کہ اگر میں تمہاری مرضی سے گورنر معزول اور مقرر کرنے لگوں تو پھر اقتدار تمہارے ہاتھوں میں ہوگا نہ کہ میرے ہاتھوں میں۔ اس پر باغیوں نے کہا، ہم پہلے بھی آئے تھے اور ہماری شکایات رفع کرنے کا وعدہ کر کے ہمیں مطمئن کیا گیا تھا چنانچہ ہم واپس چلے گئے تھے لیکن راستے میں ہمیں آپ کا ایلچی ملا، جس کے ذریعے آپ گورنر مصر کو ہمارے قتل کا حکم دے رہے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ سن کر حیران رہ گئے اور قسم کھا کر اس سے مکمل لاعلمی کا اظہار کیا لیکن باغی اصرار کر کے کہنے لگے کہ آپ خلافت سے مستعفی ہو جائیں۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں وہ قمیض ہرگز نہ اتاروں گا، جو مجھے اللہ نے پہنائی ہے۔

مصری وفد کہنے لگا کہ ہم اس وقت تک نہیں لوٹیں گے جب تک ہم آپ کو خلافت سے برطرف یا قتل نہ کر دیں، اگر آپ کے ساتھیوں نے مزاحمت کی تو ہم ان سے جنگ کریں گے۔ امیر المومنین نے جواب دیا مجھے قتل ہو جانا منظور ہے لیکن خلافت سے دستبردار نہیں ہوں گا۔ باقی تمہارا یہ کہنا کہ تم میرے ساتھیوں سے جنگ کرو گے تو میں کسی شخص کو اپنی طرف سے جنگ کرنے کا حکم نہیں دیتا، اب گفتگو ختم ہو گئی اور سب رخصت ہو گئے اور محاصرے میں شدت پیدا ہو گئی۔

مسجد نبوی ﷺ میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ پر پتھراؤ

اگلے جمعہ کے روز امیر المومنین جمعہ کی نماز کے لئے مسجد نبوی میں تشریف لے گئے جہاں مصری باغیوں کا وفد بھی موجود تھا۔ نماز کی امامت حسب معمول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہی کرائی۔ بعد میں آپ منبر پر تشریف لے آئے اور باغیوں کی طرف روئے سخن کر کے فرمایا:

> "دشمنو! خدا کے قہر و غضب سے ڈرو مدینہ والے خوب جانتے ہیں کہ تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان میں ملعون ہو، تم لوگوں نے جو خطائیں کی ہیں کسی اچھے کام سے ان کی تلافی کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے کہ وہ نیکیوں کے ذریعے گناہوں کو ختم کرتا ہے"۔

مسجد کے ایک کونے سے محمد بن مسلمہ بولے "بالکل سچ فرمایا آپ نے، میں اس

Marfat.com

کا گواہ ہوں''۔

محمد بن مسلمہ کا یہ کہنا تھا کہ مصریوں نے پتھراؤ شروع کر دیا، اس پتھراؤ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی زخمی ہو کر بے ہوش ہو گئے، اسی حالت میں آپ کو گھر پہنچایا گیا۔ صحابہ کرامؓ میں سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، سعد بن مالک رضی اللہ عنہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حسن بن علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضراتِ جو موجود تھے انہوں نے مصریوں سے لڑنے کا ارادہ کیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو صحابہ کو تاکیداً کہلا بھیجا کہ مصریوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عیادت اور اس واقعہ پر اظہارِ افسوس کے لئے آئے۔

گورنروں اور امراء عساکر سے امداد طلبی

یہ واقعہ واضح ثبوت تھا کہ مصری لوگ فتنہ وفساد پیدا کرنے کی قسم کھا چکے ہیں اسی لئے اب ان کے لئے کسی اور تدبیر کو اختیار کرنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ امیر المومنین نے گورنروں اور امراء فوج کو خط لکھ کر صورت حال سے مطلع کیا اور امداد طلب کی لیکن اس امداد کا مقصد جنگ اور قتل وقتال ہرگز نہیں تھا کیونکہ امیر المومنین ایک لمحہ کے لئے اس کے روادار نہیں ہو سکتے تھے کہ ان کی وجہ سے کسی ایک مسلمان کا بھی خون بہے بلکہ مقصد صرف یہ تھا کہ یہ سب لوگ آئیں گے تو باغی جان بچانے کی غرض سے خوف زدہ ہو کر خود بخود بھاگ جائیں گے۔ بہر حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بعض معاملات کی وجہ سے فوراً روانہ نہ ہو سکے البتہ شام سے حبیب بن مسلمہ الفہری رضی اللہ عنہ اور بصرہ سے مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ السلمی لوگوں کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ روانہ ہوئے لیکن یہ حضرات مدینہ سے تین میل دور مقام ربذہ پہنچے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی۔ (کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۷۰)

شہروں کے مسلمانوں کے نام ایک گشتی مراسلہ

مذکورہ بالا خط کے علاوہ مختلف شہروں کے لوگوں کے نام بھی گشتی مراسلہ بھیجا گیا، جس کا مقصد باغیوں کو یہ دکھانا اور باور کرانا تھا کہ صرف تم چند لوگ ہو جو شورش برپا کیے ہوئے ہو ورنہ مسلمانوں کی عظیم اکثریت جس میں اکابر صحابہ بھی شامل ہیں دل سے حضرت

Marfat.com

عثمان رضی اللہ عنہ کے وفادار ہیں۔اس مراسلہ کا مضمون یہ تھا:

''اللہ عزوجل نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا، آپ ﷺ نے خدا کے احکام لوگوں تک پہنچائے جب اپنا فرض ادا کر چکے تو آپ ﷺ دنیا سے رخصت ہو گئے اور اپنے پیچھے ایک کتاب چھوڑ گئے جس میں حلال اور حرام اور جو امور مقدر ہیں ان سب کا بیان ہے۔آپ ﷺ نے ان چیزوں کو لوگوں کی پسند اور ناپسند سے بے نیاز ہو کر نافذ کیا۔آپ ﷺ کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور پھر مجھ کو اہل شوریٰ میں داخل کیا گیا حالانکہ میں نے اس کو نہ طلب کیا تھا اور نہ مجھے اس کا علم ہی تھا۔پھر اہل شوریٰ نے سب مسلمانوں کی موجودگی میں مجھ کو خلافت کے لئے منتخب کیا حالانکہ مجھ کو نہ اس کی رغبت تھی اور نہ میں نے اس کی خواہش کی تھی۔خلیفہ بننے کے بعد میں نے معروف پر عمل کیا، منکر پر عمل نہیں کیا۔میں اپنے کاموں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین رضی اللہ عنہما کا پیروکار رہا ہوں اور خود متبوع نہیں بنا۔انتہا کو پہنچ گئے اور شر نے شرپسندوں پر غلبہ پالیا تو بغیر کسی سبب کے لوگ آپ میں کینہ اور دشمنی میں مقتدی رہا ہوں مبتدع نہیں ہوا۔لیکن جب معاملات رکھنے لگے ان مفسدین نے خواہ مخواہ میری عیب جوئی شروع کر دی اور جو اُن کے جی میں آیا اس کا مجھ پر الزام لگانے لگے۔میں نے اس پر صبر کیا حالانکہ میں سب کچھ دیکھتا اور سنتا تھا۔لیکن برسوں تک میں ان کی حرکات کو نظر انداز کرتا رہا لیکن اب ان کی جرأت اور جسارت حد سے زیادہ ہو گئی ہے یہاں تک کہ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے پڑوس، حرم مدینہ اور دارالہجرت میں مجھ پر حملہ کیا اور بہت سے اعراب ان کے ساتھ ہو گئے ہیں۔یہ درحقیقت ان قبیلوں کی طرح ہیں جن سے غزوۂ احد میں ہم کو واسطہ پڑا تھا، اسی لئے اب میں کہتا ہوں کہ آپ لوگوں میں جس جس کے لئے ممکن ہو وہ میرے پاس پہنچ جائے۔''

(طبری ج ۴ ص ۳۵۱، ۳۵۲)

شہروں میں عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کا یہ خط پڑھ کر سنایا گیا تو لوگوں میں بڑا جوش پیدا ہو گیا۔شام سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حبیب بن مسلمہ الفہری کو اور مصر سے عبداللہ بن سعد ابن ابی سرح نے معاوہ بن حدیج السکونی کو روانہ کیا۔اہل کوفہ کی طرف سے قعقاع ابن عمر رضی اللہ عنہ نکلے اور ان کے علاوہ کوفہ، بصرہ اور مصر میں جو صحابہ، تابعین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

کے وفادار اور حامی تھے مدینہ جانا چاہتے تھے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ان تینوں شہروں سے امراءِ فوج اپنے اپنے دستوں کے ساتھ جا رہے ہیں تو ان حضرات نے مدینہ جانے کا ارادہ چھوڑ دیا۔

محاصرہ میں شدت

کم وبیش ایک ماہ تک باغی گروہ پڑاؤ ڈالے پڑا رہا اس اثناء میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسجد میں آتے جاتے اور نماز پڑھاتے تھے۔ لیکن اب باغیوں نے آپ کو مسجد میں آنے جانے سے بھی روک دیا اور ان کا اپنا امیر غافقی امامت کرنے لگا۔ چنانچہ اب محاصرہ اتنا شدید ہو گیا کہ مکان کے اندر سے کوئی شخص باہر اور باہر کا کوئی آدمی اندر نہیں جا سکتا تھا۔ یہاں تک کہ کاشانۂ خلافت میں پانی بھی بند کر دیا گیا۔ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو علم ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد کے لئے روانہ ہوئیں لیکن باغیوں نے نہیں جانے دیا۔ ام المومنین کے ساتھ بڑی گستاخی سے پیش آئے اور آپ کی سواری کے خچر کو زخمی کر کے گرا دیا، چند آدمی جو موقع پر موجود تھے انہوں نے آپ کو وہاں سے نکالا۔ (ایضاً ص ۳۸۶)

ایک روایت کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے مکان کی چھت پر چڑھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آواز دی، حاضرین نے جواب دیا کہ موجود نہیں ہیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ خاموش ہو کر نیچے چلے گئے۔ کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مطلع کیا آپ نے ایک آدمی امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا کہ جا کر دریافت کرے کہ ان کے لائق کیا خدمت ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ باغیوں نے پانی روک رکھا ہے، میرے فرزند اور دیگر عزیز شدید پیاسے ہیں اگر ہو سکے تو پانی بھجوایئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باغیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جو معاملہ تم کر رہے ہو نہ مومنوں کا طریق کار ہے نہ کافروں کا، اور فارسی اور رومی بھی قیدیوں کو کھانا اور پانی دیتے ہیں۔ اللہ کی قسم عثمان رضی اللہ عنہ کا پانی بند نہ کرو۔ لیکن باغیوں نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پانی کی مشک لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہنچے تو باغیوں نے زبردستی آپ سے مشک چھین لی اور پانی ضائع کر دیا۔ باغیوں کے اس انسانیت سوز سلوک کی ایک وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا جو دو خطوط لکھے تھے باغیوں کو ان کا علم ہو گیا۔

Marfat.com

علاوہ ازیں حج کے ایام بھی ختم ہونے کے قریب آ رہے تھے اس لئے ان لوگوں نے سوچا کہ امداد اور حاجیوں کی آمد سے پہلے پہلے انہیں اپنے منصوبہ کی تکمیل کر لینی چاہئے ورنہ ان کو اپنی کامیابی کی کوئی امید نہیں ہو سکتی اسی بنا پر باغیوں نے اب محاصرہ شدید کر دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ گھر میں مقید ہو کر رہ گئے۔ اسی حالت میں باغیوں نے گھر میں گھس آنے کی کوشش کی لیکن کاشانۂ خلافت پر چھ سو کے لگ بھگ جاں نثار پہرہ دے رہے تھے جن میں اکابر صحابہ و تابعین کے ساتھ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ انہوں نے باغیوں کو اندر نہیں آنے دیا۔ (کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۴۷)

امارت حج کے لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی نامزدگی

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ جب سے خلیفہ ہوئے تھے بحیثیت امیر المومنین ہر سال حج کی طرف تشریف لے جاتے اور جیسا کہ گزر چکا ہے اس موقع پر تمام عمال کو بھی بلا کر ایک ایک سے اس کے صوبہ کے حالات دریافت کرتے، عوام سے ان کے دکھ درد معلوم کرتے اور اس طرح مملکت اسلامیہ کے تمام احوال و ظروف سے باخبر رہتے۔ آپ کی فرض شناسی کا یہ عالم تھا کہ اس مرتبہ حج کو نہیں جا سکتے تھے تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے فرمایا: "اس مرتبہ تم میری طرف سے حج کو چلے جاؤ"۔ انہوں نے جواب دیا، "ان باغیوں سے جہاد کرنا میرے نزدیک حج کرنے سے زیادہ پسندیدہ و محبوب ہے"۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا اور قسم دی تو آخر راضی ہوئے اور حج کو گئے۔

(کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۷۴)

امیر المومنین کا مفسدین کو خطاب

باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گھر میں مقید کر دیا تو ایک دن اتمام حجت کے خیال سے آپ نے بالائے بام سے باغیوں کو خطاب کیا اور فرمایا:

"میں تم لوگوں سے قسم دے کر پوچھتا ہوں، سچ کہو کیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر بئر رومہ خرید کر اس کا پانی تمام مسلمانوں کے لئے وقف نہیں کر دیا تھا؟ سب نے کہا، ہاں! پھر فرمایا مسجد نبوی تنگ تھی، اس میں سب نمازی نہیں سما سکتے تھے تو کیا

Marfat.com

میں نے اس کی ملحقہ زمین خرید کر اس کی توسیع نہیں کی؟ پھر فرمایا جب جیش عسرہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امداد کی اپیل کی تو کیا اس وقت میں نے جیش عسرہ کی مکمل تیاری کا بندوبست نہیں کیا تھا؟ اور کیا اس پر مسرت فرما کر حضور ﷺ نے مجھ کو جنت کی بشارت نہیں دی تھی؟ سب ایک آواز ہو کر بولے، ہاں! حضور ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا، اے اللہ تو گواہ رہ! ایک روایت کے مطابق آپ نے یہ بھی فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ ایک مرتبہ جب حرا پہاڑ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر اور میں ہم تینوں کھڑے تھے اور پہاڑ لرزنے لگا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، اے حرا ٹھہر! اس وقت تیری پشت پر ایک نبی ہے ایک صدیق ہے اور ایک شہید ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زور دے کر پوچھا، لوگو بتاؤ کیا رسول اللہ نے یہ نہیں فرمایا تھا؟ سب نے بیک آواز کہا، ہاں بے شک"۔

(موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان، حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، از صفحہ ۵۳۶ تا ۵۴۳)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مقصد اس تقریر سے باغیوں کے ضمیر کو بیدار کر کے انہیں یہ سوچنے پر آمادہ کرنا تھا کہ وہ کس کے ساتھ یہ معاملہ کر رہے ہیں، لیکن ان کا ضمیر مردہ ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہر سوال کا جواب اثبات میں دینے کے باوجود اپنے موقف پر قائم رہے یعنی یہ کہ امیر المومنین خلافت سے دستبردار ہوں ورنہ قتل کر دیئے جائیں گے۔ یہ بھی فرمایا اگر تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو تو اس کے جواز کی دلیل کیا ہے؟ میں نے اسلام سے پہلے بھی نہ کبھی شراب پی نہ کبھی زنا کیا اور نہ کسی کو قتل کیا اگر تم نے مجھ کو قتل کر دیا تو پھر اس کے بعد کبھی تم میں باہم محبت نہ ہو گی اور ہمیشہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہو گے اور تمہاری اجتماعیت ختم ہو جائے گی۔ (طبری ج ۴ ص ۳۷۲)

لیکن ان لوگوں پر ذرا اثر نہیں ہوا۔ اس وقت صورت حال بڑی عجیب وغریب اور ساتھ ہی نہایت ہی خطرناک اور تشویش انگیز تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک طرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے جاں نثاروں سے فرما چکے تھے کہ وہ کسی حالت میں بھی کسی شخص کو ان کی طرف سے باغیوں سے جنگ کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ کاشانۂ خلافت میں جو جاں نثار بتعداد کثیر موجود تھے ان کی بار بار کی درخواست کے باوجود ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ باغیوں کو اس طرف سے تو اطمینان تھا ہی، دوسری طرف حج ختم ہونے

Marfat.com

والا تھا اور اہل مدینہ اور دوسرے اصحاب کی آمد متوقع تھی اس بنا پر باغیوں نے چاہا کہ وہ محاصرہ کو شدید سے شدید تر کر کے امیر المومنین پر زیادہ سے زیادہ دباؤ ڈالیں اور اس طرح آپ سے خلافت سے دستبرداری کا اعلان کرائیں، عدم دستبرداری کی صورت میں قتل کر دینے کا منصوبہ طے شدہ تھا۔

مقابلہ کے لئے جانثاروں کی اجازت طلبی

اسی اثنا میں خبر پہنچی کہ عراق کی کمک مدینہ کے قریب اور شام کی کمک وادی القریٰ کے نزدیک پہنچ گئی ہے۔ اس وقت ابن سعد کے بیان کے مطابق محاصرہ کرنے والوں کی تعداد نو سو کے لگ بھگ تھی۔ جن میں چھ سو مصری تھے دو سو کوفہ اور بصرہ کے لوگ تھے۔ مصریوں کے قائد عبدالرحمٰن بن عدلیس، کنانہ بن بشر الکندی اور عمرو بن الحمق الخزاعی تھے۔ کوفیوں کا سردار اشتر نخعی تھا اور بصری گروہ حکیم بن جبلۃ العبدی کی زیر امارت تھا۔ کاشانۂ خلافت میں جو حضرات مجتمع تھے ان کی تعداد سات سو تھی اب عراق اور شام کی امدادوں کے مدینہ کے قریب پہنچ جانے کی خبر اڑی تو دونوں طرف سخت ہیجان اور جوش کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ زید بن ثابت حضرت عثمان ؓ کے پاس آئے اور بولے انصار دروازہ پر حاضر ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ ہم دوبارہ انصار بننے کے لئے حاضر ہیں۔ حضرت عثمان ؓ نے فرمایا اگر مقصد جنگ کرنا ہے تو میں اجازت نہیں دوں گا۔ ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں: ''میرا سب سے بڑا معاون اور مددگار وہ شخص ہوگا جو اپنا ہاتھ اور ہتھیار روکے رہے''۔ ابوہریرہ ؓ آئے انہوں نے کہا، حضرت جنگ کی اجازت ہے؟ امیر المومنین نے فرمایا: ''ابوہریرہ ؓ کیا تم اس کو پسند کرو گے کہ تم مجھ کو اور سب لوگوں کو تہ تیغ کر دو، انہوں نے جواب دیا نہیں۔ آپ نے پھر فرمایا اگر تم نے ایک آدمی بھی قتل کیا تو گویا سب کو ہی قتل کر دیا۔ اسی سلسلہ میں عبداللہ بن زبیر ؓ حاضر ہوئے اور زور ڈال کر حضرت عثمان ؓ سے عرض کیا: ''آپ باغیوں سے جنگ کیجئے۔ خدا کی قسم اللہ نے آپ کے لئے ان لوگوں سے جنگ کرنا حلال کر دیا ہے''۔ لیکن حضرت عثمان ؓ نے ان کو بھی وہی جواب دیا اور جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۴۸، ۴۹)

حضرت مغیرہ بن شعبہ کا مشورہ

حضرت مغیرہ بن شعبہ بھی آئے اور بولے، آپ امت کے امام اور خلیفہ برحق ہیں۔ جو صورت حال اس وقت درپیش ہے اس کے پیش نظر صرف تین صورتیں ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک اختیار فرمایئے، ایک یہ کہ آپ کے پاس طاقت کافی ہے اس کو لے کر نکلئے اور دشمنوں کا مقابلہ کیجئے۔ آپ حق پر ہیں اور وہ باطل پر۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کاشانۂ خلافت کے صدر دروازہ پر باغیوں کا ہجوم ہے اس کو چھوڑ کر ہم عقب میں ایک دروازہ بنائے دیتے ہیں آپ اس سے نکل کر سواری پر بیٹھ کر مکہ مکرمہ چلئے وہاں حرم میں لوگ جنگ نہ کریں گے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ عقب دروازہ سے نکل کر شام چلئے وہاں معاویہ رضی اللہ عنہ موجود ہیں اور شام کے لوگ وفادار بھی ہیں۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان تینوں صورتوں میں سے کسی پر راضی نہیں ہوئے اور فرمایا میں مقابلہ نہیں کروں گا کیونکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ پہلا خلیفہ بننا گوارہ نہیں کر سکتا جس کے ہاتھوں امت میں خون ریزی کا آغاز ہوا ہو۔ میں مکہ میں بھی نہیں جاؤں گا کیونکہ یہ خودسر وہاں بھی خونریزی سے باز نہ آئیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی ہے کہ قریش کا ایک شخص مکہ کی حرمت اٹھائے گا، میں وہ شخص بننا برداشت نہیں کروں گا۔ رہا شام جانا تو وہاں کے لوگ ضرور وفادار ہیں اور معاویہ بھی وہاں ہیں لیکن جوارِ رسول اور دارالہجرت سے جدائی اور دوری کس طرح منظور کر سکتا ہوں؟

(مسند احمد بن حنبل ج ا ص ٦٧)

شہادت کی تیاری

اب جتنا وقت گذرتا جاتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد پیشگوئیوں کے باعث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی شہادت کا یقین ہوتا جاتا تھا اور آپ نے اس کی تیاری شروع کر دی تھی۔ چنانچہ جمعہ کا دن آپ نے روزہ رکھا تھا اسی حالت میں غشی کی سی کیفیت ہوگئی اس سے افاقہ ہوا تو فرمایا کہ میں نے نیم خوابی کے عالم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے، فرماتے ہیں کہ عثمان! آج کا روزہ تم ہمارے ساتھ افطار کرنا۔ روزہ کے علاوہ آپ نے بیس غلام آزاد کئے اور ایک پائجامہ جو آپ نے کبھی استعمال

Marfat.com

نہیں کیا تھا اسے زیب تن فرمایا۔

شہادت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے جاں نثاروں کو تاکیداً ہتھیار اٹھانے سے منع کر ہی چکے تھے، لیکن باغیوں نے کمک کے آنے کی خبر سنی تو غصہ سے بدحواس ہو گئے۔ کاشانۂ خلافت کے دروازے کی طرف بڑھے اور آگ لگا دی، اندر جو حضرات موجود تھے وہ باہر نکل آئے اور طرفین میں خوب نبرد آزمائی ہوئی جس میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور مروان بن الحکم کو شدید ضربات پہنچیں اور کچھ لوگ کھیت بھی رہے۔ (طبری ج۴ص ۳۸۲)

کاشانۂ خلافت کے پڑوس میں عمرو بن حزم کا مکان تھا اس مکان کی ایک کھڑکی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان میں کھلتی تھی طرفین میں یہ نبرد آزمائی ہو ہی رہی تھی کہ محمد بن ابی بکر اور اس کے چند ساتھی اس کھڑکی میں چھلانگ لگا کر کاشانۂ خلافت میں گھس آئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت روزہ سے تھے، عصر کے بعد کا وقت تھا، آپ کی بیوی نائلہ آپ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے قرآن مجید کھلا ہوا تھا اور آپ اس کی تلاوت کر رہے تھے۔ اس عالم میں محمد بن ابی بکر نے لپک کر امیر المومنین کی داڑھی پکڑ لی اور حد درجہ بدکلامی کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا، بھتیجے داڑھی چھوڑ دے۔ اگر آج تیرا باپ زندہ ہوتا تو وہ ہرگز اس کو پسند نہ کرتا۔ محمد بن ابی بکر بولے، میں تو آپ کے ساتھ اس سے بھی زیادہ سخت معاملہ کرنے والا ہوں۔ اس نے یہ کہا اور ہاتھ میں پکڑا ہوا خنجر امیر المومنین کی پیشانی میں پیوست کر دیا۔ پیشانی سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا، جس سے ریش مبارک تر بتر ہو گئی، امیر المومنین کی زبان سے بے ساختہ نکلا "بسم اللہ توکلت علی اللہ" اور آپ بائیں کروٹ ہو گئے۔

قرآن مجید آپ کے سامنے کھلا تھا اور سورۂ بقرہ کی تلاوت کر رہے تھے۔ پیشانی سے نکل کر خون داڑھی پر آیا اور وہاں سے ہوتا ہوا قرآن مجید پر بھی بہنے لگا۔ یہاں تک کہ آیت "فسیکفیکهم الله وهو السمیع العلیم" پر پہنچ کر خون رک گیا اور قرآن بند ہو گیا۔

اسی اثناء میں کنانہ بن بشر بن عتاب نے لوہے کی ایک لاٹ اس زور سے ماری کہ عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ چکرا کر پہلو کے بل گر پڑے۔اب سودان بن حمران نے تلوار کا وار کیا اور عمرو بن الحمق نے سینہ پر بیٹھ کر نیزہ سے مسلسل کئی بار حملے کیے تو عالم اچانک تیرہ وتار ہو گیا اور حلم و حیا، صدق و صفا کے چمنستان میں خاک اڑنے لگی، یعنی ثالث خلیفہ راشد، امیر المومنین عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ کی روح پُرفتوح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کی بیوی نائلہ رضی اللہ عنہا نے آپ پر جھک کر سودان بن حمران کی تلوار کا وار ہتھیلی پر لیا تو انگلیاں اڑ گئیں، اس کے بعد گھر میں غارت گری شروع کر دی گئی جس کے ہاتھ جو چیز آئی اسے لے کر چل دیا۔

Marfat.com

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

والد کا نام ونسب

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد کا نام عبد مناف اور ان کی کنیت ابو طالب تھی۔ سلسلہ نسب یوں ہے علی بن ابو طالب (عبد مناف) بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن مالک بن کنانہ۔

عزوشرف

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد ابو طالب عبد مناف اور حضور ﷺ کے والد حضرت عبد اللہ حقیقی بھائی تھے۔ ابو طالب عبد مناف، عبد اللہ اور زبیر عبد المطلب کے تینوں بیٹے فاطمہ بنت عمرو بن عائذ کے بطن سے تھے۔ (البدایہ ج ۲ ص ۲۸۲)

والدہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ فاطمہ بنت اسد تھیں۔ یہ پہلی ہاشمی خاتون ہیں جن کی شادی ہاشمی خاندان میں ہوئی۔ اس طرح آپ نجیب الطرفین ہاشمی ٹھہرے۔ آپ رضی اللہ عنہا مشرف بہ اسلام ہوئیں اور مدینہ منورہ میں آپ کی وفات ہوئی۔

فاطمہ بنت اسد کی وفات ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے ان کے کفن دفن کے انتظامات فرمائے اور اپنا قمیض مبارک ان کے کفن میں شامل فرمایا اور قبر تیار ہونے کے بعد پہلے خود قبر میں داخل ہوئے۔

(اسد الغابہ تحت فاطمہ بنت اسد)

Marfat.com

برادران اور خواہرات

ابو طالب کے چار فرزند تھے۔ طالب، عقیل، جعفر اور علی۔ نسب قریش میں ہے کہ چاروں بیٹوں کی پیدائش کے دوران دس دس برس کا وقفہ تھا۔ عقیل کے ایک بیٹے کا نام یزید تھا جس کی وجہ سے ان کی کنیت ابو یزید تھی۔ (طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۲۹)

طالب غزوۂ بدر میں کفار کی جانب سے تھے اور کفر پر موت آئی۔ باقی تینوں بھائی اسلام سے مشرف ہوئے۔ عقیلؓ نے صلح حدیبیہ کے بعد، جعفرؓ نے ابتدائی بیس آدمیوں میں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ (طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۲۹)

بہنیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہنیں دو تھیں۔ ام ہانی، فاختہ بنت ابو طالب اور جمانیہ بنت ابو طالب۔

ولادت

حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ آپ کی ولادت شعب بنو ہاشم میں ہوئی۔ (الاصابہ ابن حجر، ج ۴ ص ۱۶۴)

آپ کی ولادت کے بارے علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے کعبہ میں آپ کی ولادت کا قول نقل کیا ہے لیکن علماء کی اکثریت نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ تاہم ولادت کعبہ کے قول کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی یہ کوئی نئی بات نہیں۔ حضرت خدیجہؓ کے بھانجے حکیم بن حزام بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کئی سال پہلے کعبہ میں پیدا ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی کسی حدیث نے کعبہ کی پیدائش کو عظمت کا حامل قرار نہیں دیا۔ یہ ایک اتفاقی واقعہ ہے کیونکہ خانہ کعبہ عبادت خانہ ہے ولادت خانہ نہیں۔

سن ولادت اور نام

حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے تیس سال بعد پیدا ہوئے۔ ولادت کے بعد آپ کی والدہ نے آپ کا نام اسد اور ابو طالب نے علی رکھا۔ آپ کے

القاب اسد اللہ، حیدر، المرتضیٰ ہیں۔ کنیت ابوتراب مشہور ہوئی۔

تربیت

حضرت علی رضی اللہ عنہ دو سال کی عمر میں آنحضرت ﷺ کے گھر آئے اور یہیں آپ کی تربیت ہوئی۔ جب آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ کی عمر ۲۹ سال تھی۔

قبولِ اسلام

آپ رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے نابالغ افراد میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا، اور ہر مشکل گھڑی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نبھایا۔

ہجرت

آنحضرت ﷺ کی زندگی کا مشکل ترین دور بعثت کے بعد ۱۳ سالہ مکی دور تھا۔ اس دور میں آپ ؐ پر مصائب کے جھکڑ آئے، مشکلات کی وادی میں آپ کو صحابہ کرامؓ سمیت اتارا گیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جانگسل عواقب اور المناک تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کا حکم ہوا۔ اس موقع پر آپ ؐ نے جس رات مکان سے ہجرت کا آغاز کیا وہ بھی تاریخ اسلام کا انوکھا عنوان ہے۔ شبِ ہجرت آپ ؐ نے اپنے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سلایا۔ لوگوں کی امانتیں بھی آپ ؐ کے سپرد کیں اور آپ ؐ خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کے گھر سے ساتھ لے کر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق مکہ مکرمہ تین روز قیام کرنے کے بعد مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ پہنچے اس وقت آپ ؐ قبا میں ہدم بن کلثوم کے مکان پر قیام پذیر تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہیں سے آپ کے قافلے میں شریک ہو گئے۔

(البدایہ ج ۳ ص ۱۷۷)

مؤاخات

جب آنحضرت ﷺ مکہ سے مدینہ منورہ پہنچے تو آپ نے ایک خصوصی حکمت عملی کے تحت دو دو آدمیوں میں مؤاخات قائم کی۔ یہ برادرانہ ربط معاشی اور معاشرتی اتار چڑھاؤ

Marfat.com

کو ختم کرنے کے لئے بہت مفید ثابت ہوا۔ مہاجرین اور انصار میں یہ ربط جب قائم ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مؤاخات سہل بن حنیف انصاری کے ساتھ ہوئی۔ (از خطیب بغدادی ص ۷۰)

غزوۂ بدر میں شرکت

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ غزوۂ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں شرکت فرمائی، آپؓ نے نہایت جرأت وبسالت اور اعلیٰ شجاعت کے تاریخی کارنامے سرانجام دیئے۔ جس سے اسلام کی تاریخ روشن ہے۔

آنحضرت ﷺ نے جنگ اُحد میں ابتدائی مبارزت میں جن تین افراد کو سب سے پہلے میدان میں اترنے اور بالمقابل موجود لوگوں کو ناکوں چنے چبوانے کا حکم دیا ان میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تیسرے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ آپ نے تمام جنگوں بالخصوص اُحد اور خیبر میں شجاعت و بہادری کے ایسے ایسے جوہر دکھائے جو اسلامی تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھے ہوئے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جرأت و بسالت تاریخ اسلام میں درخشندہ آئینہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

(البدایہ ج ۳ ص ۲۷۳۔ از سیرت علی المرتضیٰؓ مولانا محمد نافع صاحب)

حضرت علیؓ کا حضرت سیدہ فاطمہؓ سے نکاح اور زوجین کی عمر

ماہِ رجب ۲ ہجری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آنجنابؐ نے کر دیا تھا اور نکاح کا مہر چار صد مثقال مقرر کیا گیا۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر اکیس (۲۱) یا چوبیس (۲۴) برس کی تھی اور حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی عمر علی الاختلاف پندرہ، اٹھارہ یا اُنیس سال کے قریب تھی۔

(شرح مواہب الدنیہ ج ۲ ص ۳)

مجلس نکاح

انعقاد نکاح کے لئے یہ بابرکت اجتماع بالکل سادہ، تکلفاتِ زمانہ سے مبرا اور رسوماتِ مروجہ سے خالی تھا۔ اس مبارک نکاح کی تقریب میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدنا

Marfat.com

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل تھے اور شاہدِ نکاح تھے۔ مسلم علماء وشیعہ ذاکرین دونوں نے ان بزرگوں کی شمولیت وشہادت نکاح کودرج کیا ہے اور خطبہ نکاح جناب نبی اکرم ﷺ نے پڑھا۔

(ذخائر العقبیٰ المحب الطبری ص ۳۰ باب ذکر تزویج فاطمہؓ)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے دور میں

نبی اقدس ﷺ کے وصال کے بعد ''صدیقی عہد'' اسلام میں سب سے اعلیٰ دور ہے۔ اس وقت احیائے دین اور بقائے ملت کے استحکام کی شدید ضرورت تھی۔ ان اہم مراحل میں دیگر صحابہ کرامؓ کے ساتھ ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ ان میں سے یہاں ہم نے یہ چند ذکر کردی ہیں، مثلاً

(۱) مرکز اسلام ''مدینہ طیبہ'' کی نگرانی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا کردار (۲) مقام ذوالقصہ کی طرف خلیفہ اول کا اقدام اور علوی تعاون۔ (۳) خلیفہ کے ساتھ علوی روابط (۴) تقسیم اموال وغنائم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تولیت (۵) اہم دینی مسائل میں آپ سے مشاورت (۶) دیگر انتظامی امور میں مشاورت (۷) تدوینِ قرآن کے کارنامے کی تائید وتوثیق (۸) اموالِ غنائم کا حصول اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کنیزوں کا قبول کرنا۔

حضرت علیؓ خلفاء ثلاثہؓ کے ادوار میں تمام اہم امور میں خلفاء کے ساتھ

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ صدیقی دور میں اسلام کے تمام اہم امور میں خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے اور ان سے پوری طرح متفق رہے اور ان کے کارناموں میں ان کے ساتھ متحد ومتعاون رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قولی وفعلی زندگی عہد صدیقی میں واضح طور پر شہادت دیتی ہے کہ اس دور کے تمام دینی وانتظامی مسائل بالکل درست تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ان کے ساتھ کاملاً اتفاق تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت ان کے نزدیک باطل نہیں تھی، برحق تھی۔ جو حضرات، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان اقوال و افعال کو تقیہ پر محمول کرتے ہیں اور مجبوری ومصلحت بینی کی زندگی قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارفع مقام کو اور ان کے اعلیٰ اخلاق وکردار کو کئی گوناگوں اعتراضات کے

Marfat.com

ساتھ داغدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ (از سیرۃ علی المرتضیٰ ص ۱۶۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نظر میں

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کا اہل سمجھتے تھے اور فرماتے تھے قاتلینِ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کی فوج میں گھسے بیٹھے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ اگر ان سے قصاص لیں تو اہل شام میں سب سے پہلے میں علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت کروں گا۔ حضرت معاویہؓ کی سیاسی بصیرت اور نظر و فکر سے کون انکار کرسکتا ہے، جب ان کے ذہن میں تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں تمام شرائطِ خلافت موجود ہیں صرف ایک مطالبہ ان کی بیعت میں حائل ہے تو اب کسے حق پہنچتا ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے بارے میں کہے کہ آپ سیاسی حیثیت سے کمزور تھے اور آپ کا سیاسی وزن نسبتاً کم تھا۔ حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابواُمامہؓ جب فریقین میں رفعِ نزاع کی کوشش کررہے تھے تو آپؓ نے انہیں کہا، حضرت علیؓ کو میری طرف سے جا کر بتلا دو کہ ''آپ کہیں کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو سزا دیں پھر پہلا میں ہوں جو اہلِ شام میں سے ان کی بیعت کرے گا''۔ آپ (حضرت معاویہؓ) جب کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے تو انہیں ابن عمی (میرے چچازاد بھائی) کہہ کر ذکر کرتے۔

جو لوگ اصطلاحاتِ عرب سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ الفاظ کس پیار کے انداز میں کہے جاتے ہیں اور یہ کس نظر و فکر کا پتہ دیتے ہیں۔

جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ میں اختلافات چل رہے تھے تو شاہِ روم نے سلطنت اسلامی پر حملے کی ٹھانی اور سمجھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میرا ساتھ دیں گے، حضرت معاویہؓ نے اُسے وہ مشہور پیغام لکھا جس کا آغاز ''او رومی کتے'' سے ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

> ''بخدا اگر تو اپنے ارادے سے باز نہ آیا اور اپنے علاقے کو واپس نہ لوٹا تو اے لعین! میں اور میرا چچا زاد بھائی (علی رضی اللہ عنہ) مل جائیں گے اور میں تجھے تیرے ملک سے نکال کر دم لوں گا اور زمین جو وسیع پھیلی ہے تجھ پر

تنگ کر دوں گا"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علم و فضل کا اقرار

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

"جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر پہنچی تو رونے لگے، آپؓ سے آپ کی بیوی نے کہا، آپ ان پر رو رہے ہیں آپ تو ان سے لڑتے رہے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا تیرا بُرا ہو تو نہیں جانتی آج لوگوں نے کس قدر علم و فضل اور فقہ کو کھو دیا ہے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ حضرت علیؓ فقہاء صحابہؓ میں سے تھے اور فقہ میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔ کیونکہ حضرت امیر معاویہؓ جو خود بڑے فقیہ تھے جب آپ حضرت علیؓ کی فقاہت کے قائل اور اس درجہ معترف ہیں تو آپ اندازہ کریں اہلِ فن کی شہادت مشہود لہٗ کی فنی شان کو کس قدر دوبالا کرتی ہے۔

حضرت علیؓ کے شاگردوں میں ضرار اسدی سے کون واقف نہیں، ضرار حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں پہنچے تو حضرت معاویہؓ نے کہا، کچھ حضرت علیؓ کے بارے میں کہیں۔ اس نے کہا آپ مجھے معاف رکھیں تو بہتر ہوگا۔ حضرت معاویہؓ نے اصرار کیا کہ تجھے کچھ نہ کچھ بتلانا ہی ہوگا۔ پھر اس نے آپؓ کے کچھ اوصاف بیان کئے اور حضرت معاویہؓ رو پڑے، یہاں تک کہ آپؓ کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ تقریباً سبھی شارحینِ نہج البلاغہ نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے:

نہایت افسوس ہے کہ کوفہ کے لوگوں نے تقیہ کا مسئلہ ایجاد کر کے علم کے اس بیش بہا ذخیرے کو یونہی ضائع کر دیا۔ ہر باب میں ان سے دو دو روایتیں چلنے لگیں۔ خود حضرت علیؓ کے شاگردوں کو بھی احساس ہو گیا تھا کہ کس قدر علم صحیح مشتبہ کر دیا گیا ہے۔

امام مسلم صحیح مسلم کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

(ترجمہ) "حضرت علیؓ کے بعد جب لوگوں نے ان کے نام سے ایسی باتیں گھڑیں تو حضرت علیؓ کے ایک شاگرد نے کہا، خدا ان لوگوں کو غارت کرے کتنا علم ان لوگوں نے فاسد کر دیا ہے۔ ان لوگوں نے آپ کے علم

Marfat.com

کو اس درجہ مشتبہ کر دیا کہ اب ان کی وہی روایات لائق اعتبار سمجھی جاتی ہیں جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کریں۔ کوفہ میں محفوظ علمی سند حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہی رہ گئی تھی۔ حضرت علیؓ کا دارالحکومت یہی کوفہ تھا۔ آپؓ جن لوگوں میں گھرے ہوئے تھے انہوں نے آپ کی طرف وہ کچھ منسوب کر ڈالا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جب ان مسائل کو دیکھتے تو صاف کہہ دیتے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ ہرگز نہ کیا ہوگا یہ تو غلط ہے۔''

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

(ترجمہ) ''حضرت علیؓ کی وہی حدیث صحیح سمجھی جاتی ہے جو آپؓ سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد سے روایت ہے۔ اس وقت اس سازش پر بحث نہیں کہ آلِ یہود نے کس بے دردی سے اس ذخیرۂ علم کو ضائع کیا۔ کہنا صرف یہ ہے کہ آپؓ کے حضرت امیر معاویہؓ جیسے شدید سیاسی مخالف نے بھی آپ کے علم و فضل کا صریح لفظوں میں اقرار کیا ہے اور یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایسا جلی وصف ہے جو ہر موافق و مخالف سے خراجِ تحسین حاصل کر رہا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپؓ واقعی بابِ علم (علم کا دروازہ) تھے۔''

حضور ﷺ سے روایت ''انا مدینۃ العلم وعلیٌّ بابھا'' یا ''انا دار الحکمۃ وعلیٌّ بابھا'' ثابت ہو نہ ہو لیکن اس حقیقت کے اعتراف سے چارہ نہیں کہ آپ واقعی علم کا دروازہ تھے۔ یہ گمان نہ کیا جائے کہ یہ صرف یکطرفہ ٹریفک تھی۔ نہیں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی کھلے طور پر کہتے تھے کہ ہم ایمان میں ان سے بڑھ کر نہیں اور وہ ایمان میں ہم سے زیادہ نہیں، معاملہ برابر کا سا ہے۔ ہمارا اختلاف صرف خونِ عثمانؓ کے بارے میں ہوا اور خدا جانتا ہے کہ ہم اس سے بری ہیں۔ اس میں یعنی ان کے قاتلوں کو پناہ دینے میں ہمارا کوئی دخل نہیں ہے۔

Marfat.com

شریف رضی (۴۰۴ھ) لکھتا ہے کہ آپؓ نے فرمایا:

ترجمہ:۔ ''ہم دونوں ایک رب اور ایک نبیؐ کے ماننے والے ہیں، اسلام میں ہم دونوں فریق کی دعوت ایک ہے۔ ہم ان سے ایمان باللہ اور تصدیقِ رسالت محمدیہ میں کسی اور چیز کے طالب نہیں اور نہ وہ ہم سے (ایمانیات میں) کسی اور چیز کا اضافہ چاہتے ہیں۔ ہمارا اور ان کا (امیر معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کا) معاملہ ایک ہے۔''

دیکھئے، حضرت علی المرتضیٰؓ نے کس دل سے اپنے آپ کو اور حضرت معاویہؓ کو ایک مقام پر لا کھڑا کیا ہے اور کس صفائی سے اپنے ایمان کو اور اہلِ شام کے ایمان کو یکساں بتلایا ہے، آپ فرما رہے ہیں کہ رسالتِ محمدیہ کا پروانہ ہونے میں ہم دونوں ایک ہیں اور ہمارا امیر معاویہؓ اور اُن کے ساتھیوں سے کوئی دینی اختلاف نہیں، اُمورِ سلطنت میں جو اختلاف ہے وہ اور نوع کا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ موقف ہم نے سرسری طور پر ذکر کیا ہے اصل موضوع یہ تھا کہ حضرت علیؓ حضرت امیر معاویہؓ کی نظر میں کیسے تھے، سو الحمدللہ اس پر ہم پہلے شہادت پیش کر چکے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب آنحضرت ﷺ کے گھر تربیت کے لئے تشریف لائے اس وقت آپ کی عمر مبارک دو سال تھی۔ وفاتِ رسولؐ کے وقت آپ ۲۹ سال کے تھے، اس طرح ۲۷ سال تک آپ نے آنحضرت ﷺ کی صحبتِ فیض سے اعلیٰ کمالات اور عمدہ صفات کا حظ وافر پایا۔ بچوں میں سب سے پہلے آپ مسلمان ہوئے، آپ اسلام کے اولین مسلمانوں میں تیسرے نمبر پر تھے۔

تمام قرآنی آیات جن میں صحابہ کرامؓ کے سابقین اور اولین گروہ کے فضائل ہیں، ان تمام سے آپؓ کی فضیلت آشکار ہو رہی ہے۔ جن لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے جنت، رضامندی اور اعلیٰ نعمتوں کی بشارت دی گئی ہے اس میں آپ براہِ راست شامل

Marfat.com

ہیں۔ ملاحظہ ہو!

ترجمہ:۔ ”جو لوگ اوّل قبول اسلام کرنے والے ہیں، سب سے پہلے ہجرت کرنے والے ہیں، سب سے پہلے مدد کرنے والے ہیں اور جو اُن کے پیروکار ہوئے نیکی کے ساتھ اللہ اُن سے راضی ہوا وہ اللہ سے راضی ہوئے، ان کے واسطے اللہ نے باغات اور بہتی نہریں تیار کر رکھی ہیں۔“ (القرآن)

اسی طرح جس آیت کریمہ میں خلافت کا وعدہ کیا گیا ہے اس میں بھی آپ براہِ راست شامل ہیں۔ علاوہ ازیں صحابہ کرامؓ کے بارے میں کامیابی و کامرانی اور رشد و ہدایت کا کھلا اعلان ہے۔ جس کے باعث یہ تمام احکامات اور اعلانات آپ کی عظمت پر شاہد ہیں۔

فضائلِ علی رضی اللہ عنہ کا مختصر خاکہ:

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ ماں اور باپ دونوں طرف سے حضور ﷺ کے رشتہ دار ہیں۔

(۲) حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کے چچا زاد بھائی اور داماد تھے۔ آنحضرت ﷺ کی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپؓ کی زوجہ تھیں۔

(۳) ہجرت کی شب آنحضرتؐ کے بستر مبارک پر آرام فرما ہوئے۔ (۴) آپؓ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

(۵) آپؓ کے بارے میں آنحضرتؐ نے فرمایا: ”علی سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں“۔

(۶) حضرت علیؓ نے آخری وقت میں آنحضرتؐ کی تیمارداری کے فرائض انجام دیئے۔

(۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ (۸) آنحضرتؐ کی خلافتِ راشدہ کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔

(۹) دیگر صحابہ کرامؓ کے ہمراہ آپ غسلِ نبویؐ کی سعادت میں شریک ہوئے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اے علی! میری اُمت میں تیری مثال عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی ہے جس کے ساتھ یہودیوں نے دشمنی میں غلو کیا اور عیسائیوں نے محبت میں غلو

Marfat.com

کیا۔ لیکن صرف مسلمانوں نے ان سے خدا کی طرف سے بیان کردہ فضیلت کے مطابق پہچانا۔ تیری وجہ سے دو گروہ گمراہ ہوں گے لیکن جو میرے طریقے پر ہوگا وہی حق پر ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت

حضرت علیؓ کا دورِ حکومت ساڑھے پانچ سال تک ۲۲ لاکھ مربع میل کے وسیع و عریض خطے تک محیط رہا۔ آپؓ کے دور میں مسلمانوں کے مابین حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے قاتلوں سے انتقام لینے کے لئے جنگِ جمل اور جنگِ صفین کے روح فرسا واقعات پیش آئے۔ تاہم حکومت و خلافتِ مصطفوی کی اصلی روح، عدل اجتماعی اور مساواتِ حقیقی خلیفہٗ چہارم کے دورِ حکومت میں مصطفوی شریعت اور خلفاءِ ثلاثہؓ کے منہاج پر قائم رہی۔ آپؓ نے خلافتِ اسلامیہ کے باب میں جس درخشندہ عہد کو فروغ دیا وہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ سے مشابہت اور مطابقت رکھتا ہے۔

قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کی چیرہ دستیاں

مسلمانوں کے باہمی اختلاف اور قاتلانِ عثمانؓ کی چیرہ دستیوں نے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے گرد گھومنے والے ایک طبقے سے بیزار کر دیا تھا۔ حضرت اسد اللہ الغالبؓ کے دورِ حکومت کے اصول و ضوابط کو سمجھنے کے لئے گورنر مصر کے نام لکھے جانے والے ایک خط پر غور کرنا ضروری ہے۔ حضرت علیؓ کی طرف سے ارسال کیا جانے والا یہ خط ایک طرف حکومتی اصولوں کا شاہکار ہے دوسری طرف خلافتِ راشدہ کے زریں عہد کا آئینہ دار ہے۔

یہ خط حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نظامِ سلطنت کا روشن آئینہ ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وصیت

ترجمہ:۔ ''یہ وہ وصیت ہے جس کو اللہ کے بندے علی امیر المومنین نے مالک اشتر کو جب اسے مصر کا گورنر بنایا روانہ کیا، تاکہ ملک کا خراج جمع کرے، اس کے دشمنوں سے لڑے، اس کے باشندوں کے فلاح و بہبود کا خیال رکھے۔ مالک کو تقویٰ اور اطاعتِ خداوندی کو مقدم رکھنے کا حکم

Marfat.com

دیا جاتا ہے، آدمی کی سعادت خدا اور رسولؐ کے فرائض وسنن کی بجا آوری میں ہے، اس سے انکار بدبختی ہے۔ رعایا میں دو قسم کے آدمی ہوں گے، تمہارے دینی بھائی یا مخلوقِ خدا ہونے کے لحاظ سے تمہارے جیسے آدمی۔ لوگوں سے غلطیاں تو ہوتی ہی ہیں جان بوجھ کے یا بھولے چوکے سے ٹھوکریں کھاتے ہی رہتے ہیں۔ تم اپنے عفو کا دامن خطا کاروں کے لئے اسی طرح پھیلا دینا جس طرح تمہاری آرزو ہے کہ خدا تمہاری خطاؤں کے لئے اپنا دامنِ عفو و کرم پھیلا دے۔ کبھی نہ بھولنا کہ تم رعایا کے افسر ہو، خلیفہ تمہارا افسر ہے اور خدا خلیفہ کے اوپر حاکم ہے۔ خلیفہ نے تمہیں گورنر بنایا ہے اور مصر کی ترقی و اصلاح کی ذمہ داری تمہیں سونپ دی ہے۔ خدا سے لڑائی نہ مول لینا کیونکہ آدمی کے لئے خدا سے کوئی بچاؤ نہیں۔ خدا کے عفو و رحمت سے کبھی بھی بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ عفو پر بھی نادم نہ ہونا۔ سزا دینے پر کبھی شیخی نہ بگھارنا، غصہ آتے ہی دوڑ نہ پڑنا، بلکہ جہاں تک ممکن ہو غصے سے بچنا اور غصے کو پی جانا۔ خبردار! رعایا سے کبھی نہ کہنا کہ میں تمہارا حاکم بنا دیا گیا ہوں اور اب میں ہی سب کچھ ہوں۔ سب کو میری تابعداری کرنی چاہئے۔ اس ذہنیت سے دل میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ دین میں کمزوری آتی ہے اور بربادی کے لئے بلاوا آتا ہے''۔

وزراء اور مشیروں کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان

''بدترین وزیر وہ ہے جو شریروں کی طرف داری کرے اور گناہوں میں ان کا ساجھی ہو۔ ایسے آدمی کو اپنا وزیر نہ بنانا۔ کیونکہ اس قسم کے لوگ گنہگاروں کے مددگار اور ظالموں کے ساتھی ہوتے ہیں۔ ان کی جگہ تمہیں ایسے آدمی مدد دیں گے جو عقل و تدبیر میں ان کے برابر ہوں گے مگر گناہوں سے ان کی طرح برے نہ ہوں گے۔ نہ کسی ظالم کی اس کے ظلم میں مدد کی ہوگی نہ کسی گنہگار کا اس کے گناہ میں ساتھ دیا ہوگا۔ یہ لوگ تمہیں کم تکلیف دیں گے۔ تمہارے بہترین مددگار ثابت ہوں گے۔ تم سے پوری ہمدردی رکھیں گے اور گناہ

سے اپنے سب رشتے کاٹ دیں گے۔ ایسے ہی لوگوں کو تم صحبتوں اور عام درباروں میں اپنا مصاحب بنانا۔

پھر یہ بھی یاد رہے کہ خاص الخاص لوگوں میں بھی وہی تمہاری نگاہوں میں سب سے زیادہ مقبول ہوں جو زیادہ سے زیادہ کڑوی بات تم سے کہہ سکتے ہوں اور ان کاموں میں تمہارا ساتھ دینے سے انکار کر سکتے ہوں جو خدا اپنے بندوں کے لئے ناپسند فرما چکا ہے۔ اہلِ تقویٰ و صدق کو اپنا مصاحب بنانا۔ انہیں ایسی تربیت دینا کہ تمہاری جھوٹی تعریف کبھی نہ کریں کیونکہ تعریف کی بھرمار سے آدمی میں غرور پیدا ہوتا ہے اور تمہارے سامنے نیکوکار اور خطا کار برابر نہ ہوں۔ ایسا کرنے سے نیکوں کی ہمت پست ہو جائے گی اور خطا کار اور بھی شوخ ہو جائیں گے۔ ہر آدمی کو وہ جگہ دینا جس کا وہ اپنے عمل کے لحاظ سے مستحق ہے اور تمہیں جاننا چاہئے کہ رعایا میں اپنے حاکم کے ساتھ حسنِ ظن اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ حاکم رعایا پر رحم و کرم کی بارش کرتا رہے۔ اس کی تکلیفیں دور کرے اور کوئی ایسا مطالبہ نہ کرے جو اس کے بس سے باہر ہو۔ یہ اصول تمہارے لئے کافی ہیں، اس سے رعایا کا حسنِ ظن تمہیں بہت سی مشکلوں سے نجات دے گا۔

خود تمہارے حسنِ ظن کے سب سے زیادہ مستحق وہ ہوں جو تمہارے امتحان میں سب سے اچھے اُتریں۔ اسی طرح تمہارے سوءِ ظن کے بھی سب سے زیادہ مستحق وہی ہوں جو آزمائش میں سب سے بڑے نکلیں۔

فوج کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہدایات

اپنی فوج کے معاملے میں ہوشیاری سے کام لینا، انہی لوگوں کو افسر بنانا جو تمہارے خیال میں اللہ و رسولؐ کے اور تمہارے امام کے سب سے زیادہ خیر خواہ ہوں۔ صاف دل ہوں، ہوشمند ہوں، جلد غصے میں نہ آجاتے ہوں، عذر معذرت قبول کر لیتے ہوں، کمزوروں پر ترس کھاتے ہوں، زبردستوں پر سخت ہوں نہ سختی انہیں جوش میں لے آتی ہو نہ کمزوری انہیں بٹھا دیتی ہو۔

عدالت کے معاملات میں آپ رضی اللہ عنہ کا ارشاد

مشتبہ معاملات پیش آئیں اور تمہاری بصیرت و علم کام نہ دے تو انہیں اللہ کی

Marfat.com

طرف اور اللہ کے رسولؐ کی طرف لوٹانا کیونکہ خدا مسلمانوں کی ہدایت کے لئے فرماتا ہے:
"یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم" الخ......
اللہ کی طرف معاملے کو لوٹانا یہ ہے کہ کتابِ محکم اور نص صریح کی طرف لوٹا جائے اور رسولؐ کی طرف لوٹانا یہ ہے کہ جامع سنتِ نبوی کو لیا جائے نہ کہ اسے جس میں اختلاف پڑ گیا ہے۔

پھر ملک میں انصاف قائم کرنے کے لئے ایسے لوگوں کا انتخاب کرنا جو تمہاری نظر میں سب سے افضل ہوں۔ ہجومِ معاملات سے تنگ دل نہ ہوتے ہوں، اپنی غلطی پر اَڑے رہنا ہی ٹھیک نہ سمجھتے ہوں اور حق کے ظاہر ہو جانے پر باطل ہی سے چمٹے نہ رہتے ہوں۔ طماع نہ ہوں۔ اپنے فیصلوں پر غور کرنے کے عادی ہوں۔ فیصلے کے وقت شکوک وشبہات پر رُکنے والے ہوں۔ صرف دلائل کو اہمیت دیتے ہوں۔ مدعی اور مدعا علیہ سے بحث میں جانے پر اپنے فیصلے میں بے باک اور بے لاگ ہوں۔ یہ ایسے لوگ ہوں جنہیں نہ تعریف بے خود کر دیتی ہو نہ چاپلوسی مائل کر سکتی ہو۔ مگر ایسے لوگ کم ہوتے ہیں۔ تمہارا فرض ہے کہ قاضیوں کے فیصلوں کی جانچ کرتے رہو۔ اپنے دربار میں انہیں ایسا درجہ دو کہ تمہارے کسی مصاحب اور درباری کو ان پر دباؤ ڈالنے یا اُنہیں نقصان پہنچانے کی ہمت نہ ہو سکے۔ قاضیوں کو ہر قسم کے خوف سے بالکل آزاد ہونا چاہئے۔

گورنروں کے نام خط میں آپؓ کا فرمان

"عمالِ حکومت کے معاملات پر بھی تمہیں نظر رکھنا ہوگی۔ اخراجات کی جانچ پڑتال کرنا ہوگی۔ رو رعایت سے یا صلاح ومشورے کے بغیر کسی کو عہدہ نہ دینا۔ کیونکہ ایسا کرنے سے ظلم وخیانت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اچھے گھرانوں اور سابقینِ اسلام کے خدمت گزاروں میں تجربہ کار اور باحیا لوگوں ہی کو منتخب کرنا کہ ان کے اخلاق اچھے ہوتے ہیں۔ اپنی آبرو کا خیال رکھتے ہیں، طمع کی طرف کم جھکتے ہیں اور انجام پر زیادہ نظر رکھتے ہیں۔ عہدیداروں کو بہت اچھی تنخواہیں دینا، اس سے نہ لوگ اپنی حالت درست کر سکیں گے اور حکومت کے اس مال سے بے نیاز رہیں گے جو اُن کے ہاتھ میں ہوگا۔ اس پر بھی حکم عدولی کریں یا امانت میں خلل

Marfat.com

ڈالیں تو تمہارے پاس ان پر حجت ہوگی مگر ضروری ہے کہ ان کاموں کی جانچ پڑتال کرتے رہنا۔ نیک لوگوں کو مخبر بنا کر ان پر چھوڑ دینا۔ یہ اس لئے کہ جب انہیں معلوم ہوگا کہ خفیہ نگرانی بھی ہو رہی ہے تو امانت داری اور رعایا سے مہربانی میں اور زیادہ چست ہو جائیں گے۔ پھر تصدیق ہو جائے تو بس یہ شہادت کافی ہے۔ تم بھی سزا کا ہاتھ بڑھانا، جسمانی اذیت کے ساتھ خیانت کی رقم بھی اگلوا لینا، خائن کو ذلت کی جگہ کھڑا کرنا اور پوری طرح اُسے رسوا کر ڈالنا''۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا تاریخ ساز خط بلاشبہ حکومت و امارت اور خلافت و سلطنت کے باب میں عظیم الشان شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ عہدِ حاضر کے حکمران اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اِن ہدایات کی پاسداری کرلیں تو ان کی حکومتیں صحیح معنی میں اسلامی فلاحی اور عوامی حکومتیں بن سکتی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت

خوارج نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل کا منصوبہ بنایا اور ایک ہی دن ایک ہی وقت مقرر کیا۔ منصوبہ سازوں نے حضرت علیؓ کے قتل کا ذمہ عبدالرحمٰن ابن ملجم پر ڈالا۔

اس بدبخت نے رمضان کے مبارک مہینے میں ۲۱ رمضان المبارک صبح فجر کے وقت امیر المومنین اسداللہ، حیدر کرار، سلسلۂ تصوف کے امام، دامادِ نبیؐ، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی مسجد میں نماز کے لئے جاتے ہوئے شہید کر ڈالا اور اپنے دو پیش رووں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرح اسلام کے یہ خلیفۂ چہارم بھی جامِ شہادت نوش کر کے سرفرازی کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو گئے اور فرمانِ ربانی کے مطابق حیاتِ جاودانی کے حقدار ٹھہرے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طرزِ خلافت و زندگی ہر مسلمان کے لئے نمونہ ہے خاص طور پر ان کے لئے جو محبِّ علیؓ و اہل بیتؓ ہونے کے دعویدار ہیں۔

Marfat.com

اگر آج بھی وہ لوگ خلیفۂ چہارم کی تعلیمات اور زندگی کے مطابق عمل کرتے ہوئے مخالفتِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم واصحابِ رسولؐ کی بجائے اطاعتِ ثلاثہؓ ومحبتِ اصحابِ رسولؐ کا اصول اپنالیں اور جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی عزت واحترام کے قائل تھے اور ان کی اتباع کرتے تھے اور اُنہیں نبی آخرالزماں ﷺ کے حقیقی اور سچے جانشین خیال کرتے تھے یہ طبقہ بھی اسی طرح ان کو اپنی عقیدت کا مرکز ومحور بنالے تو اُمتِ مسلمہ میں شامل ہوکر اپنی دنیا اور آخرت سنوار سکتا ہے۔

نواسۂ رسول

حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ

ولادت باسعادت

حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی طالب سبط و ریحانِ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ حضرت حسنؓ کی ولادت نصف ماہ رمضان المبارک 3 ہجری میں ہوئی۔ آپؓ نے حضور ﷺ سے بہت سی احادیث روایت کی ہیں۔ اور آپؓ کے حوالہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور بہت سے حضرات تابعین مثلاً آپؓ کے صاحبزادگان اور ابوالحوار، ربیعہ بن شبہان، الشعبی اور ابوالوائل (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) وغیرہ نے احادیث بیان کی ہیں۔

فضائل

حضرت حسنؓ رسول اللہ ﷺ سے بہت زیادہ مشابہ تھے۔ آپؓ کا نام نامی ''حسن'' رسول اللہ ﷺ نے ہی رکھا تھا۔ آپؓ کی ولادت کے ساتویں دن آپؓ کا عقیقہ کیا گیا اور آپؓ کے سر کے بال اتارے گئے اور رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ آپؓ کے اترے ہوئے بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کی جائے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ حضرت امام حسنؓ، رسول اللہ ﷺ سے بہت مشابہ تھے۔ اور ماسوائے حضرت امام حسنؓ کے اور کسی کی صورت رسول ﷺ سے نہیں ملتی تھی۔ نیز زمانہ جاہلیت میں حسن اور حسین نام نہیں پائے جاتے۔ ''مفصل'' کہتے ہیں کہ اللہ

تعالیٰ نے حسن اور حسین نام پوشیدہ رکھے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے یہ دونوں نام اپنے نواسوں کے لئے تجویز فرمائے۔ رسول اللہ ﷺ حضرت حسنؓ کو اپنے دوش مبارک پر اٹھائے فرماتے کہ الٰہی! میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ تو بھی اس سے محبت فرما۔ آپ ﷺ منبر پر اس طرح رونق افروز ہوتے کہ آپ ﷺ کے پہلو میں حضرت حسنؓ بیٹھے ہوتے۔ اور کبھی تو حضور ﷺ لوگوں کی طرف اور کبھی حضرت حسنؓ کی طرف اور فرماتے کہ یہ میرا بیٹا سید ہے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو گروہوں کے مابین صلح کرائے گا۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے کہ حسنؓ میرے دنیا کے پھول ہیں اور نوجوانان جنت کے سردار ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسینؓ کو اپنی گود میں اٹھایا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دونوں میرے بیٹے یعنی میری بیٹی کے فرزند ہیں۔ اے اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما اور جوان سے محبت کرتے ہیں ان کو بھی تو اپنا بنالے۔

کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ کو اپنے اہل بیت میں سے سب سے زیادہ کس سے محبت ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حسنؓ اور حسینؓ سے۔ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت حسنؓ کو دوش پر اٹھائے ہوئے تھے۔ کسی شخص نے یہ دیکھ کر کہا کہ اے صاحبزادے! تیری سواری کتنی اچھی ہے یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ سوار بھی کتنا اچھا ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے تمام لوگوں کے مقابلے میں حضرت حسنؓ بہت مشابہ تھے۔ اور آپ ﷺ ان سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ سجدے میں تھے اور حضرت حسنؓ آپ ﷺ کی گردن یا پیٹھ پر آ کر بیٹھ جاتے اور جب تک وہ خود نہیں اترتے تھے حضور ﷺ ان کو نہیں اتارتے تھے۔

یہ بھی دیکھا گیا ہے اور روایت میں ہے کہ سرور عالم ﷺ حالت رکوع میں ہیں اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور حضور ﷺ کے پاہائے مبارک کے اندر سے ہو کر دوسری طرف سے نکل گئے۔ آپؓ اپنی زبان مبارک باہر نکالتے اور حضرت حسنؓ زبان مبارک کی سرخی کو دیکھ کر بہت ہنستے اور خوش ہوا کرتے تھے۔

ایک روز حضرت حسنؓ خطبہ دینے کیلئے کھڑے ہوئے تو قبیلہ ازدوشنو کا ایک شخص

Marfat.com

کھڑا ہوا اور اس نے کہا میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ رسول ﷺ امام حسنؓ کو گود میں لئے ہوئے فرما رہے تھے۔ مجھ سے محبت کرنے والے کو چاہئے کہ ان سے بھی محبت کرے اور جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ میری بات ان لوگوں تک پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں۔ اس شخص نے کہا کہ اگر مجھے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی اطاعت منظور ہوتی تو میں یہ بات زبان پر نہ لاتا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے مناقب وفضائل بے شمار ہیں۔ آپ نہایت بردبار، حلیم الطبع، عزت وشان والے، صاحب جاہ وحشم تھے۔ آپؓ فتنہ وفساد اور خون ریزی کو ناپسند فرماتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ سخاوت میں بے بدل تھے۔ بسا اوقات ایک ایک شخص کو ایک ایک لاکھ درہم عطا فرما دیتے تھے۔

بس ایک تلخ جملہ......!

آپؓ نے بہت سی شادیاں کیں۔ حضرت حسنؓ نے بغیر سواری کے پچیس حج ادا فرمائے جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ اعلیٰ قسم کے اونٹ آپؓ کے ساتھ ہوتے تھے لیکن آپؓ ان پر سوار نہیں ہوتے اور پا پیادہ راستہ طے فرماتے۔ روایت ہے کہ آپؓ کی شیریں کلامی کا یہ عالم تھا کہ جب کسی سے تکلم فرماتے تو جی چاہتا کہ بس آپؓ اسی طرح سلسلہ کلام جاری رکھیں اور خاموش نہ ہوں۔ آپؓ کی زبان سے کبھی فحش نہیں سنی گئی۔ سوائے اس ایک بار کے کہ حضرت حسنؓ اور عمرو بن عثمان کے مابین زمین کے سلسلے میں کچھ تنازع تھا۔ آپؓ نے ان سے تصفیہ کے سلسلہ میں کوئی بات کی جسے انہوں نے منظور نہیں کیا تو آپؓ نے فرمایا کہ تمہاری ناک خاک آلودہ ہو۔ بس یہی ایک تلخ جملہ آپؓ کی زبان سے سنا گیا۔

روایت ہے کہ مروان جب حاکم تھا تو وہ منبر پر علی الاعلان حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سب وشتم کرتا تھا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کمال تحمل کے ساتھ اس کی ان گستاخیوں کو سنا کرتے تھے اور خاموش رہا کرتے۔ ایک دن مروان نے ایک شخص کو حضرت حسنؓ کے پاس بھیجا کہ وہ حضرت امام حسنؓ سے ایسی بات کرے جس سے ان کی دل آزاری ہو۔

مروان کے فرستادہ کی باتیں سن کر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جاؤ

Marfat.com

مروان سے کہہ دینا کہ تمہاری یہ باتیں بخدا مجھے یاد رہیں گی حالانکہ تم کو یقین تھا کہ میں تمہاری گالیوں کے بدلے میں تم کو بھی گالیاں دوں گا لیکن صبر کرتا ہوں، قیامت آنے والی ہے، اگر تم سچے ہو تو اللہ جزائے خیر دے گا اور اگر جھوٹے ہو تو اللہ تعالیٰ کا انتقام اور اس کی گرفت بہت سخت ہے۔

روایت ہے کہ مروان اور حضرت حسنؓ کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی کہ اس نے آپؓ کے سامنے گالیاں دینا شروع کر دیں اور حضرت حسنؓ خاموش رہے۔ اس اثناء میں مروان نے اپنے سیدھے ہاتھ سے ناک صاف کی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: ''افسوس تجھے اتنا بھی معلوم نہیں کہ سیدھا ہاتھ، ہاتھ دھونے کے لئے اور بایاں ہاتھ بول و براز کے مقامات کے لئے ہے تجھے بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنی چاہئے تھی''۔ یہ سن کر مروان خاموش ہو گیا۔

روایت ہے کہ ایک شخص آپؓ کے پاس آ کر بیٹھا۔ آپؓ نے فرمایا کہ تم ایسے وقت میرے پاس آ کر بیٹھے ہو جبکہ میرے اٹھنے کا وقت ہے۔ اگر تم اجازت دو تو میں چلا جاؤں۔ اسی طرح ایک روایت ہے کہ حضرت حسنؓ نے دو مرتبہ اپنا تمام مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا اور تین بار نصف مال راہ الٰہی میں دے دیا۔ یہاں تک کہ ایک جوتا بخش دیا اور ایک رکھ لیا۔ ایک موزہ دے دیا اور ایک رکھ لیا۔

آپ کی شادیوں کی تعداد

ابن سعد کی روایت ہے کہ حضرت حسنؓ نے اپنی بہت سی بیویوں کو طلاق دی۔ لیکن جو عورت آپؓ کے نکاح میں آ جاتی وہ آپؓ سے جدائی ہرگز نہیں چاہتی تھی۔ آپؓ پر فریفتہ ہو جاتی اس طرح آپؓ نے نوے شادیاں کیں۔ (طبقات ابن سعد)

جعفر بن محمد روایت کرتے ہیں کہ امام حسنؓ نکاح کرتے اور طلاق دے دیتے۔ آپؓ کی اس روش سے ہمیں خوف پیدا ہو گیا کہ اب قبائل میں دشمنی ہمیشہ ہمیشہ قائم رہے گی۔ حضرت علیؓ نے اعلان کیا کہ اے کوفہ والو! حسنؓ کے ساتھ اپنی بیٹی کے ساتھ شادی مت کرو، وہ طلاق دینے کے عادی ہیں۔ یہ سن کر ہمدانی نے کہا۔ ''خدا کی قسم! ان سے اپنی

Marfat.com

بیٹیاں ضرور بیاہیں گے جس کو وہ پسند کریں رکھیں اور جو ناپسند ہو اس کو طلاق دے دیں۔"

روایت ہے کہ حضرت امام حسنؓ کے جنازے میں مروان نے جب گریہ وزاری کی تو حضرت امام حسینؓ نے اس سے کہا کہ اب تو روتا ہے اور آپ کی زندگی میں تو نے ان کے ساتھ کیا کچھ نہیں اور کیا کچھ نہیں کیا۔؟ یہ سن کر مروان نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے میں ایسا اس شخص کے ساتھ کرتا تھا جو اس پہاڑ (پہاڑ کی طرف اشارہ کرکے) سے بھی زیادہ حلیم و بردبار تھا۔ کسی شخص نے حضرت حسنؓ سے کہا کہ ابوذر کہتے ہیں کہ میں مفلسی کو تونگری سے اور بیماری کو تندرستی سے بہتر سمجھتا ہوں۔ یہ سن کر آپؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحم فرمائے! میں تو کہتا ہوں کہ میں خود کو بالکل اللہ تعالیٰ پر چھوڑتا ہوں۔ میں کسی ایسی بات کی تمنا ہی نہیں کرتا جو اس حالت کے خلاف ہو جو خداوند تعالیٰ میرے لئے اختیار کرتا ہو۔ یہ حالت راضی برضائے الٰہی کو مکمل طور پر ظاہر کرتی ہے۔ (یعنی آپؓ کی حالت راضی برضائے الٰہی کے عین مطابق تھی)

قضیۂ خلافت اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح

حضرت امام حسنؓ اپنے والد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد چھ ماہ تک خلافت کے منصب پر فائز رہے۔ (آپؓ سے اہالیان کوفہ نے بیعت کی تھی) اس کے بعد امیر معاویہ آپؓ کے پاس آئے اور اللہ تعالیٰ کو حکم اور فیصلہ دہندہ تسلیم کرکے مندرجہ ذیل شرائط آپس میں طے ہوئیں کہ فی الوقت امیر معاویہؓ خلیفہ بنائے جاتے ہیں۔ لیکن ان کے انتقال کے بعد امام حسنؓ خلیفۃ المسلمین ہوں گے۔ مدینہ، عراق اور حجاز کے باشندوں سے مزید کوئی ٹیکس نہیں لیا جائے گا بلکہ صرف وہی ٹیکس وصول کیا جائے گا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے سے لیا جا رہا ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ذمہ قرض تھا۔ اس کی تمام ادائیگی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کریں گے۔ ان شرائط کو امیر معاویہؓ اور حسنؓ نے قبول کر لیا اور باہمی صلح کے ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ کا یہ معجزہ ظاہر ہو گیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میرا یہ بیٹا مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان صلح کرا دے گا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان شرائط کے ساتھ خلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی۔

Marfat.com

حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ماہ ربیع الاول 41 ہجری میں اور بعض دیگر مورخین کے خیال میں ماہ ربیع الا الثانی 41 ہجری میں خلافت سے دستبردار ہوئے۔ کچھ کا خیال ہے کہ آپؓ ماہ جمادی الاول 41 ہجری میں خلافت سے دستبردار ہوئے۔

خلافت سے دستبراد ہونے کے کچھ عرصہ بعد حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کوفہ سے مدینے چلے گئے اور پھر وہیں قیام پذیر ہو گئے۔ آپؓ فرماتے تھے کہ جس عربوں کے سر پھرے ہاتھ میں تھے اس زمانے میں جس سے چاہتا میں ان کو لڑا دیتا اور جس سے چاہتا صلح کرا دیتا لیکن اس وقت میں نے صرف اللہ کی رضامندی کے حصول کے لئے خلافت سے دستبرداری دے دی اور امت محمدی ﷺ کے خون کو مفت نہیں بہنے دیا۔ پس جس خلافت سے میں محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے حصول کے لئے دستبردار ہو گیا ہوں اب اس کو میں باشندگان حجاز کی خوشنودی کے لئے کی دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ یہ کس طرح سے ایک مناسب عمل ہوگا؟

آپ کو زہر خورانی اور آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت

روایت میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی بیوی جعدہ بن اشعث بن قیس کو مدینہ منورہ میں یزید نے خفیہ طور پر یہ پیغام بھیجا کہ اگر تم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دے دو تو میں تم سے نکاح کر لوں گا۔ اس فریب میں آ کر بدنصیب جعدہ نے آپؓ کو زہر دے دیا جس کے اثر سے آپ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔

جعدہ نے یزید کو لکھا کہ اپنا وعدہ پورا کرے جس کا جواب یزید نے یہ دیا کہ میں تجھ کو حسنؓ کے نکاح میں گوارا نہیں کر سکا تو اپنے نکاح میں کس طرح گوارا کروں گا۔ آپؓ کی شہادت، زہر خوارانی سے 5 ربیع الاول 50 ہجری کو واقع ہوئی۔ بعض کے نزدیک یہ حادثہ 49 ہجری اور بعض کے نزدیک 51 ہجری میں پیش آیا۔

حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے بہت کوشش کی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دینے والے کی نشاندہی کر دیں۔ لیکن آپؓ نے نام بتانے کے بجائے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سخت انتقام لینے والا ہے، کوئی شخص محض میرے گمان کی بنا پر کیوں قتل ہو۔ (میں نے کسی پر گمان کیا اور اصل

Marfat.com

میں قاتل وہ نہ ہوا تو)

روایت ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان "قل هو الله احد" لکھا ہوا ہے۔ جس وقت آپؓ نے خواب بیان کیا تو اہل بیت بہت خوش ہوئے لیکن جب سعید بن مسیب نے یہ خواب سنا تو انہوں نے کہا کہ اگر آپؓ کا خواب سچا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ کی حیات کے چند روز باقی رہ گئے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس خواب کے دیکھنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ صرف چند روز ہی بقید حیات رہے اور آپ رضی اللہ عنہ کو زہر دے کر شہید کر دیا گیا۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بہت تنگ دست تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ ان کو ہر سال ایک لاکھ درہم بطور وظیفہ دیا کرتے تھے۔ وہ انہوں نے روک لیا اور آپؓ کو بہت تنگی پیش آئی۔ آپؓ نے امیر معاویہؓ کی یاد دہانی کے لئے اپنی حالت پر مبنی ایک رقعہ لکھنا چاہا، قلم دوات طلب کئے لیکن پھر کچھ سوچ کر آپؓ خاموش رہ گئے۔ اسی روز آپؓ نے آپ ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا، "اے فرزند! کیا حال ہے"؟

آپؓ نے عرض کیا (یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اچھا ہوں لیکن تنگ دست ہوں۔ (تنگدستی کی شکایت کی) یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ یارسول اللہ ﷺ ارادہ تو یہ تھا۔ اب آپ ﷺ فرمایئے کہ میں کیا کروں۔؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم یہ دعا پڑھا کرو:

ترجمہ: "الٰہی میرے دل میں اپنی آرزو پیدا کردے اور دوسروں سے میری تمنائیں اس طرح ختم کر دے کہ میں کسی سے بھی تیرے سوا امید وابستہ نہ رکھوں۔ الٰہی میری قوتوں کو کمزور نہ بنا۔ میرے نیک اعمال کو کوتاہ نہ کر، مجھ سے اعراض نہ فرما، تو اپنے فضل وکرم سے مجھے توکل و توفیق کی ایسی قوت عطا فرما کہ میں کسی مخلوق کے پاس اپنی حاجت نہ لے جاؤں، تو ہی میرے مسائل کو حل فرما اور مجھے وہ سب کچھ دے دے جو اب تک پچھلے یا آنے والے شخص کو نہیں دیا۔ اے رب العالمین مجھے یقین کی دولت سے مالا مال فرما دے۔" آمین!

Marfat.com

روایت ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت، حضرت امام حسینؓ نے حضرت امام حسنؓ کے وصال کے بعد فرمایا کہ خلافت پر ابوبکرؓ، عمرؓ فائز ہوئے، پھر مجلس شوریٰ میں یقین تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلافت ملے گی لیکن شوریٰ کی طرف سے حضرت عثمانؓ خلیفہ بنائے گئے اور ان کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے۔ پھر تلواریں نکل آئیں اور ہم نے خلافت کو چھوڑ دیا اور اب مجھے دکھائی دے رہا ہے کہ بخدا قوت و خلافت اب ہمارے خاندان میں نہیں رہے گی اور مجھے یقین ہے کہ بے وقوفی تم کو خلیفہ بنائیں گے لیکن پھر وہی تم کو کوفہ سے شہر بدر کر دیں گے۔

میں نے حضرت عائشہؓ سے خواہش کی تھی کہ وہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت دے دیں چنانچہ انہوں نے مجھے اجازت دے دی ہے لیکن میری وفات کے بعد تم پھر دوبارہ یہاں دفن کرنے کی اجازت حاصل کر لینا، میرا خیال ہے کہ دوبارہ اجازت حاصل کرنے پر کچھ لوگ مزاحم ہوں گے۔ ان کی مخالفت کی موجودگی میں تم اس کے لئے زیادہ اصرار ہرگز نہ کرنا۔

چنانچہ جب حضرت حسنؓ کا انتقال ہو گیا تو حضرت امام حسینؓ نے حضرت عائشہؓ سے اجازت چاہی۔ آپؓ نے فرمایا اجازت ہے لیکن مروان (حاکم مدینہ) حائل ہوا جس پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور آپؓ کے ساتھیوں نے ہتھیار سنبھال لئے مگر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے درمیان میں صلح کروا دی اور آخرکار حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو آپؓ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پہلو میں جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔

Marfat.com

نواسۂ رسول ﷺ

سیدنا حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ

ولادت اور ابتدائی حالات

شہید کربلا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابوعبداللہ اور لقب شہید اور سید ہے۔ آپؓ کی ولادت بروز شنبہ چار شعبان 4 ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کا نام حسین رضی اللہ عنہ رکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا حسن و جمال کچھ اس طرح کا تھا کہ جب آپؓ اندھیرے میں بیٹھتے تو آپؓ کی پیشانی اور رخساروں سے روشنی نکل کر قرب وجوار کو منور کر دیتی۔ آپؓ رسول اللہ ﷺ سے سینہ سے پاؤں تک اور امام حسنؓ سے سینہ سے سر تک مشابہ تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

"حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ جو حسین کو دوست رکھتا ہے تو بھی اسے دوست رکھ کیونکہ میرے بیٹوں میں سے ایک حسین ہے۔"

ایک روز حضرت امام حسنؓ اور حسینؓ کشتی لڑنے لگے۔ حضور ﷺ نے حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ اے حسن، حسین کو پکڑ لو۔

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بولیں۔ "یا رسول اللہ! (ﷺ) آپ بڑے کو کہتے ہیں کہ چھوٹے کو پکڑ لے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام بھی تو حسینؓ سے کہہ رہے ہیں کہ حسنؓ کو پکڑ لو!

Marfat.com

حضرت ام الحارث، حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ یارسول اللہ! میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ جس سے میں ڈر گئی ہوں۔

حضور پاک ﷺ نے فرمایا۔ ''کیا دیکھا ہے تو نے۔''؟

انہوں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ کے جسم سے ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھ دیا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابھی فاطمہؓ ایک بچہ لائیں گی جو تمہاری گود میں ہوگا۔ اس واقعہ کے حضرت حسینؓ پیدا ہوئے۔

ایک دن نبی کریم ﷺ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دائیں بازو اور اپنے فرزند حضرت ابراہیمؓ کو بائیں بازو پر بٹھائے ہوئے تھے کہ جبرائیلؑ حاضر ہوئے اور کہا کہ خداوند تعالیٰ ان دونوں کو آپ کے ہاں یکجا نہ رہنے دے گا۔ ان میں سے ایک کو واپس بلا لے گا۔ اب ان دونوں میں سے جسے چاہیں پسند کرلیں۔ حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ اگر حسینؓ رخصت ہو جائیں تو زیادہ الم میری جان پر ٹوٹے گا اس لئے مجھے اپنا غم ہی پسند ہے۔ اس واقعہ کے تین روز بعد حضرت ابراہیمؓ وفات پا گئے۔ حضرت حسینؓ جب نبی پاک ﷺ کی خدمت میں آتے، تو آپ ﷺ ان کی پیشانی پر بوسہ دیتے اور خوش آمدید کہتے ہوئے فرماتے۔

''اس پر میں نے اپنے بیٹے ابراہیم کو قربان کر دیا۔''

روایت ہے کہ حضور ﷺ کو وحی آئی کہ ہم نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کے بدلے میں ستر ہزار افراد کو ہلاک کیا اور آپ ﷺ کے فرزند حسینؓ کے بدلے میں اس سے دوگنا افراد ہلاک کریں گے۔ یہ بات بصحت ثابت ہو چکی ہے کہ قاتلین حسینؓ میں سے کوئی ایسا شخص نہ رہا جو موت سے قبل ذلیل وخوار نہ ہوا ہو۔ تمام کے تمام قتل ہوئے یا اکثر مصائب میں مبتلا ہو گئے۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ عہد صدیقی میں

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی عمر ۷، ۸ سال سے زیادہ نہ تھی، اس لئے ان کے عہد کا کوئی خاص واقعہ قابل ذکر نہیں ہے، بجز اس کے کہ حضرت ابوبکرؓ نبیرۂ رسول کی حیثیت سے حضرت حسینؓ کو بہت مانتے تھے۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ عہد فاروقی میں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی عہد خلافت میں بھی بہت صغیر السن تھے، البتہ آخری عہد میں سن شعور کو پہنچ چکے تھے، لیکن اس عہد کی مہمات میں انکا نام نظر نہیں آتا، حضرت عمرؓ بھی حضرت حسینؓ پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ اور قرابتِ رسول ﷺ کا خاص لحاظ رکھتے تھے چنانچہ جب بدری صحابہؓ کے لڑکوں کا دو دو ہزار وظیفہ مقرر کیا، تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا محض قرابت رسول کے لحاظ سے پانچ ہزار ماہوار مقرر کیا۔

آپ کسی چیز میں بھی حضرات حسنینؓ کی ذات گرامی کو نظر انداز نہ ہونے دیتے تھے، ایک مرتبہ یمن سے بہت سے حُلّے آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہؓ میں تقسیم کئے، لیکن حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے برابر کے حُلّے دستیاب نہ ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بہت پریشانی ہوئی، آپ رضی اللہ عنہ قبر اور منبر نبوی کے درمیان تشریف فرما تھے۔ لوگ ان حلّوں کو پہن پہن کر شکریہ کے طور پر آ کر سلام کرتے تھے، اسی دوران میں حضرت حسنؓ و حسینؓ حضرت فاطمہؓ کے گھر سے نکلے، آپ کا گھر حجرۂ مسجد کے درمیان میں تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر ان دونوں پر پڑی تو لوگوں سے فرمایا مجھے تمہیں حلّے پہنا کر کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ انہوں نے پوچھا: امیر المومنین یہ کیوں؟ فرمایا اس لئے کہ ان دونوں لڑکوں کے جسم ان حلّوں سے خالی ہیں، اس کے بعد فوراً حاکم یمن کو حکم بھیجا کہ جلد سے جلد دو حلّے بھیجو، اور حلّے منگوا کر دونوں بھائیوں کو پہنانے کے بعد فرمایا۔ اب مجھے خوشی ہوئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حسنین رضی اللہ عنہما کو اپنے صاحبزادے عبداللہ سے بھی جو عمر اور ذاتی فضل و کمال میں ان دونوں سے فائق تھے، زیادہ مانتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ منبر نبویؐ پر خطبہ دے رہے تھے کہ حسین رضی اللہ عنہ آئے اور منبر پر چڑھ کر کہا: میرے باپ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے منبر سے اُترو، اور اپنے باپ کے منبر پر جاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس طفلانہ شوخی پر فرمایا کہ میرے باپ کے تو کوئی منبر ہی نہ تھا۔ اور انہیں اپنے پاس بٹھالیا۔ خطبہ تمام کرنے کے بعد انہیں اپنے ساتھ گھر لیتے گئے۔ راستہ میں پوچھا کہ یہ تم کو کس نے سکھایا تھا؟ بولے، واللہ کسی نے نہیں۔ پھر فرمایا کبھی کبھی میرے پاس آیا کرو۔

Marfat.com

چنانچہ اس ارشاد کے مطابق ایک مرتبہ حسین رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے، اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے تنہائی میں کچھ گفتگو کر رہے تھے، اور ابن عمر دروازہ پر کھڑے تھے۔ حسین رضی اللہ عنہ بھی ان ہی کے پاس کھڑے ہو گئے اور بغیر ملے ہوئے ان ہی کے ساتھ واپس چلے گئے۔ اس کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے پوچھا تم آئے کیوں نہیں؟ انہوں نے جواب دیا، امیر المومنین میں حاضر ہوا تھا، مگر آپ معاویہ رضی اللہ عنہ سے گفتگو میں مشغول تھے، اس لئے عبداللہ کے ساتھ کھڑا رہا، پھر ان ہی کے ساتھ لوٹ گیا۔ فرمایا، تم کو ان کا ساتھ دینے کی کیا ضرورت تھی؟ تم ان سے زیادہ حق دار ہو جو کچھ ہماری عزت ہے وہ خدا کے بعد تم ہی لوگوں کی دی ہوئی ہے۔

(اصابہ ج ۲ ص ۱۵)

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ عہد عثمانی میں

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پورے جوان ہو چکے تھے۔ چنانچہ سب سے اول اسی عہد میں میدانِ جہاد میں قدم رکھا اور ۳۰ھ میں طبرستان کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۸۴)

پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت برپا ہوئی اور باغیوں نے قصر خلافت کا محاصرہ کر لیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دونوں بھائیوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت پر مامور کیا کہ باغی اندر گھسنے نہ پائیں۔ چنانچہ حفاظت کرنے والوں کے ساتھ ان دونوں نے بھی نہایت بہادری کے ساتھ باغیوں کو اندر گھسنے سے روکے رکھا۔ جب باغی کوٹھے پر چڑھ کر اندر اتر گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر ڈالا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہادت کی خبر ہوئی تو انہوں نے دونوں بھائیوں سے نہایت سختی کے ساتھ باز پُرس کی کہ تمہارے ہوتے ہوئے باغی کس طرح اندر گھس گئے۔

(تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۵۹)

جنگ جمل و صفّین

جنگ جمل میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ تھے، اختتامِ جنگ کے بعد کئی میل

Marfat.com

تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہنچانے کے لئے گئے۔ جنگ جمل کے بعد صفین کے قیامت خیز واقعہ میں بھی آپ نے بڑی سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا۔ لیکن یہاں ان لاطائل تفصیلات کی ضرورت نہیں، التوائے جنگ کے بعد معاہدہ نامہ میں بحیثیت شاہد کے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بھی دستخط تھے۔ پھر جنگ صفین کے بعد خوارج کی سرکوبی میں بڑے انہماک سے حصہ لیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت

اس کے بعد ۴۰ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہوا، زخم بہت کاری تھا، جب حالت زیادہ نازک ہوئی تو حضرت حسنؓ و حسینؓ کو بلا کر مفید نصیحتیں کیں اور محمد بن حنفیہ کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید کر کے مرتبۂ شہادت پر ممتاز ہو گئے۔

عہدِ معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے، لیکن جیسا کہ اوپر ان کے حالات میں معلوم ہو چکا ہے، آپ مسلمانوں کی خونریزی سے بچنے کے لئے معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبرداری پر آمادہ ہو گئے، اور حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے عزم سے آگاہ کیا۔ حسین رضی اللہ عنہ نے اس کی بڑی پُرزور مخالفت کی، جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے عزم راسخ کے سامنے ان کی مخالفت کامیاب نہ ہو سکی اور ۴۱ھ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بھی برادر بزرگ کے فیصلہ کے سامنے سرِخم کرنا پڑا۔ گو حضرت حسین رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حق پر نہیں سمجھتے تھے، تاہم ان کے زمانہ کی لڑائیوں میں برابر شریک ہوتے تھے، چنانچہ ۴۹ھ میں قسطنطنیہ کی مشہور مہم میں جس کا کماندار سفیان بن عوف تھا، مجاہدانہ شرکت کی تھی، جس کا ذکر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حالات میں اوپر گذر چکا ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال

اسی سال یعنی ۴۹ھ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا، اس سلسلہ میں

Marfat.com

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جو جو واقعات پیش آئے ان کا تذکرہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حالات میں موجود ہے، اس لئے یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حسنین

ممکن ہے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا دل امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے صاف نہ رہا ہو، یا وہ ان کو اچھا نہ سمجھتے ہوں لیکن دونوں کے ظاہری تعلقات خوشگوار تھے، اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کا بڑا لحاظ رکھتے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے دستبرداری کے وقت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے جو رقم مقرر کرائی تھی وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ انہیں برابر پہنچاتے رہے بلکہ اس رقم کے علاوہ بھی مسلوک ہوتے رہتے تھے۔ البتہ یزید کے ولی عہدی کے وقت ناخوشگواری پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن اس میں بھی کوئی بدنما صورت نہیں پیدا ہونے پائی۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۵۶ھ میں میں جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ سے یزید کی بیعت لینی چاہی تو طبری کے بیان کے مطابق سوائے چند لوگوں کے کل اہل مدینہ نے بیعت کر لی۔ بیعت نہ کرنے والوں میں ایک سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ لیکن جب عام بیعت ہو گئی تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے کچھ زیادہ اصرار نہیں کیا۔
(طبری ج ۷ ص ۱۹۷)

یہ طبری کی روایت ہے، ابن اثیر کی روایت کی رو سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پہلے تمام اکابر مدینہ سے بزور بیعت لی اور ان کی بیعت کو عوام کے سامنے سند میں پیش کر کے سب سے بیعت لی، اور کسی نے کوئی اختلاف نہیں کیا، سب خاموش رہے۔ ان خاموش رہنے والوں میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی تھے، اس کی تفصیل امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حالات میں موجود ہے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نہایت زمانہ شناس اور بڑے عاقبت بین مدبّر تھے، مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کا پہلے سے اندازہ کر لیتے تھے۔ چنانچہ اس کا یقین تھا کہ ان کے بعد ابن زبیر رضی اللہ عنہ ضرور خلافت کا دعویٰ کریں گے اور حسین رضی اللہ عنہ کو بھی اہل عراق یزید کے مقابلہ میں کھڑا کر دیں گے، اس لئے وفات کے وقت یزید سے دونوں کے بارہ میں وصیت کرتے گئے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق خاص طور سے تاکید کی تھی کہ میرے بعد

Marfat.com

عراق والے حسین رضی اللہ عنہ کو تمہارے مقابلہ میں لا کر چھوڑیں گے جب وہ تمہارے مقابلہ میں آئیں اور تم کو ان پر قابو حاصل ہو جائے تو درگزر سے کام لینا، کیونکہ وہ قرابت دار، بڑے حق دار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز ہیں۔ (طبری ج ۷ ص ۱۹۷۔ والفخری ص ۱۰۲)

یزید کی تخت نشینی اور حسین رضی اللہ عنہ سے بیعت کا مطالبہ

رجب ۶۰ ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، ان کے بعد یزید (جس کی بیعت وہ اپنی زندگی ہی میں لے چکے تھے) ان کا جانشین ہوا، تختِ حکومت پر قدم رکھنے کے بعد یزید کے لئے سب سے اہم معاملہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کا تھا۔

کیونکہ یزید کی ولی عہدی کی بیعت کے وقت ان دونوں نے اس کو نہ دل سے تسلیم کیا تھا اور نہ زبان سے اقرار کیا تھا، اور ان کے بیعت نہ کرنے کی صورت میں خود ان کی جانب سے دعویٰ خلافت اور حجاز میں یزید کی مخالفت کا خطرہ تھا۔

کیونکہ ان کے دعویٰ خلافت سے سارا حجاز یزید کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتا، اور حسین رضی اللہ عنہ کی وجہ سے عراق میں بھی شورش برپا ہو جاتی۔ جیسا کہ آئندہ چل کر ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے دعویٰ خلافت کے زمانہ میں ہوا کہ شام کے بعض حصوں کے سوا قریب پورا ملک ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو گیا۔

ان اسباب کی بنا پر اپنی حکومت کی بقا اور تحفظ کے لئے یزید نے ان دونوں سے بیعت لینا ضروری سمجھا۔ گو یہ اس کی ناعاقبت اندیشی تھی، اگر وہ سمجھداری سے کام لے کر ان بزرگوں کو ساتھ ملا لیتا تو بہت ممکن تھا کہ وہ ناگوار واقعات پیش نہ آتے جنہوں نے نہ صرف یزید کو ساری دنیا میں بدنام کیا بلکہ اُموی حکومت کو لوگوں کی نگاہوں میں مطعون کر دیا، جس کا اثر اُموی حکومت پر بہت بُرا پڑا۔

لیکن یزید نے ان پہلوؤں کو نظر انداز کر کے تخت حکومت پر قدم رکھتے ہی ولید بن عتبہ حاکمِ مدینہ کے نام ان دونوں سے بیعت لینے کا تاکیدی حکم بھیجا۔ ابھی تک مدینہ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر نہ پہنچی تھی۔ ولید کے لئے اس حکم کی تعمیل بہت مشکل تھی، وہ اس کے انجام سے واقف تھا۔ اس لئے بہت گھبرایا اور اس نے اپنے نائب

Marfat.com

مروان سے مشورہ کیا۔

مروان سخت مزاج تھا، اس نے کہا دونوں کو اسی وقت بلا کر ان سے بیعت کا مطالبہ کرو، اگر مان جائیں تو فبہا اور اگر ذرا بھی لیت و لعل کریں تو سر قلم کر دو، ورنہ ان لوگوں کو معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر مل گئی تو پھر ان میں سے ہر ایک شخص ایک ایک مقام پر خلافت کا مدعی بن کر کھڑا ہو جائے گا اور اس وقت سخت دشواری پیش آئے گی۔

اس مشورہ کے بعد ولید نے ان دونوں کو بلا بھیجا، اولاً یہ طلبی ایسے غیر معمولی وقت میں ہوئی تھی جو ولید کے ملنے کا وقت نہ تھا، دوسرے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی علالت کی خبریں مدینہ آ چکی تھیں۔

ان قیاسات سے دونوں آدمی سمجھ گئے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا ہے اور انہیں بیعت کے لئے بلایا گیا ہے، تاکہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر پھیلنے سے پہلے ہی مدینہ میں بیعت لے لی جائے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اندازہ تھا کہ انکارِ بیعت کی صورت میں کس حد تک معاملہ نزاکت اختیار کر سکتا ہے۔ اس لئے اپنی حفاظت کا سامان کر کے ولید کے پاس پہنچے۔ اور مکان کے باہر آدمیوں کو متعین کر دیا، تاکہ اگر کوئی ناگوار شکل پیش آئے تو وہ لوگ فوراً آپ کی آواز پر پہنچ جائیں۔

ولید نے انہیں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر سنا کر یزید کی بیعت کے لئے کہا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے تعزیت کے بعد یہ عذر کیا کہ میرے جیسا آدمی چھپ کر بیعت نہیں کر سکتا۔ اور نہ میرے لئے خفیہ بیعت کرنا زیبا ہے۔ جب تم عام بیعت کے لئے لوگوں کو بلاؤ گے تو میں بھی آ جاؤں گا اور عام مسلمان جو صورت اختیار کریں گے اس میں مجھے بھی کوئی عذر نہ ہوگا۔ ولید نرم خو اور صلح پسند آدمی تھا، اس لئے رضامند ہو گیا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ لوٹ گئے۔

مروان جس نے زبردستی بیعت لینے اور انکار کی صورت میں قتل کر دینے کی رائے دی تھی، ولید کی اس نرمی اور صلح پسندی پر بہت برہم ہوا اور کہا:

"تم نے میرا کہنا نہ مانا، اب تم ان پر قابو نہیں پا سکتے۔"

Marfat.com

ولید بولا افسوس تم فاطمہؓ بنتِ رسول اللہ کے لڑکے حسین ؓ کے خون سے میرے ہاتھ آلودہ کرانا چاہتے ہو، خدا کی قسم قیامت کے دن حسین ؓ کے خون کا جس سے محاسبہ کیا جائے گا، اس کا پلہ خدا کے نزدیک ہلکا ہوگا۔

محمد بن حنفیہ کا مشورہ

ولید کے پاس سے واپس آنے کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ بڑی کشمکش میں مبتلا تھے، آپ کو اس مشکل سے مفر کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی، ایک طرف آپ یزید کی بیعت دل سے سخت ناپسند کرتے تھے، کیونکہ اس کی ولی عہدی کی بیعت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے اسلامی طریقۂ انتخاب کے بالکل خلاف، غیر شرعی اور قیصر و کسریٰ کے طرز کی پہلی شخصی و موروثی بادشاہت تھی۔

دوسری جمہور امت کے خلاف بھی نہیں چاہتے تھے چنانچہ ولید سے فرمادیا تھا کہ جب تمام اہل مدینہ بیعت کرلیں گے تو مجھے بھی کوئی عذر نہ ہوگا۔ تیسرے اہل عراق خود آپ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے اور آپ کے پاس اس مضمون کے بہت سے خطوط آچکے تھے کہ آپ ظالم حکومت کے مقابلہ میں خلافت قبول کیجئے، ان تمام حالات نے آپ کو بڑی کشمکش میں مبتلا کردیا تھا۔

جس دن حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولید سے ملے تھے، اس کے دوسرے دن حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ مدینہ سے مکہ نکل گئے، اور دن بھر ولید اور ان کا عملہ ان کی تلاش میں سرگرداں رہا۔

اس لئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا کسی کو خیال نہ آیا، اس کے بعد دوسرے دن ولید نے پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس یاددہانی کے لئے آدمی بھیجا۔ آپ ؓ نے ایک دن کی اور مہلت مانگی۔ ولید نے اسے بھی منظور کرلیا، اس کے بعد بھی حسین ؓ کوئی فیصلہ نہ کرسکے اور اسی کشمکش اور پریشانی میں اپنے اہل وعیال اور عزیز واقرباء کو لے کر رات کو نکل کھڑے ہوئے لیکن ابھی تک یہ بھی طے نہیں کیا تھا کہ مدینہ سے نکل کر جائیں تو کدھر جائیں۔

محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ:

''اس وقت آپ یزید کی بیعت اور کسی مخصوص شہر کے ارادہ سے جہاں تک ہو سکے الگ رہیے اور ان لوگوں کو خود اپنی خلافت کی دعوت دیجیے اگر وہ لوگ بیعت کر لیں تو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے، اور اگر کسی دوسرے شخص پر لوگوں کا اجتماع ہو جائے تو اس سے آپ کے اوصاف و کمالات اور فضائل میں کمی نہ آئے گی۔ مجھے خوف ہے کہ اگر آپ اس پر شور زمانہ میں کسی مخصوص شہر اور مخصوص جماعت کے پاس جانے کا قصد کریں گے تو ان میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ ایک فریق آپ کی حمایت کرے گا دوسرا مخالفت، پھر یہ دونوں آپس میں لڑیں گے اور آپ ان کے نیزوں کا پہلا نشانہ بنیں گے، اس طرح اس امت کا معزز ترین اور شریف ترین شخص جس کا ذاتی اور نسبی شرف میں کوئی مقابل نہیں ہے، سب سے زیادہ ذلیل اور پست اور اس کا خون سب سے زیادہ ارزاں ہو جائے گا۔''

یہ مشورہ سن کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے پوچھا، پھر میں کہاں جاؤں؟ محمد بن حنفیہ نے کہا، مکہ۔ اگر وہاں آپ کو اطمینان حاصل ہو جائے تو کوئی نہ کوئی راہ نکل آئے گی اور اگر وہاں بھی اطمینان حاصل نہ ہو تو کسی اور ریگستان اور پہاڑی علاقہ میں نکل جایئے اور اس وقت تک برابر ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہوتے رہیے جب تک ملک کا کوئی فیصلہ ہو جائے۔ اس درمیان میں آپ کسی نہ کسی نتیجہ پر پہنچ جائیں گے۔ جب واقعات سامنے آ جاتے ہیں اس وقت آپ کی رائے بہت زیادہ صائب ہو جاتی اور آپ کا طریقۂ کار بہت زیادہ صحیح ہو جاتا ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محمد بن حنفیہ کا مشورہ پسند کیا اور فرمایا تمہاری نصیحت بہت محبت آمیز ہے، تمہاری رائے بھی صائب ہوگی۔

(طبری ج ۷ ص ۲۲۰، ۲۲۱)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سفر مکہ اور عبداللہ بن مطیع کا مشورہ

اس وقت مدینہ بہت پر آشوب ہو رہا تھا، اس کے مقابلہ میں اگر کہیں امن تھا تو

Marfat.com

وہ حرمِ محترم تھا اور حضرت حسین ؓ کے پاس کوفہ سے خط پر خط اور آدمی پر آدمی آ رہے تھے کہ آپ کوفہ تشریف لائیے ہم سب جان نثاری کے لئے تیار ہیں۔ لیکن محمد بن حنفیہ نے کسی دوسرے مقام پر جانے کی مخالفت کی تھی اور مکہ ہی میں قیام کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس لئے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ چھوڑ کر مکہ جانے کا قصد کر لیا۔ چنانچہ شعبان ۶۰ھ میں مع اہل وعیال مکہ روانہ ہو گئے۔

راستہ میں عبداللہ بن مطیع ملے انہوں نے آپ کو مدینہ سے جاتے ہوئے دیکھا تو پوچھا میں آپ پر فدا ہوں، کہاں کا قصد ہے؟ فرمایا: فی الحال مکہ جاتا ہوں۔ عبداللہ نے کہا: اس میں مضائقہ نہیں، مگر خدا کے لئے کوفہ کا قصد نہ کیجئے گا۔

وہ منحوس شہر ہے، وہاں آپ کے والد شہید کیے گئے، آپ کے بھائی بے یار و مددگار چھوڑے گئے۔ نیزے سے زخمی ہوئے، جان جاتے جاتے بچی۔ آپ حرم میں بیٹھ جایئے، آپ عرب کے سردار ہیں، حجازی آپ کے مقابلہ میں کسی کو نہ مانیں گے۔ حرم میں بیٹھ کر اطمینان کے ساتھ لوگوں کو اپنی طرف مائل کیجئے۔ میرے چچا اور ماموں آپ پر فدا ہوں آپ حرم کو ہرگز ہرگز نہ چھوڑیئے گا اگر نصیب دشمناں آپ پر کوئی آنچ آئی تو ہم سب غلام بنا ڈالے جائیں گے۔

تحقیق حال کیلئے مسلم بن عقیل کی کوفہ روانگی اور راہ کے شدائد

مکہ پہنچنے کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے شعب ابی طالب (یہ وہی گھاٹی ہے جس میں آغازِ اسلام میں قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ آپ کے حامیوں اور ہوا خواہوں کو تبلیغِ اسلام کے جرم میں نظر بند کیا تھا) میں قیام فرمایا، آپ کی آمد کی خبر سن کر لوگ جوق در جوق زیارت کے لئے آنے لگے اور کوفیوں کے بلاوے کے خطوط کا تانتا بندھ گیا۔ عمائد کوفہ کے وفود نے آ کر عرض کیا کہ آپ جلد سے جلد کوفہ تشریف لے چلئے وہاں کی مسندِ خلافت آپ کے لئے خالی ہے اور ہماری گردنیں آپ کے لئے حاضر ہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یہ اشتیاق سن کر فرمایا، میں تمہاری محبت اور

Marfat.com

ہمدردی کا شکر گزار ہوں لیکن فی الحال نہیں جا سکتا۔ پہلے اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو بھیجتا ہوں۔ یہ وہاں کے حالات کا اندازہ لگا کر مجھے اطلاع دیں گے۔ اس وقت میں کوفہ کا قصد کروں گا۔

چنانچہ مسلم کو ایک خط دے کر کوفہ روانہ کر دیا کہ وہ براہِ راست خود حالات کا صحیح اندازہ لگا کر اطلاع دیں اور اگر حالات کا رُخ کچھ بدلا ہوا دیکھیں تو لوٹ آئیں۔ چنانچہ مسلم رحمۃ اللہ علیہ دو آدمیوں کو لے کر کوفہ روانہ ہو گئے۔ راستہ میں بڑی دشواریاں پیش آئیں، پانی کی قلت کی وجہ سے دونوں آدمی ہلاک ہو گئے۔

مسلم رحمہ اللہ نے کوفہ کے قریب پہنچ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ میں ان ان دشواریوں کے ساتھ یہاں تک پہنچا ہوں، بہتر ہوتا کہ یہ خدمت کسی دوسرے کے سپرد کر دی جاتی۔

لیکن امام نے جواب میں لکھا کہ یہ تمہاری کمزوری ہے، ہمت نہ ہارو۔ اس لئے مسلم رحمہ اللہ کو چار و ناچار کوفہ میں داخل ہونا پڑا۔ کوفہ والے چشم براہ ہی تھے، مسلم کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان کے پہنچتے ہی کوفہ میں یزید کی اعلانیہ مخالفت شروع ہو گئی۔

یزید کو مسلم کے پہنچنے کی اطلاع اور حسین رضی اللہ عنہ کے بصری قاصد کا قتل

مسلم رحمہ اللہ کے کوفہ پہنچنے کے بعد حکومت شام کے جاسوسوں نے پایۂ تخت دمشق اطلاع بھیجی کہ حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے مسلم بیعت لینے کے لئے کوفہ آ گئے ہیں، اگر سلطنت کی بقا منظور ہے تو فوراً اس کا تدارک ضروری ہے۔ اس اطلاع پر دربارِ دمشق سے عبید اللہ بن زیاد کے نام تاکیدی حکم آیا کہ تم فوراً کوفہ جا کر مسلم کو خارج البلد کر دو اور اگر وہ اس میں مزاحمت کریں تو قتل کر دو۔ ابن زیاد کو بصرہ میں یہ فرمان ملا۔

اتفاق سے اسی دن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ایک اور قاصد اہل بصرہ کے نام بھی آپ کا خط لے کر آیا تھا۔ بصرہ والوں کو یزید کے فرمان کا علم ہو چکا تھا۔ اس لئے انہوں نے اس قاصد کو چھپا دیا، مگر ابن زیاد کے خسر کو اس کا علم ہو گیا تھا، اس نے ابن زیاد کو خبر کر دی، ابن زیاد نے اسی وقت قاصد کو گرفتار کر کے قتل کرا دیا اور جامع بصرہ میں تقریر کی کہ

Marfat.com

''امیر المومنین'' نے مجھے بصرہ کے ساتھ کوفہ کی حکومت بھی مرحمت فرمائی ہے، اس لئے میں وہاں جارہا ہوں، میری عدم موجودگی میں میرا بھائی عثمان میری نیابت کرے گا، تم لوگوں کو اختلاف اور شورش سے بچنا چاہیے۔

یاد رکھو جس کے متعلق مجھے ان میں حصہ لینے کی اطلاع ملے گی، اس کو اور اس کے حامی دونوں کو قتل کر ڈالوں گا اور قریب و بعید اور گناہ گار و ناکردہ گناہ سب کو ایک گھاٹ اتاروں گا، تاآنکہ تم لوگ راہِ راست پر آ جاؤ۔ میرا فرض سمجھانا تھا، اسے میں نے پورا کر دیا، اب میں بری الذمہ ہوں۔

کوفہ میں ابن زیاد کا ورود اور پہلی تقریر

اس تہدید آمیز تقریر کے بعد ابن زیاد بصرہ سے کوفہ روانہ ہو گیا۔ اہل کوفہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے چشم براہ تھے اور آپ کے دھوکے میں ہر باہر سے آنے والے کو دیکھ کر مرحبا بابن رسول اللہ کا نعرہ لگاتے تھے۔ اس لئے ابن زیاد کوفہ میں جن جن راستوں سے گزرا یہی نعرہ سنائی دیا، ان کو سن کو جوشِ غضب سے لبریز ہو گیا اور سیدھا جامع مسجد پہنچا اور لوگوں کو جمع کر کے تقریر کی کہ:

''باشندگانِ کوفہ...... امیر المومنین نے مجھے تمہارے شہر کا حاکم بنا کر بھیجا ہے، اور مظلوم کے ساتھ انصاف و مطیع و منقاد کے ساتھ احسان اور نافرمان اور باغی کے ساتھ سختی کا حکم دیا ہے۔ میں اس حکم کی پوری پابندی کروں گا۔ فرمانبرداروں کے ساتھ پدرانہ شفقت سے پیش آؤں گا لیکن مخالفوں کے لئے سم قاتل ہوں۔''

کوفہ میں مسلم رحمہ اللہ کا خفیہ سلسلۂ بیعت

اس اعلان سے مسلم گھبرا گئے اور رات کو اپنے قیام گاہ سے نکل کر اہل بیعت کے ایک ہوا خواہ ہانی بن عروہ مذحجی کے یہاں پہنچے۔ ابن زیاد کے اعلان سے سب خوفزدہ ہو رہے تھے، اس لئے ہانی کو پہلے مسلم رحمہ اللہ کے ٹھہرانے میں تذبذب ہوا، لیکن پھر زنانہ

Marfat.com

مکان کے ایک محفوظ حصہ میں چھپا دیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ایک بڑا حامی شریک بن اعور سلمی جو بصرہ کا ایک مقتدر اور معزز شخص تھا، عبید اللہ بن زیاد کے ساتھ کوفہ آیا ہوا تھا، اس تعلق سے ہانی نے اسے بھی اپنا مہمان بنایا اور مسلم رحمہ اللہ کے ساتھ ٹھہرایا۔ اس نے ہانی کو مسلم کی امداد پر آمادہ کیا اور مسلم کے پاس حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے حامیوں کی خفیہ آمدورفت شروع ہوگئی۔ اور ان کی بیعت کا سلسلہ جاری ہوگیا۔

سوء اتفاق سے اسی دوران میں شریک بیمار پڑ گیا۔ ابن زیاد کو خبر ہوئی تو وہ عیادت کے لئے آیا۔ اس کے آنے کی خبر سن کر شریک نے پہلے سے اس کا قصہ چکانے کا بندوبست کرلیا اور مسلم کو ایک خفیہ مقام پر چھپا کر ہدایت کردی کہ وہ موقع پاتے ہی نکل کر ابن زیاد کا کام تمام کردیں۔ اس کے بعد بصرہ کی مسندِ خلافت تمہارے لئے خالی ہو جائے گی اور کوئی مزاحم باقی نہ رہے گا۔ ہانی نے اپنے گھر میں یہ صورت ناپسند کی، لیکن شریک نے اس قتل کو مذہبی خدمت بتا کر ہانی کو آمادہ کرلیا، اس کے بعد ہی عبید اللہ بن زیاد عیادت کے لئے آ گیا اور دیر تک بیٹھا رہا مگر مسلم نہ نکلے۔

شریک نے اشارہ بھی کیا مگر کسی وجہ سے مسلم نے حملہ مناسب نہ سمجھا اور ابن زیاد بچ کر نکل گیا۔ اس کی واپسی کے بعد شریک نے کہا تم نے بڑی بزدلی سے کام لیا۔

مسلم رحمہ اللہ نے جواب دیا، اوّل ہمارے میزبان ہانی کو یہ صورت حال پسند نہ تھی دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ ''ایمان اچانک حملہ سے روکتا ہے'' اور اچانک حملہ مسلمانوں کے شایانِ شان نہیں۔ میرے پاؤں پکڑ لیتا تھا۔ بہر حال مسلم رحمہ اللہ نے اپنی دینداری کی بناء پر ابن زیاد کے قتل کا بہترین موقعہ کھودیا۔ لیکن اس کے بعد بھی ان کا سلسلۂ بیعت بدستور برابر جاری رہا اور اٹھارہ ہزار اہل کوفہ ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے زمرۂ عقیدت میں داخل ہوگئے۔

(سیر الصحابہ جلد ششم ص ۱۴۷ تا ۱۵۷)

حضرت مسلم بن عقیلؓ کی شہادت

مسلم بن عقیل رحمہ اللہ نہایت احتیاط سے کوفہ گئے۔ وہاں حالات سازگار دیکھ کر

Marfat.com

مسلم نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھا۔ ادھر لوگوں نے نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا کہ مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ والوں کو امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت پر آمادہ کر رہے ہیں لیکن نعمان نے خاموشی اختیار کی۔

تب ان لوگوں نے یزید کو خط لکھا کہ مسلم بن عقیل کوفہ کے لوگوں کو امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لئے راضی کر رہے ہیں۔ نعمان کمزوری دکھا رہے ہیں۔ یہ سن کر یزید نے عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ روانہ کیا۔

ابن زیاد نے مسلم بن عقیل سے مقابلہ کیا۔ مسلم کے ساتھ چار ہزار کوفہ والے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ سب جدا ہو گئے اور مسلم کے ساتھ صرف تیس چالیس آدمی رہ گئے۔ چنانچہ وہ میدانِ جنگ چھوڑ کر کوفہ کے ایک مکان میں پناہ گزین ہو گئے، لیکن ابن زیاد نے انہیں تلاش کر لیا اور ازاں بعد مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا۔

حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی کوفہ روانگی اور واقعہ کربلا

۳/ذی الحجہ ۶۰ھ بروز دوشنبہ حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ سے معہ اہل وعیال روانہ ہوئے۔ مختلف لوگوں سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا کہ کوفہ والوں کی زبانی حمایت تو آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے لیکن وہ آپ کی خاطر جنگ ہرگز نہ لڑیں گے۔ کئی لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو مدینہ واپس چلے جانے کا مشورہ دیا لیکن سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واپسی سے قطعاً انکار کر دیا۔

مقامِ شراف پر آپ رضی اللہ عنہ کا سامنا حُر بن یزید تمیمی کے ساتھ ہوا جس کے ساتھ ایک ہزار فوج تھی۔ وہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا اور یہ وہ شخص تھا جس نے اقرار کیا تھا کہ اگر حسین رضی اللہ عنہ کوفہ آ جائیں تو وہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرے گا۔

خیر آپ رضی اللہ عنہ نے حُر سے کوئی تعرض نہ کیا اور شمال کی جانب قادسیہ کے قریب پہنچ گئے۔ وہاں عمرو بن سعد ایک بڑی فوج کے ساتھ موجود تھا۔ یہاں سے حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کربلا میں آ کر مقیم ہو گئے۔

عمرو بن سعد کے دل میں آپ رضی اللہ عنہ کے لئے ہمدردی کا جذبہ تھا اور اس نے آپ سے کہا کہ وہ جنگ کرنا نہیں چاہتا۔ جواب میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے تین شرطیں اس کے سامنے رکھیں۔ اس نے ابن زیاد کو لکھ بھیجا۔ لیکن کچھ لوگوں کے بہکانے پر ابن زیاد نے لکھ بھیجا کہ اگر حسین رضی اللہ عنہ یزید کی بیعت نیابت اوّل میرے ہاتھ پر کریں تو مسئلہ حل ہوسکتا ہے۔ لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے فوراً انکار کر دیا۔

ابن زیاد نے اپنا ایک ایلچی عمرو بن سعد کی طرف بھیجا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر لو یا پھر جنگ کر کے ان کا سر کاٹ کر بھیجو۔ ساتھ ہی ابن زیاد نے شمر کو نیا سالار بنا کر بھیج دیا کہ اگر ابن سعد حکم عدولی کرے تو وہ ابن سعد کو گرفتار کر کے فوج کی کمان سنبھال لے اور حسین (رضی اللہ عنہ) سے جنگ کرے۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام ہمراہیوں کو بُلا کر کہا کہ تم لوگ یہاں سے جس طرف کو مناسب سمجھو چلے جاؤ۔ لیکن سب نے جانے سے انکار کر دیا۔ اگلے دن شمر اور ابن سعد اپنی فوج آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے لے آئے۔ بعض روایات کے موافق آپ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ اس وقت ۷۲ آدمی موجود تھے۔ بعض روایات کے موافق ایک سو چالیس اور بعض کے موافق دو سو چالیس تھے۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کوفیوں کے سامنے ایک پُر جوش، ولولہ انگیز تقریر کی لیکن کوفیوں پر کوئی خاص اثر نہ ہوا۔ یہ وہی بے وفا کوفہ والے تھے جنہوں نے خود حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ بلایا تھا کہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے لیکن اب الٹے آپ رضی اللہ عنہ کی جان کے دشمن بن گئے تھے۔ چنانچہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بھی جنگ کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ جنگ شروع ہوئی تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے اہل خاندان نے اپنی بہادری کے اعلیٰ نمونے دکھائے۔

آخر میں امام حسین رضی اللہ عنہ میدانِ جنگ میں تنہا رہ گئے۔ خیمہ میں عورتوں کے علاوہ صرف علی اوسط معروف بہ زین العابدین جو بیمار تھے، باقی رہ گئے۔ ظالم ابن زیاد نے یہ حکم بھیجا تھا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک کاٹ کر ان کی لاش گھوڑوں سے یہاں تک پامال کرائی جائے کہ ہر ایک عضو ٹوٹ جائے اور چکنا چور ہو کر رہ جائے۔

Marfat.com

حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے تنہا رہ جانے کے بعد جس بہادری و جواں مردی کے ساتھ دشمنوں پر حملے کئے، ان حملوں کی شان دیکھنے والا ان کے ہمراہیوں میں سے کوئی نہ تھا۔ لیکن عمرو بن سعد اور شمر آپس میں ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ ہم نے آج تک بہادر جری اس جیسا انسان نہیں دیکھا۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ جام شہادت نوش کرتے ہیں......

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ تمام نوجوانانِ اہل بیت شہید ہو چکے ہیں اور اب اس خانوادۂ نبوت میں سوائے عابد بیمار اور امام خستہ تن کے کوئی باقی نہیں ہے، لیکن سنگدل شامی اس نوبت کے بعد بھی امام ہمام کو چھوڑنے والے نہ تھے۔ چنانچہ بالآخر وہ قیامت خیز ساعت بھی آ گئی کہ فلکِ امامت کا آفتاب میدانِ جنگ کے اُفق پر طلوع ہوا، یعنی حضرت حسین رضی اللہ عنہ شامی فوج کی طرف بڑھے۔

ابن زیاد کے حکم کے مطابق ساتویں محرم سے حسینی لشکر پر پانی بند کر دیا گیا تھا، جب تک عباس علمدار زندہ تھے، جان پر کھیل کر پانی لے آتے تھے، لیکن ان کے بعد ساقی کوثر ﷺ کے نواسہ کو کوئی پانی دینے والا بھی باقی نہ تھا۔

اہل بیت کے خیموں میں جو پانی تھا وہ ختم ہو چکا تھا۔ اور امام کے لب خشک تھے، حلق سوکھ رہی تھی، اعزہ کے قتل سے دل فگار ہو رہا تھا، جی چھوٹ چکا تھا، اس لئے کوفیوں کے لئے آپ کا کام تمام کر دینا آسان تھا، لیکن وہ لاکھ سنگدل اور جفا پیشہ سہی، پھر بھی مسلمان تھے، اس لئے جگر گوشۂ رسول کے خون کا بارِ عظیم اپنے سر نہ لینا چاہتے تھے۔

ہمت کر کے بڑھتے تھے لیکن جرأت نہ پڑتی تھی۔ ضمیر ملامت کرتا تھا اور پلٹ جاتے تھے۔ (مستدرک حاکم۔ فضائل حسین ؓ)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی پیاس لحہ بہ لحہ بڑھتی جاتی تھی، آخر میں آپ نے رہوار کو فرات کی طرف موڑا کہ ذرا حلق نم کر کے کانٹے دور کریں، لیکن کوفیوں نے نہ جانے دیا۔ یہ وہی تشنہ لب ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند آدمیوں کے ساتھ کہیں تشریف لئے جا رہے تھے کہ حسنین رضی اللہ عنہما کے رونے کی آواز کانوں میں آئی، جلدی سے گھر

Marfat.com

گئے اور پوچھا میرے بیٹے کیوں رو رہے ہیں؟ فاطمہؓ نے کہا، پیاسے ہیں۔ اتفاق سے اس وقت پانی نہ تھا۔ لوگوں سے پوچھا، لیکن کسی کے پاس پانی نہ نکلا تو آپ نے یکے بعد دیگرے دونوں کو اپنی زبان مبارک چُسا کر ان کی تشنگی فرو کی۔

یہ اسی رحمتِ عالم ﷺ کا تشنہ لب نواسہ ہے کہ جب مکہ میں خشک سالی ہوتی تھی، فصلیں تباہ ہونے لگتی تھیں، سبزہ سوکھ جاتا تھا اور خلق اللہ بھوکوں مرنے لگتی تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسلام کے اُس وقت کے سب سے بڑے دشمن ابوسفیان آتے تھے اور کہتے تھے: محمد! (ﷺ) تم صلہ رحمی کی تعلیم دیتے ہو، تمہاری قوم خشک سالی سے ہلاک ہوئی جارہی ہے، خدا سے پانی کی دعا کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی درخواست پر پانی کے لئے دعا فرماتے تھے، دفعتاً اَبر اٹھتا تھا اور سات دن تک مسلسل اس شدت کی بارش ہوتی تھی کہ جل تھل ہو جاتا تھا۔

ٹھیک باون برس کے بعد اسی رحمتِ عالم ﷺ اور دوست دشمن کے سیراب کرنے والے کا نواسہ ایک قطرہ پانی کے لئے ترستا ہے اور انہیں پانی کی ایک بوند بھی خشک حلق تک نہیں پہنچنے پاتی۔ آہ صاحبِ انّا اعطینک الکوثر کا نواسہ اور یوں تشنہ کام ہے۔

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

آخر جب پیاس کی شدت ناقابل برداشت ہوگئی تو پھر ایک مرتبہ نرغۂ اعداء سے فرات کی طرف بڑھے، اور ساحل تک پہنچ گئے۔ پانی لے کر پینا چاہتے تھے کہ حصین بن نمیر نے ایسا تیر مارا کہ دہنِ مبارک سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا، آپ نے چلّو میں پانی لے کر آسمان کی طرف اُچھالا کہ اے بے نیاز یہ لالہ گوں منظر تو بھی دیکھ لے کہ

بجرمِ عشقِ توام میکشند غوغائیست
تو نیز برسرم آ کہ خوش تماشائیست

چلّو سے خون کی نذر پیش کر کے فرمایا کہ خدایا جو کچھ تیرے نبی کے نواسہ کے ساتھ کیا جارہا ہے اس کا شکوہ تجھی سے کرتا ہوں کہ مبادا۔

خونِ من ریزی و گویند سزاوار نبود

جس قدر امام نڈھال ہوتے جاتے تھے، شامیوں کی جسارت زیادہ بڑھتی جاتی

تھی۔ چنانچہ جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت حسین میں تابِ مقاومت باقی نہیں ہے اور اہل بیت کے خیموں کی طرف بڑھے، اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ادھر جانے سے روک دیا۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارا کوئی دین وایمان ہے؟

تمہارے دلوں سے قیامت کا خوف بالکل ہی جاتا رہا؟ ان سرکشوں اور جاہلوں کو میرے اہل بیت کی طرف جانے سے روکو، لیکن امام مظلوم کی فریاد کوئی نہ سنتا تھا، بلکہ آپ کی فریاد پر اُن کی شقاوت اور بڑھتی جاتی تھی، اور شمر لوگوں کو برابر اُبھار رہا تھا، اس کے اُبھارنے پر یہ شوریدہ بخت ہر طرف سے ٹوٹنے لگے، لیکن شمشیر حسینیؑ ان بادلوں کو ہوا کی طرح اڑادیتی تھی، مگر ایک خستہ دل، خستہ جگر اور زخموں سے چور ہستی میں سکت ہی کیا باقی تھی، یہ بھی حسین رضی اللہ عنہ ہی کا دل تھا کہ اب تک دشمنوں کے بے پناہ ریلے کو روکے ہوئے تھے، لیکن تابکے؟......

بالآخر وہ وقت آ گیا کہ ماہِ خلافت کو شامیوں نے نرغہ کے تاریک بادلوں میں گھیر لیا، امام کو محصور دیکھ کر اہل بیت کے خیمہ سے ایک بچہ دوڑتا ہوا نکل آیا، اور بحیر بن کعب سے جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھ رہا تھا، معصومانہ انداز سے کہا: خبیث عورت کے بچے میرے چچا کو قتل کرے گا؟ ہاشمی بچہ کی اس ڈانٹ پر اس بزدل نے بچہ پر تلوار کا وار کیا، بچہ نے ہاتھ پر روکا، نازک نازک ہاتھ دیوہیکل کا وار کس طرح روکتے، ہاتھ جھول گیا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بچہ کو نیم بسمل دیکھ کر سینہ سے چمٹا لیا اور کہا بیٹا صبر کرو، عنقریب خدا تم کو تمہارے اجداد سے ملا دے گا۔ رسول اللہ ﷺ، علی رضی اللہ عنہ، حمزہ رضی اللہ عنہ، جعفر رضی اللہ عنہ اور حسن رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ جاؤ گے۔ بچہ کو تسلی دے کر ابن اسد اللہ الغالب رضی اللہ عنہ پھر حملہ آور ہوئے اور جدھر رُخ کر دیا دشمنوں کی صفیں درہم برہم کر دیں۔

میدانِ کربلا میں قیامت بپا تھی، ہر طرف تلواروں کی چمک سے بجلی تڑپ رہی تھی، کہ دفعتاً مالک بن شبر کندی نے دوشِ نبویؐ کے شہ سوار پر ایسا وار کیا کہ تلوار کلاہ مبارک کو کاٹتی ہوئی کاسۂ سر تک پہنچ گئی، خون کا فوارہ پھوٹ نکلا اور سارا بدن خون کے چھینٹوں سے لالۂ احمر ہو گیا، پیراہن مبارک کی رنگینی پکار اٹھی۔

Marfat.com

حُلّہ ہا سوختہ اند اہل بہشت از غیرت
تا شہیدانِ تو گلگوں کفنے ساختہ اند

لیکن اس وقت بھی امام ہمام کے صبر وسکون میں فرق نہ آیا۔ دوسری ٹوپی منگا کر زخمی فرق مبارک پر رکھی، اور اس پر سے عمامہ باندھا، اور شیر خوار بچہ کو بلا کر گود میں لیا کہ اس کے بعد پدری شفقت کا سایہ سر سے اٹھنے والا تھا، کسی سنگدل نے ایسا تیر مارا کہ بچہ گود میں تڑپ کر رہ گیا۔

جان نثار بہن یہ قیامت خیز منظر دیکھ کر خیمہ سے نکل آئیں، اور چلاتی ہوئی دوڑیں کہ کاش آسمان زمین پر ٹوٹ پڑتا، ابن سعد حضرت حسین ﷺ کے پاس کھڑا تھا اس سے کہنے لگیں: عمر! کیا قیامت ہے، ابو عبداللہ قتل کئے جا رہے ہیں اور تم دیکھ رہے ہو؟ گو ابن سعد کی آنکھوں میں جاہ وحشمت کی طمع نے پردے ڈال دیئے تھے، پھر بھی عزیز تھا، خون میں محبت تھی، زینبؓ کی فریاد سن کر بے اختیار رو دیا اور اتنا رویا کہ رخسار اور داڑھی پر آنسوؤں کی لڑی رواں ہوگئی، اور فرطِ خجالت سے زینبؓ کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

امام ہمام لڑتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے:

"آج تم لوگ میرے قتل کے لئے جمع ہوئے ہو، خدا کی قسم میرے بعد کسی ایسے شخص کو قتل نہ کرو گے جس کا قتل میرے قتل سے زیادہ خدا کی ناراضی کا موجب ہوگا۔ خدا تم کو ذلیل کر کے مجھے اعزاز بخشے گا۔ اور تم سے اس طرح بدلہ لے گا کہ تمہیں خبر تک نہ ہوگی۔ خدا کی قسم اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو خدا تم پر سخت عذاب نازل فرمائے گا اور تم میں باہم خون ریزی کرائے گا۔ اور جب تک تم پر دونا عذاب نہ کرے گا اس وقت تک راضی نہ ہوگا۔"

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی حالت لحہ بہ لحہ غیر ہوتی جاتی تھی، زخموں سے سارا بدن چُور ہو چکا تھا لیکن کسی کو شہید کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی، اور سب اس جبل معصیت کو ایک دوسرے پر ٹال رہے تھے، شمر یہ تذبذب دیکھ کر پکارا، تمہارا بُرا ہو، تمہاری مائیں لڑکوں کو روئیں، دیکھتے کیا ہو؟ بڑھ کر حسین کو قتل کر دو، اس للکار پر شامی چاروں طرف سے امام

Marfat.com

ہمام پر ٹوٹ پڑے، ایک شخص نے تیر مارا، تیر گردن میں آ کر بیٹھ گیا۔ امام نے اس کو ہاتھوں سے نکال کے الگ کیا۔ ابھی آپ نے تیر نکالا ہی تھا کہ زرعہ بن شریک تمیمی نے بائیں ہاتھ پر تلوار ماری، پھر گردن پر وار کیا، ان پیہم زخموں نے امام کو بالکل نڈھال کر دیا۔ اعضاء جواب دے گئے اور کھڑے ہونے کی طاقت باقی نہ رہی۔ آپ اٹھتے تھے اور سکت نہ پا کر گر پڑتے تھے۔

عین اسی حالت میں سنان بن انس نے کھینچ کر ایسا کاری نیزہ مارا کہ فلکِ امامت زمین بوس ہو گیا۔ سنگدل اور شقی ازلی خولی بن یزید سر کاٹنے کے لئے بڑھا، لیکن ہاتھ کانپ گئے، تھرا کے پیچھے ہٹ گیا اور سنان بن انس نے اس سر کو جو بوسگاہِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تھا، جسمِ اطہر سے جدا کر دیا۔

اور ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ مطابق ستمبر ۶۸۱ء میں خانوادۂ نبوی کا آفتابِ ہدایت ہمیشہ کے لئے روپوش ہو گیا، اس شقاوت اور سنگدلی پر زمین کانپ اٹھی۔ عرش الٰہی تھرا گیا، ہوا خاموش ہو گئی، پانی کی روانی رک گئی، آسمان خون رویا، زمین سے خون کے چشمے پھوٹے، شجر و حجر سے نالہ و شیون کی صدائیں بلند ہوئیں۔ جن و انس نے سینہ کوبی کی، ملائکہ آسمانی میں صفِ ماتم بچھی کہ آج ریاضِ نبوی کا گل سر سبد مرجھا گیا، علی ؓ کا چمن اُجڑ گیا اور فاطمہ ؓ کا گھر بے چراغ ہو گیا۔

چوں خون زحلق تشنۂ او بر زمین رسید — جوش از زمین بہ زردۂ عرش بریں رسید
نخل بلند او چو خساں بر زمین زدند — طوفان بآسمان ز غبار زمین رسید
باد آن غبار چوں بمزارِ نبی رساند — گرد از مدینہ بر فلک ہفتمین رسید
کرد این خیال وہم غلط کارکان غبار — تا دامنِ جلال جہان آفرین رسید
ہست از ملال گرچہ بری ذاتِ ذوالجلال
او در دلست و ہیچ دلے نیست بے ملال

ستم بالائے ستم

امام ہمام کو شہید کرنے کے بعد بھی سنگدل اور خونی شامیوں کا جذبۂ عناد فرو نہ ہوا، اور شہادت کے بعد وحشی شامیوں نے اس جسدِ اطہر کو جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے جسدِ

Marfat.com

مبارک کا ٹکڑا فرمایا تھا، گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کیا۔ اس بہیمانہ شقاوت کے بعد لٹیرے پردہ نشینان عفاف کے خیموں کی طرف بڑھے، اور اہل بیت کا کل سامان لوٹ لیا، ابھی خانوادۂ نبویؐ میں ایک ٹمٹماتا ہوا چراغ (عابد بیمار) باقی تھا۔

جس وقت شمران کے خیمے کی طرف آیا، اس وقت زین العابدینؒ بیمار تھے، سپاہی بولے اس کو کیوں چھوڑتے ہو؟ ایک شخص حمید بن مسلم کے دل میں خدا نے رحم ڈال دیا، اس نے کہا: سبحان اللہ! ابھی وہ کمسن ہیں، کمسنوں کو بھی قتل کرو گے؟[1]

ابھی یہ سپاہیوں کو سمجھا رہا تھا کہ عمر بن سعد آ گیا، اس نے کہا خبردار کوئی شخص خیموں میں نہ جائے، اور نہ اس بیمار کو ہاتھ لگائے، جس نے جو کچھ لوٹا ہو سب واپس کر دے۔ عمر بن سعد کے اس کہنے پر سپاہیوں نے ہاتھ روک لیا۔ حضرت عابدؒ پر اس برتاؤ کا بڑا اثر ہوا، آپ نے اس کا شکریہ ادا کیا، لیکن لوٹا ہوا مال کسی نے واپس نہ کیا۔

شہدائے بنو ہاشم کی تعداد اور ان کے اسماء گرامی

شہداء اہل بیت کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب

۲۔ ابوالفضل عباس بن علی، شہادت کے وقت ان کی عمر ۳۴ سال تھی۔

۳۔ جعفر بن علی رضی اللہ عنہ ، ۱۹ سال کی عمر میں شہید ہوئے۔

۴۔ عبداللہ بن علی رضی اللہ عنہ ، ۲۵ سال کی عمر میں شہید ہوئے

۵۔ محمد بن علی جو محمد اصغر کے نام سے معروف تھے۔

۶۔ ابوبکر بن علی

۷۔ عثمان بن علی ۲۱ سال کی عمر میں شہید ہوئے

۸۔ علی بن حسین جو اکبر کے نام سے معروف تھے ان کی کنیت ابوالحسن تھی، والدہ کا نام لیلیٰ تھا۔ ان سے نسل نہیں چلی۔

۹۔ عبداللہ بن حسین ان کی والدہ کا نام ام البنین تھا ۲۵ سال کی عمر میں

---

[1] یہ صحیح نہیں ہے کہ زین العابدینؒ کمسن بچہ تھے، بروایت صحیح اس وقت ان کی عمر ۲۳ یا ۲۴ سال تھی لیکن اس وقت بیمار تھے، اس لئے جنگ میں شریک نہ ہوئے۔ ابن سعد ج ۶ ص ۱۶۴

Marfat.com

شہید ہوئے۔ان سے بھی نسل نہ چلی۔

۱۰۔ ابو بکر بن حسن

۱۱۔ عبداللہ بن حسن

۱۲۔ قاسم بن حسن

۱۳۔ عون بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب

۱۴۔ محمد بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب

۱۵۔ جعفر بن عقیل بن ابی طالب

۱۶۔ عبدالرحمٰن بن عقیل

۱۷۔ عقیل بن ابی طالب

۱۸۔ مسلم بن عقیل

۱۹۔ عبداللہ بن مسلم بن عقیل

۲۰۔ محمد بن ابی سعید بن عقیل

۲۱۔ سلیمان مولی حسین بن علی

۲۲۔ منجح مولی حسین

۲۳۔ عبداللہ بن بُقطر، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی

سیدنا حسین ﷺ کی شہادت کے بعد اہل بیت نبویؐ میں زین العابدینؒ، حسن بن حسنؒ، عمرو بن حسنؒ اور کچھ شیر خوار بچے باقی رہ گئے تھے، زین العابدینؒ بیماری کی وجہ سے چھوڑ دیئے گئے اور بچے شیر خواری کی وجہ سے بچ گئے۔

تجہیز و تکفین

شہادت کے دوسرے یا تیسرے دن غاضریہ کے باشندوں نے شہداء کی لاشیں دفن کیں۔حضرت حسین ﷺ کا لاشہ بے سر کے دفن کیا گیا، سر مبارک ابن زیاد کے ملاحظہ کے لئے کوفہ بھیج دیا گیا تھا، ابن زیاد کے سامنے جب سر پیش ہوا تو چھڑی سے لب اور دندان مبارک کو چھیڑنے لگا۔

حضرت زید بن ارقم ؓ بھی موجود تھے۔ ان سے یہ نظارہ نہ دیکھا گیا، فرمایا: چھڑی ہٹالو، خدائے واحد کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لبِ مبارک کو ان لبوں کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ کہہ کر بے اختیار رو دیئے، ابن زیاد بولا: خدا تیری آنکھوں کو ہمیشہ رُلائے، اگر تو بڈھا پھوس نہ ہوتا، اور تیرے حواس جاتے نہ رہے ہوتے تو تیری گردن اڑا دیتا۔

ابن زیاد کے یہ گستاخانہ کلمات سن کر آپ نے فرمایا کہ:

"قوم عرب آج سے تم نے غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈال لیا، تم نے ابن مرجانہ کے کہنے سے حسینؓ بن فاطمہؓ کو قتل کر دیا، ابن مرجانہ نے تمہارے بھلے آدمیوں کو قتل کیا اور بڑوں کو غلام بنایا، اور تم نے یہ ذلت گوارا کرلی، اس لئے ذلیلوں سے دور رہنا بہتر ہے۔"

یہ کہہ کر اس کے پاس سے چلے گئے۔ (ابن اثیر ج ۴ ص ۶۹، ۷۰)

اہل بیت کا سفرِ کوفہ

حضرت حسین ؓ کی شہادت کے بعد شامی بقیۃ السیف اہل بیت کو کربلا سے کوفہ لے چلے، اس وقت تک شہداء کی لاشیں اسی طرح بے گور وکفن پڑی ہوئی تھیں۔ اہل بیت کا یہ ستم رسیدہ اور لٹا ہوا قافلہ اسی راستہ سے گزرا، بے گور وکفن لاشوں پر عورتوں کی نظر پڑی تو قافلہ میں ماتم سا بپا ہوگیا۔ حضرت حسین ؓ کی بہن اور صاحبزادیوں نے قاتلانِ حسین ؓ کے انجامِ بد کے لئے دعائیں کیں، زینبؓ رو رو کر کہتی تھیں کہ

اے محمد گر قیامت سر بروں آری ز خاک
سر بروں آرد قیامت درمیان خلق بین

اے دادا جان محمد! جس پر ملائکہ آسمانی درود وسلام بھیجتے ہیں، آیئے دیکھئے حسین رضی اللہ عنہ کا لاشہ چٹیل میدان میں اعضا بریدہ، خاک وخون میں آلودہ پڑا ہے، آپ کی لڑکیاں قید ہیں آپ کی ذرّیت مقتول بچھی ہوئی ہے، ہوا اُن پر خاک اڑا رہی ہے، یہ دل دوز کلمات سن کر دوست ودشمن سب رو دیئے۔

Marfat.com

اسی طریقہ سے یہ قافلہ کوفہ لے جا کر ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس وقت زینب ننگے پاؤں، نہایت خراب لباس اور خستہ حالت میں تھیں۔ لونڈیاں ساتھ تھیں، ابن زیاد نے اس زبوں حالت میں دیکھ کر پوچھا: یہ کون ہیں؟ زینبؓ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے مکرر سہ مکرر سوال پر ایک لونڈی نے کہا کہ زینب بنت فاطمہؓ ہیں۔ یہ سن کر اس سنگدل نے کہا: خدا کا شکر ہے جس نے تم کو رُسوا کیا، تمہیں قتل کیا اور تمہاری جدتوں کو جھٹلایا۔

زینبؓ نے جواب دیا: ”تیرا خیال غلط ہے، خدا کا شکر ہے کہ جس نے ہم کو محمد ﷺ سے نوازا، اور ہم کو پاک کیا، ہم نہیں بلکہ فاسق (ابن زیاد) رُسوا ہوتے ہیں اور جھٹلائے جاتے ہیں۔“

ابن زیاد بولا: ”تم نے دیکھا خدا نے تمہارے اہل بیت کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟“

زینبؓ نے جواب دیا: ”ان کی قسمت میں شہادت مقدر ہو چکی تھی، اس لئے وہ مقتل میں آئے اور عنقریب وہ اور تم خدا کے روبرو جمع ہو گے، اس وقت وہ اس کے سامنے اس کا انصاف طلب کریں گے۔“

یہ دندان شکن جوابات سن کر ابن زیاد غصہ سے بے تاب ہو کر بولا: ”خدا نے تمہارے اہل بیت کے سرکش اور نافرمان آدمی سے میرا غصہ ٹھنڈا کر دیا۔“

شہید بھائی پر یہ چوٹ سن کر زینبؓ ضبط نہ کر سکیں اور رو کر کہنے لگیں: ”میری عمر کی قسم، تم نے ہمارے ادھیڑوں کو قتل کیا، ہمارے گھر والوں کو نکالا، ہماری شاخوں کو کاٹا، اور ہماری جڑ کو اُکھاڑا، اگر اسی سے تمہاری تسکین ہوتی تو ہو گئی۔“

ابن زیاد زینبؓ کے یہ بے باکانہ جوابات سن کر بولا: ”یہ جرأت اور یہ شجاعت! میری عمر کی قسم تمہارے باپ بھی شجاع تھے۔“

زینبؓ بولیں: عورتوں کو شجاعت سے کیا تعلق؟......

اس کے بعد زین العابدینؓ پر اس کی نظر پڑی، پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟ جواب دیا: علی بن حسینؓ۔ نام سن کر کہنے لگا، کیا خدا نے علی بن حسین کو قتل نہیں کیا؟ زین العابدینؓ خاموش رہے۔ ابن زیاد نے کہا، بولتے کیوں نہیں؟ فرمایا میرے دوسرے بھائی کا نام بھی

Marfat.com

علی تھا، وہ قتل ہوئے۔ ابن زیاد نے کہا ان کو خدا نے قتل نہیں کیا۔ زین العابدینؒ پھر چپ ہو گئے۔ ابن زیاد نے پھر پوچھا چپ کیوں ہو؟ انہوں نے جواب میں یہ آیت تلاوت کی:

اللّٰہ یتوفی الانفس حین موتھا ......

''اللہ ہی نفسوں کو موت دیتا ہے جب ان کی موت کا وقت آتا ہے۔''

وما کان لنفس ان تموت اِلّا باذنِ اللّٰہ.

''کسی نفس میں یہ مجال نہیں کہ بغیر اذنِ خداوندی کے مر جائے۔''

ان کا جواب سن کر کہا، تم بھی ان ہی میں ہو، اور ان کے بلوغ کی تصدیق کرا کے قتل کا حکم دیا۔ یہ حکم سن کر زین العابدینؒ نے کہا: ان عورتوں کو کس کے سپرد کرو گے؟ جان نثار پھوپھی زینبؓ یہ سفاکانہ حکم سن کر تڑپ گئیں اور ابن زیاد سے کہا، ابھی تک تم ہمارے خون سے سیر نہیں ہوئے، کیا ہمارا کوئی بھی آسرا باقی نہ رکھو گے؟ یہ کہہ کر زین العابدینؒ سے چمٹ گئیں اور ابن زیاد سے مُصر ہوئیں کہ تم کو خدا کی قسم اگر ان کو قتل کرنا چاہتے ہو تو ان کے ساتھ مجھ کو بھی قتل کر دو۔ لیکن زین العابدینؒ پر مطلق کوئی ہراس طاری نہ ہوا۔ انہوں نے نہایت سکون اور اطمینان سے کہا: اگر تم مجھے قتل ہی کرنا چاہتے ہو تو عزیز داری کا پاس کر کے اتنا کرو کہ کسی متقی آدمی کو ان عورتوں کے ساتھ کر دو، جو ان کو اچھی طرح پہنچا دے۔

زین العابدینؒ کی یہ درخواست سن کر ابن زیاد ان کا منہ تکنے لگا۔ اور اس شقی کے دل میں بھی رحم آ گیا۔ حکم دیا کہ اس لڑکے کو عورتوں کے ساتھ رہنے کے لئے چھوڑ دو۔''

(ابن اثیر ج ۴ ص ۷۰،۷۱)

سفر شام

ابن زیاد نے اہل بیت کے حالات اور شہداء کے سروں کا معائنہ کرنے کے بعد انہیں شام روانہ کر دیا، اور خدا خدا کر کے اہل بیت کرام کی دربدری کی مصیبت ختم ہوئی اہل بیت کے ساتھ جو کچھ اہانت آمیز برتاؤ ہوا وہ ابن زیاد کی ذاتی خباثتِ نفس کا نتیجہ تھا، یزید کا دامن ایک حد تک اس سے بری ہے۔

اس میں شک نہیں کہ شہادت کا واقعہ ہائلہ اور اس کے بعد اہل بیت کے ساتھ جو

Marfat.com

زیادتیاں ہوئیں وہ یزید ہی کی خیر خواہی اور اسی کے عہد میں ہوئیں اور اس نے اس کا شرعی قصاص بھی نہیں لیا، اس حیثیت سے یقیناً وہ مجرم اور بہت بڑا مجرم ہے، لیکن درحقیقت ان واقعات کو اس کے حکم سے کوئی تعلق نہیں، یہ سب واقعات بغیر اس کے حکم کے اور اس کی لاعلمی میں ہوئے، اس لیے ان کی ذمہ داری زیادہ تر ابن زیاد کے سر ہے، یزید کو تاعمر اس کا تعلق رہا، جیسا کہ آئندہ واقعات سے معلوم ہوگا۔

حضرت حسینؓ کی خبر شہادت پر یزید کا تاثر اور اس کی برہمی

چنانچہ سب سے اول جب زحر بن قیس نے یزید کے دربار میں حضرت حسینؓ اور آپ کے ساتھیوں کی شہادت کی خبر پہنچائی اور غایت خیر خواہی میں اس کو پوری تفصیل سے مزے لے کر بیان کرنے لگا تو یزید انہیں سن کر آبدیدہ ہوگیا، اور بولا، اگر تم لوگ حسینؓ کو قتل نہ کرتے تو میں تم سے زیادہ خوش ہوتا، ابن سمیہ (ابن زیاد) پر خدا کی لعنت ہو، اگر میں ہوتا تو خدا کی قسم حسینؓ کو معاف کر دیتا، خدا حسینؓ پر اپنی رحمت نازل کرے، زحر نے انعام واکرام کی طمع میں بڑی نفافلی اور حاشیہ آرائی کے ساتھ شہادت کا واقعہ بیان کیا تھا۔ لیکن یزید نے اسے کچھ بھی نہ دیا۔

علامہ ابوحنیفہ احمد بن داؤد دینوری جن کو اہل بیت نبویؐ کے ساتھ خاص عقیدت ہے اوپر کا واقعہ اپنی تاریخ اخبار الطوال میں اس طرح لکھتے ہیں کہ

جب یزید نے حسینؓ کی شہادت کے واقعات سُنے تو آبدیدہ ہوگیا، اور کہا تم لوگوں کا برا ہو، اگر تم لوگ حسینؓ کو چھوڑ دیتے تو میں زیادہ خوش ہوتا، ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت ہو، خدا کی قسم! اگر میں حسینؓ کے پاس موجود ہوتا، تو ان کو معاف کر دیتا، خدا ابوعبداللہ پر رحمت نازل فرمائے۔

شاتمین اہل بیت کو تنبیہ اور حضرت حسینؓ کے سر سے خطاب

جب محضر بن ثعلبہ اہل بیت کا ستم رسیدہ قافلہ لے کر یزید کے پھاٹک پر پہنچا تو چلایا کہ محضر بن ثعلبہ امیر المومنین کی خدمت میں لئیموں اور فاجروں کا سر لایا ہے، یزید نے یہ صدا سن کر کہا کہ ام محضر نے جو بچہ جنا ہے وہ سب سے زیادہ شریر اور لئیم ہے اس کے بعد

جب حضرت حسینؓ اور دوسرے مقتولوں کے سر اس کے سامنے پیش کیے گئے تو اس نے حضرت حسینؓ کے سر پر ایک نگاہ ڈالی، اور ایک شعر پڑھ کر کہا، خدا کی قسم! حسینؓ اگر میں تمہارے ساتھ ہوتا، تو تم کو قتل نہ کرتا، اس کے بعد یحییٰ بن حکم نے ایک قطعہ پڑھا، جس میں ابن سمیہ کی تعریف اور اہل بیت پر کچھ طعن تھا، یزید نے سن کر اس کے سینے پر ہاتھ مارا، اور ڈانٹ کر خاموش کیا۔

شہداء کے سروں کے ملاحظہ کے بعد اہل بیت کے قافلہ کو طلب کیا، اور امرائے شام کے روبرو زین العابدین سے کہا، علی! تمہارے باپ نے میرے ساتھ قطع رحم کیا۔ میرے حق سے غفلت کی، اور حکومت میں جھگڑا کیا، یہ اسی کا نتیجہ ہے جسے تم دیکھ رہے ہو، زین العابدین نے اس پر یہ آیت تلاوت کی۔

ما اصاب من مُصیبةٍ فی الارض ولا فی انفسکم اِلّا فی کتابٍ من قبلِ اَنْ نّبرأَھا...... (حدید)

”جتنی مصیبتیں روئے زمین پر اور خود تم پر نازل ہوتی ہیں، وہ سب ہم نے ان کے پیدا کرنے سے پہلے کتاب میں لکھ رکھی ہیں۔“

یہ جواب سن کر یزید نے اپنے لڑکے خالد سے کہا کہ تم اس کا جواب دو، لیکن اس کی سمجھ میں نہ آیا، تو یزید نے خود بتایا، کہ کہو۔

مَآ اصابکم مِنْ مُّصِیْبَةٍ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیرٍ.

”تم کو جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے، اور بہت سی خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے۔“

اہل بیت نبوی کا معائنہ اور ان سے ہمدردانہ برتاؤ

اس سوال و جواب کے بعد عورتوں اور بچوں کو بلا کر اپنے سامنے بٹھایا اس وقت یہ سب نہایت ابتر حالت میں تھے، یزید نے انہیں اس حالت میں دیکھ کر کہا ”خدا ابن مرجانہ کا برا کرے، اگر اس کے اور تمہارے درمیان قرابت ہوتی تو تمہارے ساتھ یہ سلوک نہ کرتا اور نہ اس طرح سے تم کو بھیجتا۔

Marfat.com

فاطمہ بنت علیؓ کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ یزید کے سامنے پیش کئے گئے تو ہماری حالت دیکھ کر اس پر رقت طاری ہوگئی اور ہمارے لئے کوئی حکم دیا، اور بڑی نرمی اور ملاطفت کا برتاؤ کیا۔

اہل بیت کے فضائل کا اعتراف

علامہ ابن اثیر اسی مجلس کا واقعہ لکھتے ہیں کہ:

یزید نے امام حسینؓ کے سر سے مخاطب ہو کر کہا کہ حسینؓ اگر میں تمہارے ساتھ ہوتا تو کبھی تم کو قتل نہ کرتا، پھر حاضرین سے مخاطب ہوا کہ تم لوگ جانتے ہو، ان کا یہ انجام کیوں ہوا؟ اس لئے ہوا کہ یہ کہتے تھے کہ ان کے باپ علیؓ میرے باپ سے ان کی ماں فاطمہؓ میری ماں سے ان کے دادا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے دادا سے بہتر تھے۔ اور وہ مجھ سے زیادہ مستحق تھے، ان کے اس قول کا جواب کہ ان کے باپ علیؓ میرے باپ سے بہتر تھے۔ یہ ہے کہ ان کے باپ اور میرے باپ نے خدا سے محاکمہ چاہا، اور لوگوں کو معلوم ہے کہ خدا نے کس کے حق میں فیصلہ دیا، ان کا یہ کہنا کہ ان کی ماں میری ماں سے بہتر تھیں تو میری عمر کی قسم مجھے اعتراف ہے کہ ان کی ماں میری ماں سے بہتر تھیں، اور ان کا یہ کہنا کہ ان کے دادا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے دادا سے بہتر تھے، تو میں اپنی عمر کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کوئی وہ مسلمان جو خدا اور یوم قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ ہم میں سے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مثیل نہیں ٹھہرا سکتا، مگر افسوس انہوں نے "**قل اللھم مالک الملک**" کا خدائی فرمان نہیں پڑھا تھا۔

یزید کے گھر میں حسینؓ کا ماتم اور زین العابدینؒ کے ساتھ برتاؤ

اہل بیت سے گفتگو کے بعد ان سب کو خاص حرم سرا میں ٹھہرانے کا حکم دیا، یزید خود حضرت حسینؓ کا رشتہ دار تھا، اس کی عورتیں بھی عزیز تھیں۔ اس لئے ستم رسیدہ قافلہ کے زنانخانے میں داخل ہوتے ہی یزید کے گھر میں کہرام مچ گیا۔ اور ساری عورتوں نے نوحہ کیا، تین دن تک کامل یزید کے گھر میں ماتم بپا رہا۔ اس دوران میں یزید برابر زین العابدینؒ کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بلا کر کھلاتا تھا۔

Marfat.com

آپ کو پہچانتے تھے، اس لئے یہ باتیں سن کر متعجب ہوئے، آپ چلے گئے تو لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون تھے۔ لوگوں نے کہا حسینؓ بن علیؓ، یہ سن کر حسن بصریؒ نے کہا تم نے میری مشکل حل کر دی، یعنی اب کوئی تعجب کی بات نہیں۔

فضائل اخلاق

آپ کی ذات گرامی فضائل اخلاق کا مجموعہ تھی۔ ارباب سیر لکھتے ہیں کہ:

كان الحسين رضى الله عنه كثير الصّلوٰة والصوم والحج والصدقة وافعال الخير جميعا.

یعنی ''حضرت حسینؓ بڑے نمازی، بڑے روزہ دار، بہت حج کرنے والے، بڑے صدقہ دینے والے اور تمام اعمال حسنہ کو کثرت سے کرنے والے تھے۔''

عبادت

فضائل اخلاق میں راس الاخلاق عبادت الٰہی ہے۔ حضرت حسینؓ کو تمام عبادات خصوصاً نماز سے بڑا ذوق تھا، اس کی تعلیم بچپن میں خود صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے حاصل کی تھی، اس تعلیم کا اثر یہ تھا کہ آپ بکثرت نمازیں پڑھتے تھے۔ کثرت عبادت کی وجہ سے آپ کو بیویوں سے بھی ملنے کا کم موقع ملتا تھا، ایک مرتبہ کسی نے امام زین العابدین سے کہا تمہارے باپ کی اولاد کس قدر کم ہے آپ نے فرمایا اس پر تعجب کیوں ہے، وہ رات و دن میں ایک ایک ہزار نمازیں پڑھتے تھے، عورتوں سے ملنے کا انہیں موقعہ کہاں ملتا تھا۔ یہ روایت مبالغہ آمیز ہے، اس سے زندگی کی دوسری ضروریات کے ساتھ ایک ہزار رکعتیں روزانہ پڑھنا ناممکن ہے، غالباً راوی سے سہو ہو گیا ہے، لیکن اس سے ان کی کثرتِ عبادت کا ضرور پتہ ملتا ہے۔

روزہ بھی کثرت کے ساتھ رکھتے تھے۔ تمام اربابِ سیر آپ کی کثرتِ صیام پر متفق ہیں۔ حج بھی بکثرت کرتے تھے اور اکثر پا پیادہ حج گئے۔ زہیر بن بکار مصعب سے روایت کرتے ہیں کہ حسینؓ نے پچیس حج پا پیادہ کئے۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۲۹۲)

Marfat.com

صدقات وخیرات

مالی اعتبار سے آپ کو خدا نے جیسی فارغ البالی عطا فرمائی تھی، اسی فیاضی سے آپ اس کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔ ابن عساکر لکھتے ہیں کہ حسین ؓ خدا کی راہ میں کثرت سے خیرات کرتے تھے۔ کوئی سائل کبھی آپ کے دروازہ سے ناکام نہ واپس ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک سائل مدینہ کی گلیوں میں پھرتا پھراتا ہوا درِ دولت پر پہنچا، اس وقت آپ نماز میں مشغول تھے، سائل کی صدا سن کر جلدی جلدی نماز ختم کر کے باہر نکلے، سائل پر فقرو فاقہ کے آثار نظر آئے، اسی وقت قنبر خادم کو آواز دی، قنبر حاضر ہوا، آپ ؓ نے پوچھا ہمارے اخراجات میں سے کچھ باقی رہ گیا ہے؟ قنبر نے جواب دیا، آپ نے دوسو درہم اہل بیت میں تقسیم کرنے کے لئے دیئے تھے وہ ابھی تقسیم نہیں کیے گئے ہیں۔ فرمایا: اس کو لے آؤ، اہل بیت سے زیادہ ایک مستحق آ گیا ہے۔ چنانچہ اسی وقت دوسو کی تھیلی منگا کر سائل کے حوالہ کر دی اور معذرت کی کہ اس وقت ہمارا ہاتھ خالی ہے، اس لئے اس سے زیادہ خدمت نہیں کر سکتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب آپ کے پاس بصرہ سے آپ کا ذاتی مال آتا تھا تو آپ اسی مجلس میں اس کو تقسیم کر دیتے تھے۔

صدقات وخیرات کے علاوہ بھی آپ بڑے فیاض اور سیر چشم تھے، شعراء کو بڑی بڑی رقمیں دے ڈالتے تھے۔ حضرت حسن ؓ بھی فیاض تھے، لیکن آپ کی فیاضی برمحل اور مستحق اشخاص کے لئے ہوتی تھی، اس لئے ان کو حضرت حسین ؓ کی بے محل فیاضیاں پسند نہ آتی تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ان کو اس غلط بخشی پر ٹوکا، حضرت حسین ؓ نے جواب دیا کہ بہترین مال وہی ہے جس کے ذریعہ سے آبرو بچائی جائے۔ (ابن عساکر ج ۴ ص ۳۲۲)

وقار وسکینہ

سکینت اور وقار آپ کا خاص وصف تھا، آپ کی مجلس وقار اور متانت کا مرقع ہوتی تھی۔ امیر معاویہ ؓ نے ایک شخص سے حضرت حسین ؓ کی مجلس کا پتہ بتایا کہ جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں داخل ہو تو وہاں لوگوں کا ایک حلقہ نظر آئے گا اس حلقہ میں لوگ ایسے سکون اور خاموشی سے بیٹھے ہوں گے گویا کہ ان کے سر پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔ یہ ابو عبداللہ (حسین ؓ) کا حلقہ ہوگا۔ (سیر الصحابہؓ و دیگر کتب سے ماخوذ)

Marfat.com

خاتونِ کربلا حضرت زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور کنیت اُم الحسن یا بروایتِ دیگر اُم کلثوم تھی۔ واقعہ کربلا کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کنیت اُم المصائب بھی مشہور ہے۔

فضیلت و مرتبہ

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد حیدر کرار علی کرم اللہ وجہہٗ ، والدہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا، نانا سرورِ کائنات، فخر موجودات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور نانی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ غرض ننہیال اور ددھیال جس اُفق پر نظر ڈالیں، زینب کبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کو آسمانِ فضائل کا مہر و ماہ نظر آئیں گی۔

اپنے بے شمار خواص کی بدولت تاریخوں میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعدد القاب درج ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں: نائبۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا، شریکۃ الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ناموس الکبریٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہا، صدیقۃ الصغریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، شجاعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، فصیحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، فاضلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، عابدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، زاہدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، محبوبۃ المصطفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

ولادت باسعادت

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جمادی الاوّل 5 ہجری مطابق 627 عیسوی

میں مقام مدینہ منورہ پیدا ہوئیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مدینہ منورہ میں موجود نہیں تھے۔ تین دن بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ بچی کو گود میں لیا اور بہت دیر تک روتے رہے۔ پھر دہن مبارک میں کھجور چبائی اور اس کا لعاب بچی کے منہ میں ڈالا۔ اس کے بعد بچی کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا تجویز کیا۔ اور فرمایا: "یہ ہم شبیہ خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ہے۔"

پرورش وتربیت

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پرورش اور تربیت کا آغاز سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم، حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدۃ النساء کے زیر سایہ ہوا۔ ایک دن حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا قرآن پاک کی تلاوت فرمارہی تھیں۔ معصوم بچی تھیں، بے خیالی میں سر سے اوڑھنی اُتر گئی۔ خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیکھا تو ان کے سر پر اوڑھنی ڈالی اور فرمایا بیٹی اللہ کا کلام ننگے سر نہیں پڑھتے۔

بچپن کے دن

ایک دن حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا معصومانہ لڑائی ہوگئی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہیں کلام مجید کی آیات پڑھ کر سنائیں اور فرمایا لڑائی سے خداوند کریم ناراض ہوجاتا ہے۔ دونوں بچے ڈر گئے اور عہد کیا کہ آئندہ کبھی نہ لڑیں گے۔ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت خوش ہوئیں اور انہیں سینے سے لگالیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ کئی مرتبہ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش مبارک پر سوار ہوئیں۔

پہلا سفر

حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وسلم کے ساتھ تھیں۔ اس وقت ان کی عمر پانچ سال کی تھی اور یہ ان کا پہلا سفر اور پہلا حج تھا۔

نانا کی شفقت

اا ہجری میں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وقتِ وفات قریب آیا تو حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: "اپنے بچوں کو بلاؤ۔" وہ سب بچوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں۔ اپنے شفیق نانا کو بے چین دیکھ کر سب بچے رونے لگے۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک پر اپنا سر رکھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی پیشانی چومی اور اپنا دستِ شفقت ان کے سر پر پھیر کر دلاسا دیا۔

والدہ ماجدہ کا انتقال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر تقریباً چھ برس تھی، چھ ماہ بعد شفیق والدہ سیدہ بتول رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی وفات پائی۔ ان حادثوں نے ننھی زینب رضی اللہ عنہا کو سخت صدمہ پہنچایا۔ شفیق نانا صلی اللہ علیہ وسلم اور جاں نثار ماں رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جدائی سے حیدر کرار رضی اللہ عنہ کے سارے بچے غم والم کی مورتیں بن گئے۔ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ بابِ علم نے بچوں کی تعلیم وتربیت کا کام خود سنبھالا اور کچھ مدت کے بعد ان کی نگرانی کے لیے اُم البنین بنت خزام کلابیہ سے نکاح کر لیا۔ بابِ علم جب خود معلم ہوں تو شاگردوں کی خوش نصیبی کا کیا ٹھکانہ! تھوڑی ہی مدت میں سارے بچوں کے دل ودماغ علم وحکمت کے خزانوں سے معمور ہو گئے۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اپنے جلیل القدر باپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم اور دیگر اوصاف سے خوب استفادہ کیا۔

حتیٰ کہ زہد وتقویٰ، عقل وفراست، حق گوئی و بے باکی، عفت وعصمت اور عبادت وشب بیداری میں مثل فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہو گئیں، دراز قد اور متناسب الاعضاء تھیں۔ چہرہ مبارک پر اپنے نانا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جلال تھا اور حرکات وسکنات

Marfat.com

اور چال ڈھال میں وقارِ حیدریؓ نمایاں تھا۔ مؤرخین متفق ہیں کہ علم و فضل میں قریش اور بنو ہاشم کی کوئی لڑکی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے برابر نہ تھی۔

فصاحت و بلاغت

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ بے مثال خطیب تھے، وہ اپنے خطبات اور تقاریر میں فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیتے تھے۔ دنیائے عرب میں آج تک ان کے اقوال ضرب المثل ہیں۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے عظیم باپ کی فصاحت و بلاغت اور زورِ بیان ورثہ میں ملیں۔ ان کے عدیم المثال خطبات تاریخ نے اپنے صفحوں میں محفوظ کر لئے ہیں۔ انہیں پڑھ کر کون سا دل ہے جو پگھل نہ جائے اور کون سی آنکھ ہے جو اشکبار نہ ہو جائے۔ حیرت ہے ان لوگوں پر جنھوں نے یہ بے مثل خطبات سنے اور بدستور دنیا کے کتے بنے رہے۔ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے رفقاء کے ساتھ دشتِ کربلا میں شہید کیا اور خاندانِ نبوت کو بے پناہ مصائب میں مبتلا کیا۔

کوفہ میں قیام

اپنی لختِ جگر کے علم و فضل سے شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مطمئن تھے۔ ان کے زمانۂ خلافت میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قیام بھی کوفہ ہی میں رہا۔ کوفہ کی خواتین اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآن حکیم کے معانی و مطالب پوچھا کرتیں۔ ایک دفعہ آپ چند عورتوں کے سامنے کٓھٰیٰعٓصٓ کی تفسیر بیان فرما رہی تھیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ تشریف لے آئے اور اپنی لختِ جگر کی تقریر سنتے رہے۔ جب بیان ختم ہوا تو شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت مسرور ہوئے۔ فرمایا: ''جانِ پدر! میں نے تمہارا بیان سنا اور مجھے بہت خوشی ہوئی کہ تم کلامِ الٰہی کے مطالب اتنے عمدہ طریقے سے بیان کر سکتی ہو۔''

نکاح

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب سنِ بلوغ کو پہنچیں تو قبیلہ کندہ کے سردار رئیس اشعث بن قیس نے ان کے لیے پیغامِ نکاح دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے انکار کر

Marfat.com

دیا۔اس کے بعد حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھتیجے شہیدِ موتہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے فرزند عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے خواستگار ہوئے۔ جناب مرتضیٰ کو اپنے بھتیجے سے بے حد محبت تھی۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کی پرورش و تربیت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے نگران و سرپرست بنے، وہ بڑے پاکیزہ اخلاق کے حامل تھے اور سیرت و صورت میں جوانانِ قریش میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ جنابِ مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی درخواست قبول فرمائی۔ خاندان کے چند بزرگ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر مسجد میں آ گئے اور خلیفہ وقت جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت سادہ طریق سے اپنی لختِ جگر زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح ان سے پڑھا دیا۔ اس وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عمر گیارہ سال اور ایک دوسری روایت کے مطابق تیرہ سال کی تھی، نکاح کے بعد خاندان کی عورتیں انہیں حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر خود پہنچا آئیں۔ دوسرے دن انہوں نے دعوتِ ولیمہ کی۔

مہر کی رقم

مہر کی رقم کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے۔ بعض نے ۴۸۰ درہم لکھا ہے۔ اور بعض نے چالیس ہزار۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت تجارت کرتے تھے اور ان کی مالی حالت بہت اچھی تھی۔

خانگی زندگی

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خانگی زندگی نہایت خوشگوار تھی، وہ اپنے شوہر کی بے حد خدمت گزار تھیں اور وہ بھی ان کی دل جوئی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے تھے۔ اگرچہ گھر میں لونڈیاں بھی تھیں اور خادم بھی، لیکن زیادہ تر گھر کا کام کاج وہ خود اپنے ہاتھ سے کرتیں۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے: ''زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہترین گھر والی ہے۔

Marfat.com

فیاضی و دریا دلی

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بڑے فیاض اور سخی تھے۔ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی بھی اس رنگ میں رنگی ہوئی تھیں۔ ناممکن تھا کہ کوئی سائل یا حاجت مند اِن کے دروازے پر آئے اور خالی ہاتھ چلا جائے یا کسی کی مصیبت کا انہیں پتہ چلے اور وہ اس کی خبر گیری نہ کریں۔ دونوں میاں بیوی کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ کئی غیر مستحق لوگ بھی ان کے دستِ کرم سے فائدہ اٹھا لیتے تھے۔ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:

> ''اے ابن عم! تم بہت اسراف سے کام لیتے ہو اور غیر مستحق لوگوں کو بھی اپنی پاک کمائی میں شریک کرتے ہو۔''

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: ''اے بھائی کیا کروں، سائل کو دیکھ کر دل قابو میں نہیں رہتا۔ اللہ نے مجھے دولت اس لیے دی ہے کہ اس کے بندوں میں بانٹوں۔''

خاوند کے گھر آسودہ حالی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزاج میں کوئی تغیر پیدا نہ کر سکی۔ وہ بدستور صبر وقناعت، حلم و رضا، سادگی اور جفاکشی کا پیکر بنی رہیں۔

کوفہ میں مستقل قیام

۳۷ ہجری میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے اپنے عہد خلافت میں کوفہ کو اپنا مستقر بنایا۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کوفہ تشریف لے آئے۔ کوفہ میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت تندہی سے درس و تدریس اور وعظ و ہدایت کا کام سرانجام دیتیں، کوفہ کی اکثر خواتین ان کے پند و نصائح سے مستفیض ہوتیں۔ ان کے علم و فضل اور فصاحت و بلاغت کا گھر گھر چرچا پھیل گیا۔ اسی اثنا میں وہ دردناک حادثہ پیش آیا جس نے زینب کبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے عظیم المرتبت باپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سایہ سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت

خوارج مدت سے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے خلاف سازشیں کر رہے تھے۔ ایک شخص عبدالرحمٰن ابن ملجم کو انہوں نے خفیہ طور پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے لیے مقرر کیا۔ اس نے ایک تلوار زہر میں بجھائی اور کوفہ آ کر شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ کی تاک میں رہنے لگا۔ ۱۷ر رمضان المبارک ۴۰ ہجری کا دن تھا۔ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجر کی نماز کے لیے مسجد میں تشریف لائے۔ عین سجدہ کی حالت میں ابن ملجم نے زہر آلود تلوار کا وار کیا۔ حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سخت زخمی ہو گئے۔ لوگ اٹھا کر گھر لے گئے۔ اپنے شفیق باپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس حالت میں دیکھ کر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے دنیا اندھیر ہو گئی، لیکن بڑے صبر و استقامت سے کام لیا۔ ابن ملجم کو مسلمانوں نے گرفتار کر لیا تھا۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا ''اے دشمنِ خدا تو نے امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زخمی کر ڈالا؟''

ابن ملجم نے کہا: ''امیر المومنین کو نہیں تمہارے باپ کو۔''

زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ''ان شاء اللہ ان کا کچھ نہیں بگڑے گا۔''

ابن ملجم نے نہایت بے حیائی سے جواب دیا: ''تو پھر آہ و فغاں کیوں کرتی ہو، خدا کی قسم کئی روز میں نے اپنی تلوار کو زہر پلایا ہے۔''

اور اس بے درد تلوار کا زہر ہی تھا کہ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس نے پھر بستر سے نہیں اٹھنے دیا۔ ۲۱ر رمضان المبارک کو یہ آفتابِ رُشد و ہدایت ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ وفات سے پیشتر حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنے پاس بلایا اور انہیں وصیت کی کہ اپنے بہن بھائیوں کا خاص خیال رکھنا۔ ان کا دل آزردہ نہ کرنا، ان کے حقوق پورے کرنا اور صلہ رحمی سے پیش آنا۔ اپنے عالی رتبہ اور معدنِ علم و فضل باپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے حضرت زینب کبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر غم و اندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، لیکن ابھی ان کی قسمت میں بڑے صدمے لکھے تھے۔

Marfat.com

امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد اہل کوفہ نے امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا۔ شام میں امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت کے مدعی تھے۔ اہل کوفہ نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ترغیب دی کہ شام پر حملہ کیا جائے۔ جناب امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فطرتاً سکون پسند تھے اور جنگ وجدل کو پسند نہیں فرماتے تھے، لیکن اسی اثناء میں امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدائن کی طرف فوجی پیش قدمی شروع کر دی۔ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی لشکر فراہم کر کے مدائن کی طرف بڑھے۔ ساباط پہنچ کر اپنی فوج کے بعض آدمیوں میں بددلی کے آثار دیکھے۔ ان سے فرمایا کہ "اگر تم لوگ لڑائی نہیں کرنا چاہتے تو میں تمہیں تمہاری مرضی کے خلاف جنگ کے لیے مجبور نہیں کروں گا۔" لوگ یہ تقریر سن کر حیران رہ گئے۔

امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت سے دستبرداری

جنگ پسند لوگوں میں اشتعال پیدا ہوا۔ انہوں نے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توہین کی، امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں کی گستاخی اور شرارت سے سخت رنجیدہ ہوئے اور خلافت سے دل برداشتہ ہو گئے۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انہوں نے لکھا کہ میں ان شرائط پر خلافت سے دستبردار ہوتا ہوں:

☆ ...... اہواز کا کل خراج میرے اور میرے اہل وعیال کے لئے مخصوص ہو گا اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دو لاکھ سالانہ الگ دیئے جائیں گے۔

☆ ...... گذشتہ جنگوں کا کسی سے انتقام نہیں لیا جائے گا اور ہر ایک کو امان دی جائے گی۔

☆ ...... بنی ہاشم کو عطایا میں بنی اُمیہ پر ترجیح دی جائے گی۔

☆ ...... شیر خدا علی کرم اللہ وجہہٗ کے متعلق نامناسب الفاظ نہیں کہے جائیں گے۔

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ شرائط فی الفور منظور کر لیں اور عارضی طور پر مسلمانوں میں جنگ وجدل کا خطرہ ٹل گیا۔ بنی ہاشم نے امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ پسند نہ کیا۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اپنے جلیل القدر بھائی کے فیصلہ سے متفق نہ

Marfat.com

ہوسکیں، لیکن ان کے احترام اور محبت کے لحاظ سے خاموش ہوگئیں۔

بھائی کی شہادت

اس واقعہ کے چند سال بعد ۴۹ یا ۵۰ ہجری میں امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے (بنی اُمیہ کے چند افراد کی سازش یا کسی اور وجہ سے) جنابِ حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزندِ اکبر امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زہر دے دیا اور اسی کے اثر سے فقر و غنا کا وہ شہنشاہ اپنے مولائے حقیقی سے جا ملا۔ والد ماجد کی شہادت کے چند سالوں کے بعد ہی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے انتہائی شفیق برادر بزرگ کی جدائی کا صدمہ عظیم سہنا پڑا۔ اس جانکاہ صدمہ نے انہیں قبل از وقت بوڑھا کر دیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۴۵ برس کے لگ بھگ تھی۔ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کئی سالوں سے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی تھی اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ مدینہ میں قیام پذیر ہوگئی تھیں۔

Marfat.com

حضرت اُم کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا

ولادت باسعادت

حضرت اُم کلثوم بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت ۹ ہجری بتائی جاتی ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح خلیفہ دوئم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دو اولادیں ہوئیں۔ایک بیٹا زید اکبر اور ایک بیٹی رقیہ۔

یہ روایت اغلباً غلط ہے کیونکہ شواہد سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوئی اولاد نہیں بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب ان کی شادی چچازاد محمد بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی تو ان سے بھی کوئی اولاد نہ ہوئی۔ان کی وفات کے بعد حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات سے دو ماہ بیس دن قبل ہوئی۔

حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا پردہ دار اور احیائے زہراء کی وارث تھیں۔دونوں بہنیں نہایت چھوٹی عمر میں ماں کے سائے سے محروم ہوگئی تھیں اس لئے احساسِ ذمہ داری نے انہیں خانہ داری اور زاہدانہ زندگی کے علاوہ کسی طرف متوجہ ہی نہ کیا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نواسیاں اور فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بیٹیاں ہونے کے سبب بھی دونوں بہنیں عام طور پر کھلی جگہوں پر نہ جاتیں بلکہ پردے میں رہنا پسند فرماتیں۔اس قسم کی زندگی گزارنے کے بعد ان بیبیوں کے

ابتدائی حالات پر زیادہ روشنی نہیں ڈالی جاسکتی۔

نام ونسب

حضرت اُم کلثوم بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہا بن ابی طالب بن عبدالمطلب ہاشمیہ۔آپ حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سگی بہن تھیں۔ یہ اپنے نانا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں 6 ہجری میں پیدا ہوئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام اُم کلثوم رکھا۔ انہوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے کا شرف حاصل کیا لیکن آپ سے کوئی حدیث روایت نہیں کی اس لئے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابھی چھوٹی بچی تھیں، حضرت اُم کلثوم بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی جس سے اللہ تعالیٰ نے رجس کا مکمل طور پر خاتمہ کردیا تھا اور اسے خوب اچھی طرح پاک کردیا تھا۔

ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دنیا بھر میں ایک صاحب شرف وکمال والدہ محترمہ کی گود میں پرورش پائی۔ ان کی والدہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو دنیا بھر کی خواتین کی سردار ہیں۔ اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے والدین کی نگرانی میں پرورش پائی اور ان کے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبت وشفقت بھرے انداز میں اپنی گود میں اٹھایا کرتے تھے۔

اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب جوانی کے دور میں داخل ہوئیں تو قریش قبیلہ میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑھ کر فصاحت وبلاغت سے گفتگو کرنے والی کوئی دوسری خاتون نہ تھی۔ اور ایسا اس لئے بھی تھا کہ فصاحت وبلاغت انہیں خاندانی ورثہ کے طور پر حاصل ہوئی تھی۔

حضرت اُم کلثوم بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہوئے ایک سگھڑ، با اخلاق بیوی کا اور بچوں کی تربیت کے حوالے سے ایک ہمدرد اور مثالی ماں کا کردار ادا کیا۔ ان کے طرزِ عمل سے صاف

Marfat.com

معلوم ہوتا تھا کہ یہ ایک اعلیٰ درجے کی دانش مند خاتون ہیں۔

حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے زندگی کے نہایت خوشگوار لمحات بسر کئے۔ اس سے ان دونوں کی فطری عظمت کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کے معاملات کا بہت اہتمام کیا کرتے تھے۔ وہ ہر ایک مسلمان کے متعلق اچھی طرح جانتے تھے کہ اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک کیا مقام ومرتبہ تھا۔

جن جلیل القدر صحابیات نے اسلام کی بہت زیادہ خدمت کی ان کی قدر ومنزلت اور احترام واکرام حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں بہت زیادہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیوی اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان عظیم المرتبت اسلام قبول کرنے کے حوالے سے سبقت لے جانے والی صحابیات پر ترجیح نہیں دیا کرتے تھے۔ ہر ایک کے مقام ومرتبہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا رویہ اختیار کیا جاتا، کسی کی بھی حق تلفی نہ کی جاتی تھی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ بات مشہور ومعروف تھی کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقراء کی سی زندگی بسر کیا کرتے تھے، انہوں نے اس طرزِ زندگی کا اپنے آپ کو عادی بنالیا تھا۔ اگر کوئی آسودہ زندگی بسر کرنا چاہتا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے روکتے بھی نہ تھے۔

ظاہر ہے کہ جب حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر آئیں تو ان کی دلی خواہش تھی کہ آسودہ حالی ہو، زندگی آسان اور خوشگوار گزرے۔ پہننے کے لئے ایسا لباس میسر آئے جو دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنی بیگمات کو مہیا کرتے تھے، لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسی حکیمانہ طرزِ گفتگو کرتے جس میں دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی فکر غالب ہوتی۔ حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کی حکمت بھری باتیں سن کر بہت خوش ہوتیں اور عمدہ لباس زیب تن کرنے کا خیال آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذہن سے نکل جاتا۔

Marfat.com

علامہ طبری روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ خاتونِ اوّل حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ملکہ روم کو بطور تحفہ خوشبو، مشروبات اور پرس سرکاری ڈاک کے ذریعے ارسال کئے۔ یہ قیمتی تحائف جب ملکہ روم کے پاس پہنچے تو اس نے رومی عورتوں کو شاہی محل میں دعوت دی اور ان سب کو بتایا کہ یہ سرزمینِ عرب کے بادشاہ کی بیگم اور مسلمانوں کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیٹی نے قیمتی تحائف مجھے ارسال کئے ہیں۔ ملکہ روم نے بھی بہت عمدہ تحائف اور شکریہ کا خط اس ڈاکیا کے ہاتھ میں تھما دیا اور جب یہ ڈاک امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا۔ ان تحائف میں ایک بہت قیمتی ہار شامل تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو مسجد نبوی ﷺ میں جمع ہونے کا حکم جاری کیا۔ جب لوگ مسجد میں جمع ہو گئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں دو رکعت نماز پڑھائی اور ان سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا:

> ”جو امور مشاورت کے بغیر سرانجام دیئے جاتے ہیں ان میں خیر و برکت نہیں ہوتی۔ مجھے ان تحائف کے بارے میں بتایا جائے جو اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ملکہ روم کو بھیجے ہیں اور ملکہ روم نے اپنی طرف سے انہیں بھیجے ہیں۔“

بعض لوگوں نے کہا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔ ایسا تو پوری دنیا میں ہو رہا ہے۔ بادشاہوں کو تحائف بھیجنا اور ان سے تحائف وصول کرنا ایک معمول کی بات ہے۔ جو تحائف اُم کلثوم رضے اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے بھیجے گئے ہیں وہ ان کا حق ہے۔ بعض نے کہا کہ ہم بھی تو دوسرے ممالک کو کپڑے بھیجتے ہیں اور وہاں سے اپنی من پسند کے کپڑے حاصل کرتے ہیں اور بسا اوقات کپڑے دے کر قیمت لے لیتے ہیں۔“

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جو ڈاکیا تحائف لے کر گیا تھا وہ تو مسلمانوں کا نمائندہ تھا اور اسے ذاتی کام لینے کے لئے تو نہیں رکھا گیا لہٰذا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام تحائف بیت المال میں جمع کرنے کا حکم

Marfat.com

دے دیا اور حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی طرف سے کچھ نقد رقم دے کر انہیں راضی کر لیا۔

ایک واقعہ ہے کہ ایک رات امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے مدینہ منورہ کی گلیوں میں گھوم رہے تھے۔ ایک خیمے سے کراہنے کی آواز آئی، پتہ چلا کہ خیمے میں ایک شخص کی بیوی دردِ زہ میں مبتلا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص سے معلوم کیا کہ خیمے میں کوئی ہے؟

اس نے بتایا کہ نہیں، اس کی بیوی اکیلی ہے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی مدد کا فیصلہ کیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر گئے اور اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تمام واقعہ گوش گزار کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ موقع فراہم کیا ہے۔ ایک عورت دردِ زہ میں مبتلا ہے اور اس کے پاس کوئی نہیں ہے۔ آپ اجر وثواب حاصل کرنا چاہتی ہیں تو اس کے پاس چلی جائیں۔

حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فوراً ضروری اشیاء لے لیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ اس عورت کے پاس چلی گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص کے ساتھ مل کر کھانا تیار کیا۔

کچھ دیر بعد حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا خیمے سے باہر آئیں اور کہا کہ یا امیر المومنین اپنے ساتھی کو خوشخبری سنا دیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بیٹا عطا کیا ہے۔ جب اس شخص نے امیر المومنین کا نام سنا تو وہ بڑا حیران ہوا اور نہایت شرمندہ ہوا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معذرت کرنے لگا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، کوئی حرج نہیں۔ میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نہ اور حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مل کر دونوں میاں بیوی کو کھانا کھلایا اور انہیں آرام کی تلقین کی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی نہایت خوشگوار تھی۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جامِ شہادت نوش کیا اور

Marfat.com

حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عدت پوری کی تو حضرت سعید بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نکاح کا پیغام بھیجا گیا۔ آپؓ نے فرمایا کہ میرے اہل خانہ سے بات کی جائے۔

حضرت سعید بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے بھائی حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے بات کی تو انہوں نے یہ رشتہ قبول کر لیا۔ حضرت سعید بن عاص نے ایک لاکھ درہم پیش کئے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے چھوٹے بھائی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس سلسلے میں بات کی تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی ہمشیرہ اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آ کر فرمانے لگے کہ آپ سعید بن عاص ﷺ سے شادی نہ کریں۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سعید ﷺ کو وعدہ دے چکے تھے، حضرت سعید ﷺ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے لیکن آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجبوری کا اظہار کیا۔

حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں اس رشتے سے دستبرداری کا اظہار کرتا ہوں۔ آپ خوش ہیں۔ آپ نے جو ایک لاکھ درہم پیش کیا تھا وہ بھی واپس لے لیا۔ اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھتیجا حسن بن حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی عون بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی۔

بیان کرتے ہیں کہ اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دونوں بھائی حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس آئے اور کہنے لگے آپ خود بھی خواتین عالم کی سردار ہیں اور ہماری والدہ بھی اس اعلیٰ وارفع مقام پر فائز تھیں۔ اگر آپ والد گرامی قدر کے پاس رہائش پذیر ہوتیں تو وہ کبھی کا آپ کو کسی نہ کسی کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک کر دیتے۔ ہم نے آپ کے لئے ایک نہایت ہی مناسب رشتے کا انتخاب کیا ہے اور وہ ہے جعفر بن ابی طالب کا بیٹا عون۔ آپ کا کیا ارادہ ہے؟

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف

Marfat.com

لے آئے۔ بچوں سے ملے۔ انہوں نے بھی اس رشتے کو نہایت مناسب قرار دیا اور خود نکاح پڑھایا۔ جب عون بن جعفر فوت ہوئے تو عدت پوری ہونے کے بعد محمد بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوگئیں۔

وہ فوت ہوئے تو ان کے بھائی عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ شادی ہوگئی اور اسی کے ہاں یہ دنیائے فانی سے کوچ فرما گئیں۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیٹے زید بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سردارانِ قریش میں سے تھے۔ یہ ایک ایسا نوجوان تھا جسے اللہ تعالیٰ نے علم اور جسم کے اعتبار سے فراوانی عطا کی تھی۔ یہ بہت بہادر تھے اور کسی سے خوف نہ کھاتے تھے۔

ایک شخص کا بیان ہے کہ ہم زید بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ وفد کی صورت میں امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے تو امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے اکرام واحترام کے ساتھ پیش آئے۔ بسر بن ارطاۃ بھی اس محفل میں موجود تھا۔

اس نے زید کے نانا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف کوئی بات کہی۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ غضبناک ہوگئے اور مجلس ہی میں اس کو پکڑ کر نیچے گرا دیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بسر بن ارطاۃ پر سخت ناراض ہوئے اور ڈانٹ پلائی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زید بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معذرت کی اور ایک لاکھ درہم ان کی خدمت میں پیش کئے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جس رات قاتلانہ حملہ ہوا تو حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہاں موجود تھیں۔ طلوعِ فجر کے وقت مؤذن عامر بن نباح نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صبح کی نماز کے لئے اٹھایا، آپ گھر کے چھوٹے دروازے تک پہنچے تھے کہ عبدالرحمٰن بن ملجم نے آپ پر تلوار کا ایک زوردار وار کیا۔

حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ کہتی ہوئی باہر آئیں کہ میں اس صبح کی نماز کا کیا کروں، میرے خاوند عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر صبح کی نماز میں قاتلانہ حملہ کیا گیا اور میرے والد گرامی قدر پر بھی صبح ہی کی نماز میں قاتلانہ حملہ کیا گیا۔

Marfat.com

ابن ملجم کو پکڑ کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لایا گیا، اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا ارے اللہ کے دشمن! تو نے امیر المومنین پر قاتلانہ حملہ کیا ہے؟

اس نے کہا: ''میں نے تو آپ کے والد پر قاتلانہ حملہ کیا، میں انہیں امیر المومنین تسلیم ہی نہیں کرتا۔''

ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: ''مجھے اُمید ہے کہ میرے ابا جان بچ جائیں گے۔''

اس کم بخت نے کہا کہ پھر آپ کیوں روتی ہو؟ میں نے اپنی تلوار کو ایک ماہ مسلسل زہر میں ڈبوئے رکھا ہے۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ بچ جائیں۔ اگر یہ تلوار اہل مصر پر چلا دیتا تو ان میں سے کوئی ایک بھی باقی نہ بچتا۔''

ابو علی القاری سے روایت ہے کہ جب ابن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اپنی زہریلی تلوار کا وار کیا تو اس نے کہا میں نے اپنی تلوار کو خوب تیز کیا، اسے زہر میں بھگوئے رکھا، اپنے دل سے خوف وہراس کو نکال باہر پھینکا۔ اُمید کو بروئے کار لایا۔

اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے باپ کی وفات کا سن کر بہت روئیں۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ امامہ بنت ابی العاص بھی بہت روئیں۔ ان دونوں نے تمام لوگوں سے زیادہ غم واندوہ کا اظہار کیا۔

وفات حسرت آیات

حضرت زید بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نوجوانی کے عالم میں وفات پا گئے تھے۔ کسی نے رات کی تاریکی میں ان پر تلوار سے حملہ کیا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا غم واندوہ میں مبتلا بیٹے کی لاش کے پاس آئیں۔

وہ روتے ہوئے فرما رہی تھیں:

''میرے خاوند امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صبح کے وقت قتل کیا گیا، میرے ابا جان حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو صبح کے وقت قتل کیا گیا اور میرے بیٹے زید بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی صبح

Marfat.com

کے وقت ہی قتل کیا گیا۔"

بیٹے کی لاش دیکھتے ہی غشی طاری ہوگئی اور اسی حالت میں اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ ماں اور بیٹا ایک ہی وقت میں دنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔

ان کا مزار اور حضرت سکینہ بنت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مزار شام میں ایک ہی عمارت میں واقع ہیں۔ وفات کے وقت حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر **51** برس تھی۔ ان کا انتقال حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دو ماہ بیس دن قبل ہوا۔

خدائے بزرگ و برتر حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر اپنی رحمت کی برسات نازل فرمائے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی جلیل القدر اور عظیم المرتبت خاتون تھیں۔ قریشی خواتین میں اپنے اوصاف کی بناء پر بے حد ممتاز نظر آتی ہیں۔

Marfat.com

عمدۃ المفسرین سند المحدثین حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
کے آیات قرآنیہ واحادیث صحیحہ سے مع اسناد تحریر شدہ "قیامت نامہ" کا ترجمہ

آثار قیامت

اور

فتنہ دجال کی حقیقت

قرآن وحدیث کی روشنی میں ایک مستند ومنفرد تحریر

ترتیب: مولانا حافظ محمد اسلم زاہد قیمت:150

ملنے کا پتہ عمر پبلی کیشنز یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور فون:7356963

عاشقان رسول

کے

ایمان افروز واقعات

جس میں رسول اکرم ﷺ کے خلیفہ بلافصل سیدنا صدیق اکبرؓ سے لے کر
غازی عامر چیمہ شہید تک کے واقعات تاریخ کے مستند حوالوں سے پیش کئے گئے ہیں

مرتب: مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی

صفحات 408

قیمت:-/200 روپے

ملنے کا پتہ عمر پبلی کیشنز یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور فون:7356963

Marfat.com

اپنے موضوع کی منفرد کتاب

واقعات وکرامات اکابر علماء دیوبند

مرتب: مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی

صفحات 472 قیمت:-/250 روپے

ملنے کا پتہ عمر پبلی کیشنز یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور فون:7356963

۹۰ سے زائد محترم اکابرین

علماء دیوبند کے آخری لمحات

مرتب: مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی

صفحات 416 قیمت:-/200 روپے

ملنے کا پتہ عمر پبلی کیشنز یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور فون:7356963

حضور ﷺ کے ۱۸۰ عزیز و اقارب کے حالات پر ایک منفرد کتاب

رسول اللہ ﷺ کے رشتہ دار

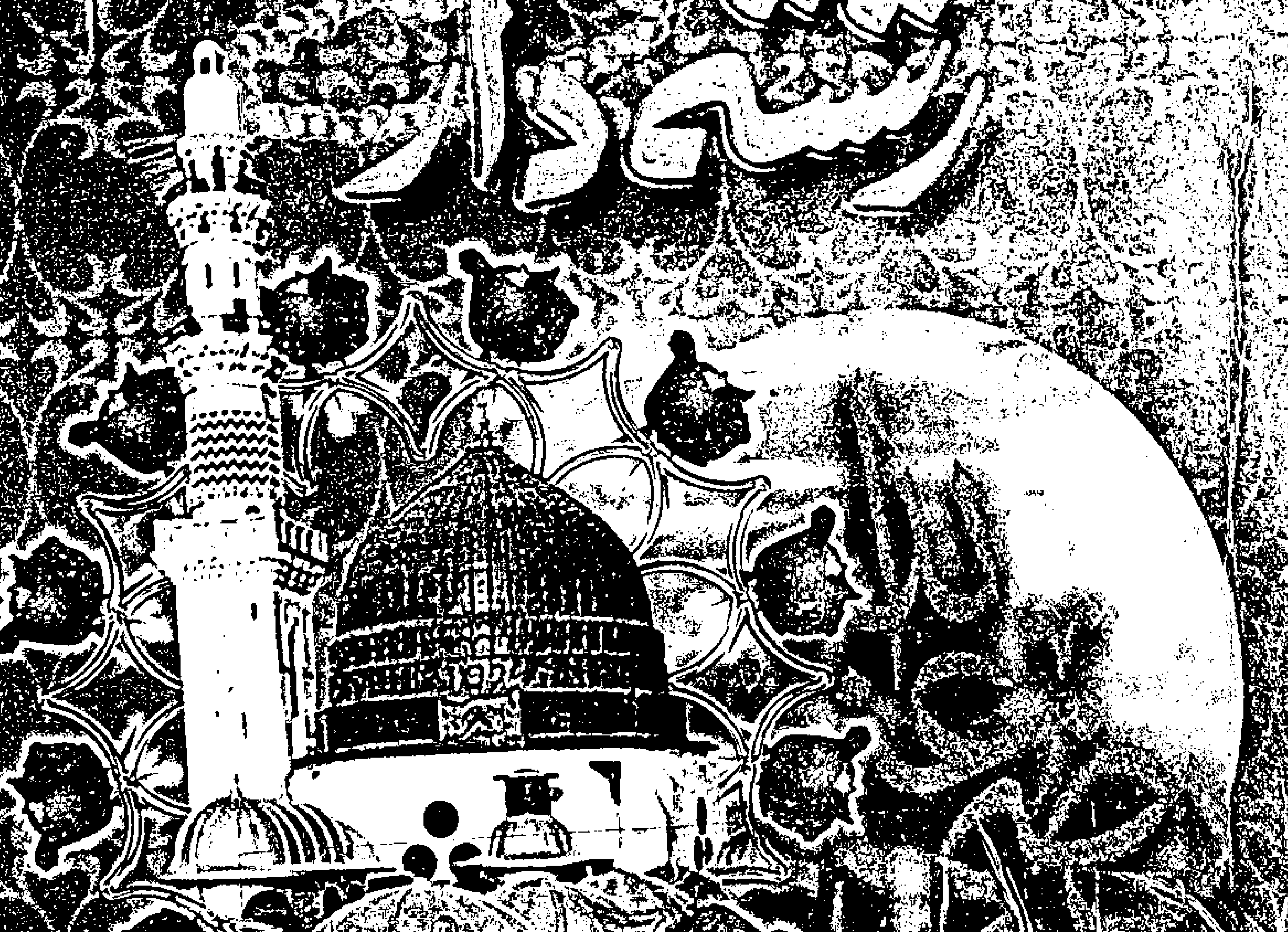

ثناء اللہ سعد شجاع آبادی

عمر پبلی کیشنز
یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

Marfat.com